حضور پیغمبر نور ﷺ

حصہ اول

حضور اکرم ﷺ کی حیات مکی
پر ایمان افروز تحریر

علامہ غلام مصطفی مجددی ایم اے
علوم اسلامیہ پنجاب

قادری رضوی کتب خانہ۔ لاہور

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مکی پر ایمان افروز تحریر

حضور پیغمبر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد اول

از

علامہ غلام مصطفیٰ مجددی

فاضل علوم اسلامیہ (پنجاب)

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

Phone
0333-4383766
042-7213575

فیضانِ رحمت
حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

نام کتاب	حضور پیغمبر نور ﷺ اول
موضوع	سیرت طیبہ ﷺ
مولف	علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے
بفیضان شفقت	چوہدری محمد خلیل
صفحات	704
کمپوزنگ	محمد اکرام مجددی حافظ محمد بلال مصطفیٰ مجددی
پروف ریڈنگ	علامہ غلام دستگیر احمد مجددی
ناشر	چوہدری عبد المجید قادری
زیر اہتمام	چوہدری محمد ارشد قادری
ہدیہ	800 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

Hello: 042-7213575, 0333-4383766

آئینہ کتاب

انتساب

☆

دل ، جان ، روح ، دیدۂ حیراں تمہارے نام
میری تمام عمر کے ساماں تمہارے نام
میرا جہاں میں کیا ہے فقط نقش بے ثبات
ہر شب تمہارے نام ، شبستاں تمہارے نام
ہر حسن زندگی میں تمہاری جھلک ملی
شبنم ، ستارہ ، چاند ، بہاراں تمہارے نام

﴿ مجددی ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

﴿نقشِ اول﴾

لفظ معذور ہیں .... جذبات محدود ہیں .... فکر و نظر کے زاویے اپنی تنگ دامانی پر نوحہ سرا ہیں .... سوچوں تو کیا سوچوں .... لکھوں تو کیسے لکھوں .... نہ علم کا خزانہ ہے .... نہ عمل کا پروانہ ہے .... لیکن درد محبت کا اصرار ہے کہ اس جان محبت کے حضور نذر میں اپنی محبتوں، عقیدتوں اور ارادتوں کا ایک گلدستہ پیش کیا جائے .... وہ بڑا کریم ہے .... وہ بڑا عظیم ہے .... شکلوں کو نہیں دیکھتا .... دل بیقرار کی دھڑکنوں کو دیکھتا ہے .... لفظوں کو نہیں پرکھتا .... روح کے بیتاب جذبوں پر نظر رکھتا ہے .... تو بھی کچھ لکھ .... تو بھی اک قدم اٹھا .... اس کی رحمت فراواں خود سہارے عطا کرتی ہے .... تو کیا سمجھتا ہے .... بوصیریؔ نے خود لکھا تھا .... جامیؔ نے خود چاہا تھا .... سعدیؔ نے خود سوچا تھا .... یہ سب کچھ اس جان محبت کا اعجاز ہے .... اعلان محبت ہے .... کوئی انسان ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے، اس کی اولاد اور والدین، اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں .... اللہ اللہ، محبوب ہونا اس جان محبت کا فعل ہے .... جب وہ دلنواز کسی سراپا نیاز کی طرف نگاہ رحمت اٹھاتا ہے تو فوراً اسے اپنا محب کامل بنا لیتا ہے .... پھر قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں .... قلم چلتے نہیں چلائے جاتے ہیں .... سروش غیب سے مضامین کے آبشار گرتے ہیں .... چل تو بھی

چل.........نگاہ رحمت اٹھنے کو ہے

تیری تقدیر کا دھارا ابھی بدل جائے گا
دیر ہے اس کی فقط ایک نظر ہونے تک

ہاں ہاں، ہو سکتا ہے کوئی ایسا لفظ نصیب ہو جائے......... جو تیری حیات مستعار کا عنوان بن جائے.........کوئی ایسا انداز مل جائے جو دامن مراد کو رنگین کر دے.........حضور پیغمبر نور.........نور علیٰ نور.........شافع یوم النشور.........مظہر حسن شکور.........آئینہ شان غفور.........محبوب رب صبور کی صورت اور سیرت کا موضوع اہل ایمان کے قرطاس وقلم کا محور ہے.........یہ صورت قبلہ زندگی ہے.........یہ سیرت کعبہ بندگی ہے.........یہ صورت حسن کائنات ہے.........یہ سیرت کائنات حسن ہے.........یہ صورت گل طراز چمن ہے.........یہ سیرت آگہی کا بانکپن ہے

پردہ اٹھا تبسم لب سے ذرا ذرا
تیرہ شبی میں صورت دیوار و در ملے
خورشید رخ سے آج شب تار زلف کھینچ
دنیا ترس رہی ہے کہ نور سحر ملے

سامنے رنگ ونور کا ایک دلکش دریچہ کھلا ہوا ہے.........نسیم عرب کے خوشبو فشاں جھونکے آرہے ہیں.........چشم نرگس کو وا ہونا چاہئے.........نظارے دامن دل کو کھینچ رہے ہیں.........سرکار نبوت کی داستان اپنی دلپذیر رعنائیوں اور عالمگیر سچائیوں کے ساتھ جگمگا رہی ہے.........خدائے لم یزل کا بیحد احسان ہے.........اس نے محسن انسانیت کا دریوزہ گر بنایا.........اس کی نسبت غلامی سے سرفراز کیا.........اس کی مدحت سرائی کی توفیق بخشی.........اس کے وسیلہ کرم سے نعمتوں کی برسات نازل فرمائی.........اس کے دربار گوہر بار کو قافلہ حیات کی منزل قرار دیا

وہ مری سوچ پہ یوں چھایا کہ ہر لحظہ اسے
مصحف دل میں پڑھا، شعر غزل میں لکھا

اے اللہ! تیرا شکر ہے، تو نے راقم کی دیرینہ آرزو کو پورا کر دیا، تو رب العالمین ہے، تو

مالک یوم دین ہے، تو ارحم الراحمین ہے، تو خالق آن واین ہے، اور فضل فرما.......اور فضل فرما.......اور فضل فرما.......اس حاصل جستجو کو شرف قبول عطا فرما۔

یارب ترے جمال کی طلعت نصیب ہو
رحمت نصیب ہو مجھے رحمت نصیب ہو
تو ہے خدائے پاک تو میں ہوں نشانِ خاک
دامن تہی ہے، پیار کی دولت نصیب ہو
دنیا کے رنگ و بو میں ہے الجھی ہوئی نگاہ
اللہ! تیرے وصل کی لذت نصیب ہو
ممکن نہیں کہ گردش دوراں سے مر سکے
جس کو ترے رسول کی نسبت نصیب ہو

غلام مصطفےٰ مجددی ایم اے

۱۹ جنوری ۲۰۰۵ء ۸ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ بروز بدھ

باب اول

ظُہورِ نُور سے پہلے

بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا

حضور پیغمبر نور ﷺ کے ظہور نور سے پہلے یہ جہان آب وگل ظلمات کفر اور آفات شرک کے بے رحم شکنجے میں کراہ رہا تھا، پردہ مشرق سے لے کر جملہ مغرب تک ظلم و بربریت کی خوفناک رات چھائی ہوئی تھی، چشم فلک دیکھ دیکھ کر ورطہ حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ حضرت انسان اک ادائے بے نیازی سے اپنے مقصد تخلیق کو بھول چکا تھا، کہیں سمندروں، دریاؤں اور پہاڑوں کی پرستش جاری تھی..........اور..........کہیں سونے چاندی، مٹی اور پتھر کی ناکارہ مورتیوں کو اپنا خدا سمجھا جارہا تھا، صدیوں سے جمود طاری تھا، قرآن پاک نے کیا خوب فرمایا ہے، وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین، اس رسول رحمت کی آمد سے پہلے تمام اولاد آدم کھلی گمراہی کا شکار تھی، ''ضلال مبین'' کی ترکیب بہت جامع ہے، گویا ساری انسانیت سیاسی، مذہبی، معاشرتی، سماجی اور معاشی میدان میں بے یارومددگار بھٹکتی پھر رہی تھی، بقول قرآن بحروبر میں فساد پھیلا ہوا تھا۔ طبقاتی کشمکش نے عظمت انسانی کو پیوند خاک بنا دیا تھا۔ آیئے ذرا تفصیل کے ساتھ تاریخ بنی آدم پر نگاہ ڈالئے، آدمیت کس قعر مذلت میں گر چکی تھی اور حضور پیغمبر نور ﷺ نے اسے کس مقام عروج سے ہمکنار کیا ہے ؎

عالم آب وخاک میں ترے ظہور سے فروغ
ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل، غیاب، جستجو، عشق، حضور، اضطراب

روم کی حالت زار:

حضور پیغمبر نور ﷺ کے ظہور نور سے پہلے مملکت روم ایک ''سپر پاور'' کی حیثیت سے وسیع علاقوں پر راج کر رہی تھی، قدیم رومی تو روحوں کی عبادت کرتے تھے، لوگوں کو طلسماتی امور پر بہت اعتماد تھا، بعد میں یونانی الحاق کی بدولت دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دی، جو پیٹر، جونور، ولکن، مارس، وینس، منزورا کے ناموں سے موسوم تھے، دیوتاؤں کی مذہبی رسوم ادا کرنے کیلئے پروہتوں کی فوج موجود تھی، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سیزر نے اپنی رعایا کو اپنی عبادت کا حکم دیا تو گویا ایک اور معبود باطل کا اضافہ ہو گیا، رومی موت کے بعد حیات کے بھی قائل نہیں تھے، ان کے نزدیک موت ایک ایسی ہولناک نیند کی مانند تھی جو کبھی ختم نہ ہو گی اور اس میں کوئی خواب نہ دیکھا جائے گا، اس کے ایک ہی جھٹکے سے انسانی وجود کے جملہ عناصر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتے ہیں، پھر انہیں کبھی یکجان ہونے کا موقع نصیب نہیں ہو گا، جب حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو رومی سلطنت میں آل یہود کا کافی اثر ورسوخ تھا، آپ کی معجزہ نما ولادت کو دیکھ کر چاہیے تو یہ تھا کہ رومی اور یہودی توحید اور رسالت کے فدائی بن جاتے لیکن انہوں نے آپ کی ذات مبارک کو اپنے عزائم کیلئے بہت بڑا خطرہ سمجھ لیا اور آپ کی جان و آبرو کے دشمن ہو گئے۔ جب آپ نے نعرہ حریت بلند فرمایا، من انصاری الی اللہ، کون ہے جو اللہ کیلئے میرا مددگار ہے تو صرف بارہ حواریوں نے جواب دیا، نحن انصار اللہ، ہم ہیں اللہ (کے دین) کے مددگار، پھر ہر طرف یہودیوں کی پھیلائی ہوئی ریشہ دوانیوں نے پیغمبر برحق کا زاویہ حیات تنگ کر دیا، یہاں تک کہ آپ کے رفع آسمانی کا تاریخی واقعہ رونما ہوا۔ بعد میں آپ کے حواریوں نے دین خدا کی تبلیغ کیلئے بھر پور کوشش شروع کر دی، رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے جور و استبداد کے پہاڑ توڑے گئے لیکن ان کے پایۂ استقامت میں کمی نہ آئی، پھر سینکڑوں سال کی جدوجہد سے عیسائی قوم نے رومی سلطنت پر اپنا مکمل عبور حاصل کر لیا۔ شاہ قسطنطین کے دور حکومت میں یہ تبدیلیاں ظاہر ہوئیں کہ ایک تو اس نے خود عیسائیت کو قبول کیا اور دوسرا قسطنطنیہ کا شہر آباد کیا اور اسکو عیسائیت کا مرکز بنا دیا۔ اب عیسائیوں پر بیرونی دباؤ نہیں تھا مگر اندرونی طور پر مختلف فرقے معرض وجود میں آنے لگے، انہوں نے ایک پیغمبر برحق کی

اطاعت کرنے کی بجائے اس کی شخصیت کو موضوع بحث بنالیا اور خدائے واحد کا پیغام دینے والے کو ہی خدا کا بیٹا سمجھنے لگے، ان کے نزدیک جوہر قدیم اور جوہر حادث کے مجموعہ کا نام مسیح ابن مریم ہے، گویا خدا تو انسان نہ بن سکا مگر انسان خدا بن گیا، جیسے آگ تو کوئلہ نہیں بن سکتی مگر کوئلہ تو آگ بن سکتا ہے، چنانچہ ۳۲۵ھ میں ''نیقیا کونسل'' نے یہ فیصلہ دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت کا کمال پایا جاتا ہے، پھر تمام عیسائی اسی عقیدے پر ڈٹ گئے، افسوس! رومی بت پرستوں اور یہودی فتنہ طرازوں کے مقابلے میں اٹھنے والی تحریک خود کفر و شرک کی اتھاہ تاریکی میں گم ہوگئی۔

ہم تو سمجھے تھے تجھے عشق کی دولت دے گی
عقل بھی چھین لی تجھ سے تیری دانائی نے

اب کیا تھا، جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پاکدامن والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے مجسمے تراشے گئے اور ان کی عبادت کی جانے لگی، عقائد کے افتراق اور افکار کے انتشار نے ساری قوم کو تباہی و بربادی کی تصویر بنا دیا۔ ایک قوم جب مذہبی میدان میں گمراہ ہو جاتی ہے تو اس کے اخلاقی و معاشی، معاشرتی اور سیاسی زاویے بھی ٹیڑھے ہو جاتے ہیں، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں:

''مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں، وہ عیسائیت جو دنیا کو امن و آشتی اور تجرد اور لذائذ دنیوی سے اجتناب کا سبق دینے کیلئے آئی تھی، جنگ و جدل، سفا کی و خون ریزی اور عیش و ہوس پرستی کا گہوارہ بن گئی تھی، مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش و نشاط کے چکلے تھیں، جن میں اگر مذہبی جذبہ باقی بھی تھا، وہ ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، سیاسی حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی، آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خود مختاری نے مشرقی اور مغربی روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل و انحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا''۔ ﴿تاریخ اسلام ۱: ۲۸﴾

معاشی اعتبار سے بھی رومی معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم تھا، امرا اور غربا، امرا ہر قسم کے

سیاسی اور معاشی فوائد کو سمیٹ رہے تھے جبکہ غربا کی حالت زار انتہائی دردناک تھی، عظیم منصوبوں، جنگوں اور سرحد پر آباد وحشی باشندوں پر خرچ کرنے کیلئے رقوم کی اشد ضرورت غریب عوام سے پوری کی جاتی تھی، رعایا پر ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ تھا، موسم کی ناسازگاری کی وجہ سے فصلیں متاثر ہوتی تھیں تو بھی اس کے لگان میں کوئی کمی نہیں کی جاتی تھی، ان معاشی مظالم کی وجہ سے عوام الناس میں جذبہ بغاوت نے جنم لیا اور ۵۳۲ء میں دار الحکومت کے فسادات کی وجہ سے تیس ہزار انسان لقمہ اجل بن گئے، ملک شام بھی رومی اقتدار کے ماتحت تھا، شامی عوام پر لازمی تھا کہ وہ حکومت کا لگان ادا کرے اور تمام پیداوار کا دسواں حصہ پیش کرے، ہر آدمی کیلئے ایک مخصوص رقم کی ادائیگی ضروری تھی، چونگیاں، کانیں، محاصل، چراگاہیں، گندم کے قطعات ٹھیکیداروں کے سپرد تھے، ہر صوبہ میں انکی متعدد کمپنیاں کام کر رہی تھیں، جن کے افسر اور ملازم لوگوں کو وسائل سے محروم کرتے اور اکثر غلاموں کی طرح فروخت کر دیتے، معاشی ذرائع میں قحبہ خانوں اور رقص گاہوں کا کاروبار عروج پر تھا، پروکوپیئس کے بقول اس کے زمانے کی ہر عورت بدکردار تھی، عصمت فروشی کا مشغلہ بڑی تیزی سے جاری تھا، آج کا یورپ بھی قدیم روم کا وارث ہے، یہ خصوصیات ارتقائی منزلوں کو طے کرتی ہوئیں اس کے خمیر میں رچ بس چکی ہیں، روم میں زراعت کے اصول بھی عجیب وغریب تھے، زمین فروخت کرنے والا زمین کے کاشتکاروں کو بھی فروخت کر دیتا، حکومت کے ڈاک خانوں کیلئے گھوڑے، بگھیاں اور لڑکے مہیا کرنا بھی کاشتکاروں کی ذمہ داری تھی، نادہندہ افراد کا بوجھ پورے ضلع کے غریب لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا، لگان زرعی پیداوار کو دیکھ کر نہیں، زمین کی مالیت کو سامنے رکھ کر لگایا جاتا تھا، ان طرح طرح کے لگانوں کے علاوہ بھی ایک لگان عائد کیا گیا جس کی آمدنی سے فوجیوں اور شاہی افسروں کی امداد کی جاتی تھی، معدنی دولت حکومت کی ملکیت تھی، لیکن پرائیویٹ ادارے معدنیات نکالنے کیلئے کانیں کرائے پر لیتے تھے، نجی کاروبار کی اجازت بھی تھی لیکن بعض اہم صنعتوں کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا۔ کارخانوں میں زیادہ ان اشیا کو تیار کیا جاتا تھا جن کی فوجیوں، شاہی افسروں اور درباریوں کو ضرورت ہوتی تھی، شام، مصر اور افریقہ کے لوگوں کو زبردستی مزدور بنایا جاتا تھا تاکہ آبپاشی کیلئے نہروں کو درست

رکھا جائے ۔ امیر، افسر اور درباری افراد راحت و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے، ان کے دیہاتوں میں ان کے عالیشان بنگلے تعمیر تھے ۔ کھانے کے ازحد شوقین تھے، ایک مرتبہ کھانا کھا کرتے کر لیتے تاکہ دوسری مرتبہ بھی کھانے سے لطف اندوز ہو سکیں، عام شہریوں کیلئے لکڑی کی جھونپڑیاں تھیں، بے روزگاری عام تھی اور حکومت نے کبھی اس سنگین مسئلے پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی، رتھوں کی دوڑ اور جنگی مقابلوں میں شرطیں لگتی تھیں جن میں غریب عوام رہا سہا اثاثہ بھی ضائع کر لیتے تھے، راقم نے عرض کیا ہے

عرش لرزا ہے مگر شہر نگاراں نہ ہلا
بھوک سے روتے ہوئے سو گیا بچہ کوئی
کسے پرواہ کہ مفلس کا مکاں جلنے لگا
حاکم شہر کی گلیوں میں چراغاں تو ہوئی

ایران کی حالتِ زار:

روم کے مقابلے میں ایران ایک اور ''سپر پاور'' کی حیثیت سے سرگرم عمل تھا۔ روم کے حکمران کا لقب قیصر ہوتا تو ایران کے حکمران کا لقب کسریٰ ہوتا تھا، دونوں حکمران مطلق العنان ہوا کرتے تھے اور آپس میں برسر پیکار رہتے تھے، ایران ایک بہت بڑا ملک تھا جو بلوچستان، کچ، مکران، کرمان، غور، بامیان، ہندوکش، سیستان، زابلستان، خراسان، ماوراالنہر، رشت ، ماز ندران، اصفہان، استر آباد، گرگان، فارس، لارستان، خوزستان، افغانستان، کابلستان، پنجاب، کردستان، شیروان، بابل، موصل اور دیار بکر کے ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے رقبے پر مشتمل تھا ﴿دائرہ معارف اسلامیہ ۳: ۶۲۷﴾ چونکہ یہ آریوں کا ملک تھا اس لئے اس کو ایران کہا جاتا تھا، یوں تو ایران پر بڑے بڑے خاندانوں کی بادشاہت قائم رہی مگر ساسانی خاندان خاص اہمیت کا حامل ہے، ساسانی حکومت کی بنیاد اردشیر نے ۱۲۸ اپریل ۲۲۴ء میں طیسفون کو فتح کر کے قائم کی، ﴿ایران بعہد ساسانیاں ص ۱۱۲﴾ ایرانی قوم بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں انسانیت کے سنہری اصولوں سے عاری تھی ۔ مظاہر پرستی عام تھی، روشنی، آسمان، آگ، ہوا، بارش اور نجانے کس کس مظہر فطرت کو معبود سمجھا جاتا تھا، آسمانی دیوتا ''وارونا'' کو معبود اعظم کی حیثیت حاصل تھی، اس کے علاوہ متھرا بھی قوم کا خدا

تھا، اس مظاہر پرستی کے زمانے میں زرتشت جیسا مصلح پیدا ہوا، اسکی تاریخ پیدائش چھ سو ساٹھ سال قبل مسیح بتائی جاتی ہے، اسکی کتاب کا نام ژند اور اسکی شرح کا نام اوستا ہے، زرتشت نے لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کا درس دیا، وہ خدائے واحد کو ''اھورا مزدا'' یا ''آرمزد'' کے نام سے یاد کرتا تھا جسکا معنی ہے ہر چیز کو جاننے والا اور ساری کائنات کو پیدا کرنے والا، زرتشت نے ایرانی معاشرے کو جب متعدد خداؤں کا پرستار دیکھا تو اس نے مجوس کے مذہبی طبقے کے خلاف آواز بلند کی، اس نے اعلان کیا کہ ساری کائنات میں صرف خدائے واحد ہی عبادت کے لائق ہے، اس کے انتقال کے بعد قوم پھر آہستہ آہستہ ایک خدا کے ساتھ دیگر ''خداؤں'' کی پرستش کرنے لگی اور ایک بار پھر شرک کا گمبھیر اندھیرا طاری ہو گیا۔ ایک طرف ''اھورا مزدا'' کو نیکی کا خدا اور دوسری طرف ''اھرمن'' کو برائی کا خدا سمجھا گیا، ان کے نزدیک خیر و شر کی یہ دونوں قوتیں روز ازل سے برسر پیکار ہیں، کبھی خیر کو کامیابی مل جاتی ہے اور کبھی شر کو، ان کے مذہب میں آگ کی تقدیس بھی بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کی گئی ہے، اس کے علاوہ اور بھی عجیب و غریب قسم کے عقائد نے اس قوم کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا، مثال کے طور پر انسان کی تذلیل کا یہ انداز ملاحظہ کیجئے، ان کے نزدیک جب انسان بیمار ہو جائے تو وہ کسی شفقت اور خصوصی توجہ کا مستحق نہیں رہتا بلکہ وہ قابل نفرت ہو جاتا ہے، کیونکہ بیماری اس بات کی علامت ہے کہ اس پر بری قوت نے قابو پا لیا ہے، اس لئے اس کے قریبی رشتہ دار بھی اسکو نظر انداز کر دیتے ہیں، بیمار کے علاج سے تساہل اور گائے کے پیشاب سے ناپاک کو پاک کرنے کا طریقہ اس حیرت انگیز مذہب کے کمزور پہلو ہیں ﴿ضیاء النبی ۱: ۴۵ بحوالہ ہسٹری آف پرشیا ص ۱۰۸﴾ جب کوئی آدمی قریب مرگ ہوتا تو روٹی کا ٹکڑا اس کے سینے پر رکھ دیتے، پھر ایک کتا اس کے قریب لایا جاتا، اگر وہ اس روٹی کے ٹکڑے کو کھا لے تو سمجھا جاتا کہ آدمی مر گیا ہے، آج بھی زرتشی مذہب کے پیروکار انسانی لاش کے ساتھ یہ ذلت آمیز سلوک کرتے ہیں کہ اس کو دفن نہیں کرتے کیونکہ مٹی کا پاک وجود پلید ہو جاتا ہے اور اسکو جلاتے نہیں کہ آگ کی طہارت میں فرق آتا ہے، لہذا اس کو ایک گہرے کنویں میں لٹکا دیتے ہیں تاکہ گوشت خور پرندے اس کا گوشت نوچ لیں، یقیناً زرتشت جیسے توحید پرست انسان نے ان قباحتوں کا حکم نہیں دیا ہوگا، لیکن اس کے

ماننے والے اسی عقل سوز طریقے پر گامزن ہیں، ساسانی خاندان کے موسس اول اردشیر نے زرتشی مذہب کو فروغ دیا، بالخصوص آتش پرستی کو سب سے زیادہ اہمیت دی، عبادت کی مرکزی جگہ آتش گاہ تھی، جہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی تھی، عام طور پر ہر آتش کدے کے آٹھ دروازے اور چند ہشت پہلو کمرے ہوتے تھے، اس نمونہ کی عمارت شہر یزد کا قدیم آتش کدہ ہے جو آج بھی موجود ہے، یوں تو ہر جگہ آتش کدے آباد کئے گئے لیکن آذرفربگ، آذرگشنسپ اور آذر برزین مہر کے عظیم آتش کدوں کو خصوصی مقام حاصل تھا، ان تینوں آتش کدوں کے ساتھ انسانیت کے تین طبقے وابستہ تھے، آذرفربگ علمائے مذہب کی آگ تھی، آذرگشنسپ بادشاہوں اور فوجیوں کی آگ تھی اور آذر برزین مہر کاشتکاروں کی آگ تھی۔ ساسانی بادشاہ خود بھی اپنی آگ کے سامنے حاضر ہو کر چڑھاوے پیش کرتے اور اپنے مصائب ومہالک میں اس سے فریاد کرتے تھے، آتشکدوں کیلئے زمین اور غلام وقف تھے اور ان کیلئے اس قوم کی فیاضیاں قابل دید تھیں، ایران میں ''ماگی'' نامی قبیلے کو مذہبی اجارہ داری حاصل تھی، جس سے موبد اعظم کو چنا جاتا تھا، اس کی حیثیت عیسائی پوپ کی طرح تھی، ان ماگیوں کے غیر محدود اختیارات کے خلاف ''مانی'' نے آواز بلند کی اور اپنے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تو اسے بھی تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔ شروع میں تو ساسانی خاندان نے یہود ونصاریٰ کے ساتھ مذہبی رواداری کا ثبوت دیا لیکن شاہ پور کے دور حکومت میں جب رومی حکومت سے جنگ شروع ہوئی اور عیسائیوں نے رومی حکومت کا ساتھ دیا تو اس نے ایرانی سلطنت میں بسنے والے تمام عیسائیوں کے قتل عام کا حکم دیا۔ چنانچہ سولہ ہزار عیسائی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہ ۳۴۱ء کا واقعہ ہے، پھر خسرو پرویز نے اپنی طاقت کے نشے سے چور ہو کر عیسائیت کے خلاف اعلان جنگ کیا تو چھبیس ہزار یہودی اس کی فوج میں شامل ہو گئے ۶۱۴ء میں اس متحدہ لشکر نے یروشلم پر حملہ کیا تو نوے ہزار عیسائی قتل کر دیئے، تمام شہر کو لوٹا اور بڑے بڑے کلیساؤں کو جلا کر راکھ کر دیا، صلیب مقدس کو اٹھا کر ایران لایا گیا، اس کے علاوہ پرویز نے ساری عیسائی دنیا کو زیروزبر کر کے رکھ دیا، یہ عذاب چالیس سال تک جاری رہا، ایران میں انسانیت مختلف طبقات میں تقسیم تھی، بادشاہی خاندان اور اسکے قریبی امراملک کے تمام وسائل پر قابض تھے، اردشیر اور نوشیروان کا عدل و

انصاف تو مشہور ہے، لیکن خسرو پرویز کے عہد میں ظلم وستم کی انتہا ہو چکی تھی، حکمران طبقہ نے عوام کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا تھا کہ ان کو اقتدار خداؤں نے عطا کیا ہے لہذا ان کے سامنے اپنا سر نہیں اٹھانا چاہئے۔ بادشاہ جسے چاہتا موت کی سزا دینے کا مجاز تھا، کسی میں اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ پندرہ سال سے لیکر پچاس سال کے ہر آدمی پر لازم تھا کہ وہ بادشاہ کی عسکری قوت میں شامل ہو جائے۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے کہا کہ اسکے تین بیٹے ہیں، دو بیٹے تو فوجی خدمات سرانجام دیں گے اور ایک بیٹے کو اس کے پاس رہنے دیا جائے، بادشاہ نے اس شہری کے تینوں بیٹے ذبح کروا دیئے، ایک دبیر نے ٹیکسوں کے بارے میں آواز اٹھائی تو اس کو قلمدانوں کے ساتھ مروا دیا، بادشاہ پورے جاہ وجلال کے ساتھ تخت نشین ہوتے تو لوگ اس کو سجدہ کرتے، محلات عیش وعشرت کی آماجگاہ تھے، عوام کے خون پسینے سے بھرا ہوا خزانہ بے دریغ خرچ کیا جاتا تھا، امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے خسرو پرویز کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے حرم میں تین ہزار بیویاں تھیں، ان کے علاوہ ہزاروں لونڈیاں اس کی خدمت پر مامور تھیں، وہ رقص وسرود کی محفلوں کو زینت بخشتیں، اس کے تین ہزار غلام تھے، آٹھ ہزار پانچ سو سواری کے گھوڑے، سات سو ساٹھ ہاتھی اور بارہ ہزار بار برداری کے خچر تھے، جواہرات اور سونے کے ظروف کا وہ سب سے بڑھ کر شوقین تھا، ﴿تاریخ الامم والملوک ۱:۱۵۸﴾ بادشاہوں کے گورنر بھی نہایت عیاش تھے اور ہزاروں غلاموں، جاگیرداروں اور لونڈیوں کے مالک تھے۔ ایرانی معاشرے میں عورت کی از حد تذلیل پائی جاتی تھی، یونان کی طرح یہاں بھی خواصوں اور داشتاؤں کو رکھنا مذہبی طور پر جائز تھا، بہن اور بیٹی کے ساتھ شادی کرنا مذہبی طور پر جائز تھا، ایسی شادیوں کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ ان سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور شیطان دور رہتا ہے، یہ رواج زمانہ قدیم سے جاری تھا، جب بہمن نے اپنی ہمشیرہ ھمائی سے شادی کی تو اس سے دارا پیدا ہوا، ﴿ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۳۳﴾ یزدگرد دوم نے اپنی بیٹی سے شادی کی، علاوہ ازیں اور بھی بہت سی قباحتیں پائی جاتی تھیں، ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

”شوہر مجاز تھا کہ اپنی بیوی کو اس شخص کے حوالے کر دے جو انقلاب روزگار سے محتاج ہو چکا ہو، اس میں عورت سے پوچھنا کوئی ضروری نہیں تھا، اس

عارضی رشتے سے جو اولاد پیدا ہوتی وہ پہلے شوہر کی ملکیت ہوتی تھی، یہ رشتہ ایک قانونی اقرار نامے کے ذریعے قائم کیا جاتا تھا، پھر یہ معاہدہ ایک انسانی ہمدردی کے ضمن میں شامل کیا جاتا تھا، ﴿ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۳۶﴾

عوام الناس معاشی مصائب سے دو چار تھے، امیر لوگوں کو لگان اور جزیہ کی مکمل چھوٹ تھی عید نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کئے جاتے، نذرانے حاصل کرنے کا بھی دستور نافذ تھا، ملک کی زرخیز زمینیں اور معدنی کانیں بادشاہ کی ملکیت ہوتی تھیں، ''فرش بہار'' کے حیرت انگیز کرشمے تاریخ کا حصہ ہیں، سونے کی زمین سے بنا ہوا، جواہرات کی گل کاری سے مزین یہ فرش شاہان ایران کی عیش پرستی کا منہ بولتا ثبوت تھا، اخلاقی اعتبار سے بھی ایرانی معاشرے کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی، شراب و شباب عام تھے، یہ اخلاقی گراوٹ کی انتہا تھی کہ مزدک کا فلسفہ بھی کامیاب ہو گیا جس میں انسانی مساوات کے دو تقاضے بیان کئے گئے تھے، ایک یہ کہ جائیداد پر کسی کا حق نہیں، دوسرا یہ کہ عورت کسی ایک مرد کی منکوحہ بن کر نہیں رہ سکتی، ہر عورت سے ہر مرد پوری طرح لذت اندوز ہوسکتا ہے، لوگ جوق در جوق اس ننگ انسانی تحریک میں شامل ہو گئے، بادشاہ کیقباد نے اپنی مملکت کے تمام وسائل اس تحریک پر صرف کر دیئے، علامہ ابن اثیر علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

''مزدک نے محرمات اور بری اشیا کو حلال کر دیا، اموال و املاک، عورتوں غلاموں اور کنیزوں میں تمام لوگوں کو مساوی حقوق دے دیئے تاکہ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ رہے، وہ ایک آدمی کی بیوی کو لیتا اور دوسرے آدمی کے حوالے کر دیتا، اس کو بڑا غلبہ حاصل ہو گیا، یہاں تک کہ بادشاہ کیقباد بھی اس کے پیرو کاروں میں شامل ہو گیا، مزدک اس حد تک بے غیرت تھا کہ ایک دن اس نے کیقباد کی بیوی ﴿جو نوشیروان کی ماں تھی﴾ کا مطالبہ کیا اور کیقباد اس پر راضی ہو گیا، نوشیروان نے بڑی لجاجت اور کثیر دولت سے اپنی ماں کی عزت بچائی۔

﴿تاریخ الکامل ۱:۴۳۴﴾

ایران میں مجرموں کو انتہائی غیر فطری سزائیں دی جاتی تھیں، تاریک کنوؤں میں بند کرنا، بھوکے درندوں کے آگے ڈالنا، آنکھوں میں گرم سلائی پھیرنا، کھولتے ہوئے تیل

میں پھینکنا، ہاتھیوں کے قدموں تلے روندنا، کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالنا، زبان کھینچ کر کاٹ دینا، جسم کا ایک ایک عضو کاٹنا اور مروڑنا، لوہے کی کنگھی چلانا، ان کا محبوب مشغلہ تھا، سب سے خوفناک سزا کا نام ''نوموتیں'' تھا، اس سزا میں سب سے پہلے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹی جاتیں، اس کے بعد پاؤں کی انگلیاں کاٹی جاتی، اس کے بعد کلائیوں تک ہاتھ کاٹے جاتے، پھر ٹخنوں تک پاؤں کاٹے جاتے، بعد میں کہنیوں، پنڈلیوں، ناک اور کان اور آخر میں سر کی باری آتی، سیاسی اور مذہبی دشمنوں کو ایسی خوفناک سزائیں دینا روز کا معمول تھا، مشکوک لوگوں کو کہا جاتا کہ وہ آگ میں گرم کیے ہوئے سرخ لوہے پر چلیں، یا بھڑکتی ہوئی آگ میں چل کر گزریں یا زہریلی خوراک کھائیں، اگر اس آزمائش میں وہ سلامت بچ جائیں تو انہیں بے گناہ قرار دے دیا جاتا اور اگر وہ اس آزمائش میں پورے نہ اترتے تو انہیں مجرم یقین کر لیا جاتا اور انہیں سزا دی جاتی، ﴿ضیاء النبی ۱:۹۸ بحوالہ دی ایج آف فیتھ ص ۱۴۱﴾ نوشیروان کا عدل وانصاف مشہور تھا لیکن اس نے بھی اقتدار کی سالمیت کیلئے اپنے تمام سگے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا، غرضیکہ اس دور کی دو سپر طاقتیں اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی زوال کے گہرے اندھیروں میں گم تھیں، کتنی ضرورت تھی رحمۃ للعالمین ﷺ کے ظہور نور کی، جن کی طلعتوں سے ہدایت کے تابناک سویرے نمودار ہو گئے اور گمراہ انسانیت کو منزل مقصود نصیب ہو گئی ۔

وہ دانائے سبل، ختم رسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

ہند کی حالتِ زار:

سرزمین ہند کائنات ارضی میں ایک خاص مقام کی حامل ہے، کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی سب سے پہلے اسی سرزمین پر نازل ہوئے۔ اس حقیقت پر ناقابل تردید گواہیاں موجود ہیں کہ آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے یہاں ایسی تہذیب موجود تھی، جو اس جدید تہذیب کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ سندھ میں موہنجوداڑو اور پنجاب میں ہڑپہ اور ٹیکسلا کے کھنڈرات اسی تہذیب کے غماض ہیں، وہ لوگ اپنی معاشرتی ترقی کے باوجود ''ماتا دیوی'' کے عبادت گزار تھے، بعد میں آریہ نمودار ہوئے اور انہوں نے ہندوستان

کے اصل باشندوں یعنی دراوڑوں کو شکست فاش دے کر طول وعرض پر قبضہ کر لیا، کچھ عرصہ بعد ان قوموں کی باہمی آمیزش سے ہندو مذہب اور سنسکرت زبان تمام ہندوستان میں پھیل گئی، حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو سال پہلے "چندر گپتا موریا" نے پندرہ ریاستوں کو یکجان کر کے زبردست حکومت قائم کی، لیکن بعد میں اسی خاندان کے زوال کی بدولت سارا علاقہ چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ سارے ہندوستانی علاقے میں ہندو مذہب قائم تھا جس میں بت پرستی عام تھی۔ دیوتاؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی، ہندو ان کے چرنوں میں قربانیاں پیش کرتے تھے، تین دیوتا بہت اہمیت کے حامل تھے، وشنو: یہ نظام شمسی کا قدیم دیوتا تھا اور ہے، شیوا، یہ وشنو دیوتا کے برعکس ہے۔ اس کے پانچ چہرے اور چار ہاتھ ہیں، برہما: یہ پہلے دونوں دیوتوں سے کم درجہ پر فائز ہے، اس کا بت بھی بہت ہی چھوٹا بنایا جاتا ہے۔ جگہ جگہ ان دیوتاؤں کے مندر بنائے گئے تھے جہاں اونچا طبقہ عیش و عشرت کے نشے سے چور رہتا تھا، معاشرتی طور پر ہندو مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے، ذات پات، چھوت چھات کا رواج تھا، برہمن کو اعلیٰ انسان ہونے کا شرف حاصل تھا، جبکہ شودر گھٹیا مقام کا حامل تھا، ٹریور رقمطراز ہے:

"عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے شودر طبقہ ان قبائل کے افراد پر مشتمل تھا جو بھارت کے باشندے تھے اور جن کو ان کے فاتحین نے اور ان کے ملک پر قبضہ کرنے والوں نے مجبور کر دیا تھا کہ یہ لوگ ذلیل قسم کی خدمات انجام دیں اور یہ بھی ممکن ہے اس طبقہ میں وہ لوگ بھی شامل ہوں جو آریوں اور دراوڑوں کے درمیان باہمی شادیوں سے پیدا ہوئے، ویدوں میں اس تقسیم کا ذکر بتاتا ہے کہ اس کی بنیاد ان کا مذہب تھا، نیز کچھ برہمن آریوں کی اولاد سے تھے، اور کچھ برہمن قبیلے ماتا دیوی کے رحم سے پیدا ہوئے تاکہ انسانی شکل میں اس دیوی کی نمائندگی کریں" ﴿ہسٹری آف ریلیجن: ۵۳﴾

ان کے علاوہ دو اور ذاتیں بھی تھیں، کھشتری اور ویش، برہمنوں کے تعاون سے کھشتری تخت و تاج کے وارث ہوا کرتے تھے، عورت کا مقام انتہائی رسوا تھا، ایک عورت کے ساتھ چار چار مرد بھی شادی کر سکتے تھے، ستی کی رسم عام تھی، یعنی مرد مر جاتا تو عورت کو

بھی اس کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا، بدکاری اور فحاشی کو کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا، رقص شباب اور جام شراب کی محفلوں سے انسانیت مردہ ہو چکی تھی، ماں، بہن، بیٹی جیسے مقدس رشتوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں تھا ﴿مسلم ثقافت ص ۴۱﴾ عورتوں اور غریب انسانوں کو دیوتاؤں کے قدموں پر ذبح کیا جاتا تھا، عدل وانصاف کی قوت امیر طبقے کے ہاتھ تھی جو ہمیشہ ان کے حق میں استعمال ہوتی تھی، غریب انسان اپنے حق کیلئے آواز اٹھاتا تو عبرت ناک سزاؤں سے دوچار کیا جاتا، اگر کوئی برہمن قاتل ہوتا تو اس سے قصاص نہ لیا جاتا، حتیٰ کہ وہ گائے کو بھی ذبح کر دیتا تو اسے صرف معمولی جرمانے یا ملک بدری کی سزا ملتی، جبکہ شودر ان جرائم کا ارتکاب کرتا تو اسے وحشت ناک عذاب میں غرق کر دیا جاتا۔ معاشی حالت بھی طبقوں میں منقسم تھی۔ برہمن اور کھشتری ملک کے تمام وسائل پر قابض تھے اور بڑی بڑی جاگیروں، عالی شان منصبوں کے مالک تھے، ہندوستان میں بدھ مت اور جین مت کی تحریکیں بھی اٹھیں تاکہ مروجہ نظام سے بغاوت کی جائے لیکن بالآخر وہ بھی ہندومت کا حصہ بن گئیں، ایک اسلام ہی ایسا مذہب تھا جس نے آج تک اپنا تشخص قائم رکھا ہے۔ ان تحریکوں کے زوال کے بعد پھر برہمن راج قائم ہو گیا تو انسانیت کی تذلیل ہونے لگی۔

پروفیسر سالک لکھتے ہیں:

> ''شودر برہمن کا پس خوردہ کھائے، شودر مہینہ میں صرف ایک دفعہ حجامت بنوائے، شودر کسی برہمن کو چور کہے تو اس کا کوئی عضو کاٹ دینا چاہیے، شودر کسی برہمن، کھشتری اور ویش کے ساتھ سخت کلامی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے، اگر شودر کسی برہمن کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچ ہے اس شودر کے منہ میں بارہ انگلی کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے ڈالی جائے۔ اگر چھوٹی ذات کا آدمی بڑی ذات کے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہیے، شودر کسی برہمن کے بال یا پاؤں یا داڑھی پکڑے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، شودر کو کوئی مشورہ نہ دو، دھرم اور بھرت کی تلقین بھی نہ کرو، جو شودر کو دھرم کی تلقین کرتا ہے وہ بدترین دوزخ میں جاتا ہے'' ﴿مسلم ثقافت: ۳۸﴾

ہندو مذہب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں گائے، بیل، ناگ

دیوتا اور نجانے کتنے ہی جانوروں کا مقام بھی حضرت انسان سے ہزاروں گنا زیادہ قابل تکریم ہے۔آج بھی اکثر ہندوانہیں پرانے نظریات پرعمل پیرا ہیں، اقلیتوں کے ساتھ شرمناک سلوک کی داستانیں ان کی رسوائی کیلئے کافی ہیں۔ ہندو معاشرے کی عریانی اور ''مذہبی فحاشی'' پوری دنیا کو گمراہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔آج بھی ہندو ہزاروں خداؤں کا پجاری ہے، اس جدید دور میں بھی اس کے اندر صدیوں پرانی روح گردش کر رہی ہے جس نے تعصب کے سوا کچھ نہیں سیکھا۔ یہ ہندو کی تنگ نظری تھی کہ پاکستان جیسا نظریاتی ملک معرض وجود میں آیا۔اب اگر کوئی پوچھے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کی تشریف آوری سے اس ملک میں کیا انقلاب برپا ہوا، تو ہم برملا کہنے کیلئے تیار ہیں کہ اس تاریک ترین ملک میں کروڑوں کی تعداد میں توحید کے متوالے پیدا ہوئے، بزرگان دین کے روشن کردار نے اربوں انسانوں کوصراط ہدایت پر گامزن کر دیا، یہ ایک الگ موضوع ہے، ہم تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے ظہور نور سے پہلے اس قدیم معاشرے میں بھی روشنی کے کوئی آثار نہیں تھے، اگر یہاں کوئی روشنی پیدا ہوئی ہے تو اسی پیکر نور کے وسیلے سے پیدا ہوئی ہے۔

پھوٹا جو سینہ شب تارالست سے
اس نور اولیں کا اجالا تمھی تو ہو

دیگر تہذیبوں کے بارے میں:

روم، ایران اور ہند کے علاوہ یونان اور مصر کی تہذیبیں بھی بہت قدیم ہیں، یونان پہاڑی علاقہ ہے اس لئے مختلف ریاستوں میں بٹا ہوا تھا، سکندر اعظم نے اپنی چھوٹی سی ریاست مقدونیہ کو اتنا استحکام دیا کہ وہ تمام یونانی ریاستوں پر چھا گئی، اس کی فوجیں ایران کو پامال کرتی ہوئیں ہندوستان کے علاقہ پنجاب تک پہنچ گئیں، یونان میں بڑے بڑے دانشور بھی پیدا ہوئے، مثلاً افلاطون، سقراط، بقراط اور ارسطو کا تعلق اسی سرزمین کے ساتھ ہے، عقل و دانش کی اس فراوانی کے باوجود یونان میں بہت سے دیوتاؤں کی عبادت کی جاتی تھی، دیوتاؤں کا پورا خاندان تھا جو کوہ اولیمپس پر قیام پذیر تھا، اس خاندان کی باگ دوڑ ''زیوس'' اور اس کی بیوی ''ہیرا'' کے ہاتھ میں تھی، یہ دیوتا انسانی زندگی میں اہم کردار ادا

کرتے تھے، باقی مختلف امور مختلف دیوتاؤں کے سپرد تھے، مثلاً سمندروں کا نظام ''پوسیڈن'' کے ماتحت تھا، سورج کو ''اپولو'' کنٹرول کرتا تھا، انسان کو عقل ودانش سے مزین کرنے کیلئے ''ایتھینا دیوی'' اہم کردار ادا کرتی تھی، اسلحہ سازی کیلئے ''ہیفااسٹس'' کارگرتھا، ''اریز'' کی امداد سے جنگوں میں کامیابی نصیب ہوتی تھی، محبت کیلئے ''ایفروڈائٹ'' کی نظر کرم درکارتھی، اہل یونان انتہائی ضعیف الاعتقاد تھے، دیوتاؤں کے مندر قائم تھے، جہاں قیمتی نذرانوں کے چڑھاوے پیش کئے جاتے، حتیٰ کہ انسانی جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا، ٹرائے کی مشہور جنگ میں یونانیوں کے سپہ سالار ایگا میمنون نے ''دیوی آرٹومس'' کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے اپنی نوجوان لڑکی ''اینی گنیا'' کو قربان کیا تھا ﴿تاریخ تہذیب ۱:۹۳﴾ یوں تو ہر شہر میں قومی تہوار منعقد ہوتے لیکن چار سال کے بعد اولمپیا میں ایک بہت بڑے تہوار کا انعقاد کیا جاتا تھا، اس میں کھیلوں کے ساتھ ساتھ موسیقی، شاعری، شراب نوشی اور شباب پرستی کے حیا سوز مظاہرے کیے جاتے تھے، یونانی معاشرہ تین طبقوں میں تقسیم تھا، بادشاہ اور اسکی ملکہ جو امیروں اور مشیروں کی امداد سے حکومت کا کاروبار چلاتے تھے، دوسرا طبقہ امیر لوگوں پر قائم تھا، ان کا نظریہ تھا کہ وہ ''زیوس دیوتا'' کے نسب سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کو اپنے معاشرے میں دیگر طبقوں پر برتری حاصل ہے، تیسرا طبقہ عوام الناس پر مشتمل تھا، جو کاشتکاری، ڈاکہ زنی، گلہ بانی، بحری قذاقی، اسلحہ سازی اور تجارتی شعبوں سے وابستہ تھے، اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا کہ کثرت اولاد سے بچنے کیلئے غیر فطری اور ہم جنسی ذرائع استعمال کیے جاتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ اراضی محدود تھی، آبادی بڑھنے کی صورت میں ان کو طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا، پھر بھی جب آبادی بڑھ گئی تو انہوں نے غارت گری کے بازار گرم کر کے باہر کے ممالک میں نو آبادیاں قائم کرلیں، قرض کی وبا عام تھی، سودخوری کا دور دورہ تھا۔ غربا معیشت کی چکی میں پس رہے تھے۔ معذوروں کو کسی غار یا پہاڑ کے ویرانوں میں پھینک دیا جاتا تاکہ وہ سردی سے مرجائیں یا کسی بے رحم درندے کا شکار بن جائیں، یونان کے عوام کو کیا کہیں، اہل عقل ودانش کی فلسفی موشگافیاں سن کر عقل ودانش منہ چھپاتی پھرتی ہے، چند ایک شہپارے ملاحظہ کیلئے:

⊙...... آزادانہ اختلاط کرنے والے مرد اور عورتیں ممتاز صلاحیتوں کے

مالک ہوں گے اور ان کی اولاد بھی یقیناً دوسرے لوگوں سے اعلیٰ و برتر ہوگی۔ ﴿کتاب الجمع ۱۷﴾

⊙ اگر عوام الناس اور اہل لشکر کے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے اور مقررہ وقت پر وہ پیدا نہ ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے، اسی طرح جسمانی طور پر کمزور بچے، بد اخلاق لڑکے، بیمار انسان جس کے تندرست ہونے کی امید نہ ہو، کو قتل کر دینا چاہئے، ﴿کتاب الجمع:۱۸﴾

⊙ یونانی لوگ سردار اور آزاد ہیں، باقی تمام ملکوں کے باشندے ان کے غلام ہیں، ﴿کتاب الجمع:۳۹﴾

⊙ حکمران طبقے کیلئے قانون نہیں بنایا جاتا بلکہ یہ لوگ بذات خود قانون ہیں، ان اکابر کو قانون کا پابند کرنا کھلا مذاق ہے، ﴿السیاسۃ:۲۱۷﴾

⊙ کسی عامی انسان کے بدلے کسی سردار کو قتل کرنا یا اسے جلاوطن کرنا یا اسے عام لوگوں کی سطح پر اترنے کیلئے مجبور کرنا عدل کے خلاف ہے، ﴿السیاسۃ:۲۳۴﴾

یہ تمام نظریات افلاطون اور اس کے نامور شاگرد ارسطو کے ذہن رسا کا نتیجہ ہیں، یہی حالت زار تہذیب مصر کی تھی، تاریخ عالم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمدن کی پہلی کرن اسی ملک میں نمودار ہوئی، مصری بہت دانشور، ریاضی دان، فن تعمیر کے عظیم ماہر تھے، ان کے بنائے ہوئے اہرام آج بھی عجوبہ روزگار ہیں، لیکن حیرت ہے کہ اتنی عقل مند قوم بھی توحید کے عرفان سے عاری تھی، تعلیم یافتہ لوگوں کے نزدیک خدا کا تصور تو موجود تھا لیکن وہ بھی ایک خدا کو نہیں مانتے تھے، ان کی توحید یہی تھی کہ وہ ایک وقت میں صرف ایک دیوتا کی پرستش کرتے تھے، ﴿انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۸:۵۲﴾ تین خدا زیادہ مشہور تھے، اوسیرس، آئسس، ہورس، علاوہ ازیں اور بھی خداؤں میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ کوئی حیوانات کا خدا تھا، کوئی انسانی معاملات کا خدا تھا اور کوئی نظام شمسی کا خدا تھا، مصر میں بادشاہ کو بھی معبود کا درجہ حاصل تھا، جیسے فرعون مصر اپنی پوجا کا حکم دیا کرتا تھا۔ مسلمانوں کی فتح مصر تک مصری روم کے زیر تسلط تھے، اس وقت خود رومی بھی مختلف دیوتاؤں کو پوجا کرتے تھے۔ چوتھی صدی عیسوی میں قسطنطین نے عیسائیت قبول کی تو اس نے پورے زور و شور سے مصر میں بھی اس مذہب کو

عام کیا، وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوا، بعد میں یہاں عیسائیت کی فرقہ بازی کے بازار بھی گرم ہوئے۔ ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے یہودیوں کو ساتھ ملا کر مصر پر حملہ کیا تو بے شمار عیسائیوں کو ختم کر دیا، بے شمار لوگوں کو جنگی قیدی بنایا اور بہت زیادہ گرجوں کو منہدم کر دیا۔ مصری حیات بعد الممات کے شروع سے ہی قائل تھے لیکن اس عقیدے کے بارے میں ان کی رسمیں بہت عجیب و غریب تھیں، وہ قبروں میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ دیتے، کوئی بادشاہ مرجاتا تو اس کیلئے بہت بڑا مدفن تیار کیا جاتا۔ عالیشان عمارت تعمیر کی جاتی، اس میں شاہی تابوت رکھا جاتا جس میں بادشاہ کی حنوط شدہ لاش رکھی جاتی تھی، اس کے ساتھ کمروں میں بادشاہ کی ضرورت کا سامان رکھا جاتا تھا، اس میں برتن، پانی کے مٹکے، سونے کے زیورات، خزانے اور خدام کی ایک جماعت کا بندوبست کیا جاتا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ بادشاہ دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہو جائے گا اور اسے ان تمام چیزوں کی ضرورت محسوس ہوگی، اس کے بعد اس کے مقبرے یا عمارت کے تمام دروازے پتھروں اور بڑی بڑی چٹانوں سے بند کر دیئے جاتے۔ ذرا تصور کیجئے کہ زندہ خدام کی حالت کیا ہوتی ہوگی، وہ کس طرح بھوک اور پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتے ہوں گے، اس جدید دور میں اہرام اور مقابر کی کھدائی سے زیوروں، اناج سے بھرے مٹکوں، بادشاہی تختوں، کرسیوں اور تاجوں کے ساتھ ساتھ اُن مظلوم انسانوں کے ڈھانچے بھی سامنے آئے ہیں، یہ ظلم و ستم صدیوں تک جاری رہا، مصر کی معاشی حالت بھی انتہائی دردناک تھی، ٹیکسوں کی بھر مار سے معاشی حالت عمومی انحطاط کا شکار تھی، کاروبار کے گھٹ جانے، زراعت کو پس پشت ڈالنے اور مصری آبادی کے رفتہ رفتہ کم ہونے کے باعث بڑے بڑے شہر کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے تھے، جو پھر کبھی سنبھل نہ سکے اور ان کی سابقہ خوشحالی کبھی واپس نہ لائی جا سکی، ﴿ضیاء النبی ۱:۱۵۹ بحوالہ ہسٹورین ہسٹری ۷:۱۷۵﴾ سیاسی طور پر مطلق العنان فرعون اور اسکے گماشتے پوری طرح مسلط تھے، معاشرے پر عورت کا راج تھا، بہن اور بیٹی کے ساتھ شادی کی قباحت بھی پائی جاتی تھی، بالخصوص بادشاہ اپنے شاہی خون کو بیرونی عناصر سے ناپاک نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے بہن اور بیٹی کو اپنی بیوی بنالیا کرتے تھے، فحاشی اور عریانی کو جرم نہیں سمجھا جاتا تھا، مصر کا حسن و جمال پوری دنیا میں مشہور تھا، اس لئے کوئی بھی اس کے

جال سے محفوظ نہیں تھا، مصر کی بے باک عورتوں کی داستانیں آج بھی زبانوں پر جاری ہیں، معاشرہ میں سب سے اونچا طبقہ مذہبی رہنماؤں اور امیر لوگوں پر مشتمل تھا، ان لوگوں کے پاس وسیع اختیارات پائے جاتے تھے، زمین حقیقی طور پر فرعون مصر کی ملکیت تھی، لوگ اس کے غلام تھے، بعد میں رومی نظام حکومت میں بھی امرا اور رومی گورنر کو مرکزی مقام حاصل تھا، مصر عجائب وغرائب کی سرزمین تھی، دریائے نیل کے زرخیز میدان، قدرتی وسائل، محنتی عوام، عظیم خزانے، ہر چیز تھی، لیکن انسانیت کا نام اور نشان نہیں تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ کے غلامان باوفا نے اس علاقے کو فتح کیا تو تہذیب انسانی کے سرچشمے بیدار ہو گئے، قبطی عیسائیوں نے اپنے ہم مذہب رومی عیسائیوں کی بجائے مسلمانوں کے ماتحت زندگی بسر کرنا باعث افتخار سمجھا۔ کیونکہ ان کو اپنے ہم مذہبوں سے عدل وانصاف کی کوئی توقع نہیں تھی، اسلام کے فرزندان کو انسانی قدروں کی معراج دکھائی دے رہے تھے، انسائیکلوپیڈیا گلوریئل میں ہے کہ عربوں کے دور حکومت میں اسلام کے عادلانہ نظام معیشت کی برکت سے اس ملک کی معاشی خوشحالی لوٹ آئی، اور اس کا سالانہ خراج اتنا بڑھ گیا کہ اس زمانے کے تمام ممالک سے زیادہ تھا۔

اس کائنات ارضی میں چین بھی اپنی منفرد تہذیب اور ثقافت کی وجہ سے نہایت مشہور تھا، اور آج بھی مشہور ہے، عہد قدیم سے ہی اہل چین کی سائنسی ایجادات نے دنیا کو حیران کر رکھا ہے، جب تمام دنیا علم وفکر کی روشنی سے محروم تھی، چین کے طول وعرض میں علم وفکر کی قندیل روشن تھی، مثلاً کوئلے کو بطور ایندھن استعمال کرنا، سورج کے قرص پر داغوں کا سراغ لگانا، زلزلے کی جگہ اور قوت کا اندازہ لگانے کیلئے آلہ ایجاد کرنا، بارود کو ایجاد کرنا، کاغذ کی صنعت کو فروغ دینا اہل چین کے کارنامے ہیں جو ظہور اسلام سے بہت پہلے ظاہر ہو چکے تھے، یہ سب حقائق بجا، لیکن مذہبی اعتبار سے چین بھی دیگر تمام ممالک کی طرح تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ مظاہر فطرت بالخصوص سورج، زمین، دریا، ہوا، مشرق ومغرب وغیرہ کی پوجا کی جاتی تھی، ان معبودوں کیلئے جانوروں، شرابوں حتیٰ کہ انسانوں کی قربانیاں پیش کی جاتی تھیں،، شانگ خاندان کے مہذب دور میں بھی جنگی قیدیوں کو صرف اس لئے ملک میں لایا جاتا کہ انہیں اپنے دیوتاؤں کے دربار میں ذبح کر دیا جائے، چینی زیادہ تر اُن

دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے جنکا بارش برسانے، فصلیں اگانے اور جنگوں میں امداد کرنے سے تعلق تھا، چین میں بھی بادشاہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، وہ مرجاتا تو لوگ اس کیلئے عظیم الشان مقبرے تعمیر کرتے اور شاہی لاش کے ساتھ دنیا جہان کا قیمتی اور شاندار سامان سجایا جاتا تھا، چینی اپنے اسلاف کی پوجا بھی کرتے تھے، عوام بھی اپنی میت کے ساتھ قیمتی چیزیں دفن کرتے اگرچہ اس فضول رواج کیلئے ان کی زندگی ویران ہو جاتی، چین میں کنفیوشس جیسا دانا انسان پیدا ہوا تو اس نے اپنی فلسفیانہ تعلیم سے اہل چین کو ازحد متاثر کیا۔ اس کے نزدیک ریاست ایک قدرتی ادارہ ہے جس کا فرض انسان کی خوشحالی ہے۔ اس نے ہمدردی، تعاون باہمی، نیک نامی، برابری اور رواداری کا درس دیا۔ وہ اس بات پر زور دیتا تھا کہ انسان کی مادی زندگی کو بہتر بنایا جائے۔ اس کے شاگردوں نے اس کی تعلیم کو خوب عام کیا اور چین کے بادشاہ بھی اس سے متاثر ہوئے، کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے اس مصلح قوم کو دیوتا بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ چین میں بدھ مت کو بھی بہت زیادہ عروج ملا جس کا مقصد سراسر روحانی تسکین تھی لیکن اس میں بھی گوتم بدھ کو خدا کا درجہ حاصل تھا۔ مورخین کے نزدیک اہل چین بھی اپنے اس مزاج میں ساری دنیا سے منفرد تھے کہ وہ ایک ہی وقت میں بہت سارے مذاہب کے پیروکار ہوا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب بدھ مت کے مبلغین تحریف شدہ مذہب لے کر چین میں آئے تو اہل چین نے ان کو بھی سرآنکھوں پر بٹھایا، چین کے لوگ بلا کے جفاکش اور بلند ہمت واقع ہوئے ہیں۔ دیوار چین ان کی عظمت رفتہ کی منہ بولتی تصویر ہے، آج سے دو ہزار سال پہلے بنائی گئی ڈیڑھ ہزار میل لمبی دیوار میدانوں، پہاڑوں، وادیوں اور دشوار گزار راستوں سے ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی گزرتی ہے تو اس کی بلندی اور چوڑائی دیکھ کر قدیم چینیوں کو خراج تحسین پیش کرنا ہر انسان کی مجبوری بن جاتا ہے۔ اس دیوار کی بدولت چین کے لوگ شمالی قبائل کی وحشت و بربریت سے محفوظ ہو گئے، اتنے کمالات کے باوجود یہ ملک بھی انسانیت کو ابدی کامیابی سے ہمکنار نہ کرسکا اور لوگ کفر وشرک کی وادی میں سرگرداں رہے۔

یہود و نصاریٰ کا کردار:

حضور پرنور ﷺ کے ظہور نور سے پہلے یہود و نصاریٰ کی باہمی آویزش نے بھی

دنیا کو تاریک بنا رکھا تھا، یہ دونوں قومیں آسمانی کتابوں کی علمبردار تھیں لیکن یہ الگ بات ہے کہ ان کے احکامات کو سرے سے تبدیل کر چکی تھیں، آسمانی کتابوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ اقوام عالم میں عقیدہ توحید کو فروغ دیا جائے۔ خوف آخرت کو بیدار کیا جائے، انسانی حقوق و فرائض کا راستہ متعین کیا جائے، انبیا کرام کی محبت و اطاعت کی تلقین کی جائے، افسوس ان تمام بنیادی امور کو ختم کر کے ان کا انفرادی تشخص ہی زائل کر دیا گیا، یہود ونصاریٰ نے دین ہدایت کو چھوڑ کر دنیا پرستی کے سفلی جذبے کو پروان چڑھایا، خدائے واحد کے ساتھ حضرت عزیر، حضرت مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے مقبولان خدا کی عبادت شروع کردی، یہود کا ''ذوق عبادت'' تو اتنا سریع تھا کہ سامری کے تراشیدہ بچھڑے کو اپنا معبود سمجھنے لگے، انبیا کرام نے ان کی اِدھر اُدھر جھکتی ہوئی پیشانیاں اٹھا کر مسجود حقیقی کے سامنے جھکا دیں تو بھی اپنے آپ کو اسکا بیٹا کہنے لگے اور کبھی انبیا کرام کو اس کی اولاد سمجھنے لگے، اس قوم کو تباہی اور بربادی سے کون بچا سکتا ہے جو اپنی آئینی دستاویز کو اڑا کر رکھ دے اور طرح طرح کی نعمتوں سے دامن مراد بھر کر بھی سجدہ شکر ادا نہ کرے، یہود نے تورات کے ساتھ کیا کیا، جو تورات حضرت کلیم اللہ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، وہ یقیناً نور تھی، ہدایت تھی، شفا تھی، رحمت تھی، معارف کا مجموعہ تھی، علوم کا سرچشمہ تھی، اس پر ایمان لانا یہود پر ہی واجب نہیں، ہم غلامان مصطفےٰ پر بھی واجب ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سو سال پہلے تورات کی ایک ہی جلد تھی مگر دو سو چوراسی سال پہلے بہتر علمائے یہود نے اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا تو اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا، ان حصوں کے نام یہ ہیں، پیدائش، خروج، احیاء، گنتی استثنا، تورات کے بابوں اور آیتوں کی تفصیل ان کے بارہ سو چالیس سال بعد کارڈنل ہوگو نے رقم کی، تورات کے قلمی نسخوں پر بار بار افتاد ٹوٹی، مورخین نے واضح طور پر لکھا ہے کہ تورات سات دفعہ ضائع ہوئی اور آٹھویں بار یہ سانحہ خود یہود کے ہاتھوں رونما ہوا، انہوں نے غفلت سے کام لیتے ہوئے بعض کتابوں کو گنوا دیا، بعض کو پھاڑ دیا اور بعض کو جلا دیا۔

برٹانیکا جلد دوم میں ہے؛

''عرصہ دراز تک کتب مقدسہ کا مطالعہ جرح و تعدیل کے مستند اصول سے محروم رہا، یہود محض اس عبرانی نسخہ کی پیروی کرتے تھے جس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ غالباً

دوسری صدی عیسوی میں جمع کیا گیا اور بعدازاں احتیاط سے محفوظ رکھا گیا، لیکن اس نسخے میں چند تحریفیں تو ایسی ہیں جو صاف نظر آتی ہیں اور غالباً ایک کافی تعداد تک ایسی تحریفیں اور بھی موجود ہیں جن کی شاید اب یا کبھی پورے طور پر قلعی نہ کھل سکے، عیسائی اور سکندریہ کے یہود علما کی حالت اس سے بھی بدتر تھی کیونکہ پانچویں صدی عیسوی تک شاذ و نادر استثنا کے ساتھ اور پانچویں صدی سے پندرھویں صدی تک بلا استثنا ان بزرگوں نے تمام تر تراجم پر اکتفا کیا"

تورات کے تحریف شدہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں انبیا کرام کے پاکیزہ کردار کے بارے میں کتنے ہی بے سروپا واقعات موجود ہیں، حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے گستاخانہ مکالمہ، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کیساتھ زور آزمائی، حضرت لوط علیہ السلام پر انتہائی رکیک الزامات اور دیگر عجیب وغریب کہانیاں اسکے عقلی، نقلی، تاریخی اور اخلاقی اعتبار سے ناقابل اعتماد ہونے کا ثبوت ہیں، حضور پیغمبر نور ﷺ کی شان وعظمت کے نقوش تورات کے متعدد مقامات پر ثبت تھے، ان مقامات کو یہود نے اپنے تعصب وعناد کی بھینٹ چڑھا دیا، تاریخ شاہد ہے کہ چشم فلک نے ایسی سازش طراز، ہٹ دھرم، ناشکر گزار اور نافرمان قوم شاید ہی دیکھی ہو، نسلی تفاخر تو ان کے رگ وریشہ میں سمایا ہوا تھا، یہی وہ منحوس جذبہ ہے جس نے ان کو اس عظمت والے پیغمبر کی نبوت ورسالت کا اعتراف نہ کرنے دیا، جس کے انتظار میں وہ صدیوں کے مرحلے طے کر چکے تھے، انبیا کرام کو شہید کرنا ان کا شیوہ حیات تھا۔ ان کے بعد نصاریٰ پروان چڑھے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں کا نام ہے، نصاریٰ کو انجیل جیسی روشن کتاب نصیب ہوئی مگر انہوں نے بھی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا، انجیل میں ستائیس کتابیں شامل ہیں، عیسائی محققین کے نزدیک کم از کم ایک سو اٹھاون کتابیں ایسی ہیں جو کسی نہ کسی زمانے میں کسی نہ کسی عیسائی گروہ کے نزدیک معتبر تھیں مگر اب جعلی ہونے کی وجہ سے عہد نامہ جدید کے مجموعے سے خارج ہیں، کتب غیر مشمولہ میں چند ایسی کتابیں بھی تھیں جن کی بابت بیان کیا جاتا تھا کہ وہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی لکھی ہوئی ہیں، ان کے نام یہ بیان کئے جاتے ہیں، نامہ بنام ابی گارس، نامہ بنام پیٹر وپال، تمثیل و وعظ کی کتاب، مناجات مسیح، کتاب سحر، کتاب پیدائش مسیح و مریم، نامے جو آسمان سے گرے، نامہ

حضرت مسیح جو مٹی کس نے پیدا کیا، ﴿کتب سماوی پر ایک نظر: ۵۵﴾ تورئن نے اپنی کتاب ''علم اسناد'' میں لکھا ہے:

''ابتدائے ملت مسیحی میں احوال مسیح کے بیان میں ایک مختصر سا رسالہ تھا، جائز ہے کہ کہا جائے کہ وہی اصلی انجیل تھی اور غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدوں کے واسطے بنائی گئی تھی جنہوں نے احوال مسیح اپنے کان سے نہ سنے تھے اور نہ ان کے حالات اپنی آنکھ سے دیکھے تھے، چنانچہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی اور حالات مسیح ترتیب کے ساتھ نہ لکھے گئے تھے مختلف محققین نے انجیل متی کے متعلق بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے، متی کی اصلی انجیل عبرانی میں لکھی گئی تھی جو موجودہ ساری انجیلوں پر مقدم تھی اور جواب ضائع ہو چکی ہے، یونانی میں ترجمہ ہونے کے حالات پوری طرح معلوم نہیں، یونانی ترجمہ میں سینکڑوں غلطیاں ہیں، وہ عبرانی انجیل جو بارہ حواریوں کی انجیل کہلاتی ہے، ابیونی فرقہ کے پاس تھی اور اس فرقہ کا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ صرف ایک برگزیدہ انسان تھے، موجودہ انجیل کی تعلیم سراسر عہد عتیق کی تعلیم پر مبنی ہے، اس میں کوئی خاص نئی چیز نہیں، البتہ مختلف انجیلوں کے اندر دیئے ہوئے شجرہ مسیح کا اختلاف، دوسرے واقعات کی تفصیلات کا مختلف ہونا یہ ضرور ثابت کرتا ہے کہ اگر یہ کتابیں الہامی ہوتیں تو اتنے بڑے بڑے تناقض اسمیں نہ پائے جاتے، مسیحیت کی بنیاد دو مسئلوں پر ہے، مسیحی محققین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ دونوں حصے جن سے یہ دو مسائل پیدا ہوتے ہیں، وہ الحاقی ہیں، پہلا مسئلہ ولادت مسیح کا اور دوسرا مسئلہ شہادت مسیح کا، پیکس (Peaks) میں دور حاضر کی تحقیقات کا خلاصہ یہی دیا گیا ہے کہ بیان ولادت، بیان شہادت اور بیان رفع جسمانی تینوں الحاقی ہیں''

ان اناجیل کے جعلی اور الحاقی ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں وہ عقائد و نظریات بیان کیے گئے ہیں، جنکا ایک پیغمبر برحق کی الہامی تعلیمات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، کہیں الوہیت مسیح کا نظریہ ہے تو کہیں ابنیت مسیح کا چرچا ہے، کہیں کفارے کا

ذکر ہے تو کہیں تنسیخ شریعت کا بیان ہے، توحید کی جگہ تثلیث نے لے لی ہے، الغرض سینٹ پال جیسے یہودی فطرت لوگوں نے نصرانیت کا لبادہ اوڑھ کران کتابوں کو گمراہی، اوہام پرستی اور بے عملی کا معجون مرکب بنا دیا ہے۔ یہود ونصاریٰ کے تاریک کردار کا مطالعہ کرنے کیلئے قرآن پاک کا مستند سہارا از حد ضروری ہے، پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ ایسی نا عاقبت اندیش قوموں کو راہ راست پر لانے کیلئے پیغمبر آخر ﷺ کی بعثت کس قدر ضروری تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙......وضربت علیھم الذلۃ...................... وکانو یعتدون O اوران پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری اور خدا کے غضب میں لوٹے، یہ بدلہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیا کو ناحق شہید کرتے، یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا، ﴿سورۃ البقرہ:۶۱﴾

⊙......ولقد علمتم الذین...................... وموعظۃ للمتقین O اور بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے، تم میں کہ وہ جنہوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے O تو ہم نے ﴿اس بستی کا﴾ یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت بنا دیا اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت، ﴿ایضاً ۶۵،۶۶﴾

⊙......افتطمعون...................... وھم یعلمون O تو اے مسلمانو! کیا تمہیں طمع ہے کہ یہ یہودی تمہارا یقین لائیں گے اور ان میں تو ایک گروہ وہ تھا کہ اللہ کا کلام سنتے، پھر سمجھنے کے بعد اسے دانستہ بدل دیتے، ﴿ایضاً ۷۵﴾

⊙......فویل للذین...................... مالا تعلمون O تو خرابی ہے ان کیلئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں، تو خرابی ہے ان کیلئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کیلئے اس کمائی سے O اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن، تم فرمادو کیا خدا سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے، جب تو اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ کرے گا یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں، ﴿ایضاً ۷۹،۸۰﴾

⊙ ......واذاخذنا میثاق .... ولاھم ینصرون O اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو، پھر تم پھر گئے مگر تم میں تھوڑے ﴿ قائم رہے ﴾ اور تم روگرداں ہو O اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا پھر تم نے اس کا قرار کیا اور تم گواہ ہو O پھر یہ جو تم ہو، اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکالتے ہو، ان پر مدد دیتے ہو ﴿ ان کے مخالف کو ﴾ گناہ اور زیادتی میں اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو بدلا دے کر چھڑا لیتے ہو اور ان کا نکالنا تم پر حرام ہے، تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو، تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلا کیا ہے مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں O یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی، تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے O ﴿ سورۃ البقرہ ۸۳تا۸۶ ﴾

⊙ ......ولقد اتینا موسیٰ الکتب .... ان کنتم مومنین O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح سے اس کی مدد کی تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تو تکبر کرتے ہو، ان ﴿ انبیا ﴾ میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو O یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں O اور جب ان کے پاس اللہ کی کتاب ﴿ قرآن ﴾ آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب ﴿ تورات ﴾ کی تصدیق فرماتی ہے اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے

پاس وہ جانا پہچانا، اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر O کس برے مولوں انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا کہ اللہ کے اتارے سے منکر ہوں، اس کی جلن سے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے جس بندے پر چاہے وحی اتارے تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے اور کافروں کیلئے ذلت کا عذاب ہے O اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا اس پر ایمان لاتے ہیں اور باقی سے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے ان کے پاس والے کی تصدیق فرماتا ہوا، تم فرماؤ کہ پھر اگلے انبیا کو کیوں شہید کیا اگر تم کو اپنی کتاب پر ایمان تھا، O ﴿ایضاً ۸۷ تا ۹۱﴾

⊙......اے محبوب تم فرماؤ، اگر پچھلا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لئے ہو نہ اوروں کیلئے تو بھلا موت کی آرزو تو کرو اگر سچے ہو O اور ہر گز کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے ان بداعمالیوں کے سبب جو آگے کر چکے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو O ﴿ایضا ۹۴، ۹۵﴾

⊙......**ولما جاء هم رسول** .... **لا يعلمون** O اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول ان کی کتابوں کی تصدیق فرماتا تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا کہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے O ﴿سورۃ البقرہ: ۱۰۱﴾

⊙......**وذكثير من اهل الكتاب** .... **قدير** O بہت سے اہل کتاب نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے تو تم چھوڑو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، ﴿سورۃ البقرۃ: ۱۰۹﴾

⊙......**وقالو لن يدخل الجنة** .... **صٰدقين** O اور اہل کتاب بولے ہر گز جنت میں نہ جائے گا مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہو، یہ ان کی خیال بندیاں ہیں، تم فرماؤ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو، ﴿ایضا: ۱۱۱﴾

⊙......**وقالت اليهود** .... **يختلفون** O اور یہودی بولے نصرانی

کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں، حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اسی طرح جاہلوں نے ان کی سی بات کہی تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جس بات میں وہ جھگڑ رہے ہیں، ﴿ایضا:۱۱۳﴾

⊙ ...... ولن ترضیٰ .... ولا نصیر ○ اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو، تم فرما دو اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے، ﴿اور اے سننے والے﴾ اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ مددگار ○ ﴿ایضا:۱۲۰﴾

⊙ ...... ام تقولون .... عما تعملون ○ بلکہ تم یوں کہتے ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل اور اسحاق و یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے، تم فرماؤ کیا تمہیں علم زیادہ ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جس کے پاس اللہ کی گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے، خدا تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ○ ﴿ایضا:۱۴۰﴾

⊙ ...... یا اھل الکتاب .... تعقلون ○ اے کتاب والو ابراہیم کے باب میں کیوں جھگڑتے ہو، توراۃ اور انجیل تو ان کے بعد اتری، کیا تمہیں عقل نہیں .... ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے ○ ﴿سورۃ آل عمران:۶۵،۶۷﴾

⊙ ...... اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں اور وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں ○ اے اہل کتاب، اللہ کی آیتوں سے یہ کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو ○ اے اہل کتاب، حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تمہیں خبر ہے ○ اور اہل کتاب کا ایک گروہ بولا وہ جو ایمان والوں پر اترا صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ، شاید وہ پھر جائیں ○ ﴿سورۃ آل عمران ۶۹،۷۲﴾

⊙ ...... اور کتابیوں میں کوئی وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھے تو وہ تجھے ادا کردے گا اور ان میں کوئی وہ ہے کہ اگر ایک اشرفی اس کے

پاس امانت رکھے تو تجھے وہ پھیر کر نہ دے گا مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان پڑھوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں O ﴿سورۃ آل عمران:۷۵﴾

⊙......اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور اللہ پر دیدہ دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں O ﴿ایضا۷۸﴾

⊙......اے کتاب والو، اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ، مسیح عیسیٰ تو مریم کا بیٹا، اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو، باز رہو اپنے بھلے کو، اللہ تو ایک ہی خدا ہے، پاکی اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو، اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں، اور اللہ ہے کافی کارساز O ﴿سورۃ النساء:۱۷۱﴾

⊙......اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں، بیشک بہت ہی برے کام کرتے ہیں O انہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کے پادری اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے، بیشک بہت ہی برے کام کر رہے ہیں O اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، ان کے ہاتھ باندھے جائیں اور ان پر اس کہنے سے لعنت ہے، بلکہ اللہ کے ہاتھ کشادہ ہیں، عطا فرماتا ہے جیسے چاہے O ﴿سورۃ المائدہ:۶۴﴾

⊙......**وقالت الیھود .... ولو کرہ الکافرون** O اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں، اگلے کافروں کی سی بات بناتے ہیں، اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں O انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ اللہ کو پوجیں، اس کے

سوا کسی کی بندگی نہیں، اسے پاکی ہے ان کے شرک سے O چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا، پڑے برا مانیں کافر O ﴿سورۃ التوبہ:۳۰،۳۲﴾

⊙..... اے ایمان والو، بیشک پادری اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور وہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی، ﴿سورۃ التوبہ:۳۴﴾

⊙..... مثل الذین .... الظالمین O ان کی مثال جن پر تورات رکھی گئی تھی، پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے، کیا ہی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا O ﴿سورۃ الجمعہ:۵﴾

⊙..... اور اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بڑا بہتان اٹھایا O اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کیلئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں، ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں اس کی کچھ خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بے شک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا O بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے O ﴿سورۃ النساء:۱۵۶تا۱۵۸﴾

⊙..... بولے اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی، پاکی ہے اس کو وہی بے نیاز ہے، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، تمہارے پاس اس کی کوئی بھی سند نہیں، کیا اللہ پر وہ بات بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں O تم فرماؤ وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا O ﴿سورۃ یونس ۶۸،۶۹﴾

ان آیات قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ یہودی نسلی تعصب کا شکار تھے، کفران نعمت کے مرتکب تھے، ایمان لانے کے بعد کفر و شرک میں مبتلا تھے، زعم باطل اور کتمان حق کے عادی

تھے، آیات خدا کے منکر اور احکام شریعت کے باغی تھے، نہایت خوش فہم تھے، اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے، منافقین کے دوست تھے، اہل علم ہونے کے باوجود عمل سے بیگانہ تھے، اپنے پروہتوں کے پرستار تھے جوان کو اپنے نفس کا غلام بنا کر رکھتے تھے، پرلے درجے کے کنجوس تھے، یہی صفات آج بھی ان کی سیرت و کردار میں پوری طرح کارفرما ہیں، نصرانیوں میں بھی شرک و کفر کا زور تھا، خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے، خدا تعالیٰ کی اولاد ثابت کرتے تھے، کفار کے نظریے نے ان کو عمل سے دور کر دیا تھا، اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے، بگاڑتے اور ان کی جگہ من مانے فلسفے کو اجاگر کرتے تھے آج بھی یہ بیماریاں ان میں موجود ہیں، یہود و نصاریٰ کی اس ہدایت دشمنی کی وجہ سے قرآن پاک نے اہل ایمان کو ان کی صحبت اور سنگت اختیار کرنے سے روکا ہے، فرمایا، اے ایمان والو یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، حضور سرور لولاک ﷺ نے بھی ان فتنہ پردازوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ ان دو قوموں کی وجہ سے نقصان اٹھایا ہے، ان پر اعتماد کرنا خودکشی کی علامت ہے، آج پر آشوب زمانہ ہے، یہود و نصاریٰ تمام اسلامی ممالک پر خونخوار نظریں گاڑ کر بیٹھیں ہیں، ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب کے نام لیواؤں کو مختلف علاقوں، فرقوں، نظریوں اور برادریوں میں تقسیم کر چکے ہیں، ان کی بدولت مسلمان اسلامی تہذیب اور تمدن کو پس پشت ڈال کر مغربی اور ہندی تہذیب اور تمدن کو فروغ دے رہے ہیں، صحیح اسلامی عقائد اور اعمال کو ''قدامت پرستی'' جبکہ مغربی آزاد خیالی، اور آوارہ مزاجی کو 'اعتدال پسندی' کے نام سے یاد کیا جا رہا ہے۔ یہ کیا ہو رہا ہے، یہ کیوں ہو رہا ہے ؎

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

عرب اور اقوام عرب:

کائنات ارضی کے نقشے پر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عرب ایک وسیع و عریض صحراؤں، سرمئی ٹیلوں اور بلند و بالا پہاڑوں پر مشتمل علاقہ ہے، عرب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو قسم کے بیان ہیں، ایک یہ کہ عرب کا لفظی معنی ہے زبان آور، چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری اور فصاحت بیانی کی بدولت ساری دنیا کی اقوام کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کو عجم

یعنی ''ژولیدہ بیان'' تصور کرتے تھے اس لئے ان کا یہ نام مشہور ہو گیا، دوسرا یہ کہ عرب، عربہ سے مشتق ہے جس کا معنٰی ہے دشت و بیابان، چونکہ یہ گوشہ سرزمین دشت و بیابان کی صورت ہے اس لئے عرب کہلانے لگا، جغرافیائی اعتبار سے یہ جزیرہ نما ہے جو ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اسکی شکل ایک وسیع مستطیل کی سی ہے جس کی سرحدوں پر مشرقی جانب خلیج فارس اور بحیرۂ عمان ہیں، مغرب میں بحیرہ قلزم ہے، شمال میں ارض شام اور جنوب میں بحر ہند ہے، ﴿ریاض التاریخ: ۹﴾ عرب کا تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چوگنا ہے اور آبادی پورے صحرا میں بکھری ہوئی ہے، محل وقوع کے لحاظ سے ہر مقام کی آب و ہوا الگ الگ ہے لیکن عمومی طور پر گرم اور خشک ہے۔ یہ علاقہ سطح مرتفع ہے جس کی بلندی مغرب میں زیادہ ہے اور مشرق کی طرف آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی ہے، اس کے پیچھے ایک سلسلہ کوہ ساحل کے برابر ایک ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے، یہ پہاڑی سلسلہ تقریباً ۹ ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچتا ہے۔

عرب کے علاقے:

اہل جغرافیہ نے سرزمین عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

① ...... تہامہ ایک نشیبی علاقہ ہے جو بحر احمر کے ساحل پر ینبوع سے نجران تک واقع ہے، چونکہ اس علاقے میں شدید گرمی پڑتی ہے اور ہوا بھی رکی رہتی ہے اس لئے اس کو تہامہ کہا جاتا ہے، نجد کے مقابلہ میں پست ہونے کی وجہ سے اس کو الغور بھی کہا گیا ہے۔

② ...... شمالی جانب پہاڑی علاقے کے نیچے حجاز کا صوبہ ہے، یہ بہت سی وادیوں پر مشتمل ہے، اس کو حجاز اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تہامہ اور نجد کے درمیان ہے، اس میں کائنات ارضی کے دو مقدس ترین شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ موجود ہیں۔

③ ...... بالائی سطح پر واقع علاقے کو نجد کہا جاتا ہے جو صحرائے ساوہ کے شمال میں پھیلا ہوا ہے، اس کی ایک طرف یمن ہے اور ایک طرف عروض اور عراق کے علاقے پائے جاتے ہیں، یہ مدینہ منورہ کی مشرقی جانب ہے۔

④ ...... یمن بہت مشہور علاقہ ہے جس کے باسیوں نے مآرب، غمدان اور ظفار کے محلات تعمیر کئے تھے، یمن کے میدانوں میں بہت سی تاریخ ساز جنگیں لڑی گئی ہیں، یہ بحر ہند کے

جنوب اور بحر احمر کے مغرب سے گزرتا ہے، جبکہ مشرقی طرف سے حضرموت، الشحر اور عمان سے ملا ہوا ہے، اگرچہ منطقہ حارہ پر واقع ہے مگر یہاں بہت سردی ہوتی ہے، اس مرتفع پر بارش کا اوسط بیس انچ سالانہ ہے، جو علاقے بلند ہیں وہاں اوسط دگنا ہو جاتا ہے، ساحلی علاقہ بے آب و گیاہ ہے۔ البتہ سطح مرتفع کی زمین بہت زرخیز اور شاداب ہے، فصلیں اگتی ہیں، پھل ہوتے ہیں اور مویشی پالے جاتے ہیں، یونان و روم کے دور میں یمن کی دولت ضرب المثل تھی۔

⑤ ...... عروض کا علاقہ یمامہ، عمان اور بحرین پر مشتمل ہے، چونکہ یہ یمن، نجد اور عراق کے درمیان حد فاصل ہے اس لئے عروض کہا جاتا ہے، عمان اور بحرین عرب سے الگ تھے، ایک تو وجہ یہ تھی کہ ان کے درمیان خشک ریگستان حائل تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ ایران کے زیر نگرانی تھے جو ایک غیر عرب سلطنت تھی، عام طور پر عرب کو سنگلاخ اور بنجر علاقہ سمجھا جاتا ہے جس کے سینے پر دور دور تک سرمئی پہاڑ ہیں لیکن اس کے طول و عرض میں بہت سی وادیاں اور میدان اپنی صدیوں پرانی زرخیزی اور شادابی کی بدولت مشہور ہیں، یمن، طائف، حضرموت، احساء، نجد، یمامہ کے علاقے کاشت کاری کے کام آتے تھے اور عرب باشندوں کی خوراک کی ضروریات کو پورا کرتے تھے، چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں ان اراضی کی زرخیزی یورپ کی زرخیز ترین زرعی زمینوں سے کسی طرح کم نہیں تھی، اور بعض خطے تو اتنے زرخیز تھے کہ یورپ کا کوئی خطہ زرعی اجناس کی پیدائش میں ان کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا، ﴿تاریخ الاسلام ۱:۷، ضیاء النبی ۱:۲۴۹﴾ ناقابل زراعت علاقوں کی تین قسمیں ہیں، الحرا، الدہنا، النفوذ، ان علاقوں میں خوفناک صحرا ہیں، جہاں گرم آندھیاں چلتی ہیں اور زندگی انتہائی دشوار دکھائی دیتی ہے۔

اقوام عرب کا مطالعہ:

مورخین نے اقوام عرب کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، جو عرب بائدہ اور عرب باقیہ کے نام سے مشہور ہیں، عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزاروں سال پہلے مٹ چکا تھا عاد و ثمود کی قومیں اسی طبقے سے تعلق رکھتی تھیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر مبعوث فرمائے تھے، پھر ان کی ہٹ دھرمی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے دردناک عذابوں میں مبتلا کر دیا تھا، ان

قوموں کا ذکر الہامی صحائف میں ملتا ہے یا پھر اشعار عرب میں، ان کی عبرتناک داستانیں محفوظ ہیں، ان کے علاوہ ان قوموں کا کوئی نام ونشان باقی نہیں، بعض مورخین کا خیال ہے کہ قدیم عرب بالکل ختم نہیں ہو گئے بلکہ ان کی نسل عمالقہ کے نام سے معروف ہے، عمالقہ کی دو شاخیں ہوئیں، عراقی عمالقہ اور مصری عمالقہ، عراقی عمالقہ نے چوتھی صدی قبل مسیح میں ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی تھی، اسی طرح مصری عمالقہ بھی قبائلی زندگی بسر کرتے اور موقع ملتے ہی مصر کے تجارتی قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے، عرب مورخین نے عمالقہ کی اس تاریخی حیثیت سے انکار کردیا ہے، ان کے نزدیک عرب بائدہ کی کوئی نسل باقی نہیں رہی، ﴿العرب قبل الاسلام: ۵۴﴾

عرب باقیہ کے دو شعبے ہیں، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ، عرب عاربہ قحطانی ہیں جنکا وطن یمن تھا، انکی شاندار تاریخ کے نقوش آج بھی موجود ہیں، انہوں نے جزیرۃ العرب پر جاہ وجلال اور ترقی وعروج کی انگنت منزلیں طے کی تھیں، ان کا سلسلہ قحطان بن عابر کے ذریعے ہوتا ہوا حضرت سام بن نوح تک جاملتا ہے، چونکہ ان کی سرزمین بہت زرخیز تھی اس لئے انہوں نے خوشحالی کے دن بسر کئے، بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں جو مصر کے فرعونوں اور بابل کے بادشاہوں کی ہمعصر تھیں، ان میں حمیر، کہلان اور سبا کی حکومتیں کافی مشہور ہیں، سبا کے بادشاہوں نے یمن کو سیراب کرنے کیلئے ایک بہت بڑا ڈیم بھی تعمیر کیا تھا جو بعد میں عذاب الٰہی سے ختم ہوگیا اور اس کے سیلابی ریلوں سے تمام آبادیاں صفحہ ہستی سے نابود ہو گئیں، وہاں کے قبیلہ ثعلبہ نے یثرب پر حملہ کردیا اور وہاں کی یہودی قوم پر فتح حاصل کی اور قابض ہو کر حکمران بن گیا، جبکہ قبیلہ حارثہ نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کردی اور وہاں کے باشندے بنو جرہم ثانیہ کو جلاوطن کر کے قبضہ جمالیا، ایک قحطانی قبیلہ بنو عمران عمان کی طرف چلا گیا، ایک اور قبیلہ جفنہ شام کی طرف سے غسان نامی چشمے کے قریب آباد ہوگیا جس کے افراد بعد میں غسانی کہلانے لگے تاریخ میں ان کے بادشاہ ملوک غسانیہ کے نام سے مشہور ہیں، بنو لخم اور بنو طے کے قبیلے حیرہ اور اجا وسلمیٰ کے علاقوں میں منتقل ہو کر حکمرانی کرنے لگے، اس طرح تمام جزیرے پر مختلف قبیلوں کی مختلف ریاستیں اور حکومتیں قائم تھیں، جن کے نزدیک کوئی مدنی اور سیاسی ماحول نہیں تھا، یہ قبیلے جانوروں کے ریوڑ پالتے اور دور دراز کے سفر طے کرتے تھے، عرب باقیہ کی دوسری شاخ عرب مستعربہ ہے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے

اپنی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا تو وہاں بنو قحطان کا ایک قبیلہ جرہم بھی آ گیا، آپ نے اسی قبیلے میں شادی فرمائی، اور اس قبیلے سے عربی زبان سیکھی جو بعد میں آپ کی اولاد میں جاری ہو گئی، اس وجہ سے آپ کی اولاد کو عرب المستعربہ کہا جاتا ہے، اسماعیلی عربوں میں بھی ولادت مسیح سے قبل اور بعد کئی نامور حکومتیں معرض وجود میں آئیں جن میں سب سے مشہور نبطی حکومت تھی، ﴿تاریخ تمدن اسلامی ۱:۹﴾

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کی اولاد بے شمار قبیلوں میں بکھر کر عرب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئی، پروفیسر بلیکی نے لکھا ہے، ''اسماعیل عرب کے ریگستان میں جا بسا اور اسکی اولاد نے آوارہ گردی اور خانہ بدوشی کی زندگی اختیار کی جو گلہ بانوں اور صیادوں کو عموماً ایسے ملکوں میں اختیار کرنی پڑتی ہے، جہاں انسانوں اور حیوانوں کی خوراک کے اسباب بہت کم پیدا ہوتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطورا کے فرزند بھی اس کے ساتھ آ ملے کیونکہ ان میں سے ایک کا نام مدیان تھا، جو مدیانیوں کا دادا تھا، اگرچہ ان میں سے اکثر نے وحشی اور آوارہ زندگی اختیار کی جو اب تک عرب صحرا میں دکھائی دیتی ہے تاہم ان میں سے بعض نے تجارت کا پیشہ بھی اختیار کیا، ﴿تاریخ بابل ص ۳۷﴾ ظہور اسلام سے پہلے عرب میں خانہ بدوشی کے علاوہ مدنی تہذیب بھی کافی نشو ونما پا چکی تھی، اس کا مرکز عرب کا جنوب مغربی گوشہ تھا جہاں تقریباً ۱۵۰۰ ق م سے لے کر ۵۰۰ عیسوی تک تمدن کا وہ دور رہا جو دجلہ و فرات کے تمدنوں سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا، لیکن امتداد زمانہ کی وجہ سے اور انبیا کرام کی تعلیمات سے دور ہونے کی وجہ سے اور ایک جزیرہ نما میں مدتوں مقید رہنے کی وجہ سے عرب اپنی اصلی مذہبی اور قومی روایات پر پابند نہ رہ سکے، ان میں اخلاقی انحطاط اور دینی افلاس اس حد تک پہنچ گیا کہ پیغمبر آخر ﷺ کی بعثت منصۂ ظہور پر آ گئی جس کی برکت آفرین انقلاب سے عرب کے خانہ بدوش قیصر و کسریٰ کے تاجدار بن گئے ۔

حضور آئے تو چمکا نجم قسمت آدمیت کا
حضور آئے تو لہرایا علم حسنِ ہدایت کا

تاریخ مکہ پر ایک نظر:

جب خالق ارض وسما نے ارضی وسماوی کائنات کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو مکہ مکرمہ کی اس

سنگلاخ زمین کو اپنی رحمتوں اور برکتوں کے گہوارے کیلئے منتخب فرمالیا، اور اس گوشہ ارضی کو تمام روئے زمین کی پیدائش کا سبب بنایا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ﴿زمین کی﴾ ہر چیز سے پہلے پانی پیدا فرمایا اور پانی کو ہوا پر ٹھہرایا، پھر اس نے ایک ہوا ارسال فرمائی جس سے پانی میں انقلاب برپا ہو گیا، چنانچہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے بیت اللہ والی جگہ قبہ نما ٹیلہ پیدا کر دیا جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف کو تعمیر کیا گیا''، ﴿مصنف عبدالرزاق ۵:۹۰﴾

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف والی سرزمین عام زمین سے دو ہزار سال پہلے تخلیق فرمائی اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں، ﴿اخبار مکہ ص ا: ۹۲﴾ پھر جو اسی مقدس زمین سے باقی تمام زمین کو مشارق و مغارب کی پہنائیوں اور وسعتوں میں پھیلا دیا، شاید اسی لئے اس مقام کو ''ام القریٰ'' یعنی بستیوں کی ماں کہا جاتا ہے، یہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بہت پہلے کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم صادر فرمایا کہ بیت المعمور کی طرح زمین میں بھی میرا ایک گھر تعمیر کیا جائے، جب وہ گھر تعمیر ہو گیا تو ارشاد فرمایا کہ زمین کی مخلوق اس کا اسی طرح طواف کرے جس طرح آسمان کی مخلوق بیت المعمور کا طواف کرتی ہے، ﴿تفسیر کبیر ۳:۲﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ آسمانوں میں بیت المعمور، کعبہ شریف کے عین اوپر ہے، اگر وہ گر جائے تو سیدھا کعبہ شریف پر آ کر پڑے ﴿مصنف عبدالرزاق ۵:۲۸﴾ بیت اللہ شریف اور اسکی سرزمین کی اولیت کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے:

⊙......ان اول بیت وضع للناس .... بے شک پہلا گھر جو لوگوں کیلئے تعمیر کیا گیا، وہ برکت والی جگہ بکہ میں ہے اور وہ تمام انسانوں کیلئے ہدایت ﴿کا مرکز﴾ ہے۔

حضرت ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہودیوں نے کعبہ شریف سے زیادہ مسجد اقصیٰ کی عزت و منزلت کا دعویٰ کیا تو مسلمانوں نے کہا کہ نہیں، کعبہ شریف اس سے زیادہ عزت و منزلت کا حامل ہے، اس پر یہودیوں کی تردید اور مسلمانوں کی تائید میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی گئی، ﴿روح المعانی ۳:۴﴾ حضرت عبداللہ بن

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مکرمہ حضرت حوا علیہا السلام زمین پر جلوہ فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے ان کو حکم فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کریں، جب وہ اس حکم خداوندی کو پورا کر چکے تو ارشاد ہوا کہ اس گھر کا طواف کریں، پھر ان سے فرمایا گیا کہ آپ سب سے پہلے انسان ہیں اور یہ گھر سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کیلئے تعمیر کیا گیا ہے، ﴿معارف القرآن ۲:۱۱۴ بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی﴾

روایات میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کعبہ مشرفہ کی تعمیر فرمائی تو دراصل وہ تعمیر ملائکہ کی تجدید تھی، اس کے ٹھیک چالیس سال بعد آپ نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہے، ﴿صحیح بخاری ۱:۴۷۷، صحیح مسلم ۱:۱۹۹﴾ پھر صدیوں بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ مشرفہ کی تعمیر نو کا شرف حاصل کیا اور وہاں مکہ مکرمہ جیسے شہر عظیم کی بنیاد رکھی۔

حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، بیت اللہ ساری زمین کے وسط میں واقع ہے جس کا سب سے پہلے حج اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں نے کیا، ﴿تفسیر قرطبی ۲:۱۲۰﴾ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿انی جاعل فی الارض خلیفه﴾ یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، میں لفظ ارض سے مراد مکہ مکرمہ کی سرزمین ہے، ﴿اخبار مکہ ص ۱:۵﴾ جب وہ خلیفہ ارضی زمین پر تشریف فرما ہوا تو اس نے فرشتوں کی اعانت سے یہ جلیل القدر گھر تعمیر فرمایا اور ہندوستان سے چل کر چالیس مرتبہ حج ادا کیا، یہ گھر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک محفوظ رہا، چنانچہ انہوں نے بھی اس کا حج ادا فرمایا، ﴿عمدۃ القاری ۹:۲۱۶﴾ ایک روایت میں ہے کہ فرشتوں نے آپ کیلئے یاقوتی خیمہ نما گھر تعمیر کیا، پھر اس طوفان نوح کے وقت اس یاقوتی خیمے کو آسمانوں پر اٹھا لیا اور اسکی بنیادیں زمین پر برقرار رہیں، ﴿تفسیر کبیر ۱:۴۷۴﴾ وہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا جس میں جنت کی تین قندیلیں روشن تھیں، اس کے ساتھ ہی حجر اسود بھی نازل ہوا جو اس وقت سفید یاقوت تھا، ﴿اخبار مکہ ص ۱:۸﴾ بعد میں وہ سفید پتھر بنی آدم کے گناہ جذب کر کے سیاہ ہو چکا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب

حضرت آدم علیہ السلام نے حج کے مناسک ادا فرمائے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا جس طرح حج ادا کرنے سے آپ کی خطا معاف کردی ہے اسی طرح آپ کی اولاد سے جو شخص بھی اس گھر کا حج کرے گا، اس کی خطائیں بھی معاف کردی جائیں گی، ﴿اخبار مکہ ص ۱: ۱۳﴾ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت شیث علیہ السلام نے کعبہ مشرفہ کو تعمیر کیا تھا، لیکن اس سے زیادہ قوی وہی قول ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کا ذکر ہے، ﴿تاریخ الکعبہ ص ۴۸﴾ طوفان نوح کے دوران حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی چالیس دن رات اس جگہ کا طواف کرتی رہی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جودی پہاڑ پر جا ٹھہری جو موصل کے علاقہ میں موجود ہے، ﴿تفسیر ابن کثیر ۲: ۴۴۷﴾

طوفان نوح کے بعد ساری زمین خوفناک طریقے سے تہ و بالا ہو چکی تھی، اب کعبہ شریف کی جگہ ایک سرخ رنگ کا ٹیلہ نمودار ہو چکا تھا، ایک لمبا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی لوگ اس مقام کی برکات سے آشنا تھے، دنیا کے دور دراز کے علاقوں سے لوگ اس مقام پر آ کر دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو شرف قبول عطا فرماتا، لوگ حج کے ارادے سے بھی آتے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر ایک مرتبہ پھر اس مقدس گھر کو تعمیر فرما دیا، ﴿اخبار مکہ ص ۱: ۲۰﴾ اس دوران آنے والے پیغمبران خدا بھی اس سرخ ٹیلے کی زیارت کیلئے آتے رہے، گویا یہ مقام بلند شروع سے ہی خواص و عوام کا قبلہ آرزو تھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت برگزیدہ پیغمبر ہوئے ہیں جو ۲۱۶۰ ق م میں سلطنت بابل کے بادشاہ نمرود کے دور وحشت میں پیدا ہوئے، آپ کے آباؤ اجداد عجمی تھے اور عبرانی زبان بولتے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے، ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن ساروغ بن ارغو ابن فاع بن عابر بن شالغ بن قینان بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام ﴿تاریخ طبری ۱: ۱۱۹﴾

طوفان نوح کی ہلاکت خیزیوں کے بعد بھی بنی نوع انسان نے عبرت حاصل نہ کی اور صدیوں کے مدو جزر میں اپنے ایمان کی لٹیا ڈبو دی، اب ایک بار پھر پوری کائنات ارضی میں کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے پھیل چکے تھے، نمرود نہایت جابر و قاہر حکمران تھا جس

نے مشرق و مغرب میں اپنی جھوٹی خدائی کا تسلط جما رکھا تھا، لوگ ایک خدا کی بجائے مٹی، سونے، تانبے اور لکڑی کے مجسموں کی عبادت کرتے تھے یا پھر سورج، چاند اور ستاروں کو اپنا معبود تصور کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے نمرود اور اسکی جھوٹی خدائی کو نیست و نابود کرنے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، آپ کی ولادت باسعادت کی خبر نمرود کے نجومی پہلے ہی اسے سنا چکے تھے، اس نے اپنی قوم پر بہت سی پابندیاں عائد کیں، معصوم جانیں ہلاک کی گئیں مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کے سامنے اس کی ایک بھی تدبیر کارگر نہ ہو سکی، حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑی شان سے جلوہ فرما ہو گئے، آپ نے ذرا جوان ہو کر اپنے معاشرے کا جائزہ لیا تو توحید آشنا دل کو بہت صدمہ ہوا، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مجسموں اور مورتیوں کو نجات دہندہ سمجھ رہے ہیں، سورج، چاند اور ستاروں کی عبادت کر رہے ہیں، اپنے جیسے انسان نمرود کو خدا مان رہے ہیں، آپ نے اپنی قوتوں کو اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا نعرہ حق بلند کر دیا جس سے صدیوں کے چھائے ہوئے جمود ٹوٹنا شروع ہو گئے، قرآن پاک کا اعلان ہے:

⊙......و اذ قال ابراهيم .... الى صراط مستقيم O اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بیشک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں O اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے O پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا، ایک تارا دیکھا، بولے ﴿ کیا ﴾ اسے میرا رب ٹھہراتے ہو، پھر جب وہ ڈوب گیا تو بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے O پھر جب چاند چمکتا ہوا دیکھا، بولے ﴿ کیا ﴾ اسے میرا رب بتاتے ہو، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا، کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ دیتا تو میں بھی انھی گمراہوں میں ہوتا O پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا تو بولے، ﴿ کیا ﴾ اسے میرا رب کہتے ہو، یہ تو ان سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا، اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو O میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین

بنائے، ایک اسی کا ہوکر اور میں مشرکوں میں نہیں O اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی، کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو تو وہ مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنھیں تم شریک بناتے ہو، ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے، میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے O اور میں تمہارے شریکوں سے کیونکر ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں امان کا، زیادہ سزاوار کون ہے، اگر تم جانتے ہو O وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی، انہیں کیلئے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں O اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی، ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں، بے شک تمہارا رب علم وحکمت والا ہے O اور ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے، ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ﴿راہ دکھائی﴾ ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو O اور زکریا اور یحیٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو ﴿راہ دکھائی﴾ یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں O اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو ﴿راہ دکھائی﴾ اور ہم نے ہر ایک کو ﴿اس کے وقت میں﴾ سب جہانوں پر فضیلت دی O اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد بھائیوں میں سے بعض کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور ان کو سیدھی راہ پر چلایا O ﴿سورۃ الانعام ۷۴ تا ۸۷﴾

اس دور کے شب پرستوں کو یہ صبح ہدایت کا اجالا کس طرح اچھا لگتا، انہوں نے اس واحد علمبردار توحید کے خلاف عداوتوں اور سازشوں کے جال پھیلانے شروع کر دیئے، ادھر آپ بھی اپنے پروردگار کیلئے اپنی جان تک قربان کرنے کیلئے کمر بستہ تھے، ایک دن ہوا یوں کہ ساری قوم اپنی سالانہ تقریبات کے سلسلے میں شہر سے باہر نکل گئی تو آپ نے ان کے بت خانے پر حشر برپا کر دیا، تاریخ انسانیت کے اس عظیم بت شکن کی ضرب قہاری کے سامنے تمام جھوٹے خدا پیوند خاک بن گئے، آپ نے اپنا تیشہ سب سے بڑے بت کے

کندھے پر رکھا اور باہر نکل آئے ،قوم جب اپنے جاہلانہ معمولات سے فارغ ہو کر شہر میں آئی تو آگے دنیا بدل چکی تھی ،لوگوں کی امیدوں کے سہارے خاک تذلل میں لوٹ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے اس معرکے کا نقشہ یوں بیان کیا ہے:

⊙......ولقد اتینا ابراھیم.................. للعالمین Oاور بیشک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اسکی نیک راہ عطا کردی اور اس سے خبردار تھے O جب اس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا یہ مورتیں کیا ہیں، جن کے آگے تم آسن مارے ہو O بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا O فرمایا بیشک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہو O بولے کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو O فرمایا، تمہارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا ﴿رب ہے﴾ جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں O اور مجھے اللہ کی قسم ہے، میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر O تو ان سب ﴿بتوں﴾ کو چورا کر دیا مگر ایک کو ﴿چھوڑ دیا﴾ جو ان سب کا بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں O بولے کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا، بے شک وہ ظالم ہے O ان میں سے کچھ بولے ہم نے ایک جوان کو انہیں برا کہتے سنا ہے جسے ابراہیم کہتے ہیں O بولے تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں O بولے کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا، اے ابراہیم O فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہو گا تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہوں O تو ﴿لوگ﴾ اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے بے شک تم ہی ستمگار ہو O پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے کہ تمہیں خوب معلوم ہے، یہ بولتے نہیں O فرمایا تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے، تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں O بولے ان کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں ﴿کچھ﴾ کرنا ہے O ﴿جب آگ جلائی گئی تو﴾ ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر O اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار

کر دیاO اور ہم نے اسے اور لوط کو نجات بخشی اس زمین کی طرف جس میں ہم نے جہانوں کیلئے برکت رکھی O ﴿سورۃ الانبیا ۵۱ تا ۷۰﴾

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آپ کی قوم اور نمرود اس بات پر متفق ہو گئے کہ آپ کا نام ونشان مٹانے کیلئے ایک آگ جلائی جائے، ایک مہینے تک ساری قوم نے لکڑیاں جمع کیں اور اتنی آگ جلائی کہ ہوا میں پرواز کرنے والے پرندے جل جاتے تھے، آپ کو ایک منجنیق سے باندھ کر اس میں پھینکا گیا تو اس وقت زبان مبارک پر تھا "**حسبی الله ونعم الوکیل**" مجھے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین مددگار ہے، پھر واقعی اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت پر یقین رکھنے والا عظیم پیغمبر آگ میں بھی گل وگلزار کے نظارے دیکھتا اور محسوس کرتا رہا ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عقل سلیم اور عشق عظیم کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا، آپ نے ہر میدان میں کامیابی حاصل کی، ایک وہ بھی وقت آیا، جب آپ نے نمرود جیسے شقی ازلی کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کی، میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں، کہتے ہیں کہ پھر اس نے سزائے موت پانے والے ایک آدمی کو آزاد کر کے، اور ایک آزاد آدمی کو پکڑ کر قتل کر کے اپنے زندہ کرنے اور مارنے کی مثال بیان کی، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، میرا رب وہ ہے جو ﴿ہر روز﴾ مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے، تو مغرب سے طلوع کر کے دکھا، اس دلیل پر کافر کے ہوش اڑ گئے اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، ﴿سورۃ البقرۃ: ۲۵۸﴾ آپ کی پہلی دلیل ہی ایسی زبردست تھی کہ اس کا جواب نمرود سے نہ بن پڑا اور اس خیال سے کہ مجمع کے سامنے اسکولا جواب اور شرمندہ ہونا پڑا ہے، اس نے کج بحثی اختیار کی، یہ اس کی نہایت جہالت تھی، کہاں قتل کرنا اور چھوڑنا اور کہاں موت وحیات کو پیدا کرنا، یہ کہنا ہی اس کی ذلت کیلئے کافی تھا، عقلا پر اس سے ظاہر ہو گیا کہ جو حجت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کی ہے وہ قاطع ہے اور اس کا جواب ممکن نہیں، لیکن چونکہ نمرود کے جواب میں شان دعویٰ پیدا ہو گئی تو آپ

نے مناظرانہ گرفت فرمائی کہ موت وحیات کا پیدا کرنا تیرے مقدور میں نہیں، اے ربوبیت کے جھوٹے مدعی تو اس سے سہل کام ہی کر کے دکھا جو ایک متحرک جسم کا بدلنا ہے، یہ بھی نہ کر سکے تو ربوبیت کا دعویٰ کس منہ سے کرتا ہے، ﴿خزائن العرفان: ۵۲﴾ چنانچہ دوسری دلیل نے نمرود کے ہوش وحواس کو اڑا کر رکھ دیا، اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دور کے تمام مشرکین کا ہر اعتبار سے ناطقہ بند کر دیا، مگر حضرت سارہ اور حضرت لوط کے سوا کوئی بھی آپ کا ہمنوا نہ بن سکا، پھر قوم نمرود پر مچھر کا عذاب نازل ہوا تو آپ اپنے ساتھیوں کو لے کر برکت والی سرزمین فلسطین میں تشریف لے گئے، سفر کے دوران مصر کا بادشاہ بھی آپ کے سامنے سرنگوں ہوا اور اس نے اپنی شہزادی حضرت ہاجرہ کو آپ کی کنیز بنا دیا، آپ نے ملک فلسطین میں عروج حاصل کیا، مال واسباب کی بہتات تو نصیب ہوئی مگر ابھی تک کوئی اولاد نہ تھی، آپ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا اور دعائیں مانگیں، رب ھب لی من الصلحین الٰہی مجھے لائق اولاد عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا "غلام حلیم" عطا فرمایا، اب اللہ کا حکم صادر ہوا کہ اپنی بیوی اور بیٹے کو لے جا کر مکہ مکرمہ کی بے آب وگیاہ وادی میں آباد کرو، تسلیم ورضا کا یہ پیکر عظیم یہ مشکل ترین کام بھی کر گزرنے کیلئے تیار ہو گیا، آپ نے اپنے اس مختصر سے خاندان کو اس وادی میں چھوڑا اور چلتے چلتے دعا فرمائی جس کا ذکر قرآن مجید نے اس طرح فرمایا ہے:

⊙......ربِّ انی اسکنت............ یشکرون ○ اے میرے رب میں نے اپنی اولاد ایک وادی میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، ہمارے رب اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو تو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں ○ ﴿سورۃ ابراہیم: ۲۷﴾

آپ نے ابھی کعبہ مشرفہ تعمیر نہیں فرمایا تھا لیکن اس کا ذکر فرمایا تو گویا اس وادی میں اس کے آثار موجود تھے، یہ مختصر سا خاندان نبوت اس ناقابل زراعت علاقے میں صرف اللہ تعالیٰ کے توکل پر زندگی گزارنے لگا، اسی خاندان سے مکہ مکرمہ جیسے تقدس مآب شہر کا

آغاز ہو گیا جس پر ساری کائنات کی عزتیں نچھاور ہو رہی ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تشریف لے گئے مگر بعد میں ایک سراپا صبر خاتون اور اس کے نونہال پر کیا قیامت گزری، اس کا تصور ہی بڑا جاں گداز ہے، پیاس کی شدت سے نونہال اپنی ایڑیاں زمین پر مار رہا تھا اور خاتون ممتا کے جذبوں سے بے قرار ہو کر صفا اور مروہ جیسی خشک پہاڑیوں میں پانی تلاش کر رہی تھی، آخر رحمت خداوندی کو جوش آ گیا، خاتون جب ساتواں چکر لگا کر مروہ سے واپس آ رہی تھی تو لخت جگر کو دیکھا اور خوشی سے جھوم اٹھی، اللہ اللہ، اس کے قدموں سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ ابل رہا تھا، اس نے جلدی سے اس پانی کو روکنے کیلئے چھوٹے چھوٹے کنارے باندھ دیئے لیکن چشمہ رحمت رکنے کا نام نہ لیتا تھا، اس نے نجانے کس جذبے سے کہا، زم زم تو وہ ان حدود کے اندر ہی برقرار رہا، حضور پیغمبر نور ﷺ فرماتے ہیں:

⊙...... **یرحم اللہ ام اسماعیل لو ترکت زمزم اوقال لم تغرف من الماء لکانت زمزم عیناً معیناً**، اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل کی والدہ پر رحم فرمائے اگر وہ پانی کو اس طرح نہ روکتیں تو آج زمزم کنوئیں کی بجائے نہر جاری کی صورت میں ہوتا، ﴿بخاری کتاب الانبیا، البدایہ والنہایہ ا:۱۵۵﴾

اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال تھا، یہ دونوں ماں اور بیٹا نہایت جاں سپاری اور شکر گزاری کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے، حسن اتفاق سے بنو جرہم کا قبیلہ راستہ بھول کر ادھر آ نکلا، قبیلے نے ایک آبی پرندے کو فضا میں اڑتے دیکھا تو حیران ہو گیا کہ اس وادی میں پانی کہاں سے آ گیا ہے، لوگ جب تلاش کرنے لگے تو خاندان نبوت کے پاس پہنچ گئے اور اپنے قریب آباد ہونے کی درخواست کی جو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول فرمالی، اس قبیلے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پروان چڑھتے رہے، عنفوان شباب میں قدم رکھا تو ایک اور امتحان سر پر کھڑا تھا، قرآن پاک نے فرمایا:

پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوا تو فرمایا، اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں، اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے، کہا اے میرے باپ، کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوا ہے، خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں O تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی

اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا O اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم O بیشک تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو O بیشک یہ روشن جانچ تھی O اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچالیا O اور ہم نے پچھلوں میں اسکی تعریف باقی رکھی ہو ابراہیم پر ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو O بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں O ﴿سورۃ الصّٰفّٰت:۱۰۲تا۱۱۱﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اولاد کی قربانی مانگی تو وہ اس مشکل ترین کام کیلئے بھی تیار تھے، اس وقت آپ کی عمر مبارک نوے سال تھی، ادھر آپ کے فرزند دلبند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی کمال ایثار کا مظاہرہ فرمایا اور ہر قسم کے شیطانی حملے کو ناکام کر دیا ۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی
مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنیٰ کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

ان دونوں باپ بیٹے کا ایثار قبول ہو گیا تو قدرت الٰہی ان سے ایک اور بہت بڑا کام لینے کیلئے تیار تھی، اور وہ کام تھا بیت اللہ شریف کی تعمیر نو، حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حرم کعبہ میں رہائش پذیر تھے، پھر بنو جرہم کی ایک خاتون عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل سے نکاح بھی فرمالیا، ﴿مروج الذہب ۲:۴۲﴾ آپ بہترین تیر انداز تھے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں روایت ہے، اے حضرت اسماعیل کی اولاد تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ بھی تیر انداز تھا، ﴿بخاری کتاب الانبیا﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا:

حضرت اسماعیل علیہ السلام لڑکپن کی عمر کو پہنچے تو انہوں بنو جرہم سے عربی زبان سیکھی، حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں عادات وخصائل کے لحاظ سے بڑے نفیس اور حیران کن نظر آئے تو انہوں نے اپنی لڑکی کا ان سے نکاح کر دیا، اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، پس حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نکاح کر لینے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے

چھوڑے ہوئے افراد کا حال معلوم کرنے کیلئے تشریف لائے لیکن گھر پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ پایا، ان کی بیوی سے پوچھا تو اس نے بتایا، وہ ہمارے لئے روزی تلاش کرنے گئے ہیں، پھر انہوں نے گزر اوقات اور معاشی حالت کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے جواب دیا، ہم پر برے دن آئے ہیں، ہم بڑی تنگ دستی اور پریشانی میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اس نے ایک اجنبی سے اپنے گھر کی شکایت کی، آپ نے فرمایا، جب تمہارا خاوند آئے تو ان سے میرا اسلام کہنا اور دروازے کی چوکھٹ بدلنے کیلئے کہہ دینا، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو فضائیں بھی خلیل اللہ علیہ السلام کی تشریف آوری کی غمازی کر رہی تھیں، بیوی سے دریافت کیا کہ کیا کوئی شخص ہمارے گھر آیا تھا، اس نے جواب دیا، ہاں ایک بوڑھے آدمی اس شکل و شباہت کے آئے تھے، انہوں نے آپ کے متعلق پوچھا تو میں نے بتا دیا، پھر انہوں نے ہماری گزر اوقات کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ بہت تنگی اور پریشانی میں وقت گزر رہا ہے، دریافت فرمایا، کیا وہ تمہیں کوئی وصیت بھی کر گئے، جواب دیا، ہاں انہوں نے کہا کہ آپ کو سلام کہہ دوں اور یہ پیغام دے دوں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دینا، فرمایا وہ میرے والد محترم تھے، یہ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنے سے جدا کر دوں، لہذا تم اپنے گھر چلی جاؤ، پھر آپ نے اسے طلاق دے دی اور ان میں دوسری عورت سے شادی کر لی، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے دور رہے جب تک اللہ نے چاہا جب ان کے پاس دوبارہ تشریف لائے تو اس مرتبہ بھی لخت جگر کو نہ پایا، ان کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ ہمارے لئے روزی تلاش کرنے گئے ہیں، دریافت کیا تمہارا حال کیسا ہے، اور ان کی معیشت اور دیگر حالات دریافت فرمائے، جواب دیا، ہم بخیر و خوبی آرام سے وقت گزار رہے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، دریافت فرمایا، تمہاری غذا کیا ہے، جواب دیا گوشت، پوچھا پیتے کیا ہو، جواب دیا پانی، کہنے لگے اے اللہ انہیں گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، ان دنوں وہاں غلہ نہیں ہوتا تھا، اگر ہوتا تو آپ ان کیلئے اس میں برکت کی دعا کر دیتے، پھر فرمایا، ان دونوں چیزوں پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مزاج سے موافقت نہیں کریں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، جب تمہارے شوہر آئیں تو انہیں میرا اسلام

کہہ دینا اور میرا حکم پہنچانا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ برقرار رکھیں، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو دریافت فرمایا، کیا کوئی شخص آیا تھا، بیوی نے جواب دیا، ہاں ایک خوبصورت اور خوب سیرت بزرگ تشریف لائے تھے، پھر ان کی بڑی تعریف کی، انہوں نے آپ کے متعلق دریافت فرمایا تو میں نے بتا دیا، پھر انہوں نے ہماری گزر اوقات کے بارے میں سوال کیا تو میں نے عرض کیا، ہم بڑے خیر وخوبی کیساتھ وقت گزار رہے ہیں، فرمایا، کیا تمہیں کوئی وصیت بھی کر گئے تھے، جواب دیا، ہاں وہ آپ کیلئے سلام کہتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ برقرار رکھیں، فرمایا وہ میرے والد محترم ہیں اور چوکھٹ تم ہو، گویا انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنی زوجیت میں برقرار رکھوں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عرصہ ان سے دور رہے، جب تک اللہ نے چاہا، جب اس کے بعد تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام چاہ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر درست فرما رہے تھے، جب انہوں نے اپنے والد محترم کو دیکھا تو استقبال کیلئے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، باپ نے بیٹے کے ساتھ شفقت فرمائی اور بیٹے نے باپ کے ادب واحترام کے تقاضے پورے کئے، جو ایسے باپ اور بیٹے کے شایان شان تھے، فرمایا اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے، عرض کی ابا حضور، وہ کام ضرور کر گزریئے، فرمایا، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے، عرض کی، میں آپ کی مدد کیلئے تیار ہوں، فرمایا، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کا گھر تعمیر کروں، پھر اس ابھرے ہوئے ٹیلے اور اس کی حدود کی جانب اشارہ فرمایا، راوی کا بیان ہے کہ پھر دونوں حضرات نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں، ہوا یوں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا کر لاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرماتے، یہاں تک کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر کو اٹھا لائے اور دیوار کے ساتھ رکھ دیا تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے رہیں، پھر وہ تعمیر کرتے رہے اور یوں عرض کرتے رہے، اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما، بیشک تو ہی سنتا جانتا ہے، ﴿بخاری کتاب الانبیاء﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے رہے، اس کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے، ﴿ایضا﴾ آپ نے جو کعبہ مشرفہ تعمیر فرمایا تھا اس میں حطیم کی جگہ بھی شامل تھی جسے بعد میں قریش مکہ نے نکال دیا، حضور پیغمبر نور ﷺ

نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہاری قوم نے کعبہ مشرفہ کو تعمیر کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا ہے، انہوں نے عرض کی یارسول اللہ آپ اسے ابراہیمی بنیادوں پر کیوں تعمیر نہیں کروادیتے، فرمایا ایسا کیا جاتا اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر نزدیک نہ ہوتا، ﴿بخاری کتاب الانبیاء﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس گھر کو خوب تعمیر کیا تو حضور پیغمبر نور ﷺ کے ظہور مسعود کی دعا مانگی، فرمان باری ہے:

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں میں آزمایا تو اس نے پوری کر دکھائیں، فرمایا میں تم کو تمام انسانوں کا امام بنانے والا ہوں، عرض کی اور میری اولاد سے، فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا O اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کیلئے مرجع اور امان بنایا اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم اور اسماعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو، طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع، سجود والوں کیلئے O اور جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب اس شہر کو امان والا بنادے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں، فرمایا اور جو کافر ہوا، تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کر دوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی O اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اور اسماعیل یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما، بیشک تو ہی سنتا جانتا ہے O اے رب ہمارے اور کر ہمیں اپنے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار رہے، اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما، بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان O اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے، بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا O ﴿سورۃ البقرہ ۱۲۴ تا ۱۲۹﴾

اللہ اللہ! دو پیغمبران برحق اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر تعمیر کرنے کے بعد حضور پیغمبر نور ﷺ کی جلوہ فرمائی کا ذکر کر رہے ہیں، گویا یہ تو بنانے والے تھے، آباد فرمانے والا کوئی اور ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مقدس گھر بھی اسی وقت آباد ہوتا ہے جب اس میں ذکر مصطفےٰ کے ترانے گونجتے ہیں، پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اتنی شان وعظمت کے باوجود حضور پیغمبر نور ﷺ کے وسیلے سے مستغنی نہیں رہ سکتے تو کسی اور کی کیا مجال ہے کہ وہ ان کی بارگاہ کرم کی احتیاج نہ رکھے

ما و شما تو کیا کہ خلیل جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے
ہوتے کہاں خلیل وبنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے! صاحبی سب تیرے گھر کی ہے
کعبہ بھی ہے انہی کی تجلی کا ایک ظل
روشن انہی کے عکس سے پتلی حجر کی ہے

حضور پیغمبر نور ﷺ کا ارشاد ہے، انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، ﴿دلائل النبوۃ ۱: ۶۹، کتاب الوفا ۱: ۳۶، خصائص کبریٰ ۱: ۲۳﴾ تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم خدا موصول ہوا:

⊙...... اذن فی الناس بالحج ...... اور لوگوں میں حج کی عام ندا کر دے، وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں O تا کہ وہ اپنا فائدہ پائیں، اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں اس پر کہ انہیں روزی دی بے زبان چوپائے تو ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ O پھر اپنا میل کچیل اتاریں اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس آزاد گھر کا طواف کریں O بات یہ ہے کہ اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کیلئے اس کے رب کے ہاں بہتر ہے اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے، تو

دور ہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے O ﴿سورۃ الحج ۲۷ تا ۳۰﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسے تمام انسانوں تک پہنچا دیا، جو لوگ ابھی مردوں کی پشت اور عورتوں کے رحم میں تھے، انہوں نے بھی اس اعلان کو سن لیا، جس خوش نصیب فرد کو **لبیک اللھم لبیک** کہنے کی سعادت حاصل ہوئی وہ ضرور حج بیت اللہ سے مشرف ہوگا، ﴿طبری ۱:۱۳۳﴾ اس عظیم فریضہ نبوت کی ادائیگی کے بعد آپ ملک فلسطین چلے گئے جہاں آپ کا دوسرا خاندان نہایت خوشحالی کی زندگی گزار رہا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا ''غلام علیم'' عطا فرمایا تھا، پھر ان کی اولاد سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کے دامن سے بنی اسرائیل کا عظیم سلسلہ شروع ہوا جس پر انعامات الٰہی کی برسات نازل ہوتی رہی، آپ کا وصال بھی ارض مقدس میں ہوا جہاں ''الخلیل'' میں آپ کا مزار انور آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔ ادھر مکہ مکرمہ کے سردار اور بیت اللہ شریف کے متولی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی اولاد کثیر سے نوازا گیا جو ریگستان عرب کی آبادی کا باعث ہوئی، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ۱۳۷ یا ۱۳۰ سال کی عمر میں ۱۹۳۷ ق م کو وصال فرمایا اور حطیم کعبہ میں مدفون ہوئے، ﴿تفسیر ابن جریر﴾ گویا سرزمین مکہ ہی آپ کا مدفن بنی ﴿قسم مکۃ المکرمہ ص ۲۰﴾ آپ کی قبر انور پر ایک سبز، مستطیل محرابی شکل کا سنگ مرمر لگایا تھا جسکی چوڑائی ۱۴ انچ تھی، اس سے سات بالشت کے فاصلہ پر رکن عراقی کی طرف حطیم کعبہ میں حضرت ہاجرہ کا مزار ہے، ان کی قبر انور پر گول سنگ مرمر لگا ہوا ہے ﴿ابن بطوطہ ص ۱۹۷﴾ اب غالباً ۱۳۹۶ھ میں حطیم کا فرش بناتے وقت وہ امتیازی نشانات ختم کر دیئے گئے ہیں ﴿تاریخ مکہ ص ۱:۱۱۲﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کارناموں کے اثرات اس پورے علاقے میں اجاگر تھے، علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے مختلف شہروں کے طویل سفر کے بعد عرب اور شام کی سرحد کا رخ کیا، بحر میت کے پاس اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو آباد کیا، اپنے فرزند ارجمند سیدنا اسحاق علیہ السلام کیلئے کنعان ﴿فلسطین﴾ کا مقام منتخب کیا، اپنے دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو حجاز میں بحر احمر کے ساحل

پر اس مقام پر بسایا جسے ان کے انتساب سے آج تک مدین کہا جاتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر فاران کی مقدس وادی میں سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی جائے سکونت مقرر فرمائی، یہ تمام مقامات ایسی شاہراہوں پر واقع تھے جن پر مصر و شام سے حجاز و یمن اور حجاز و یمن سے مصر و شام آمد و رفت کیلئے تاجروں، سوداگروں اور قافلوں کا تانتا لگا رہتا تھا، اپنی اولاد کو اس خاص سلسلہ سے آباد کرنے سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پیش نظر دو عظیم مقصد تھے، ایک تو یہ کہ تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کی وجہ سے انہیں ضروری سامان اور غلہ وغیرہ دستیاب ہونے میں تکلیف نہیں ہو گی اور ساتھ ہی اس سوداگری میں وہ بھی سہولت سے شرکت کر سکیں گے، اور دوسرا مقصد تبلیغ کا تھا کہ توحید خداوندی کی تبلیغ کیلئے یہ بین الاقوامی گزرگاہیں بہترین مراکز ثابت ہوں گی اور اس طرح عراق و شام کی جبار و قہار بت پرست اور کواکب پرست قوموں سے کنارہ کش ہو کر دین حنیف کی تبلیغ و ترویج پورے انہماک سے کر سکیں گے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ جہاں کہیں نورانیت کا کوئی جلوہ نظر آتا وہاں خداوند قدوس کے نام سے ایک پتھر نصب کر کے خدا کا گھر اور قربان گاہ بنا لیتے تھے، اس قسم کی قربان گاہیں اور خدا کے گھر حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ علیہم السلام نے بھی بنائی تھیں اور آخر میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے بیت المقدس کی تعمیر فرمائی جو بنی اسرائیل کا کعبہ اور قبلہ قرار پایا۔ ﴿سیرت النبی ۵: ۳۳۸﴾

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کا مرکزی مقام مکہ مکرمہ تھا، اسکے دو نام مشہور ہوئے بکہ اور مکہ حضرت امام ابراہیم، حضرت امام زہری اور حضرت امام عکرمہ رحمۃ اللہ علیہم کا بیان ہے کہ بیت اللہ شریف اور اس کے اردگرد کا علاقہ تو بکہ ہے اور باقی تمام شہر مکہ ہے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول منقول ہے کہ بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ماسوا پورا شہر مکہ ہے اور بکہ ہی وہ مخصوص مقام ہے جہاں طواف کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طواف صرف حرم کے اندر ہی جائز ہے، باہر نہیں کیونکہ باہر کا حصہ مکہ میں شمار ہوتا ہے، یہی قول امام مالک، امام ابراہیم نخعی، امام عطیہ عوفی اور امام مقاتل بن حسان کا ہے، اور یہ بھی روایت ہے

کہ بکہ تو صرف بیت اللہ ہے اور جہاں تک حدود حرم ہے وہ سارا مکہ ہے، ﴿معجم البدان ۸: ۱۳۴﴾ اس شہر مقدس کے اور بھی کثیر نام ہیں، البیت العتیق، البیت الحرام، البلد الامین، المامون، ام رحم، ام القریٰ، الصلاح، القرش، القادس، النساسۃ، الباسہ، المعاد، الماذرا، المعطشہ، العروض، القریۃ، الکوثی، القریۃ النمل، الحاطمہ، البرۃ، الطیبہ، الرأس ﴿ابن کثیر ۱: ۳۸۳، اعلام الاعلام ص ۱۸﴾ حضرت علامہ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی بہت سے نام گنوائے ہیں، مثلاً المسجد الحرام، الرتاج، ام زحم، ام صح، بساق، سبرحۃ، السلام، العذراء، نادرۃ، العرویش، الحرمۃ، الحرمہ، مخرج الصدق، قریۃ الحمس، نقرۃ الغراب، البینہ، فاران، المکتان، النابیہ، الوادی، وغیرہ ﴿جامع اللطیف ص ۹۸﴾ حضرت امام طاہر کردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

وما کثرۃ الاسماء الالفضلها

حبا ها به الرحمن من اجل کعبة ﴿تاریخ القویم ۲۹﴾

گویا اس کے ناموں کی کثرت اس کی فضیلت و منزلت پر دلالت کرتی ہے، اس کی عظمت شان کی یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا کئی بار ذکر فرمایا ہے، اسے گہوارہ امن قرار دیا ہے اور اپنی پاک نشانیوں کا امین ٹھہرایا ہے، یہ ارض اللہ ہے، ہر پیغمبر نے اس کی عظمت کو سلام محبت پیش کیا ہے، حضور پرنور ﷺ کا ارشاد ہے:

⊙ ..... اے مکہ مکرمہ تو کتنا عظیم الشان ہے اور مجھے کسقدر محبوب ہے،، اگر مجھے میری قوم باہر نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ کبھی قیام نہ کرتا، ﴿مشکوٰۃ ص ۲۳۸﴾ اور فرمایا، تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بہتر زمین ہے اور اسکو سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا، ﴿ابن ماجہ ۲۲۴﴾ اور فرمایا، مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، ﴿ابن ماجہ ۱۰۲﴾

صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، جبل نور، غار ثور، جعرانہ، تنعیم عائشہ، جبل ابوقبیس، جنت المعلیٰ وغیرہ اس کے مشہور مقامات ہیں، جہاں ایک ایک قدم پر محبوبان خدا کی ہزاروں یادیں قائم ہیں، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ارض بها البیت المحرم قبله   للعالمن له المساجد تعدل

وبها المشاعر والمناسک کلها والی فضیلتها البریة ترحل
وبمکه الحسنات ضوعف اجرها وبها المسیء عن الخطایا یغسل

اولاد اسماعیل میں امت مسلمہ:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کثیر الاعیال پیغمبر تھے، آپ کی دوسری زوجہ محترمہ سیدہ بنت مضاض بن عمرو جرہمی کے بطن سے بارہ فرزند پیدا ہوئے، ان کے اسما گرامی یہ ہیں، نابت، قیدار، ادبیل، میشا، مسمع، دما، ماس، ادد، وطور، نفیس، طما، قیدمان، آپ کی ایک بیٹی بھی تھی جس کا نکاح حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیصو سے کرنے کی وصیت فرمائی، ﴿طبری ۱:۱۶۲﴾ آپ کے دو صاحبزادوں نابت اور قیدار کی اولاد میں بہت برکت اور کثرت واقع ہوئی، عرب کے زیادہ ترین قبائل انہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی نسل آج بھی دنیا کے مختلف ممالک مثلاً حجاز، یمن، تہامہ، شام، عراق، مصر، شمالی افریقہ، طرابلس یتونس، الجزائر اور مراکش وغیرہ میں آباد ہے، ﴿الجواہر طنطاوی ۱:۱۲۲﴾ آپ کی اولاد فلسطین سے لے کر حجاز تک آباد ہوئی اور یہی پہلے مکہ مکرمہ کے حکمران بنے، ایک مدت دراز تک مکہ مکرمہ اور سبائے یمن میں مقابلہ ہوتا رہا کہ ان میں سے کون سا شہر عربستان کا دارالسلطنت قرار دیا جائے ﴿تمدن عرب ۸۷﴾ تورات کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے خرید کر مصر لے جانے والا قافلہ بھی اسماعیلی اولاد سے تھا، ﴿التکوین ۳۷:۲۵﴾ یہ واقعہ ۱۸۰۰ قبل مسیح کو پیش آیا۔ آپ کی اولاد میں سے حضرت قیدار کو خصوصی شہرت وعظمت نصیب ہوئی، ان کی اولاد سے حضرت عدنان پیدا ہوئے، حضرت قیدار سے حضرت عدنان تک جتنی پشتیں ہیں ان کے متعلق قابل اعتماد معلومات میسر نہیں، کیونکہ حضور پیغمبر نور ﷺ بھی اپنا نسب نامہ حضرت عدنان تک بیان فرمایا کرتے تھے ﴿کرمانی بحوالہ حاشیہ بخاری ۱:۵۴۳﴾ بعض مورخین نے حضرت عدنان کا یہ سلسلہ نسب بیان کیا ہے، عدنان بن ادبن یسع بن ثابت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم، ابتدا ہی میں اولاد اسماعیل اسقدر زیادہ ہوگئی کہ انہیں حصول معاش کیلئے مکہ مکرمہ سے باہر نکلنا پڑا، جس پر بنو جرہم نے تولیت کعبہ کا منصب سنبھال لیا، ننھالی رشتے کی وجہ سے آل اسماعیل نے بھی کوئی مزاحمت نہ کی، اس طرح وہ مدت دراز تک اس منصب پر فائز المرام رہے، بنو جرہم نے اس منصب کے تکبر میں مبتلا ہو کر بہت سی بد

عنوانیوں کا مظاہرہ بھی کیا جس سے اس مقدس گھر کی حرمت میں فرق آنے لگا، مثلاً وہ کعبہ مشرفہ کا چڑھاوا کھا جاتے، حجاج کرام کو ستاتے، طرح طرح کے مظالم کا ارتکاب کرتے، جب ان کی یہ بدعنوانیاں حد سے بڑھ گئیں تو آل اسماعیل نے انہیں مکہ مکرمہ سے نکال کر پھر تولیت کعبہ کا منصب سنبھال لیا ﴿سیرت ابن ہشام ۱: ۶۵﴾ بنو جرہم یمن سے نکلے تھے اور وہیں جا آباد ہوئے، پھر یہ منصب نسلاً بعد نسل حضرت عدنان تک پہنچا، یہ بہت تاریخی شخصیت کے حامل تھے، ان کے زمانے میں عرب پر بخت نصر کی صورت میں ایک طوفان کا گزر ہوا، اہل عرب نے حضرت عدنان کی قیادت میں ذات العرق کے میدان میں بختِ نصر کے لشکروں سے خوب مقابلہ کیا مگر شکست کھائی، بختِ نصر نے بہت سا مال غنیمت اکٹھا کیا اور بہت سے عربوں کو جنگی قیدی بنا کر عازم وطن ہوا، ان قیدیوں میں حضرت عدنان کا بارہ سالہ لختِ جگر معد بھی تھا، جس کو اس لشکر میں موجود دو اسرائیلی پیغمبروں نے اپنی تربیت میں لے لیا، ان پیغمبروں کے نام حضرت ارمیا اور حضرت ابرخیا علیہما السلام تھے، انہوں نے حضرت معد بن عدنان کو آسمانی کتاب کی تعلیم بھی عطا فرمائی، کچھ عرصے بعد جب حضرت عدنان کا انتقال ہوا اور ادھر بخت نصر[1] بھی ملک عدم میں پہنچ گیا تو اسرائیلی پیغمبر حضرت معد بن عدنان کو لے کر مکہ مکرمہ آ گئے، انہوں نے مل کر حج ادا کیا اور اپنے خاندان کے منتشر افراد کو اکٹھا کر کے ایک بار پھر مکہ مکرمہ میں رہائش اختیار کی، ﴿تاریخ ابن خلدون ۲: ۶۱۸﴾ حضرت عدنان ہی پہلے آدمی ہیں جنھوں نے کعبہ مشرفہ کو غلاف پہنایا، بعض روایات میں ہے کہ تبع الحمیری نے پہنایا، آپ نے اہل عرب میں اجتماعیت کا شعور اجاگر کیا تھا جس کا فائدہ ان کے لخت جگر حضرت معد نے اٹھایا، حضرت معد کے بارے میں اسرائیلی پیغمبروں کو حکم ربانی موصول ہوا تھا:

> ”آپ معد بن عدنان کو نکال کر لے جاؤ کیونکہ ان کی اولاد سے پیغمبر نور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ جلوہ فرما ہوں گے، میں ان کی ذات پر انبیا کرام کا سلسلہ ختم کر دوں گا اور ان کی بدولت پستی میں گرے ہوئے لوگوں کو مقام رفعت عطا کروں گا، ﴿تاریخ طبری ۱: ۶۹۲﴾

---

[1] : بخت نصر روئے زمین کا حکمران تھا، اس نے ملک عرب پر کیوں حملہ کیا تھا، اہل عرب نے حضورا کے مقام پر حضرت شعیب علیہ السلام کو شہید کر دیا تو اسرائیلی پیغمبر حضرت ارمیا اور حضرت برخیا کو وحی آئی کہ وہ بخت نصر کو عرب پر حملہ کرنے کا حکم دیں اور کامیابی کی نوید سنائیں تاکہ حضرت شعیب علیہ السلام کا انتقام لیا جا سکے، جب ایک غیر ملکی طاقت نے حملہ کیا تو اہل عرب حضرت عدنان کی قیادت میں یکجان ہو گئے۔

آپ کو معد اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ بہت بہادر انسان تھے اور جنگ وجدل کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، آپ کو ہر میدان میں کامیابی نصیب ہوتی تھی، آپ نے تہامہ پر قبضہ کر کے آل اسماعیل کی عزت وہیبت کی بنیاد رکھ دی، ان کی وجہ سے تمام علاقہ خوشحال ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت معد کو حضرت نزار جیسا خوبصورت فرزند عطا فرمایا، تو انہوں نے اس خوشی میں بہت سے اونٹ ذبح کئے اور غریبوں امیروں میں یکساں گوشت تقسیم کیا، حضرت نزار کی پیشانی میں بھی حضور پیغمبر نور ﷺ کا نور نبوت ضوفگن تھا جو نسل در نسل منتقل ہوتا آرہا تھا، ﴿سبل الھدیٰ ۱:۲۴۵﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی بہت عزت وعظمت سے سرفراز فرمایا، آپ جس بادشاہ کے دربار میں جاتے، آپ کی بہت تعظیم وتکریم ہوتی تھی، حضرت نزار کے چار لخت جگر تھے، مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار، ان چاروں بیٹوں میں حضرت مضر کا خاص مقام تھا، آپ کے رخ انور پر بھی نور احمد کے جلوے سماں باندھ رہے تھے، آپ کے حسن وجمال اور فہم ومقال کی سارے عرب میں دھوم تھی، آپ لحن داودی کی نعمت سے بھی مالا مال تھے، آپ کی حدیٰ خوانی سے عرب کے سنگ زادوں کو وجدان نصیب ہو جاتا، حضور پیغمبر نور ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت مضر اور ربیعہ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ دونوں صاحب ایمان تھے، حضرت مضر کا مزار روحا میں ہے، حضرت مضر کو حضرت الیاس جیسا عظیم فرزند نصیب ہوا جسے اہل عرب سید العشیرہ کے لقب سے یاد کرتے تھے، یہ اپنے بلند مرتبت والد کے جانشین تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت الیاس کو برا نہ کہو، وہ بھی صاحب ایمان تھے، عرب میں ان کی مثال وہی ہے جو حضرت لقمان کی اپنی قوم میں تھی، ﴿السیرۃ النبویہ از دحلان مکی ۱:۲۰﴾ آپ نے آل اسماعیل کو وعظ ونصیحت کے ذریعے راہ راست پر رکھنے کی بہت کوشش کی، تمام قبائل عرب ان کا از حد احترام کیا کرتے تھے، حضرت الیاس کے لخت جگر کا نام حضرت مدرکہ تھا، یہ بھی بہت قابل قدر شخصیت کے مالک تھے، آپ کے گھر حضرت خزیمہ نے جنم لیا جو فضائل ومکارم کا مجسمہ تھے، حضرت خزیمہ کی وفات بھی ﴿اپنے آبائے کرام کی طرح﴾ دین ابراہیمی پر ہوئی، ﴿سبل الھدیٰ ۱:۲۴۸﴾ ایک شاعر کہتا ہے۔

اما خزيمة فالمكارم جمة

سبقت اليه وليس ثم عتيد

یعنی تمام عظمتیں حضرت خزیمہ کی ذات میں جمع ہوگئیں تو کوئی عظمت ایسی نہیں جوان میں نہ پائی جاتی ہو،

حضرت خزیمہ کے لخت جگر کا نام حضرت کنانہ تھا، کنانہ کا معنی ہے ترکش، جسطرح ترکش تمام تیروں کو اپنے اندر سما لیتا ہے اس طرح انہوں نے بھی قوم عرب کو اپنے دامن کرم میں چھپا رکھا تھا، علم وفضل کی وجہ سے اہل عرب دور دراز سے آپ کی زیارت کیلئے آیا کرتے تھے، انہوں نے اپنی فراست ایمانی سے حضور پیغمبر نور ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دی اور قوم کو ان کی اطاعت ومحبت کا سبق پڑھایا، آپ نے فرمایا، لوگو! اس نبی محترم ﷺ کے نقش قدم پر چلنا، اس سے تمہاری عزت وعظمت میں اضافہ ہوگا، آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ مجھے گھوڑے، اونٹ، عمارت اور دائمی عزت جیسی تمام نعمتوں سے مالا مال کردے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے صدقے قریش مکہ کو ان نعمتوں سے مشرف فرمادیا، ﴿سبل الھدیٰ ۱:۳۳۸﴾

حضرت کنانہ کی اولاد سے نضر پیدا ہوئے، اصل نام تو قیس تھا، لیکن خوبصورتی کی وجہ سے نضر کہلائے، ان کے لخت جگر کا نام حضرت مالک تھا، وہ بھی بہت عالی مرتبت انسان تھے، ان کے لخت جگر کا نام حضرت فہر تھا، آپ قبائل مکہ کے سردار تھے، حضرت زبیر بن بکار اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کا لقب سب سے پہلے فہر بن مالک کو ملا، اس لئے فہر اور ان کی اولاد ہی قریش ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش ان کا نام تھا اور فہر لقب تھا، ﴿تاریخ مکہ المکرمہ ۱:۱۷۸﴾ حضرت کنانہ کے چھ بیٹے تھے جن میں صرف حضرت نضر کی اولاد کو قریش کہا گیا، نضر سے مالک اور مالک سے فہر پیدا ہوئے، ان کے علاوہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی نسل کو کسی نے بھی قریش میں شمار نہیں کیا، امام سہیلی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، ﴿الروض الانف ۱:۷۰﴾ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

⊙......**ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسمٰعیل واصطفی قریشاً من کنانۃ واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم.** اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو چنا اور کنانہ سے قریش کو فضیلت دی اور قریش سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم سے مجھے فضیلت دی، ﴿مسلم کتاب الفضائل﴾

معلوم ہوا کہ قریش حضرت نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے، قریش کو عدنانی اور مضری بھی کہا جاتا ہے، لفظ قرش سے یا ''تقریش'' سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے کمانا اور جمع کرنا، حضرت فہر بن مالک کی یہ عادت تھی کہ وہ حاجت مندوں کی حاجتوں کو تلاش کرتے اور ان کو پورا کرتے تھے، غریبوں کو دولت عطا کرتے اور ننگوں کو کپڑا مہیا کرتے تھے، خوف زدہ انسانوں کا خوف دور کرتے اور پناہ ڈھونڈنے والوں کو پناہ دیتے تھے، گمگشتگان راہ کو منزل مراد پر پہنچاتے تھے، اسلئے ان کے خاندان کا نام قریش پڑھ گیا۔ ایک قول کے مطابق قریش ''تقریش'' سے ہے جسکا معنیٰ ہے تجارت کرنا چونکہ اس خاندان کا ذریعہ معاش تجارت تھا اس لئے قریش کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ ﴿الروض الانف ۱:۱۱۶﴾ قرش کا معنیٰ ہے بڑی مچھلی جو سمندر کی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے اسلئے اس کی اجتماعیت کے سامنے سارا عرب سرنگوں ہو گیا تھا، امام ابن سعد کا قول ہے کہ فہر بن مالک بن نضر ہی سے قریش کا آغاز ہوا، حضرت فہر سے پہلے کی اولاد نضر قریشی نہیں کہلاتے ﴿طبقات ۱:۵۵﴾ امام ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے ﴿جمہرۃ انساب العرب:۱۲﴾ پھر حضرت فہر کی اولاد یعنی قبیلہ قریش کے دو بڑے گروہ پیدا ہو گئے:

⊙...... قریش البطاح، اس گروہ میں وہ قبائل قریش شامل تھے جو مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے، ان میں کعب بن لوئی کی اولاد بالخصوص بنو عبد مناف، بنو عبد العزیٰ، بنو عبد الدار، بنو زہرہ، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو جمع اور بنو سہم مشہور ہیں:

⊙...... قریش الظواہر، اس گروہ میں وہ قبائل قریش شامل تھے جو وادی مکہ سے باہر قیام پذیر تھے، ان میں بنو عامر، بنو محارب، بنو حارث وغیرہ مشہور ہیں، ﴿نہایۃ الادب ص ۴۰۷﴾

حضرت فہر کے دور میں قبائل یمن نے حسان بن عبد الکلال حمیری کی قیادت میں مکہ مکرمہ پر حملہ کر دیا کہ بیت اللہ شریف کے پتھر اکھاڑ کر یمن میں کعبہ تعمیر کریں تو تمام اہل عرب نے حضرت فہر کی قیادت میں جنگ لڑی اور شاندار فتح حاصل کی، اس جنگ میں یمنی سپہ سالار کو جنگی قیدی بنا لیا گیا جو تین سال کے بعد فدیہ دے کر آزاد ہوا، حضرت فہر کے لخت جگر کا نام غالب تھا، یہ بھی حسن کردار اور طرز گفتار سے قبائل عرب میں غالب تھے، ان کے دو بیٹے تھے، لوئی اور تیم، بنو تیم کے مورث اعلیٰ یہی تیم ہیں، حضرت لوئی کو بھی حکمت و دانش کے

بیش بہا خزانے نصیب ہوئے تھے، آپ کی زبان سے نکلنے والا جملہ ضرب المثل بن جایا کرتا تھا، حضرت لوئی کی اولاد سے حضرت کعب انسانیت کی اعلیٰ صفات سے مزین تھے، آپ ہر جمعہ کے دن قبیلہ قریش کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا فریضہ یاددلاتے اور اچھائی کی تعلیم دیتے تھے، آپ کے کلام میں حضور پیغمبر نور ﷺ کی بشارت بھی موجود ہوتی تھی، آپ فرمایا کرتے تھے:

⊙ ...... حرمکم زینوه و عظموه و تمسکوا به فسیأتی لهٗ نباء عظیم وسیخرج منه نبی کریم بذالک جاء موسیٰ وعیسیٰ صلی الله علیهما وسلم .... علیٰ غفلة یاتی النبی محمد ،اپنے حرم کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم بجالاؤ اور اسکو مضبوطی سے پکڑے رہو، اس سے ایک بہت شاندار اور اہم خبر آئے گی اور اسی سے ایک نبی کریم ظاہر ہوں گے، یہی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امتوں کو دی اور اچانک نبی کریم جن کا اسم گرامی محمد ہے تشریف لائیں گے۔ ﴿سبل الهدیٰ ۱: ۲۳۰﴾

حضرت کعب پر جا کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب حضور پیغمبر نور ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے، حضرت کعب بہت جلیل القدر انسان تھے اور دین حنیف پر قائم تھے، اہل عرب نے ان کے یوم وفات سے اپنی تاریخ کا آغاز کیا، حضرت کعب حضور پیغمبر نور ﷺ کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ سال پہلے ہوئے مگر ان کی سیرت کے آثار اتنی صدیوں کے بعد بھی روشن تھے، ان کے جانشین کا نام حضرت مرہ ہے، یہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے نسب میں چھٹے جد کریم ہیں، ان کی ذات پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب بھی آپ کے ساتھ مل جاتا ہے، ان کے لخت جگر کا نام حکیم تھا، حکیم کلاب کے لقب اور ابوزہرہ کی کنیت کے ساتھ مشہور تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کا نسب حضرت کلاب پر آ کر ملتا ہے، انہوں نے عربی مہینوں کے نام تجویز کیے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کلاب کو حضرت زید المعروف بہ قصی جیسا عظیم فرزند عطا فرمایا، زید قصی کی کنیت ابو مغیرہ تھی، آپ کا بچپن شام کی سرحد پر موجود بنو قضاعہ میں گزرا تھا اس لیے آپ کو قصیٰ کہا گیا، اس دوران قبائل عرب میں اصنام پرستی عام ہو چکی تھی مگر یہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور پیغمبر

نور ﷺ کی بعثت ورسالت کی خبر عام کرتے رہتے تھے، آپ نے بنوخزاعہ کے سردار کی بیٹی سے شادی کی، جس کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے، عبدالدار، عبدالمناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی، بنوخزاعہ کعبہ مکرمہ کی تولیت پر فائز تھے، ان کے سردار حلیل نے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی بیٹی اور حضرت قصی کی بیوی کو متولی بنادیا، لیکن عورت سے یہ کام سرانجام نہیں دیا جاسکتا تھا، اس لئے ذمہ داری حلیل کے بیٹے ابوغبشان کو نبھانا پڑی، ابوغبشان عیاش آدمی تھا، حضرت قصی نے اس کی عیاشی اور نااہلی کے پیش نظر شراب کے ایک مشکیزے کے بدلے یہ عظیم منصب خرید لیا، بنوخزاعہ کو اس قدر گھاٹے کا سودا بھلا کیسے گوارا ہوسکتا تھا لہٰذا انھوں نے حضرت قصی کو معزول کرنے کیلئے سردھڑ کی بازی لگادی، ادھر حضرت قصی نے بھی اخوان وانصار کا لشکر جمع کرلیا، ایک خون ریز جنگ ہوئی مگر فیصلہ نہ ہوسکا، بالآخر یعمر بن عوف بن کعب کو ثالث مقرر کیا گیا تو اس نے حضرت قصی کو اس عظیم منصب پر برقرار رکھا، حضرت قصی نے مکہ مکرمہ کی سرداری ملنے کے بعد بڑے تابناک کارنامے سرانجام دیئے:

⊙...... حضرت قصی نے مشعرالحرام کو ایجاد کیا، حج کے ایام میں مزدلفہ میں چراغاں کی رسم جاری کی، یہ رسم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک جاری رہی، ﴿اخبار مکہ ۴۱۶﴾

⊙...... حضرت قصی نے کعبہ مشرفہ کے قریب عالیشان محل تعمیر کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا جہاں بیٹھ کر سرداران قریش کسی اہم معاملے کے بارے میں مشورہ کیا کرتے تھے، شادی بیاہ کی رسوم اور دیگر قومی تقریبات بھی اسی جگہ پر منعقد ہوا کرتی تھیں، تجارتی قافلوں کی قافلہ بندی بھی وہاں ہوتی اور جب کوئی قافلہ مکہ مکرمہ میں آتا تو سب سے پہلے وہاں آکر ٹھہرتا تھا،

⊙...... حضرت قصی نے حجابہ[1]، رفادہ، سقایہ، لواء اور ندوہ جیسے ادارے قائم کرکے قریش کی معاشرتی زندگی میں انقلاب برپا کردیا، اہل عرب کو نظم وضبط کا خوگر بنانے کیلئے یہ اولین کوشش تھی، حضرت قصی نے سقایہ اور ندوہ کا منصب عبدالمناف کو عطا کیا، حجابہ اور لوا کی ذمہ داری عبدالدار کو سونپی، رفادہ کا عہدہ عبدالعزیٰ کو بخشا جبکہ وادی کی حفاظت کا کام عبد بن قصی کے سپرد کیا، حضرت قصی نے قریش کے مکانات تعمیر کروائے اور بیت اللہ شریف کو ازسرنو تعمیر کرنے کا شرف بھی حاصل کیا، حضرت قصی کی حکمت مآب باتوں میں مشہور ہے،

---

[1] حجابہ سے مراد کعبہ مشرفہ کی خدمت کرنے والا، رفادہ سے مراد حجاج کرام کی میزبانی کرنے والا، سقایہ سے مراد حجاج کرام کیلئے پانی کے ذخائر جمع کرنے والا، اور لوا سے مراد قوم کا پرچم لہرانے والا ادارہ ہے،

شراب سے پرہیز کرنا کیونکہ یہ جسم کو درست کرتی ہے مگر ذہن کو تباہ کر دیتی ہے، اس قول سے آپ کے کردار کی عظمت پہچانی جاسکتی ہے، مورخ ابو طاہر مقدسی نے آپ کو ایران کے بادشاہ بہرام گور کا معاصر بیان کیا ہے، گویا کہ ۴۳۱ء سے ۴۷۲ء تک ان کی معاصرت ہوئی، ﴿ارض القرآن﴾ ان کے دور میں قریش کے تجارتی قافلے دو تین ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوا کرتے تھے، جن پر سونا، چاندی، چمڑا، گھی اور دوسرا سامان تجارت ہوتا تھا، قافلوں کے ساتھ دو تین سو آدمی ہوتے تھے، ﴿حیات محمد ص ۴۰﴾ آپ کے محبوب فرزند عبد المناف، قمر البطحی کے لقب سے مشہور ہوئے، ان کے جود وسخا کی بدولت ''الفیاض'' بھی کہا جاتا ہے، آپ لوگوں کو خوف خدا اور حقوق اقربا کا درس دیا کرتے تھے، ان کی پیشانی میں حضور پیغمبر نور ﷺ کا نور نبوت جلوہ طراز تھا، آپ بتوں سے شدید نفرت کیا کرتے تھے، ﴿بلوغ الارب ۲:۲۸۴﴾ ایک شاعر کا قول ہے کہ قریش ایک انڈے کی مانند ہے تو اس کا جوہر عبد المناف ہے، آپ کا اصل نام تو مغیرہ تھا مگر خصائل کی عظمت کی وجہ سے عبد المناف کے نام سے جانے گئے، ﴿سبل الہدیٰ ۱:۳۲۰﴾ حضرت عبد المناف کے چار بیٹے تھے، ہاشم، مطلب، عبد شمس، نوفل، حضرت ہاشم کو قریش میں بہت بلند مقام نصیب ہوا، آپ کا اصل نام عمرو یا عمر تھا، ہاشم کا معنی ہے روٹی کا چورا بنانے والا، اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں سخت قحط سالی کا موسم آگیا، لوگ بالکل نادار ہو گئے، آپ اپنی ساری دولت لے کر ملک شام گئے اور وہاں سے بہت بڑی تعداد میں روٹیاں خرید لائے، نیز اونٹوں کو ذبح کر کے بڑی بڑی دیگوں میں گوشت پکایا اور پھر روٹیوں کے چورے اور گوشت کے سالن کو ملا کر عرب کا مشہور کھانا ثرید تیار کیا اور ساری قوم میں تقسیم کر دیا، قحط کی جان لیوا مصیبت کے بعد پہلی بار فراوانی اور ارزانی سے انہیں کھانا نصیب ہوا تو وہ آپ کو ہاشم کہہ کر پکارنے لگے، ﴿طبقات ابن سعد، تاریخ مکہ المکرمہ ۱:۱۹۷﴾ امام طبری نے لکھا ہے کہ ہاشم فلسطین سے آٹا خرید کر لائے، ان کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کر کے گوشت تیار کرایا، پھر ان روٹیوں کا چورا بنا کر ثرید تیار کیا اور اپنی قوم کی دعوت کی ﴿تاریخ طبری، تاریخ مکہ المکرمہ ۱:۱۹۷﴾ حضرت ہاشم بہت زیرک اور مدبر تھے، اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے، حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے، انہوں نے منیٰ میں چرمی حوض بنا کر پانی کی سبیل

لگائی، قریش کی تجارت کو چار چاند لگائے، قیصر روم سے مراسلت کر کے قریش کے مال تجارت پر ٹیکس نہ لگانے کا فرمان جاری کروایا، شاہ حبشہ سے بھی ٹیکس معاف کروایا، عرب میں راہزنی عام تھی، آپ نے قبائل عرب کا دورہ کر کے قریش کے سامان تجارت کو ضرر نہ پہنچانے کا معاہدہ کیا، آپ نے پہلی بار قریش کیلئے دو تجارتی سفر متعین کیے، ایک سردی میں اور دوسرا گرمی میں، ان دونوں سفروں کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ القریش میں ملتا ہے، قبائل کے سفر کے دوران ایک مقام پر یہود کے اکابر علما نے حضرت ہاشم کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور بولے "بیشک اس شخص کی اولاد سے وہ نبی پیدا ہوگا جو یہودیوں کی بربادی کا باعث ہوگا، اس کا تذکرہ ہماری کتابوں میں موجود ہے، اس کا نام ماحی ہوگا، ﴿کتاب الانوار ص ۱۳﴾ زندگی کے آخری ایام میں سفر شام پر تھے کہ غزہ کے مقام پر بیمار ہو گئے اور پچیس سال کی عمر میں وصال فرما گئے، حضرت ہاشم کے چار فرزند تھے، شیبۃ الحمد، صیفی، اسد اور فضلہ، ﴿طبقات ابن سعد﴾ حضرت ہاشم تجارت کی غرض سے ملک شام جا رہے تھے کہ یثرب میں بنونجار کے سردار عمرو بن لبید خزرجی کے پاس چند روز قیام فرمایا، اسی دوران اس کی بیٹی سلمیٰ بنت عمرو پر نظر پڑی تو اس کے حسن و جمال سے از حد متاثر ہوئے اور اپنے لئے رشتہ طلب کیا، جس کو بنونجار کے سردار نے بڑی خوشی سے قبول کرلیا، شادی ہوگئی، واپسی پر رخصتی ہوئی تو آپ اپنی زوجہ کو لے کر مکہ مکرمہ آ گئے، کچھ عرصہ بعد اسکو یثرب چھوڑ کر ملک شام چلے گئے اور راستے میں انتقال ہوگیا، اِدھر یثرب میں ان کی زوجہ کے ہاں ایک بلند بخت فرزند نے جنم لیا جس کے سر کے چند بال سفید تھے، اس لئے اس کا نام شیبہ رکھا گیا، یہ وہی شیبہ ہے جسے حضور پیغمبر نور ﷺ کا جد امجد ہونے کا شرف حاصل ہے، حضرت شیبہ اپنی بیوہ ماں کے ساتھ سات سال تک یثرب میں قیام فرما رہے، یہ اتفاق کی بات ہے کہ بنو حارث بن عبد المناف کا ایک شخص یثرب سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ کم عمر بچے نشانہ بازی کر رہے تھے، ایک بچے کا تیر نشانے پر لگتا تو وہ بڑی مسرت کے عالم میں نعرہ لگاتا کہ میں سید البطحا ہاشم کا بیٹا ہوں، اس شخص نے مکہ مکرمہ آ کر مطلب بن عبد المناف سے بات کی کہ تمہارے خاندان کا عظیم فرزند یثرب میں پروان چڑھ رہا ہے، تم اسے مکہ مکرمہ کیوں نہیں لاتے، مطلب نے فوراً حامی بھر لی، چنانچہ وہ حضرت شیبہ کو مکہ مکرمہ لے آیا، لوگوں کے استفسار پر بتایا کہ یہ

میرا غلام ہے، پھر بعد میں اصل حقیقت بیان کی کہ یہ میرے بھائی ہاشم کا نور نظر ہے، مگر اہل مکہ حضرت شیبہ کو عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام ہی پکارتے رہے، حضرت عبدالمطلب مکہ مکرمہ میں جوان ہوئے اور سردار عرب ہاشم کے جانشین ہونے کا حق ادا کر دیا، آپ بہت جوانمرد اور بلند ہمت سردار تھے، آپ ملت ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور رمضان کا پورا مہینہ جبل حرا پر عبادت میں گزارتے تھے، آپ شراب نوشی، محرم عورتوں سے نکاح بازی اور لڑکیوں کی زندہ درگوری جیسے معاشرتی عیوب سے شدید متنفر تھے، ﴿تاریخ القویم ۱:۶۰﴾ آپ بہت شریف النفس اور جود وسخا میں مشہور تھے، قوم آپ کو الفیض کے نام سے یاد کرتی تھی اور ان کی اطاعت میں فخر محسوس کرتی تھی، ﴿طبقات ابن سعد﴾ مطلب کی وفات کے بعد رفادہ اور سقایہ کے ادارے آپ کے پاس آ گئے تو آپ نے بہت سی اصلاحات کو نافذ فرمایا۔

چاہ زمزم کی دریافت:

آب زمزم کی کشش سے قبیلہ بنو جرہم وہاں آ کر آباد ہو گیا اور تین سو یا بعض روایات کے مطابق پانچ سو سال تک وہاں حکمران رہا، بالآخر یہ قبیلہ اپنے فسق و فجور، ظلم وستم اور حدود خداوندی کو توڑنے کے باعث ذلت وخواری کے ساتھ مکہ شریف کی پاکیزہ سرزمین سے بے دخل ہوا، یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے کعبہ شریف کا خزانہ، غلاف کعبہ اور قیمتی تلواریں چاہ زمزم میں ڈال کر اسے مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کر دیا، پھر پانچ سو برس کا طویل عرصہ اسی حال میں گزر گیا، امتداد زمانہ اور سیلاب کی تباہ کاریوں نے اس کا نام ونشان بھی مٹا دیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس چشمہ حیات سے مخلوق کو سیراب کرنا چاہا تو قریش کے نامور سردار اور سرور دو عالم ﷺ کے جد امجد کو خواب کے ذریعے اسے کھودنے کا حکم دیا، عبدالمطلب کا کہنا تھا کہ ایک رات مجھے خواب میں کسی نے کہا طیبہ کو کھودیں، میں نے پوچھا طیبہ کیا چیز ہے مگر وہ شخص جواب دیئے بغیر چلا گیا، دوسری رات بھی خواب میں کوئی کہہ رہا تھا مضنونہ کو کھودیں، میں نے پوچھا کہ مضنونہ کیا ہے، مگر وہ شخص پھر غائب ہو گیا، تیسرے روز بھی خواب میں مجھے کہنے والے نے کہا کہ زمزم کو کھود کر صاف کریں، میں نے پوچھا زمزم کیا ہے، اس نے بتایا یہ ایک چشمہ ہے جس کا پانی کبھی کم نہیں ہو

گا اور اسکو کھودنے میں تمہیں کوئی زیادہ مشقت بھی نہیں اٹھانا پڑیگی اور نہ ہی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ تمہارے باپ کی میراث ہے اور تم یہ پانی حاجیوں کو پلاؤ گے، میں نے التجا کی کہ اس جگہ کی نشاندہی کردیجئے تو جواب ملا کہ جہاں چیونٹیوں کی بلیں کثرت سے ہیں وہ اس کی جگہ ہے اور صبح جب تم جاؤ گے تو کوے کو چونچ سے زمین کریدتے ہوئے پاؤ گے، چنانچہ اگلے روز آپ اپنے بڑے صاحبزادے حارث کو ساتھ لے کر ہاتھ میں کدال اور پھاوڑا اٹھائے حرم شریف میں پہنچ گئے، بشارتِ خدائے ذوالجلال کے مطابق دیکھا کہ ایک کوّا اساف اور نائلہ کے بتوں کے قریب زمین کرید رہا ہے اور چیونٹیوں کی بلیں بھی وہاں موجود ہیں، فرمان باری تعالیٰ کی پیروی میں دونوں باپ بیٹا کنوئیں کی کھدائی میں مصروف ہو گئے، اگرچہ قریش ان کے مزاحم ہوئے کہ یہاں تو ہم اپنے بتوں کے نام پر قربانیاں کیا کرتے ہیں، یہ ہماری مقدس جگہ ہے، ہم اسے کھودنے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے لیکن عبدالمطلب نے ایک نہ سنی اور اپنا مشن جاری رکھا، تھوڑے ہی عرصے میں گوہر مقصود پالیا اور پانی تک پہنچ گئے، انہیں جرہم کا وہ دفینہ بھی دستیاب ہو گیا، یہ خزانہ سونے کے دو ہرن، بہت سی قلعی دار تلواریں اور قیمتی زرہوں پر مشتمل تھا، جب قریش نے دیکھا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں فائز المرام ہو گئے ہیں اور انہیں بیش بہا خزانہ بھی مل گیا ہے تو پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ یہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے، لہذا ہمیں بھی اس خزانہ میں حصہ دار بنایا جائے اور زمزم کی حفاظت اور تقسیم میں ہمیں شریک کیا جائے مگر عبدالمطلب نے ان کے مطالبات کو مسترد کر دیا اور خود ہی زمزم کی نگرانی کرتے رہے، جب یہ نزاع نازک صورت اختیار کر گیا تو سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ بنی سعد بن ہذیل کی کاہنہ جو ملک شام کی سرحد پر قیام پذیر ہے کو ثالث بنایا جائے اور اسکے فیصلے کو بلاچون وچرا تسلیم کیا جائے، قریش کے ہر قبیلہ سے چیدہ چیدہ آدمی اس مہم پر روانہ ہو گئے، مگر راستہ طویل اور سنگلاخ تھا، پہاڑ اور غار بکثرت تھے، سفر سخت اور مخدوش تھا، جب یہ قافلہ ایک لق ودق جنگل میں پہنچا تو ان کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کے مارے سب کی جان نکلنے لگی، جن لوگوں کے پاس پانی تھا انہوں نے عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کو دینے سے انکار کر دیا کہ مکہ مکرمہ میں آب زمزم کے تم مالک بنے بیٹھے ہو اور یہاں ہم سے پانی مانگتے ہو، سخت پریشانی اور بے چینی کے عالم میں آخر چلنے ہی کا پروگرام طے ہوا، قدرت

الٰہی کا کرشمہ کہ جب عبدالمطلب نے اونٹنی پر سوار ہو کر اسے اٹھایا تو نیچے سے نہایت شیریں اور عمدہ پانی کا چشمہ ابل پڑا، خوشی کے مارے عبدالمطلب نے نعرہ تکبیر بلند کیا، اب تو سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے برتن بھی بھر لئے، حتیٰ کہ جن لوگوں نے پانی دینے سے انکار کیا تھا انہوں نے بھی اپنے مشکیزے بھر لئے، یہ عجیب وغریب ماجرا دیکھ کر قریش انگشت بدنداں ہو کر کہنے لگے عبدالمطلب بس اب ہمارے نزاع کا فیصلہ ہو گیا، قسم بخدا اب ہم تمہارے ساتھ زمزم کے متعلق مخاصمت نہیں کریں گے، جس خدا نے تمہیں اس ویران جنگل میں پانی کا چشمہ مرحمت فرمایا ہے، یہ اسی کی شان کریمی ہے کہ تمہیں آب زمزم [1] کی لازوال دولت سے نوازا ہے، چنانچہ وہ سب لوگ واپس لوٹ آئے، یہ واقعہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت سے چالیس یا ستر برس پہلے پیش آیا تھا، ﴿تاریخ مکۃ المکرمہ ۱:۳۹۲ بحوالہ زرقانی جلد اول، البدایہ والنہایہ ۲: ۲۴۵﴾ یہ حضرت عبدالمطلب کی عظیم الشان کرامت تھی جس نے سرداران قریش کو متحیر کر دیا اور وہ آپ کی بزرگی اور بلند ہمتی کے معترف ہو گئے، نیز آب زمزم کو دریافت کر کے بنی نوع انسانی کیلئے عام کرنا آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس بیٹے عطا فرمائے، ساری قوم آپ کو ان بیٹوں کے درمیان قابل رشک نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی، آپ حطیم میں ایک غلیچہ بچھا کر بیٹھتے تھے جس پر کوئی دوسرا آدمی نہ بیٹھ سکتا تھا ﴿تاریخ القویم ۱:۶۰﴾ حضرت عبداللہ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے جو حضرت فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے، حضور پیغمبر نور ﷺ کے بارے میں حضرت عبدالمطلب کو بہت سی بشارات موصول ہوتی رہتی تھیں، سفر یمن کے دوران ایک یہودی کاہن نے آپ کو بتایا کہ میں نے تمہارے ایک نتھنے میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہت دیکھی ہے، ﴿کتاب الوفاء ۱:۸۴﴾ آپ نے ایک خواب بھی دیکھا کہ ایک عظیم الشان درخت ہے جس کی شاخیں مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی ہیں، قریش کے کچھ لوگ اس کو کاٹنا چاہتے ہیں تو ایک حسین وجمیل نوجوان ان کو روکتا ہے، آپ نے یہ خواب ایک کاہنہ سے بیان کیا تو اس نے تعبیر بتائی کہ آپ کی پشت اقدس سے ایک ایسی ہستی پیدا ہوگی جو مشرق ومغرب پر راج کرے گی، لوگ اس کے نیاز مند ہو جائیں گے۔ ﴿زرقانی ۱:۹۱﴾

---

[1] آب زمزم کے بیشمار فضائل ہیں، حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا، یہ بیماری کی شفا ہے، یہ سب سے بہتر پانی ہے، فرمایا، بخار جہنم کی گرمی ہے، اسے زمزم سے ٹھنڈا کرو، زمزم کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

ذبیحِ ثانی کی جلالت شان:

حضرت عبدالمطلب کو قریش مکہ کے معاملات سرانجام دینے کیلئے وفادار افرادی قوت کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے ایک دفعہ نذر مانی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں دس بیٹوں کو جوان دیکھ لیں تو ان میں سے ایک لڑکا خدا کی راہ میں قربان کریں گے، جب ان کی آرزو کو اللہ کریم نے پورا کر دیا تو منت پوری کرنے کیلئے اپنے سب بیٹوں کو لے کر کعبہ شریف میں آئے اور قرعہ ڈالا جس میں حضرت عبداللہ کا نام نکلا، چونکہ عبداللہ باپ کے انتہائی منظور نظر اور محبوب تھے، اس لئے ان کا دل پریشان ہوا، روسائے قریش نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کے بدلے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کرلیں، اس طرح انہوں نے سو اونٹ ذبح کر کے نذر پوری کر دی، ﴿تاریخ مکہ المکرمہ ۱: ۲۰۱﴾ اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی، یہ تاریخ عالم کا دوسرا حیرت ناک واقعہ ہے جس میں ایک پدر بزرگوار اپنے محبوب فرزند کو ذبح کرنے پر تلا ہوا ہے کہ اس کی قربانی خدائے بزرگ و برتر کے حضور پیش کی جائے اور وہ فرزند بھی جذبہ ایثار میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھے تیار ہے، نام خدا پر ایسی متاع عزیز کو قربان کرنا اس کے صدق ایمان، یقین کامل اور احساس تشکر کی عظیم نشانی ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا میں دو ذبیحوں کا لخت جگر ہوں، ذبیح اول حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے جن کو ایک جنتی مینڈھے کے عوض بچا لیا گیا جبکہ ذبیح ثانی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں جو سو اونٹ کی قربانی کے بدلے محفوظ ہو گئے، بعد میں یہی مقدار انسانی جان کا خون بہا مقرر کر دی گئی، بھلا کون ہے جو ان سے زیادہ بلند قسمت ہو گا جن کے صلب اطہر میں باعث تکوین عالم کا نور جگمگا رہا تھا، آپ حسن و جمال کے عظیم پیکر تھے جس کی رعنائیوں کو دیکھ کر ماہ کنعانی کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال سیرت سے بھی حظِ وافر عطا فرمایا تھا، آپ کی حیات طیبہ کے متعلق چند ایمان افروز واقعات رقم کئے جاتے ہیں، پڑھیئے اور ایمان تازہ کیجئے:

……﴿①﴾……

حضور پیغمبر نور ﷺ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، کان وجهه نور یظهر کنور الشمس تو ان کے

چہرۂ مبارک پر ایسا نور چمک رہا تھا کہ جیسا سورج کا نور چمکتا ہے، حضرت عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو دیکھ کر فرمایا، اس بچے کی نرالی شان ہوگی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ناک مبارک سے ایک سفید پرندہ نکلا اور اس نے مشرق و مغرب میں پرواز کی، پرواز کرنے کے بعد وہ بیت اللہ شریف آکر بیٹھ گیا تو سب قریش نے اس پرندے کے سامنے سر جھکایا، پھر وہ زمین و آسمان کے درمیان اڑنے لگا، میں نے ایک کاہنہ کے سامنے یہ خواب بیان کیا تو اس نے کہا، اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو حضرت عبداللہ کی پشت انور سے ایسا فرزند ارجمند ظاہر ہوگا کہ تمام مشرق و مغرب والے اس کے اطاعت گزار ہوں گے، ﴿خصائص الکبریٰ ۱:۱۲۱، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۰۱﴾

﴿۲﴾

محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب سن بلوغت کو پہنچے تو ہر عورت اور روسائے قریش میں سے ہر رئیس کی جانب سے پیغام نکاح کی درخواستیں آنے لگیں، ہر گھر میں آپ کا ہی تذکرہ ہونے لگا، آپ کے والد ماجد حضرت عبدالمطلب نے آپ کو شکار پر بھیج دیا کہ عورتوں سے نجات حاصل ہو جائے، چنانچہ آپ حضرت وہب زہری کے ہمراہ شکار کیلئے چلے گئے، حضرت وہب زہری کا بیان ہے، ہم جنگل میں شکار کی جستجو کر رہے تھے کہ اچانک ستر یہودیوں کا لشکر گھوڑوں پر سوار تلواریں سونتے ہوئے نمودار ہوا اور حضرت عبداللہ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت وہب زہری نے پوچھا، عبداللہ کا کیا قصور ہے، یہودی بولے **لیس له ذنب ولکن فی ظهره نبی دینهٗ ناسخ جمیع الادیان و ملتهٗ ما حیة جمیع الملل فنحن نقتل عبد الله حتیٰ لا یظهر محمد** ﷺ عبداللہ کا کوئی قصور نہیں لیکن اس کی پشت انور سے ایسا نبی ظاہر ہوگا جس کا دین تمام دینوں کو منسوخ کر دے گا اور جس کی ملت تمام ملتوں کو مٹا کر رکھ دے گی، لہذا ہم عبداللہ کو اس لئے قتل کریں گے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ کا ظہور نہ ہو سکے، ہم ان سے گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اچانک آسمان سے ایک لشکر اترا اور اس نے آنا فانا تمام یہودیوں کو قتل کر ڈالا، ﴿بیان المیلاد النبوی ص ۲۸﴾

﴿۳﴾

روایات میں آتا ہے کہ جس رات حضور پیغمبر نور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی ولادت ہوئی، اہل کتاب کو معلوم ہو گیا تھا کہ نبی آخرالزمان کی بعثت کا وقت آچکا ہے، یہ علم انہیں کس طرح ہوا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وہ جامہ صوف ان کے پاس تھا جس میں آپ کی شہادت واقع ہوئی تھی، اس کے بارے میں ان کے پاس یہ معلومات تھیں کہ جب وہ جامہ صوف تازہ خون سے تر ہو جائے گا اور خون کے چند قطرے زمین پر گریں گے تو یہ نبی آخرالزمان کے والد ماجد کی ولادت کی نشانی ہوگی، چنانچہ یہ واقعہ دیکھ کر یہودی آپ کی جان کے دشمن بن گئے، ﴿تاریخ الخمیس ۱:۱۸۲، خیر المونس ۲:۱۵۹﴾

﴿۴﴾

حضرت خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں جو ہندوؤں کے بڑے بڑے اوتار ہوئے ہیں انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کی خبر دی ہے، چنانچہ کلکی پوران میں جو ہندوؤں کی معتبر کتاب ہے، جس میں کرشن جی کی طرف سے ان خبروں کا حال ہے، جو آخر زمانہ میں پیش آئیں گی، لکھا ہے کہ آخر زمانہ میں ایک اوتار پیدا ہوگا، اس کی پیدائش شمبل دیپ میں ہوگی، شمبل دیپ سے ہمارے ملک کے ہندو سنبھل مراد آباد خیال کرتے ہیں کہ وہ اوتار وہاں پیدا ہوگا مگر سنسکرت اور لغت کی کتابوں میں شمبل دیپ کے معنیٰ ملک عرب کے ہیں، مشہور انگریز سنسکرت دان پروفیسر میکس مولر نے بھی یہی معنی لکھے ہیں، کلکی پوران میں آگے بڑھ کر لکھا ہے کہ اس اوتار کی ماں کا نام ''اُستی'' ہوگا، استی کے معنی امانت دار کے ہیں، آنحضرت ﷺ کی والدہ کا نام آمنہ تھا جس کے معنی امانت دار کے ہوتے ہیں، پھر لکھا ہے کہ اوتار کے باپ کا نام ''وشنو داس'' ہوگا، وشنو کے معنی اللہ اور داس کے معنی غلام، سو آنحضرت کے والد کا نام عبداللہ تھا اور عبداللہ کے معنی عربی میں اللہ کے غلام ہیں، پھر کلکی پوران میں لکھا ہے کہ یہ اوتار پہلے پہاڑ کے غار میں خدا کی بندگی کرے گا، وہاں خدا اس کو سبق دے گا پھر اس کو اپنے گھر والوں سے تکلیف ہوگی، ﴿میلاد نامہ ص ۴۴﴾ کرشن جی کی ایک پیش گوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کے تذکار بھی عام فرما دیئے تھے تا کہ بنی نوع انسانی کو عرفان

مصطفیٰ ﷺ میں کوئی مشکل درپیش نہ ہو جائے۔

بل کان مثل الشمس بل اضوی لنا
فالشمس نیرة بنور محمد
سورج سے بڑھ کر ہمیں بخشا اجالا آپ نے
سورج کو دیا روشن حوالا آپ نے

سیدہ آمنہ سے نکاح:

حضرت علامہ دحلان مکی لکھتے ہیں کہ آپ کو اپنے دور میں عورتوں کی طرف سے وہی مشکلات پیش آئیں جنکا سامنا حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی ﴿زلیخا﴾ کی طرف سے کیا تھا، آپ ایک نور درخشاں تھے، جس کو دیکھ کر قریش کی عورتیں از خود رفتہ ہو جاتی تھیں، ﴿السیرۃ النبویہ ۱:۴۲﴾ حضرت عبداللہ کی طرف سے سو اونٹ ذبح کئے گئے تھے تو ایک دن وہ حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ ام قتال بنت نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے قریب سے گزرے جو ورقہ بن نوفل کی بہن تھی، اس نے آپ کو دعوت نکاح دی مگر آپ نے والد ماجد کی اطاعت کو مدنظر رکھا، اس نے سو اونٹ کی بھی پیش کش کی مگر آپ نہ مانے، حضرت عبدالمطلب ان کو لے کر سیدھے حضرت وہب بن عبدالمناف بن زہرہ کے گھر آئے اور ان کی لخت جگر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، کہتے ہیں جب زفاف کے بعد حضور پیغمبر نور ﷺ کا نور مقدس حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر میں منتقل ہو گیا تو حضرت عبداللہ نے ام قتال کو نکاح کی دعوت دی، اس نے کہا جو نور تیری پیشانی میں چمک رہا تھا اور جس کی والدہ بننے کی تمنا پر میں اتنے اونٹ بھی پیش کرنے کو تیار تھی، وہ تجھ سے جدا ہو گیا ہے، لہذا اب مجھے تیرے ساتھ نکاح کرنے کی کوئی دلچسپی نہیں ہے، ام قتال کے اس علم و معرفت کی وجہ یہ تھی کہ اس کا بھائی ورقہ بن نوفل آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا، اس نے اپنے بھائی سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے والد گرامی ہونے کا شرف ازلی اسی نوجوان قریش کو حاصل ہو گا جس کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب ہے، حضرت عبداللہ کو قبیلہ خثعم کی ایک خوبصورت کاہنہ ''فاطمہ بنت مر'' نے بھی موافقت کی دعوت دی اور سو اونٹ کی پیش کش کی مگر اس بلند کردار انسان نے فرمایا:

⊙......اما الحرام فالممات دونه......... والحل لاحل فاستبینه......... فکیف بالامر الذی تبغینه .... یحمی الکریم عرضهٔ و دینهٔ حرام کا ارتکاب کرنے سے موت بہتر ہے، حلال کی صورت بھی دکھائی نہیں دیتی، لہذا یہ کام ممکن نظر نہیں آتا، کیونکہ ہر شریف آدمی اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہے ﴿کتاب الوفاء باب ۱۶، انوار محمدیہ باب ا﴾

کاتب تقدیر نے یہ سعادت سرمدی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے مقدر میں لکھی تھی، جب آپ کا نکاح ہو گیا تو اس خوبصورت کاہنہ نے کمال تاسف اور ملال حسرت کے ساتھ چند اشعار لکھے جن کا ترجمہ پیش خدمت ہے، میں نے برسنے والی بدلی کو دیکھا جو برسنے کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، پس وہ چمکی مگر مصائب و آفات کے سرخ خونین مٹکوں کے ساتھ......... میں نے اس برسنے والی بدلی کو نورانی حالت میں دیکھا جو ان کے اردگرد یوں روشنی کئے ہوئے تھی جیسا کہ سپیدہ سحر ظلمت شب کو نور سے بدلتا ہے......... میں نے عظمت کا بلند پہاڑ دیکھا تو اس کی پناہ لینے کو خواہش کی لیکن ہر وہ شخص جو چقماق پتھروں کو باہم رگڑ کر آگ حاصل کرنا چاہے، ضروری نہیں کہ اپنے مدعا کو پا سکے اور آگ جلا سکے ۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کہتے ہیں انتقال نور کے بعد حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ اب دعوت نکاح کیوں نہیں دیتی تو اس نے کہا، میں نے تیرے چہرے پر نور نبوت کو دیکھا تھا، دل چاہا کہ وہ میرے مقدر میں ہو مگر اللہ تعالیٰ کو جہاں منظور تھا، اس نے وہیں پہنچا دیا ہے، ﴿انوار محمدیہ باب ا﴾ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو زہرہ کے ساتھ تھا، آپ قریش کی تمام عورتوں سے ممتاز تھیں شمائل و خصائل پر ہر خاتون کو رشک آتا تھا، کیوں نہ آتا، قدرت الٰہی نے آپ کے وجود کو کائنات کے گوہر مقصود کیلئے چن لیا تھا، ادھر آپ کے والد نامدار حضرت وہب بن عبدالمناف بھی حضرت عبداللہ کی اعلیٰ صفات سے از حد متاثر تھے، انہوں نے سردار عرب کے مطالبے کو نہایت مسرت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اپنی فرخندہ جبین صاحبزادی کا نکاح حضرت عبداللہ کے ساتھ کر دیا، ایک روایت کے مطابق اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر چوبیس سال تھی، یہ پھر دونوں حضرت عبدالمطلب کے زیر سایہ ازدواجی

زندگی بسر کرنے لگے، جب اس گوہر مقصود کو شکم مادر میں منتقل ہوئے دو ماہ کا عرصہ گزر گیا تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو سفر تجارت پر ملک شام کی طرف روانہ فرمایا، واپسی پر یثرب میں قیام کیا تو وہاں ایک ماہ کی شدید بیماری کے بعد اپنے والد کے ننھال بنونجار کے قبیلہ میں وصال فرما گئے، وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال تھی، آپ دار نابغہ میں مدفون ہوئے، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۱۴﴾ آپ کا ترکہ پانچ اونٹوں، چند بکریوں اور ایک خادمہ ام ایمن پر مشتمل تھا، ام ایمن کا اصل نام برکت تھا، ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جس سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا یہ سامان لے کر حضرت عبدالمطلب کے گھر آ گئیں، یہ سب چیزیں حضور پیغمبر نور ﷺ کو ترکہ میں حاصل ہوئیں۔ حضرت عبداللہ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں چودہ سو سال سے مرجع خلائق بنی رہی، سعودی حکومت نے مسجد نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے باعث آپ کی قبر اکھاڑی تو میت بالکل تر و تازہ اور صحیح سالم تھی، آپ کی قبر کے قریب دو صحابہ کی قبریں بھی تھیں، ان کی میتیں بھی بالکل محفوظ تھیں، ان میتوں کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا گیا، جنوری ۱۹۷۸ء کے پاکستانی اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں سے شائع ہوئی تھی، ﴿تاریخ مکہ المکرمہ ۱:۲۰۲﴾ آپ کے وصال پر ملال پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایک قصیدہ نظم کیا جو دردناک ہونے کے ساتھ ساتھ اشعار عرب میں فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔

عفا جانب البطحاء من ال هاشم
وجاور لحداً خارجاً فی الغائم

دعته المنایا دعوةً فا جا بها
وما ترکت فی الناس مثل ابن هاشم

عشیة راحو یحملون سریره
تعاوره اصحابهٗ فی التزاحم

فان تک غالته المنون و ریبها
فقد کان معطاً کثیر التراحم

ترجمہ: جانب بطحا نے آل ہاشم کو موت کی آغوش میں اتار دیا تو وہ مکہ سے باہر

پردوں میں لپٹا ہوا لحد میں جا سویا، موت نے اس کو دعوت دی تو اس نے قبول کر لی، آہ ابن ہاشم کی مثال کہاں، عشا کے وقت جب اسکے اصحاب اسکا جنازہ لے جا رہے تھے تو انبوہ کثیر کی وجہ سے بار بار کندھا بدل رہے تھے، اگر چہ موت کی بے رحم مشکلوں نے اسے پکڑ لیا لیکن وہ انتہائی سخاوت شعار اور مہربان تھا، ﴿السیرۃ النبویہ ۱:۴۴﴾ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات حسرت آیات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر عرض کی، یا اللہ تیرا نبی یتیم ہو گیا، حضرت حق نے فرمایا **انا لہ حافظ و نصیر** ہم اس کے نگہبان اور مددگار ہیں[1]۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۱۴﴾

اصحاب فیل کا واقعہ:

مکہ کی اہمیت اور اس کی مرکزی حیثیت کے حسد میں بعض لوگوں نے دوسرے شہروں میں بھی عبادت گاہیں تعمیر کیں، اس اقدام سے ان کا منشا یہ تھا کہ ان کے شہروں میں بھی لوگ جوق در جوق زیارت کیلئے آئیں اور مکہ کی بجائے ان کے شہر مرجع عوام و خواص بن جائیں، غسانیوں نے حیرہ میں اور ابرہہ نے یمن میں عبادت گاہیں تعمیر کیں لیکن پھر بھی لوگوں کی عقیدت مکہ سے وابستہ رہی اور انہوں نے عبادت گاہوں کو قطعاً درخور اعتنا نہیں سمجھا، ابرہہ الاشرم نے یمن کی عبادت گاہ کو ہر طریقے سے آراستہ کیا، اس کی تنزئین کیلئے بیش قیمت اور نادر اشیا فراہم کیں کہ لوگوں کے دل اس عبادت گاہ کی طرف مائل ہوں گے لیکن اسے معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا میلان اس طرف نہیں ہو سکا، چنانچہ اس نے کعبہ کے انہدام کا ناپاک ارادہ کیا اور ایک فوج ترتیب دے کر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر دی، خود ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہو کر لشکر کی قیادت کرنے لگا، اس حملے سے عربوں کو سخت تشویش ہوئی، ایک شخص ذانفر نے ایک جماعت تیار کر کے ابرہہ کا راستہ روکا مگر اپنی جماعت سمیت اسکی حراست میں آ گیا، اسی طرح نفیل بن حبیب خثعمی نے بھی شہران اور ناہس قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس طوفان بلا کا رخ موڑنا چاہا مگر شدید ناکام ہوا، ابرہہ طائف پہنچا تو اہل طائف اسکی راہنمائی کر کے مکہ مکرمہ لے آئے، پھر اس نے اہل تہامہ کے مال و اسباب کو لوٹنے کا حکم دیا تو حضرت عبدالمطلب کے سو اونٹ یا دو سو اونٹ ہاتھ لگے جنھیں چھڑانے

[1] یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، ﴿السیرۃ النبویہ ۱:۴۴﴾

کیلئے آپ اس کے پاس پہنچ گئے، اس نے کہا تعجب ہے، آپ اپنے اونٹ لینے کیلئے تو آ گئے لیکن کعبہ کا خیال تک نہیں، آپ نے فرمایا، مجھے اپنے مال سے غرض ہے، کعبہ مشرفہ جس کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمالے گا، اس نے فرعونی لہجے میں کہا اے سردار مکہ! میں اس گھر کو برباد کر دوں گا، آپ نے فرمایا، تم جانو اور خدا جانے، اس گفتگو کے بعد ابرہہ نے آپ کے تمام جانور واپس کر دیئے۔ کہتے ہیں، اہل مکہ نے ابرہہ کو پیشکش بھی کی، اگر کعبہ کو ویران نہ کیا جائے تو ہم اپنا ایک تہائی مال تیری نذر کر دیں گے لیکن وہ بدنصیب پھر بھی اس ارادے سے باز نہ آیا، حضرت عبدالمطلب نے اہل مکہ کو غاروں، دروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں اپنے اپنے مال و اسباب کے ساتھ چھپ جانے کا حکم دیا اور خود نصرتِ خداوندی کا نظارہ دیکھنے کیلئے بیقرار ہو گئے، جب اہل مکہ رخصت ہو رہے تھے تو آپ رات کی تاریکی میں کعبہ مشرفہ کی زنجیر رحمت کو پکڑ کر فریاد کرنے لگے۔

⊙...... لاھم ان المرء یمنع رحلہ فامنع رحالک وانصر علیٰ ال الصلیب وعابدیہ الیوم الک اے اللہ! جب ہر کوئی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو پھر تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما اور صلیب کے عبادت گزاروں کے مقابلے میں اپنے اطاعت شعاروں کی امداد فرما۔

پھر آپ بھی آل ہاشم کو ساتھ لے کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، یکم محرم الحرام ۵۷۰ء کی تاریخ تھی، ابرہہ جب اپنے لشکر جرار کو لے کر آگے بڑھا تو مقام مغمس پر پہنچ کر اسکا سب سے بڑا ہاتھی "محمود" بیٹھ گیا، انہوں نے بہت مارا لیکن ہاتھی نہ اٹھا، جب وہ اس کا رخ یمن کی طرف کرتے تو اٹھ کر بھاگنے لگتا اور جب مکہ مکرمہ کی طرف کرتے، فوراً بیٹھ جاتا اور اٹھنے کا نام نہ لیتا، اس اثنا میں سمندر کی طرف سے اچانک ابابیل کا ایک لشکر نمودار ہوا، ہر پرندے کی چونچ اور دونوں پنجوں میں مسور اور چنے کے برابر ایک ایک کنکر تھی، وہ کنکر جس آدمی کے سر پر گرتی، اسکی فولادی خود کو چیر کر جسم کے آر پار ہو جاتی، امام رازی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں لشکر ابابیل میں سفید، سیاہ اور سبز رنگ کے پرندے شامل تھے، جس آدمی نے جس رنگ کے پرندے کو دیکھا اس نے وہی کیفیت بیان کر دی، ﴿تفسیر کبیر ۸:۴۸۴﴾ اس لشکر خدا کے سامنے ابرہہ ایک لمحہ نہ ٹھہر سکا اور راہ فرار تلاش کرنے لگا، اب واپسی کا راستہ بھی نہ

مل رہا تھا، اسی بدحواسی میں وہ جب صنعا تک پہنچا تو اس کا ایک ایک عضو گل سڑ کر پیپ اور خون سے بھر گیا تھا، آخر اسی عبرتناک حالت میں واصل جہنم ہو گیا، ادھر قدرت الٰہی سے طوفانی بارش نازل ہوئی جس کے ریلے میں آل صلیب کی تمام لاشیں بہہ گئیں اور ان کی بدبو سے مقدس سرزمین پاک ہو گئی، کہتے ہیں ابرہہ کے لشکر میں تیرہ ہاتھی تھے لیکن محمود کے سوا سب ہلاک ہو گئے، نفیل بن حبیب نے کیا خوب کہا ہے

این المفر والا له الطالب

والا شرم المغلوب لیس الغالب

ترجمہ: اب راہ فرار کہاں ملے گی جب کہ اللہ تعالیٰ تعاقب میں ہے، ہونٹ کٹا ابرہہ مغلوب ہو چکا ہے جو پھر کبھی غالب نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس تاریخی واقعے کو اپنی لاریب کتاب قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا

⊙......الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ... کعصف مأکول ○ اے محبوب کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا سلوک کیا، کیا اس نے ان کے فریب کو تباہ نہ کر دیا، اور ان پر پرندوں کی ٹکریاں بھیجیں تاکہ انہیں کنکر ماریں، پس ان کو چبائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا ﴿سورۃ الفیل ۱تا۴﴾

واقعہ فیل کے بعد مکہ مکرمہ کی اہمیت میں چند در چند اضافہ ہو گیا، تجارتی سرگرمیاں اور تیز ہو گئیں، لوگ اس کی عزت و حرمت کو سلام کرنے کیلئے کارواں در کارواں آنے لگے، قریش مکہ اور بالخصوص حضرت عبدالمطلب کی قدر و منزلت اور وقار و تمکنت کی دہائی مچ گئی، تاریخ عرب میں اس سال کو عام الفیل کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اسی سال حضور پیغمبر نور ﷺ کے وجود مسعود کے برکت آفرین بہاروں سے گلستان ہستی میں نکھار پیدا ہو گیا، ایک دشمن خدا کی تباہ حالی اور اس محبوب دلربا کی جلوہ طرازی سے ام القریٰ کے ذرے ذرے میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑنے لگی۔

اَجدادِ رسول کا ایمان:

حضور پیغمبر نور ﷺ کے عظیم المرتبت آبا و اجداد کی داستان پڑھنے سے معلوم ہوتا

ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں جاری امت مسلمہ کی روشن تعبیر اور شاندار تصویر تھے، انہی افراد کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دعا کی تھی، ''اے ہمارے رب' ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار رہے'' اسی فرمانبردار امت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مبعوث فرمایا تو ثابت ہوگیا کہ اس رسول کے تمام آباواجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر قائم تھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے اور تمام جاہلی رواجات واوصاف سے بالکل پاک تھے، حضرت عبداللہ سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کسی ایک فرد کے بارے میں بھی کوئی ایسی روایت نہیں ملتی کہ اس نے خدائے واحد کے سوا کسی اور کو اپنا معبود تسلیم کیا تھا اور عرب کی جہالت وضلالت سے متاثر ہو کر دین حنیف کو چھوڑ گیا تھا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک بھی تمام سلسلہ نسب بالکل پاک تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

⊙...... میرے والدین کبھی غیر شرعی طور پر مجتمع نہیں ہوئے، رب العزت مجھے ہمیشہ ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا، اس نے مجھے جاہلیت کی ہر نجاست سے پاکیزہ رکھا، جب بھی نسل انسانی دو شعبوں میں منقسم ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے بہتر شعبے اور خاندان میں ظاہر فرمایا، ﴿دلائل النبوۃ ابونعیم، کتاب الوفا باب ۱۰﴾

⊙...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نکاح سے متولد ہوا ہوں، اور میرا تقدس حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ تک برقرار رہا، میرے نسب میں زمانہ جاہلیت کی بدکرداریوں کی کوئی آمیزش نہیں پائی جاتی، ﴿کتاب الوفا باب ۱۰﴾

⊙...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، حضرت جبریل علیہ السلام کہتے ہیں، میں نے تمام زمین کے اطراف واکناف چھان مارے لیکن مجھے محمد مصطفےٰ ﷺ جیسی کوئی ہستی مبارک نظر نہ آئی اور اولاد ہاشم کی طرح کسی کی اولاد نہ دیکھی، ﴿کتاب الوفا باب ۸، طبرانی اوسط، دلائل النبوۃ بیہقی﴾

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد

فرمایا، میں ہر دور میں اولادِ آدم میں سے بہتر قرن ﴿زمانے﴾ میں مبعوث ہوا ہوں حتیٰ کہ اس قرن ﴿زمانے﴾ میں ظاہر ہوا جس میں میرا ظہور ہر ایک کو معلوم ہے، ﴿بخاری، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین، کتاب الوفا باب ۸﴾

⊙...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب بھی لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے، اللہ تعالیٰ نے مجھے بہتر گروہ میں رکھا اور یہ سلسلہ میرے والدین تک قائم رہا، مجھے زمانہ جاہلیت کی کوئی برائی نہیں پہنچی، میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، میرے نسب مبارک میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کریمین تک کوئی شخص بھی بدکاری سے پیدا نہیں ہوا، میں تم سے ذات کے اعتبار سے بھی اور نسب کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں، ﴿دلائل النبوۃ، بیہقی، مسالک الحنفاص ۵۳﴾

⊙...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، تمام عرب سے مضر بہتر ہیں، مضر سے بنو عبد المناف بہتر ہیں، بنو عبد المناف سے بنو ہاشم بہتر ہیں، بنو ہاشم سے بنو عبد المطلب بہتر ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر آج تک جب بھی دو گروہ پیدا ہوئے، میں ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا گیا، ﴿طبقات ابن سعد، مسالک الحنفاص ۵۵﴾

⊙...... حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں ہمیشہ بہتر سے بہتر گروہ میں منتقل ہوتا رہا، ﴿دلائل النبوۃ بیہقی وابو نعیم، مسالک الحنفاص ۵۶﴾

⊙...... حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ اپنے منبر نبوت پر جلوہ فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا، میں کون ہوں، لوگوں نے عرض کیا، آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، فرمایا، میں محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے اچھوں میں پیدا کیا، پھر ان اچھوں کی دو جماعتیں بنائیں تو مجھے اچھی جماعت میں

سے بنایا، پھر اس اچھی جماعت کے قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلے میں رکھا، پھر اس بہترین قبیلے کے گھر بنائے تو مجھے عمدہ ترین گھر میں بھیجا، لہذا میں ذات کے اعتبار سے بھی اور گھر کے اعتبار سے بھی، تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ ہوں، ﴿ترمذی، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین، دلائل النبوۃ بیہقی﴾ اس حدیث مبارک کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے، ﴿مسالک الحنفاص ۵۶﴾

⊙...... حضرت ربیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں قبیلے اور گھر کے لحاظ سے تم تمام لوگوں سے بہتر ہوں ﴿مستدرک حاکم، مسالک الحنفا ص ۵۸﴾

حضرت امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آبائے مصطفےٰ کی یہ بہتری، بزرگی اور بلند قسمتی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی افضلیت اور شرک جمع نہیں ہو سکتے، ﴿مسالک الحنفا ص ۵۸ بحوالہ الامالی﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ کی آمد سے پہلے اگر چہ ساری دنیا کفر اور جہالت کی وادیوں میں سر ٹکرا رہی تھی، لیکن پھر بھی توحید باری پر مکمل ایمان رکھنے والے چند افراد موجود تھے اور ایسے چند افراد ہر دور میں موجود رہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد روئے زمین پر کم از کم سات ایسے افراد موجود رہے ہیں جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو تباہی اور بربادی سے محفوظ رکھا ہے، اس کو حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزھد اور حضرت امام خلال رحمۃ اللہ علیہ نے کرامات الاولیا میں بیان کیا، اس کی سند حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور یہ روایت حکماً مرفوع ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ روئے زمین پر کم از کم سات مسلمان ضرور برقرار رہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین برباد ہو جاتے، اسکو حضرت امام عبد الرزاق بن ہمام نے مصنف میں بیان اور اسکی سند بھی شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور حکماً مرفوع کا درجہ رکھتی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی، رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی، اے میرے پروردگار، مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا، اس کی تفسیر میں حضرت امام ابن منذر نے حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہمیشہ کچھ لوگ دین فطرت پر قائم

رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بہت عرصے تک توحید پر قائم رہی، مکہ مکرمہ پر بنوجرہم نے بدعنوانیوں کی انتہا کر دی، تو بنوخزاعہ کے ایک فرد عمرو بن لحی نے ان کے خلاف آواز اٹھائی، بنو اسماعیل نے اس کا ساتھ دیا تو وہ مکہ مکرمہ کا والی بن گیا، ایک دفعہ اسے ایک مہلک مرض لاحق ہوا تو وہ بلقا کے گرم چشمے پر غسل کرنے کیلئے گیا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں غسل کرنے والا آدمی شفایاب ہو جاتا ہے۔ بلقا میں اس نے بہت سے بت دیکھے جن کی لوگ عبادت کرتے تھے، اس نے بھی چند بت حاصل کئے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر کعبہ مشرفہ کے اردگرد نصب کر دیئے، اس دن سے عرب میں بت پرستی کا رواج عام ہو گیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے عمرو بن لحی الخزاعی کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے، یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے سوائب کو رواج دیا ﴿بخاری و مسلم﴾ نیز فرمایا، عمرو بن لحی ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی کو تبدیل کیا، اسی شخص نے سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کیا، حضرت امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عرب دین ابراہیمی پر تھے مگر جب عمرو بن لحی الخزاعی مکہ کا والی بنا، تو اس نے نبی اکرم ﷺ کے اجداد کرام سے بیت اللہ شریف کی سرپرستی چھین لی اور بت پرستی شروع کر دی، عرب میں سوائب جیسی گمراہیوں کو جاری کیا اور تلبیہ کے الفاظ تبدیل کر دیئے، یہ شخص تین سو سال تک بیت اللہ شریف کا سرپرست رہا، اس کی ولایت نحوست سے لبریز تھی، ﴿مسالک الحنفاص ص ۶۷﴾ ایک روایت کے مطابق اس کی عمر تین سو چالیس سال ہوئی اور اس نے اپنی نسل سے ایک ہزار جنگ جو نوجوانوں کو دیکھا، وہ موسم حج میں دس ہزار اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا اور دس ہزار مفلوک الحال انسانوں کو کپڑے دیا کرتا تھا، اس بدطینت حکمران کے بعد اس کا خاندان مزید دو سو سال تک قابض رہا جسے حضور پیغمبر نور ﷺ کے جد محترم حضرت قصی بن کلاب نے شکست دی اور مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا، اتنے طویل عرصے کی گمراہ کن حکمرانی اور سرپرستی نے اہل عرب کو گمراہ کر دیا، گنتی کے چند افراد کلمہ توحید[1] کے وارث رہے، اس سعادت اور وراثت کے

---

[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے، ﴿وجعلها كلمةً باقية فی عقبه﴾ یہ کونسا کلمہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلمہ ﴿لا الـه الا اللـه﴾ آپ کی اولاد میں باقی رہا، یہی حضرت قتادہ، حضرت مجاہد اور حضرت ابن جریج کا قول ہے کہ آپ کی اولاد میں ہمیشہ ایسے افراد رہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل رہے۔

سب سے زیادہ حقدار حضور پیغمبر نور ﷺ کے آباو اجداد ہی ہو سکتے تھے جن کے اصلاب میں آپ کا نور مبارک جاری تھا، وہی مرکز نگاہ عرب تھے اور اپنی تمام تر توانائیوں سے اہل عرب کو عمدہ اخلاق کی طرف بلاتے رہتے تھے، ان کے علاوہ قس بن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل، لبید، تبع، ابو کرب اسعد، خالد بن سنان اور ورقہ بن نوفل جیسے لوگوں کا کلام اور کردار تاریخ عرب میں محفوظ ہے جنھوں نے ہمیشہ ایک خدا کی الوہیت و ربوبیت کو تسلیم کیا اور اصنام پرستی کی ذلت آمیز بیماری سے مامون رہے، ان کا یوم آخرت پر بھی مکمل ایمان تھا۔ حضور پیغمبر نور ﷺ نے قس اور زید کے بارے میں فرمایا کہ وہ دونوں ایک امت کی شکل میں اٹھیں گے، حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے اشعار ہیں ؎

اربا واحد ام الف رب　　ادین اذا تقسمت الامور

عزلت اللات والعزیٰ جمیعاً　　کذلک یفعل الجلد الصبور

و لکن اعبد الرحمن ربی　　لیغفر ذنبی الرب الغفور

ترجمہ: جب تمام کام منتشر ہیں تو کیا میں ایک خدا کو اپنا پروردگار کہوں یا ہزاروں کو کہوں، میں نے لات اور عزیٰ وغیرہ کو چھوڑ دیا کیونکہ ایک بہادر اور صابر انسان ایسا ہی کر گزرتا ہے، میں اپنے رب رحمٰن کی عبادت کرتا ہوں کہ وہ مہربانی کرنے والا میرے تمام گناہ معاف فرمادے۔

اس طرح اور بھی کچھ افراد تھے جو گاہے بگاہے ''بتان عرب'' کی مذمت کرتے، قوم کی بداعتقادی کا رونا روتے اور اس کو راہ راست پر چلانے کی کوشش کرتے تھے، ان میں حضور پیغمبر نور ﷺ کے آباو اجداد بھی شامل ہیں جن کا دامن ہمیشہ شرک کی آلودگی سے پاک رہا، جب بھی ان پر کوئی افتاد نازل ہوتی تو وہ دہلیز کعبہ کو پکڑ کر حضرت حق جل وعلا کی کبریائی کا سہارا طلب کرتے تھے، یہ ان کے موحد خالص ہونے کی دلیل ہے، حضرت علامہ میر ابراہیم سیالکوٹی حضور پیغمبر نور ﷺ کے آباو اجداد کے ایمان پر نہایت تحقیقی مضمون لکھنے کے بعد رقم کرتے ہیں:

''الغرض آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ اور ان سے اوپر کی والدات تمام کی تمام طاہرات تھیں اور یہی مقتضیٰ ہے اس حدیث کا جو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

متعدد رسالوں میں نقل کی ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا چلا آیا ہے، اور اس کے مضمون کو حافظ ابن حجر نے یوں نظم کیا ہے، ﴿ترجمہ﴾ ''ہدایت کا نبی آل ہاشم کا برگزیدہ، جن کے مفاخر کے بیان سے ہر گو شخص کو بس کرنی چاہیئے، وہ ایسی قوم کی پشتوں سے نقل ہوتا چلا آیا جنھوں نے اس سے بزرگی پائی جس طرح چودھویں رات کے چاند سے منزلیں رونق پاتی ہیں''، بعض مفسرین نے سورت شعراء کی آیت **وتقلبک فی الساجدین** میں ساجدین سے آپ ﷺ کے آباواجداد کے صالحین لوگ مراد لئے ہیں، ﴿معالم التنزیل﴾ غالباً اس شعر میں **تنقل فی اصلاب قوم** کا اشارہ اسی آیت کے مضمون کی طرف ہے، ﴿سیرت المصطفیٰ﴾ ایک اور جگہ ارقام فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے والدین اپنے بزرگوں کی طرح اپنے جداعلیٰ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے دین پر تھے، کیونکہ ان کے برخلاف شرک و بت پرستی ہرگز ثابت نہیں، ﴿سیرت المصطفیٰ ص ۹۱﴾

امت محمدیہ کے جلیل القدر محدثین اور مفکرین نے یہی اعتقاد رکھا ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے نسب محترم کے تمام افراد توحید پر پختہ یقین رکھتے تھے اور عرب کی جاہلی قباحتوں سے ماورا تھے جیسا کہ حضرت قاضی عیاض مالکی، حضرت امام جلال الدین سیوطی [۱]، حضرت امام ابن حجر، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت امام عبدالحق دہلوی، حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف مبارکہ سے ثابت ہے، راقم الحروف نے مثنوی آئینہ اسلام میں انہی بزرگان دین کی ترجمانی کا شرف اس طرح حاصل کیا ہے ؎

کون عبداللہ ، تصویر رضا — مہرباں تھی جس پہ تقدیر خدا
وہ نگاہ کبریا کا انتخاب — وہ ظہور سید عالم کا باب
شہر یار آرزوئے آمنہ — پاسدار آبروئے آمنہ
مخزن صدق وصفا کہیے جسے — پیکر شرم و حیا کہیے جسے

---

[۱] بالخصوص حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر خوب لکھا ہے، آپ کے یہ رسالے کمال تحقیق کا ثبوت ہیں، مسالک الحنفا، الدرج المنیفہ، المقامۃ السندسیہ، التعظیم والمنۃ، نشر العلمین، السبل الجلیلہ وغیرہ، اللہ کریم حضرت امام کو بہترین اجر عطا فرمائے اور ان کے مزار اقدس پر اربوں رحمتیں نازل فرمائے، آمین۔

وہ امین در یکتائے خدا　　وہ زمین تخم منشائے خدا
اور پھر اُم نبی جان ھدا　　آمنہ مقبول درگاہ خدا
مادر آں سید ارض و سما　　مادر آں محور صبح و مسا
کعبہ اسلامیاں را جانِ اُو　　بر تر از ادراک عالم شان اُو
خیمہ زربفت راسیمیں طناب　　شام درد آموز گاں را ماہتاب
منزل قرآن را آغوش اُو　　جلوہ طور ازل ہمدوش اُو
ملکہ حوران جنت ذات اُو　　پیدا شد ایمان از جذبات اُو

نسب رسول کی مرکزیت:

حضور پیغمبر نور ﷺ کا نسب مبارک پورے دیار عرب میں مرکزیت کا حامل تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے تمام قبائل وشعوب اسی شجر نامدار کی شاخیں تھیں، آپ ﷺ کے ساتھ عبدالمطلب میں حضرت ابو طالب کے بیٹوں، علی، جعفر، عقیل، نیز عباس، حارث اور ابولہب کی اولاد آ کر ملتی ہے اور عبدالمناف میں امیہ، عبدالشمس، مطلب اور نوفل کی اولاد آملتی ہے، امیہ کی اولاد میں حضرت ابوسفیان اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما جیسے لوگ پیدا ہوئے، قصی میں عبدالعزیٰ اور عبدالدار کی اولاد جمع ہوتی ہے، نضر بن حارث قبیلہ عبدالدار کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ورقہ بن نوفل قبیلہ عبدالدار کے مشاہیر نامدار ہیں، کلاب میں زہرہ بن کلاب کی اولاد جمع ہوتی ہے، آپ کی والدہ ماجدہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، مرہ میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو تیم آملتا ہے، جبکہ کعب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو عدی آملتا ہے، لوی بن غالب میں آپ ﷺ کے ساتھ بنو عامر آملتے ہیں، مشہور شہسوار عرب عمرو بن عبدود، جس کو حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور سہیل بن عمرو اسی قبیلے کے فرد ہیں، آپ ﷺ کے ساتھ غالب میں بنو تیم ادرم جمع ہوتے ہیں، ادرم کا معنی ناقص ہے اور فہر میں آپ ﷺ کے ساتھ فہر کے دونوں بیٹوں محارب اور حارث کی اولاد جمع ہوتی ہے، بنو حارث کی ایک شاخ بنو خلج ہے اور حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے ہے، یہ فہر ہی سب قریش کا باپ ہے، کنانہ میں وہ تمام قبائل

آپ ﷺ سے آ ملتے ہیں جو کنانہ کی طرف منسوب ہیں جیسے کنانہ کے بیٹوں عبد مناۃ، ملکان، ملک، عمرو اور عامر کی اولاد، بنو عبد منات سے بنو بکر ہیں اور بنو بکر سے بنو الدیل ابو الاسود دؤلی کی جماعت، بنو مدلج، بنو لیث اور بنو ضمرہ ہیں اور بنو حارث سے احابیش ہیں، بنو اسد اور قارہ آپ سے خزیمہ میں جمع ہوتے ہیں اور یہی ہون بن خزیمہ کہلاتے ہیں، ہون کی فرع عضل ہے، اس قبیلے کا باپ عضل بن ہون ہے اور ان ہی سے قبیلہ دیش پھوٹتا ہے جو عضل کا بھائی ہے، ان دونوں قبیلوں کو ملا کر قارہ کہا جاتا ہے، مدرکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ بنو ہذیل ملتے ہیں، مشہور صحابی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد ہیں اور بنو تمیم بن مر بن اد بن طانجہ آپ ﷺ کے ساتھ الیاس میں ملتے ہیں، اسی طرح بنو ضبہ بن اد، رباب اور مزنیہ بھی الیاس میں ملتے ہیں، مزنیہ دراصل بنو عمرو بن اد ہے، یہ اپنی والدہ مزنیہ بنت کلب بن وبرہ کے نام پر مزنیہ کہلاتے ہیں، آپ کے ساتھ بنو قیس عیلان مضر میں جمع ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قیس کو بڑی کثرت سے مال و دولت عطا فرمائی تھی، سب غطفان کے قبائل، سب ہوازن کے قبائل اور سلیم اور مازن اسی کی اولاد ہیں، بنو سعد بن بکر، بنو کلاب، بنو کعب، بن جشم، قبیلہ ہوازن کی فروع ہیں، مشہور سردار درید بن صمہ جشم کے ذیلی قبیلے غزیہ سے تعلق رکھتا تھا، بنو کعب بن ربیعہ، بنو ہلال، بنو نمیر، بنو جعدہ، بنو قشیر اور بنو عقیل سب قیس عیلان کی شاخیں ہیں، بنو منتفق، بنو خفاجہ، بنو عقیل بن کعب کی ذیلی شاخیں ہیں، بنو ثقیف اور بنو سلول بھی ہوازن کے قبیلے ہیں، مذکورہ بالا قبائل کے علاوہ بنو عبس اور بنو ذبیان بھی قیس عیلان سے تعلق رکھتے ہیں، بنو فزارہ، عدوان اور باہلہ ذبیان کے ذیلی قبیلے ہیں، عل، ذکوان، عصیہ اور زعب بن مالک بنو سلیم کی شاخیں ہیں، کہا جاتا ہے کہ ثقیف ایاد سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں، مشہور شاعر نابغہ بنو ذبیان میں سے ہے، اور نزار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو ربیعہ مل جاتے ہیں، آگے ان سے بنو اسد اور بنو ضبیعہ کے قبیلے ہیں، بکر، تغلب اور عنز، وائل بن قاسط کے بیٹے بنو اسد میں سے ہیں، ان میں سے بنو عبد القیس اور نمر بن قاسط ہیں، بنو حنیفہ اور بنو عجل بھی ان ہی میں سے ہیں، مرہ اور اسکے دونوں بیٹے ہمام اور جساس قاتل کلیب اور مشہور شاعر طرفہ بن عبد بنو بکر میں سے ہیں، کلیب بن ربیعہ بنو وائل کا بادشاہ تھا جس کو جساس نے قتل کر دیا تھا، بنو تغلب کے قبیلے سے ہے، اسی کی وجہ سے بنو تغلب اور بنو بکر

کے درمیان ان لڑائیوں کی ابتدا ہوئی جو "حرب بسوس" کے نام سے مشہور ہیں اور بنو غزہ بن اسد بھی قبیلہ ربیعہ کی فرع ہے، ان میں سے اہل خیبر ہیں جو بنوغزہ کے نام سے مشہور ہیں، غزہ سے قارضان اور ربیعہ سے سدوس اور لہازم ہیں، آنحضرت ﷺ کے ساتھ نزار میں بنوایاد اور بنونمار بھی آملتے ہیں، مشہور سخی کعب بن مامہ جس کی سخاوت ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی بنو ایاد سے تھا، نیز قس بن ساعدہ جس کی فصاحت ضرب المثل تھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، واللہ اعلم ﴿مختصر سیرت الرسول ص ۲۸﴾

عرب کی حالت زار:

جزیرہ نمائے عرب کی صدیوں پرانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعثت مصطفےٰ سے پہلے جہان رنگ وبو کا یہ مرکزی علاقہ وحشت وبربریت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا، اسکی غالب ترین انسانی آبادی انسانیت کے روشن اصولوں سے بیگانہ تھی، آیئے اس خطے کی مختلف حالتوں کا ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ حضور پیغمبر نور ﷺ کی بعثت و رسالت کا مقصد اجاگر ہو جائے، سرزمین عرب نے جہاں قوم عاد، قوم ثمود، قوم نوح اور قوم لوط کے عروج ووقار کو دیکھا وہاں ان کو دردناک عذابوں سے دوچار ہوتے ہوئے بھی مشاہدہ کیا، یہ قومیں اپنی بت پرستی، بداخلاقی اور کفر شعاری کی وجہ سے پیوند خاک بن گئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے عالی شان پیغمبروں نے ایک بار پھر توحید کا پرچم بلند کیا اور ان کی اذان حق سے شرک کی کالی رات دم توڑ گئی، وقت گزرتا گیا، جہاں تک کہ عمرو بن لحی الخزاعی جیسے ناعاقبت اندیشوں کی بدولت بت پرستی، بداخلاقی اور کفر شعاری کی ظلمات عام ہوگئیں، اب ان کے اعتقاد کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خدائے واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز بنالئے تھے، کعبہ مشرفہ جیسا مرکز توحید بھی صنم خانے میں تبدیل کر دیا تھا، عزیٰ، لات، منات، سواع جیسے معبودان باطلہ کی پرستش کی جاتی تھی اور ان کو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں شریک سمجھا جاتا تھا، عزیٰ کا بت مکہ مکرمہ میں نصب تھا، قریش اور بنو کنانہ اسکی پوجا کرتے تھے، منات، یثرب کے نواح میں نصب تھا، یہ اوس اور خزرج کا خدا تھا، لات طائف کے مقام پر نصب تھا اور یہ بنوثقیف کا معبود تھا، اہل مکہ اساف اور نائلہ کے بتوں کی بھی پوجا کرتے تھے، ان کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ یہ دونوں بنو جرہم قبیلے کے مرد اور عورت تھے، دونوں کعبہ

مشرفہ میں داخل ہوئے تو اس وقت وہاں کوئی آدمی نہیں تھا، اس اثنا میں انہوں نے کائنات کی سب سے مقدس جگہ پر بدکاری کا ارتکاب کیا تو عذاب الٰہی حرکت میں آ گیا، چنانچہ وہ دونوں پتھر بن گئے، چاہئے تو یہ تھا کہ لوگ اس عبرت ناک واقعہ سے کچھ سبق حاصل کرتے، انہوں نے ان بدکرداروں کے پلید مجسموں کی پوجا شروع کر دی، مختلف اصنام اور اوثان کے متعلق عربوں کا گمراہ کن عقیدہ یہ تھا کہ وہ ان کو الٰہ مانتے تھے، کائنات کے بیشمار کاموں میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے، ان کے نزدیک کوئی بت رزق رسانی پر مامور تھا تو کوئی بیماروں کو شفا تقسیم کرتا تھا، کسی کے ہاتھ میں اپنے عبادت گزاروں کی کامیابی اور دشمنوں کی ناکامی تھی تو کوئی بانجھ عورتوں کو اولاد عطا کرتا تھا، کوئی زمین کا نظام چلاتا تو کوئی آسمان کو سنبھالتا تھا، ہر گھر، ہر قبیلے اور ہر فرد کا الگ الگ خدا ہوتا تھا، وہ سفر کے دوران بھی مٹی، ستو اور دیگر چیزوں کے بنے ہوئے بت اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان سے خیر و برکت کی امید رکھتے تھے اور ان کو خوش رکھنے کیلئے ذبیحے اور چڑھاوے پیش کرتے تھے، آہ وہ کس قدر نادان تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے جب توحید کی دعوت دی اور بتایا کہ کائنات ارضی و سماوی کو بنانے والا اور نہایت عمدگی سے چلانے والا صرف اور صرف ایک خدا ہے، ارشاد باری ہے: **قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد** فرمائیے، اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس پر مشرکین عرب پکار اٹھے:

⊙...... **اجعل الالھۃ الھاً واحداً ان ھذا لشی عجاب** کیا اس نے اتنے سارے خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا دیا ہے، واقعی یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے،

﴿سورۃ ص:۵﴾

اس کے ساتھ ساتھ وہ عقیدہ آخرت کے بھی شدید منکر تھے، وہ کہتے تھے، کون ہے جو گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، قرآن پاک نے یہاں بھی جواب دیا، فرمائیے وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار زندہ کیا تھا اور بعض عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، بعض سورج، چاند، ستاروں کی عبادت کرتے تھے، قرآن پاک میں ہے کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آ کر بتایا کہ میں نے ﴿ملک سبا میں﴾ ایک ملکہ اور اسکی قوم کو دیکھا ہے جو خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، بعض عرب اس جہان آب و گل کو قدیم مانتے تھے، یہ لوگ خالق کائنات کے وجود کے منکر تھے، ان کو دہریہ کہا جاتا ہے، بعض عرب

صابی تھے جو سات سیاروں اور بارہ برجوں کو پوجتے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے، بعض عرب زندیق تھے جو نور اور ظلمت کے دو خداؤں کے قائل تھے، کہیں کہیں آتش پرستی کا بھی رواج تھا، ایران کے مجوسیوں سے متاثر ہونے والے آتش پرست محارم کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ بنو تمیم کے سردار زادے حاجب بن زرارہ نے اپنی بیٹی سے نکاح کر لیا تھا، عرب کے علاقے یثرب اور خیبر میں یہودی آباد تھے جو صدیوں سے نسل در نسل حضور پیغمبر نور ﷺ کا انتظار کر رہے تھے اگرچہ ان کی تعلیمات بھی مسخ ہو چکی تھیں لیکن پھر بھی ان سے متاثر ہو کر کچھ قبیلوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی، اس طرح بنو ربیعہ، غسان اور قضاعہ نے نصرانیت قبول کر لی تھی کیونکہ ان کے علاقے رومیوں کے زیادہ قریب تھے، نجران کے لوگ بھی عیسائی ہو چکے تھے جس کے ایک وفد کو حضور پیغمبر نور ﷺ نے مباہلے کی دعوت دی تو وہ مباہلے کی بجائے جزیے کو قبول کر کے واپس چلا گیا، عرب کے کچھ لوگ صدیوں کی اس کشمکش میں بھی اپنے ایمان اور عرفان کا چراغ جلا کر کفر کی تاریکی مٹا رہے تھے، ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر کیا جا چکا ہے، اہل عرب اگرچہ حج کے مناسک ادا کرتے تھے مگر ان میں بھی بہت سی قباحتیں شامل کر رکھی تھیں مثلاً وہ برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے، اہل مکہ نے وقوف عرفات کو ترک کر دیا تھا، تلبیہ کے الفاظ میں شرک کی آمیزش تھی، حج کے ساتھ ساتھ اصنام پرستی کا موقع بھی ضائع نہ کرتے تھے، عربوں نے جنازے کی رسومات میں بھی عجیب و غریب طریقے اپنا لئے تھے، مثلاً تجہیز و تکفین کے بعد میت کا کوئی رشتہ دار اس کے مناقب بیان کرتا تھا، اسی طرح ایک غمناک موقع کو بھی انھوں نے خود پسندی اور انا پرستی کا ذریعہ بنا لیا تھا، عرب پرلے درجے کے وہمی تھے، خبیث روحوں، جنوں اور دیوتاؤں سے بہت ڈرتے تھے، اکثر بیماریوں اور علاوہ ازیں جانوروں کے اڑنے سے بھی اچھا اور برا شگون لیتے تھے، انسانی جانوں کی قربانیاں بھی پیش کی جاتی تھیں، مردے کی قبر پر ایک اونٹ باندھ کر بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر مردہ دوبارہ زندہ ہوگا تو اس پر سواری کرے گا، فالوں، کاہنوں اور جادوگروں پر بے حد اعتماد رکھتے تھے، منتر ٹوٹکے اور تعویذ عام استعمال کئے جاتے تھے، جب کوئی سردار مر جاتا تو اس کی قبر پر اونٹ کی چاروں کونچیں کاٹ کر تڑپتا چھوڑ آتے کہ اس کے خون سے قبر رنگین ہو جاتی، سفر پر جاتے ہوئے درخت

کے ساتھ دھاگا باندھ جاتے، اگر واپسی پر دھاگا صحیح سلامت ہوتا تو وہ سمجھتے کہ ان کی عدم موجودگی میں بیوی نے کوئی گناہ نہیں کیا، بصورت دیگر بیوی پر بدکاری کا الزام عائد کر دیتے تھے، بانجھ عورت کا علاج یہ تھا کہ کسی شریف انسان کو قتل کر کے اس کی لاش کو پامال کرے، اسی طرح اس کے ہاں اولاد ہو جائے گی، عورتوں میں نوحہ طرازی کی رسم عام تھی، بعض عرب قبیلے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، جن میں قبیلہ بنو تمیم مشہور تھا، حرمت والے مہینوں کا تو احترام کرتے مگر باقی مہینوں میں قافلوں کو لوٹنا، بے گناہ انسانوں کو قتل کرنا اور فسادات کے بازار قائم کرنا پسندیدہ مشغلہ تھا، میلوں ٹھیلوں میں شریک ہونا، شعر و سخن کی محفلیں جمانا، عورتوں کا نام لے کر بیہودہ کلام پیش کرنا، اپنے اپنے قبائل کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے مارنا عرب معاشرے کا معمول تھا، عکاظ کا میلہ پورے عرب میں مشہور تھا، شراب نوشی اور زنا کاری عام تھی، عصمت فروشی کیلئے لونڈیوں کو استعمال کیا جاتا تھا، نکاح متعہ، نکاح پوشیدہ، نکاح بدل، اور نکاح شغار کی صورت میں فحاشی اور بے حیائی کے ریکارڈ توڑے جاتے تھے، بدکردار عورتوں کے مکانوں پر جھنڈا لگا ہوتا تھا اور ہر انسان کیلئے ان کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے، ان کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کو قیافہ شناس کے حکم پر کسی کے نسب میں شریک کیا جاتا تھا، بیواؤں کو نحوست کی علامت سمجھا جاتا تھا، غریبوں، ناداروں اور یتیموں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، ایک دوسرے کا حق مارنا فخر و مباہات کی نشانی بن چکا تھا، جنگجوئی، انتقام پسندی، سفاکی اور خون ریزی فطرت میں داخل تھی، معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تو اس کا سلسلہ پشت در پشت تک جاری رہتا، عربوں کی خانہ جنگیاں، ''ایام عرب'' کے عنوان سے عربوں کی تاریخ کا مستقل باب ہیں، جنگ بسوس بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان لڑی گئی جس کی وجہ ایک اونٹنی تھی۔ یہ جنگ پورے چالیس سال تک جاری رہی، اسی طرح جنگ داحس و غبرا گھوڑ دوڑ سے شروع ہوئی تو بنو عبس اور بنو ذبیان پچاس سال تک لڑتے مرتے رہے، عرب اپنی درندگی کی وجہ سے اپنے دشمنوں کو دردناک سزائیں دیتے تھے، سود خوری کی لت بھی عام تھی، نکاح کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی، جتنی عورتیں چاہتے رکھ لیتے تھے، اپنی حقیقی ماں کے علاوہ باپ کی تمام بیویوں سے نکاح کر لیتے تھے، اپنی عورتیں تک جوابازی میں ہار جاتے تھے، بڑے بڑے معزز آدمی بھی اپنی محبوباؤں کا ذکر کرنے میں کوئی شرم و حیا

محسوس نہیں کرتے تھے، گویا بے شرمی اور عریانی باعث افتخار تھی، عربوں کی سیاسی حالت زار بھی از حد شرمناک تھی، جنوبی حصے پر حبشہ کا قبضہ تھا، مشرقی حصے پر اہل فارس مسلط تھے، شمالی حصے کو رومیوں نے دبایا ہوا تھا، جبکہ ایک مشرقی شاخ قسطنطنیہ کے زیر نگرانی تھی، باقی اندرونی طور پر قبائل عرب آپس میں برسر پیکار تھے، الغرض وہ سب خودمختار تھے اور اس خودمختاری سے خودسری پیدا ہوگئی تھی، انہوں نے اپنی شجاعت و جرأت کا نشانہ اپنے بھائیوں کو بنا رکھا تھا، برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے ان کے دل و دماغ میں یہی نقش کر دیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت نہیں، ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن نہیں، عرب کی اکثر اقوام لکھنے پڑھنے سے بے خبر، علوم و فنون سے بے بہرہ، تہذیب سے ناآشنا، مصالحت اور معافی سے بیگانہ تھیں، کاروبار تجارت میں ایمان داری اور امانتداری کا شدید فقدان تھا، اکثر لوگ انتہائی غربت و افلاس کا شکار تھے، زندگی کا زیادہ تر دارومدار اونٹ، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں پالنے پر تھا، شہری لوگ حضری کہلاتے تھے جو نسبتاً خوشحال تھے، یہ لوگ مکہ، طائف، یثرب جیسے شہروں میں رہتے تھے، بدوی لوگ خانہ بدوشی، راہزنی اور صحرانوردی میں زندگی گزارتے تھے، قبائلی عصبیت میں شدید تھے، قبیلے کی ناموس پر جان قربان کر دیتے تھے، خون کا انتقام لینا ہر فرد قبیلہ کا فرض ہوتا تھا، مال غنیمت کو پاکیزہ تصور کرتے تھے گلستانوں اور چراگاہوں پر قابض ہوتے تھے، دوسرے قبیلے کی عورتوں اور مردوں، بچوں اور بوڑھوں کو غلام بنا لیتے اور دور دراز کی منڈیوں میں فروخت کر دیتے تھے، غلام معاشرے کا ذلیل ترین طبقہ تھے، آقا اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت برا سلوک کرتے تھے، غرض کہ ان کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا، امیر طبقے بیشمار عورتوں اور غلاموں کے ساتھ شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے، ان کو غریبوں کی حالت زار کی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی، ملک میں کوئی ضابطہ اخلاق نہیں تھا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا کالا قانون نافذ تھا، راقم نے عرض کیا ہے ؎

کیا زمانہ تھا وہ کیا حالات تھے　　خون میں ڈوبے ہوئے دن رات تھے
روح پر تاریکیوں کے راج تھے　　سر پہ وحشی ظلمتوں کے تاج تھے
سانپ بن کر ڈس رہے تھے آدمی　　جنگلوں میں بس رہے تھے آدمی
مٹ گیا نام و نشاں تہذیب کا　　دور دورہ تھا شر و تکذیب کا

دختر انگور دل کا چین تھی ـــ سب کے ہاں یہ دولت کونین تھی
وہ کبھی مرتے درو دیوار پر ـــ سر بسر نازاں تھے اس کردار پر
سب عرب وہم وگماں میں بند تھا ـــ ہر طرف ظلم وستم کا گند تھا

مہمان اور کم سن میزبان:

قبائل عرب کے اخلاقی، سماجی اور مذہبی حالات کا تجزیہ کرنا ہو تو یہ حیرت انگیز واقعہ پڑھئے جس میں ایک مہمان اور اسکی کم سن میزبان کی گفتگو درج ہے، ہوا کچھ یوں کہ ایک شخص قبیلہ عامر کی ایک عورت کے ہاں مہمان بن کر ٹھہرا، اس کی خدمت و مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی، جس روز وہ جانے لگا تو اس کی زبان سے ایک ایسا شعر نکلا جس میں قبیلہ عامر کی ہجو تھی۔

لعمر ک ما بتلی سرابیل عامر
من اللوم ما دامت علیها جلود ها

یعنی مجھے تیری جان کی قسم قبیلہ عامر کے لوگ اپنے قمیضوں کو اس وقت نہیں اتارتے جب تک ان کے جسم پر کھال سلامت رہتی ہے، یعنی وہ اپنی جان اور بدن سے بڑھ کر اپنے مال سے محبت کرتے ہیں،

اتفاق سے میزبان عورت نے بھی یہ شعر سن لیا، اس نے پوچھا، کیا، ہماری خدمت ومدارات میں کوئی قباحت نظر آئی ہے، جو آپ نے ہمارے قبیلے کی مذمت کر دی، مہمان نے گھبرا کر کہا نہیں، یہ شعر تو ویسے ہی میری زبان پر آ گیا تھا، اتنی دیر میں ایک کم سن لڑکی اس کے پاس آ گئی جس کی دلنشین باتوں سے مہمان کی گھبراہٹ دور ہو گئی، جب لڑکی نے اپنی فراست سے دیکھا کہ مہمان اب مطمئن ہو گیا ہے، اس نے باتوں ہی باتوں میں دریافت کیا، اے چچازاد! آپ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، اس نے جواب دیا میں قبیلہ تمیم کا شخص ہوں، کم سن نے کہا، کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کس شاعر کا کلام ہے۔

تمیم بطرق اللوم اهدیٰ من القطا ـــ ولو سلکت سبل المکارم ضلت
اری اللیل یجلوه النهار ولا اریٰ ـــ خلال المخازی عن تمیم تجلت
ولو ان بر غوثا علیٰ ظهر قملة ـــ یکر علی صفے تمیم لولت

ولو جمعت یوماً تمیم جھرعما　　علی ذرة مربوطة لا ستقلت

تمیم کجعش السؤیر ضع امه　　ویتبعها بالرغم ان ھی ولت

زبحنا فسمینا علیٰ ماذ بیحنا　　وما ذبحت یوماً تمیم فسمت

یعنی قبیلہ تمیم کو قطا جانور ﴿جو پانی کی تلاش میں ضرب المثل ہے﴾ سے بھی زیادہ کمینگی کا راستہ معلوم ہے، اگر وہ عزت کے راستوں پر چلتا تو گمراہ ہو جاتا، میں نے دیکھا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمات کو دور کرتا ہے مگر قبیلہ تمیم سے رسوا کن عادتوں کو جدا ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، قبیلہ تمیم اس قدر بزدل ہے کہ اگر کوئی مچھر کسی جوں کی پشت پر بیٹھ کر حملہ کر دے تو پھر بھی وہ مقابلے کی بجائے راہ فرار کو اختیار کرے گا، اگر وہ اپنے لشکروں کے ساتھ کسی بندھی ہوئی چیونٹی پر حملہ کرے تو چیونٹی بھی اسکو خاطر میں نہ لائے، قبیلہ تمیم گدھے کے ذلیل بچے کی طرح ہے جو اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے، اگر ماں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے تو پھر بھی وہ ہزار رسوائی کے ساتھ اس کے پیچھے ہی لگا رہتا ہے، ہم نے جانور ذبح کئے اور ان پر خدا تعالیٰ کا نام لیا لیکن قبیلہ تمیم نے ایک دن بھی جانور ذبح نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی نوبت آتی،

یہ اشعار اس کم سن لڑکی کی بدیہہ گوئی کا ثبوت تھے مگر مہمان یہ سمجھا کہ شاید کسی شاعر نے قبیلہ تمیم کی ہجو لکھی ہے جو زبان زد عام ہو گئی ہے، وہ اس ذلت افروز کلام کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو گیا، چنانچہ اس نے کہا اے بہن! میں نے جلدی سے قبیلہ تمیم کا نام لے دیا تھا، دراصل میرا تعلق تو قبیلہ ضبہ سے ہے، جو عرب میں بہت عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، کم سن لڑکی نے کہا، اچھا، میں ایک اور شعر پڑھتی ہوں، کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس شاعر نے کہا ہے ؎

لقد ذرقت عیناک یا ابن معکبر

کما کل ضبی من اللوم ازرق

یعنی اے معکبر کے بیٹے! خدا گواہ، تیری آنکھیں تو اس قدر نیلی ہو گئی ہیں جس طرح قبیلہ ضبہ کا ہر آدمی اپنی بیوقوفی کی وجہ سے نیلگوں چشم ہے،

مہمان نے یہ شعر سنا تو اور پریشان ہوگیا کہ خواہ مخواہ دروغ گوئی سے کام بھی لیا اور مزید رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، کیا قبیلہ ضبہ کی بیوقوفی اتنی مشہور ہے کہ ایک کم سن لڑکی بھی اس کو جانتی ہے، اس نے ایک اور جھوٹ بولا، اے بہن، سفر کی وجہ سے میں از خود رفتہ ہو چکا ہوں، زبان سے کہنا کچھ چاہتا ہوں مگر نکلتا کچھ اور ہے، میرا تعلق قبیلہ عجل کے ساتھ ہے، جو شرافت میں اپنی مثال آپ ہے، کم سن لڑکی نے کہا، ہاں مجھے اس قبیلے کا خوب علم ہے، اس کے بارے میں دو شعر یاد ہیں، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دو شعر کس شاعر نے لکھے ہیں ۔

اری الناس یعطون الجزیل و انما　　عطا بنی عجل ثلاث و اربع

اذا مات عجلی بارض فانما　　یخطلو فیھا ذراع واصبع

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ عظیم لوگ محتاجوں اور ناداروں میں خوب سخاوت کرتے ہیں مگر قبیلہ عجل کی سخاوت صرف تین چار تک ہی محدود ہے، جب قبیلہ عجل کا کوئی آدمی مرجاتا ہے تو ذلیل ہونے کی وجہ سے اسے قبر کیلئے زیادہ زمین نہیں چاہئے، بس ایک باریک سی لکیر ہی کافی ہے،

اب مہمان اسقدر شرمندہ ہوا کہ محتاج بیان نہیں، پھر ایک جھوٹ کی وجہ سے کئی اور جھوٹ بھی بولنا پڑ رہے تھے، اب اس نے کہا، نہیں میرا تعلق تو قبیلہ ازد سے ہے، لڑکی نے کہا، اچھا' اچھا' وہ قبیلہ جس کے بارے میں ہمارا بچہ بچہ جانتا ہے ۔

فما جزعت ازدیة من ختانھا　　ولا اکمت لحم القنیص المعقب

ولا جاء بالقناص بالصیلا فی الجنا　　ولاشربت فی جلد حوت لعب

یعنی قبیلہ ازد کی کوئی عورت کبھی کسی ختان سے نہیں گھبرائی اور نہ اس بیچاری کو کبھی تعاقب کئے ہوئے شکار کا گوشت ہی نصیب ہوا ﴿ گویا شکار کا تعاقب کرنا بہادروں کا کام ہے اور اس قبیلے میں کوئی بہادر نہیں ﴾ اور نہ کوئی شکاری اس کے خیمے میں کبھی شکار کا گوشت لایا ﴿ کیونکہ ان کو تحفہ دینے کی بھی عادت نہیں ﴾ اور نہ ہی اس نے مچھلی کی کھال کے برتن میں کوئی چیز نوش کی، ﴿ کیونکہ یہ برتن امیر لوگوں کے گھر ہوا کرتے ہیں اور قبیلہ ازد کے لوگ کنگال ہیں ﴾

اب مہمان یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ کس قماش کی لڑکی ہے جس نے اتنے اشعار یاد

کر رکھے ہیں اور کسی قبیلے کی عزت وشرافت اس کی چرب زبانی سے محفوظ نہیں، اس کے سرپرست بھی اچھے ہیں جنہوں نے اس کو ہر قسم کا عربی ادب یاد کرنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے، اس نے کہا، اے بہن، میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا کہ قبائل عرب کے متعلق کتنی معلومات رکھتی ہو، اب سنو، میں قبیلہ عبس کا ایک فرد ہوں، کم سن لڑکی نے کہا اگر آپ قبیلہ عبس کے ہیں تو پھر آپ کو یہ شعر ضرور یاد ہوگا۔

اذ عبسية ولــدت غــلامــاً فبـش هـا بلـوم مستفاد

یعنی آج کوئی عبسی عورت بچہ پیدا کرتی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی دنایت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا ہے۔

اب مہمان نے خفت مٹانے کیلئے قبیلہ فزارہ کا نام لے دیا اور کہا کہ قبیلہ عبس سے میرا کیا تعلق، وہ تو بہت دور دراز کے علاقوں میں واقع ہے، میں قبیلہ فزارہ کا ایک فرد ہوں، کم سن لڑکی بھی کہاں ٹلنے والی تھی، اس نے کہا، اچھا بالکل ٹھیک ہے، ایک شاعر نے قبیلہ فزارہ کے متعلق کیا خوب کہا ہے، کیا آپ کو اس شاعر کا نام معلوم ہے۔

لا تـا مـنـن فزار یا خلوت بہ علی قلوصک واکتبها باسیار

یعنی اگر تم قبیلہ فزارہ میں جاؤ تو اپنی اونٹنی کے بارے میں لاپرواہ نہ ہو جانا، کیونکہ وہاں کے لوگ مہمانوں سے غداری کر کے ان کا مال ہتھیا لیتے ہیں اور وہ بیچارہ ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

اس شعر نے تو مہمان کے ہوش اڑا دیئے، اس نے سراسیمگی کے عالم میں کہا، میرا قبیلہ فزارہ سے کوئی رشتہ نہیں، میں قبیلہ بجیلہ سے تعلق رکھتا ہوں، اب مہمان نے سوچ لیا تھا کہ اگر میں نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے تو اس کم سن لڑکی کو لاجواب کر کے ہی دم لوں گا۔ کم سن لڑکی نے کہا، بھائی کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ اشعار کس شاعر کے ہیں۔

سـالـفـا عن بجيلة حين جاءت لتـخـبـرايـن قـدبـهـا القـرار

ضـا تـدرعـى بـجـيـلة اذسالنا اقـحـطـان ابـرهـا ام نـزار

فـقـد وقـعـت بـجـيلة بين بين وقـد خلعت كماخلع المزار

یعنی ہمارے سامنے قبیلہ بجیلہ کی ایک جماعت آئی تو ہم نے پوچھا کہ اس

کا مستقر کس جگہ سے زیادہ نزدیک ہے، قبیلہ بجیلہ کے لوگ اتنا بھی نہ بتا سکے کہ ان کا نسب قحطان سے جا ملتا ہے یا نزار سے، قبیلہ بجیلہ کی جماعت درمیان میں پھنسی رہ گئی اور اس طرح نکال دی گئی جس طرح لگام اتار کر پھینک دی جاتی ہے۔

مہمان نے کہا، قبیلہ بجیلہ ایسا ہی ہوگا، میرا تعلق بنو نمیر سے ہے، لڑکی نے کہا، ہم نے اعتبار کیا، لیکن کسی شاعر نے بھی کمال کردیا ہے، کیا آپ اس کا نام بتائیں گے۔

فغض الطرف انک من نمیر　　فلا کعباً بلغت ولا کلاباً

ولو وضعت فقاح بنی نمیر　　علیٰ غبث الحدید اذاً لذابا

یعنی ہر عورت قبیلہ نمیر کے کسی فرد سے کہتی ہے کہ تو اپنی نگاہ نیچی رکھ کر چل کیونکہ تو ادنیٰ ہے، تیرا نسب نہ کعب تک پہنچ سکا اور نہ کلاب تک، اگر بنو نمیر کے سرین کسی گرم لوہے کے زنگ پر رکھ دیئے جائیں تو حرارت کی وجہ سے پگھل جائیں ﴿سرین کا پگھل جانا خون کی خرابی پر دلالت کرتا تھا﴾

اس مرتبہ مہمان نے کہا کہ اے بہن میں قبیلہ باہلہ کا فرد ہوں تو کم سن لڑکی پکار اٹھی۔

اذا قیل للکلب یا باھلی　　عوی الکلب من یوم ھذا لب

اگر کسی کتے سے کہا جائے کہ اے قبیلہ باہلہ سے تعلق رکھنے والے تو کتا بھی احتجاج کرتا ہے کہ تو نے مجھے گالی دی ہے ﴿یعنی قبیلہ باہلہ کی نسبت کتے جیسے کمترین جانور کو بھی گوارا نہیں،

اس کے بعد مہمان نے بنو ثقیف کا نام بول دیا تو کمسن لڑکی نے بنو ثقیف کی شان بیان کردی۔

اضل الناسبین لنا ثقیف　　فما لھم اب الا الضلال

فان نسبت او انتسبت ثقیف　　الیٰ احد فذالک ھو المحال

خنازیر الحشوش فقاتلوھم　　فان دماء ھم لکم حلال

یعنی قبائل عرب میں سب سے گمراہ قبیلہ ثقیف ہے، ان کا باپ ہی گمراہی ہے، اگر ان کا نسب کسی سے ملایا جائے تو یہ محال ہے، ثقیف کے لوگ خنزیروں کی طرح ہیں لہذا اُن کا خون بہانا تم سب کیلئے حلال ہے۔

پھر مہمان نے تنگ آ کر قبیلہ خزاعہ کا نام لیا تو کمسن لڑکی نے جواب میں یہ اشعار پڑھ دیئے ۔

اذا فخرت خزاعة فی ندی وجدنا فمزها شرب الخمور

وباعت کعبة الرحمن جیلاً بزق بئس مفتخر الفخور

یعنی قبیلہ خزاعہ کی بڑی سے بڑی شیخی صرف شراب پینے پر منحصر ہے، وہ اتنا جاہل قبیلہ ہے کہ اس نے رحمٰن کا کعبہ شراب کی ایک مشک کے بدلے فروخت کر دیا تھا، بدکاری پر فخر کرنے والے یہ لوگ کس قدر برے ہیں۔

مہمان نے بنوخزاعہ کے عیب سن کر ندامت کا اظہار کیا اور کہا، آج میرے حافظے کو کیا ہوگیا ہے، مجھے قبیلہ یشکر کا نام لینا چاہئے تھا، کمسن لڑکی نے بھی اس کے بار بار بدلتے ہوئے رویے پر غور کرنا چھوڑ دیا تھا، وہ اس بار بھی طمطراق سے گویا ہوئی ۔

و یشکر لا تستطیع الوفا ولورامت الغدرلم تغدر

قبیلہ عبیشها فی الکری لنا م المتاخر و العتمر

قبیلہ یشکر میں وفا نام کی کوئی چیز نہیں، پھر اتنا بیوقوف ہے کہ اگر بیوفائی بھی کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ﴿ گویا اگر بیوفائی کے بھی کچھ اصول ہوں گے تو وہ ان سے بھی ناواقف ہے ﴾ اس کی زندگی صرف رہنے کیلئے ہے، یہ لوگ ذلت پرست ہیں اور ان کی بنیاد بھی ذلت ہے۔

مہمان نے گھبرا کر کہا، بہن میں بنوامیہ سے تعلق رکھتا ہوں، اب کمسن لڑکی کے ہاتھوں بنوامیہ کی شامت آ گئی، وہ کہنے لگی، کیا آپ کو معلوم ہے بنوامیہ کے متعلق یہ اشعار کس شاعر کے ہیں ۔

و مرمن امیة بنیانها فبان علیٰ الناس فقد انها

وکانت امیة فیما مضٰی جریا علی اللہ سلطانها

فلا ال حرب اطاعو الالہ ولم یتق اللہ مروانها

یعنی بنوامیہ کی عزت وشرافت کی جڑیں متزلزل ہوگئی ہیں، اس طرح عام انسانوں میں ان کا برباد ہونا معمولی بات ہوگئی، ان کی عظمت رفتہ ان کو خداتعالیٰ کے مقابلے میں لے آئی تو آل حرب اور اس کے مردوں نے

خدا تعالیٰ کا خوف بھلا دیا۔

مہمان نے کہا اگر بنوامیہ اس قدر گئے گزرے ہیں تو میں ان میں ہرگز شامل نہیں ہو سکتا، میں تو قبیلہ عنزہ کا ایک فرد ہوں، اس پر کمسن لڑکی نے کہا، کیا آپ ان اشعار کے خالق کو جانتے ہیں۔

ما کنت اخشی ولو کان الزمان لنا　　زمان سوءٍ بان تغتابنی عنزه

فلست من وائل ان کنت ذالحذر　　ممن یضل کما قد ضلت الخرزه

اگرچہ زمانے کی نگاہوں نے ہمیں غلط تصور کیا مگر مجھے اتنا خوف نہ تھا کہ قبیلہ عنزہ بھی میری غیبت پر آمادہ ہوگا، ﴿لیکن افسوس وہ غیبت جیسے مرض سے کیسے محفوظ رہ سکتا تھا﴾ اور مجھے قبیلہ وائل سے بھی نہ سمجھنا، میں ان گمراہوں سے ذرا بھی نہیں ڈرتا کیونکہ یہ تو ایسے بے قدر انسان ہیں جیسے کسی کے دامن سے چھوٹے چھوٹے پتھر گر جائیں تو وہ ان کی پرواہ نہیں کرتا۔

بعد ازاں مہمان نے بنو کندہ، بنو سعد اور بنو ہمدان کا نام لیا تو کم سن لڑکی نے بالترتیب ان قبیلوں کی بداخلاقی پر اشعار پڑھے، مثلاً بنو کندہ کو ذلیل پیشوں کیلئے چھوڑ دو، بنو اسد کی کوئی عورت سن شعور کو پہنچے تو جلدی سے اس کا نکاح کر دیا جائے کیونکہ اس قبیلے میں زنا کی عادت عام ہے، حد تو یہ ہے کہ نکاح کر لینے کے بعد بھی زنا جیسا فعل بد ترک نہیں کیا جاتا، عورت کا باپ بھی اسے معاف نہیں کرتا، بنو ہمدان میدان سے بھاگنے میں بہت تیز ہیں، پھر مہمان نے بنو نہد، بنو قضاعہ کا نام لیا تو کمسن لڑکی کہنے لگی، بنو نہد انتہائی گھٹیا درجے کے لوگ ہیں، مہمان کو دیکھ کر ان کے رنگ سیاہ ہو جاتے ہیں، اگر کوئی مصیبت زدہ ان کے پاس چلا جائے تو ایسے ہے جیسے گرم زمین سے نکل کر آگ میں گر پڑا ہو، قبیلہ قضاعہ کے کسی آدمی کو اپنے نسب پر فخر نہیں کرنا چاہئے، نہ وہ یمنی ہیں اور نہ مضر کے شریف زادوں سے ہیں، ان کا قحطان اور نزار سے بھی کوئی رشتہ نہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان کو دوزخ میں ڈال دو، اس کے بعد مہمان نے بنو شیبان، بنو تنوخ، بنو ذہل، بنو مزنیہ، بنو نخع، بنو طے، بنو لخم، بنو جذام، بنو کلب، بنو بلقین، بنو حارث، بنو سلیم میں سے ہونے کا دعویٰ کیا، کمسن لڑکی نے ایک ایک قبیلے کی ان الفاظ سے ''عظمت'' بیان کی:

ترجمہ: بنوشیبان کا قبیلہ اگرچہ بڑی جماعت پر مشتمل ہے مگر ان میں ہر شخص اول درجے کا کمینہ ہے، یہ لوگ عام لوگوں کے بچے ہوئے پانی سے سیراب ہوتے ہیں، قبیلہ تنوخ جب سفر اختیار کرتا ہے تو اپنی عزت اور عظمت کو گنوا دیتا ہے گویا کہ از حد ڈرپوک ہے، اللہ تعالیٰ قبیلہ ذہل کو بدنصیب رکھے، یہ تو آسمان کے نیچے بسنے والی تمام نوع انسانی سے بدترین ہے، قبیلہ مزنیہ سے نہ کرم کی امید رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی دین کی، قبیلہ نخع کے لوگ اتنی تعداد میں ہیں کہ اگر کسی پہاڑ پر چڑھ دوڑیں تو وہ بھی ہلنے لگے مگر ان میں سے کوئی شخص بھی فائدہ مند نہیں، خالص شرفا میں ان کا کوئی شمار نہیں ہوتا، قبیلہ طے بھی کوئی شان رکھتا ہے، اتنا قلیل ہے کہ اگر چھوٹی سی چڑیا اپنے پر پھیلا دے تو سارے قبیلے کو ڈھانپ لے، قبیلہ عک کے تمام لوگ کوڑھی ازلی خادم اور ملامت زدہ ہیں، جب کوئی آدمی زمانے میں معزز ہوتا ہے، تو قبیلہ لخم سے دور دور رہتا ہے کیونکہ اس کی قربت باعث عار ہے، قبیلہ جذام بھی کسی کام کا نہیں، اگر شراب کا دور چلے تو وہ اس قابل بھی نہیں کہ اس میں شامل ہو سکے۔

فلا تقربن كلباً ولا باب دارها ولا يطمئن ساريرى ضؤ نارها

اورتم بھول کر بھی قبیلہ کلب کے دروازے تک نہ جانا، جو مسافر شب اس کی آگ دیکھ کر اسکے قریب چلا جائے تو یہ ہرگز امید نہ رکھے کہ اس کا مہمان بن کر وہ آرام سے رہ سکے گا۔

اگر تم دنایت وسفاہت کا مرکز پوچھنا چاہو تو وہ قبیلہ بلقین ہے اور بنو حارث تو وہ ہیں کہ بالکل کھوکھلی ہڈی کی طرح خیر سے خالی ہیں، ان کے بدن تو خچروں کی طرح ہیں، مگر عقلیں چڑیوں کی صورت ہیں، یعنی بالکل تھوڑی ہیں، اگر تم گھبرا کر قبیلہ سلیم کے پاس چلے جاؤ تو تمہیں ہر حال میں ذلیل اور ناکام واپس آنا پڑے گا، مہمان کی حالت زار واقعی قابل دید تھی، اس نے اکتا کر کہا، میں کسی عرب قبیلے کا فرد نہیں، میں تو فارسی نژاد ہوں، کم سن لڑکی نے مسکرا کر یہ اشعار پڑھ دیئے۔

الاقل لمعتر وطالب حاجة يريد ينجح نفعها وقضا ها

فلا تقرب الفرس اللئام فانهم يردون مولاهم بخبث ذراها

خبردار! اپنی تمناؤں کیلئے کوشاں نادار لوگوں سے کہہ دو کہ ملک فارس کے افراد

کے پاس ہرگز نہ جائیں، کیونکہ وہ خبث باطن کی وجہ سے اپنے عزیز و اقارب تک کو محروم لوٹا دیتے ہیں،

پھر مہمان نے یہاں تک کہہ دیا کہ میں حقیقت میں غلام ہوں جس کو ہمدردی کے ساتھ اسکے آقاؤں نے آزاد کر دیا ہے، اس پر بھی کمسن لڑکی خاموش نہ رہی، بولی کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ شعر کس شاعر کا ہے

الامر اراد اللوم والفحش والخنا فضد الموالی الجید والکتفان

یعنی اگر کوئی انسان برے اخلاق کا محور تلاش کرنا چاہے تو جان لے کہ وہ آزاد شدہ غلاموں کی صورت میں موجود ہے گویا وہ اخلاق رذیلہ کا مجسمہ ہیں۔

مہمان نے کہا، بہن نہ میں عربی ہوں، نہ فارسی اور نہ غلام ہوں میں تو حام بن نوح کی اولاد سے ہوں، کم سن لڑکی نے کہا، حام بن نوح کی اولاد سے رشتہ نہ کرنا، کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں، اب تو مہمان کے صبر وضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، وہ چیخ کر کہنے لگا، میں شیطان کی اولاد سے ہوں، کمسن لڑکی چمک کر بولی، کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کس شاعر کا کلام ہے۔

الا یا عباد اللہ ھذا عدوکم وذا ابن عدو اللہ ابلیس خاساء

خبردار! اے خدا تعالیٰ کے بندو، شیطان تمہارا دشمن ہے اور یہ اللہ کے دشمن ابلیس کا فرزند (ہمارے پاس ٹھہرا ہوا) ہے،

مہمان کم سن لڑکی کے قدموں میں گر پڑا اور معافی مانگ کر قبیلہ عامر سے روانہ ہو گیا (ملخصا ادب العرب ص ۹۱) ایک مہمان اور اس کی کمسن میزبان کی اس طویل گفتگو نے قبائل عرب کے اخلاق و عادات پر جو روشنی ڈالی ہے، اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ لوگ کس قدر فوز و فلاح کی زندگی سے نا آشنا تھے، انسان کی صورت اور سیرت میں صرف اور صرف توحید و رسالت اور اسکے تقاضوں کی بدولت نکھار آتا ہے، ہزاروں معبودان باطلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنیوالے کیا جان سکتے تھے کہ کونسے اخلاق اور عادات انسان کی معراج ہیں اور کس راستے پر چلنے سے اس کو منزل مراد مل سکتی ہے، آہ!

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و تاب صبح
چشم شفق ہے خوں فشاں اختر شام کیلئے

بعثت محمدی کیلئے عرب کا انتخاب:

عرب کے محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ کے نقطہ اتصال پر جگہ دی ہے جو بحر و بر کے راستوں سے ساری دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے، اس لئے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت اعلیٰ کے زیر اثر ہو کر بگڑ جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے اور اس طرح یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کیلئے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو عرب ہی اس کیلئے موزوں ہے، خصوصاً اس زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ اور یورپ اور ایشیا کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا تو عرب کی آواز ان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے، رب العالمین نے اس لئے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب میں پیدا کیا اور ان کو بتدریج قوم اور ملک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا، ﴿رحمۃ للعالمین ۱: ۲۸﴾ نبی کریم ﷺ کا کام کس قدر مشکل تھا اور انہوں نے اس فرض کو کیسی خوش اسلوبی، صبر حلم، استقامت اور تحمل سے شروع کیا، کیونکر تہذیب اور تمدن اور علم و اخلاق کو پھیلایا، کیونکر قوموں اور ملکوں کو ایک بنایا، کس طرح انسان کا درجہ بلند کیا، کس طرح توحید کی اشاعت کی اور انسان کے دل پر عظمت کبریائی کا نقش قائم کرنے کے بعد کسطرح جملہ اشیا اور اسباب کا خادم انسان ہونا ثابت کر دیا، ﴿ایضاً ص ۱: ۲۸﴾ واقعی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عظیم نصب العین کو پورا کرنے کیلئے آپ کی ہر کوشش تاریخ رسالت میں بھی بیمثال اور لازوال ہے۔ دوسری حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اگرچہ سرزمین عرب کے اکثر باشندے تہذیب و تمدن سے بیگانہ تھے لیکن ان میں کچھ خصوصیات ایسی بھی تھیں جو ان کو اقوام عالم سے ممتاز کرتی تھیں، مثلاً وہ ناقابل یقین حد تک بہادر، جفاکش اور مشکل پسند تھے، اپنے نظریات پر کاربند تھے اور از حد متصلب تھے، بلا کے حافظے اور ارادے کے مالک تھے، اپنی شعر گوئی، سخن فہمی، فصاحت بیانی، بلاغت لسانی، نسب دانی اور ایفائے عہدی میں یگانہ روزگار تھے، جس کو پناہ دیتے اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے، مشیت ازلی نے ان کی ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کو بروئے کار لا کر نور اسلام کو ظلمات عالم میں اجاگر کر دیا، اپنے

قبیلوں کی جھوٹی عزت وعظمت پر جان نچھاور کرنے والے اسلام کی سچی جاہ ومنزلت کے سپاہی بن گئے، اپنی خاندانی عصبیت کی خاطر بہادری، جفاکشی اور مشکل پسندی کے جوہر دکھانے والے اسلامی صداقت کیلئے قیصر وکسریٰ کی قہرمانی قوت سے ٹکرا گئے اور اس کو ہمیشہ کیلئے قصہ پارینہ بنادیا، جو حیرت انگیز حافظہ اخلاق سوز شعروں اور باپ دادا کے نسبوں کو یاد رکھنے کے کام آتا تھا، قرآن اور حدیث کے شہ پاروں کیلئے استعمال ہونے لگا، اپنے زور بیان اور حسن لسان سے پتھروں کو تڑپانے والے اسلام کی دہائی دینے لگے جب ان عرب یعنی زبان آور لوگوں نے اسلام کی داستان چھیڑی تو عجم یعنی ''بے زبان قوموں'' میں کہاں ہمت تھی کہ بحث ونظر کے میدان میں اترتیں، اس حقیقت کو جاننے کیلئے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عمرو بن العاص، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم جیسے سپہ سالاروں کے خطبات کا مطالعہ کیا جائے، ایک ایک لفظ میں بیداری اور جاں سپاری کا پیغام موجود ہے، پھر حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت سواد ابن قارب رضی اللہ عنہم کے اشعار کو دیکھا جائے، ایک ایک شعر جذبہ ایمانی کا سرچشمہ نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے ذریعے ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی اور ان کی خوابیدہ قابلیتوں کو اسلام اور اہل اسلام کا بہترین سرمایہ بنادیا **ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم** یہ تو اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے ؎

چوں فتاد از روزن دل آفتاب
ختم شد واللہ اعلم بالصواب

☆

باب دوم

انتظارِ صبح نَو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبح روز ازل سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیام محشر تک ایک ہی خبر کائنات کی سب سے بڑی خبر ہے، .... اور وہ خبر ہے آمد مصطفیٰ کی خبر، حضور پیغمبر نور، شافع یوم نشور، مطلع فضل غفور، جلوۂ حسن شکور ﷺ ابھی رونق افزا نہیں ہوئے تھے تو ہر طرف یہ شور تھا، یہ زور تھا، یہ داستان تھی، یہ آن بان تھی، وہ آ رہے ہیں .... وہ آ رہے ہیں .... وہ آ رہے ہیں .... انہیں آنا ہے .... فرشتے بیقرار تھے .... حوریں دم بخود تھیں .... آفتاب و ماہتاب کی گردشوں میں یہ پیغام تھا .... شب دیجور کے غمگین ستارے انتظار صبح نو میں جل بجھ رہے تھے .... دشت عرب کے ریگزار .... وادی بطحا کے کوہسار .... سرزمین یثرب کے گل وگلزار .... لمبی لمبی کھجوروں کے نخلستان .... امواج بحر کے کاروان .... مشرق ومغرب کے مرحلے .... شمال وجنوب کے فاصلے اسی جوہر فرد عزت، قاسم کنز نعمت، نائب دست قدرت، نوبہار شفاعت، شمع بزم ہدایت، یکہ تاز فضیلت، نور عین لطافت، زیب وزین نظافت، نوشہ بزم جنت، مطلع ہر سعادت، مقطع ہر سیادت، کہف روز مصیبت، نسخۂ جامعیت، علت جملہ علت، مصدر شان وعظمت، محور بزم وحدت، تاجدار رسالت، شہریار نبوت ﷺ کو تلاش کر رہے تھے، چشم نرگس اسی مہربان بنی آدم کے لیے کھلی ہوئی تھی .... دامن گل اسی سامان چمن کے ہجر وفراق میں چاک تھا .... بلبل سوختہ جان اسی چارہ ساز ہستی

کے لیے نغمہ طراز تھی ۔

یا شفیع المذنبین یا رحمۃ للعالمین یا امان الخائفین یا ملتجی امداد کن

یا مفیض الجود یا سر الوجود اے تخم بود اے بہار ابتدا و انتہا امداد کن

نیر نور الھدیٰ، بدر الدجیٰ، شمس الضحیٰ اے رخت آئینہ ذات خدا امداد کن

پھر جب وہ جلوہ نما ہو گئے ...... ہر طرف دہائی مچ گئی ...... سنو سنو! ....

ساری کائنات کے فریاد رس تشریف لا چکے ہیں ...... دیکھو دیکھو ...... سب موجودات کے مرکز نگاہ نے نقاب رخ زیبا کو الٹ دیا ہے ...... ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہو چکا ہے ...... فاران کی چوٹیوں سے ...... ثنیات کی وادیوں سے ...... اس داعی الی اللہ نے بلانا شروع کر دیا ہے ....

فجا محمد سراجا منیرا

فصلو علیه کثیرا کثیرا

عالم ارواح میں تذکار حبیب:

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں انبیا کرام کی مقدس روحوں کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے حضور پیغمبر نور ﷺ کی نبوت و رسالت کے تذکرے بیان کئے، ارشاد خداوندی ہے:

⊙ ...... واذ اخذ الله میثاق النبین ...... من الشهدین ○ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس عظمت والا رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اسکی مدد بھی کرنا، فرمایا، کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا، سب نے عرض کی، ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا، تو تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ﴿آل عمران ۸۱﴾

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے انبیا کرام علیہم السلام سے عہد و پیمان لیے تاکہ وہ سب جان لیں کہ آپ ﷺ ان پر مقدم ہیں اور ان کے بھی نبی اور رسول ہیں، اس عہد و پیمان میں آپ ہی کا خلیفہ بنانا بیان کیا گیا ہے اور

اسکا مقصود آپ ہی کی ذات اقدس ہے، اسی بنا پر آیت کریمہ لتؤمنن به و لتنصر نه میں لام قسم کے لیے آیا ہے، انبیا کرام علیہم السلام سے جو عہد و پیمان لیا گیا گویا وہ اس بیعت کی مانند ہے جو خلفا کے نائبوں سے استقرار خلافت کے وقت لی جاتی ہے،.......... اگر آپ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے زمانوں میں تشریف لے آتے تو ان سب پر اور ان کی امتوں پر واجب ہوتا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی اتباع کریں، آپ کی نبوت سب پر محیط ہے اور آپ کی بالادستی سب پر قائم ہے، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۳۴﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت مبارکہ کے تحت حضور پیغمبر نور ﷺ کا فرمان عالی شان ہے، میں پیدائش میں پہلا نبی ہوں اور بعثت میں آخری نبی ہوں ﴿میرے منصب نبوت کو ان سب سے پہلے ظاہر فرمایا گیا﴾ ﴿دلائل النبوۃ ۴۷﴾ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا: انی عند الله لخاتم النبیّن و ان آدم لمنجدل فی طینه میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی آخری نبی تھا حالانکہ کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے خمیر خاکی میں پڑے تھے، ﴿کتاب الوفا ۱:۳۶﴾ گویا ابھی وجود بشریت کی تقویم نہیں ہوئی تھی مگر وہ جان حیات موجود تھے اور مسند نبوت پر فائز المرام تھے، ایک حدیث مبارک ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے، ﴿ترمذی، مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین﴾ اگر صرف آپ کو علم الٰہی میں نبی مانا جائے کہ آپ آئندہ ایک وقت مقرر میں نبی ہوں گے تو اس مفہوم سے آپ کی کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی، حالانکہ آپ نے فرمایا، میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے، علم الٰہی میں تو تمام انبیا کی نبوتیں اس وقت بھی تھیں اور اس سے پہلے بھی تھیں، اس میں حضور پیغمبر نور ﷺ کی کیا تخصیص ہے، آپ نے تو یہ تذکرہ ہی اس لیے فرمایا ہے کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس قدر اعلیٰ مرتبے سے نوازا ہے، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۳۳﴾ مذکورہ صدر مضمون کی متعدد روایات حضرت امام بزار، حضرت امام طبرانی، حضرت امام ابو نعیم، حضرت امام ابن سعد، حضرت امام احمد، حضرت امام بیہقی، حضرت امام ابن جوزی، حضرت امام حاکم اور حضرت امام عیاض

مالکی ﷫ نے اپنی بلند پایہ کتابوں میں نقل فرمائی ہیں اور آپ ﷺ کے وجود روحانی اور شہود نورانی کو تمام انبیا کرام سے مقدم قرار دیا ہے ۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰس وہی طٰہٰ

حضور پرنور ﷺ کا سفر نور:

اللہ تعالیٰ نے اس معمورۂ ارض کو بسانے کے لیے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کو خلافت الٰہی کا سزاوار بنایا اور تمام مظاہر فطرت کو ان کے لیے مسخر کر دیا، ان کے وجود اقدس میں مقصد تخلیق کائنات ، باعث تزئین موجودات ، حاصل ارض و سمٰوات حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور مبارک کو اجاگر فرمایا، جو قدم قدم پر ان کا مونس بھی تھا اور غمگسار بھی' مصاحب بھی تھا اور پاسدار بھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا تو ان کی اولاد دکھائی گئی، آپ نے بعض کی بعض پر فضیلت دیکھی اور نیچے سے اوپر کی طرف بلند ہوتے ہوئے ایک نور مبارک کا مشاہدہ کیا تو عرض کیا اے پروردگار، یہ کون ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا' **هذا ابنک احمد و هو اول وهو اٰخر وهو اول شافع** یہ تمہارا فرزند گرامی احمد مجتبےٰ ہے، وہ اول[1] بھی ہے اور آخر بھی ہے اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا بھی ہے، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۹۶﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں اس نور مبارک کو رکھ کر تمام ملائکہ کو سجدے کا حکم صادر فرمایا، حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' **ان نور محمد كان في وجهة آدم** ﴿تفسیر کبیر، جواہر البحار ص ۱۵۴﴾ حضرت آدم علیہ السلام کے کندھوں کے درمیان "**محمد رسول الله خاتم النبين**" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے ﴿خصائص کبریٰ ۱:۹﴾ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حوا علیہا السلام سے نکاح پڑھا تو عرض کیا' اے پروردگار، میں حق مہر کیا دوں ، فرمایا اے آدم مرے محبوب پر بیس مرتبہ درود پاک پڑھو ، انہوں

---

[1] حدیث مبارک ہے، اول ما خلق الله نوري، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا، ﴿زرقانی ۱:۴۷، مطالع المسرات ص ۲۷، روح البیان ۱:۵۴۸، عرائس البیان ۱:۲۳۸، تفسیر نیشاپوری ۱:۵۵، بیان المیلاد النبوی ص ۲۴، عطر الوردہ ص ۲۴، نشر الطیب ص ۵، مدارج النبوۃ ۲:۲﴾

نے ایسا ہی کیا، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۴، نشر الطیب ص ۱۱، انوار محمدیہ ۹، زرقانی ۱:۴۳﴾ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ بھی اسی نور مبارک کے وسیلے سے قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے آدم، مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، اگر تم ان کے وسیلے سے تمام اہل زمین و آسمان کی شفاعت مانگ لیتے تو میں تمہیں وہ بھی عطا فرما دیتا، ﴿مواہب لدینہ، زرقانی ۱:۶۲﴾

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ میں تیری بارگاہ میں محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ میری توبہ قبول فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم تو نے محمد مصطفیٰ علیہ السلام کو کیسے پہچانا، انہوں نے عرض کیا، اے اللہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنا کر روح پھونکی تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**، پس میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس کا نام ملایا ہے وہ تیرے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم تم واقعی سچے ہو، وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، میں نے اس کے وسیلے سے تمہاری توبہ قبول کر لی، اگر میں اس کو تخلیق نہ فرماتا تو تمہیں بھی تخلیق نہ فرماتا: ﴿المستدرک ۲:۶۷۲، مجمع الزوائد ۸:۲۵۳، طبرانی فی الاوسط ۶:۳۱۳، تاریخ دمشق ۷:۴۳۷، البدایہ والنہایہ ۱:۸۱، سیرت حلبیہ ۱:۳۵۵، درمنثور ۱:۱۴۲، خصائص کبریٰ ۱:۱۲﴾

توبہ کی قبولیت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں یہ دستور جاری فرما دیا کہ ہر حمل میں جڑواں بچے پیدا ہوتے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، مگر حضرت شیث علیہ السلام جو حضور اقدس علیہ السلام کے جد امجد ہیں' تنہا پیدا ہوئے تا کہ نور مصطفیٰ میں ان کے اور کسی دوسرے کے درمیان اشتراک نہ ہو' حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نور مبارک کو پاک بیبیوں میں منتقل کرنا، بعد میں حضرت شیث علیہ السلام نے بھی اپنے فرزند حضرت انوش علیہ السلام کو یہی وصیت فرمائی، اسی طرح اس وصیت کا سلسلہ ایک قرن سے دوسرے قرن تک جاری رہا، جہاں تک کہ یہ نور مبارک حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گیا، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۶﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں حضور پیغمبر نور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عرض پرداز ہوا کہ حضور والا اس وقت آپ کہاں تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے، فرمایا: میں ان کی پشت اقدس میں تھا،

اور جب ان کو زمین پر اتارا گیا تو اس وقت بھی ان کی پشت اقدس میں تھا، اور جب حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے ایام میں کشتی پر سوار تھے، اس وقت میں ان کی پشت اقدس میں جلوہ گر تھا، جب میرے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو میں بھی ان کی پشت اقدس میں ہونے کی وجہ سے آگ میں پھینکا گیا، میرے آبا و اجداد اور اُمہات و جدات کبھی زنا کے مرتکب نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا، ﴿کتاب الوفا باب ۲، نسیم الریاض ۲:۲۰۲، دلائل النبوۃ ابونعیم﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ کے محبوب چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت عالی میں چند اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے نہایت خوشی کے ساتھ فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے منہ کو سلامت رکھے، پھر اجازت مرحمت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا ۔

من قبلها طِبت فی الظلال وفی — مستو دع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر — انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین و قد — انجم نسرا و اهله الغرق
تنقل من صالبٍ الٰی رحم — اذا مضٰی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مستبرا — فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوٰی بیتک المهیمن من — خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت — الارض و ضائت بنورک الافق
فنحن فی ذالک الضیاء و فی النور — و سبل الرشاد مخترق

﴿منظوم ترجمہ از راقم عاجز﴾

اس جہانِ آب و گل سے قبل تم جنت میں تھے — جسم آدم پر ورق تھے جنتی لپٹے ہوئے
نور بن کر جب چلے تم بزم دنیا کی طرف — نے بشر تھے اور نے تھے خون کی صورت جمے
نوح کی کشتی میں جلوہ تھا تمہارے نور کا — نسر والے جس گھڑی طوفان میں مارے گئے
تم ہوئے پھر منتقل اصلاب سے ارحام تک — اک طبق کے بعد آجاتے طبق گر دوسرے
پشت ابراہیم میں جلوہ نما تھے بایقیں — کسطرح ان کو جلا پاتے شرارے آگ کے
دور خندف سے تمہارا گھر بلند اتنا ہوا — سرنگوں ہیں چوٹیاں کہسار کی جس کے لیے

ہاں تمہارے رخ سے چمکا ہے جہان خاک بھی   ہاں تمہارے نور سے روشن افق کے سلسلے

ہم اسی نور وضیا میں چل رہے ہیں دم بدم   ہم ہدایت پر ہیں اور سیدھے ہیں سارے راستے

﴿کتاب الوفاص ۳۵، خصائص کبریٰ ۱: ۹۷، مواہب لدنیہ﴾

یاد رہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان میلادی اشعار کو حضرت امام ابو بکر شافعی اور حضرت امام طبرانی نے حضرت خریم بن اوس بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صاحب غیلانیات نے بھی انہی سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اسی طرح استیعاب میں حضرت خریم کے احوال میں اس قصیدہ کو نقل کیا گیا ہے، ابن قتیبہ نے زاہر میں بھی اسکو بیان کیا ہے، ﴿نسیم الریاض ۲: ۲۰۳﴾ حضرت محدث ابن جوزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

ہر ایک پیغمبر اپنے پروردگار کے حضور اسی نور مبارک کے وسیلے سے پناہ مانگتا رہا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اسی نور مبارک کے توسل سے قبول ہوئی، حضرت ادریس علیہ السلام کو اس کی بدولت مقام رفیع نصیب ہوا، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی کے وسیلے سے ساحل آشنا ہوئی، حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اسی کے وسیلے پر اعتماد تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی کی شفاعت کے طلبگار ہوئے اور حضرت ایوب علیہ السلام نے بھی اپنی تکلیف میں اسی کو اپنا سہارا تصور کیا، ﴿المیلاد النبوی ص ۳﴾ پھر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی عرض گزار ہیں۔

و بک الخلیل دعا فعادت نارہٗ   بردا وقد خمدت بنور سناک

ودعا ایوب بضر مسہ   فاذیل عنہ الضرحین دعاک

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے پیکر بشری کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایسی مٹی میرے پاس لے آؤ جو میرے محبوب اقدس ﷺ کے جسم کے لائق ہو، وہ روضہ مبارکہ والی عظیم جگہ سے ایک مٹھی سفید مٹی کی حاصل کر کے بارگاہ ربوبیت میں حاضر ہو گئے، پھر اسکو آب تسنیم سے غسل دیا گیا، جنت کی لہروں میں دھویا گیا، بعد ازاں اسکو آسمانوں اور زمینوں کی سیر کرائی گئی تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہچاننے سے پہلے حضور پیغمبر نور ﷺ اور آپ کی بزرگی کو پہچان لیا، پھر نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی جبین اطہر سے جھلکنے والے انوار سے محسوس ہوتا تھا، ان سے فرمایا گیا، اے آدم علیہ السلام یہ صاحب نور تیری اولاد میں پیدا ہونے

والے تمام انبیا کرام اور مرسلین عظام کا سردار ہے، جب حضرت شیث علیہ السلام بطن حوا میں منتقل ہوئے تو ساتھ ہی یہ نور مبارک بھی جلوہ گر ہوا یہی وجہ ہے کہ وہ اس نور مبارک کے جد امجد ہونے کی وجہ سے تنہا پیدا ہوئے، اور تمام بھائیوں سے زیادہ صاحب کمال ہوئے، پھر یہ نور مبارک پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف سفر کرتا رہا تا آنکہ آپ کی ولادت کا وقت آ گیا ﴿کتاب الوفا ا:۲۷﴾

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا، جب حضور پیغمبر نور ﷺ کا نور مبارک حضرت عبدالمطلب کے وجود میں منتقل ہوا اور وہ جوان ہو گئے' ایک دن حطیم کعبہ میں سو کر اٹھے تو آنکھ میں سرمہ پڑا ہوا تھا اور بالوں کو تیل لگا ہوا تھا، انہیں یہ منظر دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، ان کے سرپرست کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا ماجرا بیان کیا، کاہنوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ اس نوجوان کی شادی کر دی جائے، چنانچہ ان کا پہلا نکاح قیلہ سے ہوا جس سے حارث پیدا ہوا۔ پھر اس کی وفات کے بعد ہندہ بنت عمرو ﴿فاطمہ﴾ سے نکاح ہوا جس سے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے، حضرت عبدالمطلب کے بدن مبارک سے مشک کی خوشبو آتی تھی، آپ کا نور مبارک ان کی پیشانی میں خوب چمکتا رہتا تھا، قریش مکہ جب قحط میں مبتلا ہوتے تو اُن کا دست مبارک پکڑ کر کوہ ثبیر پر لے جاتے اور ان کے وسیلے سے بارگاہ ربوبیت کا تقرب طلب کرتے نیز ان کے واسطے سے بارش کی دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ اس نور مبارک کی برکت سے رحمت کی بارش نازل فرما دیتا ﴿مواہب لدنیہ ا:۹۷﴾ اس نور مبارک نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عظمتوں اور منزلتوں کو بھی خوب اجاگر کیا جیسے کہ چند واقعات گزر چکے ہیں، پھر جب یہ نور مبارک حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم انور میں جلوہ گر ہوا تو رجب المرجب کا مہینہ تھا، جمعہ کی رات تھی، خازن جنت کو حکم ہوا کہ جنت الفردوس کے دروازے کھول دے، ایک منادی نے آواز دی، آگاہ ہو جاؤ، وہ نور مبارک جو ایک پوشیدہ خزانہ تھا، اپنی والدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم انور میں جلوہ گر ہو گیا ہے، وہاں اسکی تخلیق بشری کی تکمیل ہو گی اور وہ تمام انسانوں کی طرف بشارت سنانے والا اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بن کر دنیا میں رونق افروز ہو گا ﴿مواہب لدنیہ ا:۱۱۸﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ کی والدہ نے خواب میں ملاحظہ کیا کہ کوئی پکارنے والا پکار رہا ہے:

⊙......انک قد حملت بخیر البریة و سید العالمین فاذا ولدته فسمیه احمد او محمدا وعلقی علیه ھذہ بے شک تیرے شکم انور میں تمام مخلوق سے بہترین اور تمام جہانوں کا سردار جلوہ گر ہے، جب اسکی ولادت ہو تو اس کا نام احمد اور محمد رکھنا، اس دوران اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا، ﴿دلائل النبوۃ ابونعیم ص ۹۴﴾ [1]

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا تو کسی نے مجھے خواب میں ٹھوکر لگائی اور کہا، تیرے شکم انور میں سارے جہانوں سے افضل ذات جلوہ گر ہے، جب اسکی ولادت ہو تو اسکا نام محمد رکھنا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۸۱﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ اپنی والدہ کے شکم انور میں جلوہ گر ہوئے تو قریش کی تمام سواریاں بولنے لگیں، حمل برسول اللہ و رب الکعبة، رب کعبہ کی قسم! حضرت آمنہ کے پاس اللہ کا رسول جلوہ گر ہو گیا، ﴿مواہب لدنیہ ۱:۱۲۲﴾ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس دوران ایک نور عظیم کو مشاہدہ فرمایا، جس کی روشنی سے شہر بصریٰ اور ارض شام کے محلات چمکنے لگے، ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۱۶۶﴾ یہ واقعہ حضور پیغمبر نور ﷺ کی ولادت با سعادت سے پہلے معرض وجود میں آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

⊙......لقد علقت به فما وجدت له' مشقة حتی وضعته، جب حضور انور ﷺ میرے شکم انور میں جلوہ گر ہوئے تو شروع سے آخر تک مجھے کوئی مشقت محسوس نہ ہوئی، ﴿صفوۃ الصفوہ ۱/ ۵۲، سیرت حلبیہ ۱/ ۵۷، طبقات کبریٰ ۱:۹۸، البدایہ والنہایہ ۲/ ۲۶۴، خصائص کبریٰ ۱/ ۴۷﴾

⊙......ایک دن میں نہ سو رہی تھی اور نہ بیدار تھی کہ میرے پاس کوئی آنے والا ﴿فرشتہ﴾ آیا، اس نے کہا، کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارے شکم انور میں کوئی جلوہ گر ہے، میں نے کہا میں نہیں جانتی، اس نے کہا انک قد حملت بسید ھذہ الامة و نبیھا بے شک تم اس امت کے سردار نبی ذی وقار کی ماں بننے والی ہو، ﴿طبقات کبریٰ ۱:۹۸، سیرت حلبیہ ۱:۵۷، شعب الایمان ۲:۱۳۶، سیرت ابن اسحاق ۱:۲۳، تاریخ طبری ۱:۲۵۴، خصائص کبریٰ ۱:۴۷﴾

---

[1]: اس خواب کی جانب حدیث نبوی میں بھی اشارہ ہے، فرمایا: میں اپنی والدہ کے بطن انور میں تھا، انہوں نے دیکھا کہ ان سے ایک نور کا ظہور ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے، ﴿دلائل النبوۃ بیہقی ۱:۱۱۰، دارمی ۱:۱۷، زرقانی ۱:۱۱۶، مشکوۃ ۵۱۳، تفسیر ابن کثیر ۴:۳۶۰، خصائص کبریٰ ۱:۱۴۴، سیرت حلبیہ ۱:۷۷﴾

⊙..... اس ﴿فرشتے﴾ نے مجھے ہدایت کی کہ جب اس پیغمبر نور کی ولادت ہو تو یہ دعا پڑھنا، **اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد**، میں اسکو ہر حاسد کے شر سے اللہ وحدہٗ کی پناہ میں دیتی ہوں، پھر اسکا نام محمد رکھنا، بے شک تورات اور انجیل میں اسکا نام احمد ہے، زمین و آسمان کے سب افراد اسکی شان بیان کریں گے اور قرآن میں اس کا نام محمد ہے اور قرآن اسکی کتاب ہے'

﴿سیرت ابن اسحاق ۱:۲۲، البدایہ والنھایہ ۲:۲۹۳، سیرت حلبیہ ۱:۷۵﴾

صحائف انبیا میں بشارت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب، طالب و مطلوب، دانائے غیوب ﷺ کے تذکار جمیل سے تمام انبیا کرام کے صحائف کو مزین فرمایا اور ان کی امتوں کو آپ کے محامد و محاسن سے آگاہ کیا، چنانچہ روز اول سے جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ہوتا رہا، وہاں وہاں حضور پیغمبر نور ﷺ کی رسالت کا ذکر ہوتا رہا، اس حقیقت کی ایک نورانی جھلک ملاحظہ کیجئے:

⊙..... حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی نازل ہوئی، اے آدم، میں مکہ کا خداوند ہوں، اس کے رہنے والے میرے ہمسایہ ہیں اور خانہ کعبہ کی زیارت کرنے والے اور وہاں تک پہنچنے والے میرے مہمان ہیں اور وہ میری عنایت و حمایت کی پناہ اور سایہ میں ہیں' اور میری حفاظت و رعایت میں ہیں' میں زمین و آسمان والوں سے اسکو معمور کردوں گا، اور جوق در جوق لوگ بکھرے ہوئے اور گرد آلود بالوں کے ساتھ لبیک پکارتے، تکبیر بلند آواز سے کرتے، آنکھوں سے آنسو بہاتے آئیں گے اور جو بھی اس خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آئے گا، اس کا مقصود بیت اللہ کی زیارت اور میری خوشنودی اور رضا کے سوا کچھ نہ ہوگا، کیونکہ میں ہی صاحب خانہ ہوں گویا ایسے ہی ہے جیسے ﴿اس آنے والے نے﴾ میری زیارت کی، وہ میرا مہمان ہوگا، میں اسکو محروم نہ چھوڑوں گا، پھر اس گھر کا انتظام تیرے فرزندوں میں سے ابراہیم کے سپرد کروں گا، اسکے ذریعے اسکی بنیادوں کو اونچا کراؤں گا، اس کے لیے زمزم کا چشمہ نکالوں گا اور اسکی حرمت و حلت اسکی میراث میں دوں گا اور اس کے مشاعر اس کے ہاتھ سے آشکار کروں گا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہر زمانہ میں لوگ اسے آباد رکھیں گے اور اس کی طرف قصد کریں گے، یہاں تک کہ نوبت اس نبی تک پہنچے گی جسے لوگ محمد ﷺ کہیں گے، وہ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہوں گے، میں اس نبی کو اس گھر کے

رہنے والوں، منتظموں، متولیوں اور حاجیوں میں بزرگ بناؤں گا، جو بھی میرا متلاشی اور میرا چاہنے والا ہوا سے لازم ہے کہ وہ اس جماعت کے ساتھ ہو، جن کے بال بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں' جو خدا کے حضور اپنی منتوں اور نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ ﴿مدارج النبوۃ ۱:۱۹۷﴾

⊙...... حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے کہ اے ابراہیم! میں نے تمہاری دعا تمہارے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں قبول فرمائی ہے، میں نے ان پر اور ان کی اولاد پر برکتیں جاری فرمائیں، میں ان میں سے ایک ایسا فرزند عالم وجود میں لاؤں گا جو معظم ومکرم ہوگا، جس کا اسم گرامی محمد ﷺ ہوگا، وہ میرا برگزیدہ اور مبعوث شدہ ہوگا اور اسکی امت بہترین امت ہوگی۔ ﴿ایضاً ۱:۱۹۸﴾

⊙...... حضرت حیقوق علیہ السلام حضرت دانیال علیہ السلام کے ہم زمانہ نبی تھے، ان کی کتاب میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے برکت و پاکی کے ساتھ فاران کے پہاڑوں پر جلوہ فرمایا اور زمین کو احمد کی مدحت وثنا اور اسکی تقدیس سے بھر دیا جو زمین اور امتوں کی گردنوں کا مالک ہے، بلا شبہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوبیوں سے آسمان مجلیٰ ہوا اور زمین اسکی مدحت سے لبریز ہوگئی، اس کے نور سے زمین روشن ہوگئی اور ان کے گھوڑے سمندر میں دوڑیں گے، ﴿مدارج النبوۃ ۱:۱۹۸﴾

⊙...... حضرت شعیا علیہ السلام کے صحیفوں میں حضور پیغمبر نور ﷺ کا ذکر مبارک اسطرح مذکور ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وہ بندہ میرا محبوب ہے کہ میں اس سے خوش ہوتا ہوں، وہ میرا مختار ہے کہ وہ مجھ سے خوش ہوتا ہے، میں اس پر اپنی روح کا اضافہ کرتا ہوں، میں اپنی وحی اس پر نازل کرتا ہوں تو امتوں پر اسکا عدل ظاہر ہوتا ہے، وہ ایسا بندہ ہے جو قہقہہ نہیں لگا تا نہ بازاروں میں اسکی آواز سنی جاتی ہے، وہ بندہ اندھی آنکھوں کو بینائی بخشتا ہے، بہرے کانوں کو کھولتا ہے، مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے،، میں اسکو وہ دوں گا جو میں نے کسی کو نہیں دیا، وہ بندہ احمد ہے کہ وہ اپنے رب کی تازہ حمد بجالاتا ہے، کوئی اسے کمزور نہ کر سکے گا اور نہ اسے مغلوب بنا سکے گا، وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا، وہ نیکوکار، صلحاء جو کلک کی مانند کمزور اور ناتواں ہیں ان کو ذلیل وخوار نہیں جانتا، وہ صدیقوں کو قوی بناتا ہے، وہ تواضع وانکسار والوں کا رکن ہے، وہ خدا کا نور ہے جسکو ہرگز کوئی نہ بجھا سکے گا، اس کے ذریعے میری حجت ثابت و برقرار ہوتی ہے، اس کے ذریعے عذر منقطع ہوتا ہے، اسکی تلاوت سے جن وانس

اطاعت گزار بنتے ہیں،۔۔۔۔۔۔اے محمد! میں وہ خدا ہوں جس نے تمہیں حق کے ساتھ عظیم اور قوی بنایا اور تمہیں ایسا نور بنایا جس سے تم امتوں کی اندھی آنکھوں کو بصارت عطا فرماؤ گے اور تم ایسی دلیل ہو جس سے تم نفس و ہوا کے قیدیوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے جاؤ گے، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۲۰۰﴾

کتب ثلاثہ میں بشارات:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو تورات، حضرت داؤد خلیفہ اللہ علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام کو انجیل جیسی کتاب عطا فرمائی، ان کتابوں میں بھی اپنے محبوب اعظم ﷺ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا، اس کی گواہی قرآن پاک بھی فراہم کر رہا ہے:

⊙......**الذین یتبعون الرسول** .... جو لوگ اس رسول، نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور پلید چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان سے ناقابل برداشت بوجھ اتار پھینکتا ہے اور ان بندشوں کو توڑتا ہے جو ان پر لازم کردی گئی تھیں، ﴿سورۃ الاعراف﴾

ساری دنیا میں کوئی قوم بھی حضور پیغمبر نور ﷺ کے احوال اور بشارات سے اتنی آشنا نہ تھی جتنی قوم یہود اور قوم نصاریٰ آشنا تھی، قرآن پاک کا اعلان ہے: **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم**، وہ اس رسول آخر ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ایک جگہ پر ارشاد فرمایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

⊙......**و مبشرا برسول یات من بعد ی اسمہ احمد** ......**ھذا سحر مبین** ○ اور میں بشارت دیتا ہوں ایک ایسے رسول کی جو میرے بعد آئے گا، اسکا نام احمد ہوگا، پس جب وہ آ گیا روشن نشانیوں کے ساتھ تو بولے یہ تو کھلا جادو ہے،

حضور پیغمبر نور ﷺ تو بے شمار عزت و منزلت کے حامل ہیں، آپ کی غلامی کرنے والوں کا ذکر بھی تورات اور انجیل میں موجود تھا، قرآن پاک کی گواہی ملاحظہ کیجئے، فرمایا:

⊙......**محمد رسول اللہ** ....**فی الانجیل** یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں

اوران کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل ہیں، تو انکو دیکھے گا رکوع کرتے اور سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہوئے، ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے ﴿روشن ہے﴾ ان کی یہ صفت تورات میں ﴿مذکور﴾ ہے اور انجیل میں بھی ﴿موجود﴾ ہے، ﴿سورۃ الفتح﴾

مولانا نجیب شاہ اکبر آبادی لکھتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے متعلق گذشتہ انبیا بالخصوص ان انبیا جن کے ماننے والے عرب اور شام کے ملکوں میں آباد تھے، نے صاف الفاظ میں اپنی اپنی امتوں کو خوشخبری سنا دی تھی کہ ہمارے بعد ایک کامل نبی ملک عرب میں مبعوث ہونے والا ہے، ان انبیا کے لائے ہوئے صحائف اور ان کے کلمات طیبات بتام وکمال تو موجود اور محفوظ نہیں تاہم ان کے محرف ومبدل صحائف ناقص و نا تمام حالات میں جو ہم تک پہنچ سکے ہیں، آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیوں کا ایک معقول حصہ موجود ہے اور ان کے ماننے والے آپ کے منتظر تھے اس لیے بہت سے ذی علم اور سمجھ دار اہل کتاب خلوص اور نیک طینتی سے متصف تھے، آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کو سنتے ہی آپ پر ایمان لے آئے تھے، کتب تاریخ وسیر میں بالتفصیل یہ حالات مذکور ہیں کہ اکثر علمائے یہود و نصاریٰ کو صحف سابقہ کی مندرجہ پیشین گوئیوں کی بنا پر آنحضرت ﷺ کی پیدائش اور بعثت کا زمانہ معلوم تھا، آپ کے خاندان میں نبی آخر الزمان پیدا ہونے چاہئیں ﴿حجۃ الاسلام ص ۱۰۷﴾ مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی لکھتے ہیں، کتب سابقہ میں آپ کا مولد، آپ کا وطن و مسکن، آپ کا مہجر، آپ کے جنگی اور اسلامی کارنامے، آپ کے معجزات و برکات، آپ کے صحابہ کے نمایاں علامات ونشانات غرض سب کچھ نہایت وضاحت سے مکتوب و مذکور ہے اور باوجود عہد بعہد کی تحریفات لفظیہ ومعنویہ کے ان جواہر ریزوں پر پردہ نہ پڑ سکا اور آپ کے معجزات اور ظہور قدسی کے نور نے ان تحریفات ظلمتوں کو دور کر دیا، جب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی وحی سے بنی اسرائیل کو آپ کی بشارت سنائی، یہودی برابر آپ کے ظہور کے منتظر رہے چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ظہور پر یہودی آپ سے پوچھتے ہیں، کیا تو ایلیاہ ہے، چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ نہیں، پھر وہ پوچھتے ہیں کیا تو مسیح ہے، آپ فرماتے ہیں کہ نہیں، وہ پوچھتے ہیں کیا تو وہ نبی ہے، آپ کہتے ہیں نہیں، ﴿انجیل یوحنا

باب ا﴾ وہ نبی سے یہود کی مراد وہی نبی موعود نبی آخر الزمان تھا جس کی بشارت حضرت موسیٰ نے ان کو سنائی تھی، ﴿استثنا باب ۱۸ اورس ۱۸﴾ جب آپ طائف کے تبلیغی سفر سے واپس پھرے تو راستے میں جنات کا ایک ٹولہ آپ کی قرأت قران سن کر مسلمان ہوگیا، انہوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر کہا، انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ، یعنی ہم نے کتاب سنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی ہے، انہوں نے "من بعد موسیٰ، اس لیے کہا کہ وہ امت موسویہ میں سے تھے، حاصل کلام یہ کہ ظہور قدسی سے پہلے یہود و نصاریٰ ہر دو قومیں آپ کے ظہور کی منتظر تھیں، ﴿سیرت المصطفےٰ ۱/ ۱۳۹﴾ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

⊙......و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم عرفوا کفروا بہ اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے، تو جب وہ جانا پہچانا ﴿رسول﴾ ان کے پاس آیا تو اس کے منکر ہو گئے،

تمام مفسرین کرام نے بیان کیا ہے کہ یہود ان الفاظ میں دعا مانگا کرتے تھے، اللھم انصرنا بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعتہ 'وصفتہ' فی التوراۃ اے اللہ اس نبی آخر الزمان کے وسیلے سے ہماری مدد فرما جسکی نعت اور صفت ہم تورات میں دیکھتے ہیں، ﴿تفسیر جلالین ۱۴، تفسیر نیشا پوری ۱: ۳۲۷، سراج المنیر ص ۷۳، مدارک ۱: ۷۴ تفسیر ابوالسعود ۱: ۳۹۲، تفسیر جامع البیان ص ۱۶﴾ حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہودی اسطرح دعا کرتے تھے، اللھم ابعث ھذا النبی الذین نجدہ ' مکتوباً عند نا حتی یعذب المشر کین و یقتلھم، اے اللہ! اس نبی محتشم کو مبعوث فرما جسکا ذکر مبارک ہم تورات میں پڑھتے ہیں تاکہ وہ مشرکوں کو عذاب دے اور ان کو قتل کر دے، ﴿تفسیر ابن جریر ۱: ۳۱۰﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بے شک یہودی حضور پیغمبر نور ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلے سے اوس اور خزرج کے خلاف فتح کی دعا کیا کرتے تھے، ﴿کتاب الوفا ۱: ۴۴﴾ مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی، ان کے طفیل سے کافروں پر فتح عطا فرما، ﴿تفسیر عثمانی ص ۲۲﴾ مولانا ثنا اللہ امرتسری لکھتے ہیں، اور وہ

کافروں پر فتح مانگتے تھے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے ﴿تفسیر القرآن بکلام الرحمان: ۲۲﴾ مولانا بدر عالم میرٹھی لکھتے ہیں، آپ کے اسی سابق تعارف کی بنا پر سیر و تاریخ سے اہل کتاب کا آپ کا منتظر رہنا بلکہ معین وقت پر تلاش کے لیے نکل کھڑا ہونا بھی ثابت ہے، اور آپ کے اس ظہور قدسی سے قبل اہل کتاب میں بڑی گرما گرمی سے آپ کا چرچا تھا بلکہ ایک دوسرے سے مقابلے کے وقت آپ کے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ کی دھمکیاں دینا بھی ثابت ہے، ﴿ترجمان السنہ ۴: ۵۴﴾ لکھتے ہیں، آپ کی بعثت سے قبل کتب سابقہ میں آپ کا تعارف اتنی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا تھا، وہ شاہان تخت نشین ہوں یا راہبین گوشہ نشین آپ کی تشریف آوری کے بعد کسی کے لیے بھی آپ کا انکار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی، اہل کتاب اسکو چھپانے کی ہزار کوشش کرتے مگر چھپا نہ سکتے تھے، اس بنا پر قرآن کریم نے جا بجا ان کو قائل کیا ہے اور اس تعارف کے کتمان و تحریف کا مجرم قرار دیا ہے، ﴿ترجمان السنہ ۴: ۵۰﴾ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

"ابو نعیم، بیہقی اور حاکم نے اسناد صحیحہ اور طریق متعددہ کے ساتھ روایت کی ہے کہ مدینہ منورہ اور خیبر کے یہودی جب مشرکین عرب بنی اسد اور بنی غطفان، جہینہ اور غدرہ کے ساتھ مقابلہ کرتے اور جنگ میں شکست کھا جاتے تو اپنے یہودی علما کے پاس آتے، یہودی علما نے ان کو فتح و نصرت کے لیے یہ دعا سکھائی، **اللھم ربنا انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان و بکتابک الذی تنزل علیه آخر ماینزل ان تنصرنا علی اعدائنا،** اے اللہ! ہم تجھ سے اس نبی امی احمد مجتبےٰ ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتے ہیں جسکی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے، اور اس کتاب کے واسطے سے ﴿سوال کرتے ہیں﴾ جو تو اس پر نازل فرمائے گا سب سے آخر میں تو ہم کو دشمنوں پر فتح عطا فرما" ﴿تفسیر عزیزی ۱: ۳۲۹، التوسل بالنبی ص ۲۰۰﴾

حضرت دہلوی علیہ الرحمہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی جانتے تھے کہ آپ کا نام نامی اسم گرامی اس قدر بابرکت ہے کہ اس کے ذکر اور توسل سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے، آپ کا نام مبارک تمام پیغمبروں پر مقوی اور مددگار جانتے تھے اور ان کا اس پر بھی یقین تھا

کہ کافرکشی اور باطل دینوں کو ختم کرنے کے لیے آپ کا نام مبارک ایک لشکر جرار کے قائم مقام ہے، ﴿ایضاً: ۳۲۹﴾ مولانا محمد علی کاندھلوی لکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے یہودی بڑی بے چینی کے ساتھ اس نبی کے منتظر تھے، جس کی بعثت کی انبیا نے بشارت دی تھی ، دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار پر غلبہ ملے اور ہمارے عروج کا دور شروع ہو، خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدی سے پہلے بھی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تکیہ کلام تھا کہ اچھا اب تو جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کرلے، جب وہ نبی آئے گا تو ہم سب ان ظالموں کو دیکھ لیں گے ، ﴿معالم القرآن ص ۳۹۷﴾

نہ دانم آں گل رعنا چہ رنگ بود
کہ مرغ ہر چمن گفتگوئے او دارد

تورات میں شان حبیب ﷺ:

حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا تورات میں حضور پیغمبر نور ﷺ کے اوصاف مذکور ہیں، انہوں نے فرمایا، ہاں اللہ کی قسم قرآن پاک میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں' انہیں میں سے بعض کا تورات میں بھی ذکر ملتا ہے، مثلاً:

یر اور ان پڑھوں کا محافظ بنا کر بھیجا،
نام متوکل رکھا ہے، نہ تم بد خلق ہو اور
والے ہو، تم برائی کا بدلہ برائی سے
للہ تعالیٰ اس کو اتنی دیر تک دنیا سے نہ
ہوئی ملت کو سیدھا نہ کر دے، یہاں
ت کے لائق نہیں، اور اس کی برکت
کانوں کو شنوائی نصیب ہو جائے اور
ل ہو جائے، ﴿بخاری، دارمی ۱۴، مشکوۃ
۵۳:۱، شواہد النبوۃ ص ۹﴾

وہ
عباس
کے وسیلے سے
شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں
ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے
طفیل سے کافروں پر فتح عطا فرما،

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تورات میں حضور پیغمبر نور ﷺ کی مدحت و توصیف کا کس طرح بیان ہے تو آپ نے فرمایا، تورات میں اس طرح مذکور ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ میرے بندے مختار ہیں' ان کی ولادت گاہ مکہ مکرمہ ہے اور ہجرت گاہ مدینہ منورہ ہے' ان کے امتی اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد کرنے والے ہیں، وہ خوشی اور غم میں اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے اور ہر بڑائی کے مقام پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے، نماز کو اپنے وقت پر قائم کریں گے خواہ وہ کوڑا کرکٹ کی جگہ پر کیوں نہ ہو، وہ اپنے وسطوں پر آزار بند استعمال کریں گے اور اپنے اطراف کو روشن رکھیں گے، رات کو ان کی دھیمی آوازیں آسمانی فضا کو ﴿ذکر خدا سے﴾ سرشار کر دیں گی، ﴿داری ص ۱۴، مشکوٰۃ ۵۱۴، کتاب الوفا: ۳۸﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، تورات میں حضور پیغمبر نور ﷺ کا نام احمد الضحوک ہے یعنی بہت زیادہ مسکرانے والا احمد ﴿شواہد النبوۃ ص ۹﴾ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہود کے بہت بلند پایہ عالم تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ کے رخ اقدس کو دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے، ان کا بیان ہے، تورات میں آپ کے یہ اوصاف منقول ہیں، تحقیق ہم نے تمہیں اپنی امت پر شاہد بنا کر مبعوث فرمایا جبکہ تم اہل اطاعت کو جنت اور رضائے الٰہی کی بشارت سنانے والے ہو اور اہل معصیت کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور غضب جبار و قہار سے ڈرانے والے ہو' امت امیہ کے ملجا و ماویٰ اور سہارا ہو، ﴿کتاب الوفا: ۵۵﴾ تورات کی کتاب استثنا میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

⊙...... اللہ کریم نے مجھے فرمایا ہے کہ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا، اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے گا' تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا، ﴿باب ۱۸ آیت ۱۸﴾

⊙...... خداوند سینا سے آیا، شعیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا، اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی اور بے قوموں سے محبت رکھتا ہے، ﴿ایضاً باب ۳۳ آیت ۲﴾

⊙...... کس نے مشرق سے اسکو برپا کیا جسکو وہ صداقت سے اپنے قدموں میں بلاتا ہے، وہ

قوموں کو اس کے حوالے کرتا ہے اور اسے بادشاہوں پر مسلط کرتا ہے اور ان کو خاک کی مانند اس کی تلوار کے اور اڑاتی ہوئی بھوس کی مانند اسکی کمان کے حوالہ کرتا ہے، وہ ان کا پیچھا کرتا اور اس راہ سے جس پر پیشتر قدم نہ رکھا تھا سلامت گزرتا ہے، ﴿کتاب یسعیاہ باب ۴۱ آیت ۲﴾

زبور میں شان حبیب ﷺ:

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی، **یا داود انه ساتی من بعدک نبی اسمه احمد و محمد صادقا نبیاً**، اے داود! عنقریب تیرے بعد ایک نبی تشریف لائے گا جسکا نام احمد اور محمد ہو گا، وہ سچا نبی ہے، میں اس سے کبھی ناراض نہ ہوں گا، اس کے سبب سے اس کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمادوں گا، اسکی امت، امت مرحومہ ہوگی، اس کی امت کو میں نوافل عطا کروں گا جو انبیا کرام کو عطا کیے تھے، اور ایسے فرائض عطا کروں گا جو سابقہ انبیا کرام کو عطا کیے تھے، امت محمدیہ میرے پاس اس حال میں آئے گی کہ اسکا نور انبیا کرام کے نور کی مانند ہوگا، میں نے اس امت پر نماز کے لیے وضو فرض کیا ہے جس طرح انبیا کرام کرتے ہیں اور حج کا حکم دیا جس طرح انبیا کرام کو دیا ہے اور جہاد کا حکم دیا جسطرح انبیا کرام کو دیا ہے، **یا داود انی فضلت محمداً و امته علی الامم کلهم** اے داود میں نے محمد مصطفےٰ ﷺ اور اس کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۷، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۲۲﴾ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

> "مجھے زبور کے ایک ایسے نسخے کا علم ہے جس کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں اور میں نے اس کی چوتھی سورت میں لکھا ہوا دیکھا ہے، اے داؤد! میرے حکم کو بغور سن اور اپنے بعد آنے والے سلیمان کو بھی حکم عطا کردے کہ وہ بھی لوگوں کو بتائے، **ان الارض اورثها محمد و امته** بے شک میں محمد مصطفےٰ ﷺ اور اس کی امت کو زمین کا وارث بناؤں گا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۷، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۲۲﴾

اس حکم کی تصدیق قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں موجود ہے، **ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون**، اور بے شک ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا کہ زمین میرے نیک بندوں کی وراثت ہوگی، ﴿سورۃ الانبیا﴾

حضرت امام یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بے شک زبور میں یہ آیت موجود ہے، **ان اللہ اظھر من صیفو ن اکلیلا محمو دا** ، یعنی اللہ تعالیٰ نے سرزمین عرب سے تعریف کی گئی نبوت کو ظاہر فرمایا، ﴿حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۰۴﴾ ۔

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم
لا جرم روئے ترا دیدم واز جا رفتم

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں' زبور کے چوالیسویں باب میں حق تعالیٰ اپنے نبی آخرالزمان ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے، **فاضت النعمة من شفتیک** ، آپ کے دونوں ہونٹوں سے دنیا وآخرت کی نعمتیں فائض ہیں، **من اجل ھذا بارک اللہ لک الی الابد** ، اس کے لیے حق تعالیٰ نے آپ کو ابد تک برکت دی، لفظ فائض' فیض سے بنا ہے اور صراح میں فیض کا معنیٰ خبر کا پھیل جانا، پانی کا کثرت سے ہونا، ندی میں لبالب ہو کر بہنا اور پانی کا بہانا ہے اور حدیث مستفیض کا معنیٰ ہے حدیث کا بہت زیادہ پھیل جانا، فیاض کے معنی جوانمرد اور بہت زیادہ بخشش کرنے والے کے ہیں، **تقلد ایھا الجبار السیف** ، یعنی اے بزرگ اپنی شمشیر کو گردن میں حمائل کرو، بلاشبہ آپ کی شریعت وحکمت اور آپ کی سنت آپ کے داہنے ہاتھ کی بزرگی کے ساتھ پیوست ہے اور آپ کے تیر تیز کیے ہوئے ہیں اور ساری امتیں آپ کے ماتحت سرنگوں اور خمیدہ ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۱۹۵﴾ ایک اور مزمور میں ہے:

''وہ مالک ہوگا اور جود وسخا کرے گا، دریا سے دریا تک اور نہروں سے زمین کے آخری کنارے تک اور ان کے روبرو اپنے زانوؤں پر اہل جزائر بیٹھیں گے، ان کے سب دشمن اپنی زبان سے مٹی کو چاٹیں گے، سلاطین زمانہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور سر کو زمین پر رکھتے ہوئے حاضر ہوں گے اور ان کی امت کی فرماں برداری پر عجز وانکسار کریں گے، گردن جھکانے سے انہیں نجات دے گا، وہ نبی غمزدہ اور ستم رسیدہ لوگوں کو اس شخص سے جوان سے بہت زیادہ قوی ہوگا، رہائی عطا کرے گا، اور کمزور وناتواں کی جسکا کوئی مددگار نہ ہو' وہ مدد فرمائے گا اور ضعفا اور مساکین پر مہربانی کرے گا اور ان پر ہر

وقت درود بھیجا جاتا رہے گا اور ان کے لیے ہر وقت دعائیں کی جاتی رہیں گی اور ابدالاباد تک ہمیشہ ہمیشہ ان کے ذکر کا چرچا رہے گا ﴿ایضاً: ۱۷﴾ موجودہ زبور بھی تورات وانجیل کی طرح تحریف شدہ ہے، لیکن اسمیں بھی حضور پیغمبر نور ﷺ کی شان وعظمت کے واضح اشارات موجود ہیں جو آج بھی دامن دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے، میں وہی مضمون سناؤں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلم بند کیے ہیں، میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے، تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے، تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے، اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ مبارک کیا، اے زبردست تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت وشوکت ہے، اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی، حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو اور تیرا داہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا، تیرے تیر تیز ہیں، وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں، امتیں تیرے سامنے زیر ہوئی ہیں، اے خدا تیرا تخت ابدالاباد ہے، تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے، تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت کی، اس لیے تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے، تیرے ہر لباس سے مر اوا عود اور تج کی خوشبو آتی ہے، ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تاردار سازوں نے تجھے خوش کیا ہے، تیری معزز خواتین میں شاہزادیاں ہیں بلکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے، تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے جن کو تو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا، میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا، اس لیے امتیں ابدالاباد تیری شکر گزاری کریں گی،

﴿زبور باب ۴۵﴾

زبور کی ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام کے ممدوح میں یہ صفات پائی جاتی ہیں' حسین وجمیل ہونا .... صاحب قوت ہونا .... ساری مخلوقات سے افضل ہونا .... مبارک زمانے میں جلوہ گر ہونا .... فصاحت وشجاعت کا پیکر ہونا ....

میدان جنگ کا شہسوار ہونا..........مخلوقات کا سردار اور مطاع ہونا..........مشک وعنبر سے زیادہ خوشبودار لباس کا حامل ہونا..........شاہزادیوں کا شوہر ہونا..........اسکی اولاد کا سر دار ہونا..........ہر جگہ اس کی بزرگی کا چرچا ہونا..........ہمیشہ ہمیشہ اس کا ذکر پاک بلند ہونا..........اب ذرا غور کیا جائے کہ یہ جملہ صفات اور اوصاف صرف اور صرف حضور پیغمبر نور ﷺ کی ذات مقدسہ میں پائے جاتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

انجیل میں شان حبیب ﷺ:

انجیل کی موجودہ کتابوں میں بھی جابجا حضور پیغمبر نور، شافع یوم النشور، جلوۂ فضل شکور، نور علیٰ نور ﷺ کی داستان عظمت دکھائی دیتی ہے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

⊙...... اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے ﴿انجیل یوحنا باب ۱۴: ۱۵﴾

⊙...... میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ تمہارے پاس نہ آئے گا، ﴿ایضاً باب ۱۶: ۷﴾

⊙...... دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ راست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب ہو، ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا، ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو آئے گا، رب الافواج فرماتا ہے، پر اس کے آنے کے دن کی کس میں تاب ہے اور جب اس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا، ﴿انجیل ملاکی باب ۳: ۱﴾

⊙...... محبت کو زوال نہیں، نبوتیں ہوں تو موقوف ہو جائیں گی، زبانیں ہوں تو جاتی رہیں گی، علم ہو تو مٹ جائے گا کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے اور ہماری نبوت ناتمام لیکن جب کامل آئے گا تو ناقص جاتا رہے گا، ﴿انجیل اکرنتھیوں باب ۱۳: ۸ تا ۱۰﴾

⊙...... ایک شخص یوحنا نام آموجود ہوا جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا، یہ گواہی

کے لیے آیا کہ نور کی گواہی دے تا کہ سب کے سب اس کے وسیلے سے ایمان لائیں، وہ خود تو نور نہ تھے مگر نور کی گواہی دینے کو آیا تھا، حقیقی نور جو ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے، دنیا میں آنے کو تھا، وہ دنیا میں تھا اور دنیا اس کے وسیلہ سے پیدا ہوئی اور دنیا نے اسے نہ پہچانا ﴿انجیل یوحنا باب ۱: ۶﴾

⊙...... لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا، ﴿ایضا با۱۶: ۱۳﴾

⊙...... اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں، ﴿ایضا باب ۱۴: ۳۰﴾

انجیل کی ان تمام آیات میں جس رسول کی یہ صفات واوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے، آپ ہی تمام دنیا کے سردار ہیں، آپ ہی آئندہ کی خبریں عطا کرنے والے ہیں، آپ روح حق ہیں جس نے سچائی کا راستہ بتایا، آپ ہی نور مبین ہیں جس نے ہر آدمی کا دل روشن کردیا، آپ کی نبوت ہی تمام جہانوں کے لیے رحمتوں کا سرچشمہ ہے، آپ کے آنے سے تمام علوم مٹ گئے، اور علم مصطفٰے کا راج قائم ہوگیا، آپ ہی وہ رسول اعظم ہیں جس کے تمام بنی اسرائیل آرزومند تھے، آپ کی جلوہ فرمائی سے ایوان باطل میں زلزلے آگئے اور کسی میں ٹھہرنے کی تاب نہ رہی ؎

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

آپ ہی ابد تک مددگار ہیں اور ہمیشہ اپنی امت کے ساتھ ہیں، قرآن پاک نے فرمایا، جان لو بے شک تم میں اللہ کا رسول ہے ﴿سورۃ الحجرات﴾ اور فرمایا، اور یہ رسول تم تمام کا نگہبان ہے ﴿سورۃ البقرہ﴾، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد آپ کے سوا اور کون رسالت کا تاج پہن کر آیا؟ معلوم ہوا کہ آپ کی ذات مبارکہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دل کی مراد ہے، آنکھوں کی امید ہے اور زندگی کے بے تاب لمحوں کا حاصل ہے ؎

سوچا کہ ان کو باغ نبوت کا کیا کہوں
کانوں میں کہ گئی ہے صبا مسکرا کے پھول

انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کتنا واضح ارشاد موجود ہے:

⊙...... میں اپنے باپ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں فارقلیط عنایت کرے جو تمہارے ساتھ تا ابد ثابت وقائم رہے، وہ روح حق ہے اور وہ تمہیں ہر چیز سکھائے گا اور فرمایا بیٹا جانے والا ہے، ﴿اس سے کنایۃً اپنی ذات مراد لی ہے﴾ کیونکہ اب اس کے بعد فارقلیط آنے والا ہے، جو تمہارے بھیدوں کو زندہ کرکے ہر چیز بدل دے گا اور وہ میری گواہی دیں گے جیسا کہ میں ان کی گواہی دے رہا ہوں، میں تمہارے لیے امثال لایا ہوں اور وہ اس کی تاویل ﴿یعنی تفسیر وتشریح﴾ لائے گا، اور دوسرا وہ فارقلیط ایسا ہوگا جسے سارے جہاں میں کوئی بھی توڑنے کی طاقت نہ رکھے گا، اگر تم میری دعوت مانتے ہو اور مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری اس وصیت کو یاد رکھنا، میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہیں فارقلیط عنایت فرمائے جو آخر زمانہ تک تمہارے ساتھ رہے۔

﴿بحوالہ مدارج النبوۃ ۱:۱۹۲﴾

⊙...... فارقلیط نہیں آئے گا جب تک میں نہ جاؤں گا اور جب فارقلیط آئے گا تو جہان کو غلطی اور خطا پر سرزنش اور توبیخ کرے گا اور وہ اپنے پاس سے کوئی بات نہیں فرمائے گا، وہی فرمائے گا جو خدا سے سنے گا اور حق وصداقت کے ساتھ لوگوں کی سیاست فرمائے گا اور حوادث کی ان کو خبریں دے گا' ﴿ایضاً ۱:۱۹۳﴾

⊙...... وہ میری بزرگی اور عظمت بیان کرے گا اور میری نشانیوں کو معظم جانے گا۔ ﴿ایضاً ۱:۱۹۳﴾

ان آیات پر بھی غور کیا جائے وہ فارقلیط کون ہے جو ہمیشہ اپنی امت کے ساتھ ثابت و قائم رہے گا۔۔۔ جو ہر چیز کا علم عطا کرے گا[1] جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی بیان کرے گا، جو برائی پر سرزنش کرے گا، جو اپنی اسلامی سیاست کی بنیاد پر عظیم اسلامی حکومت قائم کرے گا، جو آخری زمانے تک رہے گا، حوادث زمانہ کی خبریں عطا کرے گا، جو ہر چیز کو بدل کر ایک عظیم انقلاب پیدا کرے گا، یہ تمام اوصاف وکمالات اور معجزات حضور پیغمبر نور ﷺ کی ذات کریمہ میں جلوہ گر ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم میں حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور ﷺ نے ہمیں جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونے والا ہے، سب کی خبر عطا کر دی، اس مضمون کی احادیث صحیح بخاری میں حضرت عمر فاروق اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں،

انجیل برناباس کے اقتباسات:

حضرت برناباس، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے محبوب حواری تھے، انہوں نے بھی انجیل کا ایک مجموعہ تشکیل دیا ہے جسکو موجودہ دور کے اکثر عیسائی حضرات تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ ان کی مستند شخصیت ''فادر سیل'' نے اپنے مقدمہ ترجمہ قرآن مطبوعہ ۱۸۵۰ء میں اس انجیل کا حوالہ رقم کیا ہے اور اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے، انجیل برناباس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ساری انجیل حضور پیغمبر نور مظہر شان غفور ﷺ کا صحیفہ نعت بن کر نازل ہوئی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت مبارکہ کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ آپ توحید کے ساتھ ساتھ پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی نبوت و رسالت کا پرچار کریں، آپ کے اس مقصد کو صحیح طریقے سے انجیل برناباس کے مندرجات ہی پورا کرتے ہیں، لہذا کوئی مانے یا نہ مانے، انجیل کا کسی حد تک درست نسخہ اسی کو قرار دیا جاسکتا ہے، لیجئے چند اقتباسات کا مطالعہ کیجئے:

……﴿1﴾……

Blessed be the holy name of God, who of his Godness and mercy willed to create his creatures that they might glorify him.Blessed be the holy name of God, Who created the splendour of all the saints and prophets before all things to send him for the salvation of. the world as he spake by his servant david saying . Befor bucifer in the brigtness of the saints I created thee. Blessed be the holy name of God, Who created the angels that they might serve him.

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، مبارک ہو خدا کا پاک نام جس نے اپنی بھلائی اور رحمت سے اپنی مخلوق پیدا کرنے کی مشیت کی تاکہ وہ اس کی تمجید کریں، مبارک ہو خدا کا پاک نام جس نے تمام قدوسوں اور نبیوں کے سرتاج یعنی خدا کے آخری رسول کو تمام مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا تاکہ اسے دنیا کی نجات کے لیے بھیجے، جیسا کہ اس نے اپنے بندے داود کی زبانی فرمایا کہ ستارۂ صبح سے پہلے قدوسوں کی تابانی میں، میں نے تجھے پیدا

کیا، مبارک ہو خدا کا پاک نام جس نے فرشتے پیدا کیے تا کہ وہ اس ﴿آخری رسول﴾ کی خدمت کریں، ﴿انجیل برناباس باب ۱۲ص ۱۰﴾

......﴿2﴾......

Aadam having sprung up upon his feet, saw in air a writting that shone like the sun, which said, there is only on God, and Mohammad is the messenger of God. Where upon Aadam opened his mouth and said, i thanke thee O lord my God, that thouhast deignet to create me but tell me, I pray thee, what meanth the message of those words. Mohammad is messenger of God. Have there been other men before me?

ترجمہ: جب آدم اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے ہوا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمکتی تھی کہ خدا ایک ہی ہے اور محمد خدا کا رسول ہے، اس پر آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا، اے خداوند میرے خدا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میری تخلیق کی تقدیر فرمائی مگر میں منت کرتا ہوں مجھے بتا ان الفاظ کا کیا مطلب ہے، محمد خدا کا رسول ہے، کیا مجھ سے پہلے اور انسان بھی ہوئے ہیں، ﴿ایضا باب ۳۹ص ۴۵﴾

......﴿3﴾......

Aadam besought God saying. Lord grant me this writting upon the nails of the fingers of my hands. Then God gave to the first man upon his thumbs that writting upon the thumb nail of the right hand it said, there is only one God and upon the thumb nail of the left it said, Mohammad is messenger of God. then with fatherly affection the first man kissed those words and rubbed his eyes and said blessed be that day when thou shalt come to the world.

ترجمہ: آدم نے خدا کی منت کی کہ اے خداوند یہ تحریر میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر

درج فرمادے، تب خدا نے پہلے انسان کے انگوٹھوں پر تحریر درج کردی، دائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا، خدا ایک ہی ہے، اور بائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا، محمد خدا کا رسول ہے، تب پہلے انسان نے پدرانہ شفقت سے یہ الفاظ چومے اور اپنی آنکھیں ملیں اور کہا، مبارک ہو وہ دن جب تو دنیا میں آئے۔ ﴿انجیل برناباس باب ۲۹ ص ۳۹﴾

﴿4﴾

ترجمہ: تب یسوع نے کہا میں ایک آواز ہوں جو سارے یہودیہ میں پکارتی ہے کہ خداوند کے رسول کے لیے راہ تیار کرو، جیسا یسعیاہ کی کتاب میں لکھا ہے، انہوں نے کہا اگر تو مسیح نہیں، نہ ایلیاہ نہ کوئی نبی تو نئے عقیدے کیوں سکھاتا ہے اور مسیح سے زیادہ اپنا چرچا کراتا ہے، یسوع نے جواب دیا جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے کراتا ہے، ان سے ظاہر ہے کہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا کی مرضی ہے، نہ میں فی الواقع اپنے تئیں وہ کہلواتا ہوں جس کا تم ذکر کرتے ہو' کیونکہ میں اس لائق نہیں کہ خدا کے اس رسول کی جرابوں کے بند یا جوتوں کے تسمے کھول سکوں، جسے تم مسیح کہتے ہو' جو مجھ سے پہلے بنایا گیا اور میرے بعد آئے گا اور سچائی کا کلام لائے گا کہ اسکے دین کی انتہا نہ ہوگی، ﴿ایضا باب ۴۴ ص ۵۵﴾

﴿5﴾

ترجمہ: پس میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول ایک شان ہے جو تقریباً سب کو جنہیں خدا نے بنایا ہے مسرت بخشے گا، کیونکہ وہ آراستہ ہے فہم اور صلاح کی روح سے، عقل اور طاقت کی روح سے، خوف اور محبت کی روح سے، دانائی اور اعتدال کی روح سے، وہ آراستہ ہے سخاوت اور رحم کی روح سے، انصاف اور تقویٰ کی روح سے، شرافت اور صبر کی روح سے جو اسے خدا نے اپنی تمام مخلوقات سے تین گنی زیادہ عطا کی ہیں، کیا ہی مبارک ہے وہ وقت جب وہ دنیا میں آئے گا، یقین جانو میں نے اسے دیکھا ہے اور اسکی تعظیم کی ہے، جیسے ہر نبی نے اسے دیکھا اور اسکی تعظیم کی کیونکہ اسی کی روح سے خدا نے انہیں نبوت دی اور جب میں نے اسے دیکھا اور میری روح تسکین سے بھر گئی، یہ کہہ کر کہ اے محمد! خدا تیرے ساتھ ہو، اور وہ مجھے اس لائق بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھول سکوں، کیونکہ یہ ﴿شرف﴾ پا کر میں ایک بڑا نبی اور خدا کا قدوس ہو جاؤں گا، اور یہ کہہ کر یسوع نے خدا کا شکر ادا کیا، ﴿ایضا باب ۴۴ ص ۵۴﴾

......﴿6﴾......

Verify I say to you the moon shall minister sleep to him in his boy hood, and when he shall be grown up he shall take her in his hands. the world be ware of casting him out.

ترجمہ: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کے بچپن میں چاند اسکو لوریاں دے کر سلایا کرے گا، اور جب وہ بڑا ہوگا تو چاند کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے گا، دنیا اسکو ٹھکرا دینے پر خبردار رہے،

﴿ایضاً باب ۷۲ ص ۸۵﴾

......﴿7﴾......

He shall come with trouth more clear tham that of all the Prophets and shall reprove him who useth the world ariss. the towers of the city of our father, shall greet one an other for joy and so when idolatry shall be seen to fall to the ground and confess me a man like other men, verify i say unto your the messenger of God shall be come.

ترجمہ: وہ تمام نبیوں سے زیادہ واضح سچائی کے ساتھ آئے گا اور اسے سرزنش کرے گا جو دنیا کو غلط طور پر برتتا ہے، ہمارے باپ کے شہر کے برج خوشی سے ایک دوسرے کو مبارک کہیں گے، سو جب بت پرستی خاک میں ملتی نظر آئے اور مجھے دوسرے انسانوں کی طرح انسان مانا جائے تب میں تم سے سچ کہتا ہوں، خدا کا رسول آ گیا ہوگا، ﴿ایضاً باب ۷۲: ۸۵﴾

......﴿8﴾......

THEN said and rew. Master, tell us som sign, that we may know him. JESUS answered. He will not come in your time. but will come some years after you, when my gospel shall be annuleed, insomuch that there shall be scarcely thirty faithful. AT that time GOD will have mercy

on the world, and so he will send his messenger. Over whose head will rest a white cloud. Whereby he shall be hnown of one elect of GOD, and shall be by him manifested to the world. He shall come with great power against the ungodly. and shall destroy idolatry upon the earth. AND it regoieeth me because that though him our GOD shall be known and glerified, and i shall be hnown to be true.

ترجمہ: تب اندریاس نے کہا استاد! ہمیں کوئی نشانی بتا، کہ ہم اسے جان لیں۔ یسوع نے جواب دیا، وہ تمہارے وقت میں نہ آئے گا۔ بلکہ تمہارے چند سال بعد آئے گا۔ جب میری انجیل کالعدم کردی جائے گی یہاں تک کہ بمشکل تیس ایمان دار رہ جائیں گے، اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا۔ سو وہ اپنا رسول بھیجے گا جس کے سر کے اوپر ایک سفید بادل چھایا رہے گا جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جان لیا جائے گا اور خدا اسی کے ذریعے دنیا پر ظاہر ہوگا اور وہ بے دینوں پر بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا اور زمین پر بت پرستی کو نیست کردے گا اور اس سے مجھے مسرت ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ ہمارے خدا کی معرفت اور تمجید ہوگی اور میرا سچا ہونا معلوم ہوگا۔ ﴿انجیل برناباس ۸۴ باب ۷۲﴾

﴿9﴾

THEN said GOD. BE thou welcome. O my servant ADAM I tell thee that thou art the first man whom I have created. AND be whom thou best seen (mentioned) is thy son, who shall come into the world many years hence, and shall be my messenger, for whom I have created all things. Who shall give light to the world when he shall come, whose soul was set in celestial splendour sixty thousand years before I made any thing.

ترجمہ: خدا نے کہا مرحبا، اے میرے بندے آدم میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے۔

جسے میں نے پیدا کیا اور وہ جسے تو نے دیکھا ہے تیرا بیٹا ہے جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا اور میرا رسول ہوگا جس کے لیے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ جو آئے گا تو دنیا کو نور عطا کرے گا جس کی روح میرے ہر چیز پیدا کرنے سے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔ ﴿انجیل برناباس ۳۶ باب ۳۹﴾

......﴿10﴾......

When these sings be passed. there shall be darkness over the wrold forty years. GOD alone being alive, to whom be honour and glory for ever. WHEN the forty year be passed. GOD shall give life to his messenger, who shall rise again like the sun. but resplendent as a thousand suns. He shall sit, and shall not speak, for the shall be as it were beside himself, GOD shall raise again the four angels favoured of the GOD. who shall seek the messenger of GOD. and , having found him, shall station themselves on the four sides of the place to keep watch upon him. Next shall GOD give life to all the angels, who shall come like hees circling round the messenger of GOD. NEXTshall GOD life to all his Prophets, who folowing ADAM. shall go every one to kiss the hand of the messenger of GOD, committing themseives to his Protection. NEXT shall GOD give life to all the elect, who shall cry out.O MOHAMMAD be mindful of us. AT whose cries pity shall awake in the messenger of GOD.

ترجمہ: جب یہ نشانیاں ہو چکیں گی تو دنیا پر چالیس سال تاریکی چھائی رہے گی جب تنہا خداوند ہوگا جو ابد تک محمود اور مجید ہوا۔ جب یہ چالیس سال گزر جائیں گے تو خدا اپنے

رسول کو زندہ کرے گا جو پھر سورج کی طرح مگر ہزار سورجوں جیسا تابندہ اٹھے گا۔ وہ بیٹھ جائے گا مگر بات نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ گویا بے خود سا ہوگا۔ پھر خدا اپنے چاروں برگزیدہ فرشتے اٹھائے گا۔ جو خدا کے رسول کو تلاش کریں گے اور اسے پاکر اس جگہ کے چار اطراف پر اس کی نگہبانی کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد خدا تمام فرشتوں کو جلائے گا جو خدا کے رسول کے گرد مہالوں یا شہد کی مکھیوں کی طرح چکر لگاتے آئیں گے اس کے بعد خدا اپنے تمام نبیوں کو زندگی بخشے گا جو آدم کے پیچھے ایک ایک کر کے خدا کے رسول کا ہاتھ آ کر چومیں گے اور اپنے تئیں اس کی پناہ میں سونپ دیں گے۔ پھر خدا تمام برگزیدوں کو زندہ کرے گا جو پکار اٹھیں گے، اے محمد! ﷺ ہمارا خیال رکھیو ان کی پکاروں پر خدا کے رسول کا رحم جاگ اٹھے گا۔ ﴿انجیل برناباس ص ۲۴۔۲۵ باب ۵۴﴾

﴿11﴾

AND when he hath drawn night unto the throne. GOD shall open (his mind) unto his messenger. evan as a mend, unto a freind when for a long while they have not wet. THE first to speak shall be the messenger of GOD. who shall say. I adore and love thee. O my GOD and with all my heart and soul I give thee thanks for that thou didst vouchsafe to create me to be thy servant. and madest for love of me, so that I might love thee for all things and in all things and above all things.

ترجمہ: اور جب وہ ﴿حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ﴾ تخت کے قریب پہنچے گا تو خدا اپنے رسول سے ﴿اپنا ذہن﴾ کھولے گا جیسے ایک دوست سے جب وہ بہت مدت سے نہ ملے ہوں۔ بولنے میں پہل خدا کا رسول کرے گا' میں تیری پرستش اور تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ اے میرے خدا اور اپنے سارے دل و جان سے تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے پیدا فرمایا کہ تیرا خادم بنوں اور میری محبت میں سب کچھ بنایا تا کہ میں تجھ سے سب چیزوں کی خاطر اور سب چیزوں میں اور سب چیزوں سے بڑھ کر محبت کروں۔ ﴿انجیل برناباس ص ۲۶ باب ۵۵﴾

......﴿12﴾......

AND GOD shall speak unto his messenger say. Thou art welcome,O my faithful servant. therefore ask what thou wait, for thou shalt obtain all. THE messanger of GOD shall answer. O LORD I remember that when thou didst: create me. thou saidst that thou hadst widled to make for love of me the world and paradise and angel and men, that they might glorify thee by me thy servant. Therefore, LORD GOD, merciful and just. I pray thee that thou recollect thy promise made unto thy servant.

ترجمہ: اور خدا اپنے رسول سے کلام کرے گا کہ تیرا آنا مبارک، اے میرے وفادار بندے سو مانگ جو تو چاہے کہ تجھے سب کچھ ملے گا۔ خدا کا رسول جواب دے گا۔ اے خداوند، مجھے یاد ہے! کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو فرمایا تھا کہ میری محبت میں تو دنیا اور بہشت اور فرشتے اور انسان بنانا چاہتا ہے تا کہ وہ مجھ تیرے بندے کے واسطے سے تیری تمجید کریں۔ سو خداوند، خدائے رحیم و عادل میں تیری منت کرتا ہوں کہ اپنے خادم سے اپنا کیا ہوا وعدہ یاد فرما۔ ﴿انجیل برناباس ص۲۶ باب ۵۵﴾

......﴿13﴾......

AND GOD shall make answer even as a friend who jesteth with a friend, and shall say. HAST thou witnesses of this my friend MOHAMMAD ana with reverence he shall say . YES LORD. THEN GOD shall answer GO call the, O GABRIEL. THE angle GABRIEL shall come te them messenger of GOD, and shall say, LORD who are the witnesses? THE messenger of GOD shall answer. They are ADAM, ABRAHAM, ISHMAE MOSES, DAVID, and JESUS son of MARY.

Then shall the angel depart, and he shall call the aforesaid witnesses, who with fear shall go thither AND when they are present GOD shall say unto them. REMEMBER ye that which my messenger afirmeth? THEY shall reply. WHAT thing O LORD GOD shall say. THAT I have made all things for love of him, so that all things might praise me by him. THEN everyone of them shall answer.THERE are with us. there witnesses batter than weare. O LORD. AND GOD shall reply. WHO are these three witnesses? THEN MOSES shall say

THE book that thou gavestto me is the first. and DAVID shall say. THE book that thou gavest to me is the second, and he who speaketh to you shall say. LORD the whole world deceived by SATAN said that I was thy son and thy fellow. but the book that thou gavest me said truly that I am thy sevant. and that book con festh that which thy messenger affirmeth. Then shall the messenger of GOD speek and shall say thus saith the book that thou gavest me O LORD and when the messenger of God hath said this. GOD shall speak, say me. All that I have now done. i have done in order that every one should know how much I love thee. AND when he hath thus spoken, GOD shall give unto his messenger a book, in which are written all the names of the elect of GOD, saying. To the alone. O GOD. be glory and honom, because thou hast given unto they messenger

ترجمہ: اور خدا جیسے ایک دوست دوست سے ہنسی کرتا ہے، فرمائے گا، کیا تم سے اس اس

بات کے گواہ ہیں اے میرے دوست محمد ﷺ اور وہ ادب سے کہے گا: ہاں، خداوند، تب خدا جواب میں کہے گا جا اور انہیں بلا، اے جبریل۔ فرشتہ جبریل خدا کے رسول کے پاس آئے گا اور کہے گا۔ آقا! تیرے گواہ کون ہیں! خدا کا رسول جواب دے گا۔ وہ ہیں آدم۔ ابرہام۔ اسماعیل۔ موسےٰ۔ داؤد اور یسوع مریم کا بیٹا۔ تب فرشتہ جا کر ان مذکور گواہوں کو بلائے گا جو ڈرتے ہوئے ادھر جائیں گے اور جب وہ حاضر ہو جائیں گے تو خدا ان سے کہے گا۔ میرا رسول جس بات کا دعویٰ کرتا ہے وہ تمہیں یاد ہے۔ وہ جواب میں کہیں گے، کیا بات اے خداوند۔ خدا فرمائے گا کہ میں نے اس کی محبت میں سب چیزیں بنائیں تا کہ سب چیزیں اس کے واسطے سے میری حمد کریں۔ تب ان میں سے ہر ایک جواب دے گا۔ خداوند ہمارے پاس تین گواہ ہم سے بہتر ہیں۔ اور خدا جواب دے گا۔ یہ تین گواہ کون ہیں؟ تب موسیٰ کہے گا پہلا وہ کتاب ہے جو تو نے مجھے عطا کی۔ اور داؤد کہے گا دوسرا وہ کتاب ہے جو تو نے مجھے دی۔ اور جو تم سے مخاطب ہے، کہے گا۔ خداوند ساری دنیا نے شیطان کے بہکانے سے مجھے تیرا بیٹا اور تیرا ساجھی کہا مگر جو کتاب تو نے مجھے دی اس نے سچ سچ کہا کہ میں تیرا بندہ ہوں اور جو تیرا رسول دعویٰ کرتا ہے، یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے۔ تب خدا کا رسول گویا ہو کر کہے گا۔ اے خداوند! جو کتاب تو نے مجھے دی ہے وہ بھی یہی کہتی ہے اور جب خدا کا رسول یہ کہہ چکے گا تو خدا اپنے رسول کو ایک کتاب عطا کرے گا۔ جس میں خدا کے تمام برگزیدوں کے نام درج ہیں۔ تب ہر مخلوق خدا کی تقدیس کرے گا۔ تجھی کو اے خدا جلال اور عزت ہو۔ کیونکہ تو نے ہمارے تئیں اپنے رسول کو دیا ہے۔ ﴿انجیل برناباس ص ۶۶۔ ۶۷ باب ۵۵﴾

......﴿14﴾......

GOD shall open the book in the hand of his messenger, and his messenger reading therein call all the angels and prophets and all the elect, and on the fore head of each one shall be written the mark of the messenger of GOD AND in the book shall be written the glory of Paradise. THEN shall each pass to the right hand of GOD next to who me shall sit the messenger at

GOD, and the prophets, shall sit near him, and the saints shall sit near the prophets, and the blessed near the saints, and the angel shall than sound the trumpet and shall call satan to judgement

ترجمہ: خدا اپنے رسول کے ہاتھ میں وہ کتاب کھولے گا اور اس کا رسول اس میں سے پڑھ کر تمام فرشتوں اور نبیوں اور سب برگزیدوں کو بلائے گا اور ہر ایک کی پیشانی پر خدا کے رسول کی نشانی لکھی ہوگی اور کتاب میں بہشت کی شان لکھی ہوگی۔ تب خدا کے داہنے ہاتھ ہر ایک چلا جائے گا۔ خدا کے برابر خدا کا رسول بیٹھے گا اور اس کے بعد نبی بیٹھیں گے اور نبیوں کے بعد ولی بیٹھیں گے اور ولیوں کے بعد نیکوکار بیٹھیں گے اور تب فرشتہ نرسنگا بجا کر ابلیس کو عدالت کے لیے طلب کرے گا۔ ﴿انجیل برناباس ص ۶۷۔۶۸ باب ۵۵۔۵۶﴾

﴿15﴾

JESUS answered. LET not your heart be trubled. neither be ye fearful. FOR I have not created you. GOD our creater who hath created you will protect you AS for me. I am now come to the world to Prepare the way for the messenger of GOD, who shall bring salvation to the world. But beware that ye be not deceived. for many false Prophets shall come, who shall take my words and contaminate my gospel.

ترجمہ: تمہارا دل نہ گھبرائے نہ تم خوف زدہ ہو کیونکہ میں نے تمہیں پیدا نہیں کیا۔ بلکہ خدا ہمارا خالق جس نے تمہیں پیدا کیا تمہیں بچائے گا۔ رہا میں تو میں اب دنیا میں خدا کے رسول کے لیے راہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لیے نجات لائے گا، پر خبردار رہو کہ دھوکہ نہ کھانا کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے جو میرا کلام لیں گے اور میری انجیل کو ناپاک کریں گے۔

﴿انجیل برناباس ص ۸۴ باب ۷۲﴾

انجیل برناباس کے ان ایمان افروز اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی ہر محفل وعظ اور مجلس نصیحت حضور پیغمبر نور ﷺ کی یادوں سے لبریز ہوتی تھی، آپ کا وجود مسعود اس انجم سحر کی طرح تھا جو اپنے بعد خورشید عالمتاب کی خبر عطا کرتا ہے، آپ نے افق رسالت کے نیر تاباں کی بشارت سنا کر زمانے کی تاریک راتوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، صحائف انبیا، تورات، زبور اور انجیل میں تذکار محبوب کی کہکشاں دیکھ کر یہودی اور نصرانی قومیں سراپا انتظار تھیں، ان کے بزرگ اپنی اولاد کو آنے والے پیغمبر آخر ﷺ کے روشن کردار وافکار، بعثت کے نشانات وعلامات اور نبوت کے فضائل وخصائص سے آگاہ کرتے رہتے تھے، یثرب اور خیبر کے علاقوں میں یہودیوں اور نصرانیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی جو صدیوں سے سرکار مدینہ ﷺ کا راستہ ناپ رہی تھی، اس تاریخی حقیقت پر بھی ہزاروں شواہد موجود ہیں، چند ایک کا مطالعہ کر کے حضور پیغمبر نور ﷺ کی آمد آمد کو سلام نیاز پیش کیجیے:

بادشاہ یمن کا عریضہ:

اکابر محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی اپنی مستند کتابوں میں درج کیا ہے کہ تبع نامی یمن کے بادشاہ کا مدینہ منورہ کی سرزمین پر گزر ہوا تو اس کے ہمراہ تورات کے چار سو جید علما بھی تھے۔ سب علما نے بادشاہ سے یہ عرض کیا کہ ہم کو اس سرزمین پر ٹھہر جانے کی اجازت دیجیے۔ ان کے عرض کرنے پر بادشاہ نے اس کا سبب پوچھا تو علما نے یہ کہا کہ ہم انبیا سابقہ کے صحائف میں یہ لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ایک نبی تشریف لائیں گے، ان کا مبارک اسم شریف محمد ہوگا اور یہ سرزمین ﴿مدینہ منورہ﴾ ان کی دار الہجرت ہوگی۔ اس پر بادشاہ نے ان سب علما کو وہاں پر قیام پذیر ہونے کی اجازت دے دی اور ہر عالم کے لیے علیحدہ علیحدہ مکان تعمیر کرایا اور سب کے نکاح کرا دیئے اور ہر ایک کو کثیر تعداد میں مال دیا اور ایک مکان خاص نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے تیار کرایا کہ جب نبی آخر الزمان ﷺ ہجرت فرما کر آئیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں اور آپ کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام لانے اور دیدار کے اشتیاق کا اظہار کیا، خط کا مضمون یہ تھا:

شهدت علی احمد انه　　رسول من الله باری النسم

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

فلو مد عمری الی عمرہ　　　لکنت و زیراً لہ و ابن عم

اگر میری عمران کی عمر تک پہنچی تو میں ضرور ان کا معین اور مددگار رہوں گا۔

وجاھدت بالسیف اعداءہٗ　　　و فرجت عن صدرہ کل غم

اور ان کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور ان کے دل سے ہر غم کو دور کردوں گا۔

تبع نے اس خط پر اپنی مہر بھی لگادی اور خط کو ایک عالم کے حوالے کر دیا اور کہا کہ اس کو بہت سنبھال کر رکھنا اگر تم نبی آخر الزمان ﷺ کا زمانہ پاؤ تو ان کی خدمت اقدس میں میرا یہ عریضہ پیش کر دینا، وگرنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کر دینا اور ان کو وصیت کرنا کہ اس کو سنبھال کر رکھے اور نبی آخر الزمان ﷺ کی خدمت بابرکت میں پیش کر دے، سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں سے تھے جس کو تبع نے عریضہ دیا تھا اور وصیت کی تھی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان جہاں سرور کائنات، فخر موجودات، محمد مصطفیٰ ﷺ کی اونٹنی ہجرت کے موقعہ پر رک گئی تھی اور آپ کی قیام گاہ کو رب العالمین نے معین فرمایا تھا، یہ وہی مکان تھا جو تبع نامی بادشاہ نے خصوصاً آپ کے لیے تعمیر کرایا تھا، بقیہ انصار مدینہ منورہ ان ہی چارسو علما کی اولاد سے ہیں، شیخ زین الدین مراغی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول مقبول ﷺ مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر نہیں بلکہ اپنے مکان پر جلوہ افروز ہوئے تھے تو بیجا نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ مکان درحقیقت آپ ہی کے لیے تیار کیا گیا تھا، سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قیام تو اس مکان میں محض آپ کی تشریف آوری کے انتظار کے لیے تھا، آپ کی تشریف آوری پر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے تبع بادشاہ کا وہ عریضہ بارگاہ نبوی میں پیش کر دیا۔ ﴿زرقانی شریف ص ۱:۳۵، وفاء الوفاء ص ۱:۱۳۳، روض الانف ص ۱:۲۴﴾

یہودی کیوں مسلمان ہو گئے:

حضرت مطرف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تستر فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک صندوق بھی دستیاب ہوا، اس میں ایک کتاب تھی، اس کے ہمراہ ایک عیسائی جس کا نام یغم تھا، کہنے لگا کہ یہ کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو، ہم نے کہا کہ یہ کوئی صحیفہ آسمانی ہے؟ تو اس نے کہا کیوں نہیں، میں نے کتاب بیچنے سے ذرا کراہت محسوس کی اور صندوق سمیت وہ کتاب اس کو دے دی، کچھ

عرصہ بعد جب میں بیت المقدس گیا تو وہاں ایک سوار دیکھا جس کی شکل یغم سے ملتی جلتی تھی، میں نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ تو یغم ہے تو اس نے کہا ہاں، میں نے اس سے پوچھا کہ تم ابھی تک نصرانی ہی ہو تو اس نے کہا کہ میں تو حلیف ہو چکا ہوں، میں اس کے ساتھ کعب الاحبار کی موافقت میں بیت المقدس چلا گیا، جب یہودیوں کے سرداروں نے یغم اور کعب کے آنے کی خبر سنی تو وہ ان کے پاس آئے، کعب نے وہ کتاب ان کو دی تا کہ وہ یہودی اس کو پڑھیں۔ ایک قاری پڑھتا رہا، جب آخری سطروں پر پہنچا تو وہ یہودی غصہ میں آگئے اور کتاب کو زمین پر پھینک دیا، اس پر یغم کو بھی غصہ آگیا اور کتاب اٹھا کر کہنے لگے کہ یہ کتاب قدیم ہے، جب تک تم اسے نہ پڑھو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ جب انہوں نے آخری سطریں پڑھیں تو ان پر یہ مضمون تھا، **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه و هو فی الاخرة من الخاسرین**، جو اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش کرے گا، اس کی کوئی چیز قبول نہیں ہوگی اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا، اسی روز احبار یہود میں سے بیالیس آدمی مسلمان ہوئے اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت سے تحائف اور عطیات دیئے۔ ﴿شواہد النبوۃ ص ۱۳۔۱۴﴾

عبدالمطلب کی نسل سے نبی:

خارجہ بن عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ہماری قوم کے چند بزرگوں نے بیان کیا کہ ہم مکہ مکرمہ میں بغرض عمرہ جا رہے تھے، ایک یہودی تجارت کے بہانے ہمارے ساتھ ہولیا، جب ہم مکہ پہنچے تو اس یہودی نے حضرت عبدالمطلب کو دیکھ کر کہا کہ "ما در کتب خود کہ تغیر و تبدل را بداں راہ نیست یافتہ ایم کہ از نسل ایں مرد پیغمبرے بیروں آید" ہم نے اپنی کتابوں میں جن میں تغیر و تبدل کا شائبہ تک نہیں یہ چیز دیکھی ہے کہ اس شخص کی نسل سے ایک پیغمبر ﷺ پیدا ہوگا، پھر وہ خود اور اس کی قوم ہمیں قوم عاد کی طرح قتل کرے گی۔ ﴿شواہد النبوۃ فارسی ۱۷، ۱۸﴾

طلب دین کے لیے سفر:

حضرت ورقہ بن نوفل اور زید بن عمر رضی اللہ عنہما نے دین کی طلب کے لیے سفر کیا، یہاں

تک کہ وہ موصل کے ایک راہب کے پاس پہنچے۔ راہب نے حضرت زید کو مخاطب کر کے کہا تم کہاں سے آئے ہو؟ زید نے جواب دیتے ہوئے کہا "بیت ابراہیم یعنی مکہ مکرمہ سے، راہب نے کہا۔ یہاں کیسے آئے ہو؟ زید نے جواب دیا، دین حق کی تلاش میں۔ اس پر راہب کہنے لگا، **ارجع فانہ یوشک ان یظھر الذی تطلب فی اوضک**، واپس چلے جاؤ جس کی تم کو تلاش ہے اس کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے اور اس کی بعثت تمہاری سرزمین میں ہوگی۔ ﴿کتاب الوفا لابن جوزی ۱:۴۶، شواہد النبوۃ ص ۴۷، خصائص الکبریٰ ص ۶۰، ۶۱﴾

ہارون علیہ السلام کی اولاد مدینہ منورہ میں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل بخت نصر کے قہر وغضب سے ڈر کر منتشر ہو گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ایک ایسی جماعت تھی کہ "در کتابہائے خود نعت رسول ﷺ خواندہ بودند" جنہوں نے ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نعت وتوصیف اپنی کتابوں میں پڑھی تھی، ان کو معلوم ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کا ظہور عرب کے اس گاؤں میں ہوگا جہاں کھجوروں کے درخت کثرت سے ہوں گے، انہوں نے شام کے علاقہ کو خیر آباد کہا اور شام اور یمن کے درمیان جتنے قصبے واقع تھے ان کو دیکھتے جاتے، لیکن ان کو کھجوروں کے درخت یثرب کے سوا کسی جگہ بھی نظر نہ آئے، پس وہ وہاں پر ہی اقامت گزین ہو گئے، اس امید پر کہ نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوں اور ان کی اتباع کریں لیکن انہیں اس یقین اور ایمان کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی موت آ گئی، انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کر دی کہ حضور پر نور ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کی متابعت کریں لیکن بدقسمتی سے ان کے بعض فرزند حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پانے اور ان کو پہچاننے کے باوجود بھی ایمان نہ لائے۔ ﴿شواہد النبوۃ ص ۱۵، خصائص الکبریٰ ۱:۶۳﴾

اپنے بچوں کو شان محمدی بتانا:

ابن ابونملۃ نے روایت کی ہے، **یدرسون ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی کتبھم و یعلمون الولدان بصفتہ واسمہ و مھاجرہ المدینۃ فلما ظھر حسدوا وبغوا وانکروا**، بنوقریظہ کے یہودی علما نبی پاک ﷺ کے ذکر

مبارک کا جوان کی کتابوں میں ہے، درس دیا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو آپ کی صفات، اسم مبارک اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے متعلق بتاتے تھے مگر جب نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے حسد کی وجہ سے انکار کر دیا۔ ﴿کتاب الوفا ص ۱:۴۲، طبقات ابن سعد ۱:۱۰۴، خصائص الکبریٰ ۱:۶۵﴾

حضور پرنور ﷺ کی بعثت گاہ:

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل میں ایک یوشع نامی یہودی تھا۔ میں نے بچپن میں اس کی زبان سے بیت اللہ شریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنا کہ یہاں سے ایک نبی عنقریب مبعوث ہوگا جو اس نبی کو دیکھے گا اس کی تصدیق کرے گا، جب رسول پاک ﷺ جلوہ افروز ہوئے تو ہم سب مسلمان ہو گئے لیکن وہ یوشع حسد اور نافرمانی کی وجہ سے مسلمان نہ ہوا۔ ﴿خصائص الکبریٰ ۱:۶۶، کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ ۱:۴۳﴾

یہودیوں کا ذکر رسول کرنا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو مالک بن سنان رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ انہوں نے کہا، میں قبیلہ بنو قریظہ کے یہود کے پاس آیا، **فاخذوا جمیعاً فتذاکرو النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، تو وہ سب یہود نبی پاک ﷺ کا ذکر خیر کر رہے تھے، ﴿کتاب الوفا ۱:۴۲، خصائص الکبریٰ ۱:۶۵﴾ بنو خزرج کے علاقوں میں یہودی آباد تھے، اور وہ یہودی عالم تھے، بنو خزرج بت پرست تھے، اور یہودیوں نے ان کے علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا، جب کبھی ان کے درمیان جھگڑا ہوتا تو یہودی ان سے کہتے تھے کہ بہت جلد ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، اس کا زمانہ بالکل قریب ہے، ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہارا قلع قمع کر دیں گے، جیسا کہ عاد اور ارم ملیا میٹ ہوئے ہیں، جب رسول کریم ﷺ نے بنو خزرج کو دعوت اسلام دی تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو کہا، جانتے ہو بخدا ضرور یہ ہی وہ نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے سے یہودی ہم کو ڈراتے تھے، اب یہ نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے ان کے پاس پہنچ جائیں اور ان کی دعوت قبول کر کے ان کی تصدیق کریں اور اسلام لے آئیں تو انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ ہم اپنی قوم اور مذہب کو چھوڑتے ہیں اور آپ کے دست حق پرست پر آپ کا دین اسلام قبول کرتے ہیں، ﴿تاریخ طبری ۱:۱۴۴﴾

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت تحریر فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زمین مدینہ منورہ سے باہر تھی، آپ اکثر اس کی دیکھ بھال کیلئے جاتے تھے، وہاں سے قریب ہی یہودیوں کا ایک مدرسہ تھا، آپ جب بھی اپنی زمین میں جاتے تو ضرور اس مدرسہ میں جاتے اور وہاں کے وعظ و نصیحت سنتے، اتفاقاً ایک دن مدرسہ میں اس وقت پہنچے جب وہاں یہودیوں کے سارے علما جمع تھے، سب نے کہا مرحبا! ہم آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور غالباً آپ بھی ہم سے محبت رکھتے ہیں، کیونکہ آپ کے سوا اور کوئی صحابی ہمارے مدرسہ میں نہیں آتا، آپ نے فرمایا اے یہودیو! میں اس لئے نہیں آتا کہ مجھے تم سے کوئی محبت ہے یا اپنے دین میں کوئی شک ہے یا تمہارے مذہب کی طرف کچھ میلان ہے، میں تو صرف اس لئے آتا ہوں کہ تمہاری کتابوں سے اپنے قرآن پاک کی حقانیت اور اپنے پیارے محبوب ﷺ کے فضائل معلوم کر کے اپنا ایمان مزید قوی کروں، الحمد للہ اتنے روز کی آمد و رفت میں اپنے دین پر میرا یقین اور بڑھ گیا اور تمہاری بدنصیبی اور بدبختی پر افسوس کرتا ہوں کہ تم تورات میں اس نبی ﷺ کے ایسے فضائل دیکھ کر بھی اس پر ایمان نہیں لاتے،

﴿تفسیر کبیر، کتاب الوفا:۵۱﴾

ابو عامر راہب اور شان مصطفےٰ ﷺ:

عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اوس اور خزرج قبائل میں سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کرنے والا ابو عامر راہب تھا، یہ یہودیوں سے نبی کریم ﷺ کی عقیدت اور محبت کا اظہار کرتا تھا اور ان کو ان کے دین کے متعلق بتاتا تھا، نیز اس نے یہ بتایا کہ مدینہ منورہ انکی ہجرت گاہ ہے، پھر وہ تیما کے یہودیوں کے پاس گیا اور ان کو بھی یہی باتیں بتائیں، پھر وہ ملک شام میں گیا اور ان کو بھی یہی بتایا، ابو عامر جب واپس آیا تو اس نے کہا، انا دین علیٰ دین الحنفیة، میں سیدھے دین پر ہوں، وہ راہب بن کر ہی زندگی گزارتا رہا اور کھدر کے کپڑے پہنتا تھا، انه ینتظر خروج النبی، وہ نبی کریم ﷺ کے ظہور کا انتظار کر رہا تھا۔ ﴿کتاب الوفا:۴۳، خصائص الکبریٰ ۱:۶۸﴾

یہودی ہمسائے کی گواہی:

سلمہ بن سلامہ بن وقش بیان کرتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل یہودیوں کے قبیلہ میں سے ایک یہودی ہمارا ہمسایہ تھا، وہ ایک دن حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل ہمارے پاس آیا، میں ان دنوں جوان تھا، اس یہودی نے قیامت، حساب، میزان، جنت اور دوزخ کا ذکر کیا، نیز کہا کہ مشرکوں اور بت پرستوں کو معلوم نہیں کہ ایک دن مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے اور بارگاہ الٰہ میں پیش ہونا ہے، مشرکین نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور ان کو اپنے اعمال کی وجہ سے جنت اور دوزخ کے مقام میں بھیجا جائے گا تو اس یہودی نے کہا ہاں، یہ سب کچھ ہوگا، تو مشرکین نے پوچھا یہ سب کچھ کب ہوگا ﴿**قال نبی یبعث من نحو هذا البلاد و اشار بیدہٖ نحو مکة والیمن**﴾ تو یہودی نے مکہ مکرمہ اور یمن کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جب ایک نبی پاک ﷺ ان شہروں میں مبعوث ہوں گے، اس پر مشرکین نے پوچھا کہ اس نبی پاک ﷺ کو ہم کب دیکھیں گے تو اس نے میری ﴿سلمہ بن سلامہ کی﴾ طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جب یہ لڑکا بڑھاپے کو پہنچ جائے گا، سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ عرصہ گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو مبعوث فرمایا اور وہ خبر دینے والا یہودی بھی اس وقت زندہ تھا، ہم آپ پر ایمان لے آئے مگر وہ محروم ہی رہا، ﴿کتاب الوفا ۱۴۷، تفسیر عزیزی فارسی ۱: ۳۲۹﴾

یہودی اور حلیہ مصطفےٰ ﷺ کا بیان:

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے زید بن عمرو بن نفیل کہا کرتا تھا کہ میں اولاد اسماعیل میں ایک نبی مکرم کے مبعوث ہونے کا منتظر ہوں اور وہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوگا، مجھے علم ہے کہ میں اتنی دیر تک زندہ نہ رہوں گا کہ انکو پاسکوں اور ان پر ایمان لاؤں اور ان کی نبوت کی شہادت دوں اور انکی تصدیق کرسکوں، البتہ اگر تم اس وقت تک زندہ رہو اور ان کو دیکھو تو ان کو میرا اسلام کہنا، میں ان کا حلیہ تم کو بتائے دیتا ہوں تاکہ تم کو ان کی شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو، میں

نے کہا حلیہ بتایئے تو اس نے کہا کہ وہ نہ کوتاہ قامت ہوں گے نہ دراز قامت، نہ ان کے سر کے بال بہت گھنے ہوں گے اور نہ چھدرے، ان کی آنکھوں میں سرخی ہوگی، مہر نبوت ان کے شانوں کے درمیان میں ہوگی نام احمد ہوگا، اسی شہر میں وہ پیدا اور مبعوث ہوں گے، پھر ان کی قوم ان کو یہاں سے نکال دے گی اور ان کی تعلیم کو پسند نہ کرے گی، پھر وہ یثرب کو ہجرت کر جائیں گے، وہاں ان کی بات بن جائے گی، دیکھو تم ان کے متعلق دھوکہ میں نہ آجانا، میں دین ابراہیم کی تلاش میں دنیا بھر میں پھرا ہوں، جس یہودی، عیسائی اور مجوسی سے میں نے دین ابراہیم کے متعلق پوچھا تو اس نے مجھ سے یہی کہا کہ وہ تو تمہارے وطن میں ہے اور انہوں نے آنے والے نبی کی وہی صفات بیان کیں جو میں نے تم کو بتائی ہیں، وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب صرف وہی نبی مبعوث ہوں گے، حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جو کہ راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ جب میں اسلام لایا تو زید بن عمرو کا قول رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا اور اس کا سلام عرض کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کا جواب دیا، اس کیلئے رحمت کی دعا فرمائی، نیز فرمایا کہ میں نے زید بن عمرو کو جنت میں خوب راحت کے ساتھ دیکھا، ﴿طبقات ابن سعد ا: ۱۰۵، تاریخ طبری ا: ۰۷ا، تاریخ کامل ۲: ۲۰﴾

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ:

محدث بیہقی اور ابن حجر عسقلانی اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے اپنی کتاب میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ درج فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک، آپ کی صفات اور آپ کا حلیہ مبارک پہلے ہی سے جانتا تھا، مگر کسی سے ظاہر نہیں کرتا تھا، جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں نے آپ کی خبر سنی تو میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا، وہیں سے خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، میری پھوپھی جان خالدہ بنت حارث نے کہا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر سنتا تو اس سے زیادہ خوش نہ ہوتا، میں نے کہا ہاں، خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں، وہی دین دے کر بھیجے گئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام دے کر بھیجے گئے تھے، میری پھوپھی نے کہا، اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں، جن کی ہم خبریں سنتے آئے ہیں کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوں گے، میں نے کہا، ہاں! یہ وہی نبی ہیں، پھر میں گھر سے نکل کر آپ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور مشرف با سلام ہو گیا، اور واپس آ کر اپنے تمام اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی تو سب نے اسلام قبول کیا۔ ﴿فتح الباری ۱: ۱۹۷﴾

ایک روایت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے اس طرح سے بھی مروی ہے جب رسول پاک ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کو دیکھنے کیلئے حاضر ہوا، فلما رأیت وجھه عرفت ان وجھه لیس بوجه کذاب، پس میں نے آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں، نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک سے پہلا کلام جو سنا، یہ تھا:

ایھا الناس افشوا السلام اطعموا الطعام وصلوا لا رحام وصلوا باالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام، اے لوگو! آپس میں سلام پھیلاؤ، آدمیوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات میں نماز پڑھو، جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔ ﴿ترمذی شریف، مدارج النبوۃ﴾

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں نے رسول کریم ﷺ کا چرچا سنا اور حضور ﷺ کی صفات و ہیئات اور جن جن باتوں کو ہم حضور ﷺ کیلئے توقع کر رہے تھے، سب پہچان لیں تو میں نے خاموشی کے ساتھ اسے دل میں رکھا، یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مجھے خبر پہنچی، میں نے تکبیر کہی تو میری پھوپھی بولی اگر تم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا آنا سنتے تو اس سے زیادہ کیا کرتے، میں نے کہا، اے پھوپھی خدا کی قسم وہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں" جس پر موسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے تھے اسی پر یہ بھی مبعوث ہوئے ہیں، وہ بولی یا بن اخی اھو النبی الذی کنا نخبربه انهٔ یبعث مع الساعة، اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی محترم ﷺ ہیں جن کی ہم خبر دیئے جاتے تھے کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوں گے، میں نے کہا، ہاں! ﴿دلائل النبوۃ بیہقی﴾

ہجرت یہود کا سبب:

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ کے ایک عمر رسیدہ شخص نے مجھ سے کہا کہ کیا تم کو ثعلبہ بن سعید، اسد بن سعید، اسد بن عبید اور بنی ہزل کی ایک جماعت کے مسلمان ہونے کے متعلق کچھ علم ہے، میں نے اس کی نفی میں جواب دیا تو اس

شخص نے مجھے ان کے اسلام لانے کا سبب یہ بتایا کہ شام کے یہود میں سے ابن الہیبان ایک شخص تھا، زمانۂ اسلام سے کچھ عرصہ پہلے وہ آیا اور ہمارے پاس آکر ٹھہرا، اس کی نیکی، پرہیز گاری اور بزرگی کا یہ عالم تھا کہ ہم نے اس سے بڑھ کر کسی شخص کو پانچ نمازیں اس خضوع اور خشوع سے پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، جب کبھی بارش کا قحط پڑتا تو ہم اس کے پاس آتے اور وہ بارش کیلئے دعا کرتا تو بارش ہو جاتی، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا، **یامعشر الیهود ماترون اخرجنی الارض الجوع والبوس**، اے گروہ یہود! کیا تم جانتے ہو کہ مجھے کون سی چیز اس بھوک اور تکلیف والی سرزمین پر لائی۔ ہم نے اس کو جواب دیا کہ تم بہتر جانتے ہو تو اس نے کہا: **انی قدمت هذه البلدة اتوكف خروج نبی قد اظل زمانه فلا تسبقن الیه یامعشر الیهود فانه یبعث بسفک الدماء وسبی الذراری والنساء مماخالفه فلایمنعکم ذالک منه**، میں اس شہر میں صرف اس لئے آیا تھا کہ یہ شہر اس نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے جو عنقریب ہجرت فرمانے والے ہیں، مجھے امید تھی کہ شاید وہ میری زندگی میں ہی مبعوث ہو جائیں گے تو میں ان پر ایمان لا کر ان کی اتباع کروں گا مگر ایسا نہ ہوا، اب تمہارے لئے وہ موقع آئے گا، دیکھنا ان پر ایمان لانے میں کوئی تم سے پہل نہ کر جائے، بلاشبہ ان کو اپنے دشمنوں سے جنگ بھی کرنا پڑے گی، اور انہیں عورتوں اور بچوں کو قید بھی کرنا پڑے گا، مگر ان کا یہ برتاؤ اور رویہ تمہیں ان پر ایمان لانے سے روک نہ دے یہ کہہ کر وہ مرگیا۔ جب سرور عالم ﷺ مبعوث ہوئے اور وہ وقت آیا کہ آپ نے بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو ثعلبہ، اسد بن سعید اور اسد بن عبید نے کہا، **یابنی قریظة والله انه النبی الذی عهد الیکم فیه ابن الهیبان فنزلوا فاسلموا واحرزوا دماء هم واموالهم واهالیهم**، اے بنو قریظہ! اللہ کی قسم بلاشک یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق تم نے ابن الہیبان سے وعدہ کیا تھا، پس وہ اپنی قوم سے نکلے اور مسلمان ہو گئے اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کی حفاظت کرنے لگے۔ (کتاب الوفا: ۵۵، طبقات ابن سعد ۱: ۱۰۴، سیرت ابن ہشام جلد ۱)

خالد بن سعید کا خواب:

محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے: حبیب کبریا، شہنشاہ ہر دوسرا، محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل ایک رات کو مجھے خواب آیا کہ مکہ مکرمہ پر ظلمت اور تاریکی اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ آدمی کو اپنا ہاتھ تک نظر نہیں آتا، پھر اچانک زمزم شریف کے کنواں سے ایک نور نمودار ہوا اور وہ نور آسمان کی طرف بلند ہوا، اور اس نے بیت اللہ شریف کو بھی منور کر دیا، پھر سارے مکہ مکرمہ کو بقعۂ نور بنا دیا، مدینہ منورہ کے کھجوروں کے درختوں کو بھی منور کر دیا، یہاں تک کہ میں نے کھجوروں کے درختوں میں ان کے پھلوں کو دیکھ لیا، جب بیدار ہوا تو یہ خواب اپنے بھائی عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کو سنایا، انہوں نے کہا، **یا اخی ان ھذا الامر یکون فی بنی عبد المطلب،** اے برادر! یہ نور بنو عبد المطلب میں ظہور پذیر ہوگا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پر نور، نور علیٰ نور، شافع یوم النشور، محمد مصطفےٰ ﷺ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرا لخت جگر خالد جب مشرف باسلام ہوا اس نے بارگاہ حبیب ﷺ میں اپنا یہ خواب عرض کیا تو نبی غیب دان، محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا، **واللہ انا ذالک النور انا رسول اللہ،** اللہ کی قسم! وہ نور میں ہی ہوں، اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، ﴿کتاب الوفا: ۸۰،۸۱﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور امت محمدیہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا **ان موسیٰ لما نزلت علیہ التوراۃ** کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی اور انہوں نے اس میں اس امت مرحومہ کے فضائل پڑھے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا، **یا رب انی اجد فی الالواح امۃ ھم الاخرون السابقون،** اے میرے پروردگار! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پایا ہے جو سب سے آخری ہوگی مگر سب پر سبقت لے جانے والی ہے، **فاجعلھا امتی** ، اس کو میری امت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، **تلک امۃ احمد** وہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کی، **یارب انی اجد فی الالواح امۃ ھم السابقون المشفوع لھم فاجعلھا امتی،** اے رب کریم! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا تذکرہ دیکھا ہے جس کے بارے میں سب سے پہلے شفاعت قبول فرمائی جائے گی، پس اس کو میری امت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ

حضرت احمد مجتبےٰ ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کی یا رب انی اجد فی الالواح امة لهم المستجیبون المستجاب لهم فاجعلها امتی اے رب کائنات! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر خیر دیکھا ہے کہ جو تیری طرف رجوع کرتی رہے گی اور تو اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا رہے گا، اسے میری امت بنادے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، پھر عرض گزار ہوئے، یا رب انی احد فی الالواح امة انا جیلهم فی صدورهم یقرؤنها ظاهراً فاجعلها امتی، اے رب اکبر! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا بیان پڑھا ہے کہ جو تیرے احکامات کی کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کرے گی اور اسے ازبر پڑھے گی، اسے تو میری امت کردے، تو ارشاد باری ہوا وہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے. پھر عرض کی یارب انی اجدفی الالواح امة یاکلون الفئی فاجعلها امتی، اے میرے رب میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کا حال پڑھا ہے جو فئی کھائے گی اسے تو میری امت قرار دے دے تو فرمان ہوا کہ وہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کی یارب انی احد فی الالواح امة یجعلون الصدقة فی بطونهم ویوجرون علیها فاجعلهاامتی، اے میرے پروردگار! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کو دیکھا ہے جو صدقہ کھائے گی لیکن اس پر بھی وہ ثواب کی حقدار ہوگی، اس کو میری امت بنادے تو جواب ملا وہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کیا، یارب انی اجد فی الالواح امة اذاهم احدهم بسیئة فلم یعملها کتب له حسنة واحدة فان عملها کتب له عشر حسنات فاجعلها امتی، اے رب العالمین! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کے بارے میں دیکھا ہے کہ جب وہ لوگ نیکی کا ارادہ کریں گے تو ایک نیکی کا ثواب ان کے اعمال میں اسی وقت لکھ دیا جائے گا، اگرچہ اس پر عمل نہ کرسکیں اور اگر اسی نیکی کو کرلیں تو ان کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھ لی جائیں گی، اس امت کو میری امت بنادے تو ارشاد ہوا کہ وہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کرنے لگے، یارب انی اجدفی الالواح امة، اذا هم احد هم بسیئة ولم یعملها لم تکتب وان عملها کتبت علیه سیئة واحدة فاجعلها امتی، اے رب تعالیٰ! میں نے تورات کی تختیوں میں ایک ایسی امت کے متعلق

پڑھا ہے کہ وہ لوگ اگر برائی کا قصد کریں گے، اور اس کا ارتکاب نہ کرسکیں گے تو کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر ارتکاب کرلیں تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا، تو اس امت کو میری امت بنادے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، پھر عرض کیا، **یارب انی اجد فی الالواح امۃ یؤتون العلم الاول والعلم الاخر فیقتلون قرون الضلالۃ المسیح الدجال فاجعلھا امتی**، اے میرے پروردگار میں نے تورات کی تختیوں میں ایک امت کے بارے میں دیکھا ہے کہ جن کو اول وآخر کا علم عطا فرمایا جائے گا اور وہ گمراہی کے سب سے بڑے مرکز دجال کے ساتھ جہاد کریں گے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہلاک کرنا ہے، اسے میری امت بنادے، تو جواب ملا وہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے، اس کے بعد حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کیا، **یارب فاجعلنی من امۃ احمد**، اے رب کریم! پس مجھے ہی احمد مجتبیٰ ﷺ کا امتی بنادے، ﴿جواہر البحار ۱:۳۷۴، خصائص الکبریٰ، کتاب الوفا ۱:۳۹، جلاء الافہام ص ۱۰۸، الصلوٰۃ والسلام ص ۱۰۶، حجۃ اللہ علی العالمین: ص ۱۱۸﴾

قرآن اور تورات:

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی قدس سرہ الربانی تحریر فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودیوں کا ایک جید عالم نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ اس وقت سورۂ یوسف کی تلاوت فرمارہے تھے تو اس عالم نے عرض کیا **یامحمد من علمکھا** اے محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کو اس سورۃ کی کس نے تعلیم دی ہے، حضور پرنور ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے، آپ کے اس ارشاد پر یہودی عالم نے تعجب کیا، جب وہ یہودی عالم اپنے یہودیوں کی طرف گیا تو واضح الفاظ میں ان سے کہنے لگا، **واللہ ان محمداً یقرا القرآن کما انزل فی التوراۃ**، اللہ تعالیٰ کی قسم بیشک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قرآن پاک کو اسی طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ تورات میں نازل ہوا ہے، یہ سن کر ان یہودیوں میں سے ایک گروہ نے آپ کی صفات کو پہچانا اور مہر نبوت کو جو آپ کے کندھوں کے درمیان تھی دیکھا اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرلیا، ﴿حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۱۸﴾

ایک یہودی بچے کا اقرار:

ابوصخر عقیلی فرماتے ہیں کہ اعرابیوں میں سے ایک اعرابی نے مجھے بتایا کہ حضرت

امام الانبیا، محمد مصطفیٰ ﷺ ایک یہودی کے پاس سے گزرے، اس کے پاس ایک رجسٹر تھا جس میں تورات لکھی ہوئی تھی، اس یہودی کا لڑکا جو کہ بیمار تھا وہ اس کو تورات پڑھ کر سنا رہا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اوہ یہودی! تجھے اس کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، افتجد فی توراتک نعتی وصفتی ومخرجی، کیا تو نے اپنی تورات میں میری نعت، صفت، اور بعثت کو پایا ہے۔ اس یہودی نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے کہا نہیں، اس کے بیٹے نے فوراً کہا، لکنی اشھد باالذی انزل التوراۃ علیٰ موسیٰ ان لنجد نعتک وزمانک وصفتک و مخرجک فی کتابہ، لیکن میں گواہی دیتا ہوں اس ذات کی قسم کے ساتھ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا، یقیناً میں نے اس کی کتاب تورات میں آپ کی نعت، آپ کا زمانہ، آپ کی صفت اور آپ کی بعثت کو پایا ہے، وانا اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں تو حضور پرنور ﷺ نے فرمایا، اقیمو الیھود ی عن صاحبکم و قبض الفتیٰ فصلی علیہ النبی ﷺ، اس یہودی کو اپنے ساتھی سے ہٹا دو، وہ نوجوان اسی وقت انتقال کر گیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، ﴿حجۃ اللہ علی العالمین ص۱۲۴، خصائص الکبریٰ ۱: ۴۲، ۴۳﴾

گنہگار یہودی کی نجات:

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی، محدث ابو نعیم، علامہ حلبی، علامہ یوسف نبہانی اور علامہ اسماعیل حقی جیسے جلیل القدر محدثین اور مفسرین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، پھر وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی میت کو مزبلہ ﴿روڑی، کوڑا کرکٹ والی جگہ﴾ پر پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم فرمایا کہ اس شخص کا جنازہ پڑھو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ قوم بنی اسرائیل اس کے متعلق یہ شہادت دیتی ہے کہ دو سو سال تک یہ شخص تیری نافرمانی کرتا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے متعلق جو کہا جاتا ہے، بالکل ٹھیک ہے، الا انہ کان کلما نشر التوراۃ ونظر الی اسم محمد ﷺ قبلہ ووضعہ علیٰ عینیہ وصلی علیہ فشکرت لہ ذالک و غفرت ذنوبہ و

زوجتہ سبعین حوراء، مگروہ جب تورات کھولتا اور میرے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام دیکھتا تو وہ اس نام کو چومتا اور اپنی آنکھوں پر لگاتا اور اس پر درود بھیجتا، پس اس کے بدلے میں ،میں نے اس کے گناہ بخش دیئے اور ستر حوروں سے اس کا نکاح کر دیا۔﴿خصائص الکبریٰ ص ا:۴۲، سیرت حلبیہ ا:۱۳۶، حجۃ اللہ علی العالمین ص۱۲۴، حلیۃ الاولیاء﴾

یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا
بگڑے بھی بنا دیتا ہے یہ نامِ محمد ﷺ

سرکار دو عالم ﷺ کی تصاویر:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو قریش کی ایذا رسانی مجھے سخت ناپسندیدہ تھی، جب مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ قریش سرور دو عالم ﷺ کو قتل کر دیں گے تو میں مکہ مکرمہ سے ملک شام چلا گیا، وہاں میں ایک گرجا میں جا پہنچا، وہاں کے راہب اپنے سردار کے پاس گئے اور میرے متعلق اس کو بتایا، سردار نے ان کو کہا کہ تین دن تک اس کی مہمان نوازی کرو، تین دن کے بعد کہا کہ اس کو ضرور کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے، جاؤ اس سے پوچھو کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے، حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ وہ میرے پاس آئے اور پوچھا تو میں نے ان کو جواب دیا کہ اور تو کوئی بات نہیں صرف اتنی بات ہے کہ، **ان فی قریة ابراهیم ابن عمی یزعم انه نبی فاذا ہ قومه فخرجت لئلا اشهد ذالک،** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن مکہ مکرمہ میں میرے چچازاد بھائی کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے، قوم نے اس کو ایذا دینی شروع کی ہے، میں وہاں سے چلا آیا ہوں تا کہ میں اپنی آنکھ سے ان واقعات کو نہ دیکھوں۔

ان راہبوں نے میری یہ ساری داستان اپنے سردار کو سنائی، جسے سن کر سردار نے ان کو حکم دیا کہ اسکو میرے پاس بلاؤ، میں اس کے پاس چلا گیا اور اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا تو اس نے کہا کہ تم کو یہ ڈر ہے کہ وہ لوگ اس کو قتل کر ڈالیں گے، میں نے کہا ہاں، اس سردار نے مجھے کہا کہ کیا تم ان کی صورت پہچان لو گے، میں نے کہا ابھی ابھی تو میں ان کے پاس سے آرہا ہوں۔ بعد ازیں اس نے چند تصویریں دکھائیں، جو غلاف کے اندر رکھی ہوئی تھیں، میں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ یہ تصویر ان سب تصویروں میں ان کے مثل ہے، بس وہی قد و قامت، وہی

جسامت اور وہی آپ کے شانوں کے درمیان فاصلہ ہے، اس نے کہا کیا تم کو یہ ڈر ہے کہ وہ ان کو قتل کر دیں گے، میں نے کہا، میرا یہ یقین ہے وہ تو ان کو قتل بھی کر چکے ہوں گے، راہبوں کے سردار نے کہا، **واللہ لا یقتلوہ ویقتلن من یرید قتلہ وانہ لنبی ولیظھر نہ اللہ،** اللہ کی قسم وہ ان کو قتل نہیں کر سکتے بلکہ جوان کے قتل کا ارادہ کرے گا اس کو وہ قتل کریں گے، وہ نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ظاہر کر کے رہے گا، ﴿مجمع الزوائد ۱: ۲۳۳، فتح الباری ۷: ۱۰، طبرانی شریف، تاریخ کبیر از امام بخاری، کتاب الوفا ۱: ۵۷، شواہد النبوۃ ص ۱۰﴾

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ہی بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے اپنے نبی پاک ﷺ کو مبعوث فرمایا اور مکہ مکرمہ میں آپ کی شہرت ہوئی تو اتفاق سے میں ملک شام کی طرف نکلا، جب بصریٰ میں پہنچا تو میرے پاس نصاریٰ کی ایک جماعت آئی اور اس نے مجھ سے کہا، **من اھل الحرم انت** کیا تم حرم کے رہنے والے ہو، میں نے جواب دیا، ہاں، انہوں نے مجھ سے پوچھا، **تعرف ھذ االذی تنباء یکم** کیا تم اس شخص کو بھی جانتے ہو جس نے تم میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے کہا ہاں، ان کو جانتا ہوں، بعد ازاں وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گرجا میں لے گئے، گرجا میں کچھ تصویریں تھیں، پھر انہوں نے مجھے کہا، **انظر ھل تری صورۃ ھذا لنبی الذی بعث فیکم**، غور سے دیکھو کہ ان تصاویر میں اس نبی کی سی کوئی شکل وصورت ہے جو نبی تم میں مبعوث کئے گئے ہیں، میں نے دیکھا تو ان میں کوئی شکل و صورت آپ جیسی نہ ملی، میں نے ان کو کہا کہ کوئی نہیں ہے، پھر وہ مجھے اس سے بڑے گرجے میں لے گئے جس میں پہلے سے زیادہ تصویریں تھیں اور مجھ سے کہا اچھا ان میں سے کسی کی صورت ان سے ملتی جلتی نظر آتی ہے، میں نے غور کیا تو ایک تصویر بالکل آپ کے مشابہ تھی، بلکہ ایک تصویر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی بھی تھی، اس تصویر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک پکڑے ہوئے تھے، انہوں نے کہا خوب غور سے دیکھنا، یہ تصویر تم کو بالکل آپ ﷺ کی معلوم ہوتی ہے، میں نے کہا جی ہاں، میں اس کا گواہ ہوں کہ یہ آپ کی ہی تصویر ہے، پھر انہوں نے کہا، **نشھد ان صاحبکم وان ھذا الخلیفۃ من بعدہ،** ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ تمہارے نبی یہی ہیں اور جو شخص ان کے پاؤں کے پاس ہیں یہ ان کے بعد خلیفہ ہیں، ﴿کتاب الوفا ص ۵۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم، شواہد النبوۃ ص ۱۰، ترجمان السنۃ ۴: ۱۲۵، ۱۲۶، تاریخ کبیر لامام بخاری﴾

تمام بت سرنگوں ہوں گے:

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سطیح غسانی ایک ایسا کاہن ہوا ہے جس کا اپنی تمام اولاد میں مثیل پیدا نہیں ہوا، اس کے بدن میں سوائے سر کی کھوپڑی اور ہاتھ کی ہتھیلی کے کوئی ہڈی اور پٹھے نہ تھے، اور اس کی زبان کے سوا کوئی عضو بدن متحرک نہ تھا، اس کیلئے کھجور کے پتوں اور شاخوں کا ایک تخت بنا ہوا تھا، جس میں پائنتی سے لے کر بالیں تک چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے، جیسے کپڑے میں ہوتے ہیں، اس تخت پر بٹھا کر جہاں چاہتے لے جاتے تھے، ایک دفعہ اسے مکہ معظمہ لائے تو قریش میں سے چار آدمی تحائف لے کر اسے دیکھنے کیلئے آئے، انہوں نے تحائف کو اور اپنے حسب نسب کو اس سے پوشیدہ رکھا اور کسی دوسرے حیلے سے اپنی نسبت ظاہر کر دی، اس نے کہا، تم اس قبیلہ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ تمہارا تعلق قبیلہ قریش سے ہے، انہوں نے اپنے تحائف اس کے سامنے پیش کئے اور اس سے مستقبل کی باتیں پوچھنے لگے، اس نے بہت سی باتیں بتائیں در آخر گفت کہ در مکہ جوانے بیروں آید از عبد مناف کہ براہ راست خواند و اصنام رانگونسار گرداند و خدائے یگانہ را پرستد و وے را خلفاء باشند و نشان ہر یک را بہ تفصیل باز گفت و ہم چنیں از ملوکے بعد از ایشاں باشد خبر دار و تفصیل آں در کتب مبسوطہ مسطور است، آخر کار کہا کہ عبد مناف سے ایک ایسا جوان پیدا ہوگا جو نہ خود پڑھا لکھا ہوگا، بتوں کو سرنگوں کر کے خدائے واحد کی عبادت کرے گا، اس کے خلفا ہوں گے، پھر ان خلفا کی نشانیاں تفصیل سے بتائیں اور اس طرح جو بادشاہوں کے بعد ہونے والا ہے، خبر دی جن کی تفصیل بڑی کتابوں میں موجود ہے، ﴿شواہد النبوۃ فارسی، ص ۱۶، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۶۸، ۱۶۹، خصائص الکبریٰ ۱: ۸۴﴾

رسالتِ مصطفیٰ ﷺ قیامت تک ہوگی:

یمن کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے خواب دیکھا جس سے وہ بہت پریشان ہوگیا، اس نے کاہنوں اور نجومیوں کو جمع کیا اور ان سے اپنا خواب اور اس کی تعبیر کے متعلق دریافت کیا، کاہنوں نے بادشاہ سے کہا کہ تم اپنا خواب بیان کرو، تاکہ ہم اس کی تعبیر بیان کریں، بادشاہ نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ تم خود ہی میرا خواب بیان کرو تاکہ مجھے

اطمینان قلبی ہو، تو انہوں نے کہا کہ یہ ہم سے نہیں ہوسکتا، ایسا کام تو سطیح غسانی اور شق کاہن ہی کر سکتے ہیں، بادشاہ نے سطیح سمیت تمام نجومیوں کو بلا بھیجا، پہلے سطیح آیا اور بادشاہ کا خواب خود ہی اس نے بیان کیا، کہنے لگا تو نے یہ دیکھا ہے کہ کوئی چیز راکھ کی طرح جلی ہوئی اندھیرے سے باہر نکلی ہے اور اسے سب نے کھایا ہے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ تیری سلطنت پر حبشہ والے غالب ہو جائیں گے۔

بادشاہ نے پوچھا کب ہوں گے، سطیح نے کہا، ساٹھ یا ستر سال بعد، بادشاہ نے پوچھا، کیا ان کی یہ سلطنت ہمیشہ رہے گی، سطیح نے جواب دیا کہ سیف بن ذی یزن انہیں بھگا دے گا، بادشاہ نے پوچھا، کیا ابن ذی یزن کے خاندان میں سلطنت ہمیشہ رہے گی، سطیح نے جواب دیا کہ نہیں، بادشاہ نے پوچھا، اس کی سلطنت کو کون ختم کرے گا، سطیح نے جواب دیا، **نبی زکی یاتیه الوحی من قبل العلی**، ایک نبی اس کی سلطنت کو ختم کرے گا جو زکی ہوگا اور اللہ تعالیٰ بلند و بالا کی طرف سے اس کے پاس وحی آتی ہوگی، بادشاہ نے پوچھا، وہ بادشاہ کن سے ہوگا؟ سطیح نے جواب دیا، **رجل من ولد غالب بن فھر بن مالک بن النضر یکون الملک فی قومہ الی آخر الدھر** وہ غالب بن فہر بن مالک بن نضر کی اولاد میں سے ہوگا، اس کی بادشاہت اور حکومت اس کی قوم میں رہتی دنیا تک رہے گی، بادشاہ نے پوچھا، کیا دنیا کی بھی آخیر ہوگی، سطیح نے جواب دیا، **نعم یوم یجمع فیه الاولون والاخرون والیعد فیه المحسنون والیثقی به المسیئون**، ہاں ایک دن ایسا آئے گا جس میں اولین و آخرین کے زمانے کے نیک و بد جمع ہوں گے، نیک اپنی نیکیوں کی جزا اور بد اپنی برائیوں کی سزا پائیں گے، جب سطیح بادشاہ سے فارغ ہو کر چلا گیا تو شق کاہن آیا، بادشاہ نے اس سے خواب کا تذکرہ کیا تو شق کاہن نے بھی وہی کچھ بتایا جو کچھ سطیح نے بتایا تھا، نیز کہا، **یاتی رسول بالحق والعدل یکون الملک فی قومہ الی یوم الفصل** ایک رسول حقانیت اور انصاف کے ساتھ تشریف لائے گا اور اس کی حکومت اپنی قوم میں قیامت تک قائم رہے گی۔ ﴿کتاب الوفاء ۱: ۷۴ تا ۷۶، شواہد النبوۃ ۱۶، ۱۷، خصائص الکبریٰ ۱: ۸۷، ۸۸﴾

شاہ ہرقل کے پاس تصویر مصطفےٰ ﷺ:

حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں مجھے ایک شخص کے ہمراہ شاہ روم ہرقل کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ ہم اسے

اسلام پیش کریں، جب ہم غوطہ میں پہنچے تو جبلہ غسانی جو ہرقل کے امرا میں سے تھا وہاں موجود تھا، ہم نے اسے دیکھنا چاہا، ہرقل نے ہمارے پاس ایک پیغام رساں بھیجا اور کہا کہ جو گفتگو چاہو اس سے کرلو، ہم نے کہا بخدا ہم گفتگو نہیں کرتے، مگر وہ ہمیں جبلہ غسانی کے روبرو لے آئے، وہ بولا جو کہنا چاہتے ہو کہو، حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسے اسلام پیش کیا، میں نے دیکھا وہ سیاہ لباس زیب تن کئے ہوئے تھا، میں نے پوچھا، سیاہ لباس کیوں پہنے ہوئے ہو؟ اس نے کہا، اس لئے کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے جب تک تمہیں ملک شام سے نہ نکال دوں اسے جسم سے نہ اتاروں گا، میں نے کہا بخدا جس سرزمین پر ہم بیٹھے ہیں اس پر تو ہم قبضہ کرلیں گے بلکہ تمہارے ملک کا بہت سا حصہ بھی انشاء اللہ فتح کرلیں گے، کیونکہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اسکی فتح کی خوشخبری دے دی ہے، اس نے کہا کہ تم وہ قوم نہیں ہو جو اس ملک پر قبضہ کرلے بلکہ وہ ایسی قوم ہے، صبح کو روزے رکھتے ہیں اور شام کو افطار کرتے ہیں، اس کے بعد اس نے ہمارے روزوں کے متعلق پوچھا، ہم نے اسے بتایا تو اس کا رنگ سیاہ ہو گیا، پھر کہا اٹھو، ہم اٹھے تو ہمارے ساتھ ایک سفیر روانہ کیا جو ہمیں ہرقل کے پاس لے جائے، جب ہم اس کے شہر کے نزدیک پہنچے تو اس سفیر نے ہم سے کہا کہ تمہاری سواریوں جیسی سواریاں لوگ اس شہر میں نہیں لاتے، اگر چاہو تو تمہیں دوسری سواریوں پر سوار کردیں، ہم نے کہا، نہیں خدا کی قسم ہم انہیں سواریوں پر شہر میں داخل ہوں گے، ان کی یہ بات بادشاہ تک پہنچی تو ہمیں انہی سواریوں پر تلواریں حمائل کئے ہوئے شہر میں لے آئے، جب وہاں پہنچے تو ہم نے اپنی سواریاں دریچے کے نیچے ٹھہرا دیں، بادشاہ ہمیں دیکھ رہا تھا، ہم نے لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر کا ورد کیا تو خدا جانتا ہے کہ دریچہ ہوا سے ہلنے والے کھجور کے درخت کی طرح ہلنے لگا، بادشاہ نے ایک گماشتے کے ہاتھوں پیغام بھیجا کہ تمہیں ہمارے سامنے اپنے دین کا اظہار نہ کرنا چاہئے، اس کے بعد اندر آنے کی اجازت دی، ہم اندر گئے تو وہ سرخ کپڑوں میں ملبوس فرش پر بیٹھا تھا، وہاں کا ہر دریچہ سرخ رنگ کا تھا اور اس کے پاس امرا و اعیان سلطنت کی ایک جماعت بھی تھی، جب ہم اس کے نزدیک پہنچے تو وہ ہنس دیئے اور کہنے لگے کہ تمہارا کیا جاتا ہے، اگر تم ہمیں رواج کے مطابق دعا اور سلام کہتے، ہم نے کہا جو دعا اور سلام ہم ایک دوسرے پر بھیجتے ہیں، تم پر بھیجنا جائز نہیں، جس قسم کی دعا تم ایک دوسرے کو دیتے ہو، ہم اسے بھی روا نہیں سمجھتے، بادشاہ کہنے لگا، تمہاری

دعا اور سلام کس طرح ہوتی ہے، ہم نے کہا السلام علیکم، وہ کہنے لگا اپنے بادشاہ کو کس طرح سلام کرتے ہو، ہم نے کہا اسی طرح، کہنے لگا، وہ تمہیں جواب کس طرح دیتا ہے؟ ہم نے کہا اسی کلمہ سے، پھر کہا، تمہارا سب سے بڑا کلام کون سا ہے؟ ہم نے لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر کہا تو دریچہ جنبش میں آ گیا، جب اس نے اپنا سر اٹھایا تو وہ بھی ہلنے لگا، اس نے کہا، جب تم اس کلمہ کو اپنے گھروں میں پڑھتے ہو، تو کیا تمہارے گھروں کے دریچے بھی اسی طرح جنبش کرتے ہیں؟ ہم نے کہا، بخدا ہم نے تو اس جگہ کے سوا ایسا کبھی نہیں دیکھا، اس نے کہا، مجھے یہ بات پسند ہے کہ تم جس جگہ اس کلمہ کو پڑھتے ہو وہی جنبش میں آ جاتی ہے اور میرے ملک کا کچھ حصہ میرے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، ہم نے کہا کیوں؟ کہنے لگا اگر ایسا ہوتا تو یہ نبوت کا تقاضا نہ ہوتا، بلکہ محض کسی شخص کا حیلہ ومکروفریب ہوتا، اس کے بعد اس نے مختلف سوالات کئے اور ہم جواب دیتے رہے، بعد میں اس نے ہم سے نماز اور روزہ کے متعلق بھی پوچھا تو ہم نے جواب دیا، پھر کہا، اٹھو، تمہارے لئے ایک اچھا سا مکان تعمیر کر دیا گیا ہے، جہاں جملہ اسباب مہمانی مہیا ہیں، چونکہ ہم وہاں تین دن تک قیام پذیر رہے، اس لئے وہ ہمیں ہر رات طلب کرتا اور جن چیزوں کے متعلق ہم سے پوچھ چکا تھا دوبارہ پوچھتا اور ہم بھی اعادۂ جواب کرتے جاتے، پھر اس نے کوئی چیز طلب کی تو ایک چار گوشہ صندوق لایا گیا، جو زرو جواہرات سے بھرا ہوا تھا اور اس میں چھوٹے چھوٹے بہت سے خانے تھے، ہر خانے کا ایک دروازہ تھا اور ہر دروازے پر ایک تالا تھا، اس نے ایک تالا کھولا اور ایک سیاہ ریشمی کپڑے کا ٹکڑا باہر نکالا، اس کو کھولا تو اس پر ایک شخص کی تصویر تھی، جس کا رنگ سرخ، آنکھیں کشادہ اور گردن دراز کہ ایسی گردن پہلے نہیں دیکھی تھی، لیکن بے ریش تھا اور اس کے گیسو ایسے عمدہ تھے گویا دست قدرت نے خود بنایا ہے، کہنے لگا اسے پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہنے لگا، یہ آدم علیہ السلام ہیں، اس کے بعد دوسرا دروازہ کھولا اور سیاہ پارچہ کا ٹکڑا نکالا تو اس پر ایک سفید رنگ، سرخ چشم اور ایک بڑے سر والے آدمی کی تصویر تھی، یہ شخص اپنے محامد اور محاسن میں یکتا نظر آتا تھا، کہنے لگا اسے پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، اس نے کہا یہ نوح علیہ السلام ہیں، پھر ایک دروازہ کھولا اور دوسرا قطعہ حریر سیاہ نکالا تو اس پر ایک شخص کی تصویر تھی جس کا رنگ نہایت سفید، نہایت عمدہ جسم، پیشانی روشن، کشیدہ رخسار، سفید داڑھی گویا وہ زندہ تھا اور ہنس رہا تھا، کہنے لگا، کہ اسے پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں، پھر ایک دروازہ کھولا ایک سیاہ

ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکالا تو اس پر ایک سفید رنگ کی تصویر تھی، جب ہم نے دیکھا، یہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی تصویر تھی ہم پر گریہ طاری ہو گیا اور ہم تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر بیٹھ گئے تو اس نے کہا، تمہیں تمہارے پروردگار کی قسم سچ بتاؤ کہ یہ تمہارے پیغمبر ہیں؟ ہم نے کہا ہاں، یہ ہمارے پیغمبر ہیں، جنہیں ہم اب بھی دیکھتے ہیں، وہ کچھ دیر ہماری طرف بھی دیکھتا رہا، اس صندوق کا آخری خانہ بھی ہے، لیکن میں نے تمہیں دکھانے میں عجلت کی ہے کہ تم کیا کہتے ہو، بعدازاں ایک اور دروازہ کھولا جس میں پہلے کی طرح پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کی تصویر تھی ، آخر میں ایک ایسے جوان شخص کی تصویر تھی جس کے محاسن نیک تھے، جسم پر بہت سے سیاہ بال تھے، خوبصورت چہرہ تھا، بادشاہ نے کہا کہ اسے پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں، پھر ہم نے پوچھا، یہ تصویریں کہاں سے آئی ہیں؟ جو انبیا کرام علیہم السلام کے حلیوں کے موافق ہیں، اور ہمارے رسول کریم ﷺ کی تصویر بالکل ان کے حلیہ کے موافق تھی، اس نے کہا آدم علیہ السلام نے خدا سے درخواست کی تھی ان کی اولاد سے جتنے نبی ہوں گے ان کی شکلیں انہیں دکھائے تو خدا نے ان کی تصویریں ان کے پاس بھیج دیں اور خزانہ آدم میں مغرب شمس کے نزدیک تھیں، ذوالقرنین علیہ السلام ان تصویروں کو مغرب شمس سے لے آئے اور حضرت دانیال علیہ السلام کو دے دیں، پھر کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے ملک سے نکل جاؤں اور تمہارا ادنیٰ غلام بن کر رہوں، جب مروں تو نیک سلوک کیا جائے اور مجھے واپس لوٹا دیا جائے، واپسی پر جب ہم امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو ہم نے تمام گفتگو کا اعادہ کیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سن کر رو پڑے اور فرمایا، خداوند تعالیٰ نے اس کیلئے کسی چیز کا ارادہ فرمایا ہے تو جو وہ چاہتا ہے کر دے گا، پھر فرمایا ہمارے رسول کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی تھی کہ تورات وانجیل میں یہود اور نصاریٰ آپ کی مدحت و نعت پڑھتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اُنہیں اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، ﴿شواہد النبوۃ ص ۱۰ تا ۱۲﴾

وصی عیسیٰ علیہ السلام کا بیان:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنگ قادسیہ کے دوران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خط لکھا کہ آپ نضلہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو حلوان بھیج دیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے انہیں بھیج دیا، جب حضرت نضلہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے حلوان کے مضافات پر حملہ کیا تو بہت سے قیدی اور مال غنیمت ہاتھ لگا، ظہر کی نماز ادا کرنے کیلئے

آپ نے ایک پہاڑ کے دامن میں اقامت اختیار کی، جب نماز کیلئے اذان کے دوران اللہ اکبر کہا تو پہاڑ سے آواز آئی، اے نضلہ! تو نے بڑے کی بڑائی بیان کی، جب انہوں نے، اشھد لاالہ الا اللہ، کہا تو آواز آئی، اے نضلہ! تو نے زبان سے کلمہ اخلاص نکالا، جب، اشھد ان محمد رسول اللہ، کہا تو آواز آئی، ھو الذی بشر نی عیسیٰ ابن مریم وعلیٰ رانس امتہ الی یوم القیامۃ، یعنی اس کی بشارت مجھے حضرت عیسیٰ نے عطا فرمائی ہے، جب، حی علیٰ الصلوٰۃ، کہا تو آواز آئی، طوبی لمن مشیٰ الیھا واطب الیھا، جب حی علی الفلاح، کہا تو آواز آئی، قد افلح من اجاب، جب اللہ اکبر کہا تو آواز آئی اے نضلہ! تو نے کلمہ اخلاص ادا کیا ہے، جب وہ اذان سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تو کون ہے، جب تو نے اپنی آواز ہمیں سنوادی ہے تو اپنی شکل بھی دکھادے، کیونکہ ہم بھی بندگان خدا ہیں اور اس کے رسول کی امت ہیں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی جماعت ہیں، اس کے بعد پہاڑ میں اچانک شگاف آیا اور اس میں سے ایک بہت بڑا سر نکلا، جس پر سفید بال اور پرانے پشمینہ کا کپڑا تھا، وہ بولا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، انہوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کے بعد پوچھا، تو کون ہے؟ کہنے لگا میں زریب بن برثملی، بندہ نیکو کار حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا وصی ہوں، انہوں نے مجھے اس پہاڑ پر بٹھا رکھا ہے اور اس وقت تک میری زندگی کیلئے دعا کی ہے جب وہ آسمان سے اتریں، خنزیر کو قتل کریں اور صلیب کو توڑ کر عیسائیوں کے بہتان و افترا سے بریت کا اظہار کریں، پھر اس نے کہا، جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات نہیں ہوئی، میرا سلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پہنچا دیجئے، اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں کیں اور غائب ہو گیا، حضرت نضلہ رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا اور حضرت سعد نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جوابی خط لکھا کہ آپ مہاجرین وانصار کی جماعت کے ساتھ اس پہاڑ پر جائیے، اگر اسے وہاں پا لیں تو اس سے میرا سلام کہیے، کیونکہ سید عالم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصیوں میں سے کوئی ایک وصی اس پہاڑ میں اقامت گزیں ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ چار ہزار مہاجر وانصار کی معیت میں چالیس روز تک اس پہاڑ پر رہے، ہر نماز کے وقت اذان کہی مگر کوئی جواب نہ آیا! ﴿شواہد النبوۃ ص ۱۴، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۶۱﴾

آمد مصطفیٰ کی خبر:

عیسائیوں میں سے ایک شخص مکہ مکرمہ میں آیا، **فاتی علی نسوة قد اجتمعن فی یوم عید من اعیادھم،** چند عورتیں ایک مقام پر خوشی کی تقاریب میں سے ایک تقریب پر جمع تھیں، ان کے خاوند اپنے کام کاج کی وجہ سے وہاں پر موجود نہ تھے، پس اس عیسائی شخص نے کہا، **یانساء قریش انه سیکون فیکم نبی یقال له احمد** ، اے قریش کی عورتو! عنقریب تم میں ایک نبی تشریف لانے والے ہیں جن کا اسم مبارک احمد ہوگا، ﴿کتاب الوفا ۱:۶۱، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۰۶﴾

......⊙......

باب سوم

انوارِ میلاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

جس طرح حضور پیغمبر نور، شافع یوم نشور، محبوبِ رب غفور نور علیٰ نور ﷺ کی صورت وسیرت بے مثال ہے، اس طرح ولادت باسعادت بھی لا جواب ہے، آپ معمورہ ہستی میں اس شان رحمت کے ساتھ جلوہ فرما ہوئے کہ عرش اور فرش کی پہنائیوں میں حسرتوں امیدوں اور آرزوؤں کے جلترنگ بج اٹھے، ہر طرف رنگ ونور کی برسات ہونے لگی، کنگرہ عرش سے لے کر فردوس بریں تک کی تمام رعنائیاں حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے حجرہ مقدسہ کا طواف کرنے لگیں، حضرت آمنہ ارشاد فرماتی ہیں:

⊙ ...... **لما ولدته، خرج منی نور اضاء له قصور الشام**، حضور اقدس ﷺ کی ولادت کے وقت مجھ سے نور خارج ہوا جس کے اجالے میں شام کے محلات دکھائی دینے لگے ﴿طبقات کبریٰ ۱: ۱۰۲، مستدرک ۲: ۶۷۳، مجمع الزوائد ۸: ۲۲۲، البدایہ والنہایہ ۲: ۲۷۵، تاریخ طبری ۱: ۴۵۵﴾

⊙ ...... **رائیت کان شهاباً خرج منی اضاء ت له الارض**، میں نے ایک شہاب روشن کی زیارت کی جس سے ساری زمین بقعہ نور بن گئی، ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۷۹، طبقات کبریٰ ۱: ۱۰۲، دلائل النبوۃ ۱: ۹۵﴾

⊙ ...... **اضاء ت له قصور الشام واسواقها حتی رائیت اعنا ق الا بل ببصری**،

اس نور مقدس کی بدولت شام کے محلات اور بازار روشن ہو گئے یہاں تک کہ میں نے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیں، ﴿طبقات کبریٰ ۱:۱۰۲، سیرت حلبیہ ۱:۹۱، البدایہ والنھایہ ۲:۲۶۴﴾

⊙...... رائیت ثلاثة اعلام مضروبات علما بالمشرق و علما بالمغرب و علما علیٰ ظهر الكعبة، میں نے تین جھنڈے دیکھے جو مشرق، مغرب اور کعبہ کی چھت پر لہرا رہے تھے، ﴿مواہب لدنیہ ا، زرقانی ۱:۲۱۱، انوار محمدیہ ۲۳، خصائص کبریٰ ۱:۸۲﴾

⊙...... میں نے اپنے لخت جگر کو دیکھا تو آپ کا جسم مقدس چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار تھا، اور اس سے تر و تازہ کستوری کے جھونکے نکل رہے تھے، ﴿زرقانی ۴:۲۲۳، انوار محمدیہ ۲۴﴾

⊙...... آپ ﷺ دونوں ہاتھوں کا سہارا لئے ہوئے زمین پر جلوہ فرما ہوئے، پھر آپ نے مٹی سے مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر انور اٹھایا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۷۹، طبقات کبریٰ ۱:۱۰۲﴾

⊙...... حضرت عمرو بن قتیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد محترم بہت بڑے عالم تھے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر ولادت کا وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو اور سب فرشتوں کو حاضر ہونے کا حکم صادر کرو، چنانچہ سب فرشتے اترے اور ایک دوسرے کو خوشخبریاں دینے لگے، پہاڑ فخر سے سر بلند ہو گئے، سمندروں میں روانیاں آ گئیں، موجیں انگڑائیاں لینے لگیں، اہل زمین سلامت اور بشارت سنانے لگے، شیطانوں کو پابند سلاسل کر دیا گیا، اس دن سورج کو نورانی چادر اوڑھا دی گئی، ستر ہزار موران جنت کو ہوا میں کھڑا کر دیا گیا، ولادت مصطفیٰ کے اعزاز میں دنیا بھر کی عورتوں کو لڑکے عطا کیے گئے، آپ کے آنے سے ساری دنیا میں نور چھا گیا، فرشتوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی، ہر آسمان میں زبرجد اور یاقوت کا ایک ایک ستون قائم کر دیا گیا، یہ ستون آسمانوں میں بہت مشہور ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے معراج کی رات مشاہدہ کیا، آپ کو بتایا گیا کہ یہ ستون آپ کی ولادت کی خوشی میں نصب کئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ولادتِ محبوب کی رات حوض کوثر کے کنارے پر کستوری کے ستر ہزار درخت لگائے، جن کے پھل اہل جنت کے لئے خوشبودار دھونی کا کام دیں گے، اس رات اہل آسمان سلامتی کی دعا مانگتے رہے، پتھر کے بت گر گئے، لات اور عزیٰ کے

شیطان اپنے ٹھکانوں سے نکل کر چیخنے لگے، قریش کو کچھ خبر نہیں کہ وہ کس حال کو پہنچ گئے ہیں، امین آگئے، صدیق آگئے، بیت اللہ شریف سے کئی روز تک آواز آتی رہی، اب میرا نور مجھے واپس مل جائے گا، میری زیارت کے لئے لوگ آنے لگیں گے، مجھے جاہلیت کی نجاستوں سے پاک کر دیا جائے گا، اے عزیٰ! اب تیری ہلاکت کا وقت آگیا ہے، بیت اللہ شریف دن تک لرزتا رہا، یہ پہلی علامت تھی جو ولادت محبوب کے وقت قریش کو نظر آئی، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۸۰﴾

⊙...... حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت شفا رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں، جب رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو سب سے پہلے میرے ہاتھوں پر جلوہ فرما ہوئے اور آواز نکالی، میں نے کسی پکارنے والے کو سنا، وہ کہہ رہا تھا، اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے، اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے، پھر میرے سامنے مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی یہاں تک کہ میں نے روم کے محلات بھی ملاحظہ کئے، میں نے آپ کو لباس پہنا کر لٹا دیا، اسی دوران میرے وجود پر ہیبت سی طاری ہو گئی جس سے میں کپکپانے لگی، روشنی بھی کم ہو گئی، یہ کیفیت میری دائیں طرف ظاہر ہوئی تھی، وہاں میں نے کسی کی آواز سنی کہ آپ کو کہاں لے جایا گیا ہے، دوسرے نے کہا، مغرب کی طرف، پھر روشنی پھیل گئی، اس کے بعد پھر میرے وجود پر ہیبت سی طاری ہو گئی، میں کپکپانے لگی، روشنی بھی کم ہو گئی، اس بار یہ کیفیت میری بائیں طرف ظاہر ہوئی تھی، پھر میں نے کسی کی آواز سنی کہ آپ کو کہاں لے جایا گیا ہے، دوسرے نے کہا، مشرق کی طرف، یہ عجیب و غریب حالت میری لوح دماغ پر نقش ہو کر رہ گئی تھی، حتیٰ ابعثه الله فكنت فی اول الناس اسلاما، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تو میں فوراً مسلمان ہو گئی، ﴿دلائل النبوۃ ۱:۹۴﴾

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں، جب وہ لمحہ قریب آیا اور وہ کیفیت طاری ہوئی تو میرے پاس کوئی بھی نہیں تھا، میں نے ایک گونج دار آواز سنی، مجھ پر ہول طاری ہو گیا، پھر دیکھا کہ کسی نے سفید پرندے کے پر جیسی کوئی چیز میرے سینے پر ملی، جس کی برکت سے میرا خوف ختم ہو گیا اور ہر تکلیف زائل ہو گئی، میں نے پیاس محسوس کی تو دودھ کی طرح سفید مشروب پیش کیا گیا جو میں نے نوش جاں کر لیا، گویا مجھ سے نور پھوٹ رہا تھا جس سے ہر

چیز منور ہو گئی، پھر میں نے کھجور کے درخت کی طرح دراز قد عورتیں دیکھیں، انہوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا، گویا وہ عبد مناف کی شہزادیاں لگ رہی تھیں...........

جب میرا لخت جگر پیدا ہوا تو میں نے اس کو بے مثال پایا، وہ حالت سجدہ میں تھا اور انگلی اوپر اٹھائی ہوئی تھی جیسے کوئی نہایت آہ وزاری کے ساتھ دعا مانگتا ہے، پھر میں نے سفید بادل دیکھا جس نے نیچے اتر کر میرے نومولود کو چھپالیا، میں نے کسی کی آواز سنی:

طوفوا بمحمد ﷺ شرق الارض و غربها وادخلوه البحار ليعرفوه باسمه و نعته وصورته، یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کو زمین کے مشرق و مغرب کی سیر کراؤ اور سمندروں میں بھی لے جاؤ، تاکہ ساری مخلوق ان کے نام، صفت اور صورت سے آشنا ہو جائے اور جان لے کہ ان کا نام ماحی بھی ہے، یہ اپنے زمانے میں شرک کی تمام علامتوں کو ختم کر دیں گے، اس کے بعد میرا لخت جگر پھر میرے سامنے ظاہر ہو گیا، اس وقت وہ سفید صوف کے لباس میں ملبوس تھا، نیچے سبز ریشم بچھا ہوا تھا، آبدار موتی کی بنی ہوئی تین چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں، کوئی اعلان کر رہا تھا، **قبض محمد علىٰ مفاتيح النصرة و مفاتيح الريح ومفاتيح النبوة،** محمد مصطفیٰ ﷺ نے نصرت، ہوا اور نبوت کی چابیوں پر قبضہ کر لیا ہے، پھر دوسرا بادل نمودار ہوا جس سے گھوڑوں کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑ پھڑانے کی آواز آ رہی تھی، اس بادل نے بھی میرے نومولود کو چھپالیا، میں نے پھر کسی کی آواز سنی، محمد مصطفیٰ ﷺ کو مشرق و مغرب اور انبیا کرام کی جائے ولادت پر لے جاؤ، جن وانس، درند و پرند اور ہر قسم کی روحانی مخلوق سے ان کا تعارف کراؤ، ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت، حضرت نوح علیہ السلام کی رقت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، حضرت داود علیہ السلام کی آواز، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زہد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سخاوت عطا فرماؤ، ان کو اخلاق انبیاء سے سرشار کر دو، بعد ازاں میرا لخت جگر پھر میرے سامنے جلوہ فرما ہو گیا تو اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک سبز پارچہ تھا، کسی نے کہا، مبارک ہو، محمد مصطفیٰ ﷺ نے ساری دنیا پر قبضہ کر لیا ہے، ساری مخلوق ان کی غلام بن گئی ہے، پھر میں نے تین اشخاص دیکھے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کی صراحی تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں

سفید ریشم کا ٹکڑا تھا، اس نے کھول کر ایک مہر نکالی جس سے آنکھیں چندھیا گئیں، پھر اس نے صراحی کے پانی سے اسے سات مرتبہ دھو کر میرے لخت جگر کے دونوں شانوں کے درمیان مہر لگائی اور اسے دوبارہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ دیا، پھر میرے لخت جگر کو اٹھا کر تھوڑی دیر کے لئے اپنے پروں میں چھپایا اور اسے میرے حوالے کر دیا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۸۱، البدایہ والنھایہ ۲: ۲۹۸، انوار محمدیہ ۲۲﴾

⊙...... حضور اقدس ﷺ کی ولادت ہوئی تو رضوان نے آپ کے کان میں کہا، اے محمد مصطفیٰ! آپ کو مبارک ہو انبیا کرام کے تمام علوم آپ کو عطا فرمائے جا رہے ہیں، آپ کے جسم اقدس پر کوئی آلائش نہیں تھی، ﴿انوار محمدیہ ص ۴۰﴾

⊙...... حضور اقدس ﷺ ولادت باسعادت کے وقت ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے، ﴿الروض الانف ۱:۲۷۹، تاریخ الخمیس ۱:۲۰۴، لسان العرب ۴:۱۵۵، غایۃ السول فی خصائص الرسول ۱:۳۰۱، سبل الھدیٰ ۱:۳۴۸، الوفا: ص ۹۷﴾ امام حاکم نے لکھا ہے کہ آپ کا مختون پیدا ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے، ﴿مستدرک﴾ آپ کے ستر کو کسی نے نہیں دیکھا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۱۲۳﴾ آپ کی آنکھوں میں سرمہ پڑا ہوا تھا اور بالوں کو تیل لگا ہوا تھا، ﴿مولد العروس: ۲۳۱﴾

⊙...... حضور اقدس ﷺ نے ولادتِ باسعادت کے وقت اپنا سرِ انور اٹھایا اور زبانِ حق ترجمان سے اعلان فرمایا، **لاالہ الا اللہ و انی رسول اللہ**، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، ﴿تاریخ الخمیس ۱:۲۰۳﴾

آمد مصطفےٰ ﷺ ہوئی تو کائنات ارضی و سماوی میں ایک نورانی انقلاب آ گیا، ستارے زمین پر نازل ہو رہے تھے، انوار کی کہکشاں سجی ہوئی تھی، شام اور روم کے محلات جگمگا رہے تھے، کاہن عورتوں کے جنات ان کے پاس آنے سے قاصر ہو گئے تھے، کاہنوں کا علم کافور ہو گیا تھا، بادشاہوں کے تخت و تاج اوندھے ہو کر گر رہے تھے، کسریٰ کے محلات میں شکست و ریخت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، مشرق اور مغرب کے جانور بشارت سنا رہے تھے، فرشتوں کی دنیا میں خوشیوں کی بارات ٹھہری ہوئی تھی، اعلانات ہو رہے تھے، تسبیح و تہلیل کے نغمات گائے جا رہے تھے، جنت کے دروازے کھل چکے تھے، جہنم کے دروازے بند ہو چکے تھے، ذرہ ذرہ آمد محبوب کی شادمانیوں میں ڈوبا ہوا تھا، یہ کوئی تخیلاتی

واقعات نہیں، آمد محبوب کے ارہاصات ہیں، معجزات ہیں، نشانات ہیں، ہاں ہاں! جب کوئی دنیا کا بادشاہ اپنی مملکت کے دورے پر نکلتا ہے تو اس کیلئے راستے سجائے جاتے ہیں، فوجیں سلامی کیلئے صف بستہ دکھائی دیتی ہیں، کیا اس شہنشاہ کائنات، سلطان موجودات کیلئے کوئی اہتمام نہ کیا گیا ہوگا، کیا عرش وفرش میں یہ نورانی انقلاب برپا کرنا خدائے لم یزل کی محبتوں کے آگے بعید ہے اور قدرتوں کے سامنے ناممکن ہے، کوئی نگاہ محبت سے دیکھے تو ہر چیز میں اسی محبوب یکتا کی جلوہ طرازیاں ہیں

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تھی تو ہو

فرش پہ طرفہ دھوم دھام:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی تشریف آوری سے جہاں پوری کائنات وجد آفرین تھی وہاں دیار عرب میں ایک طرفہ دھوم دھام کا سماں تھا، صبح پر نور کا مبارک وقت تھا، حضرت عبدالمطلب صحن کعبہ میں رونق افروز تھے کہ ایک دم انقلاب برپا ہو گیا، حرم مکہ کے تمام بت زمین بوس ہو گئے، دیوار کعبہ سے ایک آواز آئی، **ولد المصطفیٰ المختار الذی تهلك بيده الكفار**، وہ نبی مصطفیٰ، مختار دوسرا پیدا ہوئے ہیں جن کے ہاتھوں کفار کو شکست ہوگی، ﴿سیرۃ نبویہ ۱:۴۹، سیرت حلبیہ ۱:۱۵۵﴾ اتنے میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ سعادت سے پیغام آ گیا کہ فیاض ازل نے آپ کو ایک حسین وجمیل پوتے سے نوازا ہے، یہ مسرت افزا خبر سنتے ہی آپ گھر پہنچے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے تمام عجائبات کا ذکر کیا جو انہوں نے قدم قدم پر مشاہدہ کئے تھے، آپ سراپا شکر بن گئے، محبوب کائنات ﷺ کو لے کر صحن حرم میں آئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھک کر آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا، ابن واقد کا بیان ہے کہ اسوقت حضرت عبدالمطلب کی زبان پر کچھ اشعار مچل رہے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے "تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے پاک آستینوں والا فرزند عطا فرمایا ہے، یہ گہوارے میں تمام بچوں کا تاجدار ہے، میں اسے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، یہاں تک کہ اسے طاقتور دیکھوں، میں اسکو ہر حاسد کے حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ رحمت میں دیتا ہوں، صبح ولادت کے وقت یہودی علما میں ہلچل پیدا ہو گئی، وہ گلیوں اور بازاروں میں پوچھنے لگے کہ آج کس

کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے، کیونکہ وہ ستارہ نمودار ہو گیا ہے جو نبی آخر کی جلوہ فرمائی کا نشانِ اعظم ہے اور اسکے طلوع مبارک کی خبر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے عطا فرمائی تھی، ایک یہودی راہب نے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی کہ اے اہل مکہ! بہت جلد تمہارے اندر ایک بچہ پیدا ہوگا، تمام عرب اسکی اطاعت کریگا، تمام عجم پر اس کا تسلط ہوگا، جو اسکو پالے گا وہ تابع فرمان ہوگا اور جو نافرمان ہوگا وہ ناکام اور نامراد ہوگا، ﴿البدایہ والنھایہ ۲: ۲۷۲، خصائص کبریٰ ۱: ۸۵﴾ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ اس کی پیش گوئی سے از حد متاثر ہوئے تھے، صبح ولادت کے وقت وہی راہب سردارِ عرب کے پاس آیا اور کہنے لگا، **ولد ذلک المولود الذی کنت احد ثکم بہٗ وان نجمہٗ طلع البارحہ،** جس عظیم بچے کی خوشخبری میں نے تمھیں عطا کی تھی وہ پیدا ہو چکا ہے، کیونکہ اس کی پیدائش کی اطلاع دینے والا ستارہ طلوع ہو چکا ہے، ﴿البدایہ والنھایہ ۲: ۲۷۲، خصائص کبریٰ ۱: ۸۶﴾ پھر اس نے کہا، اے عبد المطلب! اپنی زبان بند رکھو، اسے حاسدوں کے شر سے بچاؤ، اس کے بڑے بڑے دشمن ہوں گے اور اس کی اتنی مخالفت ہوگی کہ آج تک کسی کی اتنی مخالفت نہیں ہوئی۔ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے پریشان ہو کر سوال کیا، اس کی عمر کتنی ہوگی۔ اس نے کہا، پریشانی کی کوئی بات نہیں اس کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوگی۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ولادت مصطفےٰ کے وقت میری عمرِ مستعار سات آٹھ سال کے قریب تھی۔ اس صبح نور کے وقت میں نے ایک یہودی کو پکارتے ہوئے سنا، اے یہود کی جماعت، ایک بہت اہم خبر ہے جس کو سننے کیلئے جمع ہو جاؤ، جب تمام قومِ یہود جمع ہو گئی تو اس نے کہا، احمدِ مصطفےٰ کا ستارا طلوع ہو چکا ہے، وہ احمدِ مصطفےٰ جو نبوت کا تاج پہن کر اس رات جلوہ فرما ہو گئے ہیں، ﴿سیرت ابنِ اسحاق ۲: ۶۳، البدایہ والنھایہ ۲: ۶۲۷، ارشاد الثقات لشوکانی ۱: ۳۶، تہذیب التہذیب ۲: ۲۱۶﴾

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی رہتا تھا، ولادت مصطفےٰ کی رات وہ اپنے گھر سے باہر نکلا اور قریش سے پوچھنے لگا، کیا آج کی رات تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے، لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، اس نے کہا، میری گفتگو پر غور کرو، **ولد ھذہ اللیلۃ نبی ھذہ الامۃ الاخیرۃ** ، آج کی رات اس آخری امت کا پیغمبر پیدا ہوا ہے، ﴿سیرت نبویہ ۱: ۴۸﴾ اس کے شانہ قدس پر نبوت کی مہر ہے، فوراً اپنے گھروں کی طرف جاؤ

اور خوب تحقیق کرو، قریش حیران ہوکر گھروں کو چل پڑے، انہیں جلد ہی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے نورِ نظر کا علم ہوگیا جس کی ولادت پر عظیم معجزات کا ظہور ہوا ہے، انہوں نے اس یہودی کو خبر دی تو وہ بھی اس گوہر مراد کو دیکھنے کے لئے آگیا، پھر اس نے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کو دیکھا تو حواس باختہ ہوکر کہنے لگا، **ذهبت النبوة والله من بني اسرائيل** ،اللہ کی قسم، بنی اسرائیل سے نبوت چلی گئی، اے قریش تمہیں نئی زندگی مبارک ہو۔ ﴿مستدرک ۲: ۶۵۷، تاریخ دمشق ۳: ۴۱۷، فتح الباری ۶: ۵۸۳، اعلام النبوۃ ۱: ۱۳۱﴾

⊙..... میلادِ رسول سے پہلے پورا عرب قحط سالی اور تنگدستی کا شکار تھا، آپ کی آمد سے سنگلاخ وادیوں میں رونق چھا گئی، اس زور سے بادل برسے کہ ویران زمینوں، سنسان وادیوں اور اجڑے کوہساروں نے شادابیوں کا لباس پہن لیا، ہر طرف سبزہ زار لہلہانے لگے، اس سال کو" **سنة الفتح والابتهاج** "یعنی فتح اور مسرت کا سال کہا جانے لگا، ﴿انوار محمدیہ ۱: ۲۱﴾ راقم عاجز نے عرض کیا ہے۔

بڑا خوبصورت سحر کا سماں ہے بہاروں کی جلوہ طرازی عیاں ہے
فلک سے زمیں تک معطر جہاں ہے چمن زار فطرت سراپا زباں ہے

فجاء محمد سراجاً منيرا
فصلوا عليه كثيراً كثيرا

خیاباں میں پھولوں نے گجرے بنائے مسرت کے شبنم نے آنسو بہائے
ستاروں نے چاہت کے دیپک جلائے عنادل نے الفت کے نغمات گائے

فجاء محمد سراجاً منيرا
فصلوا عليه كثيراً كثيرا

شجر، چاند، سورج، گل خوش نما بھی یہ طائر بھی، کوہ و کمر بھی، صبا بھی
ملک، حور و غلمان رنگیں ادا بھی پکارا غلام درِ مصطفیٰ بھی

فجاء محمد سراجاً منيرا
فصلوا عليه كثيراً كثيرا

اللہ اکبر! یہ تو دیارِ عرب کا ماحول تھا جو ولادتِ مصطفیٰ کی برکات سے لبریز تھا، اب

اکنافِ عالم کا مشاہدہ کیجئے:

⊙...... حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ولادت رسول کی رات ساری دنیا کے اصنام سرنگوں ہو گئے، ﴿سیرت حلبیہ۔۱:۷۶﴾

⊙...... حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو، عبید اللہ بن جحش اور عثمان بن حویرث ولادت مصطفیٰ کی رات ایک بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ تمام بت زمین بوس ہو چکے ہیں، وہ سب حیران ہو کر کہنے لگے کہ اس سانحہ کے پیچھے ضرور کوئی ابدی حقیقت کارفرما ہے، اتنے میں ایک بت سے آواز نکلی ۔

تردی لمولود انارت بنوره

جمیع فجاج الارض بالشرق والغرب

یہ سب اصنام اس مولود نبوت کی بدولت تباہ ہو گئے جس نے اپنے نور سے مشرق و مغرب کی رہگزاروں کو روشن کر دیا ہے، ﴿تاریخ دمشق ۳۸:۳۳۶، البدایہ والنہایہ ۲:۳۴۱، خصائص کبریٰ ۱:۸۹﴾

⊙...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ولم یبق سریر ملک من ملوک الدنیا، الا اصبح منکوسا، ولادت مصطفیٰ کی رات تمام شاہان عالم کے تخت اوندھے ہو گئے، ﴿البدایہ والنہایہ ۶:۲۹۸، خصائص کبریٰ ۱:۸۱، سیرت نبویہ ۳۷، سیرت حلبیہ ۱:۷۶﴾

⊙...... حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ولادت مصطفیٰ کی رات تمام شیطانوں کیلئے آسمان کے راستے مسدود ہو گئے، ان پر شہاب ثاقب کی برسات ہونے لگی، اس عالمگیر انقلاب سے وہ پریشان ہوئے تو شیطان نے انہیں بتایا کہ آج ایک ایسا عظیم المرتبت بچہ پیدا ہوا ہے جو ہماری شیطانی چالوں کو ناکام بنا دے گا، شیطانوں نے مشورہ دیا کہ تم ابھی جا کر اس کا کوئی سدباب کرو، چنانچہ جب وہ حضور پیغمبر نور ﷺ کی طرف بڑھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک ہی ٹھوکر سے عدن میں پہنچا دیا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۸۶﴾

⊙...... جب حضور پیغمبر نور ﷺ کی ولادت ہوئی تو کسریٰ کے محل میں ہولناک زلزلہ آ گیا، اس کی دیواروں کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر بکھر گئے، فارس کے ایک ہزار سال پرانے آتشکدے کی آگ سرد ہو گئی، کسریٰ نے حیرت زدہ ہو کر اہل دربار سے پوچھا کہ ان حوادث زمانہ کا کیا سبب ہے، اہل ایران کے مذہبی رہنما موبذان نے جواب دیا، آج

رات میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے کہ عربی گھوڑے ہمارے شہروں میں پھیل گئے ہیں، بادشاہ نے تعبیر پوچھی تو موبذان نے کہا کہ حیرہ کے گورنر نعمان بن منذر کو شاہی فرمان لکھا جائے، وہ ضرور کسی معبر کا انتظام کر دے گا، چنانچہ نعمان بن منذر نے ڈیڑھ سو سالہ معبر عبدالمسیح کو بھیجا، اس نے خواب سن کر جواب دیا کہ اس کی تعبیر میرا ماموں سطیح ہی بتا سکتا ہے کسریٰ نے عبدالمسیح کو سطیح کے پاس بھیجا تو اس وقت اس کے آخری لمحات تھے، شاید وہ اسی آسمانی راز کو کھولنے کیلئے زندہ تھا، سطیح نے عبدالمسیح کو دیکھتے ہی کہا:

''اے عبدالمسیح تو آخری وقت میں میرے قریب آیا ہے اور یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ دنیا میں کیا انقلاب آرہا ہے، شاہ ایران کا محل زلزلے سے شکستہ ہو چکا ہے، اس کے چودہ کنگرے گر چکے ہیں، فارس کا قدیم آتشکدہ بجھ گیا ہے، بحیرہ ساوہ خشک ہو چکا ہے، بحیرہ طبریہ میں پانی ناپید ہو گیا ہے، وادی سماوہ کٹ چکی ہے، اے عبدالمسیح! اپنے بادشاہ کو بتا دے کہ جب اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت ہوگی، عصا لے کر چلنے والا پیغمبر مبعوث ہو جائے گا' وادی سماوہ بہنے لگے گی، بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو جائے گا اور فارس کے آتشکدے کی آگ سرد ہو جائے گی تو اس حال میں سطیح کے لئے شام، شام نہ رہے گا، محل کے چودہ کنگروں سے مراد یہ ہے کہ اتنے ہی بادشاہ اس کے ملک پر حکومت کریں گے، غور سے سنو، جو کچھ بھی ہونے والا ہے، آخر ہو کر رہے گا،'' ﴿تاریخ طبری ۱:۴۵۹، دلائل النبوۃ ۱:۱۳۵، البدایہ والنھایہ ۲:۲۶۹﴾

یہ انقلاب روزگار اس حقیقت کا ترجمان تھا کہ صدیوں سے چھائے ہوئے کفر و شرک کے ماحول میں نبوت و رسالت کا آفتاب جلوہ ریز ہو چکا ہے، باطل کی شب دیجور دم توڑنے والی ہے، زمانے کے چیرہ دستوں کو عبرتناک شکست ہونے والی ہے، دنیا کے سامراج خاک کا پیوند بننے والے ہیں، اب جور و استبداد کا کوئی نظام باقی نہیں رہے گا، شہنشاہوں کی مغرور گردنیں ٹوٹ جائیں گی اور اللہ کی زمین پر صرف اسی کا اقتدار تسلیم کر لیا جائے گا۔

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

حضور اقدس ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کے والد گرامی کا انتقال ہو چکا تھا، گویا آپ شان یتیمی لے کر پیدا ہوئے، اس کی یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کے تمام رشتوں سے بے نیاز کر کے صرف اپنی رحمتوں کے جھرمٹ میں پروان چڑھا رہا تھا۔

یوم ولادت باسعادت:

اس روشن صداقت پر تمام امت محمدیہ کا اجماع ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کی ولادت باسعادت پیر شریف کے دن ہوئی، حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ ﷺ سئل عن صوم یوم الا ثنین قال ذاک یوم ولدت فیہ ویوم بعثت اوا نزل علی فیہ ، یعنی رسول اللہ ﷺ سے سوموار کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، اس روز میری ولادت ہوئی اور اس روز میری بعثت ہوئی یا اس روز میرے اوپر اللہ کا کلام نازل ہوا، ﴿مسلم ۲:۸۱۹، سنن بیہقی ۴:۲۸۶، سنن نسائی ۲:۱۴۶، مسند احمد ۵:۲۹۶﴾

یاد رہے کہ جمعۃ المبارک کی قدر و منزلت صرف اسی لئے ہے کہ اس روز حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا گیا، پھر اس دن کا کیا مقام ہوگا جس دن فخر آدم، جان بنی آدم، رسول محتشم، نبی محترم، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ بزم آب و گل میں رونق انداز ہوئے، تخلیق آدم کے روز مخلوق خدا کی دعائیں اور التجائیں بارگاہ قدس میں مستجاب ہوتی ہیں تو میلاد رسول اعظم کے روز کتنی حسرتوں اور آرزوؤں کو نکھار ملتا ہوگا، امیدوں کے کتنے لب بستہ غنچے کھلکھلا کر چمنستان دل کو معطر کرتے ہوں گے، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم میلاد پر آسمانوں سے سلام اترتا ہے، جیسا کہ قرآن عظیم نے فرمایا:

⊙ ...... **وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا ،** اور حضرت یحییٰ پر سلام ہو، ان کے یوم ولادت پر سلام ہو، ان کے یوم وصال پر سلام ہو اور اس دن پر سلام ہو جب وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ﴿سورۃ مریم ۱۹:۱۵﴾

⊙ ...... **والسلام علی یوم ولدت و یوم اموت ویو م ابعث حیا ،** (حضرت عیسیٰ نے فرمایا،) مجھ پر سلام ہو، میرے یوم ولادت پر سلام ہو، میرے یوم وصال پر سلام ہو اور اس دن پر سلام ہو جب میں زندہ اٹھایا جاؤں گا،

﴿سورۃ مریم ۱۹:۳۳﴾

کیا شان اجلال ہوگی رسول آخر، نبی اکرم ﷺ کے یوم میلاد کی، اس دن کیوں نہ فرشتگان نور کی لاہوتی صداؤں سے ارض بطحا کے دست وجبل گونج اٹھے ہوں گے ۔

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی

یاد رہے کہ یوم ولادت مصطفیٰ کی خوشی منانا تمام اہل اسلام کا طریقہ مبارکہ ہے' اس کی روشن مثالیں قرآن و حدیث اور صدر اول سے لے کر آج تک کے تمام اہل علم وعرفان سے ثابت ہیں، ارشاد باری ہے:

⊙...... **قل بفضل الله و برحمته فبذلك فليفرحوا هو خير مما يجمعون**، اے محبوب آپ فرمادیں کہ مسلمان اللہ کے فضل ورحمت کے حصول پر خوب فرحت ومسرت کا اظہار کریں یہ کام ان کے مال ودولت سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں، ﴿یونس ۱۰:۵۸﴾

مفسرین امت نے اس آیہ مبارکہ میں فضل ورحمت سے حضور پیغمبر نور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو مراد لیا ہے، حضرت ابوالشیخ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم ہے اور رحمت سے مراد ذات مصطفیٰ ہے، خطیب اور ابن عساکر نے ان سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد بھی ذات مصطفیٰ ہے، ﴿روح المعانی ۱۰:۱۴۱﴾ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے، ﴿درمنثور ۴:۳۳۰﴾ حضرت ضحاک نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فضل سے مراد علم ہے اور رحمت سے مراد ذات مصطفیٰ ہے، ﴿تفسیر بحر محیط ۵:۱۷۱، زادالمسیر فی علم التفسیر لابن جوزی ۴:۴۰﴾ حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد وغیرہما نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "**فضل الله** 'رسول الله ﷺ' اللہ کے فضل سے مراد ذات رسول ہے، ﴿مجمع البیان ۵:۱۷۷﴾

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

⊙...... **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم**' یہ تو صرف اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے، ﴿الجمعہ ۶۲:۴﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، عظیم فضل سے مراد عظیم احسان ہے جو اس نے اسلام اور نبوت محمدی کی صورت میں اپنی مخلوق پر فرمایا، یہ بھی فرمایا گیا کہ عظیم احسان سے بعثت محمدی اور نزول قرآنی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور اپنی مخلوق کو عطا فرمایا، یہاں حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فضل اللہ سے ذات مصطفیٰ اور کتاب مجتبیٰ کو مراد لیا ہے، ﴿تفسیر جلالین﴾ تفسیر خازن میں بھی یہی منقول ہے، ﴿لباب التاویل ۴:۲۶۵﴾ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ﴿**الفضل الذی اعطاہ محمداً**﴾ فضل سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا فرمایا اور وہ ہے آپ کا اپنے زمان ظاہر اور زمان تا قیامت کے لئے پیغمبر ہونا، ﴿مدارک التنزیل ۴:۲۵۵﴾ امام ابن کثیر علیہ الرحمہ بھی لکھتے ہیں، فضل سے مراد وہ عظیم الشان نبوت ورسالت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو عنایت فرمائی اور وہ خصائص ہیں جن سے آپ کی امت کو آپ کی بعثت عالی کے توسل سے سرفراز کیا گیا، [1] جب ثابت ہو گیا کہ حضور پیغمبر نور ﷺ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم اور رحمت عمیم ہیں، اس لئے ان کی تشریف آوری کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

> "بلا اختلاف حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور اس کا کامل ترین فضل ہیں، اس لئے آیت کریمہ ﴿**قل بفضل اللہ**﴾ سے بدلالۃ النص یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ جہاں رحمت اور فضل سے مراد حضور ﷺ ہیں جن کی ولادت پر اللہ تعالیٰ خوشی منانے کا حکم دے رہے ہیں، ۔۔۔ اب قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں لفظوں سے کیا مراد ہے، قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ بکثرت آئے ہیں، کہیں دونوں سے ایک معنیٰ مراد ہیں اور کہیں جدا جدا، چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے، **ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ، لکنتم من الخسرین** ﴿البقرہ ۲:۶۴﴾
>
> اکثر مفسرین کے نزدیک فضل اور رحمت سے مراد حضور ﷺ کا وجود مسعود

---

[1] الکشاف ۴:۵۳۰، تفسیر بحر محیط ۸:۲۶۵، زاد المسیر ۸:۲۶۰، تفسیر المراغی ۱۰:۹۶، مجمع البیان ۱۰:۴۲۹

ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے، **ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لا تبعتم الشیطٰن الا قلیلا** ﴿النساء۴:۸۳﴾ یہاں بھی بقول مفسرین حضور ﷺ ہی مراد ہیں، بعض آیات میں فضل سے رحمت دنیوی اور رحمت سے رحمت دینی مراد ہے، پس تمام تفاسیر کا مجموعہ دنیوی رحمتیں اور دینی رحمتیں ہوا۔۔۔۔ جو نعمت اصل اور سر چشمہ ہے تمام دنیوی اور دینی نعمتوں کا' وہ ہے حضور ﷺ کی تشریف آوری، ﴿میلاد النبی ص ۱۰۴﴾۔۔۔۔ حضور ﷺ کے وجود باجود پر خواہ وہ وجود نوری ہو یا ولادت ظاہری، اس پر خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے تمام نعمتوں کا واسطہ ہیں، افضل نعمت اور بڑی دولت ایمان ہے جس کا حضور ﷺ سے ہم کو پہنچنا بالکل ظاہر ہے، غرض اصل الاصول تمام مواد فضل ورحمت کی حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہوئی، پس ایسی ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرحت ہو کم ہے، ﴿میلاد النبی ص ۱۲۱﴾

معلوم ہوا کہ حصول فضل و رحمت پر فرحت و انبساط کا اظہار کرنا نص قرآنی "**فلیفرحواء**" سے ثابت ہے، اس حکم مطلق سے ہر قسم کے اظہار فرحت کی کھلی اجازت ہے جو شریعت اسلامی کے دائرے میں رہ کر اپنایا جائے۔ گویا شکرانے کے نوافل بھی جائز ہیں، سخاوت کے انداز بھی بجا ہیں، جھنڈیاں بھی لگائی جا سکتی ہیں، گھی کے چراغ بھی جلائے جا سکتے ہیں، جلسوں، جلوسوں اور نورانی محفلوں کا انعقاد بھی روا ہے، مبارک، سلامت کے ہدیے بھی دیئے جا سکتے ہیں، شرینیوں سے منہ میٹھا بھی کرایا جا سکتا ہے، غرض کہ ایمان کی نظر میں میلاد رسول کی خوشی کائنات کی ہر خوشی پر غالب آجانی چاہئے، پھر حضور پیغمبر نور ﷺ کی ذات مبارک اللہ تعالیٰ کی نعمت تمام بھی ہے، ارشاد باری ہے:

⊙...... **لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولاً** بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں عظمت والا رسول بھیجا، ﴿ال عمران ۳:۱۶۴﴾

اب قرآن حکیم ہی سے پوچھا جائے کہ حصول نعمت اور وصول رحمت پر ایک مومن برحق کا کیا کردار ہونا چاہئے، کیا اسے رونا چاہئے یا اظہار تشکر کے طور پر مسرت کا اظہار کرنا چاہئے، فرمایا:

⊙......اگر تم شکرادا کرو گے تو تم پر نعمتوں کا اضافہ ہو گا اور تم ناشکری اپناؤ گے تو یقیناً میرا عذاب بہت شدید ہے، ﴿ابراہیم ۱۴:۷﴾

⊙......اے بنی اسرائیل! میری نعمت کا ذکر کرو جو میں نے تم پر نازل فرمائی اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت بخشی، ﴿البقرہ ۲:۴۷﴾

⊙......اے بنی اسرائیل! یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو سخت عذاب میں مبتلا کرتے تھے، ﴿البقرہ ۲:۴۹﴾

⊙......اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ دراز کیا اور تمہارے لیے من وسلویٰ نازل فرمایا ﴿البقرہ ۲:۵۷﴾

⊙......اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے تمہارے اوپر فرمائی، جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت بھر دی، پھر تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، ﴿آل عمران ۳:۱۰۳﴾

⊙...... تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروں گا، میرا شکرادا کرو اور کفر نہ اپناؤ، ﴿البقرہ ۲:۱۵۲﴾

⊙......واما بنعمة ربک فحدث، اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کریں ﴿الضحیٰ ۹۳:۱۱﴾

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جب عام نعمتوں کے ملنے پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، ان کے تذکار سے کام ودہن کو تر رکھنا چاہیے اور کفران نعمت سے بچنا چاہیے تو نعمت عظمیٰ، دولت کبریٰ حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ ﷺ کی آمد آمد کے ترانے آلاپنا کتنا بڑا اعزاز ہو گا، نگاہ عشق میں تو یہ ساری بزم کائنات ایک دلنشین ''محفل میلاد'' کی صورت ہے، جس میں ہر لحہ لاہوتی آواز کانوں میں رس گھول رہی ہے!

⊙......'' ورفعنالک ذکرک اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لئے بلند کر دیا''

یہ بھی یاد رہے کہ جب کسی نعمت کا نزول ہوتا ہے تو اہل ایمان کے لئے ''عید کا سماں'' ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے!

⊙......ربنا انزل علینا مائدة من السماء تکون لنا عیداً لا ولنا

واخرنا وایة منک ﴿حضرت عیسیٰ نے عرض کی﴾ اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو اور تیری طرف سے نشانی ہو، ﴿المائدہ ۵:۱۱۴﴾

اللہ اللہ! اگر قوم بنی اسرائیل کے لئے آسمان سے نعمتوں بھرا دستر خوان نازل ہو جائے تو ان کے اگلوں اور پچھلوں کیلئے 'باعث عید' بن جائے، پھر پروردگار کی نعمت عظمیٰ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا یوم میلاد کیوں نہ ساری امت مرحومہ کے لئے لائق عید اور قابل دید ہوگا، وہ دستر خوان افضل ہے یا انبیا کا سلطان افضل ہے۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں تمام عالم اسلام آپ کے یوم ولادت کو ''عید میلاد النبی'' کے مبارک نام سے یاد کرتا ہے، پھر کتنی بابرکت ہے وہ رات، جس میں قرآن حکیم نازل ہوا، اس رات کے لمحات فوز و فلاح کے حامل ہیں، ہر مسلمان نزول قرآن کے جشن مناتا ہے اور شکر کے سجدے نچھاور کرتا ہے، کیا اسے خبر نہیں کہ شب میلاد رسول کا کیا مقام ہونا چاہئے، ذرا اہل دل کی پکار سنئے'

⊙...... حضرت امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' شب میلاد رسول شب قدر سے افضل ہے ﴿انوار محمدیہ ۲۸﴾

⊙...... حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شب میلاد رسول سب سے افضل ہے، پھر شب قدر افضل ہے اور پھر شب معراج' شب عرفہ، شب جمعہ، شب برات اور شب عید افضل ہے، ﴿جواہر البحار ۳:۴۲۶﴾

⊙...... حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میرے خیال میں میلاد رسول کی رات شب قدر سے تین وجوہات کی بنا پر افضل ہے، اولاً شب میلاد وہ ہے جس میں آپ کا ظہور ہوا جبکہ شب قدر آپ کو عطا کی گئی، ثانیاً شب قدر میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جب کہ شب میلاد میں خود سرور انبیا ﷺ جلوہ فرما ہوئے، ثالثاً، شب قدر کی وجہ سے امت محمدیہ کو فضیلت ملی جبکہ شب میلاد کی بدولت تمام موجودات کو فضیلت سے سرفراز کیا گیا کیونکہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے تو اس نعمت کو تمام مخلوق کے لئے عام کر دیا گیا، ثابت ہوا کہ شب میلاد شب قدر کی نسبت نفع پہنچانے میں کہیں زیادہ ہے، اس لئے افضل ہے، ﴿مواہب لدینہ ۱:۱۴۵﴾

⊙...... حضرت امام عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بعض علما کے نزدیک والضحیٰ سے مراد یوم میلاد مصطفیٰ ہے اور والیل اذا سجیٰ سے مراد شب معراج مصطفیٰ ہے، ﴿تفسیر فتح العزیز﴾

یوم ولادت مصطفیٰ کی اہمیت وافضلیت کو ظاہر کرنے کے لئے چند احادیث نبویہ کا سہارا بھی اشد ضروری ہے:

......﴿1﴾......

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو یوم عاشور کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، آپ نے پوچھا یہ روزہ کیسا ہے، یہودیوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات عطا کی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا، آپ نے فرمایا، ﴿فانا احق بموسیٰ منکم فصامه وا مر بصیامه﴾ میں تم سے زیادہ موسیٰ کا حقدار ہوں، لہذا آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزے کا حکم دیا، ﴿بخاری ۲:۷۰۴، مسند احمد ۱:۲۹۱﴾

......﴿2﴾......

حضرات ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، یہودی یوم عاشور کی بہت تعظیم کرتے تھے اور اس دن کو بطور عید مناتے تھے، لہذا حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا، تم لوگ اس دن کا روزہ رکھا کرو۔ ﴿مسلم ۲:۷۹۶، سنن نسائی ۲:۱۵۹﴾

حضرات شارحین حدیث نے ان روایات سے استدلال کیا ہے کہ کسی خاص دن میں اللہ تعالیٰ کے کسی احسان کو یاد کرنا اور اس کا شکرادا کرنا اور ہر سال اسکا خصوصی اہتمام کرنا صحیح ہے، لہذا اظہار شکر کے لئے سجدے، روزے، صدقے، تلاوت اور دیگر عبادات کا انتظام کرنا جائز ہے، اب بتایا جائے کہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہے، جس پر زیادہ اظہار شکر کیا جائے، ﴿حسن المقصد فی عمل المولد ص ۶۳﴾ قوم بنی اسرائیل کو صرف فرعون سے نجات ملی تو اس نے ہر سال اس دن کو یاد رکھا۔ حضور اقدس ﷺ کی آمد سے تو ساری کائنات کو کفر و جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نجات نصیب ہوئی ہے، اس دن کو کیوں نہ یاد رکھا جائے۔

﴿3﴾

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، صوم رمضان سے پہلے لوگ یوم عاشور کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس دن کعبہ مشرفہ کو غلاف پہنایا جاتا تھا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ نے فرمایا، جو رکھنا چاہتا ہے تو یہ روزہ رکھ لے اور جو چھوڑنا چاہتا ہے تو چھوڑ دے، ﴿بخاری ۲: ۵۷۸﴾

جس دن کعبہ مشرفہ کو غلاف عزت پہنایا جائے، اس دن کی تعظیم قطعی طور پر جائز ہے تو جس دن کے نورانی لمحات میں وجود انسانی کو ہدایت وعنایت کا خرقہ عطا کیا گیا، اس دن کی تکریم کیونکر حرام ہوگی۔

﴿4﴾

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد یہود نے آپ سے کہا، اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک ایسی آیت مبارکہ موجود ہے، وہ اگر قوم یہود کو مل جاتی تو ہم اس دن کو عید قرار دیتے، آپ نے فرمایا، وہ کونسی آیت مبارکہ ہے، اس نے کہا، الیوم اکملت لکم دینکم، آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔۔۔۔آپ نے فرمایا' ہم اس دن اور مکان کو بخوبی جانتے ہیں، جس میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی، اس وقت حضور پیغمبر نور ﷺ میدان عرفات میں جمعہ کے روز قیام فرماتے، ﴿بخاری ۱: ۲۵، ترمذی ۵: ۲۵۰﴾

گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بتا دیا کہ اس آیت مبارکہ کا نزول حج کے روز ہوا جو مسلمانوں کے لئے یوم عید ہے اور طرفہ سعادت یہ کہ اس دن جمعہ المبارک بھی تھا لہذا وہ بھی یوم عید ہے، یہاں تو آپ نے اشارے سے کام لیا ہے لیکن ایک اور روایت میں صراحت موجود ہے، فرمایا!

''بے شک میں جانتا ہوں کہ یہ آیت مبارکہ جمعہ اور عرفات کے دن نازل ہوئی، وھما لنا عید ان 'یہ دونوں ہمارے لئے عید کے دن ہیں'' ﴿معجم طبرانی اوسط ۱: ۲۵۳، فتح الباری ۱: ۱۰۵﴾

معلوم ہوا کہ اگر آخری آیت قرآنی کے نزول کا دن باعث عید ہے تو آخری پیغمبر رحمانی کے ورود کا دن کیوں نہ لائق نوید ہوگا، اس حقیقت کو سامنے رکھنا ہر اہل ایمان کا ایمانی فریضہ ہے۔

﴿5﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان النبی ﷺ عق عن نفسہ بعد مابعث نبیاً، حضور پیغمبر نور ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا، ﴿معجم طبرانی اوسط ۱:۲۹۸، میزان الاعتدال ۴:۱۹۳﴾

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے جد محترم نے آپ کی ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کر دیا تھا، عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا لہذا یہی احتمال ہے کہ آپ نے اپنی ولادت باسعادت کی خوشی میں عقیقہ فرمایا، ہم پر مستحب ہے کہ ہم بھی آپ کے یوم میلاد پر خوشی کا اعلان کریں اور لوگوں کو کھانا کھلائیں نیز عبادات اور مسرات کا اظہار کریں، ﴿الحاوی للفتاوی ۱:۱۹۶﴾

﴿6﴾

صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے کسی فرد خانہ نے خواب میں اس کو نہایت بری حالت میں ملاحظہ کیا تو اس سے پوچھا، تمہارا کیا حال ہے، اس نے کہا، میں تمہارے بعد بہت دردناک عذاب میں مبتلا ہوں، ہاں مجھے اس سے کچھ سیراب کر دیا جاتا ہے کہ میں نے ﴿اپنے بھتیجے محمد مصطفےٰ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں﴾ ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ ﴿بخاری کتاب النکاح، مصنف عبدالرزق ۷:۴۷۸، سنن بیہقی ۷:۱۶۲ دلائل النبوۃ ۱:۱۵۰﴾

اس واقعہ کو محدثین کرام نے قدرے تفصیل سے یوں لکھا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابولہب کو میں نے خواب میں دیکھا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ تم سے بچھڑ کر مجھے ذرا بھی آرام نصیب نہیں ہوا، لیکن سوموار کے دن میرے عذاب میں کمی آجاتی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور انور ﷺ سوموار کے دن پیدا ہوئے اور ثویبہ نے ابولہب کو آپ ﷺ کی بشارت سنائی تو اس نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ ﴿فتح الباری ۹:۱۴۵﴾ اس روایت کی روشنی میں حضرت امام جلال الدین سیوطی، حضرت امام یوسف نبہانی، حضرت امام ابن جوزی، حضرت امام ناصر الدین دمشقی، حضرت امام عبدالحق دہلوی اور امام عبدالحیٔ لکھنوی رحمہم اللہ جیسے محققین[1] نے یہی نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ اگر ابولہب جیسا کافر بھی حضور پیغمبرِ نور ﷺ کو اپنا

---

[1]: حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۳۷، الحاوی للفتاوی ۱:۱۹۶، حول الاحتفال ص ۱۷، مدارج النبوۃ ۲:۱۹، فتاوی عبدالحی ۲:۲۸۲، احسن الفتاوی ۱:۳۴۷

بھتیجا سمجھ کر خوشی منائے تو اس کے عذاب میں بھی قدرے تخفیف ہو جائے، آپ کا امتی آپ کو پیغمبرِ برحق تسلیم کرتے ہوئے خوشی منائے تو اس کو کتنا اجر و ثواب حاصل ہوگا؟

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمناں نظر داری

صدر اوّل سے لے کر آج تک امتِ مرحومہ کے جلیل القدر علما اور فقہا نے میلادِ رسول کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا ہے، میلاد ہے کیا؟ میلاد حضور پیغمبرِ نور ﷺ کی تشریف آواری کے تذکارِ جمیل کا نام ہے، جن میں آپ کے ارہاصات، معجزات اور انعامات بیان کئے جاتے ہیں، یہ کام تو سنت الٰہیہ ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبرانِ دین کا میلاد بیان کیا، قرآن حکیم میں حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی ولادت کے تذکرے موجود ہیں، پھر آمدِ محبوب پر تو کتنی ہی آیات گواہی فراہم کر رہی ہیں۔ مثلاً اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تشریف لایا .... اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا .... وہ خدا ہے جس نے امیوں میں عظمت والا رسول مبعوث فرمایا .... ہم نے تمہاری طرف ایک عظمت والا رسول بھیجا .... اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان آگئی .... بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا .... اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا .... یہ آیاتِ مبارکہ میلادِ رسول کی بہترین داستان سنا رہی ہیں، شاید عقل نارسا کو لفظ میلاد پر اشکال واقع ہو، یہاں اتنا عرض کر دینا ہی کافی ہے کہ لفظ میلاد حدیث کی مستند کتابوں میں مذکور ہے اور علمائے امت نے بکثرت استعمال فرمایا ہے:

⊙ ...... جامع ترمذی شریف میں ایک باب کا نام ہے "**ماجاء فی میلاد النبی ﷺ**" اس باب میں حدیث موجود ہے، حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ﴿ظاہری عمر میں﴾ آپ بڑے ہیں یا اللہ کے رسول؟ انہوں نے جواب دیا" **رسول اللہ اکبر منی وانا اقدم منہ فی المیلاد**، رسول اللہ مجھ سے بڑے ہیں لیکن میں میلاد میں ان سے پہلے ہوں، ﴿ترمذی ۵:۵۸۹﴾

⊙ ...... غارِ ثور پر کفار نے مکڑی کا جالا دیکھا تو پکار اٹھے، **ان علیہ العنکبوت**

قبل میلاد محمد ﷺ فانعرفوا، اس کے دھانے پر تو محمد مصطفےٰ ﷺ کے میلاد سے پہلے کا جالا ہے لہذا وہ سب واپس چلے گئے۔ ﴿طبقات کبریٰ ۱: ۲۲۸، خصائص کبریٰ ۱: ۳۰۵﴾

⊙...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کان بین میلاد عیسیٰ علیہ السلام خمس ماته سنة و تسع و ستون سنة، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد اور نبی مکرم ﷺ کے درمیان پانچ سو انہتر سال کا عرصہ تھا۔ ﴿طبقات کبریٰ ۱: ۵۳﴾

⊙...... حضرت ابن عون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وکان اقدم فی المیلاد من رسول اللہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ ﴿اس دنیا میں﴾ حضور نور ﷺ سے پہلے پیدا ہوئے تھے ﴿طبقات کبریٰ ۳: ۲۵۹﴾

⊙...... طبرانی کبیر اور مجمع الزوائد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیح حدیث منقول ہے، تذاکر رسول اللہ وابو بکر رضی اللہ عنہ، میلاد هما عندی، میرے سامنے حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے میلاد کا ذکر کرتے رہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ "میلاد" کوئی نئی اصطلاح نہیں شروع سے عربی زبان میں مروج ہے، علامہ ابن منظور فرماتے ہیں، میلاد الرجل اسم الوقت الذی ولد فیهٔ گویا انسان کا میلاد اس وقت کا نام ہے جس میں وہ پیدا ہوا، ﴿لسان العرب ۳: ۴۶۸﴾ جہاں تک "میلاد النبی" کے عنوان سے محافل ومجالس کے انعقاد کا سوال ہے تو عرض ہے کہ ظاہری دور رسالت میں اور دور صحابہ میں "سیرت النبی" کے عنوان سے بھی محافل ومجالس کا انعقاد نہیں ہوتا تھا، ہاں مطلقاً محفلیں اور مجلسیں سجائی جاتی تھیں، جس میں خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام پورے جذبات واحساسات کے ساتھ آپ کے میلاد پاک، صورت پاک اور سیرت پاک کا ذکر کیا کرتے تھے، ذرا ان احادیث وآثار پر غور کرنا چاہئے:

⊙...... حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اقدس ﷺ منبر نبوت پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا، میں کون ہوں، صحابہ کرام نے عرض کی آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا، میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، بے

شک اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین گروہ ﴿انسانی﴾ میں پیدا کیا، پھر اس کے دو فرقے بنائے تو مجھے بہترین فرقے ﴿عرب﴾ میں پیدا کیا، پھر اس کے قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلے ﴿قریش﴾ میں پیدا کیا، پھر اس کے گھر بنائے تو مجھے بہترین گھر میں پیدا کیا، پس میں گھر کے اعتبار سے اور نسب کے اعتبار سے ساری کائنات کا سردار ہوں، ﴿ترمذی ۵:۵۴۳، مسند احمد ۱:۲۱۰، مجمع الزوائد ۸:۲۱۶، دلائل النبوۃ ۱:۱۶۹، کنز العمال ۱۱:۴۱۵﴾

⊙...... حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، اتنے میں آپ تشریف لے آئے، آپ نے سنا کہ صحابہ کرام پہلے انبیا کرام کا ذکر کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، ایک نے کہا اس سے بھی تعجب انگیز بات ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا، ایک نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں، ایک نے کہا، حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ بنایا، حضور اقدس ﷺ فرمانے لگے، میں نے تمہارا کلام سن لیا ہے، بے شک ابراہیم خلیل اللہ ہیں، موسیٰ نجی اللہ ہیں، عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، آدم صفی اللہ ہیں لیکن خبردار میں حبیب اللہ ہوں، یہ میں فخر سے نہیں کہتا، میں قیامت کے دن حمد کا پرچم لہراؤں گا، یہ میں فخر سے نہیں کہتا، میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی، یہ میں فخر سے نہیں کہتا، میں سب سے پہلے جنت کی زنجیر ہلاؤں گا، اللہ میرے لئے جنت کا دروازہ کھول دے گا اور سب سے پہلے مجھے اس میں داخل کرے گا، میرے ساتھ فقیر مومن ہوں گے، مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، بیشک پہلوں اور پچھلوں کا میں ہی سردار ہوں، یہ میں فخر سے نہیں کہتا، ﴿ترمذی ۲:۲۰۲۔ سنن دارمی ۱:۳۰﴾

⊙...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: **کان رسول اللہ ﷺ یضع لحسان منبراً فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ ﷺ او ینافح عن رسول اللہ ﷺ ویقول رسول اللہ ﷺ**

ان اللہ تعالیٰ یو ید حسان بروح القدس ما یفا خراو ینا فح عن رسول اللہ ﷺ، یعنی حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے منبر رکھواتے تو وہ اس پر کھڑے ہو کر آپ کی مدحت سرائی کرتے یا آپ کا دفاع کرتے اور آپ ان کو ان الفاظ سے نوازتے، بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے حسان کی امداد فرماتا ہے جب وہ رسول اللہ کی مدحت سرائی کرتا ہے یا دفاع کرتا ہے، ﴿ترمذی ۵:۱۳۸، مستدرک ۳:۵۵۴، مسند ابو یعلیٰ ۸:۱۸۹، مسند احمد ۶:۷۲﴾

آمد مصطفیٰ پر جوش وجذبہ کا اظہار کرنا انصار مدینہ کے عظیم کردار سے ثابت ہے، انہوں نے اپنے خوش نصیب بچوں کو مدحت رسول کے ترانے یاد کروائے اور آپ کے استقبال کی تیاریاں کیں، یہ ترانے کس قدر مشہور ہیں، طلع البدر علینا...... من ثنیات الوداع...... وجب الشکر علینا...... مادعا للہ داع...... ایھا المبعوث فینا ...... جئت بالا مرا لمطاع، ﴿فتح الباری ۷:۲۶۱﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کتنے بلند پایہ شعرا تھے جنہوں نے اپنے کلام کو توصیف مصطفیٰ سے آراستہ کیا اور بارگاہ مصطفیٰ میں سنا کر داد بھی حاصل کی اور امداد بھی حاصل کی، پھر امت مرحومہ نے ان کی سنت مبارکہ کو دل وجان سے قائم رکھا، ہر دور کے علما اور اولیا نے ''میلاد رسول'' کے نام پر عظیم الشان کتابیں رقم فرمائیں اور ان کو مشرق ومغرب میں قبول دوام نصیب ہوا، چند علما کرام کے نام درج ذیل ہیں:

1 امام شہاب الدین ابن حجر مکی نے کتاب ''مولد النبی'' تحریر فرمائی۔
2 امام سید جعفر برزنجی نے کتاب ''عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر'' تحریر فرمائی۔
3 امام جلال الدین سیوطی نے کتاب ''حسن المقصد فی عمل المولد'' تحریر فرمائی۔
4 امام ابن جوزی نے کتاب ''مولد العروس'' تحریر فرمائی۔
5 امام سید احمد بن عمر عابدین شامی نے کتاب نثر الدرر علیٰ مولد ابن حجر تحریر فرمائی۔
6 امام ابوالفدا ابن کثیر نے کتاب ''مولد رسول اللہ ورضاعہ'' تحریر فرمائی۔
7 امام علی القاری نے کتاب ''المورد الروی فی مولد النبی'' تحریر فرمائی۔
8 امام عمر بن حسن اندلسی نے کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' تحریر فرمائی۔

9 امام ابن عبداللہ جزری نے کتاب ''عرف التعریف بالمولد الشریف'' تحریر فرمائی۔
10 امام الحافظ عراقی نے کتاب ''المورود الھنی فی المولد السنی'' تحریر فرمائی۔
11 حافظ ابن ناصر الدین دمشقی نے کتاب ''جامع الاثار فی مولد النبی المختار'' تحریر فرمائی اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق، مورد الصادی فی مولد الھادی بھی ان کی کتابیں ہیں،
12 امام محمد سخاوی نے کتاب ''مولد النبی'' تحریر فرمائی۔
13 امام محمد بن جعفر کتانی نے کتاب ''الیمن والاسعاد بمولد خیر العباد'' تحریر فرمائی۔
14 امام یوسف نبہانی نے کتاب ''جواہر النظم البدیع فی مولد الشفیع'' تحریر فرمائی۔
15 امام احمد سعید دہلوی نے کتاب ''اثبات القیام فی مولد خیر الانام'' تحریر فرمائی۔
16 امام احمد رضا بریلوی نے کتاب ''نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال'' تحریر فرمائی۔

ان کے علاوہ دنیا کی متعدد زبانوں میں تذکار میلاد کی کہکشاں جگمگا رہی ہے، اور ان تذکار سے تمام علما اور اولیا کرام علیہم الرحمہ نے اپنے ایمان کو مشکبار کیا ہے، بقول حضرت حسان ؎

مامن مدحت محمدا ﷺ بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد ﷺ

تاریخ ولادت کی تحقیق:

ربیع الاول کا بہار آفرین مہینہ تھا جس کا معنیٰ ہی ''پہلی بہار'' ہے، گویا موسم بہار اپنی تمام تر رعنائیوں، بوقلمونیوں اور آرائشوں کے ساتھ موجود تھا، خزاں رسیدہ چمنستان باد صبا کے نشاط انگیز ہلکوروں سے کھل اٹھے تھے، عنادل چہک رہے تھے اور ہر گل زیبا کو کسی جان آرزو کا انتظار تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ اسی مبارک مہینے کی بارہ تاریخ کو رونق افروز ہوئے، حضرت سعید ابن میسب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وکان ذلک فی فصل الربیع، یعنی حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت موسم بہار میں ہوئی، ﴿سیرت حلبیہ ۱:۵۷﴾ حضرت امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی دامن دل کو کھینچ رہی ہے:

''مشہور ترین قول یہ ہے کہ آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے، یہ قول جمہور علما کرام کا ہے، ابن جوزی علیہ الرحمہ نے اس قول پر اتفاق واجماع نقل کیا ہے، صفوہ

میں انہوں نے لکھا ہے ''تمام علما کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ مکہ شریف میں پیر کے دن، ربیع الاول کے مہینے میں عام الفیل کو پیدا ہوئے، علامہ ابن حجر نے نعمۃ الکبریٰ جو میلاد النبی پر بڑی کتاب ہے، میں لکھا ہے کہ علامہ ابن جوزی نے جو اتفاق نقل کیا ہے، اس سے مراد اکثر علما کا اتفاق ہے، اگر یہ نہ کہا جائے تو ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ صفر میں پیدا ہوئے، ربیع الآخر میں بھی کہا گیا ہے، اس کو بھی بطور حکایت مغلطائی وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہ قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں، یہ قول اس قول کے موافق ہے جس میں کہا گیا کہ آپ کی والدہ ایام تشریق میں امانت دار نور مصطفیٰ ہوئیں، جس نے کہا کہ آپ کی ولادت یوم عاشور کو ہوئی تو یہ قول غریب ہے، اس سے آپ کی ولادت کا مہینہ محرم بنتا ہے، مغلطائی نے اس کی حکایت کی لہذا ان اقوال سے معلوم ہوا کہ آپ کی ولادت کے بارے میں چھ اقوال ہیں، ماہ ولادت کی طرح اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ مہینے کا کونسا دن تھا جب آپ پیدا ہوئے، کہا گیا ہے کہ پیر کا دن تھا لیکن کونسا پیر، یہ معین نہیں، جمہور کا مسلک ہے کہ سوموار معین ہے، لیکن یہ اختلاف ہے کہ سوموار دو ربیع الاول والا تھا، یہ قول مغلطائی نے ذکر کیا ہے، اور یہ کہا گیا ہے کہ سوموار آٹھ ربیع الاول کو آیا تھا، یہ بھی کہا گیا کہ سوموار دس ربیع الاول کو آیا تھا، اسے مغلطائی اور دمیاطی نے ذکر کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور بیان کیا گیا کہ بارہ ربیع الاول کو سوموار تھا، بعض نے سترہ اور بعض نے اٹھارہ اور بعض نے اختتام ربیع الاول سے آٹھ دن پہلے قرار دیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آخری دو قول بالکل غلط ہیں، لہذا دن کے تعین کے متعلق سات اقوال سامنے آتے ہیں، ان میں مشہور ترین قول بارہ ربیع الاول ہے، یہی محمد بن اسحاق وغیرہ کا قول ہے، ابن کثیر نے کہا کہ جمہور سے یہ قول مشہور ہے اور قدیم وجدید اہل مکہ اسی دن پر متفق چلے آ رہے ہیں، وہ اس دن کو حضور اکرم ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کرنے جاتے ہیں، ابن جوزی اور ابن جزاء نے اس میں تھوڑا سا مبالغہ

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس تاریخ پر اجماع ہے، یعنی اکثر علما کرام کا اجماع ہے، اس اجماع سے مراد ''اجماع فعلی'' ہو سکتا ہے، اس لئے کہ سلف وخلف سب اس پر متفق دکھائی دیتے ہیں، وہ تمام بارہ ربیع الاول کی رات کو عمل مولد اپناتے چلا آرہے ہیں، اسی تاریخ کو میلاد النبی کی تاریخ کہتے چلے آرہے ہیں، تمام شہروں میں یہی معمول ہے حتیٰ کہ حرم مکہ میں بھی یہی معمول ہے...... لہذا اسی قول پر اعتماد کرنا چاہئے۔ ﴿نثر الدرر علی مولد ابن حجر ص ۱۱۷﴾

حضرت امام شامی کے علاوہ متعدد علما کرام نے بارہ ربیع الاول کو تاریخ ولادت قرار دیا ہے، جن میں امام ابن اسحاق، امام ابن ہشام، امام ابن جریر طبری، امام علی بن محمد ماوردی، امام ابوالفتح اندلسی، امام ابن خلدون، علامہ محمد صادق عرجون، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے لوگ بھی شامل ہیں۔ ولادت نبوی کی تاریخ کے بارے میں صحابہ کرام سے ایک صحیح روایت منقول ہے جسے حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ درج کیا ہے، عفان سے روایت ہے، وہ سعید بن مینا سے راوی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں سوموار کے روز بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، ﴿البدایہ والنھایہ ۲: ۲۶۰﴾ اس سند کے تمام راوی بلند پایہ امام ثقہ اور اتقان ودیانت کا نمونہ ہیں، دو تو صحابی ہیں جن کا عدل مسلمہ ہے، جبکہ دو کے بارے میں بھی زبردست ثقاہت کا قول ہے، ﴿خلاصۃ التھذیب ص ۱۴۳﴾

اس صحیح حدیث کی موجودگی میں بارہ ربیع الاول ہی یوم ولادت نبوی ہے، محققین اسلام کے مطابق اس روز مکہ معظمہ میں صبح صادق کا ظہور چار بج کر بیس منٹ پر ہوا تھا، جیٹھ کی یکم تاریخ کو شروع ہوئے تیرہ گھنٹے اور سولہ منٹ بیت چکے تھے، اپریل کی ۲۰ یا ۲۲ تاریخ تھی، نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی بارہ ربیع الاول ہی کو جمہور کا قول تسلیم کیا ہے، امام ابوزہرہ بھی فرماتے ہیں کہ علما کی عظیم کثرت اسی پر متفق ہے، ﴿خاتم النبیین ۱: ۱۱۵﴾ حکیم صادق سیالکوٹی، میر ابراہیم سیالکوٹی اور مرزا حیرت دہلوی نے بھی یوم ولادت بارہ ربیع الاول تحریر کیا ہے۔ ﴿سید الکونین ص ۵۵، محمد ﷺ ص ۱۳۵﴾ مولانا مودودی بھی یہی لکھتے ہیں۔ ﴿سیرت سرور عالم ص ۹۲﴾

ماہ ولادت اور یوم ولادت کی شان:

حضرت امام حلبی رقم فرماتے ہیں، حضور پیغمبر نور ﷺ کی ولادت طلوع مشتری میں ہوئی اور مشتری ایک سعید ستارہ ہے لہذا آپ کی ولادت سعد اکبر اور ربیع الاول کے نجم انور کے موجود ہونے کے وقت ہوئی، اسی لئے ایک شاعر نے کہا۔

لهذا الشهر فی الا سلام فضل و منقبة تفوق علی الشهور

ربیع فی ربیع فی ربیع و نور فوق نور فوق نور

یعنی یہ مہینہ اسلام میں بہت بڑا افضل ہے، اس کی فضیلت باقی مہینوں پر فوقیت رکھتی ہے، یہ مہینہ ایک بہار میں دوسری بہار اور دوسری میں تیسری بہار ہے، ایک نور پر دوسرا نور اور اس کے اوپر تیسرا نور ہے،

پس اے مبارک مہینے! تیرے شرف واعزاز پر قربان، اس کی راتوں کے احترام پر جاں نثار تسبیح میں پروئے گئے موتیوں کی طرح ہیں اور قربان حضور اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر سو کسی پیدا ہونے والے کا ایسا حسین چہرہ نہ ہوگا، پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کی ولادت باسعادت کو دلوں کے لئے بہار بنایا اور جس نے آپ کے حسن و جمال کو آنکھوں کے نصیب میں لکھا، ﴿نثر الدرر علی مولد ابن حجر ص ۱۲۱﴾ حضرت علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے المدخل میں ولادت اور یوم ولادت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے!

اگر یہ کہا جائے اس میں کیا حکمت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت ماہ ربیع الاول اور سوموار کو ہوئی، رمضان المبارک میں کیوں نہ ہوئی جو نزول قرآن اور لیلۃ القدر کا مہینہ ہے، حرمت والے مہینوں میں کیوں نہ ہوئی، شعبان المعظم کی پندرویں رات کو کیوں نہ ہوئی، جمعہ اور جمعرات کو کیوں نہ ہوئی، اس کا جواب چار وجوہات کی بنا پر دیا جا سکتا ہے،

⦿...... یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے درختوں کو پیر کے دن تخلیق فرمایا اس میں بڑی تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خوراک، رزق، میوہ جات اور خیرات کی چیزیں تخلیق فرمائی ہیں جن سے بنی نوع انسان کی نشو ونما اور گزران اوقات وابستہ ہے اور جن سے ان کے نفوس خوش ہوتے ہیں۔

⦿...... یہ کہ ربیع کے لفظ میں اس کے اشتقاق کی نسبت سے ایک اچھا اشارہ اور

نیک شگون پایا جاتا ہے، ابو عبدالرحمٰن صلقی فرماتے ہیں کہ ہر ایک انسان کے لئے اس کے نام سے اس کا حصہ ہے یعنی اس کے نام کا اس کے بدن پر اثر پڑے گا۔

⊙...... یہ کہ ربیع متوسط اور سب سے بہتر موسم ہے، آپ کی شریعت بھی متوسط اور سب سے بہتر اور آسان ہے۔

⊙...... یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے اس وقت کو فضیلت عطا فرمادی جس میں آپ کی ولادت ہوئی، اگر آپ کی ولادت رمضان المبارک وغیرہ مذکورہ اوقات میں ہوتی تو یہ وہم ہوتا کہ آپ ان اوقات کی فضیلت کی وجہ سے افضل واعلیٰ ہوگئے ہیں، ﴿حسن المقصد فی عمل المولد ص ۱۸۰﴾

کیا بارہ ربیع الاوّل ''یوم وفات'' ہے:

بعض اوقات عقل نارسا کی طرف سے یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو حضور اقدس ﷺ کا وصال ہو لہٰذا ایک مسلمان کو اس دن غم واندوہ کا اظہار کرنا چاہئے نا کہ مسرت وانبساط کا، یاد رہے کہ بارہ ربیع الاول کسی صورت بھی ''یوم وفات'' نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے آخری حج جمعۃ المبارک کو پڑھا جبکہ وصال ربیع الاول کے سوموار کو فرمایا، اس پر اجماع امت ہے، اب نو ذوالحجہ کو جمعۃ المبارک ہو تو آگے تقریباً تین مہینوں کا حساب کونسا مشکل ہے، یہ مہینے تیس کے ہوں یا انتیس کے، کسی طرح بھی بارہ تاریخ کو سوموار کا دن رونما نہیں ہوتا، اس لئے حضرت امام ابو القاسم سہیلی ؒ فرماتے ہیں ''اس حساب پر کسی طرح بھی حال دائر ہو تو بارہ ربیع الاول کو ''یوم وفات'' سوموار نہیں آسکتا۔﴿الروض الانف ۲: ۳۷۲﴾ یہی مضمون حضرت امام شمس الدین ذہبی، حضرت امام ابن عساکر، حضرت امام ابن کثیر، حضرت امام نور الدین سمہودی، حضرت امام علی حلبی نے بھی بیان کیا ہے۔[1]

البتہ حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے بحث مفصل کے بعد دو ربیع الاول کو ترجیح دی ہے اور بارہ ربیع الاول کو ''یوم وفات'' قرار دینا راوی کا وہم قرار دیا ہے، شبلی نعمانی نے یکم ربیع الاول اور عبداللہ بن محمد نجدی نے آٹھ ربیع الاول کو ''یوم وفات'' ثابت کیا ہے، ﴿سیرۃ النبی ۲: ۱۶۰، مختصر سیرۃ الرسول: ۹﴾ مولانا ابو البرکات احمد مفتی اہل حدیث نے بھی لکھا ہے ''اکثر

---

[1] تاریخ اسلام للذہبی ۱: ۳۹۹، وفاء الوفا ۱: ۳۱۸، البدایہ والنہایہ ۵: ۲۵۶، سیرت حلبیہ ۳: ۴۷۳

لوگوں کے نزدیک وفات بارہ ربیع الاول ہے، لیکن محقق علما نے اس کو غلط ثابت کر کے ربیع الاول کی دوسری تاریخ قرار دیا ہے۔ ﴿عید میلاد النبی ص ۵﴾

یاد رہے کہ بارہ ربیع الاول کا ''یوم وفات'' ہونا صرف ایک روایت سے ثابت ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال بارہ ربیع الاول کو ہوا، ﴿البدایہ والنھایہ ۵:۲۵۶﴾ اس روایت میں ایک راوی کا نام ہے محمد بن عمر واقدی، اس کو امام اسحاق، امام مدینی، امام ابو حاتم رازی اور امام نسائی نے ''وضاع'' یعنی حدیث گھڑنے والا کہا ہے، امام یحیٰ بن معین نے نا قابل اعتبار کہا ہے، امام احمد بن حنبل نے کذاب کہا ہے، امام ذہبی کہتے ہیں کہ واقدی کے ضعیف ہونے پر اہل جرح وتعدیل کا اجماع ہے، ﴿میزان الاعتدال ۳:۲۲۵﴾

جب بارہ ربیع الاول یوم وفات ہی نہیں تو فرحت و مسرت کے اظہار میں کیا قباحت باقی رہ گئی، ویسے اگر بالفرض یہ ''یوم وفات'' بھی ہو تو غم واندوہ کا کیا مقصد ہوگا، حضور اکرم ﷺ آج بھی زندہ ہیں، اپنے مزار اقدس میں جلوہ فرما ہیں، اپنی امت مرحومہ کے لئے دست بدعا ہیں، حدیث پاک ہے:

⊙ ......میری حیات بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، آپ کے وصال باکمال میں ہمارے لئے کیا بہتری ہے، آپ نے فرمایا، تم تمام امت کے اعمال سوموار اور جمعرات کے روز میری بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں جو عمل اچھا ہوگا اس پہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤں گا اور جو عمل برا ہوگا اس کے متعلق تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ ﴿نثر الدرر علی مولد ابن حجر ص ۱۴۶، طبقات ۲:۱۹۴، مجمع الزوائد ۹:۲۷﴾

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ:

آمد محبوب کی برکات وحسنات سے جہاں فرش زمین پر طرفہ دھوم دھام تھی، وہاں عرش برین پر تازہ چھیڑ چھاڑ کے منظر قابل دید تھے، چند روایات سے دلوں کو معطر کیجئے:

⊙ ......حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ ثقفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس رات حضور سرور کون ومکان ﷺ کا ظہور نور ہوا میں آپ کی والدہ ماجدہ کے

قریب تھی، میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نورانی جلووں سے روشن ہو گیا ہے اور ستارے زمین کے اتنے قریب آگئے ہیں کہ مجھے پکارنا پڑا، یہ ستارے کہیں میرے اوپر نہ گر پڑیں، ﴿تاریخ طبری ۱:۴۵۴، الاستیعاب ۴:۱۹۰، اعلام النبوۃ ۳:۲۷۳﴾

⊙ ...... حضرت آسیہ اور حضرت مریم نے حوران جنت کے ہمراہ حضور اقدس ﷺ کا استقبال کیا اور قدرت و رحمت کی طرف سے آپ کی والدہ کا منہ میٹھا کروایا گیا۔ ﴿مواہب لدنیہ ۱:۱۲۴﴾

⊙ ...... جب حضور پر نور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، فرشتوں نے آہستہ اور اونچی آواز سے اس کا اعلان کیا، حضرت جبریل علیہ السلام بشارت لائے اور عرش خوشی سے جھوم جھوم اٹھا، حور عین اپنے محلات سے نکل آئیں اور عطر نچھاور کرنے لگیں، رضوان کو حکم دیا گیا کہ فردوس اعلیٰ کو آراستہ کر دو اور محل سے پردہ اٹھا دو، سیدہ آمنہ کے گھر جنات عدن سے پرندے بھیج دو جو اپنی چونچوں سے موتی بکھیریں، حضرت سیدہ آمنہ کے ارد گرد فرشتے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے پر خوب پھیلائے نیز تسبیح و تہلیل کرنے والے فرشتے اس کثرت سے اترے کہ تمام بحر و بر اور نشیب و فراز بھر گئے۔ ﴿مولد العروس ص ۷﴾ اس عظیم موقع پر ابلیس واویلا کر رہا تھا۔ ﴿ایضاً﴾

⊙ ...... حضرت آمنہ فرماتی ہیں، اس دوران میں نے سفید ریشم کا ایک ٹکڑا دیکھا جو زمین و آسمان کے درمیان پھیلا دیا گیا تھا اور کوئی پکار رہا تھا انہیں پکڑ کر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دو، میں نے کچھ لوگوں کو ہوا میں تعظیماً کھڑے دیکھا، ان کے ہاتھوں میں چاندی کی صراحیاں تھیں، پھر میں نے پرندوں کے ڈار دیکھے جنہوں نے آکر میرے حجرے کو ڈھانپ لیا، ان کی چونچیں زمرد اور پر یاقوت کے بنے ہوئے تھے۔ ﴿زرقانی ۱:۲۱۰﴾

⊙ ...... سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کے جمال کو دیکھا جو ماہ کامل کی طرح ظاہر اور منور ہے اور میں نے آسمان کے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ آراستہ اور پیراستہ ہیں، کائنات کی برکت میرے گھر میں رقصاں ہے، میں

نے پوچھا یہ سب کیا ہے تو بلندی سے آواز آئی، اس ماہ کامل کے بارے میں سوال مت کرو اور اس کو آسمانی فرشتوں کی آنکھوں سے مت چھپاؤ، اس کی زندگی کی قسم یہ فضل و شرافت کا مجسمہ وہی ہے جو تمام مخلوق سے فائق اور قدر عالی کا مالک ہے۔ ﴿مولد العروس ص ۲۳۴﴾

صدقے اس اکرام کے قربان اس انعام کے
ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ وا

روایاتِ میلاد کا علمی تجزیہ:

تذکار میلاد میں جتنی مہتم بالشان روایتوں کو درج کیا گیا ان کے بارے میں فکر گستاخ اور عقل آزاد نے طرح طرح کو موشگافیوں کا اظہار کیا ہے، ان کے نزدیک اس طرح کی روایات اور آثار ''درجہ صحت'' کو نہیں پہنچے بلکہ ضعیف اور مقطوع ہیں، لہذا نا قابل اعتبار ہیں، کاش ان کو خبر ہوتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد پاک میں کتنے ہی عجائب روزگار کا مشاہدہ کیا گیا تو کیا تاجدار انبیا، شہریار دوسرا ﷺ کی آمد پر کوئی انقلاب رونما نہ ہوتا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صرف ایک ارہاص دیکھئے کہ آپ نے آغوش مادر میں کلام فرمایا، اس کا ایک مقصد تو تھا اپنی والدہ مریم علیہا السلام کی صفائی، اس کے علاوہ آپ نگاہ نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ ایک قوم آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے گی، اس کی تردید بھی ضروری تھی، لہذا آپ نے اپنی عبدیت اور نبوت کا اعلان بھی فرمایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد شریف کو سامنے رکھیں تو حضور اکرم ﷺ کے میلاد شریف کی ایک روایت اور عظمت سامنے آتی ہے اور وہ ہے آتشکدہ ایران جو ہزار سال سے متواتر جل رہا تھا۔ آپ کے ظہور نور سے اس کا دفعتاً بجھ جانا، ظاہر ہے ہزار سال کے اس طویل عرصے میں کتنے پیغمبر مبعوث ہوئے، کم از کم تین حضرات یعنی حضرت زکریا، ان کے صاحبزادے حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام تو بالکل ظاہر ہیں، گویا ایسے جلیل القدر پیغمبروں کے ظہور سے تو آتشکدے نے کوئی اثر نہیں لیا اور وہ حسب دستور مجوسیوں کی عبادت کا مرجع بن کر ایک کثیر التعداد مخلوق کی گمراہی کا سبب بنا مگر جونہی ادھر ہمارے پیغمبر حضور سردار کونین ﷺ کی جلوہ افروزی ہوئی، آپ کے ابر رحمت نے اسے ایک دم کے لئے بھی گوارا نہیں فرمایا، ساوہ اور سماوہ کے

بارے میں بھی صورت حال اس سے مختلف نہیں، یہاں بھی صدیوں سے پوجا پاٹ جاری تھی، توحید کے سب سے بڑے علمبردار کے قدوم میمنت لزوم کی فوری برکت سے گویا خشکی کے دیوتا کی خشکی سلب کر لی گئی اور تری کے دیوتا کی تری تلف کر دی گئی، اس طرح باقی روایات کا تجزیہ بھی کیا جائے تو کوئی روایت بھی خلاف عقل دکھائی نہیں دیتی، کیا قادر کریم کی لامتناہی قدرتوں کے آگے ان کا وقوع امر محال ہے، جہاں تک نقل کا تعلق ہے تو محققین امت نے کھل کر ان تمام روایات و واقعات کو نقل فرمایا ہے، ان میں علامہ ابن جوزی جیسے محقق بہت نمایاں ہیں جو بخاری و مسلم کی بعض روایات کو بھی ضعیف و موضوع کہنے سے باز نہیں آتے، ابن جوزی جیسے متشدد نقاد کا ان روایات کو بغیر کسی تنقید و تردید کے نقل کر دینا کوئی معمولی بات نہیں، پھر امام جلال الدین سیوطی اور امام ابونعیم جیسے محدثین کا درج کرنا بھی قابل غور ہے، حدیث کی اہم طور پر تین قسمیں ہیں، صحیح، حسن اور ضعیف، پہلی قسمیں احکام اور فضائل میں معتبر ہیں جبکہ آخری قسم احکام میں معتبر نہیں فضائل اعمال یا مناقب رجال میں معتبر ہے، حدیث ضعیف جھوٹی یا خود ساختہ نہیں ہوتی لہذا اس کو کسی ترنگ میں آکر موضوع کہہ دینا فن حدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے، پھر ضعیف دو یا دو سے زیادہ سندوں سے روایت ہو جائے تو اگرچہ وہ سب سندیں ضعیف ہوں یا اس پر معتمد علمائے امت کا عمل ہو تو بھی حسن ہو جاتی ہے اور حسن ہونے کے اعتبار سے احکام میں بھی حجت بن جاتی ہے۔ کبھی اولیا کرام کے کشف سے بھی کسی حدیث کا ضعف دور ہو جاتا ہے، یونہی حسن حدیث بھی اس طرح سے صحیح کا درجہ پا لیتی ہے، علامہ ابن تیمیہ نے واضح طور پر لکھا ہے، ''حدیث کے متعلق جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ جھوٹی ہے تو فضائل میں اس کی روایت کرنا قرین قیاس ہے، لیکن جب یہ معلوم ہو کہ وہ جھوٹی ہے تو پھر اس کی روایت اس طرح پر جائز ہے کہ اس کے ساتھ اس کا حال بھی بیان کیا جائے'' ﴿اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۰۱﴾ بلکہ کبھی کبھی حدیث ضعیف احکام و مسائل میں بھی قابل عمل گردانی گئی ہے، علامہ ابن تیمیہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں، دفن کے بعد تلقین میت کے بارے میں حدیث مروی ہے، اس میں کلام کیا گیا ہے مگر چونکہ شام کے علما اس روایت کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتے تھے اس لئے اکثر حنبلی علما نے اس کو مستحب سمجھا ہے، ﴿ایضاً ص ۳۲۶﴾

اسی طرح حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے موضوعات کبیر میں حدیث مسح گردن کو ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا، فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے، اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنت ہے، اب آپ اندازہ کریں کہ اگر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قابل قبول ہے تو فضائل رجال میں کیوں قبول نہیں، حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو طالب مکی قدس سرہ' کا فرمان نقل کیا ہے کہ فضائل اعمال اور تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں، مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا، ﴿منیر العین فی تقبیل الا بھا مین﴾ یہاں تفضیل صحابہ کی بات نہیں خود حضور پیغمبر نور ﷺ کے فضائل و مناقب کی بات ہے، لہذا ان روایات میلاد کو خواہ مخواہ ضعیف اور موضوع جیسے الفاظ کے تیروں سے چھلنی کرنا ایمان و عرفان سے خالی ہونے کی دلیل ہے، کتنے غضب کی بات ہے کہ جس روایت کو امت کے بڑے بڑے محدثین اور مفکرین نے دلائل نبوت کے باب میں نقل کیا، اس پر زبان طعن دراز کر کے ان محدثین اور مفکرین کی تحقیق کو مشکوک قرار دینا کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں، علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> ''یہ وہ کتابیں ہیں جن میں آپ کی نبوت کی علامات اور آپ کی رسالت کے دلائل کی وہ احادیث بھی اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ اگر حجۃ الوداع اور عمرہ حدیبیہ کی طرح ان کو متواتر کہہ دیا جائے تو بھی بے جا نہیں ہوگا،

﴿الجواب الصحیح جلد ۴ ص ۲۴۳﴾

علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے معجزات کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے، پھر ان کی انواع و اقسام کا اجمالی تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے، جیسے قرآن مجید، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، اہل کتاب کی شہادت، کاہن کی پیش گوئی، غیبی آوازیں، انبیا کرام علیہم السلام کی آپ کے متعلق بشارتیں، قصہ اصحاب فیل اور اس کے علاوہ آپ کے سن ولادت میں دیگر عجائبات کا ظہور اور آسمان پر غیر معروف طریقے سے بکثرت ستاروں کا ٹوٹنا، گذشتہ اور مستقبل کی ایسی خبروں کا بیان کرنا جن کا علم اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو نہیں

ہو سکتا، ﴿الجواب الصحیح جلد ۱ص ۱۴۵ تا ۱۵۵﴾ مولانا بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنہ میں اس موضوع پر کھل کر گفتگو کی ہے، آپ لکھتے ہیں:

''بخاری شریف کی شروح میں جو سب سے عمدہ شروح سمجھی گئی ہیں وہ دنیا کے دو بڑے حافظوں کی ہیں، یعنی حافظ بدر الدین عینی علیہ الرحمہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، رہی شرح حافظ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ تو وہ ان دونوں شرحوں پر مبنی ہے، جو شخص ان شروح کا مطالعہ کرے گا، وہ دیکھے گا کہ ان حفاظ نے کیسے آڑے موقعوں پر کتنی کثرت کے ساتھ کتب دلائل کی روایات سے مدد لی ہے، کسی روایت سے راوی کا نام، کسی مقام کا نام اور کسی سے بعض ضروری تفصیلات علم میں آجاتی ہیں، ان کے متابعات اور شواہد کا بڑا ذخیرہ انہی کتب سے فراہم ہوتا ہے'' ﴿ترجمان السنہ ۴:۹۶﴾

اسی کتاب کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو عنوان ہے بعض وہ معجزات جن کی عام اسانید تو ضعیف ہیں لیکن حفاظ وائمہ کے نزدیک وہ دوسری قابل اعتبار اسانید سے ثابت ہیں، اس کے تحت فرماتے ہیں:

''حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے باب علامات النبوت کے شروع میں آپ کی ولادت کے وقت خانہ آمنہ کا منور ہو جانا اور قصور شام کا روشن ہونا، آسمان سے ستاروں کا جھکتا ہوا معلوم ہونا، شب ولادت میں ایوان کسریٰ کے بعض کنگروں کا گر جانا، آتشکدہ فارس کا بجھ جانا اور آپ کی دودھ پلانے والی عورت کے دودھ میں بڑی برکت ہوتی اور اس کے علاوہ ان کے گھر میں قسم قسم کی دوسری برکات کا ذکر کیا ہے'' ﴿ترجمان السنہ جلد ۴﴾

ایک اور جگہ رقم فرماتے ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ جو احادیث ضعیف اسانید کے ساتھ کتب دلائل میں روایت کی گئی ہیں ان کی پشت پر کوئی نہ کوئی حدیث مجمل یا مفصل کتب صحیحہ میں بھی موجود نظر آتی ہے، اس لئے ہزار آپ انکار یا تاویل کی راہ اختیار کریں لیکن اس نوعیت کے معجزہ کا ثبوت ماننا ہی پڑتا ہے، ﴿ترجمان السنہ جلد ۴﴾ اس کے علاوہ ضعیف اسناد کو دوسری ضعیف اسناد سے قوت مل جائے تو وہ روایت حسن کے درجے تک پہنچ جاتی ہے، کسی

صاحب کشف بزرگ کی تائید سے بھی روایت کا ضعف دور ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس نوجوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھے حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی، یہ واقعہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا ہے، کسی ضعیف روایت پر علمائے امت کا عمل ہو تو اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے، لہذا یہ روایات میلاد ضعیف ہونے کے باوجود جب ایک دوسری کو تقویت دیں، حتیٰ کہ ان کے مضامین تواتر کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں تو کیوں معتبر نہیں ہوں گی، حالانکہ معجزات وفضائل میں ان کا ضعیف ہونا بھی مقبول اور معتبر ہونے کیلئے کافی تھا، پھر اہل کشف ونظر سب کے سب انہیں تسلیم کرتے آئے ہیں، جن کے زہد وتقوی، اخلاص وللٰہیت اور کشف ونگاہ میں کوئی التباس نہیں، یہ امر اہل محبت کے لئے قابل حجت ہے، خصائص کبریٰ کے مصنف حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پچھتر بار جاگتے ہوئے دیدار مصطفےٰ کا شرف حاصل کیا، تو حسب ضرورت مختلف روایات کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے ہدایات حاصل کیں، اس صورت حال سے دوسرے کئی محدثین ومفکرین بھی مشرف ہوئے، یاد رہے کہ علم حدیث کا ایک اہم قانون "تلقی بالقبول" بھی ہے یعنی علما کرام کو کسی حدیث کا قبول کرتے چلے آنا اور یوں اس کے مضمون کا عام مسلمانوں کی نظر میں مقبول ومستند ٹھہرنا بھی ایک مضبوط دلیل ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی، حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں:

"قال بعضهم يحكم للحديث بالصحة اذ تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح ،بعض علما نے فرمایا کہ حدیث کو صحیح کہا جائے گا بشرطیکہ لوگوں نے اسے قبول کر لیا ہو، اگرچہ اس کی کوئی سند صحیح نہ ہو"

حضرت امام ابن خلال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت امام ابوبکر مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان احادیث کے بارے میں پوچھا جو صفات، دیدار خداوندی اور معراج عرش کے بارے میں ہیں مگر جہمیہ انہیں نہیں مانتے تو آپ نے انہیں صحیح فرمایا نیز ارشاد ہوا، ان احادیث کو علما کا تلقی بالقبول حاصل ہے لہذا ہم ان کو مانتے ہیں جیسی وارد ہیں، ﴿کتاب السنہ جلد ا ص ۲۴۶﴾

لوگو جہاں حضور پیغمبر نور ﷺ کی عزت وعظمت کا معاملہ ہو وہاں اہل ایمان چہ میگوئیوں اور موشگافیوں سے کام نہیں لیتے، تعظیم وتسلیم کا سہارا لیتے ہیں، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے ابوجہل جیسے منکرترین راوی نے جب واقعہ معراج بیان کیا تو آپ نے فوراً راوی کی طرف نہ دیکھا، حضور اقدس ﷺ کی عزت وعظمت کی طرف دیکھا اور فرمایا، **نعم انی لاصدقه بماهو ابعد من ذلک،** ہاں میں ضرور حضور اقدس ﷺ کی اس سے بھی زیادہ دور کی بات میں تصدیق کرتا ہوں، اس تصدیق کی وجہ سے آپ کا نام صدیق پڑ گیا، امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، اور بھی محدثین کرام اس کو بڑے اکرام سے بیان کرتے ہیں، یہی عشق رسول کا تقاضا ہے اور یہی ایک وفادار امتی کا طرز عمل ہے

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

......⊙......

باب چہارم

گود میں عالم شباب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در سایہ نبوت و ظل رسالتست

سکان خاک نوبت امن و اماں زدہ

اس پیغمبر پاکیزہ گوہر کے ظہور نور کی خبر جانفزا کا اثر تھا کہ مشاطہ بہار نے زبرجدی پردہ افق کی روشنی، صبح کی سفیدی اور شفق کی سرخی سے نورستہ پھولوں کے رخسار کو زیور حسن و جمال سے آراستہ کر کے نیلوفری جلوہ گاہ اور زرنگاری تماشا گاہ پر بٹھایا، سبزہ تر سے خط رعنائی کھینچ کر رنگین شگوفوں سے درختوں کی شاخوں کو سنہری گوشوارے پہنائے اور صحن گلزار میں سرسبز و شاداب پیڑوں پر کافوری لباسوں کی مانند اوراق گل کی چادریں ڈال دیں، وہ بے برگ و نوا شجر جو موسم سرما کے باغیوں کی غارت گری سے برہنہ ہو چکے تھے، ان کو سبز زردی مائل پتوں کا چوغہ پہنایا، بہار اپنے گلہائے گوناں گوں پر نازاں تھی، گلستان کی زیبائش پر مغرور تھی، حضور جان سرور ﷺ کے جلال و جمال سے اس کی تازیب کی گئی تو لاکھوں خوبصورت اور خوشبودار پھولوں کی آبرو گھنگھریالے بالوں کی ایک ہی ادائے دلکشی سے بے رونق اور بے آب و تاب ہو گئی ۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

حضور کا مولد مبارک:

مکہ مکرمہ میں حضور پیغمبر نور ﷺ کا مکان ولادت حرم کعبہ کے نزدیک سوق اللیل

میں واقع ہے، یہ مکان وراثت میں آپ کو دیا گیا تو زمانہ ہجرت میں آپ نے عقیل بن ابی طالب کو عطا فرما دیا، یہ وراثت اولاد عقیل میں جاری رہی، بعد ازاں حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف نے ان سے خرید لیا، اس کو ''دار ابن یوسف'' بھی کہا جاتا رہا ہے، ہارون الرشید کی والدہ خیزران نے اس مکان مقدس پر مسجد تعمیر کروائی، بعد میں زبیدہ خاتون نے بھی از سر نو مسجد تعمیر کروائی، تعمیر مسجد سے پہلے جو لوگ اس میں قرار پذیر تھے ان کا بیان ہے، کہ اللہ کی قسم ہمیں وہاں کوئی مشکل درپیش نہ ہوئی لیکن جب ہمیں وہاں سے نکالا گیا تو ہمیں مشکلات نے گھیر لیا، ﴿شفا الغرام باخبار البلد الحرام ۱:۲۶۹﴾ مختلف بادشاہوں نے اپنے اپنے ادوار حکومت میں اس مقام بلند کو ہمیشہ نگاہوں میں رکھا اور اس کی تعمیر و ترقی میں کوشاں رہے، امام محمد جار اللہ نے لکھا ہے کہ اس مکان کا ''مولد النبی'' ہونا اسلاف سے لے کر اخلاف تک مشہور اور متوارث ہے، اہل مکہ کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں، ﴿الجامع الطیف ۲۰۱﴾

حضرت امام ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مولد النبی کا مقام ماہ ربیع الاول میں سوموار کے دن زیارت کیلئے کھول دیا جاتا ہے، تمام لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں اور برکات حاصل کرتے ہیں، سوموار کا دن آپ کے میلاد کا دن ہے، یہ دن مکہ مکرمہ میں شروع سے ہی مشہور و معروف ہے ﴿رحلہ ص ۹۰﴾ حضرت امام قطب الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، مولد مبارک کے مقام پر دعا قبول ہوتی ہے، اس جگہ کی آج تک زیارت کی جاتی ہے اور پیر کی رات محفل کا انعقاد ہوتا ہے جس میں لوگ جوق در جوق شامل ہوتے ہیں، ہر سال بارہ ربیع الاول کو بھی مولد مبارک کی زیارت کی جاتی ہے، اس رات مسجد حرام میں باقاعدہ عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے، تمام علاقوں کے علما، چاروں مذاہب کے فقہا اور مشائخ اپنے کثیر دوستوں کے ساتھ بے شمار جھنڈے لے کر بعد نماز مغرب صحن حرم میں اکٹھے ہو جاتے ہیں، پھر مولد مبارک کی زیارت کے لئے نکلتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں بے شمار قندیلیں، فانوس اور مشعلیں بھی ہوتی ہیں، پھر ایک عالم دین وہاں خطاب فرماتا ہے، ﴿تاریخ القطبی ص ۳۵۵﴾ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فیوض الحرمین میں مولد مبارک کے انوار و تجلیات کا ذکر فرمایا ہے، آج کل وہاں ایک لائبریری قائم ہے، اہل دل وہاں حاضر ہو کر یاد محبوب میں کچھ لمحات ضرور بسر کرتے ہیں۔

نام محمد ﷺ ...... انوار کا سرچشمہ:

حضرت امام بیہقی اور حضرت امام ابن عسا کر نے روایت نقل کی ہے، قریش مکہ میں دستور تھا کہ بچے کی ولادت کے وقت عورتیں نومولود کے سر پر ہانڈی رکھتی تھیں، آپ کے جد کریم نے آپ کو اس رسم کی ادائیگی کے لئے عورتوں کے حوالے کر دیا مگر جب عورتوں نے ہانڈی رکھنا چاہی تو اس کے دو ٹکرے ہو گئے، انہوں نے دیکھا کہ آپ کا رخ انور آسمان کی جانب اٹھا ہوا ہے، انہوں نے آپ کے جد کریم سے عرض کیا کہ ہم نے آج تک ایسا کوئی بچہ نہیں دیکھا جس کے ساتھ ایسی صورت واقع ہوئی ہو، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یاد رکھو، مجھے امید واثق ہے کہ میرا لخت جگر خیر و فلاح سے سرفراز ہوگا، ولادت کے سات روز بعد حضرت عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور ساری برادری کو کھانے پر بلایا، لوگوں نے پوچھا، اے سردار عرب! آپ نے اپنے پوتے کا کیا نام رکھا ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے اس کا نام "محمد" رکھا ہے، لوگوں نے کہا، آپ نے خاندانی ناموں سے کیوں انحراف کیا، انہوں نے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اس کی مدحت بیان کرے اور زمین پر اس کی مخلوق اس کی شان میں رطب اللسان رہے، ﴿خصائص کبریٰ ص ۱: ۱۱۷﴾

بعض علما کرام نے کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وجود میں جو صفات حمیدہ تھیں ان کی بنا پر خود اللہ تعالیٰ نے ان کو الہام کیا کہ آپ کا نام محمد ﷺ رکھیں تا کہ اسم و معنی دونوں میں مطابقت ہو جائے، ﴿مولد رسول اللہ ص ۲۶۳﴾

اہل علم بیان کرتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی نشانیوں میں سے ہے کہ آپ سے پہلے کسی کا نام "محمد" نہ رکھا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے اس نام معظم کی حفاظت و صیانت اپنے ذمے لے لی تھی تا کہ اس نام مبارک میں کسی کے ساتھ اشتراک و اشتباہ نہ رہے لیکن جب آپ کے ظہور عالمتاب کا زمانہ قریب آیا تو آپ کے قریبی زمانہ کے اہل کتاب کو بشارتیں دی گئیں اور آپ کا اسم مبارک انہیں بتایا گیا، بعض قبیلہ کے لوگوں نے اپنے بچوں کا یہ نام اس امید پر رکھا کہ شاید کوئی بچہ اس مقام والا ہو جائے لیکن اللہ جانتا ہے جہاں اپنی رسالت کو رکھنا ہے، ﴿مدارج النبوہ﴾

لفظ محمد اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کا معنیٰ ہے، هو الذی حمد مرة بعد مرة

یعنی وہ ذات مبارک جس کی بار بار تعریف کی جائے، ﴿الروض الانف ۱:۲۸۱﴾ امام اصفہانی لکھتے ہیں' محمد ﷺ وہ کریم ذات ہے جس کی لائق توصیف عادتیں بے شمار ہوں، ﴿مفردات ۱۳۱﴾ حضرت امام ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ اسمِ محمد ﷺ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات جس کی ہر لمحہ نئی سے نئی تعریف کی جائے، ﴿خاتم النبیین ۱:۱۱۵﴾ حضرت قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں، محمد بروزن مفعل ہے جو آپ ﷺ کی کثرت تعریف میں مبالغہ ہے ﴿کتاب الشفا ۱:۳۱۲﴾ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے محبوب پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک ﷺ کو اس نام مبارک سے یاد فرمایا ہے، **وما محمد الا رسول** ...... **ما كان محمد ابا احد من رجالكم** ...... **بما نزل علىٰ محمد** ...... **محمد رسول الله** ...... یاد رہے کہ نام محمد ﷺ کا ہر حرف بامعنیٰ ہے، ایک حرف جدا کرنے سے باقی حروف کا مجموعہ بھی بامعنیٰ ہی رہتا ہے مثلاً نام محمد کی میم جدا کی جائے تو باقی رہ گیا ''حمد'' اس کا معنیٰ ہے تعریف وتوصیف، حمد کی حا جدا کی جائے تو باقی رہ گیا ''مد'' اس کا معنیٰ ہے دراز، مد کی میم بھی جدا کی جائے تو باقی رہ گیا 'د' گویا اس دال کا معنیٰ ہے دلالت کرنے والا، آپ کا وجود مسعود اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر دلالت فراہم کرتا ہے، نام محمد ﷺ حمد سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے تعریف، اس طرح آپ کا نام احمد اور محمود بھی حمد سے نکلے ہیں، حضرت حسان بن ثابت یا بقول بعض حضرت ابوطالب کیا خوب فرماتے ہیں ؎

و شق لهٗ من اسمه يجله
فذوالغرش محمود و هذا محمد

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے نام سے نکالا، چنانچہ وہ رب العرش محمود ہے تو یہ سراپا محمد ہیں ﴿الکامل لابن عدی ۵:۱۹۷﴾

حضور سراپا نور ﷺ کا نام مبارک ہی ظاہر کر دیتا ہے کہ آپ تمام خصائل ومحامد، انوار واسرار اور تجلیات وانعامات کا پیکرِ جمیل ہیں اور ہر قسم کے نقائص ورذائل سے بالکل پاک دامن ہیں، اللہ نے آپ کو ہر عیب اور ریب سے مبرا تخلیق فرمایا ہے ؎

وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس نامِ مقدس کی بے مثال برکتیں ہیں، امام ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قریش

مکہ نے آپ کو 'مذمم' کہنا شروع کر دیا اور وہ اس نام کو پکار کر گالیاں دیتے اور زبان درازیاں کرتے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا، کیا تمہیں تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قریشِ مکہ کی گالیوں سے کیسے محفوظ رکھا ہے، وہ کسی ''مذمم'' کو گالیاں نکالتے ہیں جب کہ میں تو محمد ﴿یعنی سراپا توصیف﴾ ہوں ﴿سیرت ابن اسحاق ۱: ۳۸۲، بخاری ۳: ۱۳۰۰، طبقات کبریٰ ۱: ۱۰۶، شعب الایمان ۲: ۱۴۳﴾

پھر ہر نبی کا نام اس کی کسی ایک شان وعظمت کو ظاہر کرتا ہے، مثلاً آدم کا معنٰی ہے گندمی رنگ والا، موسیٰ کا معنٰی ہے پانی سے نکلا ہوا، عیسیٰ کا معنٰی ہے سرخ رنگ والا، یعقوب کا معنٰی ہے پیچھے آنے والا، ادریس کا معنٰی ہے درس دینے والا، نوح کا معنٰی ہے کثرت سے گریہ وزاری کرنے والا، لیکن حضور اکرم، رسولِ مکرم ﷺ کا نام آپ کے بیشمار کمالات و معجزات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، گویا محمد وہ ذاتِ کریم ہے جس میں عرشوں اور فرشوں کی تمام خوبیاں اور زیبائیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں، یہ نام حسنِ کائنات بھی ہے، اور کائناتِ حسن بھی ہے، جیسا کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں قرآن پاک فرماتا ہے، **لم نجعل له من قبل سميا**، یعنی ہم نے ان سے قبل ان کا کوئی ہمنام نہیں بنایا، حضرت یحیٰی علیہ السلام کی اس شانِ یکتائی کا ظہور بھی آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

اللہ اکبر! یہ وہی نامِ مبارک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قلمِ قدرت سے ہر ستونِ عرش پر رقم فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھ کر عرض کیا، مولا تیرے نام کے ساتھ اسی کا نام ہو سکتا ہے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ فرمایا! تو نے سچ کہا، وہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، تو نے اس کے وسیلے سے دعا کی تو میں نے تجھے معاف کر دیا، اگر محمد مصطفٰے ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق نہ کرتا ﴿مستدرک ۲: ۶۱۵، دلائل النبوۃ ۵: ۴۸۹﴾

چند اور احادیث مبارکہ کا مطالعہ کیجئے:

⊙ ......سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، فرمانِ خدا ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں کسی ایسے انسان کو عذاب میں مبتلا نہیں کروں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا، ﴿انسان العیون ۱: ۱۳۵﴾

⊙ ......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دو

آدمیوں سے فرمائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ میں نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے کہ کسی ایسے آدمی کو دوزخ میں نہیں بھیجوں گا جس کا نام محمد یا احمد ہو، ﴿ایضاً ۱:۱۳۵﴾

⊙ ...... قیامت میں پکارنے والا پکارے گا کہ اے محمد! جنت میں چلے جاؤ، پس ہر وہ شخص جنت کی طرف جانے کے لئے کمر بستہ ہو جائے گا جس کا نام محمد ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید اسے آواز دی گئی ہے، یہ حضور اقدس ﷺ کی کرامت و منزلت کی دلیل ہے، ﴿ایضاً ۱:۱۳۶﴾

⊙ ...... سرکارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کا نام محمد رکھتے ہو تو اس کو مت مارو اور مت توہین کرو بلکہ اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لئے جگہ چھوڑ دو ﴿کشف الغمہ ۱:۲۸۳، انسان العیون ۱:۱۳۵﴾

⊙ ...... ایک روایت ہے کہ محمد نام رکھنے سے انسان میں برکت جنم لیتی ہے اور جس گھر میں محمد نام کا شخص ہو اس میں برکت نازل ہوگی، ﴿ایضاً﴾

⊙ ...... ایک روایت ہے، جس نے برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر رکھا تو وہ شخص اور اس کا بیٹا دونوں جنت میں داخل ہوں گے، ﴿فیض القدیر ۶:۲۳۷﴾

حضور اقدس ﷺ کا نامِ مبارک قابلِ صد تعظیم اور لائقِ صد تکریم ہے، اس نامِ مبارک سے زبان کا حسن قائم اور بیان کی آبرو بحال ہے، اس نامِ مبارک سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، یہ نامِ مبارک ہی تو معدنِ حسنات اور مرکزِ برکات ہے۔

جب چھڑے بات نطقِ حضرت کی — غنچہ فن چٹک چٹک جائے
ماہِ طیبہ کا جب خیال آئے — شب ہجراں چمک چمک جائے
فیضِ چشمِ حضور کیا کہنا — ساغرِ دل چھلک چھلک جائے
نامِ پاک ان کا ہو لبوں سے ادا — شہد گویا ٹپک ٹپک جائے

دیگر اسمائے محبوب کی کہکشاں:

حضور پیغمبر نور ﷺ کے اسمائے گرامی آپ کے جامع ترین فضائل و خصائل کی

لامتناہی کہکشاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتابوں میں اور قرآن مجید کی سورتوں میں آپ کے اسمائے گرامی کو بیان کیا ہے، اسما کی کثرت مسمّٰی کی عظمت وشوکت پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ اسما اس کی صفات وافعال سے ماخوذ ہوتے ہیں، ہر اسم کسی نہ کسی صفت وفعل کی بدولت ہی معرض وجود میں آتا ہے، آپ ﷺ کے ذاتی نام تو دو ہیں محمد اور احمد لیکن صفاتی نام بیشمار ہیں، آپ نے فرمایا زمین پر میرا نام مبارک محمد ہے اور آسمان پر احمد ہے، ﴿مواہب لدینہ ۱: ۷۰﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق زیادہ آسمانی دنیا سے تھا اس لئے انہوں نے ''نام احمد'' کے حوالے سے آپ کا تعارف کرایا، **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** یعنی میں اس رسول اعظم کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے ﴿القرآن﴾ حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے تین سو سینتیس اسمائے گرامی کا ذکر کیا ہے، حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تین سو چالیس نام گنوائے ہیں، ﴿الریاض الانیقہ﴾ حضرت امام صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے سات سو چون نام شمار کئے ہیں ﴿سبل الہدیٰ ۱: ۴۰۷﴾ حضرت علامہ امام ابن فارس کا فرمان ہے: آپ کے اسمائے گرامی کی تعداد بارہ سو ہے، ﴿نسیم الریاض ۳: ۲۴۱﴾ حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے چار سو اسمائے گرامی کو بیان کیا ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۳۰۶﴾ حضور فخر کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

⊙ ......میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مقفّی ہوں، میں حاشر ہوں میں توبہ کا نبی اور رحمت کا نبی ہوں، ﴿صحیح مسلم کتاب الفضائل، شمائل ترمذی ص ۲۶، مسند احمد ۴: ۳۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۶: ۳۱۱، طحاوی ۲: ۵۱﴾

⊙ ......میرے پانچ نام ہیں، میں محمد، احمد اور ماحی ہوں کہ میرے صدقے اللہ کفر کو ختم فرمائے گا، میں حاشر ہوں جس کے قدموں میں لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، میں عاقب ہوں، ﴿صحیح بخاری کتاب المناقب، جامع ترمذی ۴: ۵۲۴، سنن دارمی ۲: ۲۲۵، طبرانی کبیر ۲: ۱۲۰﴾

حضرت امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پانچ ناموں کا یہ مطلب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے یہ پانچ نام رکھے جبکہ باقی آپ کے صفاتی نام ہیں، ﴿نسیم الریاض ۳: ۲۴۱﴾ حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ گزشتہ کتابوں اور پچھلی

امتوں کے علما میں یہ نام موجود اور مذکور ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۴۵۷﴾

حضرت امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ پہلی قو میں ان پانچ ناموں سے متعارف تھیں، ﴿کتاب الشفا ۱: ۳۱۵﴾ ذیل میں حصول برکات کے لئے آپ ﷺ کے بہت سے اسمائے گرامی کا ذکر چھیڑا جا رہا ہے، جنہیں پڑھ کر آپ محسوس کریں گے۔

ہر لحظہ نیا طور ، نئی برق تجلی

اللہ نہ کرے مرحلہ شوق ہو طے

حضور اکرم ﷺ کا نام احمد بروزن افعل ہے جو آپ کی صفت حمد میں مبالغہ ہے پس آپ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہیں، ﴿کتاب الشفا ۱: ۳۱۲﴾ حضرت ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم انور میں تھے تو انہیں خواب میں حکم موصول ہوا کہ اپنے فرزند کا نام احمد رکھنا، ایک اور روایت میں ہے، آپ نے خود فرمایا: میرا نام احمد رکھا گیا ہے، ﴿طبقات کبریٰ ۱: ۱۰۴﴾ ایک اور حدیث مبارک ہے:

⊙ ...... مجھے وہ کچھ دیا گیا جو پہلے کسی نبی کو نصیب نہ ہوا، نصرت بالرعب ، واعطیت مفاتیح خزائن الارض و سمیت احمد جعل التراب لی طھورا وجعلت امتی خیر الامم ، میری رعب کے ذریعے امداد کی گئی اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئیں اور میرا نام احمد رکھا گیا اور میرے لئے زمین پاک کر دی گئی اور میری امت کو سب امتوں کا سردار بنایا گیا،

﴿مسند احمد ۱: ۹۸، مجمع الزوائد ۱: ۲۶۰، سنن بیہقی ۱: ۲۱۳﴾

حضرت شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سب سے زیادہ مشہور اور اعظم اسم مبارک احمد و محمد ہیں جو کہ بمنزلہ اسم ذات ہیں اور دیگر اسما صفاتی ہیں اور یہ دونوں نام بھی حقیقت میں ایک اسم ہے جو ''حمد'' سے مشتق اور مبالغہ کے معنی میں مقید ہے، پہلا نام باعتبار کیفیت ہے اور دوسرا نام باعتبار کمیت' تو آپ حق تعالیٰ کی حمد افضل محامد سے کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کثرت محامد سے آپ کی حمد و ستائش کی گئی، آپ ''احمد المحامدین'' ہیں اور ''احمد المحمودین'' ہیں، روز قیامت آپ کے ساتھ لوائے حمد ہوگا تا کہ آپ پر کمال حمد تمام ہو جائے، آپ حامدیت و محمودیت کی صفت سے عرصات محشر میں مشہور کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ

آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری ہے پھر جب باب شفاعت کھولتے وقت سب اگلے اور پچھلے آپ کی حمد کریں گے اور حق تعالیٰ آپ کو ایسی حمد تعلیم فرمائے گا جس کی کسی اور کو تعلیم نہ فرمائی گئی، حق تعالیٰ نے آپ کی امت کا نام ''حمادون'' یعنی سب سے زیادہ حمد کرنے والے رکھا، لہذا یہ سزاوار ہے کہ آپ کا نام احمد اور محمد رکھا جائے، اس تقریر سے ظاہر ہے کہ احمد بمعنی ''حامدتر'' اسم تفضیل برائے فاعل ہے جیسا کہ استعمال میں یہ معنی بہت زیادہ ہیں اور ممکن ہے کہ بمعنیٰ محمودتر ہو جو مفعول کے لئے مشتق ہے، اس بنا پر یہاں بیان محمودیت مقصود ہوگا خواہ بلحاظ کمال ہو خواہ باعتبار کثرت ہو، بعض کہتے ہیں کہ پچھلوں میں نام احمد مشہور ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی نام سے یاد کرتے تھے اور کتب سابقہ میں یہی مذکور ہے اور قرآن مجید میں نام محمد بیان کیا گیا، حق یہ ہے کہ یہ دونوں نام ہی پرانے ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کثرت تعظیم کے لحاظ سے نام احمد سے یاد کیا کیونکہ یہ صیغہ تفضیل کا ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۲۶۰﴾

﴿ابر ﷺ﴾

یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے سب مخلوق سے زیادہ نیک، حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک ناموں سے چن کر یہ نام بھی آپ کو عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کا مطلب ہے احسان کرنے والا، وعدہ پورا کرنے والا اور نیکی کو تخلیق کرنے والا، حضور اکرم ﷺ پہلے دو معنی کے اعتبار سے ''ابر'' ہیں، ﴿الریاض الانیقہ ۶۵﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

واللہ لانا ابر واتقٰی للہ منہم 'اللہ کی قسم میں ان سے زیادہ نیکی کرنے والا اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں' ﴿صحیح بخاری ۲: ۸۸۶﴾ حضرت ابوایاس دولی نے کیا خوب کہا ہے۔

وما حملت من ناقة فوق رحلها

ابر واوفٰی ذمة من محمد ﷺ

کسی بھی اونٹنی نے حضور اقدس سے زیادہ نیکی کرنے والا اور وعدہ پورا کرنے والا شہسوار اپنے اوپر سوار نہیں کیا، ﴿زرقانی ۴: ۱۷۱، سبل الھدیٰ ۱: ۴۹﴾

﴿ابیض ﷺ﴾

حضرت امام صالحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ بیاض سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو سواد یعنی سیاہی کا متضاد ہے، ﴿سبل الہدیٰ ۱:۴۲۰﴾ چونکہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سفید تھا اس لئے آپ کو "ابیض" کے نام سے پکارا گیا، حضرت ابوطالب کا بہت مشہور شعر ہے۔

وابيض يستقى الغمام بوجهه

ثمال اليتامىٰ وعصمة للارامل

وہ سفید چہرے والا محبوب جس کے وسیلے سے بارش کا سوال کیا جاتا ہے، وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا چارا ہے، ﴿صحیح بخاری ۱:۳۴۲، ابن ماجہ ۲:۱۱۷، زرقانی ۱۱:۱۴۰﴾

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، **كان رسول الله ﷺ ابيض مشربا بحمرة،** یعنی حضور اکرم ﷺ سرخی مائل سفید تھے ﴿مسند احمد ۱:۱۱۶﴾ حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، **كان ابيض مليحا مقصدا** ، حضور اکرم ﷺ ملاحت آمیز سفید رنگ کا شہکار تھے، ﴿صحیح مسلم کتاب الفضائل﴾ حضرت شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا رنگ روشن اور منور تھا، ﴿مدارج النبوۃ ۱:۲۶﴾

﴿آمر ﷺ﴾

حضرت علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آمر اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے نیکی اور اچھائی کا حکم صادر فرمانے والا، ﴿لسان العرب ۴/۲۶﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يامرهم بالمعروف وينههم عن المنكر** ' وہ انہیں اچھائی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے، ﴿سورۃ الاعراف:۱۵۷﴾

﴿امین ﷺ﴾

حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی اور دین کے امین ہیں اور زمین و آسمان کے خزانہ علم کے امین ہیں اسی لئے آپ تمام جہانوں میں اس نام مبارک کے زیادہ حقدار ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار بھی آپ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے، ﴿تفسیر قرطبی ۶:۲۱۶﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

الا تا منونی و انا امین من فی السماء یا تینی کبر السماء صباحا و مساً کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں آسمان والوں کا امانتدار ہوں، میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبر پہنچتی ہے، ﴿صحیح بخاری کتاب المغازی، صحیح مسلم کتاب الزکوۃ﴾ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو "مطاع ثم امین" کے القاب سے یاد فرمایا؛ یعنی میرا محبوب واجب الاطاعت ہے اور زمین اور اسمان کے جملہ علوم و معارف کا امانتدار ہے ﴿سورۃ التکویر﴾

﴿اول ﷺ﴾

یہ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہے جو اس نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے لئے بھی استعمال فرمایا، اول کا معنی ہے جو تمام اشیا کے وجود سے پہلے موجود ہو، حضور اکرم ﷺ اس اعتبار سے اول ہیں کہ آپ کو ہر چیز سے پہلے تخلیق فرمایا گیا اور سب سے پہلے نبوت سے سر فراز کیا گیا، قرآن پاک میں آپ کی شان اولیت کا ذکر ہے:

وبذلک امرت و انا اول المسلمین ،اور مجھے اس کا حکم ہوا ہے کہ میں سب ﴿مخلوقات﴾ سے پہلا مسلمان ہوں، ﴿سورۃ الانعام آیت ۱۶۲﴾

حضرت امام بقلی شیرازی فرماتے ہیں، اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک اور جوہر پاک تمام ماسوی اللہ پر مقدم ہے، ﴿تفسیر عرائس البیان ۱:۰۰۰﴾ آپ کے اول الخلق ہونے پر مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ بھی ذوق ایمان کو نکھار عطا کرتا ہے:

⊙ ...... حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کنت اول الناس فی الخلق، میں تمام انسانوں سے پہلے پیدا ہوا، ﴿طبقات کبریٰ ۱:۱۴۹﴾

⊙ ...... حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کنت اول الانبیاء فی الخلق ، میں تمام نبیوں سے پہلے تخلیق کیا گیا، ﴿کتاب الشفا ۱:۳۳۰﴾

⊙ ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں حضرت آدم سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے پروردگار کے پاس نور تھا، ﴿مواہب لدنیہ ۱:۴۷، سیرت حلبیہ ۱:۳۰﴾

⊙......حضرت امام عبدالرزاق فرماتے ہیں، مجھ سے حضرت معمر نے، ان سے حضرت ابن منکدر نے' ان سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا' اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی شے پیدا کی، آپ نے فرمایا، **ھو نور نبیک یا جابر**، اے جابر' وہ تیرے نبی کا نور ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرما کر اس سے ہر خیر پیدا کی اور اس کے بعد ہر شے پیدا کی، جب اس نور کو پیدا کیا تو اسے بارہ ہزار سال تک مقام قرب میں رکھا' پھر اس کے چار حصے کیے، ایک حصے سے عرش و کرسی، دوسرے سے حاملین عرش اور خازنین کرسی پیدا کئے، چوتھے حصے کو بارہ ہزار سال تک مقام محبت میں رکھا اور اس کے چار حصے کئے، ایک سے قلم اور دوسرے سے جنت بنائی، پھر چوتھے حصے کو بارہ ہزار سال تک مقام خوف میں رکھا' پھر اس کے چار حصے کئے، ایک حصے سے ملائکہ، دوسرے سے سورج، تیسرے سے چاند اور چوتھے سے ستارے بنائے، پھر چوتھے حصے کو بارہ ہزار سال مقام رجا میں رکھا، پھر اس کے چار حصے کیے، ایک حصے سے عقل، دوسرے سے علم، تیسرے سے حکمت اور چوتھے سے عصمت و توفیق کو پیدا کیا، پھر چوتھے حصے کو بارہ ہزار سال تک مقام حیا میں رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر نظر کرم فرمائی تو اس نور کو پسینہ آیا جس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار نور کے قطرے جھڑے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے نبی کی روح یا رسول کی روح پیدا فرمائی، پھر انبیا کی روحوں نے سانس لیا تو ان انفاس سے تا قیامت اولیا، شہدا، سعدا اور فرمانبردار انسانوں کو پیدا کیا، پس عرش و کرسی میرے نور سے، کروبین میرے نور سے، روحانیین میرے نور سے ملائکہ میرے نور سے، جنت اور اسکی تمام نعمتیں میرے نور سے، شمس و قمر اور انجم میرے نور سے، عقل و توفیق میرے نور سے، ارواح رسل و انبیا میرے نور سے، شہدا اور صالحین میرے نور سے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے تو اس نے میرے نور کے جز رابع کو ہر پردے میں ہزار سال تک رکھا اور یہ مقامات عبودیت، سکینہ، صبر، صدق اور یقین تھے، اللہ تعالیٰ نے اس نور کو

ہزار سال تک اس پردے میں غوطہ زن رکھا، جب اسے اس پردے سے نکالا اور زمین کی طرف بھیجا تو اس سے مشرق و مغرب یوں روشن ہو گئے جیسے تاریک رات میں چراغ، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین سے پیدا کیا تو ان کی پیشانی میں نور رکھا، پھر اسے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل فرمایا، پھر وہ نور طاہر سے طاہر کی طرف منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کی پشت میں اور حضرت آمنہ کے شکم میں جلوہ گر ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں ظاہر کر کے رسولوں کا سردار، نبیوں کا آخر، جہانوں کی رحمت اور تمام روشن اعضا والوں کا قائد بنایا، اے جابر اس طرح تیرے نبی کی تخلیق سے ابتدا ہوئی [1] ﴿مصنف عبدالرزاق جلد ارقم الحدیث ۱۸﴾

بعض روایات میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، یا سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا، حضرت امام زرقانی اور حضرت امام علی قاری جیسے شارحین کرام نے حدیث نور اور ان دوسری روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یہی رقم کیا ہے کہ اولیت حقیقی حضور اکرم ﷺ کے نور مبارک کو حاصل ہے۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

﴿آخر ﷺ﴾

آخر کا معنیٰ ہے تمام چیزوں کے ختم ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا' ﴿کتاب الشفا ۱: ۲۳۰﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا نام مبارک ہے جو اس نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کے لئے استعمال فرمایا ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، حدیث پاک ہے:

⊙...... **کنت اول الا نبیاء فی الخلق و آخر هم فی البعث** میں تمام نبیوں سے پہلے تخلیق ہوا اور ان کے آخر میں مبعوث ہوا، ﴿کتاب الشفا ۱: ۲۳۰﴾

⊙...... معراج کی رات ایک مخلوق سے آپ کی ملاقات ہوئی تو اس نے اس طرح سلام عرض کی، السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا حاشر، یعنی اے اول، آخر

---

[1] مصنف کا کامل نسخہ افغانستان سے مخطوطہ کی صورت میں دستیاب ہوا ہے، جو عنقریب شائع ہو رہا ہے، اس میں یہ حدیث نور نہایت ثقہ راویوں کے توسط سے مذکور ہے، یہ حدیث صحت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے جس کی بدولت اہل محبت کا ایمان تازہ ہو گیا ہے۔

اور حاشر آپ کو سلام ہو، ﴿الاحادیث المختارہ ۶:۲۵۹﴾

⊙......انا عاقب الذی لیس بعدہ نبی ، میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا، ﴿بخاری و مسلم﴾

قرآن پاک نے آپ کے لئے ''اسم خاتم'' بھی استعمال فرمایا ہے جس کا معنیٰ ہے ''آخری نبی''۔ سرکار ابد قرار ﷺ نے ارشاد فرمایا: 'انا خاتم النبین لا نبی بعدی' میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' ﴿جامع ترمذی ۴:۴۹۹، سنن ابی داؤد: ۹۷﴾ حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں، میں ماحی ہوں، میں خاتم ہوں اور میں عاقب ہوں' ﴿معجم طبرانی کبیر ۲:۱۳۳، شعب الایمان ۲:۱۴۱، دلائل النبوۃ ۱:۱۵۵﴾ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات طبقات پیدا فرمائے، عرش پیدا کیا تو اس کی ساق پر لکھا، ''محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء محمد، اللہ کے رسول ہیں اور آخری پیغمبر ہیں، ﴿مستدرک ۲:۶۰۸، تاریخ کبیر ۷:۳۷۴، دلائل النبوۃ: ۸۵۱﴾ حضرت شیخ عبداللہ غماری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بہت مضبوط ہے، ﴿الرد المحکم المتین ۱۳۸﴾ امام ابن تیمیہ نے بھی اس کو درج کیا ہے، ﴿فتاویٰ ابن تیمیہ ۲:۱۵۰﴾

یا خاتم الرسل المبارک ضوءہ

صلی علیک منزل القرآن

﴿اولیٰ ﷺ﴾

حضور اکرم، رسول محتشم ﷺ کا ایک اسم گرامی ہے ''اولیٰ''، اس کے معانی ہیں، قریب، مالک اور محبوب' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم ، نبی اکرم ﷺ تو ایمان والوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں، ﴿سورۃ الاحزاب﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مامن مومن الا وانا اولیٰ الناس بہ فی الدنیا والآخرۃ ، میں دو جہان میں ہر مومن کے تمام انسانوں سے زیادہ قریب ہوں، ﴿صحیح بخاری کتاب التفسیر﴾ جب آپ مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں تو مسلمان ''یارسول اللہ'' کہہ کر کسی بعید کو نہیں پکارتے، قریب کو پکارتے ہیں، محبوب کو

پکارتے ہیں اور جانوں کے مالک اور مختار کو پکارتے ہیں، ؎

سب سے اولیٰ واعلیٰ ہمارا نبی　　سب سے بالا ووالا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رسل　　اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

﴿جواد ﷺ﴾

جواد، جود سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اس کے واو کو شد کے بغیر پڑھا جائے تو معنیٰ ہوگا کرم کرنے والا، سخاوت کرنے والا، اگر شد کے ساتھ پڑھا جائے تو مبالغے کا صیغہ ہوگا، یعنی بہت زیادہ کرم کرنے والا اور بہت زیادہ سخاوت کرنے والا، ﴿زرقانی ۱۸۱:۴﴾ حدیث پاک ہے، جب حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو **اجو د بالخیر من الریح المرسلہ**، آپ بھلائی کرنے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے، ﴿صحیح بخاری ۶:۱﴾ یہ ساری کائنات آپ کی سخاوت کی جولانگاہ ہے، جس سائل نے جو کچھ بھی طلب کیا، آپ نے فوراً عطا فرما دیا، کسی کو جنت عطا فرما رہے ہیں، کسی کو بکریوں کے ریوڑ عطا فرما رہے ہیں، کسی کو آنکھ کی روشنی عطا فرما رہے ہیں، کسی کا زہر دور فرما رہے، آپ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے وارث ہیں، اس کی رحمتوں اور نعمتوں کے امین ہیں، اس کی بخششوں اور محبتوں کے قاسم ہیں۔ ؎

میرے کریم سے اگر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیئے ہیں در بے بہادیئے ہیں

﴿حاکم ﷺ﴾

حاکم کا معنیٰ ہے فیصلہ کرنے والا، ﴿لسان العرب ۱۴۰:۱۲﴾ آپ کا یہ اسم گرامی قرآن پاک کی ان آیات سے ماخوذ ہے:

⊙ ...... **فاحکم بینھم بما انزل اللہ**، آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ فرمائیں، ﴿سورۃ المائدہ﴾

⊙ ...... **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک**' آپ کے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں، ﴿سورۃ النساء﴾

⊙ ...... **لتحکم بین الناس بما اراک اللہ**، تاکہ آپ لوگوں میں اس حق کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے، ﴿سورۃ النساء﴾

حضور اکرم ﷺ کا حکم درحقیقت حکم خداوندی کا مظہر کامل ہے، آپ کا حکم آسمانوں میں بھی جاری ہے اور زمینوں میں بھی جاری ہے، فرمایا! میرے دو وزیر آسمان میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں، یاد رہے کہ وزارت وہاں ہوتی ہے جہاں اقتدار قائم ہو، گویا آپ آسمان کے بھی حاکم ہیں اور زمین کے بھی حاکم ہیں، جب زمین کی سیر و سیاحت کیلئے آئے تو ''میلاد'' بن گیا، جب آسمان کی سیر و سیاحت کیلئے گئے تو ''معراج'' بن گئی۔

اللہ اللہ شاہ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

خازن ﷺ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کو اپنے بیشمار خزانے عطا فرمائے، آپ کا ارشاد ہے، انما انا قاسم و خازن واللہ یعطی، بے شک میں ہی تقسیم کرنے اور خزانے رکھنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمانے والا ہے، ﴿صحیح بخاری کتاب الخمس﴾ اور ارشاد فرمایا: واللہ اعطیت مفاتیح خزائن الارض، اللہ کی قسم مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں، ﴿بخاری﴾

مالک کل نے آپ کو حاکم کل بنادیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ اختیار میں

رحمت ﷺ

حضور اکرم ﷺ کا ایک اسم گرامی ہے ''رحمت'' ارشاد ربانی ہے: اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، ﴿سورۃ الانبیاء﴾

حدیث پاک ہے: انما بعثت رحمة، میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، ﴿شعب الایمان ۲:۱۴۴﴾ حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ تمام جہانوں کے لئے اس اعتبار سے رحمت ہیں کہ آپ تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق فیضان خدا کا بہترین ذریعہ ہیں، میرا عقیدہ ہے کہ آپ عالمین کے ہر فرد کیلئے رحمت ہیں، آپ فرشتوں، انسانوں اور جنوں کے لئے رحمت ہیں، اس امر رحمت میں جنوں اور انسانوں کے درمیان' مومن اور کافر کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں، رحمت ہر ایک کے لئے الگ الگ نوعیت کی حامل ہے، ﴿تفسیر

روح المعانی ۱۷: ۱۰۵﴾ چونکہ آپ رحمت ہیں اس لئے آپ زندہ بھی ہیں...... موجود بھی ہیں...... حاضر بھی ہیں...... ناظر بھی ہیں...... مختار بھی ہیں...... غمخوار بھی ہیں۔

﴿رءُوف ﷺ﴾

یہ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ہے مگر اس نے اپنے محبوب پاک ﷺ کے لئے بھی استعمال فرمایا، روف دراصل رافت سے فعول کے وزن پر ہے، اس کا مطلب ہے رحمت میں مبالغہ کرنے والا، بعض اہل لغت نے یہ بھی کہا ہے' احسان کے بدلے میں احسان کرنا رافت کہلاتا ہے اور کسی احسان کے بغیر کسی پر احسان کرنا رحمت کہلاتا ہے، ﴿زرقانی ۴: ۲۵۷﴾ قرآن پاک میں ہے:

⊙...... حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم ﴿یہ رسول﴾ تمہاری بہتری کا آرزو مند' اہل ایمان کے لئے بہت ہی مہربان اور بہت ہی رحم فرمانے والا ہے' ﴿سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸﴾

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قد سماہ اللہ روء فاً رحیماً، اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام روف اور رحیم رکھا ہے' ﴿صحیح مسلم کتاب الفضائل، صحیح ابن حبان ۱۴: ۲۱۹، مشکل الآثار ۲: ۵۰﴾

﴿رحیم ﷺ﴾

اسم رحیم، رحمۃ سے فعیل کے وزن پر ہے جس کا مطلب ہے بہت ہی زیادہ رحم فرمانے والا، مہربانی کرنے والا اور شفقت سے کام لینے والا، حضرت ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ کفار عرب کے مکر وفریب اور ظلم وتشدد کے مقابلے میں آپ کو یہ شان خصوصیت نصیب ہوئی، ﴿سبل الھدیٰ ۱: ۴۶۵﴾ زرقانی میں ہے

کہ آپ کو یہ صفت اس لئے عطا ہوئی کہ آپ اپنے عشاق کیلئے رحمت کا باعث ہوں، ﴿زرقانی ۴: ۲۵۷﴾ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں: کان رسول اللہ ﷺ رحیماً رفیقاً، حضور اکرم ﷺ بہت ہی زیادہ رحمت اور رقت والے تھے، ﴿صحیح مسلم کتاب المساجد، سنن دار قطنی ۱: ۲۷۳، طبرانی معجم کبیر ۱۹: ۲۵۰﴾

اللہ اکبر! سرکار ابد قرار ﷺ ایسے روف ورحیم ہیں کہ ہر وقت آپ کا دامن رحمت کھلا رہتا ہے اور عصیاں شعاروں کو پناہ گاہ نصیب ہوتی رہتی ہے، اپنے تو اپنے بیگانے بھی آپ کے دستر خوان رافت سے محروم نہیں جاتے، فتح مکہ کا عظیم منظر کسے یاد نہیں، آپ نے

تمام جانی دشمنوں کو معاف فرما کر عفوو درگزر اور رحمت ورافت کی ایسی عالمگیر مثال قائم فرمائی کہ قیامت تک کی عسکری تاریخ انگشت بدنداں دکھائی دیتی ہے، جب وہ رسول رحمت اپنی زلفوں پر کوڑا اچھینکنے والی خاتون کو معاف کرتا ہے، وادی طائف کے سنگزادوں کو دعائے بخشش سے نوازتا ہے، معاشرتی بائیکاٹ کرنے والے شقی قلبوں کے لئے بارش کی التجا کرتا ہے تو ہر مورخ کا قلم اس کے لطف وکرم کو سلام نیاز پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سراج منیر ﷺ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور آپ کو اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا آفتاب بنا کر بھیجا، ﴿سورۃ الاحزاب﴾ یہ وہ خوبصورت نام ہے جو آپ کے ظاہری وباطنی حسن وجمال کو بیان کر رہا ہے، آپ کو سراج منیر کے مبارک نام سے یاد کرنے کی چند وجوہات ہیں، پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے:

⊙ ...... جس طرح آسمان کے سورج سے چاند اور ستارے، کہکشاں اور سیارے تابناک ہوتے ہیں، اس آفتاب نبوت سے تمام انبیا، مرسلین، صدیقین، شھدا اور صالحین نور کی خیرات حاصل کرتے ہیں۔

⊙ ...... جس طرح آسمان کا سورج ایک جگہ چمکتا ہے لیکن اس کی شعاعیں زمین کے گوشے گوشے کو روشن کرتی ہیں، اس طرح اس آفتاب نبوت کے جلوے بھی اربوں انسانوں، جنوں اور فرشتوں کے دل ونگاہ کو جگمگا رہے ہیں۔

⊙ ...... جس طرح آسمان کا سورج ہر روز مغرب میں ڈوب کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اگلے جہان میں جا چمکتا ہے، اس طرح یہ آفتاب نبوت افق دنیا سے اوجھل ہو کر ختم نہیں ہوا جہان برزخ کو چمکا رہا ہے، اپنی روحانی توجہات سے دونوں عالم کو نواز رہا ہے۔

⊙ ...... جس طرح آسمان کے سورج کو ہزاروں لاکھوں چمگادڑ نہیں مانتے تو اس کی رخشندہ کرنوں کا کچھ نہیں بگڑتا، اس طرح اس آفتاب نبوت کا کروڑوں کافر، منافق اور گستاخ انکار کرتے رہیں، اس کی ضیا پاشیوں اور ضوباریوں میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔

⊙ ...... جس طرح آسمان کے سورج کو کائنات کا ہر فرد بشر اپنے سامنے تصور کرتا ہے اور

پکارتا ہے کہ سورج تو میرے آئینے میں روشن ہے، اس طرح اس آفتاب نبوت کو ہر مرد مومن اپنے دل و جان سے بھی زیادہ قریب سمجھتا ہے اور پکارتا ہے کہ حضور میرے نزدیک ہیں اور حاضر و ناظر ہیں، قرآن پاک بھی فرما رہا ہے، جان لو اللہ کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے۔

⊙...... جس طرح آسمان کا سورج اپنی برق رفتار شعاعوں کو ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کے فاصلے تک پہنچا سکتا ہے، اس طرح یہ آفتاب نبوت ہر قریب و بعید کو آنکھ جھپکنے سے پہلے اپنے فیضان نظر سے مالا مال کر سکتا ہے۔

⊙...... جس طرح آسمان کے سورج کی روشنی سے ہر جاندار زندہ ہے اس طرح اس آفتاب نبوت کی ہماہمی سے ہر ایماندار زندہ ہے، درخشندہ ہے، پائندہ ہے، تابندہ ہے، گویا۔

بے نور زندگی کا ستارا ترے بغیر
بے کیف بندگی کی تمنا ترے بغیر

⊙...... حضرت امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضور جان نور ﷺ کی روشنی سے جہالت کے اندھیرے چمک اٹھتے ہیں اور آپ کے نور سے بصیرتوں کو جلا نصیب ہوتی ہے، ﴿تفسیر بیضاوی ۳:۳۸۶﴾

⊙...... حضرت امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضور جان نور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نور بنایا اور ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا، ﴿روح البیان ۷:۱۹۸﴾

⊙...... شیخ عبد اللہ بن محمد نجدی لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام "سراج منیر رکھا، سراج وہاج نہیں، کیونکہ ہر زمانے کے لوگ ہر جگہ، صبح و شام اور ظاہری و باطنی طور پر "سراج منیر" کے محتاج دکھائی دیتے ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۵۹﴾

⊙...... جس طرح آسمان کے سورج کو رنگین شیشے کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا، اس طرح اس آفتاب نبوت کو بھی ایمان و عرفان کے آئینے کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا۔

بو جہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

﴿سید ﷺ﴾

سید کا معنیٰ ہے سردار، جو اپنے اوصاف و کمالات میں لوگوں پر فائق ہو، جس کے

پاس زمانہ اپنی حاجات اور ضروریات لے کر حاضر ہو اور جس کے دامن کرم میں دنیا عافیت تلاش کرے، اللہ تعالیٰ نے یہ شان عظیم اپنے محبوب کریم ﷺ کو عنایت فرمائی ہے، مفسرین نے لفظ یٰسین کا معنیٰ بھی "اے سردار" کیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انا سید القوم یوم القیامۃ ، میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں گا، ﴿صحیح بخاری کتاب الانبیا، صحیح مسلم کتاب الایمان، سنن نسائی ۶: ۳۷۸، مسند احمد ۲: ۴۳۵﴾ حضرت عبداللہ اعشی رضی اللہ عنہ کا ایک شعر کس طرح دل کی دنیا آباد کر رہا ہے ۔

یا سید الناس و دیان العرب

الیک اشکو ذربۃ من الذرب

یعنی اے سارے انسانوں کے سردار، عرب کے منصف کریم! میں اپنی خطا کی شکایت آپ کے حضور عرض کرتا ہوں، ﴿مسند احمد ۲: ۲۰۲، طبقات کبریٰ ۷: ۵۳، مجمع الزوائد ۴: ۳۳۱﴾

اب مزید اسمائے گرامی کے معانی پر اکتفا کیا جاتا ہے تاکہ آپ کے اوصاف و محاسن کا ایک جہان مسکراتا ہوا نظر آئے۔

⊙ ...... **شاف** ﷺ: غم والم میں شفاعت کرنے والا، امت کے رنج واندوہ کو ختم کرنے والا، ﴿سبل الہدیٰ ۱: ۴۷۳﴾ گویا اسی لئے تو امت آپ کو مشکل کشا تسلیم کرتی ہے۔

⊙ ...... **شافع** ﷺ: کسی دوسرے کی شفاعت فرما کر بارگاہ مطلوب تک پہنچانے والا، ﴿لسان العرب ۸: ۱۸۴﴾

⊙ ...... **شاہد** ﷺ: مشاہدہ کرنے والا، حاضر و موجود ہونے والا، ﴿زرقانی ۴: ۲۷۲﴾ گواہی دینے والا کیونکہ آپ کو اولین وآخرین کے حالات سے باخبر کیا گیا ہے ﴿نسیم الریاض ۲: ۲۶۴﴾

⊙ ...... **شہید** ﷺ: ایسا عالم جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے، گواہی دینے والا، قرآن نے آپ کو اس نام سے بھی یاد فرمایا ہے: ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ ﴿سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳﴾ اور فرمایا: و جئنا بک علیٰ ھٰولاء شہیداً ۔

⊙ ...... **شہیر** ﷺ: یہ شہرۃ سے فعیل کے وزن پر ہے، اس کا مطلب ہے شہرت دوام رکھنے والا ﴿لسان العرب ۴: ۴۳۱﴾

⊙...... صادق ﷺ:۔ یہ صدق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا معنیٰ ہے اپنی بات کا سچا، ﴿لسان العرب ۱۰:۱۹۳﴾ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نبی امی ہوں، سچا اور پاکباز ہوں، ﴿طبقات کبریٰ ۱:۳۳۴﴾ آپ ﷺ کے صدق و امانت کا سب زمانہ گواہ ہے۔

⊙...... صاحب ﷺ: یہ صحبۃ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، صحبت کا معنیٰ ہے مل جل کر رہنا، ﴿زرقانی ۴:۱۹۸﴾ آپ کو صاحب اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے درمیان محبت اور مروت، نیکی اور بزرگی، نرمی اور رقت قلبی کے ساتھ رہتے تھے، قرآن پاک نے فرمایا: ماضل صاحبکم و ماغویٰ تمہارا صاحب نہ بہکا اور نہ گمراہ ہوا، ﴿سورۃ النجم﴾

⊙...... صفی اللہ ﷺ: اللہ تعالیٰ کا چنا ہوا برگزیدہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوق سے ﴿اپنی محبوبیت کے لئے﴾ چن لیا ہے، ﴿سبل الہدیٰ ۱:۴۸۲﴾ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال پر عرض کیا، وانبیاہ واخلیلاہ واصفیاہ یعنی آہ اے نبی، اے خلیل، اے صفی ﴿مسند احمد ۶:۳۱﴾

⊙...... طس ﷺ: یہ حروف مقطعات سے ہے، حضرت امام ابن دحیہ، حضرت امام نسفی، حضرت امام صالحی، حضرت امام سخاوی نے فرمایا کہ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کا اسم مبارک ہے، ﴿زرقانی ۴:۲۰۳، سبل الہدیٰ ۱:۴۸۴، القول البدیع ص ۵۷﴾

⊙...... طٰہٰ ﷺ: یہ حروف مقطعات سے ہے، حضرت امام عیاض مالکی اور حضرت شیخ بقلی شیرازی نے اسے آپ کا اسم مبارک قرار دیا ہے، ﴿کتاب الشفا ۱:۳۳۳، عرائس البیان ۲:۱۸﴾ مفسرین نے لکھا ہے کہ طٰہٰ کا معنیٰ ہے، چودھویں کا چاند۔

⊙...... طیب ﷺ: طیب کا مطلب ہے پاک، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ پاک ہیں، ﴿زرقانی ۴:۲۰۳، سبل الہدیٰ ۱:۴۸۵﴾ اور دوسروں کو پاک کرنے والے ہیں، قرآن عزیز کا فرمان ہے: ویزکیھم اور نبی ان کو پاک کرتا ہے۔

⊙...... ظاہر ﷺ: ظاہر ظہور سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے بلندی اور غلبہ، حضرت ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی آپ کا اسم گرامی ہے، ﴿الریاض الانیقہ ص ۲۰۷﴾، حضرت امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ آپ ظہور کی جملہ غایتوں سے زیادہ ظاہر ہیں ﴿گویا سب سے زیادہ بلند ہیں، سب سے زیادہ غالب ہیں﴾ ﴿مواہب لدنیہ ۲:۳۳﴾

⊙...... **عادل** ﷺ: یہ عدل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، عدل کا معنیٰ ہے کسی چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا، عادل کا معنیٰ مستقیم بھی ہے منصف بھی ہے، قرآن پاک میں ہے، **وامرت لاعدل بینکم**، یعنی مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ ﴿سورۃ الشوریٰ﴾

⊙...... **عبداللہ** ﷺ: اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا بندہ، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: **اشھد انی عبداللہ و رسولہ** 'میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں. ﴿مسند احمد ۲:۳۰۹﴾ قرآن پاک میں ہے: **وانہ لما قام عبد اللہ یدعوکادوا یکرنون علیہ لبدا**، اور جب اللہ کا برگزیدہ بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر اکھٹے ہو جاتے ہیں، ﴿سورۃ الجن آیت ۱۹﴾

⊙...... **فاتح** ﷺ: اس کا معنیٰ حاکم بھی ہے اور اپنی امت کے لئے رحمت کے دروازے کھولنے والا بھی ہے، حدیث پاک ہے: **انما بعثت فاتحاً و خاتماً**، مجھے فاتح اور خاتم بنا کر بھیجا گیا ہے، ﴿مصنف عبدالرزاق ۶:۱۱۳﴾ حضرت امام عیاض مالکی فرماتے ہیں، آپ اپنی امت کے لئے عرفان وایمان کے راستے کھولنے والے ہیں ﴿کتاب الشفا ۱:۳۲۹﴾

⊙...... **قاسم** ﷺ: اس کا معنیٰ ہے تقسیم کرنے والا، آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تقسیم فرماتے ہیں، فرمایا، **انما انا قاسم و یعطی اللہ**، میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے، ﴿طبرانی معجم کبیر ۱۹:۳۲۹﴾

⊙...... **قثم** ﷺ: اس کا معنیٰ ہے تمام نیکیوں کو جمع کرنے والا، سب سے بڑے سخی کو قثم کہا جاتا ہے، ﴿الوقاص ۱۰۱﴾

⊙...... **قریب** ﷺ: اس کا مطلب ہے نزدیک، آپ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہیں، یہ آپ کا صفاتی نام ہے، ﴿زرقانی ۴:۲۱۰﴾

⊙...... **قوی** ﷺ: یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے یعنی بہت ہی زیادہ قوت وطاقت کا مالک، قرآن پاک میں ہے: **ذی قوۃ عند ذی العرش مکین** بہت سے مفسرین کرام نے "**ذی قوۃ**" سے حضور اکرم ﷺ کی ذات کو مراد لیا ہے، ﴿کتاب الشفا ۱:۳۳۱، زرقانی ۴:۲۱۰، سبل الھدیٰ ۱:۴۹۸﴾

⊙...... **کریم** ﷺ: کریم ایسے کرم فرما کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی نہ بڑھ سکے، ﴿لسان

العرب ۱۲: ۵۱۰﴾ قرآن پاک میں ہے: انہ لقول رسول کریم ، ﴿سورۃ الحاقہ آیت ۴۰﴾ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں! کان رسول اللہ حییا کریماً ، یعنی اللہ کے رسول بہت حیا والے اور کرم فرمانے والے تھے، ﴿مستدرک ۴: ۱۷﴾

⊙...... **مبشر ﷺ**: اس کا معنیٰ ہے خوش خبری دینے والا، آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت و رافت کی خوشخبری عطا فرماتے ہیں، فرمایا! انا مبشر ھم اذا ائیسوا میں ہی بشارت سناؤں گا جب لوگ مایوس ہو جائیں گے، ﴿جامع ترمذی ابواب المناقب، سنن دارمی ۱: ۳۹، شرح السنہ ۱۳: ۲۰۳﴾

⊙...... **مبین ﷺ**: اس کا معنیٰ ہے چیزوں کو کھولنے والا اور واضح کرنے والا، ﴿زرقانی ۴: ۲۱۳﴾ قرآن پاک نے آپ کو رسول مبین اور نذیر مبین کے ناموں سے یاد فرمایا ہے، ﴿سورۃ الزخرف آیت ۲۹، سورۃ الحج آیت ۴۹﴾

⊙...... **محلل ﷺ**: اس کا معنیٰ ہے حلال کرنے والا، قرآن پاک میں ہے: ویحل لھم الطیبت ، وہ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے، ﴿سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷﴾

⊙...... **مُحرِّم ﷺ**: اس کا معنیٰ ہے حرمت نافذ کرنے والا، قرآن پاک میں ہے: ویحرم علیھم الخبٰئث ، اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام فرماتا ہے ﴿سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷﴾ حدیث پاک ہے! وان ما حرم رسول اللہ ﷺ کما حرم اللہ ، اللہ کے رسول کا حرام کردہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا ہے، ﴿جامع ترمذی کتاب العلم، سنن ابن ماجہ ۱: ۳۱، مسند احمد ۴: ۱۳۲، سنن دارمی ۱: ۱۵۳، طحاوی ۴: ۲۰۸، مستدرک ۱: ۱۰۹﴾

⊙...... **محمود ﷺ**: یہ حمد سے مشتق ہے، اس کا معنیٰ ہے جس کی بہت ہی زیادہ تعریف کی گئی ہو، حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں آپ کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے، ﴿کتاب الشفا ۱: ۲۲۴، نسیم الریاض ۳: ۲۹۰﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، قیامت کے دن آپ کو عرش پر بٹھایا جائے گا اور آپ کی تعریف کی جائے گی تاکہ آپ کا مقام ساری مخلوق پر واضح ہو جائے، ﴿الوفاص ۸۴۰﴾ حدیث مبارک ہے: فذلک یوم یبعثہ اللہ المقام المحمود ، قیامت کے دن اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا، ﴿صحیح بخاری کتاب التفسیر، سنن نسائی ۶: ۳۸۱﴾

⊙...... **مدثر ﷺ**: اس کا مطلب ہے چادر اوڑھنے والا، قرآن پاک نے آپ کی اس ادائے نازنین کو بیان کیا ہے، ﴿سورۃ المدثر﴾

⊙...... **مذکر ﷺ**: اس کا مطلب ہے نصیحت فرمانے والا، قرآن پاک میں ہے: فذکر

انما انت مذکر ، اے محبوب! نصیحت کرتے رہیے، آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں،
﴿سورۃ الغاشیہ آیت ۲۱﴾

⊙...... مزمل ﷺ: اس کا مطلب ہے کمبل اوڑھنے والا، حدیث پاک ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مجھے سات ناموں سے یاد کیا ہے، محمد، احمد، طہٰ، یٰسین، مزمل، مدثر اور عبد اللہ ﴿تفسیر قرطبی ۱۵:۵﴾

⊙...... مشھود ﷺ: اس کا مطلب ہے جس کے امر ونہی کی گواہی دی جائے، ﴿زرقانی ۴:۲۱۷﴾ حضرت امام قرطبی آیت "شاھد و مشھود کی تفسیر میں فرماتے ہیں: قیامت کے دن حضرات انبیا شاہد ہوں گے اور حضور تاجدار انبیا ﷺ مشھود ہوں گے، ﴿تفسیر قرطبی ۱۹:۲۸۶﴾

⊙...... مصطفیٰ ﷺ: اس کا معنیٰ ہے ہر عیب سے پاک برگزیدہ، چنا ہوا، حدیث پاک ہے! انا النبی المصطفےٰ، میں برگزیدہ نبی ہوں، ﴿مسند احمد ۶:۲۵﴾

⊙...... مطاع ﷺ: یہ طاعۃ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کا مطلب ہے جس کی اطاعت کی جائے، ﴿سبل الھدیٰ ۱:۵۱۶﴾ قرآن پاک میں ہے! مطاع ثم امین، ﴿یہ رسول وہ ہے﴾ جس کی اطاعت کی جاتی ہے پھر جو نہایت امانتدار ہے، ﴿سورۃ التکویر آیت ۲۱﴾

⊙...... مولا ﷺ: اس کا مطلب ہے مالک، سید، سردار، آزاد کرنے والا، ولی، دوست، محبّ، محبوب، حدیث پاک ہے: وانا مولیٰ من لا مولیٰ له، جس کا کوئی والی وارث نہیں اس کا میں والی وارث ہوں' ﴿سنن ابی داود ۳:۴۹﴾

⊙...... مھدی ﷺ: مھدی اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا ہو، شاعر دربار نبوت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ایک شعر ہے۔

جزعاً علی المھدی اصبح ثاویاً

یا خیر من وطی الحصی لا تبعد

آنکھیں اس ہدایت شعار ہستی پر اشک بار ہیں، جو تمام زمین پر چلنے والوں سے بہترین ہے، بے شک آپ ہم سے ہرگز دور نہیں ہوئے، ﴿دیوان حسان ص ۶۵﴾

⊙...... نبی ﷺ: حضرت امام زبیدی فرماتے ہیں، نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر عطا کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی توحید کی خبر دی، آپ کو اپنے غیب پر مطلع کیا اور آپ کو نبی ہونے سے آشنا فرمایا، ﴿تاج العروس ۱:۲۵۵﴾ نبی کا معنیٰ ہے غیب'

مستقبل، اللہ تعالیٰ اور اس کے متعلق ہر شے کی خبریں دینے والا، ﴿المنجد ص ۸۴۷﴾ قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر آپ کو "اسم نبی" سے یاد کیا گیا ہے، آپ نبی توبہ بھی ہیں، نبی رحمت بھی ہیں، آپ نبی آخر بھی ہیں، نبی اعظم بھی ہیں، نبی امی بھی ہیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

بالله ما حملت انثى ولا وضعت

مثل النبي نبي الرحمة الهادي

اللہ کی قسم! کسی عورت نے کسی انسان کو پیدا نہیں کیا جو اس نبی رحمت و ہدایت کی مثال ہو۔ ﴿طبقات کبریٰ ۲: ۳۲۲﴾

⊙...... **نور ﷺ:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قد جاء کم من الله نور، بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آ گیا، ﴿سورۃ المائدہ آیت ۱۵﴾ یہاں نور سے مراد حضور پیغمبر نور ﷺ کی ذات ہے، ﴿تنویر المقباس ص ۸۵، تفسیر خازن ۱: ۳۶۹، تفسیر قرطبی ۱: ۴۱۸، تفسیر جلالین ص ۱۱۱، تفسیر صاوی ۲: ۴۸۶، تفسیر مدارک ۱: ۲۷۶، تفسیر روح البیان ۲: ۳۶۷، تفسیر بیضاوی ۱: ۱۱۸، فتح القدیر ۲: ۲۳، کتاب التسہیل ۱: ۱۷۲﴾ حضرت امام عیاض مالکی، حضرت امام قسطلانی، حضرت امام سیوطی، حضرت امام صالحی اور حضرت امام سخاوی رحمہم اللہ نے "اسم نور" کو آپ کے اسما میں بیان فرمایا ہے۔

⊙...... **ولی ﷺ:** ولی کا معنیٰ ہے مددگار، سرپرست، ارشاد باری ہے: انما ولیکم الله ورسوله، بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول تمہارا مددگار ہے، ﴿سورۃ المائدہ آیت ۵۵﴾ حدیث پاک ہے: انا ولی المومنین، میں ایمان والوں کا مددگار ہوں یا سرپرست ہوں، ﴿مسند احمد ۳: ۳۷۱، سنن بیہقی ۳: ۲۱۴﴾ ایک حدیث کے الفاظ ہیں: انا ولی من لا ولی له، جس کا کوئی مددگار نہیں اس کا میں مددگار ہوں، ﴿مسند احمد ۴: ۱۳۳﴾

⊙...... **ھاد ﷺ:** اس کا معنیٰ ہے ہدایت عطا کرنے والا، سیدھے راستے پر چلانے والا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ھاد یھدینی، یہ ہادی ہیں جو مجھے سیدھے راستے پر چلاتے ہیں، ﴿مجمع الزوائد ۶: ۵۴، مسند احمد ۳: ۱۲۲، طبرانی معجم کبیر ۲۴: ۱۰۷﴾

⊙...... **یتیم ﷺ:** یتیم اس گوہر نایاب کو کہتے ہیں جو سیپ سے اکیلا نکلے، آپ ﷺ کو بے مثال اور یکتا ہونے کی وجہ سے یتیم کہا جاتا ہے، زمخشری کہتے ہیں، یتیم سے مراد ہے

دریتیم، ﴿روح المعانی ۳۰:۱۸۶﴾ قرآن پاک میں ہے: الم یجدک یتیماً فاوی، کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا، پس اس نے اعلیٰ مقام عطا فرمایا، ﴿سورۃ الضحیٰ آیت ۶﴾ حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: کیا اس نے آپ کو قریش میں منفرد اور بیمثال نہیں پایا، پھر اس نے آپ کو نہایت معزز مقام پر فائز کیا، نبوت سے آپ کی حمایت فرمائی، آپ کو اعلیٰ شرف سے سرفراز کیا اور رسالت کے لئے منتخب فرمایا، ﴿تفسیر کبیر ۳۰:۲۱۴﴾

⊙...... رشید ﷺ: اس کا مطلب ہے ثابت قدمی دکھانے والا، ہدایت دینے والا، استقامت کا مظاہرہ کرنے والا، حضرت ابو طالب کا ایک شعر ہے ؎

حلیم رشید عادل غیر طائش
یوالی الا ھالیس عنه بغافلٍ

یعنی آپ حلم والے، رشد والے، عدل والے اور غصے سے بچنے والے ہیں، آپ اس خدا سے محبت کرتے ہیں جو آپ سے ہرگز غافل نہیں، ﴿البدایہ والنھایہ ۳:۵۷﴾

⊙...... رسول ﷺ: اس کا معنیٰ ہے بھیجا گیا، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ارسال کردہ ہستی ہے، قرآن پاک میں ہے: وما محمد الا رسول اور فرمایا محمد رسول الله، حضرت امام قسطلانی فرماتے ہیں، شرعی طور پر رسول اس کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نئی شریعت دے کر بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے، ﴿مواہب لدنیہ ۲:۴۷﴾ حضور اکرم ﷺ کا یہ نام مبارک بکثرت استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ آپ کے کلمے کا حصہ ہے، آپ فرماتے ہیں: میں رسول رحمت ہوں، رسول راحت ہوں، رسول ملاحم ہوں، ﴿کتاب الشفا ۱:۳۱۶﴾

علاوہ ازیں آپ کے اور بھی بیشمار اور لاتعداد اسمائے گرامی ہیں جو آپ کے اوصاف وکمالات کا جلی عنوان ہیں، آپ کی تین یا چار کنیتیں بھی ہیں، حضرت امام زرقانی فرماتے ہیں: جب بھی اہل عرب کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس میں پائی جانے والی شرافت کو دیکھ کر اس کی کنیت رکھ دیتے، ﴿زرقانی ۴:۲۲۸﴾ گویا کنیت انسان کے ادب و احترام کے لئے رکھی جاتی ہے، ذیل میں آپ کی کنیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

⊙...... ابو القاسم ﷺ: حضرت قاسم رضی اللہ عنہ آپ کے پہلے شہزادے کا نام ہے، اس لئے ان کے نام پر آپ کو "ابو القاسم" کہا جاتا ہے، یہ سب سے مشہور کنیت ہے، ﴿کتاب الشفا

۱:۳۲۲﴾ آپ نے فرمایا: میرا نام رکھ لیا کرو مگر میری کنیت مت رکھو، ﴿صحیح مسلم کتاب الادب﴾ گویا جس کا نام محمد ہے، اس کے لئے ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز نہیں۔

⊙...... **ابو ابراہیم ﷺ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب آپ کے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا، **السلام علیک یاابا ابراھیم**، ﴿مستدرک ۲:۶۰۴﴾

⊙...... **ابوالارامل ﷺ:** ارامل دراصل ''ارملۃ'' کی جمع ہے، اس کا معنٰی ہے بیوہ، یعنی بیوہ عورتوں کے باپ، آپ کی یہ کنیت تورات میں مذکور ہے، ﴿زرقانی ۴:۲۳۰﴾ حضور اقدس ﷺ مسکینوں، یتیموں، بیواؤں کے فریاد رس اور حاجت روا اور چارہ ساز ہیں، اس لئے آپ کو ''ابوالارامل'' کہا جاتا ہے زمانے کے حاجت مند آج بھی آپ کے دسترخوان پر پل رہے ہیں ؎

غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی ﷺ

⊙...... **ابوالمومنین ﷺ:** اس کا معنٰی یہ ہے کہ آپ اپنی امت پر شفقت و محبت کا سایہ دراز کرنے میں باپ کی طرح ہیں، حدیث پاک ہے: بے شک میں تمہارے لئے باپ کی مانند ہوں، میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں کہ جب کوئی پیشاب کرنے لگے تو اپنا منہ قبلہ شریف کی طرف نہ کرے اور نہ پشت کرے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے، ﴿سنن نسائی ۱:۲۹، سنن ابی داؤد ۱:۷، سنن ابن ماجہ ۱:۱۸۳، صحیح ابن خزیمہ ۱:۴۳﴾

ظاہر ہے آپ کی ازواج مطہرات اہل ایمان کی مائیں ہیں تو آپ روحانی طور پر ان کے باپ اور سرپرست ہوئے، اس لئے آپ کو ابوالمومنین کہا گیا ہے۔ ثابت ہوا کہ آپ ناموں اور کنیتوں کے اعتبار سے بھی ساری مخلوق کے سردار ہیں۔

وہ دانائے سبل ختم رسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

آغوش رضاعت میں:

اس قسام ازل پر قربان جایئے جس نے اپنے محبوب، طالب و مطلوب ﷺ کے ظہور پرنور کے لئے جس طرح اعلیٰ قبیلے اور اعلیٰ خاندان کا انتخاب فرمایا اس طرح اس کو پروان چڑھانے کے لئے بھی حلم وسعادت کے گہوارے "قبیلہ بنو سعد" کو نگاہ رحمت سے دیکھا تو اس کے خفتہ مقدر بھی انگڑائی لے کر بیدار ہو گئے، سب سے پہلے تو حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا پھر حضرت ثویبہ نے چند روز تک دودھ پلایا، حضرت ثویبہ ابولہب کی کنیز تھیں جس کو ابولہب نے حضور اقدس ﷺ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا، کیا شان رحمت ہے، حضور اقدس ﷺ کا دنیا میں قدم رنجہ فرمانا تھا کہ غلاموں کی زنجیریں ٹوٹنا شروع ہو گئیں۔ اس دوران حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے نامور فرزند اور حضور اکرم ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا دودھ پیا، اس طرح وہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہو گئے، حضور اکرم ﷺ حضرت ثویبہ کا بہت ادب واحترام فرماتے تھے، جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو پھر بھی وہاں سے لباس اور دیگر ضروری اشیا ان کے لئے ارسال فرما دیتے فتح خیبر کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، ﴿الوفاء ص ۱۳۸﴾ حضرت ثویبہ نے آپ کے علاوہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا ﴿ایضاً ص ۱۳۹﴾ ان کے اپنے بیٹے کا نام مسروح ہے جو رسول اللہ ﷺ کا رضاعی بھائی بن گیا۔

حضرت علامہ خطیب اور حضرت علامہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے تو آپ کی نبوت کی نشانیوں نے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی، میں نے دیکھا کہ آپ گہوارے میں چاند سے باتیں کرتے اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور جس طرف اشارہ کرتے چاند ادھر جھک جاتا تھا، آپ نے فرمایا: میں چاند سے باتیں کرتا اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور اس کے عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتے وقت میں اس کی تسبیح کرنے کی آواز کو سنا کرتا تھا[1] ﴿خصائص کبریٰ ۱:۱۲۳﴾

---

[1] امام بیہقی نے کہا کہ اس کی سند میں احمد بن ابراہیم جیلی جو منفرد اور مجہول ہے، امام صابونی نے کہا کہ یہ حدیث غریب الاسناد ہے اور تمن معجزات میں حسن ہے، ہم کہتے ہیں کہ فضائل اور معجزات کے باب میں ایسی روایت کوئی نقصان نہیں دیتی، کیا یہ کمال حضور اکرم ﷺ کی حاکمیت وعلویت کے سامنے ناممکن ہے، پھر امام صابونی نے

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

حضرت ثویبہ کے بعد آپ کو حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۳۴﴾ حضرت حلیمہ کے والد ابوذویب عبداللہ بن حارث بن شجنہ ہیں اور خاوند حارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ ہیں، آپ کی اولاد میں عبداللہ، انیسہ، خدامہ یعنی شیما ہیں، یہ سب حضور اکرم ﷺ کے رضاعی بہن بھائی ہیں، ﴿الوفا: ۱۳۹﴾

جناب حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بنوسعد بن ابی بکر کی عورتوں کے ساتھ مکے میں آئی، خشک سالی تھی اور ہمیں شیر خوار بچوں کی تلاش تھی، میں ایک دراز گوش پر سوار تھی، اس کا رنگ سبزی مائل تھا اور وہ انتہائی لاغر اور نحیف ونزار تھی، وہ باقی سواریوں سے پیچھے رہ گئی ﴿الوفا: ۱۳۹﴾ ساتھ ایک بچہ تھا اور ایک اونٹنی جس کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، ہم اس رات کو بچے کے ساتھ سو بھی نہ سکے کیونکہ میرے پستانوں میں دودھ تھا اور نہ اونٹنی کے، ہم مکے آئے، بخدا کوئی ایسی دودھ پلائی نہ تھی کہ جس کے سامنے آپ کو نہ لایا گیا ہو اور اس نے اس وجہ سے انکار نہ کر دیا ہو کہ آپ کے والد فوت ہو چکے ہیں اور آپ یتیم ہیں، ﴿ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دایئوں کو قبول نہ کیا کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ ایک مفلوک الحال عورت آنے والی ہے، میں تو دنیا میں ایسے دکھی انسانوں کی چارہ سازی کے لئے جلوہ گر ہوا ہوں ﴾ میرے بغیر تمام دودھ پلانے والی عورتوں کو شیر خوار بچے مل گئے تو میں نے اپنے میاں سے کہا کہ مجھے برا معلوم ہوتا ہے کہ میں ان عورتوں کے ساتھ واپس چلی جاؤں اور میرے پاس کوئی بچہ نہ ہو، ﴿انوار محمدیہ: ۴۹، خصائص کبریٰ ۱/۱۲۴، الوفا: ۱۳۹﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے ساتھ حضرت حلیمہ سعدیہ کی ملاقات ہوئی، تعارف ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا، واہ وا، سعد اور حلم، ان ہی دو خوبیوں میں زمانے بھر کی اچھائی اور عزت موجود ہے، کیا تو اس در یتیم کو حاصل کرے گی جس کی برکت

معجزات میں اس کو حسن کہا ہے، ظاہر ہے اس کی اور بھی اسناد ہیں جو مل کر اس کو درجہ حسن پر فائز کر رہی ہیں، اللہ اکبر، آپ کی شان سماعت دیکھئے، عالم آغوش میں زمین پر ہو کر آسمان کے چاند کی باتیں سنتے ہیں اور اس کو جواب عطا کرتے ہیں، جب وہ سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس کی تسبیحات کو سماعت فرماتے ہیں، پھر آپ اپنے گنبد خضریٰ میں اپنے غلاموں کا درود و سلام کیوں نہ سنتے ہوں گے۔

سے ہوسکتا ہے تیرا دامن یمن وسعادت سے لبریز ہو جائے، حضرت حلیمہ نے اپنے خاوند سے مشورہ کیا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے، فرماتی ہیں: میں کاشانہ آمنہ میں حاضر ہوئی تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور اس کمرے میں لے گئیں جہاں آپ جلوہ فرما تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ایک دودھ سے سفید گرم کپڑے میں لپٹے پڑے ہیں اور کستوری کی خوشبو آرہی ہے، آپ کے نیچے سبز ریشمی کپڑا بچھا ہوا ہے اور پیٹھ کے بل سو رہے ہیں، چونکہ آپ بڑے حسین وجمیل دکھائی دے رہے تھے، اس لئے میں آپ کو جگانے میں متامل تھی، آہستہ آہستہ قریب گئی، اپنا ہاتھ آپ کے سینے پر رکھا تو آپ مسکرا دیئے اور آنکھیں کھول کر مجھے دیکھنے لگے، چنانچہ آپ کی آنکھوں سے ایک ایسا نور نکلا جو آسمانوں تک پھیل گیا، میں نے آپ کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور دایاں پستان آپ کے منہ میں ڈال دیا اور آپ نے دودھ پیا، پھر میں نے بایاں پستان منہ میں ڈالا مگر نہ پیا چنانچہ بعد میں بھی آپ کی یہی حالت رہی، ﴿گویا حضور اکرم ﷺ نے آغوش مادر ہی سے عدل وانصاف کا پرچم بلند کر دیا اور اپنے رضاعی بھائی کے حقوق کی نگہداشت فرمائی﴾ آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا اور اسی طرح آپ کے رضاعی بھائی نے بھی، پھر میں آپ کو اٹھا کر سواری کے پاس لائی، میرا میاں اٹھ کر اونٹنی کے پاس گیا، دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے لبالب بھرے ہیں، اس نے دودھ پیا اور بعدہ میں نے پیا اور ہم سیر ہو گئے، ہم نے وہ رات آرام سے بسر کی، میرا میاں کہنے لگا، اے حلیمہ! بخدا ہمیں بہت مبارک بچہ ملا ہے، کیا تو نے محسوس نہیں کیا کہ آج کی رات جب سے ہم نے اس بچے کو لیا ہے، کتنے آرام اور برکت سے گزری ہے، چنانچہ اسی طرح برکت میں اضافہ ہوتا گیا، ﴿انوار محمدیہ ص ۴۵، خصائص کبریٰ ۱/۱۲۴﴾

قبیلہ بنو سعد میں آمد:

قبیلہ بنو سعد بن ابی بکر' بنو ہوازن کی ایک شاخ تھا جو اپنی عربیت اور فصاحت و بلاغت میں لاجواب تھا، ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، حضور! آپ سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا، حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا: **وما یمنعنی وانا من قریش و ارضعت فی بنی سعد**، وہ اس لئے کہ میں قریش میں پیدا ہوا اور زمانہ رضاعت قبیلہ بنو سعد میں بسر کیا، اہل قریش میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو صحرائی دائیوں کے سپرد کر

دیتے تھے جوان کو پروان چڑھاتی تھیں، اس رواج کی بہت سی وجوہات تھیں:

⊙...... ان کی اولاد صحرائی زندگی میں نشو و نما حاصل کرے اور شہر کی آرام طلب عادات سے بچ جائے۔

⊙...... ان کی اولاد کو عربی کی فصاحت و بلاغت نصیب ہو جائے۔

⊙...... ان کی بیویاں ان کی خدمت و مدارات کے لئے فارغ رہیں۔

⊙...... عرب کی قبائلی زندگی میں جفاکشی کا عنصر غالب تھا، بچے وہاں پرورش حاصل کر کے خوب بہادر، شہ زور اور مشکل پسند ہو جاتے، اس طرح گھڑ سواری، تلوار زنی اور نیزہ بازی جیسے ہنر ان کی فطرت میں سما جاتے تھے، حضرت اقبال کہتے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سے رخصت لی، دراز گوش پر سوار ہوئی تو میں نے آپ کو اپنی گود میں رکھا ہوا تھا، میری سواری باقی عورتوں کی سواریوں سے آگے نکل گئی، وہ اس پر بہت حیران تھیں، ﴿انوار محمدیہ :۲۶﴾ حضرت امام علی القاری لکھتے ہیں، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں! میری سواری نے تین بار کعبہ کی طرف سجدے کئے، سر آسمان کی طرف اٹھایا اور چل پڑی، جب میری سواری سب سواریوں پر سبقت لے گئی تو عورتیں کہنے لگیں، اے ابو ذویب کی بیٹی! یہ تیری وہی سواری ہے جس پر تو سوار ہو کر ہمارے ساتھ آئی تھی، جو کبھی تجھے پست کرتی تھی اور کبھی بلند، میں کہتی ہاں خدا کی قسم! یہ وہی ہے، وہ اظہار تعجب کرتیں، اس کی تو بڑی شان ہو گئی ہے، آپ فرماتی ہیں: میری سواری بولتی [1] اور میں اس کی باتوں کو سمجھتی تھی، وہ کہہ رہی تھی، ہاں میری شان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا، میری کمزوری کے بعد موٹاپا عطا کیا، بنو سعد کی عورتو! تمہارا برا ہو، تم غفلت میں پڑی ہو، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری پشت پر کون سوار ہے، میری پشت پر وہ سوار ہے جو سارے نبیوں سے بہترین ہے، جو سارے رسولوں کا سردار ہے، جو اولین اور آخرین سے افضل ہے، جو رب العالمین کا

[1]: حضور اکرم ﷺ کی شان وجاہت کے اظہار کے لئے جانوروں کا کلام کرنا اور بھی بہت سی احادیث و آثار میں وارد ہے، لہذا یہاں دراز گوش کا بولنا کوئی مستبعد نہیں۔

حبیب ہے، ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے علم میں اس زمین سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کوئی زمین قحط زدہ نہیں تھی، ﴿آپ کی برکت سے خوشحالی آگئی﴾ ہم شام کو اپنی بکریاں واپس لاتے تو وہ سیر ہوتیں اور دودھ سے بھری ہوتیں' ان کو دوہا جاتا اور پیا جاتا حالانکہ اس زمانے میں کسی کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں ملتا تھا، یہاں تک کہ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں کو کہتے، جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں وہاں چرایا کرو، پھر بھی شام کو ان کی بکریاں بھوکی واپس آتیں اور ایک قطرہ دودھ نہ ہوتا، ﴿الموردا لروی: ۳۴۴﴾ اس برکت سے حلیمہ سعدیہ کے مویشی بڑھ گئے اور ان کی عزت وعظمت آپ کی وجہ سے زیادہ ہوگئی، وہ برابر خیر وبرکت محسوس کرتی رہیں۔

لقد بلغت بالهاشمي حليمة مقاماً علا في ذروه العز و المجد
وزادت مواشيها واخصب ربعها وقد عم هذا السعد كل بني سعد

مصطفیٰ کے دم سے کیا پایا حلیمہ نے مقام
ہو گئی صد عزت و تعظیم کے قابل مدام
جانور بڑھنے لگے ، شادابیاں بے حد ہوئیں
برکتوں سے ہوگیا سارا قبیلہ شاد کام

ہر روز ان انعامات واکرامات کا اضافہ ہوتا رہا' حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کے احوال باکمال کو دیکھ دیکھ کر نقش حیرت بنتی رہیں، فرماتی ہیں: ایک دن آپ کو اپنی آغوش شفقت میں لے کر بیٹھی کہ بکریوں کا ایک ریوڑ میرے پاس سے گزرا، ریوڑ کی ایک بکری سامنے آئی اور اس نے آپ کو سجدہ کیا، پھر سر انور کو بوسہ دیا اور دوڑ کر ریوڑ میں مل گئی' ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱: ۵۷﴾ فرماتی ہیں' حضور اکرم ﷺ نے کبھی کپڑوں میں بول و براز نہیں کیا' آپ کے بول و براز کا ایک وقت مقرر تھا، جب بھی ارادہ کرتی کہ آپ کے دہن مبارک کو دودھ وغیرہ سے پاک و صاف کروں تو غیب سے مجھ پر سبقت ہوجاتی اور آپ کا دہن مبارک پاک وصاف ہوجاتا، جب کبھی آپ کا ستر کھلتا تو آپ حرکت کرتے اور فریاد کرتے، یہاں تک کہ میں ستر ڈھانپ دیتی، اگر میری طرف سے تاخیر ہوجاتی تو غیب سے ڈھانپ دیا جاتا' ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۳۳﴾

تمام اہل سعد آپ کی محبت ومودت میں پروانے نظر آتے تھے، وہ ہر روز آپ کی

برکتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہوتے تھے، مریض آتے اور آپ کا دست شفا پھیرتے تو فوراً صحت یاب ہو جاتے، بیمار اونٹوں اور بکریوں کے جسم پر آپ کا ہاتھ پھرتا تو اعجاز مسیحائی سے توانا ہو جاتیں، حضرت ابن سبع سے روایت ہے کہ فرشتے آپ کے پنگھوڑے کو ہلاتے تھے، ﴿اسے ابن سعد نے الخصائص میں بھی ذکر کیا ہے﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب میں نے آپ کا دودھ چھڑایا تو آپ نے یہ کلام فرمایا، **اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃ واصیلاً**، ﴿انوار محمدیہ:۴۶﴾ دو سال کی عمر میں آپ کھانے پینے والے لڑکے ہو گئے، ﴿خصائص کبریٰ ۱/۱۲۵﴾ آپ بچوں کو کھیلتے دیکھتے تو ان سے علیحدہ ہو کر بیٹھ جاتے اور فرماتے ہمیں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا، حضور اکرم ﷺ کی رضاعی بہن شیما راوی ہیں کہ جن دنوں آپ ہمارے گھر قیام فرماتے تھے، ایک بادل کا ٹکڑا آپ پر سایہ فگن رہتا تھا، آپ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا، آپ چلتے تو وہ بھی چل پڑتا، آپ جوان ہو رہے تھے مگر باقی لڑکوں سے مختلف تھے، ﴿انوار محمدیہ:۴۷﴾ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں: آپ ایک دن میں اتنے بڑھ جاتے جتنے دوسرے بچے مہینہ میں بڑے ہوتے ہیں اور مہینہ میں اس سے بھی زیادہ بڑے ہو جاتے جتنے دوسرے بچے ایک سال میں، جب اس مقدس ہستی کی عمر مبارک دو سال کی ہوئی تو عام بچوں کے برعکس وہ اچھے خاصے مضبوط اور توانا ہو گئے، ﴿الوفا:۱۴۱﴾ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نہایت وارفتگی کے عالم میں آپ کو لوریاں دیا کرتی تھیں۔

یارب اذا اعطیۃ فابقہ و اعلہ الی العلا وارقہ

وادحض اباطیل العدی بحقہ وزدت بحقہ بحقہ بحقہ

ترجمہ: اے اللہ! جب تو نے یہ بچہ مجھے دیا ہے تو اس کو سلامت رکھنا اور اس کو بلند مرتبت کرنا اور ترقی عطا فرمانا، دشمنی کی باطل رسموں کو اس کے حق کے صدقے سے مٹا دینا، میں اس میں اضافہ کرتی ہوں، اس کے حق کے صدقے سے، اس کے حق کے صدقے سے، اس کے حق کے صدقے سے، ﴿المورد الروی:۳۴۵﴾

حضور اکرم ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیما بھی آپ کو لوریاں سنایا کرتی تھیں، یعنی اے خدا میرے برادر مکرم محمد مصطفیٰ کو ہمارے لئے سلامت رکھنا یہاں تک کہ میں اسے

خوب جوان دیکھوں، یہاں تک کہ میں اسے اپنی قوم کا تاجدار دیکھوں' جس کے سارے لوگ اطاعت گزار ہوں، اے خدا' اس کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل کرنا اور اس کو دائمی عزت وعظمت عطا فرمانا، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱: ۶۳﴾ حضرت حلیمہ ہر چھٹے مہینے لا کر ان کی والدہ اور دیگر اقربا کو دکھا جاتی تھیں ﴿رحمتہ للعالمین ص: ۳۶﴾ مدت رضاعت پوری ہوئی تو آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آ گئیں تا کہ آپ کو والدہ ماجدہ کے حوالے کیا جائے، آپ سے جدائی کا تصور ہی ان کے لئے سوہان روح تھا، چنانچہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگیں' بہتر یہی ہے کہ اپنے فرزند گرامی کو مزید کچھ عرصے کے لئے ہمارے پاس رہنے دیں، وہاں کی آب وہوا کا اس کی صحت پر بہت اچھا اثر پڑے گا، مکہ کی مسموم فضا اس کے لئے نقصان دہ ہوگی، یہ اصرار دیکھ کر حضرت آمنہ نے ایک بار پھر اپنا دلبند ان کو عطا فرما دیا۔

شقِ صدر کا واقعہ:

حضور پر نور ﷺ کے ایام بچپن میں شقِ صدر کا واقعہ بہت مشہور ہے، حضرت انس سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ بچوں کے ہمراہ تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام آپ کے پاس آئے، انہوں نے آپ کو زمین پر لٹایا اور سینہ اقدس کو چاک کر کے آپ کا قلب انور باہر نکال لیا، قلب انور میں ایک سیاہ لوتھڑا تھا، اس کو باہر نکال کر کہا یہ وہ حصہ ہے جہاں شیطان وار کرتا ہے، پھر قلب انور کو سونے کے ایک طشت میں رکھ کر آب زمزم کے ساتھ غسل دیا پھر اسے سیا اور آپ کے جسم مبارک میں رکھ دیا، لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی اماں جان ﴿حضرت حلیمہ﴾ کے پاس آئے اور کہا' بے شک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے، وہ ﴿اہل خانہ﴾ بھاگتے ہوئے آئے اور دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور آپ کا رنگ متغیر ہے ﴿صحیح مسلم ۱: ۱۹۹، سیرت نبویہ لابن کثیر ۱: ۲۳۱﴾

واقعہ شق صدر کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ایک روز حضور ﷺ ہمارے مکانوں کے عقب میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ دوپہر کے وقت اچانک آپ کا بھائی دوڑتا ہوا آیا، وہ بہت گھبرایا ہوا تھا، اس نے بتایا دو مرد جنھوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا، میرے قریشی بھائی کے پاس آئے، پکڑ کر اسے زمین پر لٹایا اور اس کے شکم کو چاک کر دیا، میں اور آپ کا باپ دوڑتے ہوئے آپ کی

طرف لپکے، ہم نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرہ مبارک کی رنگت زردی مائل ہے، آپ کے باپ نے آپ کو گلے لگا لیا اور پوچھا میرے بیٹے کیا ہوا، آپ نے بتایا' میرے قریب دو آدمی آئے جنھوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا، پھر میرے شکم کو چیر دیا، اس میں سے کوئی چیز نکالی اور اسے باہر پھینک دیا، پھر میرے پیٹ کو سی کر پہلے کی طرح کر دیا، ہم دونوں آپ کو اپنے ہمراہ لے کر واپس گھر آئے، آپ کے باپ نے مجھے کہا، اے حلیمہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو آسیب کا اثر ہو گیا ہے، ہمیں چاہئے کہ بچے کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دیں، اس سے پہلے کہ آسیب کے اثرات ظاہر ہوں، چنانچہ ہم آپ کو لے کر سیدہ آمنہ کے پاس پہنچ گئے، ہمیں دیکھ کر سیدہ آمنہ گھبرا گئیں، پوچھا خیر تو ہے، پہلے تو بڑے چاؤ سے لے گئی تھی، اب واپس لے کر آ گئی ہو، ہم نے کہا، بخدا کچھ بھی نہیں ہوا، ہم نے سوچا کہ جو ہمارا فرض تھا ہم نے بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر دیا، اب بہتر ہے کہ ہم اس نونہال کو اس کے اہل خانہ کے حوالے کر دیں اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں، سیدہ آمنہ نے فرمایا، مجھے سچ سچ بتاؤ کیا کوئی حادثہ رونما ہوا ہے کہ تم نے اپنا ارادہ بدل لیا، آپ نے اصرار کیا تو حلیمہ بتانے پر مجبور ہو گئیں اور شق صدر کا واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا، اے حلیمہ کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ میرے نور نظر کو شیطان کوئی اذیت پہنچائے گا، بخدا ہرگز نہیں، شیطان اس کے قریب بھی بھٹک نہیں سکتا، تم دیکھو گی کہ میرے اس بچے کی نرالی شان ہو گی اور میرا یہ بچہ آفتاب بن کر چمکے گا، حلیمہ کیا میں اپنے بیٹے کے بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں، حلیمہ نے عرض کیا ضرور بتایئے، فرمانے لگیں، جب مجھے حمل قرار پایا تو عام عورتوں کی طرح نہ مجھے اس کا کوئی بوجھ محسوس ہوا اور نہ کوئی اور تکلیف محسوس ہوئی، ان دنوں میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے اندر سے نور خارج ہوا جس کی روشنی میں مجھے شام کے محلات نظر آئے، ولادت کے وقت انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا، اب اسے میرے پاس ہی رہنے دو، میں خود اس کی خبر گیری کروں گی، ﴿ضیاء النبی ۲:۱۷﴾ شق صدر کے موقع پر آپ کی عمر مبارک چار سال تھی، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایام شیر خوارگی کے کچھ بعد یا کچھ قبل یہ واقعہ پیش آیا، بعض مستشرقین اور مسلمان مصنفین کے نزدیک اس واقعہ کی صحت مشتبہ ہے، ان کی نظر میں اس کی روایت میں

ضعف پایا جاتا ہے لیکن علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے اوران احادیث میں شامل ہے جو سیرت نگاروں اور مغازی کے مصنفوں کے نزدیک بہت مشہوراور متداول ہیں، ﴿سیرت نبویہ ا: ۲۲۸﴾ محدث ابن جوزی نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ آپ کے اندرون بدن کو برف کے پانی سے دھویا گیا جوایک سنہری برتن میں تھا، پھر آپ کا امت کے ہزار آدمی کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو آپ ان سب پر بھاری ہو گئے، اس پر ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا چھوڑو اس امر کو، اگر ساری امت کے سارے افراد ایک پلڑے میں رکھو، پھر بھی یہ ان پر بھاری ہو جائیں گے، حضرت حلیمہ آپ کو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے آئیں اوران کا حال سنا کر عرض کیا کہ ہم ان کو کسی طرح بھی واپس نہیں کرنا چاہتے، چنانچہ پھر آپ واپس اپنے قبیلے لے گئیں اور تقریباً ایک سال تک آپ وہاں رہے، وہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں، ایک دن دیکھتی ہیں کہ ایک بادل آپ کے سر پر سایہ فگن ہے، ﴿الوفا ا: ۱۴۳﴾ ایک روایت میں ہے، فرماتی ہیں: شق صدر کے واقعے کے بعد لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم آپ کو ایک کاہن کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ دیکھ بھال کر کے اس مرض کا علاج وغیرہ کرے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، جس خیال کے پیش نظر تم لوگ یہ مشورہ دے رہے ہو وہ حالت میرے اس واقعہ میں نہیں، میں ہر لحاظ سے ٹھیک ہوں، کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ان کو ضرور کوئی اذیت پہنچی ہے یا کسی جن کا اثر ہے، حضرت حلیمہ فرماتی ہیں غرضیکہ لوگوں کی رائے میرے کہنے پر غالب رہی اور میں حضور ﷺ کو کاہن کے پاس لے کر پہنچی اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا، اس نے کہا، خاتون آپ خاموش رہیں، میں بچے سے سننا چاہتا ہوں، اس لئے کہ یہ اپنے معاملہ سے زیادہ واقف ہے، پھر اس نے کہا اے بچے تم اپنی روداد بیان کرو، اس کے بعد حضور ﷺ نے اول سے آخر تک پوری بات بیان کردی، جس کو سن کر کاہن اچھل پڑا اور بلند آواز سے کہنے لگا، اے اہل عرب! تم اس بچے کو قتل کردو اور اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کردو کیونکہ اگر تم نے اسے زندہ چھوڑا تو یہ تم لوگوں کے فہم و فراست کو رسوا کر دے گا اور تمہارے ادیان کی تکذیب کرے گا اور تم کو ایسے خدا کی طرف بلائے گا جس کو تم نہیں جانتے اور ایسے دین کی دعوت دے گا جس کا تمہیں علم نہیں، جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو میں نے حضور ﷺ کا ہاتھ کاہن کی گرفت سے چھڑا لیا اور کسی قدر پرزور الفاظ

میں کہا، تو خاصا پاگل ہے، اگر میں جانتی کہ تو ایسی بکواس کرے گا تو میں ہرگز اپنے بچے کو تیرے پاس نہ لاتی، تو کسی اور کو اپنے قتل کے لئے بلا لے، میں ہرگز محمد ﷺ کو قتل نہ ہونے دوں گی، پھر میں حضور ﷺ کو اپنے گھر پر لے آئی، اس کے بعد میں آپ کو قبیلہ سعد کے گھروں میں لے جاتی اور آپ کے جسم سے مجھے مشک کی طرح خوشبو آتی، نیز روزانہ دو شخص گورے رنگ کے آپ کے پاس آسمان سے اترتے اور آپ کے کپڑوں میں غائب ہو جاتے، ظاہر نہ ہوتے،[1] کچھ لوگ ﴿ان احوال سے﴾ واقف ہوئے تو انہوں نے مشورہ دیا، اے حلیمہ، محمد ﷺ کو ان کے دادا کے پاس پہنچا دو اور تم اپنی امانت سے سبکدوش ہو جاؤ، میں نے اس مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کیا تو ایک منادی کو پکارتے سنا، اے سر زمین مکہ! آج تمہیں مبارک ہو، آج تم پر نور، دین، عزت، حرمت اور کمال بخشا جا رہا ہے جو تمہیں پہلے حاصل تھا مگر اب دوامی حیثیت سے حاصل رہے گا، آپ فرماتی ہیں، میں نے یہ سارا ماجرا حضرت عبدالمطلب سے بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا، اے حلیمہ! بلاشبہ میرا یہ فرزند بڑی شان والا ہے، میری آرزو ہے کہ میں اس کے زمانے کو پاؤں جس میں اس کی شان و شوکت کا ظہور ہوگا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۱۷۲﴾ ایک اور روایت حضرت شداد بن اوس سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں بنو سعد بن ابی بکر میں رضاعت کے لئے ٹھہرا ہوا تھا، ایک دن میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک وادی میں بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک تین آدمیوں کو دیکھا، جن کے پاس طشت تھا، اس میں برف رکھی تھی، انہوں نے مجھے پکڑا تو باقی لڑکے ڈر کر قبیلے کی طرف بھاگ گئے، پھر انہوں نے مجھے آہستہ سے لٹایا اور سینے کے اوپر سے ناف تک میرا پیٹ چاک کر دیا، میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر درد کا کوئی احساس نہ تھا، انہوں نے میری انتڑیاں نکالیں اور برف سے دھو کر پھر وہیں رکھ دیں، پھر دوسرا آدمی اٹھا، اس نے اپنے ساتھی کو مجھ سے پرے ہٹایا اور میرے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر میرا دل باہر نکالا، اسے جھنجوڑا تو اس سے سیاہ رنگ کے گوشت کا ٹکڑا نکلا، جسے اس نے پھینک دیا،

---

[1] حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ روزانہ ایک نور آفتاب کی مانند آپ پر اترتا اور آپ کو ڈھانپ لیتا، پھر آپ متجلی ہو جاتے، روایات کثیرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ روزانہ دو مرغ سفید آپ کے گریبان میں داخل ہو کر روپوش ہو جاتے تھے لیکن آپ کی طمانیت میں کوئی فرق نہ آتا تھا، نہ آپ گھبراتے تھے، نہ روتے اور نہ شور کرتے تھے۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے، دیکھا کہ اس کے پاس ایک نورانی انگوٹھی تھی جسے دیکھ کر آنکھیں چندھیا گئیں، پھر اس نے میرے دل پر مہر لگائی تو وہ نبوت و حکمت سے جگمگا اٹھا، بعدہ دل کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، چنانچہ میں اس مہر کی ٹھنڈک کافی زمانے تک اپنے دل میں محسوس کرتا رہا، پھر تیسرے آدمی نے اپنے ساتھی کو پیچھے ہٹا کر چاک پر ہاتھ پھیرا تو وہ جڑ گیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے مجھے اٹھا دیا، پھر اس نے اپنے پہلے ساتھی سے کہا کہ آپ کو اپنی امت کے دس آدمیوں کے مقابل رکھ کر تولا جائے، جب تولا گیا تو میں ان سے بھاری نکلا، پھر کہنے لگا، اچھا سو آدمیوں کے مقابلے میں آپ کا وزن کرو، میں پھر بھی بھاری نکلا، حتیٰ کہ ہزار آدمیوں کے مقابلے میں تولا گیا تو پھر بھی میرا وزن زیادہ نکلا، اس پر وہ کہنے لگا، اچھا رہنے دو، اگر ساری امت کو آپ کے مقابلے میں تولو گے تو جب بھی آپ کا پلڑا بھاری رہے گا، پھر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگایا، میرے سر آنکھوں کو چوما اور کہنے لگے، اے رفیق عزیز! آپ گھبرائیں نہیں، اگر آپ کو خود بخود اس عمل کی غایت کا علم ہوتا تو آپ کو حد درجہ مسرت ہوتی، ﴿انوار محمدیہ: ۴۸﴾ شق صدر سے حضور پیغمبر نور، رحمت رب غفور، شافع یوم نشور ﷺ کے یہ کمالات نکھر کر سامنے آتے ہیں:

⊙...... آپ کی حیات مبارکہ دل کی محتاج نہیں کیونکہ آپ کے جسم اقدس سے دل کو نکالا گیا تو پھر بھی آپ زندہ رہے۔

⊙...... آپ کا قلب مبارک چاک کیا گیا تو آپ کو کوئی درد محسوس نہ ہوا، معلوم ہوا کہ آپ کی بشریت بھی بے مثال ہے۔

⊙...... آپ کا قلب منور سونے کے طشت میں رکھا گیا، اس میں یہ حکمت ہے کہ جس طرح سونا تمام دھاتوں سے افضل ہے اس طرح آپ کا قلب انور تمام قلوب سے افضل ہے اور سونے کو مٹی نقصان نہیں پہنچا سکتی تو آپ کے جسم اقدس کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور سونا زنگ سے پاک رہتا ہے تو آپ بھی ہر قسم کے زنگ معصیت سے پاک ہیں۔

⊙...... آپ کے وجود بشری سے جمے ہوئے خون کا وہ ٹکڑا ہی نکال دیا گیا جس پر شیطان کے اثرات کا امکان ہوتا ہے، گویا شیطان کو آپ کی طرف سے مایوس اور نا امید کر دیا گیا، امام نبہانی فرماتے ہیں کہ یہ ٹکڑا نکالنے کی یہ حکمت تھی کہ آپ کو جوانی کی آلائشوں سے پاک رکھا جائے اور

آپ ﷺ بچپن ہی میں تجربہ کار آدمیوں کے اوصاف سے متصف ہو جائیں، ﴿انوار محمدیہ:۴۹﴾

⊙...... آپ کے ظاہر و باطن کو آب زمزم کے ساتھ غسل دیا گیا تا کہ جس طرح یہ پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کی برکات سے مالا مال تھا آج وجود مصطفےٰ کی برکات سے بھی لبریز ہو جائے اور سراسر آب شفا بن کر دکھی انسانیت کا مداوا بن جائے۔

⊙...... آپ کا ساری امت کے ساتھ بھی وزن کیا جائے تو آپ ہی وزنی ہوں گے، اس روایت میں وزن سے مراد وزن اعتباری اور پلڑا بھاری ہونے سے حضور اکرم ﷺ کا احترام اور فضیلت مراد ہے' ﴿انوار محمدیہ:۴۹﴾

⊙...... آپ نے ایام طفولیت میں اپنی رضاعی والدہ کے گھر کا کام کاج سنبھال رکھا تھا گویا آپ محنت و مشقت کو پسند کرتے تھے، بعد میں اعلان نبوت کیا تو فرمایا، محنت و مشقت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔

⊙...... آخر میں حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت مآب گفتگو نقل کی جاتی ہے!

''آپ کے سینہ کو شق کرنا، دل کو نکالنا اور اس کو زمزم سے دھو کر پھر سینہ میں رکھ کر اس کو سی دینا اتنے خوارق عادیہ پر مشتمل ہے جس سے ان واقعات کو سننے والا دہشت زدہ ہو جاتا ہے تو جس پر یہ واقعات گزر رہے تھے اور جوان کا مشاہدہ کر رہا تھا، اس کا کیا عالم ہوگا، کیونکہ عام عادت یہ ہے کہ جس کا پیٹ چاک کر کے اس کا دل نکال لیا جائے وہ لامحالہ مر جاتا ہے اور اس کے باوجود اس عمل سے آپ کو کوئی ضرر ہوا نہ آپ کو کسی قسم کا درد ہوا، علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ شق صدر کے بغیر آپ کے دل میں ایمان اور حکمت کو بھر دیا جاتا لیکن اس کے باوجود آپ کا شق صدر کیا گیا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ آپ کی قوت کا کیا عالم ہے، کیونکہ آپ اپنے پیٹ کے شق ہونے کا مشاہدہ کر رہے تھے، اس کے باوجود آپ نے کسی قسم کے کرب اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ بہادر ہیں اور آپ کا حال اور مقام تمام لوگوں سے بلند ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، **مازاغ البصر وماطغی**' آپ کی نظر اللہ کے جلوے سے نہیں ہٹی اور بصر نے بصیرت سے تجاوز نہیں کیا،

اس میں علما کا اختلاف ہے کہ شق صدر اور قلب مبارک کا دھونا آپ کے ساتھ مختص ہے یا یہ عمل دوسرے انبیا کے لئے بھی واقع ہوا، امام طبرانی نے بنی اسرائیل کے تابوت کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ اس تابوت میں وہ طشت تھا جس میں انبیا علیہم السلام کے قلوب کو دھویا جاتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ وصف دوسرے انبیا علیہم السلام میں مشترک ہے" ﴿شرح مسلم ۱:۴۴۷، بحوالہ فتح الباری ۷:۲۰۶﴾

رضاعی والدہ کا احترام:

حضور پیغمبر نور ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ سعادت میں تقریباً چار سال تک قیام پذیر رہے، ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ پورے پانچ سال بنی سعد کی کفالت میں صحرا کی آزاد فضا اور صحت بخش آب و ہوا میں آزادی اور مستقل مزاجی کے ساتھ رہتے رہے۔ ﴿سیرت الرسول: ۱۴۳﴾

آپ نے ان چار یا پانچ سالوں کا ساری زندگی بہترین صلہ عطا فرمایا، حضرت محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہمیں روایت پہنچی ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں مکہ مکرمہ اس وقت حاضر ہوئیں جب کہ آپ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی فرما چکے تھے اور اپنے علاقے میں رونما ہونے والے قحط اور مال مویشی کی ہلاکت کا شکوہ کیا، حضور سید الانس والجان ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ان کے متعلق بات کی تو انہوں نے چالیس بکریاں اور ایک اونٹ جو عورتوں کی سواری کے لائق تھا، عطا کیا اور آپ خوب عزت و اکرام کے ساتھ واپس گھر لوٹیں، جب حضور خاتم الانبیا ﷺ نے دعویٰ نبوت فرمایا اور لوگوں کو دعوت اسلام دی تو حضرت حلیمہ بھی حاضر خدمت اقدس ہوئیں اور ان کے خاوند بھی، یہ دونوں مشرف باسلام ہوئے، آپ کے دست اقدس پر بیعت کی اور اپنے گھر واپس ہوئے، حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ وہ عظیم عورت جس نے سرکار دو عالم ﷺ کو دودھ پلایا تھا، حاضر ہوئی، اندر آنے کا اذن طلب کیا، جب اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئی تو آپ پکار اٹھے: میری ماں، میری ماں، فوراً آپ نے چادر بچھائی اور ان کو اوپر بٹھایا، یہ بھی مروی ہے کہ وہ حضور سید الانبیا ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو وہ بھی نہایت احترام و اکرام سے پیش آئے، پھر حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے بھی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، ﴿الوفا باحوال المصطفیٰ: ۱۴۶﴾

سیدہ آمنہ کے پاس قیام:

حضرت مخدومہ کائنات سیدہ آمنہ علیہا السلام کا اپنے لخت جگر کے ہجر و فراق میں کیا عالم ہوگا، یہ تو کوئی ان کے دل ناصبور سے پوچھتا، آخر خدا خدا کر کے وہ لمحات آ ہی گئے کہ آپ نے اپنی بے تاب نگاہوں کو آفتاب بطحا کے دیدار سے تابناک کرلیا، حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنی دراز گوش پر سوار ہوئی اور اپنے لخت جگر محمد مصطفیٰ کو آگے بٹھایا اور سفر کرتی ہوئی مکہ مکرمہ کے بڑے دروازے پر پہنچ گئی، وہاں لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی، میں نے آپ کو وہاں اتارا تاکہ کپڑے وغیرہ درست کروں اور دیگر حاجات سے فراغت حاصل کرلوں، اچانک میں نے ایک خوفناک لرزا دینے والی آواز سنی، میں ادھر متوجہ ہوئی تو اپنے لخت جگر کو موجود نہ پایا، میں نے لوگوں سے پوچھا، میرا بچہ کہاں گیا، وہ پوچھنے لگے، کونسا بچہ، میں نے کہا، وہی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے سرسبز و شاداب فرمایا اور میری تنگدستی کافور فرمائی، اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں پہاڑ کی بلند چوٹی سے گر کر خودکشی کرلوں گی، لوگوں نے کہا، ہم نے کسی کو نہیں دیکھا، گویا انہوں نے مجھے ناامید کردیا، میں نے اپنے ہاتھ سر پر رکھے اور بلند آواز سے پکارا، وامحمداہ، وامحمداہ، میری ان دردناک صداؤں سے نوجوان لڑکیاں رونے لگیں، مکہ کے لوگ بھی تڑپ اٹھے اور آہ و فریاد کرنے لگے، پھر میں نے حضرت عبدالمطلب کے پاس جاکر ماجرا سنایا تو وہ تلوار لے کر نکل آئے، انہوں نے بلند آواز سے کہا، آل غالب، ان کی آواز سن کر تمام قریش مکہ جمع ہوگئے، انہوں نے فرمایا، میرا فرزند گرامی گم ہوگیا ہے، سب نے کہا آپ جنگ و قتال کیلئے سوار ہوجائیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور قریش مکہ کے ساتھ مل کر تمام نشیب و فراز چھان مارے مگر آپ کا کوئی سراغ نہ ملا، پھر وہ لوگوں سے الگ ہوکر بیت اللہ شریف کی جانب متوجہ ہوئے اور طواف کر کے التجا کی ؎

یا رب ردرا کبی محمداً

رده لی واتخذ عندی یداً

یعنی اے میرے پروردگار! میرے سوار محمد مصطفیٰ کو واپس بھیج دے اور مجھ پر خصوصی احسان فرما، جب انہوں نے التجا کی تو فضا میں یہ آواز گونجی، آہ وزاری کی ضرورت نہیں، محمد مصطفیٰ کا پروردگار انہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا، انہوں نے پھر التجا کی، اے آواز دینے والے، ہمیں بتا تو سہی وہ جان آرزو کہاں ہے، جواب آیا کہ وہ وادی تہامہ میں شجر یمن کے پاس موجود ہے، حضرت عبدالمطلب دوڑ کر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ درخت کی شاخوں کو کھینچ رہے تھے اور پتوں سے کھیل رہے تھے، پھر وہ آپ کو سواری پر واپس لائے اور حضرت حلیمہ کو انعام واکرام کے ساتھ رخصت فرمایا، ﴿الوفا باحوال المصطفیٰ: ۱۴۸﴾

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اس واقعہ کے بعد آپ اپنی والدہ محترمہ حضور سیدہ آمنہ اور اپنے دادا جان حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس قیام فرما ہوئے، گلشن خلیل کے اس گل رعنا کی خوشبوؤں سے سارا خاندان معطر تھا اور ہر کوئی اس پیکر زیبا کی اداؤں پر جان وارتا تھا، ان ہی ایام کی بات ہے کہ ایک کاہن مکہ مبارکہ میں حاضر ہوا، آپ کی عمر پانچ سال کے قریب تھی، کاہن نے آپ کو دیکھ کر کہا، اے گروہ قریش! اس بچے کو شہید کر دو، یہ تمہارے درمیان تفریق پیدا کر دے گا اور تمہیں ہلاک کر ڈالے گا، حضرت عبدالمطلب نے کاہن کی آواز سن کر آپ کو لیا اور اس جگہ سے نکل کھڑے ہوئے، پھر قریش مکہ اس کاہن کی باتیں سننے کے بعد ہمیشہ رسول خدا ﷺ سے خوفزدہ رہتے تھے، ﴿الوفا باحوال المصطفیٰ: ۱۴۹﴾ ادھر رسول خدا ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان میں تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں خوب پروان چڑھا رہا تھا، ﴿عیون الاثر ا: ۳۷﴾

سفرِ یثرب کے حالات:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ چھ برس کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئیں ﴿جو ان دنوں یثرب تھا﴾ تاکہ آپ کے ننھیال ﴿بنو نجار﴾ میں اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کر سکیں، حضرت ام ایمن بھی ان کے ساتھ تھیں، ﴿انوار محمدیہ: ۴۹﴾

سفرِ یثرب کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس کی زیارت کی جائے جو تجارتی سفر کے دوران وہاں وصال فرما گئے تھے، تین افراد پر مشتمل یہ مختصر سا قافلہ وہاں ایک مہینہ تشریف فرما رہا، حضور اکرم ﷺ اس ایک مہینے کے قیام کو ہجرت کے بعد بھی یاد کیا کرتے تھے، آپ ایک مکان کو دیکھتے تو فرماتے: ھٰھنا نزلت بی امی واحسنت العوم فی بئر بنی عدی النجار، یعنی میں اس مکان میں اپنی والدہ کے ہمراہ مقیم ہوا، مزید فرماتے یہاں میں اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ہمراہ تھا، وہ ایک پرندے کو یہاں سے اڑاتے تھے جو ٹیلے پر آبیٹھتا تھا، ﴿الوفا﴾ اور میں بنو نجار کے تالاب میں تیرا کرتا تھا، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱:۶۵﴾ اس مختصر قیام کے دوران ایک دن یہ حیرت ناک واقعہ پیش آیا کہ ایک یہودی نے آپ سے سوال کیا، اے بچے! تیرا نام کیا ہے، آپ نے فرمایا: میرا نام احمد ہے، پھر اس نے آپ کی پشت انور کو دیکھا تو کہنے لگا، ھذا نبی ھذہ الامہ، یہ اس امت کا نبی ہے، بعد ازاں اس یہودی نے اپنے علما سے بات کی، ادھر حضرت آمنہ کو معلوم ہوا تو ان کے دل میں بھی طرح طرح کے خدشات جنم لینے لگے، حضرت ام ایمن سے روایت ہے، میں نے دیکھا کہ یہودی یکے بعد دیگرے آپ کو دیکھنے کے لئے آتے اور یہ اعتراف کرتے کہ آپ ہی اس امت کے نبی ہیں اور یہ شہر یثرب آپ ہی کا دارالہجرت ہے، ان خدشوں اور اندیشوں کی وجہ سے حضرت آمنہ نے وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور آپ کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑیں، جب مقام ابواء پر پہنچیں تو آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی، سفر کی ان پر آشوب گھڑیوں میں حضور اکرم ﷺ کو اپنے نازک شانوں پر والدہ کی دردناک علالت کا بوجھ بھی اٹھانا پڑ گیا، پھر یہ علالت طویل ہوتی گئی، یہاں تک کہ مہربان والدہ کا آخری وقت قریب آ گیا، حضرت امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے، اسما بنت رھم فرماتی ہیں کہ میری والدہ حضرت آمنہ کے وصال پر ملال کے وقت ان کے نزدیک تھیں، انہوں نے اپنے سرہانے اپنے فرزند باکمال کو دیکھا تو یہ اشعار پڑھنے لگیں

بارک فیک اللہ من غلام — یا ابن الذی من حومۃ الحمام

نجا بعون الملک العلام — فودی غداۃ الغرب بالسھام

بمائة من ابل سوام — ان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام — تبعث فی الحل والحرام
تبعث فی التحقیق والاسلام — دین ابیک البر ابراھام
فاللہ انھاک عن الاصنام — والا توالیھا مع الاقوام

اے بیٹا! اللہ تعالیٰ تجھے برکتیں دے، تو اس عظیم باپ کا بیٹا ہے جو اپنی قوم کا سردار تھا، جس نے خدائے بزرگ و برتر کی امداد سے نجات پائی، جس کی زندگی بچانے کے لئے صبح کے وقت تیروں کا قرعہ ڈالا گیا، جس کی خاطر ایک سو اونٹ قربان کئے گئے، اے میرے نورِ نظر! میں نے خواب میں جس چیز کو دیکھا تھا، وہ درست ہے تو پھر تو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمام لوگوں کی طرف نبی بن کر مبعوث ہوا ہے، تو اسی دین کے مطابق حلال اور حرام کا حکم دے گا جو تیرے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا، اللہ تعالیٰ تجھے بتوں سے بچائے گا اور ان کے ساتھ تیری دوستی نہ ہوگی جو بتوں کو دوست رکھتے ہیں، ﴿زرقانی ۱:۱۶۵﴾

پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! **کل حی میت و کل جدید بال، و کل کبیر یفنیٰ وانا میتة و ذکری باق وولدت طھراً**، ہر زندہ چیز کو موت آتی ہے اور ہر نیا پرانا ہو جانے والا ہے، ہر بڑی چیز فانی ہے، میں تو دنیا سے جا رہی ہوں مگر میرا ذکر ہمیشہ بلند رہے گا، میں نے ایک پاکیزہ بچے کو جنم دیا ہے، حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سیدہ آمنہ کی یہ باتیں ان کے مومنہ موحدہ ہونے پر واضح ثبوت ہیں، انہوں نے دین ابراہیم کا حوالہ دیا، حضور اقدس ﷺ کی بعثت کا ذکر چھیڑا، بتوں سے نفرت کرنے کا سبق دیا، اہل کفر کی دوستی سے منع کیا تو اتنی باتیں ہی ان کی بیزاری کفر اور محبت توحید کے لئے کافی ہیں، پھر زمانہ فطرت میں تو ایسی باتیں بدرجہا اولیٰ قائل کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں“ ﴿ایضاً﴾

حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کثیر التعداد علما کا فیصلہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے تمام اصول یعنی آباء و امہات اپنے عقیدے میں توحید کا دم بھرتے تھے، قیامت اور حساب کو مانتے تھے اور ملت حنیف کے پابند تھے، ﴿بلوغ الارب ۲:۲۸۲﴾ حضرت امام سہیلی

علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ہمیں زیبا نہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے والدین پر کفر کا فتویٰ لگائیں کیونکہ آپ نے فرمایا: مردوں کی وجہ سے زندوں کو تکلیف نہ دو' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، دنیا و آخرت میں ان پر لعنت ہے، حضرت امام ابو بکر قاضی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جو حضور اکرم ﷺ کے والدین کو دوزخی کہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا، وہ ملعون ہے، حضور اکرم ﷺ کے والدین کے بارے میں ایسا کہنے سے آپ کو جتنی اذیت ہوگی کسی اور بات سے نہیں ہوگی، ﴿الحاوی للفتاویٰ ۲: ۲۳۱﴾ حضرت امام یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضرت آمنہ حضور اکرم ﷺ پر بعد از وفات ایمان لائیں، ﴿یعنی موحدہ تو پہلے بھی تھیں، بعد میں آپ کی رسالت کا اقرار بھی کر لیا﴾ طبرانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ مقام حجون پر اترے اور ملول و پریشان تھے، وہاں کچھ دیر ٹھہرے، واپس آئے تو خوش وخرم تھے، میں نے دریافت کیا تو فرمایا! میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، اس نے میری ماں کو زندہ کر دیا، چنانچہ وہ مجھ پر ایمان لائیں اور واپس چلی گئیں، اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ماں باپ ہر دو کو زندہ کیا گیا، چنانچہ انہوں نے ایمان قبول کیا، سہیلی اور خطیب نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، قرطبی نے تذکرے میں ذکر کیا ہے کہ آپ کے فضائل اور کرامات پیدائش سے لے کر حضور اکرم ﷺ کی وفات تک متواتر ظہور پذیر ہوتی رہیں، اس کا تعلق انہی فضائل اور کرامات سے ہے، آپ کے والدین کا از سر نو زندہ ہونا اور ایمان لانا عقلاً اور شرعاً محال نہیں ہے، قرآن میں بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا زندہ ہونا اور اپنے قاتل کا نام بتانا نیز حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں احیائے موتیٰ کا ذکر ملتا ہے، اسی طرح خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھ پر ایک جماعت کو زندہ کیا، جب یہ سب باتیں درست ہیں تو آپ کے والدین کے احیا اور قبول اسلام میں کون سی چیز مانع ہے، امام فخر الدین رازی کا قول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے آباد اجداد سب مسلمان تھے، ﴿انوار محمدیہ: ۵۰﴾ ان کے علاوہ حضرت امام ابن شاہین، حضرت امام محب طبری، حضرت امام ناصر الدین ابن المنیر اور دیگر حفاظ محدثین کا ایک بڑا گروہ اس عقیدے پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے،

عصر حاضر کے عظیم محقق حضرت علامہ ابوزہرہ فرماتے ہیں:

''جب میں تصور کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ آگ میں ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص میرے کان اور میرے فہم پر ہتھوڑے مار رہا ہے، کیونکہ عبداللہ وہ نوجوان تھے جن کا شعار صبر تھا، وہ حسن و شباب کے باوجود لہو و لعب سے ہمیشہ کنارہ کش رہے، پھر ایسے پاکباز اور صدق شعار نوجوان کو آخر کیوں دوزخ میں پھینکا جائے گا حالانکہ اسے کسی نبی نے دعوت بھی نہیں دی، رہی حضور کی والدہ تو وہ خاتون جس نے صبر کو اپنا شعار بنایا، کیا کوئی آدمی تصور کر سکتا ہے کہ ایسی حور شمائل خاتون کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اسے ہدایت دینے کے لیے نہیں آیا، کوئی دلیل ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ وہ آگ میں جلائے جانے کی مستحق ہے، بلکہ دلائل تو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کی اور ان کے شوہر نامدار کی جوذبیح اور طاہر کے لقب سے ملقب تھے، ان پر جی بھر کر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جائیں، ﴿خاتم النبیین ۱:۱۴۴، ضیاء النبی ۲:۹۰﴾

اللہ اکبر! سراپا امن اور سراسر ایمان حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر کو الوداعی نگاہوں سے دیکھا اور مکہ مکرمہ سے دور ایک اجنبی مقام پر داعی اجل کو لبیک کہہ دیا، حضور اکرم، محبوب دو عالم ﷺ کے قلب معصوم پر کیا قیامت گزری ہوگی، سرگیں آنکھوں میں غم واندوہ کے کتنے آنسو جھلملائے ہوں گے، ابھی عمر مستعار کے چھ سال گزرے تھے کہ اس در یتیم کو مادر مہربان کی آغوش محبت سے بھی جدا ہونا پڑ گیا، یہ الگ بات ہے کہ رحمت ربانی کا سایہ آپ کے سر اقدس پر ہمہ وقت دراز تھا اور آپ فقط اسی کے سہارے عالم بشریت کے وحشت ناک مرحلوں کو طے کرنے کے لئے زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہو گئے، واپسی کے اس غمناک سفر میں حضرت ام ایمن آپ کے ہمراہ تھیں، حضرت آمنہ کا مزار اقدس مقام ابواء میں موجود ہے لیکن محدث ابن جوزی لکھتے ہیں حسن بن جابر سے روایت ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے، مامون الرشید کو یہ اطلاع دی گئی کہ سیلاب اور بارش کا پانی رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک میں داخل ہو جاتا ہے تو مامون نے اس جگہ کو پختہ کرنے کا حکم جاری کیا،

ابن البر فرماتے ہیں کہ مجھے اس قبر کی ہیت اور وضع قطع بتائی جبکہ میں مکہ مکرمہ میں تھا، ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کا وصال مقام ابواء میں ہوا ہو اور پھر آپ کو مکہ مکرمہ لایا گیا ہو اور یہاں دفن کیا گیا ہو، ﴿الوفا: ۱۵۳﴾ امام ابن سعد کے نزدیک مستند یہی ہے کہ مزار اقدس مقام ابواء میں ہے، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

مزار والدہ پر حاضری:

بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی والدہ مقدسہ کے مزار پر انوار پر حاضری دی، چنانچہ جب عمرہ حدیبیہ کے موقع پر مقام ابواء سے گزرے تو فرمایا، مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی والدہ ماجدہ کے مزار مبارک کی زیارت کا اذن دیا ہے، پھر آپ وہاں پہنچے اور مزار اقدس کو مٹی وغیرہ ڈال کر درست فرمایا اور آنکھوں سے آنسو بہائے، صحابہ کرام نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی زار و قطار رونے لگے اور عرض کی، حضور آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے، آپ نے فرمایا: ان کا بار بار مجھے پیار کرنا اور دوران سفر مجھے چھوڑ کر راہی ملک بقا ہو جانا یاد آیا تو مجھ پر رقت و رحمت طاری ہوگئی اور میں گریہ زن ہو گیا، ﴿الوفا با حوال المصطفےٰ: ۱۵۰﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کی قبر مبارک کی زیارت فرمائی تو خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا، پھر فرمایا کہ میں نے رب کریم سے والدہ ماجدہ کی مغفرت کی دعا کے لئے اذن طلب کیا تو اذن نہ ملا، زیارت کی اجازت طلب کی تو اجازت مل گئی، لہذا تم بھی قبور کی زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے موت یاد آتی ہے، یہ روایت مسلم شریف میں موجود ہے جس سے ایک اشکال جنم لیتا ہے کہ شاید حضرت آمنہ مسلمان نہیں تھیں، اس لئے آپ کو ان کی مغفرت کی دعا سے روک دیا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب انبیا کے حق میں مغفرت کی دعا کی جائے تو اس سے ان کے گناہوں میں ملوث ہونے کا وہم نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور جب غیر معصوم کے لئے استغفار کی دعا کی جائے تو اس سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید وہ گناہوں میں ملوث رہا ہو، اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کے حق میں حضور کو استغفار سے روک دیا تاکہ آپ کی والدہ کے بارے میں کسی شخص کو یہ وہم نہ ہو کہ وہ گناہوں میں ملوث رہی تھیں، ان احادیث میں آپ کی عظیم فضیلت ہے کہ وہ مومنہ بھی تھیں اور نیک اور پرہیزگار اور گناہوں

سے پاک دامن بھی تھیں، ﴿حاشیہ الوفا: ۱۵۳﴾ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ والدین کو زندہ کرنے اور اپنی رسالت ونبوت کا گواہ بنانے سے پہلے معرض وجود میں آیا ہو واقعہ احیاء [1] سے تو ہر قسم کا وہم واشکال کافور ہو جانا چاہیے۔

جد کریم کی کفالت میں:

حضرت سیدہ آمنہ سے کے حسرت انگیز وصال کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا، آپ کے جد کریم آپ پر بہت ہی زیادہ مہربان تھے، جہاں تک کہ جب حضور پیغمبر نور ﷺ ان کی مسند سیادت پر بیٹھ جاتے تو لوگ اٹھانا چاہتے مگر وہ لوگوں کو سختی سے روک دیتے اور کہتے، اسے مت روکو، میرے اس بیٹے کو ملک وسلطنت عطا کی جائے گی، مزید یہ کہ وہ آپ کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے، ان کے ساتھ حضرت ام ایمن بھی آپ کی خدمت اقدس میں کمر بستہ رہا کرتی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی حضور کو بھوک اور پیاس کی شکایت کرتے نہ دیکھا، صبح ہوتی تو ایک پیالہ زمزم کا نوش فرماتے، اکثر کھانے کے لئے عرض کیا جاتا تو فرماتے مجھے کھانے کی رغبت نہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۳۷﴾

حضور اکرم ﷺ ان کے بارے میں فرماتے ہیں! وہ میری ماں کے بعد میری ماں ہیں، آپ دو سال تک حضرت عبدالمطلب کی کفالت میں رہے، ان دو سالوں میں بہت سے حیرت انگیز واقعات کا ظہور ہوا، روایت میں ہے کہ بنی مدلج کی ایک جماعت نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس عزیز الوجود کی اچھی طرح نگہبانی کرو کیونکہ اس کا قدم مبارک مقام ابراہیم میں منقش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے بہت ہی زیادہ مشابہ ہے، انہوں نے حضرت ابوطالب سے فرمایا، ان لوگوں کی بات غور سے سنو، چنانچہ وہ سرکار

---

[1]: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ واقعہ احیا کی روایات میں ضعف ہے اور بعد الوصال ایمان کا مقبول ہونا محقق نہیں ہوتا، جواباً عرض ہے کہ اصول حدیث میں موجود ہے کہ جب روایات ضعیفہ متعدد طرق سے مروی اور منقول ہوں تو وہ درجہ صحت وحسن تک پہنچ جاتی ہیں، ان روایات کے طرق واسانید بھی متعدد ہیں لہذا ان کو فضائل کے باب میں قبول کرنا کسی طرح بھی ناروا نہیں، پھر بعد الوصال ان کے ایمان کا مقبول ہونا حضور سرور عالم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، حافظ شمس الدین دمشقی فرماتے ہیں۔

فاحیا امه و کذا ا باه — لا یمان به فضلاً لطیفاً
فسلم فالقدیم بذا قدیر — وان کان الحدیث ضعیفاً

آپ کی والدہ اور والد کا ایمان کے لئے زندہ ہونا خدا تعالیٰ کا فضل ہے، تم ان باتوں کو تسلیم کر لو کیونکہ خدا تعالیٰ ان باتوں پر قادر ہے، اگرچہ حدیث ضعیف ہے، ﴿انوار محمد ۔ ۵۱﴾

دو عالم ﷺ کا خاص خیال رکھتے تھے، یہ واقعہ مختصر سیرۃ الرسول میں بھی موجود ہے۔ایک مرتبہ حضرت ام ایمن سے فرمایا، اے برکت! میرے اس فرزند کریم سے کوئی غفلت نہ برتنا کیونکہ اہل کتاب کے مطابق یہ اس امت کا نبی ہے، ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو سردار عرب کی مسند سیادت سے ہٹانا چاہا تو آپ رو پڑے، حضرت عبدالمطلب بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے، انہوں نے پوچھا، میرا لخت جگر کیوں رویا ہے، لوگوں نے وجہ بیان کی تو فرمایا، اسے اس فرش پر ہی بیٹھنے دو، کیونکہ وہ اپنی عظمت وحشمت کو جانتا ہے، مجھے امید ہے کہ یہ عزو شرف اور رفعت ومنزلت کی ان بلندیوں تک پہنچے گا جہاں کوئی عربی نہیں جا سکا اور کوئی بعد میں نہیں جا سکے گا، یہ بھی منقول ہے کہ قریش مکہ قحط سالی کی وجہ سے شدید پریشان تھے، حضرت عبدالمطلب حضور اقدس ﷺ کو اپنے کندھوں پر بیٹھا کر جبل ابوقبیس پر چڑھے اور رب کعبہ کے حضور بارش کی التجا کی، آپ کے پاکیزہ ہاتھ بھی فضا میں بلند تھے، گویا جد کریم کے ساتھ شریک دعا تھے، انہوں نے عرض کی، اے حاجات کو پورا کرنے والے، اے کرب و بلا کو دور کرنے والے، اے تمام جہانوں کے معبود، تو جانتا ہے کہ تو ہی ہر سوال کی امید گاہ ہے اور بخل سے پاک ہے، ایسی موسلا دھار بارش عطا فرما کہ کھیتوں کو لبالب بھر دے، رقیقہ سے روایت ہے کہ خدا کی قسم، ابھی لوگ اپنی جگہ پر کھڑے تھے کہ آسمان پھٹ پڑا، اس نے پانی کے دہانے کھول دیئے تو دیکھتے ہی دیکھتے ساری وادی پانی کی موجوں کے ساتھ چنگاڑنے لگی، میں نے قریش کے سرداروں کو کہتے ہوئے سنا، اے وادی بطحا کے سردار! تجھے مبارک ہو، تیرے دم قدم سے اہل بطحا کو دوبارہ زندگی نصیب ہوئی، رقیقہ نے اس واقعہ کو دیکھ کر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا، آخری دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے!

''وہ مبارک افعال واعمال والے ہیں، ان کی بدولت بارش طلب کی جاتی ہے، ساری مخلوق میں کوئی ان کا مماثل نہیں، وہ سرتاپا اللہ تعالیٰ کا احسان ہیں کیونکہ وہ نیک فال ہیں اور نیک بخت ہیں اور ان سب سے بہتر ہیں جن کے ساتھ قبیلہ مضر کو بھی بشارت سنائی گئی'' ﴿الوفا باحوال المصطفیٰ: ۱۵۶﴾

شاہِ یمن کا واقعہ:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قریش

کے سرداروں کے ساتھ سیف بن ذی یزن کی تہنیت کے لئے یمن تشریف لے گئے تو اس نے آپ کو بشارت دی کہ آپ کی نسل سے نبی آخر الزمان ظاہر ہوں گے، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۳۸﴾ حضرت دہلوی کے مطابق یہ واقعۂ بشارت حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعائے استقا سے پہلے رونما ہوا تھا، بہر حال اس واقعۂ بشارت کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، جب شاہ یمن سیف بن ذی یزن حضور اکرم ﷺ کی ولادت کے بعد حبشہ پر غالب آیا اور وہاں اس کی سلطنت قائم ہوگئی تو حضرت عبدالمطلب، وہب بن عبد مناف اور قریش کے تمام سرکردہ افراد اسے مبارک باد دینے کے لئے یمن میں صنعا گئے اور اجازت لے کر اندر داخل ہوئے تو حضرت عبدالمطلب اس کے قریب بیٹھ گئے، پھر آپ نے بات چیت کی اجازت چاہی، اجازت ملنے پر آپ نے نہایت فصیح و بلیغ انداز میں دعا، ثنا اور مبارک باد دی، بادشاہ کو یہ انداز بہت اچھا لگا تو پوچھا آپ کون ہیں، آپ نے فرمایا، میں عبدالمطلب بن ہاشم ہوں، بادشاہ تمام شرفائے قریش کو عزت و تعظیم کے ساتھ دار الضیافت میں لے گیا اور ان کی شایان شان دو کمرے مختص کر دیئے، وہاں ایک ماہ تک رہے، انہوں نے اس کو دیکھا نہ واپس جانے کی رخصت چاہی، ایک ماہ بعد اسے ان کا حال پوچھنے کی سوجھی تو آدمی کو حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجا تاکہ انہیں بلا کر لائے، آپ گئے تو اس نے انہیں خلوت میں اپنے سامنے بٹھایا اور کہا، اے عبدالمطلب! میں تجھے اپنے علم کے مطابق کچھ بتاتا ہوں، اگر تیری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں ہرگز اس سے نہ کہتا لیکن چونکہ تم اس چیز کے معدن ہو، اس لئے میں صرف تمہیں مطلع کرتا ہوں، تمہیں چاہئے کہ اس راز کو پوشیدہ ہی رکھو، جب اس کے ظاہر کرنے کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ ہر شخص پر ظاہر کر دے گا، پھر اس نے کہا، ہم نے کتاب مکتون اور علم مخزون میں ایک بہت بڑی خبر پائی ہے جس میں تمہاری اور تمام مخلوق کی خیریت و عافیت ہے اور وہ خبر یہ ہے کہ ایک لڑکا تہامہ یعنی مکہ مکرمہ میں یا تو پیدا ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے، جس کا نام محمد ﷺ ہوگا، اس کے والدین انتقال کر جائیں گے اور چچا اور دادا اس کی کفالت کریں گے، اللہ تعالیٰ اسے رسول بنا کر بھیجے گا اور ہمیں اس کا مددگار اور معاون بنائے گا، وہ اپنے دوستوں کو عزیز رکھے گا اور دشمنوں کو نزدیک نہ آنے دے گا، اس کے بعد اپنے دوستوں کی ہر طرح معاونت کرے گا اور جسے چاہے گا اچھی چیزوں کا مالک بنا

دے گا، اس کے سبب سے آتش کفر بجھ جائے گی، ہر شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ اختیار کرے گا، شیاطین محروم ومقہور ہو جائیں گے اور بتوں کی پرستش بند ہو جائے گی اور وہ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، اس کا فرمان قول فیصل ہوگا اور خود اس پر عمل پیرا ہوگا اور نہی عن المنکر کرے گا اور خود اس سے گریز کرے گا، جب حضرت عبدالمطلب نے یہ باتیں سنیں تو دعا اور ثنا کے بعد فرمایا' اے بادشاہ! اس راز کو ذرا وضاحت سے بیان کرو ابن ذی یزن نے اس عظیم ہستی کی قسم کھائی اور کہا، اے عبدالمطلب! آپ اس کے بلاشبہ دادا ہیں، جب حضرت عبدالمطلب نے یہ سنا تو فوراً سجدہ ریز ہو گئے، ابن ذی یزن نے کہا، اے جان برادر، تمہارا دل مطمئن ہو اور تمہارا کام ترقی پذیر ہو کیا تمہیں کچھ پتہ چلا ہے کہ وہ کون ہے، انہوں نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں، میرا ایک لائق وفائق بیٹا تھا جس کا میں نے اپنے خاندان کی لڑکی سے نکاح کیا، ان دونوں سے ایک بیٹا ہے جس کا نام محمد ﷺ رکھا گیا ہے، اس کے والدین انتقال فرما گئے ہیں، میں اور اس کا چچا اس کی تربیت کرتے ہیں، ابن ذی یزن بولا، میں نے یہ اس لئے کہا ہے کہ تم اس کے حالات یہودیوں سے پوشیدہ رکھو کیونکہ وہ اس کے دشمن ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کو اس پر غالب نہ ہونے دے گا، اور دیکھو یہ باتیں اپنے ساتھیوں کو بھی نہ بتانا کیونکہ میں ان کے مکر وفریب سے ڈرتا ہوں مبادا حضور اکرم ﷺ کی وجہ سے تمہیں ان پر سیادت حاصل ہو جائے، پھر کہا، اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ آپ کی ہجرت سے پہلے مجھے موت نہ آئے گی تو میں ہر طرح سے سوار یا پیادہ یثرب جاتا اور اسے اپنا دار الحکومت بناتا اور آپ کی معاونت ونصرت پر کمربستہ ہو جاتا کیونکہ میں نے کتب ناطقہ میں پڑھا ہے کہ آپ کا دار الملک یثرب ہوگا اور اسی جگہ آپ کا سلسلہ کار مستحکم ہوگا اور اسی شہر نامدار سے آپ کے اعوان وانصار اٹھیں گے اور آپ کا مدفن بھی وہی ہوگا، میں آپ پر مصائب کے طوفان سے نہ ڈرتا اور آپ کے حال سے دوسروں کو آگاہ کرتا اور عرب کا آپ کو مطیع ومنقاد بناتا لیکن ایک حقیقت تم پر واضح کر دوں کہ تم سے کوئی تقصیر نہ ہوگی، یعنی تم اپنے فرائض سے اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکو گے، اس کے بعد اس نے قریش کے ہر فرد کو دس دس غلام، دس دس کنیزیں، دو دو چادریں، سو سو اونٹ، پانچ پانچ رطل سونا، دس دس رطل چاندی اور عنبر سے بھرے ہوئے برتن دیئے اور حضرت عبدالمطلب کو ان تمام کے برابر

چیزیں عنایت کیں، اس نے کہا کہ آئندہ سال بھی آیئے گا مگر وہ اسی سال فوت ہو گیا، اس کے بعد حضرت عبدالمطلب قریش سے کہا کرتے تھے کہ مجھ سے نہ بڑھا کرو کیونکہ بادشاہ کی عطا اس نسبت بزرگی سے کمتر ہے جو مجھے میرے فرزندوں سے حاصل ہے، حضرت ابو طالب سے ان فرزندوں کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ ان کے نام ظاہر نہ کرتے، ﴿شواہد النبوۃ:۳۰﴾ یہ واقعہ قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ محدث ابن جوزی نے بھی الوفا باحوال المصطفٰے میں نقل فرمایا ہے، اور بھی سیرت نگار اسے بڑے اہتمام سے بیان کرتے ہیں، اس واقعہ بشارت میں حضور تاجدار ختم نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و شوکت کا ایک جہان آباد ہے۔

حضور پیغمبر نور ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال ہوئی تو جد کریم حضرت عبدالمطلب نے حضرت ابو طالب کو آپ ﷺ کی حفاظت و صیانت کا اختیار دیا اور انتقال فرما گئے، اس وقت ان کی عمر مبارک ایک سو دس سال تھی، ایک روایت میں ایک سو بیس سال اور ایک روایت میں ایک سو چالیس سال بیان ہوئی ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۳۸﴾ آپ کی باوقار بیٹیوں نے آپ کی یاد میں دردناک قصیدے بیان کئے، حضرت امیمہ کا قصیدہ بہت ہی عظیم ہے:

اعینی جودی بدمع درر — علی طیب الخیم والمعتصر
علی ماجد الجد واری الزناد — جمیل المحیا عظیم الخطر
علی شیبۃ الحمد ذی المکرمات — وذی المجد والعز والمفجر
وذی المجد والفضل فی النائبات — کثیر المکارم جم الضخر
اتتہ المنایا فلم تشوہ — بصرف اللیالی وریب القدر

ترجمہ: اے میری آنکھو! برستے آنسوؤں کی سخاوت کرو اس پاکیزہ خصائل والے اور پاک نسب والے بزرگ پر، بلند قدر و منزلت والے شخص پر جو ہمیشہ مہمانوں کے لئے مصروف خدمت رہتے تھے، وہ شیبۃ الحمد ہیں جو عالی صفات و کمالات کے مالک ہیں اور قابل فخر سرمایہ قوم ہیں، جو مشکلات میں مجد و فضل کو برقرار رکھنے والے ہیں اور بے شمار عظمتوں کے حامل ہیں، بہت سے حوادث زمانہ درپیش ہوئے مگر وہ گردش لیل و نہار سے پریشان نہ ہوئے، ﴿الوفا:۱۶۵﴾

جد کریم کے انتقال سے حضور پیغمبر نور ﷺ کس قدر غمناک ہوئے وہ اس روایت سے ظاہر ہے، حضرت ام ایمن فرماتی ہیں، میں نے رسول اکرم ﷺ کو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پیچھے چلتے اور درد فراق سے آنسو بہاتے دیکھا، ﴿الوفا: ۱۶۶﴾ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ان کے جدامجد حضرت قصی کے پہلو میں دفن کیا گیا جو مقام حجون میں مدفون تھے، آپ کے انتقال پر سارا مکہ غم واندوہ میں ڈوب گیا، بازار بند رہے اور کاروبار معطل ہو گیا، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱: ۸۷﴾ ابن اسحاق لکھتے ہیں، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ایک صاحب وجاہت سردار تھے، عہد کی پابندی اپنا فرض سمجھتے تھے، اچھی عادتوں کے خوگر تھے، مسکینوں سے محبت کرتے، حاجیوں کے آرام وراحت کا انتظام کرتے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے چرند و پرند تک کی خوراک کا بندوبست کرتے، قحط سالی میں محتاجوں کو کھانا کھلاتے اور ظلم پیشہ افراد کی بیخ کنی کرتے تھے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۶﴾

عمِ محترم اور رسولِ محتشم:

حضرت عبدالمطلب کے بعد حضور اقدس ﷺ کے حقیقی چچا حضرت ابوطالب آپ کے عہدہ کفالت پر فائز ہوئے، اگرچہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب بھی حقیقی چچا تھے لیکن حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کے درمیان محبت وارتباط کا رشتہ بہت زیادہ تھا اور حضرت عبدالمطلب انہیں وصیت فرما گئے تھے، ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو طالب کی کفالت پسند فرمائی، حضرت ابو طالب نے آپ کی کفالت و محافظت کا فریضہ ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد خوب اچھی طرح سرانجام دیا، وہ آپ کے بغیر کھانا بھی تناول نہ کرتے، آپ کا بستر مبارک اپنے داہنے پہلو میں بچھاتے، گھر کے اندر اور باہر آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے، ان کے دستر خوان پر آپ کی گوناں گوں برکات کا ظہور ہوتا، اگر کبھی آپ کے بغیر کھانا کھایا جاتا تو سارے بچے بھوکے رہ جاتے، جب آپ شریک طعام ہوتے تو سب اہل خانہ خوب سیر ہو کر کھانا تناول کرتے لیکن پھر بھی کھانا بچ جاتا، یہ عظمت دیکھ کر حضرت ابوطالب کہتے، "انک لمبارک" اے میرے لختِ جگر تو بڑا ہی مبارک ہے، عام بچے بیدار ہوتے تو ان کے بال بکھرے ہوتے، آنکھیں چیپکی ہوتیں اور چہرے زردی مائل ہوتے لیکن حضور اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس

آئینے کی طرح صاف ہوتا، آنکھیں سرگیں ہوتیں، موئے مبارک ایسے نظر آتے جیسے کسی نے کنگھی کررکھی ہو، آپ بے خوف وخطر حضرت ابوطالب کی مسند پر تشریف فرما ہوتے تو وہ کہتے، تو بڑا ہی مبارک ہے، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱: ۸۸﴾

قیافہ شناس کا انکشاف:

قبیلہ بنی ازد کا ایک ماہر قیافہ شناس کبھی کبھی مکہ مکرمہ میں آکر بچوں کے مستقبل کے بارے میں بتایا کرتا تھا، حضرت ابوطالب بھی حضور اکرم ﷺ کو لے کر اس کے پاس آئے، اس نے ایک نظر آپ کو دیکھا اور دوسرے بچوں کو دیکھنے میں مشغول ہوگیا، جب فارغ ہوا تو کہنے لگا، وہ بچہ کہاں ہے، اسے میرے قریب لاؤ، اس کا شدید اصرار دیکھ کر حضرت ابوطالب نے آپ کو چھپالیا، وہ بار بار کہنے لگا، وہ بچہ مجھے دکھاؤ، خدا کی قسم! اس کی شان بہت بلند ہوگی، لیکن ابوطالب آپ کو لے کر چلے گئے، ﴿سیرت ابن کثیر ۱: ۲۴۲، الروض الانف ۱: ۲۰۴﴾

حضرت عمرو بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت ابوطالب نے فرمایا، میں اپنے بھتیجے کے ساتھ سوق المجاز میں تھا، مجھے شدید پیاس لگی تو میں نے ان سے کہا، یہ اس لئے نہ تھا کہ میں نے ان کے پاس پانی دیکھا تھا بلکہ ویسے ہی اپنی تکلیف کا اظہار کیا تھا، بظاہر ہم دونوں ہی بھوک اور پیاس سے دوچار تھے، وہ میری گزارش پر سواری سے نیچے اترے اور زور سے ایڑی زمین پر ماری تو پانی کا چشمہ ابل پڑا، آپ نے فرمایا' لو چچا! پانی نوش جاں کرلو، میں نے اس چشمہ صافی سے جی بھر کر پانی پی لیا، ﴿الوفا﴾ اس قسم کے عجائب روزگار کو دیکھ کر حضرت ابوطالب سراپا سپاس تھے اور ہمیشہ آپ کی شان وعظمت میں رطب اللسان رہتے تھے، انہوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے فضائل ومناقب میں بہت شاندار قصیدے رقم کئے جو عربی ادب میں آج بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

ابن عساکر جلہمہ بن عرفطہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مکہ مکرمہ آیا، اس وقت وہاں سخت قحط پڑا ہوا تھا، لوگ سخت پریشان تھے، قریش حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے، ملک میں قحط پڑ گیا ہے اور بال بچے بھوکوں مر رہے ہیں، خدا کیلئے آیئے اور بارش کی دعا کیجئے، چنانچہ حضرت ابوطالب ایک چاند سے نوجوان کو لے کر نکلے جیسے وہ ابھی ابھی سیاہ بادل کے حلقہ سے برآمد ہوا ہے، اس کے اردگرد اور لڑکے بھی

تھے، خانہ کعبہ میں پہنچ کر حضرت ابو طالب نے اس نوجوان کی کمر دیوار کعبہ کے ساتھ لگائی اور بارش کی دعا کے لئے اپنی انگلی کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا، اس وقت آسمان صاف تھا، اس کی دعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاروں طرف سے بادل گھر آئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی، میدان میں سیلاب آ گیا، شہر و جنگل سرسبز و شاداب ہو گئے، اسی کے متعلق حضرت ابو طالب نے اپنا مشہور شعر کہا ہے، وہ روشن رو ہے جس کے چہرے کے سبب بادل کی دعا کی جاتی ہے، وہ یتیموں کی جائے پناہ اور بے کسوں کا سہارا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۳۸﴾

اعلان نبوت کے بعد جب حضور اکرم ﷺ پر کفار مکہ کی طرف سے مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے تو حضرت ابو طالب نے اپنی قوم بے وفا کو آپ کا وہ احسان یاد کراتے ہوئے انہی اشعار پر مشتمل یہ زوردار قصیدہ بیان کیا، حضور اقدس ﷺ کو یہ قصیدہ بہت زیادہ پسند تھا، چنانچہ عہد رسالت میں ایک مرتبہ قحط عام ہوا تو ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر فریاد کی، یارسول اللہ! ہم اور ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، آپ نے دعائے استقا کیلئے دست رحمت اٹھائے، اس سے پیشتر کہ دست رحمت نیچے آتے، بارش شروع ہوگئی جس کی بوندوں نے ریش اطہر کو تر کر دیا، پھر پورا ہفتہ باران رحمت برستی رہی، دوسرے جمعۃ المبارک کو پھر اسی اعرابی نے یا کسی اور صحابی نے ہلاکت کی شکایت کی، آپ نے انگشت کرم سے اشارہ فرمایا تو اسی وقت بادل فضاؤں میں پھٹ گئے اور بارش رک گئی، حضور اکرم ﷺ نے خندہ زن ہو کر فرمایا: اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، آج کون ان کا شعر سنائے گا، حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے عرض کی، کیا آپ کی مراد یہ شعر ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی وعصمة للارامل

شقِ صدر کا دوسرا واقعہ:

حضرت مولانا الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ الم نشرح کی تفسیر میں فرمایا کہ آپکا سینہ مبارکہ چار مرتبہ چاک کیا گیا اور اس میں نور و حکمت کا خزانہ بھرا گیا، پہلی مرتبہ جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر تھے، دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں تاکہ جوانی کی پر آشوب تمناؤں سے محفوظ رہیں، تیسری مرتبہ غار حرا میں تاکہ وحی الٰہی کے بار گراں کو

برداشت کر سکیں اور چوتھی مرتبہ شب معراج میں تا کہ دیدار خداوندی کی تجلیات کے متحمل ہو سکیں، حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے تین مرتبہ کا ذکر کیا ہے، ﴿فتح الباری ۱:۴۶۰﴾ دوسرے واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ آپ پر نبوت کی ابتدا کس چیز سے ہوئی، آپ نے فرمایا: جب تم نے سوال کر ہی لیا ہے تو جواب بھی سن لو، میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جا رہا تھا، اچانک میں نے اپنے سر کے اوپر دو آدمیوں کو دیکھا، ایک نے دوسرے سے کہا، کیا یہی ہیں، دوسرے نے کہا، ہاں، پھر انہوں نے مجھے زمین پر گرا لیا اور میرے شکم انور کو چاک کیا، ﴿یہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل تھے﴾ حضرت جبریل سونے کے طشت میں پانی لا رہے تھے اور حضرت میکائیل شکم انور کو غسل دے رہے تھے، پھر ایک نے دوسرے سے کہا، اب ان کا سینہ چاک کرو، اب میرا دل چیرا گیا تو کہا اس سے کینے اور حسد کو نکال دو، انہوں نے جمے ہوئے خون کے مشابہ ایک چیز نکال کر پھینک دی، پھر کہا ان کے دل میں رحمت و شفقت کو داخل کر دو، تب انہوں نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز داخل اور کوئی پسی ہوئی چیز اس پر چھڑک دی، پھر انہوں نے میرے پیر کے انگوٹھے کو پکڑ کر ہلایا اور اس کے بعد مجھے کہا آپ جایئے، میں چلا گیا اور اس کے بعد میرے دل میں چھوٹوں پر رحمت اور بڑوں کی توقیر دو چند ہو گئی، ﴿مستدرک ۲:۶۱۶، مسند احمد ۳:۱۲۱، دلائل النبوۃ بیہقی ۱:۱۳۶، طبقات کبریٰ ۱:۱۱۲، مجمع الزوائد ۸:۲۲۲، سنن دارمی ۱:۱۷، البدایہ ۲:۲۷۵، فتح الباری ۱:۴۶۰﴾ حضرت امام نور الدین علی الہیثمی نے یہ حدیث مبارک طبرانی کے حوالے سے لکھی اور فرمایا، **ورجالہ ثقات وثقھم ابن حبان**، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام ابن حبان نے اس کی توثیق فرمائی ہے، ﴿مجمع الزوائد ۸:۲۲۳﴾ حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے شقِ صدر کے واقعات کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ تمام امور خارقِ عادت ہیں اور ان کو ماننا واجب ہے، ان کی حقیقت کو جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کوئی چیز بعید نہیں ہوتی، ﴿فتح الباری ۷:۲۰۵﴾

شانِ امیت کا ظہور:

اوائل بچپن سے لے کر اس عمر تک لوگ اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کا پوری طرح اہتمام کرتے ہیں لیکن اس ''نبی امی'' کو کسی استاد کی ضرورت تھی نہ کسی مکتب کی

حاجت، فیاض ازل نے آپ کو اپنی بارگاہ قدس کے سواہر احتیاج سے بے نیاز کر دیا تھا، آپ کی ''شانِ امیت'' آپ کا بہت عظیم الشان معجزہ ہے جسے قرآن پاک نے ان کلمات میں بیان فرمایا:

الـذین یتبعو ن الر سو ل النبی الامی الذی یجدو نہ مکتوباً عندھم فـی التـو راۃ و الانـجیل یامر ھم بالمعر و ف وینھٰھم عن المنکر ویـحـل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغـلٰل التی کانت علیھم، یہ وہ لوگ ہیں جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی نبی ہے، جس کے اوصاف کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، یہ رسول انہیں اچھائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کیلئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان کے وزنی بوجھ اور طوق اتارتا ہے، ﴿سورۃ الاعراف:۱۵۷﴾

اللہ اکبر! یہ کتنا عظیم الشان معجزہ ہے کہ جو رسول محتشم ایک لمحہ بھی کسی استادِ زمن کے پاس نہ گیا اور جس نے کسی ماہر روزگار سے اکتساب فیض نہ کیا وہ دنیا جہان کی اچھائیوں سے خود بھی آشنا ہے اور وابستگان در کو بھی آشنا کر رہا ہے، انہیں دنیا جہان کی برائیوں کے سامنے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بھی سکھا رہا ہے، اسے حلت وحرمت کی باریکیوں کا عرفان بھی حاصل ہے، وہ نافرمانیوں کے باعث مسلط ہونیوالے بارگراں اور طوق بے اماں سے آزاد ہونے کا طریقہ بھی بتا رہا ہے،، قرآن پاک نے جہاں آپ کو ''لقب امی'' سے مخاطب فرمایا وہاں ان تمام مناصب نبوت کا ذکر بھی کر دیا جو علم وآگہی اور فکر وعرفان سے تعلق رکھتے ہیں تاکہ کسی انسان کو ''امی'' کا ترجمہ ''ان پڑھ اور بے علم'' کرنے کی جسارت نہ ہو، کیونکہ ''امی'' کا معنیٰ ہے، **ھو الذی لایکتب ولا یقراء من الکتاب**، جو لکھتا ہو نہ کتاب سے پڑھتا ہو، ﴿مفرداتِ راغب﴾ یعنی قلم وکتاب کے اکتسابی علم سے بالاتر ہو، ''اُمی'' کے اس امتیازی وصف سے عین ممکن ہے کہ کوئی شخص قلم وکتاب کا سہارا لئے بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام علوم ومعارف کو اپنے دل ودماغ میں جذب کر لے کیونکہ قلم وکتاب تو حصول علم کا ذریعہ

ہیں، بذات خود علم نہیں، لہذا اُمی وہ ہے جس کو بلا واسطہ علم و معارف کا بحر ذخار بنا دیا جائے، فرمایا! اے محبوب ہم نے تمہیں وہ کچھ سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بہت ہی بڑا فضل ہے، ﴿سورۃ النساء:۱۱۳﴾ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بے شک آپ امی تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب آپ کو درس، تکرار اور کتابت کے بغیر پڑھا دی، یہ امر خارقِ عادت ہونے کی وجہ سے ایک معجزہ ہے، ﴿تفسیر کبیر ۳:۱۴۱﴾

نگار من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت

بغمزہ سبق آموز صد مدرس شد

یعنی میرا محبوب کبھی مکتب گیا نہ خط لکھا مگر اس نے اپنے ابرو کے اشارے سے سینکڑوں مدرس پڑھا دیئے،

ارشادِ باری ہے، ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون، اور وہ رسول تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جس کو تم بالکل نہیں جانتے، ﴿سورۃ البقرہ:۱۵۱﴾ کسی قابل استاد سے پڑھا ہوا شاگرد رشید جب مسند علم و فضل پر رونق افروز ہوتا ہے تو اہل زمانہ اس کے جاروب کش بن جاتے ہیں، اس نبی ''امی'' کا کیا مقام ہوگا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا: الرحمن ٥ علم القرآن ٥ خلق الانسان ٥ علمه البيان ٥ یعنی رحمت والے نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اسے ﴿اول و آخر کا﴾ بیان عطا فرمایا۔ ﴿سورۃ الرحمٰن:۱۔۴﴾ یہاں ''الانسان'' سے مراد ذات محمدی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علم سے بہرہ ور فرما دیا ہے، اسی لئے تو آپ اپنی مسندِ نبوت پر فائز ہو کر منافقینِ مدینہ کی ایک جماعت کو للکار رہے تھے:

مابال اقوام طعنوا فی علمی، لا تسالونی عن شی فیما بینکم وبین الساعة الا انبا تکم بہ، ان لوگوں کی بربادی کا کیا حال ہوگا جو مرے علم کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں، تم اس وقت سے لے کر قیام قیامت تک جو کچھ بھی پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو، میں تمہیں ہر چیز کی خبر دینے

کیلئے تیار ہوں، ﴿تفسیر خازن ۱: ۳۰۸، معالم التنزیل ۱: ۳۴۷﴾ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں سلُونی عما شئتم، پوچھو مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو، ﴿بخاری کتاب العلم ۱: ۴۷، مسلم کتاب الفضائل، مسند ابو یعلیٰ ۱۳: ۲۸۸﴾

آپ کو اعجاز امیت سے کیوں سرفراز کیا گیا، اس کو خداوند عالم کے سوا اور کون جانتا ہے، بظاہر اس میں یہ چند حکمتیں موجزن دکھائی دیتی ہیں:

⊙ ......تمام دنیا کو علم و حکمت کی تعلیم دینے والے نبی کا استاد صرف خداوند عالم ہو، کوئی اور استاد ہوتا تو طعن کرتا کہ اے پیغمبر تو میرا شاگرد ہے۔

⊙ ......اگر کوئی آپ کا استاد ہوتا تو وہ زیادہ صاحب علم و فضل ہوتا، یہ شانِ محبوبیت کے خلاف ہے۔

⊙ ......کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ چونکہ آپ پڑھے لکھے تھے اس لئے یہ قرآن آپ کا بنایا ہوا ہے، امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، پھر مشرکین مکہ شک کرتے کہ شاید آپ کتب سابقہ سے یہ باتیں اخذ کرتے ہیں، جب ایسا نہ تھا تو ان کے شک کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا، ﴿روح المعانی ۲۱: ۴﴾ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ملتا ہے: آپ اس ﴿قرآن﴾ سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اسے لکھ سکتے تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شبہ میں پڑ جاتے ﴿کہ شاید یہ قرآن آپ کا بنایا ہوا ہے﴾ ﴿سورۃ العنکبوت: ۴۸﴾
اس امر پر تمام مستشرقین بھی متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا ورنہ وہ اسلام دشمنی میں ساری حدوں کو عبور کرنے والے بھی کہہ دیتے کہ قرآن مجید آپ کی خود ساختہ کتاب ہے۔

ایسا امی کس لئے منت کشِ استاد ہو
کیا کفایت اس کو اقراء ربک الاکرم نہیں

⊙ ......اگر کوئی آپ کا استاد ہوتا تو آپ اس کی تعظیم کیلئے جھکتے، یہ بات حق تعالیٰ کو گوارا نہیں کیونکہ اس نے ساری مخلوق اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر کیلئے پیدا فرمائی ہے اور اپنے محبوب کے ادب و احترام کو تقوے کا معیار قرار دیا ہے۔

......⊙......

باب پنجم

حالِ شباب کچھ نہ پوچھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور پیغمبر نور ﷺ حالِ شباب کی منزلوں اور مرحلوں پر گامزن ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے مونس و غمگسار چچا حضرت ابو طالب اپنے روزگار اور کثرت اہل و عیال کی وجہ سے پریشان خاطر ہیں' آپ نے ان کی معاشی امداد کا فیصلہ کر لیا چنانچہ بعض لوگوں کے ریوڑ اُجرت پر چرانے شروع کر دیئے، اس سے ایک مقصد تو یہ پورا ہوا کہ مہربان چچا کی اعانت ہوگئی، دوسرا یہ کہ انبیا کرام کی سنت مطہرہ از سرنو تازہ ہوگئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ما بعث الله نبياً الا راعى غنم**، اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا جس نے بکریوں کے ریوڑ نہ چرائے ہوں، آپ کے صحابہ نے عرض کی، حضور کیا آپ نے بھی، فرمایا: **وانا رعيتها لا هل مكة بالقراريط**، ہاں میں نے بھی قراریط کے بدلے اہل مکہ کے ریوڑ چرائے ﴿صحیح بخاری﴾ قراریط دراصل قراط کی جمع ہے جو دینار کے چھٹے حصے کی چوتھائی کا نام ہے، بعض کے نزدیک دینار کے بیسویں حصے کا نام ہے، بعض کا خیال ہے کہ قراریط سے مراد بکریوں کے دودھ کا وہ حصہ ہے جو آپ بطور اجرت وصول کرتے اور حضرت ابو طالب کے اہل و عیال کو عطا فرماتے، حضرت امام عینی نے حضرت ابراہیم حربی کے قول کو ترجیح دی ہے، یعنی قراریط ایک جگہ کا نام ہے جو اجیاد کے قریب واقع تھی اور آپ وہاں بکریوں کے ریوڑ چرایا کرتے تھے، آپ بطور تحدیثِ نعمت فرماتے ہیں: نبوت کیلئے گلہ بانی شرط ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت داود بھی گلہ بان تھے، میں بھی اپنے خاندان کے لئے گلہ بانی کرتا رہا، حضور پیغمبر نور ﷺ کو شغلِ گلہ بانی میں غور و خوض کے

لئے کافی وقت ملتا تھا، ایک گلہ بان کا انداز معاشرت کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ دن نکلے وسیع وعریض فضائے کائنات پر اور رات پڑے چمکتے ہوئے ستاروں کی آب وتاب پر دلجمعی کے ساتھ غور وفکر کرتا ہے، اس کے دل میں رہ رہ کر یہ تمنا چٹکیاں لیتی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح مجھ پر اسرار قدرت ہویدا ہوں، اگر وہ صاحب عقل وشعور ہے تو اسے نہ فکر دامنگیر رہے گی، کیا میں ہوا میں سانس نہیں لے رہا ہوں، کیا ہوا کے بغیر میری ہلاکت یقینی نہیں ہے، کیا مہر وماہ کے نور کی تیرتی ہوئی کرنیں میرے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے نہیں ہیں، کیا میرا وجود آسمانوں اور ان جہانوں سے جو فضائے کائنات میں موجود اور باہم دیگر مربوط ہیں، کوئی ربط وضبط نہیں رکھتا، چونکہ ایک گلہ بان کو ہر ممکن صورت میں اپنے گلہ کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور یہ خیال رہتا ہے، کہیں کوئی بکری گم یا ضائع نہ ہو جائے، اس لئے جب وہ نظام کائنات اور اس کی نگہداشت پر غور کرتا ہے تو یہی نقشہ اس کے ذہن میں اتر آتا ہے کہ اس نظام کائنات کا کوئی ضرور محافظ ہے اور یہ محافظ ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے نظام میں کوئی اختلال رونما نہ ہونے پائے، اس قسم کے افکار وخیالات کے عادی انسان کی نظر میں دنیا کی ناپائیدار اور گریز پا لذتیں کوئی وزن نہیں رکھتیں، کبھی بھولے سے بھی اس کا دامن ان آلودگیوں سے ملوث نہیں ہوتا، جب اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دنیا اور اس کی مرغوبات میں کوئی خوبی نہیں تو اس کی روح فضائے قدس کی سیر کرتی ہے اور عالم بالا کی پرواز کی سکت حاصل کرتی ہے، ﴿سیرت الرسول: ۱۵۲﴾ صحراؤں اور وادیوں کا نظارہ کرنے والے عام گلہ بان کی مشاہداتی قوت میں اگر اس ترقی کا امکان ہے تو اس عظیم استعداد کے حامل انسان کی نگاہ کس پرواز کا مظاہرہ کر سکتی ہوگی جس کے سر اقدس پر نبوت ورسالت کا تاج سجایا جاتا ہے، آپ شروع دن سے ہی دنیا کی بے اثباتی کا عرفان حاصل کر چکے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے آپ کی صفت امانت پر کوئی حرف آتا ہو، تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے کبھی دنیوی مشاغل میں دلچسپی نہیں لی، یہ اجتناب کوئی بے سروسامانی کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ یہ مانی ہوئی حقیقت ہے کہ اطراف مکہ میں رہنے والے نادار اور تہی دست اشخاص بھی اپنے ذوق وشوق کی تسکین کا سامان بہم پہنچا لیتے تھے بلکہ ان میں سے بعض افراد تو عیش پرستی میں امرائے قریش سے بھی دو ہاتھ آگے تھے، آپ

نے اپنی فطرت سلیم کی بدولت ان مشاغل اور تعیشات کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا، آپ فقط حالات و واقعات پر غور و فکر کیا کرتے اور دل و دماغ کی صلاحیتوں سے کام لے کر نتائج و عواقب تک پہنچتے تھے، گویا آپ کی روح مقدس جس کے انوار کی شمعیں ظہور بعثت کے بعد پوری تابانیوں کے ساتھ فروزاں ہوئیں اور جس سے آج بھی دو عالم کسب ضیا کر رہے ہیں، ان ایام شباب میں مدارج کمال کو طے کر رہی تھی، آپ تمام اسباب عیش و راحت سے قطع نظر جو اہل مکہ کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنے ہوئے تھے، ان انوار و تجلیات کا مشاہدہ کیا کرتے تھے جو مظاہر حیات اور مناظر قدرت سے آشکارا ہوتی ہیں، ان پر غور و خوض کرنا آپ کی زندگی کا بہترین مشغلہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ایام طفولیت سے آپ کی شخصیت میں مجد و شرف، صدق و امانت، مروت و شرافت اور شجاعت و لیاقت کے جوہر نمایاں تھے، حتیٰ کہ مکہ کے سرکش لوگ بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔

سفرِ شام کا مرحلہ:

حضرت عبدالمطلب کی طرح حضرت ابو طالب بھی اپنے بھتیجے پر جان چھڑکتے تھے اور اپنے بیٹوں پر ان کو ترجیح دیتے تھے، آنحضرت ﷺ کی بے پناہ صلاحتیں چچے اور بھتیجے کے تعلق کی بنیادیں اور بھی زیادہ استوار کر رہی تھیں، جب آپ کی عمر مبارک بارہ سال ہوئی تو حضرت ابو طالب نے تجارت کی غرض سے شام کا قصد کیا، سفر کی صعوبتوں کے پیش نظر ان کا خیال تھا کہ بھتیجے کو ہمراہ نہ لے جائیں لیکن حضور نے اصرار کیا، آپ نے اونٹنی کی نکیل پکڑ کر فرمایا اے چچا! آپ مجھے کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں، یہاں میرا باپ ہے، نہ ماں ہے، چنانچہ حضرت ابو طالب نے آپ کو اپنے ساتھ سوار کر لیا، کئی دن سفر میں گزر گئے، جب یہ قافلہ ''بصریٰ'' کے مقام پر پہنچا تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ کے گرد و نواح میں رات گزارنے کے لئے قیام کیا، عیسائی راہب کا نام تو برجیس تھا مگر وہ بحیریٰ کے نام سے مشہور تھا بحیریٰ کا معنیٰ ہے نابغہ روزگار، ساری عیسائی دنیا میں اس کے علم و عرفان کے بہت شہرے تھے، پہلے بھی قریش مکہ کے تجارتی قافلے اس خانقاہ کے پاس سے گزرتے مگر اس نے کبھی ان کی پرواہ نہیں کی، لیکن یہ کیسا قافلہ قریب آ کر ٹھہرا ہے، اس نے دیکھا کہ اس میں ایک نوخیز بچہ ہے جس کے سر پر بادل کا ٹکڑا سایہ فگن ہے، وہ جدھر بھی جاتا ہے

بادل کا ٹکڑا اس کا تعاقب کرتا ہے، اس نے یہ بات بھی مشاہدہ کی کہ جب قافلہ ایک درخت کے سائے میں اترا تو اس بچے کے لئے سائے میں کوئی جگہ نہ رہی، وہ قافلے سے ہٹ کر دھوپ میں بیٹھ گیا تو درخت نے جھک کر اس کے سر پر سایہ دراز کر دیا، بحیریٰ یہ منظر دیکھ کر نیچے اترا اور اس نے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور قافلہ والوں کو پیغام بھیج دیا کہ اے گروہ قریش! میں نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے، میں چاہتا ہوں تم تمام آکر کھانا تناول کرلو، اسی میں میری عزت افزائی ہے، کسی شخص نے کہا، آج کونسی خصوصیت ہے، تو اس کی طرف سے جواب آیا میں تمہاری تعظیم وتکریم کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ سب اہل قافلہ پہنچ گئے، انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو کم سن ہونے کی وجہ سے پیچھے چھوڑ دیا، آپ درخت کے نیچے سامان قریش کی حفاظت کرنے لگے، بحیریٰ نے دیکھا کہ دعوت طعام میں آنے والوں میں سے کوئی مہمان بھی ایسا نہ تھا جس میں وہ صفات پائی جاتی تھیں، کسی پر بادل سایہ فگن نہیں تھا، پھر باہر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بادل اس نوخیز بچے کے سر پر موجود ہے، بحیریٰ نے کہا اس بچے کو بھی بلا کر لاؤ، یہ بری بات ہے کہ سب آجائیں مگر ایک اکیلا باہر بیٹھا رہے، قریش نے کہا ہاں خدا کی قسم وہ بچہ نسب میں سب سے افضل ہے اور ابو طالب کا بھتیجا ہے، اتنے میں حارث بن عبدالمطلب اٹھے اور کہنے لگے، عبدالمطلب کا فرزند پیچھے نہیں رہ سکتا، یہ کہہ کر وہ باہر گئے اور آپ کو کندھوں پر اٹھا کر لے آئے، آپ کھانے کے لئے تشریف فرما ہوئے تو بھی بادل سر پر سایہ کناں تھا، ادھر وہ درخت بھی جڑ سے اکھڑ گیا، بحیریٰ بڑی یکسوئی سے آپ کے اوصاف کا مشاہدہ کرنے لگا، اسے اپنی کتاب میں مذکور نبی آخر الزمان کی نشانیاں آپ میں نظر آنے لگیں تو قریب آکر عرض گزار ہوا، میں آپ کو عزیٰ اور لات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، آپ نے فرمایا: عزیٰ اور لات کا مجھ پر کونسا حق ہے، مجھے ان سے شدید نفرت ہے، میں نے تو کبھی ان کو دیکھا تک نہیں، ہاں مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھو، میں جو کچھ بھی جانتا ہوں' ضرور بتاؤں گا، اس نے کہا، ہاں میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی سوال کروں گا، پھر پوچھنے لگا، آپ کی نیند کا کیا حال ہے، آپ نے فرمایا، تنام عینای ولا ینام قلبی، میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے، پھر وہ آپ کی آنکھوں کی سرخی دیکھنے لگا اور بولا کہ کیا یہ سرخی غائب بھی ہوتی ہے، اہل قافلہ کہنے لگے ہم نے کبھی غائب ہوتے نہیں

دیکھی، پھر اس نے آپ کا جبہ اتار کر مہر نبوت کا مشاہدہ کیا جو حجلہ عروسی کے مہرے جیسی تھی' اس نے بے اختیار ہو کر اس کو بوسہ دیا، قریش کہنے لگے، لگتا ہے اس راہب کے دل میں محمد مصطفیٰ کی بہت قدر و منزلت ہے، حضرت ابو طالب بھی یہ منظر دیکھ کر راہب سے خوفزدہ ہوئے کہ کہیں وہ آپ کو نقصان نہ پہنچادے، بحیریٰ نے ان سے پوچھا، یہ نوخیز بچہ آپ کا کیا لگتا ہے، انہوں نے کہا میرا فرزند ہے، اس نے کہا، نہیں! اس کا والد تو دنیا میں موجود نہیں ہونا چاہئے، انہوں نے کہا دراصل یہ میرا بھتیجا ہے، پھر اس نے سوال کیا کہ اس کے والد محترم کا کیا بنا، انہوں نے کہا یہ ابھی شکم مادر میں تھے کہ ان کا وصال ہو گیا تھا، اس نے مزید پوچھا کہ اس کی والدہ ماجدہ کہاں ہے، انہوں نے کہا، کچھ عرصہ ہوا، وہ بھی وصال فرما گئی ہیں، بحیریٰ نے کہا آپ سچ کہتے ہیں، اب میری التجا ہے کہ آپ اس جلیل القدر شخصیت کو واپس اپنے وطن لے جائیں، خدا کی قسم مجھے یہود سے خوف ہے، اگر انہوں نے دیکھ کر پہچان لیا تو وہ نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے کیونکہ آپ کے اس بھتیجے کو عظیم الشان مقام ملنے والا ہے، یہی ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے' اپنے باپ دادا سے سنا ہے اور اسی پر ہم سے مضبوط وعدے لئے گئے ہیں، حضرت ابو طالب نے پوچھا، وعدے کس نے لئے ہیں، اس نے خندہ زن ہو کر کہا، اللہ تعالیٰ نے، وہ وعدے حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر نازل ہوئے، اس لئے آپ وقت مت ضائع کریں، آپ کی خیر خواہی اسی میں پوشیدہ ہے چنانچہ وہ حضور اکرم ﷺ کو لے کر عازم وطن ہو گئے، ﴿دلائل النبوۃ رقم ۱۰۲﴾ یہ واقعہ سیرت طیبہ کی تقریباً تمام کتابوں میں مشہور اور متداول ہے، ایک روایت کے الفاظ ہیں بحیریٰ نے آپ کو دیکھتے ہی کہا، **هذا رسول رب العالمين هذا يبعثه الله رحمة للعالمين**، یہ تمام جہانوں کے پروردگار کا رسول ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، قریش نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا تو اس نے جواب دیا' جب تم لوگ پہاڑ کے دامن سے نمودار ہوئے تو میں نے دیکھا کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو اس کے حضور سجدہ ریز نہ ہو گیا ہو، ایسا سجدہ کسی نبی کے لئے ہی ممکن ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان سیب جیسی مہر نبوت ہے، ﴿ایضاً رقم ۱۰۳﴾ علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ بحیریٰ راہب والے واقعہ کی استنادی حیثیت مشکوک ہے، ﴿ سیرۃ النبی ۱:۱۸۱﴾ جبکہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کا ذاتی خیال ہے، اس واقعہ کو حضرت امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور صحیح قرار دیا، حضرت امام حاکم بھی اس کو صحیح کہتے ہیں علاوہ ازیں حضرت امام ابن ابی شیبہ، حضرت امام بیہقی، حضرت امام قرابطی اور دیگر محدثین نے بھی اس کو روایت کیا اور اس پر اعتماد کا اظہار فرمایا، واقعہ کے الفاظ مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اس کی نوعیت اور حیثیت کا انکار کرنا بڑا ہی تعجب انگیز ہوگا، یہاں عیسائی مستشرقین کا یہ کہنا کہ چالیس سال کی عمر میں آپ نے جس تعلیم کا آغاز کیا اس میں اس راہب کی تعلیم کا اثر تھا، جواباً عرض ہے کہ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے، پھر اگر آپ نے تثلیث اور کفارہ کا رد، مسیح کے صلیب پر جان دینے کا بطلان اس راہب کی تعلیم ہی سے کیا تھا تو اب عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کرتے، ﴿رحمۃ للعالمین: ۴۷﴾ اس واقعہ میں مہر نبوت کا ذکر پاک مذکور ہے، مہر نبوت کے بارے میں عرض ہے کہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق وہ حجلہ کے حلقے جیسی تھی، مسلم شریف میں ہے کہ وہ کندھے کی نرم ہڈی کے پاس جمع شدہ گوشت تھا جس پر سیاہ مہکوں جیسے تل تھے، ایک روایت کے مطابق وہ بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس تھی اور ایک روایت میں ہے، دائیں کندھے کے پاس تھی، مسلم شریف میں یہ بھی ہے کہ وہ کبوتری کے انڈے جیسی تھی، ترمذی اور دلائل بیہقی میں ہے کہ وہ سیب جیسی تھی، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۴۴﴾ بعض روایات میں ہے کہ اس مہر نبوت پر تل کے نشانات کی ترتیب کچھ یوں تھی کہ لفظ محمد ﷺ لکھا نظر آتا تھا، شیخ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ مہر نبوت پر یہ لکھا ہوا تھا، اللہ وحدہ لا شریک لہ توجہ حیث کنت فانک منصور، اللہ وحدہ لا شریک ہے، آپ جہاں بھی جائیں نصرت یافتہ ہیں، اتنی لمبی تحریر کی بجائے لفظ ''محمد'' لکھا ہونا زیادہ قریب الفہم ہے، مہر نبوت کا کبوتری کے انڈے جیسا ہونا، سیب کی طرح ہونا یا حجلہ عروسی کے مہرے کی طرح ہونا ایک ہی مفہوم کو واضح کرتا ہے، نظارہ کرنے والے ہر فرد نے اپنے انداز میں بیان کیا لہٰذا ان روایات میں کوئی تضاد نہیں، مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مہر نبوت کا رنگ آپکے جسم اقدس کے رنگ جیسا تھا، حضرت امام حاکم نے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر پیغمبر کے دائیں ہاتھ پر نبوت کا نشان ہوا کرتا تھا مگر حضور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا نشان نبوت پشت مبارک پر رکھا گیا۔

نبوت راتوئی آں نامہ در دست
کہ از تعظیم دارد مہر بر پشت

مولانا سلمان منصور پوری صاحب نے بھی راہب کی داستان کو نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے، قرآن پاک سے ثابت ہے کہ یہودی رسول موعود کے انتظار میں رہا کرتے اور سمجھتے تھے کہ اس کے آنے پر یہودیوں کو کافروں پر فتح ونصرت ہوگی، ان کا یہ اعتقاد حضور اکرم ﷺ کی بعثت تک رہا، قرآن پاک سے ثابت ہوگیا کہ بحیریٰ کا یہ قول غلط تھا کہ یہودی آپ کو پہچان کر نقصان پہنچادیں گے کیونکہ اگر یہودی اس لڑکپن میں آنحضرت کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق حضور کو فتح ونصرت کا دیوتا سمجھ کر نہایت خدمت گزاری کرتے، نتیجہ یہ ہے کہ راہب کی داستان نا قابل اعتبار ہے، مولانا سلمان نے شاید حضور اکرم ﷺ کے احوال کا مکمل مطالعہ نہیں کیا، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہود کا یہ اعتقاد تھا کہ نبی آخر الزمان قوم یہود سے ہوں گے، بنی اسماعیل کو یہ اعزاز مل جائے گا، اس کے بارے میں تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، لہذا اگر وہ اس گل نوخیز کو پہچان لیتے تو یہ بھی جان لیتے کہ یہ گلستان ذبیح میں کھلا ہے، اس پر ان کا نسلی تعصب ضرور بھڑک اٹھتا اور وہ باد صرصر کی طرح اس کی خوشبوؤں کو چھیننے کی ضرور کوشش کرتے، اس کی متعدد مثالیں ان واقعات میں موجود ہیں، جب یہود نے حضور اقدس ﷺ کے نجم مقدس کو طلوع ہوتے دیکھا تو نشاط مسرت میں ڈوب گئے، پھر جس کسی کو بھی معلوم ہوا کہ وہ قریش مکہ کے خاندان ہاشم میں پیدا ہوئے ہیں تو وہ اظہار تاسف سے ہاتھ ملنے لگا، ایسی متعصب قوم کے بارے میں کہنا کہ وہ آپ کے حالات جان کر لڑکپن میں فتح ونصرت کا دیوتا تسلیم کرتی، مولانا سلمان کی ذاتی رائے ہے، کم از کم بحیریٰ راہب جیسا صاحب فراست انسان اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو یہود نے کیوں تسلیم نہ کیا، اس لئے کہ آپ قوم یہود سے نہیں تھے، اس حقیقت کا علم اگر ان کو قرائن وشواہد کی روشنی میں پہلے میسر آجاتا تو وہ کیوں نہ بدرجہ اتم مخالفت پر اترتے کیونکہ اعلان نبوت سے پہلے مخالفت زیادہ موثر ہوتی، بحیریٰ راہب نے اپنے نور فراست سے ان احوال کا تجزیہ کیا اور اپنے خدشات کا اظہار کردیا، اس میں اس داستان کے نا قابل اعتبار

ہونے کا کیا ثبوت ہے، ان خدشات کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سابقہ پانچ صدیوں میں یہود نے نصاریٰ کے ساتھ جس بہیمانہ سلوک کا مظاہرہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر برحق کی تعلیمات کو جس بے دردی کے ساتھ ٹھکرایا، تاریخ کا یہ نا قابل فراموش باب بحیریٰ کی آنکھوں سے کیسے چھپ سکتا تھا، اس نے یہود کی تاریخ سے سبق سیکھ کر کہا ہوگا کہ اتنے جلی نشانات کی وجہ سے یہ گل نوخیز اور پہچانا جائے گا، پھر یہود پہچان کر اس سے تحقیق بھی کریں گے اور حسد و تعصب کی فطری بیماری سے مجبور ہو کر کوئی غلط قدم بھی اٹھائیں گے، ستر ہزار اسرائیلی پیغمبروں کے خون معصوم سے اپنا دامن رنگنے والے ایک اسماعیلی پیغمبر کو پروان چڑھتے ہوئے کیسے گوارا کر سکتے تھے، قرآن پاک نے فرمایا، فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به پھر جب ان کے پاس آیا جس کو وہ خوب پہچانتے تھے تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا، اس نا تمام سفر سے حضور پیغمبر نور ﷺ نے کیا کچھ حاصل کیا، آپ نے مناظر قدرت کا مشاہدہ کچھ اور قریب سے کیا، آپ کی آنکھیں چمکتے ہوئے ستاروں اور صاف و شفاف آسمان سے کچھ اور مانوس ہو گئیں، آپ کا گزر مدین، وادی القریٰ اور دیار ثمود سے ہوا، آپ نے ان اقوام سابقہ کے حشر و انجام سے متعلق بہت کچھ سنا اور یہ ذخیرہ معلومات اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا، اس سفر میں آپ نے شام کے سرسبز و شاداب باغات دیکھے، ایسے باغات جن کے مقابلے میں طائف کے باغات کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی، مکہ کے خشک صحرا اور بے آب و گیاہ پہاڑوں کے مقابلے میں شام کی سرزمین بہشت بریں کا منظر پیش کرتی تھی، ارض شام میں آپ نے مسیحی پیشواؤں سے ملاقاتیں بھی کیں اور ان سے صحفِ سماویہ، مجوسیت اور مسیحیت کے بارے میں بہت کچھ سنا، اگرچہ آپ کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن دل و دماغ کی پاکیزگی، کمال ہوشمندی، بالغ نظری اور ان تمام اوصاف و کمالات جو قدرت نے آپ کے اندر ودیعت کئے ہوئے تھے، کا یہ عالم تھا کہ آپ مشاہدات و مسموعات پر ہی قانع نہیں ہو جاتے تھے بلکہ آپ کا ذوق تجسس اور شوق تحقیق آپ کو دل ہی دل میں یہ سوچنے پر مجبور کرتا تھا کہ ان کی تہ میں کیا حقیقت مضمر ہے ﴿سیرت الرسول: ۱۴۸﴾ حضرت ابو طالب کو اس سفرِ تجارت میں کوئی نفع نہیں ہوا اس لئے دوبارہ انہوں نے قصد سفر نہیں کیا، قسمت پر قناعت کی اور مکہ کی حدود میں محصور ہو کر زندگی بسر کرنے لگے،

تھوڑی بہت جوان کے پاس دولت تھی اس سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتے تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ اپنے چچا کے ساتھ رہتے اور اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، حرمت والے مہینوں میں اپنے عزیز واقارب کے پاس رہتے یا اس کے آس پاس عکاظ، مجنہ اور ذو المجاز کے بازاروں میں چلے جاتے، وہاں مشہور عرب شعرا کا کلام سنتے اور اپنے ذوق کے مطابق ان کے کلام کا موازنہ کرتے اور اس کے حسن وقبح کا جائزہ لیتے، علاوہ بریں یہودی اور مسیحی خطیبوں کی تقریریں بھی آپ نے اکثر وبیشتر یہیں سنی تھیں، یہ خطیب بت پرستی پر اعتراضات کا پتھراؤ کیا کرتے اور اپنے دعویٰ کی حمایت میں تورات وانجیل کے حوالے دیا کرتے تھے، آپ ان تقاریر پر غور فرماتے اور ان کے دین کو بت پرستوں کے مشرب سے کہیں بہتر سمجھتے تھے لیکن آپ کو ان پر کامل اعتماد نہیں تھا، غرضیکہ اس نہج پر قدرت آپ کو ایام طفولیت ہی میں منصب نبوت کے اعلان کیلئے تیار کر رہی تھی، ﴿سیرت الرسول:۱۴۸﴾

جنگِ فجار کا واقعہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ کے دور شباب میں ایک ہولناک جنگ لڑی گئی جس کو جنگ فجار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ نام اس لئے مشہور ہوا کہ جنگ حرمت والے مہینوں میں معرکہ آرا ہوئی، عرب کا قدیمی دستور تھا کہ وہ ان مقدس مہینوں میں جنگ وجدل سے کنارہ کش ہو کر عکاظ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں خرید وفروخت کرتے اور اپنے نسلی تفاخر کا مظاہرہ کرتے تھے، بعدازاں بتان حرم کی زیارت کے لئے نکلتے تھے، اس دوران ہر طرف امن وسکون کی فضا قائم ہوتی اور کوئی کسی سے تعرض نہیں کرتا تھا، براض بن قیس کنانی نے اس قدیم دستور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عروۃ الرحال ہوازنی کو قتل کر دیا، اس واقعہ قتل کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ بادشاہ نعمان بن منذر ہر سال حیرہ سے مشک وعنبر کا سامان دے کر ایک قافلہ عکاظ روانہ کیا کرتا تھا، قافلے کو ہدایت ہوتی کہ واپسی پر اس سامان کے بدلے میں یمن سے پوست، رسیاں اور زربفت لے کر آئے، براض کنانی نے یہ پیش کش کی کہ میں آپ کے قافلے کو اپنے قبیلے کی امداد سے منزل مقصود تک پہنچادوں گا، دوسری طرف عروۃ الرحال ہوازنی نے یہ وعدہ کیا کہ میں قافلے کو نجد کے راستے سے حجاز لے

جاؤں گا چنانچہ نعمان بن منذر نے قافلے کی قیادت کے لئے عروۃ الرحال ہوازنی کا انتخاب کیا، یہ بات براض کنانی کو ناگوار گزری، اس نے قافلے کا تعاقب کیا اور ایک مقام پر عروہ کو قتل کر کے قافلے کا ساز و سامان لوٹ لیا، اس واقعہ کے بعد ایک شخص بشر بن ابو حازم نے قریش کو اطلاع دی کہ قبیلہ ہوازن اپنے مقتول کا انتقام لینا چاہتا ہے، اس سے پہلے کہ قریش حرم کی حدود میں داخل ہوتے قبیلہ ہوازن کے خونخوار لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور جنگ فجار کا آغاز ہو گیا، قریش کسی نہ کسی طرح حرم کی حدود میں داخل ہو گئے اس لئے بنو ہوازن کو مجبوراً جنگ بند کرنا پڑی لیکن انہوں نے اگلے سال عکاظ کے میدان میں جنگ وجدل کی دھمکی دے دی، مختصر یہ کہ جنگ فجار چار سال تک جاری رہی، آخر کار اس شرط پر صلح کی گئی کہ جس فریق کا جانی نقصان کم ہوا ہے وہ فریق ثانی کے اتنے آدمیوں کا خون بہا ادا کرے چنانچہ قریش نے بنو ہوازن کے بیس اشخاص کا خون بہا ادا کر دیا، اس جنگ کے نتیجے میں براض اپنی سنگ دلی اور بے رحمی میں ضرب المثل ہو گیا، جنگ فجار کے موقع پر حضور پیغمبر نور ﷺ کی عمر مبارک پندرہ سال تھی، بعض روایات کے مطابق بیس سال تھی، ان تمام روایات میں اس طرح موافقت ہو سکتی ہے کہ چونکہ جنگ فجار چار سال تک لڑی گئی لہذا جنگ کے آغاز پر جس شخص کی عمر پندرہ سال ہو، اختتام پر ضرور بیس سال کے لگ بھگ ہو جائے گی، آپ نے اس جنگ میں اس طرح شرکت فرمائی کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر مہیا کرتے رہے، اعلان نبوت کے چند سال بعد آپ نے اس جنگ کا ذکر فرمایا: میں اس جنگ میں چچاؤں کے ہمراہ تھا، بہر حال آپ کے دست رحمت سے کوئی آدمی زخمی ہوا نہ قتل ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس قتل و غارت سے حفاظت فرمائی، آپ کی شمولیت اس حد تک تھی کہ ایک تو بنو ہوازن نے حرم اور اشہر محرم کا خیال نہ رکھتے ہوئے جنگ وقتال کا آغاز کیا، اس ابراہیمی دستور کا تحفظ ضروری تھا، پھر آپ کے تمام چچے اس میں شریک تھے، لہذا ان کا دفاع کرنا بھی ضروری تھا، شیخ ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ آپ چچاؤں کی طرف آنے والے تیروں کو روکتے تھے گویا ان کے لئے ایک مضبوط زرہ کا کام دے رہے تھے ﴿خاتم النبیین ۱:۱۵۱﴾

حلف الفضول کی روئداد:

جنگ فجار کے بعد جہاں ہوازن اپنے نقصانات کا ماتم کر رہے تھے وہاں قریش

مکہ کو بھی احساس ہو گیا کہ حضرت ہاشم اور حضرت عبدالمطلب جیسے سرداروں کے بعد ان کی قوتوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ان کی موجودگی میں کسی بیرونی قوت کو اہل مکہ پر حملہ آور ہونے کی جرات نہیں تھی، آج عرب کے قبائل اپنا تسلط جمانے کے خواب دیکھ رہے تھے، اس احساس کی تڑپ سے مجبور ہو کر بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تیم عبداللہ بن جدعان کے مکان پر اکٹھے ہوئے اور انجمن قائم کر کے یہ معاہدہ کیا کہ ہم ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کریں گے اور ظالموں سے ان کا حق واپس دلائیں گے، ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے، ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے وغیرہ، انگلستان میں نائٹ ہڈ کا آرڈر جس کے ممبر قریباً یہی اقرار کرتے تھے اس انجمن کے کئی صدیوں کے بعد قائم ہوا ﴿رحمۃ للعالمین: ۳۸﴾ حضرت ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ حلف الفضول کا باعث یہ تھا کہ یمن سے ایک شخص مکہ مکرمہ میں سامان تجارت لے کر آیا جس کو بنو سہم کے ایک آدمی عاص بن وائل نے خریدا مگر اس کی قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا، اس نے مقام حطیم میں کھڑے ہو کر فریاد کی ؎

یا آل فهر لمظلو م بضاعة ببطن مكة نائی الدار و النفر

أ قائم من بنی سهم بذمتهم ام ذاهب فی ضلا ل مال معتمر

''اے فہر قریش کی اولاد ایک دور سے آنے والے مسافر کی فریاد رسی کر جس کی پونجی ظلم اور زیادتی کے ساتھ ہتھیا لی گئی، کیا بنو سہم کا کوئی آدمی یہ ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتا، کیا حرم کعبہ میں عمرہ کرنے والے کا مال رائیگاں چلا جائے گا، اس فریاد کے اور بھی اشعار ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے، وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے، اے مکہ والو! میرے ساتھ حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے، عزت و حرمت تو کامل شرافت والے انسان کی ہے، فاجر اور دھوکے باز کی کیا عزت ہو گی، ﴿الروض الانف: ۱:۱۵۶﴾

بعض علما کے نزدیک یہ ہے کہ قیس بن شبہ سلمی کا مال ابی بن خلف نے دبا لیا تو اس نے فریاد کی، بہر حال اس کی فریاد رسی اور حاجت روائی کے لئے حضرت عباس اور ابوسفیان اٹھے اور حقدار کو اس کا حق دلایا، اس کے نتیجے میں حلف الفضول کا معاہدہ منظر عام پر آیا، بعض روایات میں وارد ہے کہ اس پردیسی کی سب سے پہلے فریاد سننے والے حضرت زبیر بن عبدالمطلب تھے، انہوں نے کہا، ہم اس کی دردناک فریاد کو نظر انداز نہیں کر سکتے، حلف

الفضول کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح ہے کہ قریش کے کچھ لوگوں نے کہا بخدا یہ فضول سا معاہدہ ہے، اس لئے اس کا نام حلف الفضول پڑ گیا، ایک روایت یہ ہے کہ ماضی میں بنو جرہم کے چند آدمیوں نے مل کر اس طرح کا معاہدہ کیا تھا جن کے نام یہ تھے، فضل بن شراعہ، فضل بن اضاعہ اور فضل بن قضاعہ، فضل کی جمع فضول ہے تو اس بنا پر اس کو حلف الفضول سے تعبیر کیا گیا، ایک روایت کے مطابق بنو جرہم کے آدمیوں کے یہ نام تھے، فضیل، فضال، مفضل اور فضل، ان ناموں کی وجہ اس معاہدے کو حلف الفضول کہا جاتا تھا، اب عبداللہ بن جدعان کے گھر اس کی تجدید ہوئی تھی جس میں رسول اللہ ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی، آپ ﷺ کا ارشاد ہے! جس حلف میں میں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر جا کر شرکت کی تھی، اس کی شرکت کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی ملتے تو میں ہرگز آمادہ نہ ہوتا، اگر اب بھی مجھے ایسے معاہدے کی طرف بلایا جائے تو میں اس کی دعوت ضرور قبول کروں گا، ﴿الوفا باحوال المصطفیٰ: ۱۷۵، مختصر سیرت الرسول: ۴۶﴾ عبداللہ بن جرعان قبیلہ بنو تیم سے تعلق رکھتا تھا، اس کی کنیت ابوزہیر تھی، یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چچازاد بھائی تھا، اسی وجہ سے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، یارسول اللہ! عبداللہ بن جدعان بڑا فیاض تھا، بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا تھا، کیا اس کو قیامت کے دن کوئی فائدہ ہوگا، آپ نے فرمایا، نہیں، اس نے تو ایک دن بھی نہیں کہا 'اے میرے رب قیامت کے دن میرے گناہ معاف فرما' ﴿اخرجہ مسلم، مختصر سیرت الرسول: ۴۷﴾ امام ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حلف الفضول ایک مقدس اور پاکیزہ معاہدہ تھا کہ اس جیسا پاکیزہ معاہدہ پہلے عربوں میں کبھی وجود میں نہیں آیا تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ نے اس مقدس معاہدے میں شرکت فرما کر اپنے اخلاص و مروت، رحمت و شفقت اور مظلوم انسانوں سے محبت اور ان کی ہر میدان میں حمایت و نصرت کا جو مظاہرہ فرمایا وہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ عہد شباب میں اعلیٰ قدروں کے عظیم علمبردار تھے، اگرچہ اس معاہدے کے محرک اول حضرت زبیر بن عبد المطلب تھے، لیکن اس میں صحیح قوت اور جان اس وقت پیدا ہوئی جب حضور اکرم ﷺ نے اس میں سرگرم حصہ لیا اور آپ کی ترغیب پر قریشی نوجوانوں کا ایک مسلح جتھہ تیار ہو گیا جو اس معاہدے کے تحت کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر وقت سر دھڑ کی بازی

لگانے کے لئے تیار رہتے تھے اور مکہ کے بڑے بڑے رئیسوں اور سرمایہ داروں کی مجال نہ تھی کہ ان کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں، اسی لئے یورپین مورخ کونستانس جیور نے حلف الفضول کے نظریے کو حضور کی طرف منسوب کیا ہے ﴿ضیاء النبی ۲:۱۲۶﴾ مورخ موصوف نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک پردیسی تاجر کی رقم ادا کرنے سے ابوجہل نے انکار کر دیا، چنانچہ آپ نے اس پردیسی تاجر کی امداد فرمائی اور ابوجہل کو بادل نخواستہ اس کی رقم ادا کرنا پڑی، مزید لکھتا ہے کہ اس جدت سے آپ نے لوگوں کے کھوئے ہوئے حقوق واپس دلانے میں ایک انقلاب برپا کردیا، ﴿نظرۃ جدیدہ:۴۱﴾ مشہور سیرت نگار جناب پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''حضور نبی کریم ﷺ اگرچہ بعثت سے قبل اپنی قوم کی مشرکانہ رسوم اور دیگر ناشائستہ حرکات اور اخلاق باختہ سرگرمیوں سے کلیۃً اجتناب فرمایا کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور اپنے معاشرے سے الگ تھلگ راہبانہ قسم کی زندگی بسر کرتے تھے، حضور اپنی قوم کی صحت منداور مفید سرگرمیوں میں فعال حصہ لیا کرتے، ان کی شادی، غمی میں شریک ہوتے، ان کی سیاسی، ثقافتی، معاشی مصروفیتوں میں موثر کردار انجام دیتے، جب کبھی سلیم الطبع لوگ اپنے معاشرے کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنے کے لئے کوئی مثبت قدم اٹھاتے تو حضور بڑی گرمجوشی سے اس میں شرکت فرماتے اور اس منصوبہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے، زندگی اور زندگی کے تقاضوں سے آنکھیں بند رکھنا حضور کی فطرت سلیمہ کو گوارا ہی نہ تھا، تجارتی کاروانوں میں دوردراز کے سفر اختیار کرنا، حلف الفضول میں شرکت اور اس کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، ﴿ضیاء النبی ۲:۱۲۶﴾

حضور اقدس ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی، اس دوران ایک اور واقعہ پیش آیا، حضرت ابن مندہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سفر شام میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی صحبت پائی ہے، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال کے تھے اور حضور اقدس ﷺ بیس سال کے، یہاں تک کہ آپ نے اس منزل میں

اقامت فرمائی جہاں بیری کے درخت تھے اور حضور اقدس ﷺ کو درخت کے سایہ میں بٹھا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک راہب کے پاس گئے جس کا نام بحیریٰ تھا اور اس سے کچھ دریافت کیا، اس کے بعد راہب نے پوچھا وہ کون شخص ہے جو درخت کے سایہ میں جلوہ افروز ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، راہب نے کہا خدا کی قسم یہ شخص نبی ہے اس لئے ہماری خبروں میں ہے کہ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہ بیٹھے گا بجز محمد مصطفیٰ ﷺ کے، اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور اقدس ﷺ کی تصدیق گھر کر گئی اور جب آپ نے اظہار نبوت فرمایا تو انہوں نے فی الفور آپ کی پیروی اختیار کی، شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر یہ قصہ صحیح ہے تو یہ سفر حضرت ابو طالب کے سفر کے علاوہ ہوگا، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۴۲﴾ یہ واقعہ مواہب لدینہ میں موجود ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

اسی طرح فضل وکمال کے انوار وآثار اور پاکیزہ صورتوں اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنا آپ کی حالت مبارکہ میں ہمیشہ برقرار رہا، حضرت ابو طالب آپ کی اس حالت مبارکہ کے مشاہدہ کرنے کی بنا پر آپ کو طبیبوں اور کاہنوں کے پاس لے گئے تو انہوں نے بتایا کہ یہ احوال وساوس شیطانی اور امراض جسمانی کی وجہ سے نہیں ہیں، محدث ابن جوزی نے ایک واقعہ بھی رقم کیا کہ بیس سال کی عمر میں آپ نے ایک دن اپنے چچا حضرت ابو طالب سے کہا، میرے پاس چند راتوں سے ایک شخص آتا ہے جس کے ساتھ دو اور آدمی ہوتے ہیں، وہ مجھے دیکھ کر کہتے ہیں، یہ تو وہی ہیں مگر ابھی ان کا وقت نہیں آیا، مجھے اس امر نے پریشان کر رکھا ہے، انہوں نے کہا اے نور نظر یہ کوئی خاص بات نہیں، بس ایک خواب ہے، چند دنوں کے بعد آپ نے پھر بتایا کہ اس شخص نے اپنا ہاتھ میرے سینے کے اندر داخل کیا تو اس کی ٹھنڈک میں اب تک محسوس کر رہا ہوں، حضرت ابو طالب آپ کو لے کر ایک طبیب حاذق کے پاس گئے، اس نے آپ کا اچھی طرح مشاہدہ کیا، مبارک قدم دیکھے اور کندھوں کے درمیان نگاہ ڈالی پھر کہا، تمہارے نور نظر بالکل ٹھیک ہیں، بلکہ یہ خود طبیب ہیں اور ان میں خیر وخوبی کے نشانات موجود ہیں، ان کا خاص خیال رکھا کریں، کہیں یہود موقع پا کر شہید نہ

کرڈالیں، ان کے پاس آنے والا آدمی کوئی جن و شیطان نہیں بلکہ نورانی مخلوق ہے﴿الوفا: ۱۷۹﴾ وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ حضور پرنور ﷺ پچیس سال کے ہو گئے، آپ حضرت خدیجہ کا مال شرکت ''بطریق مضاربت'' لے کر پھر ملکِ شام کی جانب تجارت کے لئے تشریف لے گئے، یہ اس قول کی بنا پر ہے کہ حضرت ابو طالب نے آپ سے عرض کیا، چونکہ میرے پاس اب مال بالکل نہیں رہا اور قریشیوں کا قافلہ بغرض تجارت جانے والا ہے، لہٰذا خدیجہ بنت خویلد سے جا کر کہیں، وہ قریش کی مالدار خاتون ہیں اور لوگوں کو مضاربت کے طور پر مال دے کر بھیجتی ہیں، اگر آپ ان سے خود اپنے لئے چاہیں گے تو وہ یقیناً مال تجارت آپ کو مہیا کر دیں گی اور ممکن ہے کہ اس طرح کچھ مال نفع میں حاصل ہو جائے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خود کسی ایسے امین کی متلاشی تھیں جسے وہ اپنا مال تجارت سپرد کریں اور وہ حضور اکرم ﷺ سے زیادہ کسی کو امین نہ سمجھتی تھیں، چونکہ حضور اکرم ﷺ کو تمام قریش اظہار نبوت سے قبل ''محمد امین'' کہا کرتے تھے لہٰذا انہوں نے آپ کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا مال تجارت لے کر جائیں اور اللہ تعالیٰ اس میں نفع عطا فرمائے تو جتنا مناسب خیال فرمائیں نفع وصول کر لیں، حضور سید دو عالم ﷺ نے حضرت ابو طالب کے مشورے سے ان کا پیغام قبول فرمالیا، اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا غلام میسرہ اور اپنا مخصوص آدمی خزیمہ آپ کی خدمت سفر کے لئے مامور کر دیا اور یہ تاکید فرمائی کہ خبردار ان کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرنا اور نہ ہی ان کی رائے سے انحراف کرنا، دوران سفر جب بصریٰ پہنچے تو وہاں ایک صومعہ تھا جس میں نسطورا راہب کا قیام تھا، اس نے آپ کو ایک ایسے درخت کے نیچے قیام فرما دیکھا جس کے بارے میں یہ خبر تھی کہ اس کے سائے میں سوائے نبی کے کوئی نہ بیٹھے گا اور یہ کہ وہ درخت بے برگ و بار تھا، اس کے تنے بھی بوسیدہ تھے، آپ کے بیٹھنے کی وجہ سے وہ درخت سرسبز میوہ دار ہو گیا اور اس کے ارد گرد سبزی اور شادابی پھیل گئی، نسطورا آپ کے پاس آ کر کہنے لگا، میں آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں، بتائیے آپ کا نام کیا ہے، آپ نے فرمایا، تم مجھ سے دور چلے جاؤ، کیونکہ کسی عرب نے اس سے زیادہ ناگوار اور شدید ترین بات نہیں کہی، نسطورا کے ہاتھ میں کتاب تھی جسے وہ دیکھ کر کہتا جا رہا تھا، قسم ہے خدا تعالیٰ کی جس نے حضرت عیسیٰ پر انجیل

نازل فرمائی، یہ وہی نبی آخرالزمان ہیں، ایک روایت میں ہے کہ اس راہب نے آپ کے سراقدس اور قدمین شریفین کو بوسہ دے کر عرض کیا؛

''میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تورات میں نازل فرمایا، پھر اس نے مہر نبوت کی زیارت کی، اسے بوسہ دیا اور عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے وہ رسول ہیں اور نبی امی ہیں جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عطا فرمائی تھی''۔ ﴿خاتم النبیین ۱:۱۵۹﴾

حضور اکرم ﷺ نے اپنا مالِ تجارت بصریٰ میں فروخت فرمایا اور اپنی امانت و دیانت کی وجہ سے دوسروں کی نسبت دوگنا زیادہ نفع حاصل کیا، اہل قافلہ کو بھی آپ کی برکت سے بہت فائدہ ہوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ آپ کے احوال دیکھ کر بہت حیران تھا، اس نے راستے میں بار بار یہ دل آفرین منظر دیکھا کہ جب بھی دھوپ چمکنے لگتی دو فرشتے آپ پر اپنا سایہ دراز کر دیتے۔ روایت ہے کہ تجارت کے دوران کسی شخص سے خرید و فروخت میں اختلاف ہو گیا تو اس نے کہا آپ لات وعزیٰ کی قسم اٹھائیں، آپ نے فرمایا؛ میں ان جھوٹے خداؤں کی قسم نہیں کھایا کرتا، وہ شخص بھی اس قدر متاثر ہوا کہ پکارا اٹھا، جو آپ کہتے ہیں وہی سچ ہے، واپسی کا سفر شروع ہوا تو آپ مرحلوں پر مرحلے طے کرتے ہوئے مرالظہر ان کے مقام پر پہنچے، یہاں آپ نے میسرہ کو حکم صادر فرمایا کہ تم آگے چلے جاؤ اور اپنی مالکہ کو سفر تجارت کی کامیابی کی خوشخبری سناؤ، پھر جب یہ قافلہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے بالا خانے میں تشریف فرما تھیں اور قافلے کی آمد کا نظارہ کر رہی تھیں، انہوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ کو ایک اونٹ پر سوار دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ شدید دھوپ میں دو فرشتے آپ کے سراقدس پر سایہ فگن ہیں، آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے سفر کے تمام حالات بیان کر دیئے تو وہ بہت زیادہ خوش ہوئیں، میسرہ نے بھی آپ کی عفت وطہارت، امانت ودیانت، کردار کی رفعت، اخلاق کی وسعت، معاملہ فہمی کی عادت، اہل قافلہ سے حسنِ محبت اور تجارتی مہارت کا دل کھول کر تذکرہ کیا، جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عظیم میلان اور شرح صدر کا باعث بن گیا اور انہوں نے آپ کی بارگاہ میں نکاح کی درخواست کی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی عورتوں میں اشرف وانسب تھیں،

بہت زیادہ مالدار تھیں، کثیر قریشی افراد ان کو پیغام نکاح بھیج چکے تھے مگر انہوں نے کسی کو قبول نہ فرمایا تھا، پیغام نکاح سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی، ان کے دونوں شوہر فوت ہو چکے تھے، انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے پاس اپنی ہمراز سہیلی حضرت نفیسہ کو روانہ فرمایا، پھر وہ کئی بار اس مقصد کے لئے آپ سے عرض گزار ہوئی مگر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سرمایہ نہیں، میں ان سے شادی کیسے کر سکتا ہوں، حضرت نفیسہ نے عرض کی آپ اس کی پرواہ نہ کریں، چنانچہ آپ نے پیغام نکاح قبول فرما لیا تو وہ یہ نوید جانفزا لے کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئی، ان کی مسرت و بہجت کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں تھا، انہوں نے حضور اقدس ﷺ کو دعوت پر بلایا، آپ تشریف لے گئے تو وہ کہنے لگیں، اے چچازاد! میں نے آپ کو اس لئے پیغام نکاح بھیجا تھا کہ آپ میرے قریبی رشتہ دار ہیں، قوم میں آپ کی شان بلند ہے، آپ صدق و امانت اور حسن اخلاق کی صفات سے مالا مال ہیں، جب انہوں نے ادب واحترام سے اپنی آرزو کا اظہار کیا تو آپ نے قبول فرما لیا، اس باہمی رضامندی کے باعث حضرت خدیجہ پھر عرض گزار ہوئیں کہ اب آپ اپنے عم محترم حضرت ابو طالب کو ہمارے ہاں بھیجیں، دوسرے روز حضرت ابو طالب ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا، آپ میرے چچا کے پاس جا کر ان سے اپنے بھتیجے کے لئے میرا رشتہ طلب کریں، حضرت ابو طالب نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، اس طرح دونوں طرف کے اشراف نے بیٹھ کر شادی کی تاریخ طے کر دی، تاریخ مقررہ پر مکہ مکرمہ کے رؤسا اور امراجمع ہوئے جن میں آپ کے سب نامور چچا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قابل ذکر ہیں، حضرت خدیجہ کی طرف عمرو بن اسد وکیل بنے جبکہ حضور اقدس ﷺ کی طرف سے حضرت ابو طالب نے وکالت فرمائی، نکاح کے موقع پر حضرت ابو طالب نے بہت عالیشان خطبہ پڑھا جو فصاحت عربی کا بے مثل آئینہ دار ہے؛

"اس خدائے بزرگ کی تعریف جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے معد اور مضر کے خاندان سے پیدا کیا، اپنے گھر کا محافظ اور نگہبان بنایا، اس گھر میں لوگ حج کرتے ہیں، اس نے حرم کو جائے امن قرار دیا اور ہمیں لوگوں پر برتری عطا فرمائی، میرا یہ بھتیجا محمد بن عبد اللہ ﷺ تمام انسانوں

سے بہتر اوصاف کا مالک ہے، اگر مالی طور پر کمزور ہے تو مال کی مثال ڈھلتے ہوئے سائے کی طرح ہے جو ناپائیدار ہے، اور محمد مصطفےٰ ﷺ جس کے خاندان سے تم سب لوگ آگاہ ہو، آپ کا نکاح خدیجہ بنت خویلد سے ہوا، اس کا حق مہر آجل و عاجل جتنا بھی مقرر ہوا ہے وہ میرے مال سے ادا کیا جائے گا، اس کے بعد محمد مصطفیٰ ﷺ کے حالات بہتر ہوں گے اور ان کی شان وشوکت میں اضافہ ہو گا، ﴿انوار محمدیہ:۵۵﴾

حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونے کی صورت میں مقرر ہوا، اس خطبہ مبارکہ کے بعد حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف، اس کے انعامات، قریش کے محاسن کا ذکر ہے، اس کے بعد حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے اعلان کیا، اے قریش کے سردارو! گواہ ہو جاؤ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ کر دیا ہے، اس نکاح مبارک کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی، حضرت خدیجہ کے والد جنگ فجار سے پہلے وفات پا چکے تھے، ﴿تاریخ طبری ۱:۱۹۷﴾ حضرت خدیجہ اپنے کردار کی بلندی کی وجہ سے پورے قریشی معاشرے میں طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، نہایت دریا دل، غمگسار اور اعلیٰ اخلاق کی مالک تھیں، انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے کاشانہ سعادت میں قدم رکھا تو ایک مسرت انگیز انقلاب رونما ہو گیا، انہوں نے اپنی جان و دل، مال و دولت اور ہر آرزو آپ کے قدموں پر قربان کر دی اور اس جذبے کو اپنی متاع عزیز سمجھا، حضرت ابوطالب نے حضور اکرم ﷺ کو خوش وخرم دیکھ کر کہا، **الحمد لله الذی اذھب عنا الکرب ورفع عنا الھموم**، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہم سے غم واندوہ کو دور کر دیا ہے، مفسرین کرام اس ارشاد باری، **ووجدک عائلاً فاغنیٰ** کی تفسیر یہی کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت خدیجہ کے مال سے باعتبار ظاہر آپ کو تونگر کیا ورنہ حضور اکرم ﷺ تو تمام اغنیا سے زیادہ غنی ہیں اور دونوں جہان آپ کی نظر ہمت میں مختصر اور قلیل ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۴۹﴾

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

نکاح مبارک کے بعد بھی آپ عجائب روزگار سے آگاہ ہوتے رہے، آپ فرماتے ہیں: میں نے نیند کی حالت میں دیکھا کہ جس مکان میں محو استراحت ہوں اس کی چھت اکھیڑ دی گئی ہے اور اس سے چاندی کی سیڑھی لٹکائی گئی ہے، اس کے ذریعے دو آدمی نازل ہوئے، ایک الگ ہو کر بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پہلو میں بیٹھ گیا، اس نے میری پسلی کی ہڈی اکھیڑ کر دل کو باہر نکالا اور کہا یہ بہت ہی اچھا دل ہے، ایک نیک ترین انسان کا دل ہے، احکام خدا کو پہنچانے والے پیغمبر کا دل ہے، پھر اس نے میرے دل کو اسی جگہ پر لوٹا دیا اور میری پسلی کو جوڑ کر اوپر چڑھ گئے، میں خواب سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ چھت تو ویسی ہی صحیح وسالم تھی، میں نے خدیجہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بہتر سلوک فرمائے گا اور آپ کو آفات وبلیات سے محفوظ رکھے گا ﴿الوفا: ۱۷۹﴾ حضرت خدیجہ ہر حال میں آپ ﷺ کی مونس وغمخوار تھیں، ان کے ساتھ عقد زواج بہت بابرکت ثابت ہوا، ان کے بطن اطہر سے قاسم اور عبد اللہ پیدا ہوئے، ثانی الذکر کا لقب طاہر تھا، یہ دونوں شہزادے ایام طفولیت میں وصال فرما گئے، آپ کی چار شہزادیاں حضرت سیدہ رقیہ، حضرت سیدہ زینب، حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا بھی انہی کے بطن مقدس سے پیدا ہوئیں، ان سب شہزادیوں نے عہد نبوت پایا اور مشرف باسلام ہو کر کائنات کی عورتوں کا سرمایہ افتخار ثابت ہوئیں، حضرت خدیجہ آپ کی پہلی بیوی ہیں اور ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا، ان کی زندگی میں آپ نے کسی عورت سے شادی نہیں کی، حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پیغام عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سلام پہنچائیں، یہ ان کا بہت بڑا اعزاز اور اکرام تھا۔

عہد شباب کے شمائل اور خصائل:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی عائلی زندگی بھی متانت اور سنجیدگی کا اعلیٰ شہکار تھی، آپ نے اپنے عہد شباب میں چالیس سال کی بیوہ خاتون سے شادی کر کے یہ پیغام دیا کہ یہ عمل بھی انسانی حیات میں ایک مقصدیت کا حامل ہونا چاہیے، حضور اقدس ﷺ ایسے خوش

منظر تھے کہ آپ کے چہرے سے وجاہت کے آثار نمایاں تھے، آپ متوسط القامت تھے، نہ دراز قد تھے نہ کوتاہ قامت، سر بڑا تھا اور اس پر گھنے سیاہ بال تھے، پیشانی کشادہ تھی اور بھنویں جڑی اور گھنی ہوئی تھیں، آنکھوں کی پتلیاں کالی کالی، پتلیوں کے اردگرد کی سفیدی میں تیرتے ہوئے سرخ ڈورے، لمبی اور کالی سیاہ پلکیں، ستواں ناک، داڑھی کے بال گھنے تھے، بلند اور خوش نما گردن، سینہ کشادہ، نکھرا ہوا رنگ، دست و بازو قوی اور مضبوط قدم، جب آپ چلتے تو قدم تیزی سے اٹھاتے، پیر جما کر زمین پر رکھتے تھے، آپ کے چہرے سے غور وفکر کی علامات ٹپکتی تھیں، آپ کی نگاہوں میں اس قیامت کی جاذبیت تھی کہ ہر شخص اطاعت پر آمادہ ہو جاتا، ازدواجی زندگی کے بعد اگر خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس خیال سے اپنی جائیداد کی نگرانی کا بار آپ پر نہیں ڈالا کہ آپ کو غور وفکر کے لئے اطمینان بخش وقت مل جائے تو اس میں کوئی حیرت واستعجاب کی بات نہیں ہے، آپ شادی خانہ آبادی کے بعد اقتصادی اعتبار سے مطمئن ہو گئے تھے، اہل مکہ اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر بھی آپ کو قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور آپ کا ازحد احترام کرتے تھے لیکن آپ کی نظر میں یہ باثروت زندگی درخور اعتنا نہ تھی، آپ ایزدمتعال کے فضل سے کمال کی شان استغنا کے مالک تھے، عوام سے میل جول میں آپ کو مطلق کوئی تامل نہ تھا، جس سے ملتے خندہ پیشانی سے ملتے، اہل مکہ کی نظر میں آپ کا مقام روز بہ روز بلند ہوتا جاتا تھا۔ لیکن آپ اس کے باوجود ہر ایک سے تواضع اور انسانیت سے پیش آتے تھے، کمال ذہانت اور بلند شخصیت کے باوصف عوام کی باتیں پورے انہماک سے سنتے اور ان پر غور بھی کرتے تھے، آپ نے کبھی کسی سے بے رخی نہیں برتی، جب کوئی آپ سے مخاطب ہوتا تو آپ ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے، بولتے کم تھے اور سنتے زیادہ تھے، خوش طبعی فرماتے، اور ایسی باتیں بھی سنتے جن میں مزاح کی چاشنی ہوتی لیکن کبھی زبان سے کوئی ایسی بات سننے میں نہیں آئی جو حقیقت کے منافی اور واقعہ کے خلاف ہو، کبھی آپ اس بے تکلفی کے ساتھ ہنستے کہ سامنے کے دانت نمودار ہو جاتے اور کبھی خفا ہوتے تو پیشانی پر پسینے کے قطرات جھلکنے لگتے، غصہ پی جاتے اور خفگی کی حالت میں بھی کوئی نازیبا لفظ آپ کی زبان پر نہ آتا، آپ کے اندر کمال کی حوصلہ مندی، عروج کی عالی ہمتی اور جہان کی نیکوکاری تھی، عزم راسخ اور حسن خلق دونوں آپ کی

فطرت میں داخل تھے، ان تمام شمائل و خصائل کا آپ کے ہمسایوں، دوستوں، عزیزوں غرضکہ سب کو اعتراف تھا، سبھی کو ان سے نوازا جاتا تھا، کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آپ کی عزت اور آپ کا احترام نہ کرتا تھا جس کسی کو بھی آپ سے سابقہ پڑتا وہ آپ کا مداح اور ثنا خوان بن جاتا تھا، ان عادات و خصائل سے آپ کی رفیقہ حیات ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا خصوصی طور پر بہت ہی زیادہ متاثر تھیں ﴿سیرۃ الرسول:۱۵۹﴾ لوگوں کے دلوں پر آنحضرت ﷺ کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آپ کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے بلکہ الصادق یا الامین کہہ کر پکارا کرتے تھے، ﴿رحمۃ للعالمین ۱:۳۸﴾ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی احمسا رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے میں نے آپ سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا، کچھ رقم میں نے ادا کردی اور کچھ باقی رہ گئی، میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی ابھی آکر باقی رقم ادا کردوں گا اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہ رہا، تیسرے دن جب میں اس جگہ پہنچا تو حضور اکرم ﷺ کو اس جگہ منتظر پایا مگر اس وعدہ خلافی سے آپ کے ماتھے پر اک ذرا بل نہیں آیا، بس صرف اتنا فرمایا کہ تم کہاں تھے، میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں ﴿سنن ابوداود ۲:۳۳۴﴾ حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت سے پہلے حضور میرے شریک تجارت تھے، آپ نے ہمیشہ معاملہ اتنا صاف رکھا کہ کبھی کوئی تکرار کی نوبت نہیں آئی، ﴿ایضاً ۲:۳۱۷﴾

کعبہ کی تعمیر نو کا شرف:

حلف الفضول کے بعد اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ کو کعبہ مشرفہ کی تعمیر و تشکیل کا شرف حاصل ہوا، ہوا یوں کہ ایک دفعہ زبردست سیلاب آیا، جس سے خانہ کعبہ کی عمارت گرگئی اور ٹوٹی ہوئی دیواروں سے سونے کے ہرن، دوسرے زیورات اور قیمتی جواہرات چوری ہوگئے، اس کی دیواروں پر قسم قسم کی عجیب و غریب تصویریں بنی ہوئی تھیں، ان میں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں قسمت آزمائی کے تیر تھے، اس کے بالمقابل ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویر تھی جو نشان زدہ گھوڑے پر سوار تھے، اس کے علاوہ قصی کے زمانے تک درجہ بدرجہ ان کے بیٹوں کی تقریباً ساٹھ تصویریں تھیں جن میں ہر تصویر والے کے ہتھیار، اس کی عبادت کی کیفیت اور اس کے اس مخصوص فعل کا

اظہار تھا جس کے ساتھ وہ زندگی میں مشہور تھا، اس سے پہلے بھی قریش نے کعبہ کی تعمیر اور مرمت کا قصد کیا تھا لیکن اس خیال سے کہ اس کے اندر قیمتی اور نفیس آثار کی حفاظت کے لئے حجرے نہیں تھے اور یہ خیال تھا کہ رب کعبہ اس اقدام سے غضب ناک نہ ہو جائے اور انہیں کوئی سزا نہ ملے، یہ خوف دراصل ایام جاہلیت کے دیو مالائی تصورات کا نتیجہ تھا، اس کی بنا پر اہل مکہ کو کعبہ کی مرمت اور تعمیر جدید کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا، اب سیلاب نے کعبہ کو اتنا نقصان پہنچا دیا کہ اس کی تعمیر کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا، اتفاق کی بات تھی اس زمانے میں باقوم نامی ایک رومی تاجر کی کشتی جدہ کے نزدیک طوفان کی زد میں آ کر ٹوٹ پھوٹ گئی، باقوم معمار بھی تھا اور نجار بھی، اہل مکہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے چند اشخاص کو جدہ بھیجا، ان میں ولید بن مغیرہ بھی شامل تھا تاکہ باقوم کی ٹوٹی ہوئی کشتی خرید لیں اور اس کے ساتھ کعبہ کی تعمیر و مرمت کے بارے میں گفت و شنید بھی کریں، مکہ کے اس وفد نے باقوم کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مکہ چل کر کعبہ کی تعمیر و مرمت کا کام شروع کرے، باقوم کی مدد کے لئے مکہ کے ایک قبطی کی خدمات بھی حاصل کی گئیں، یہ قبطی بھی نجاری اور معماری میں خاص مہارت رکھتا تھا، یہ بھی روایت ہے کہ تعمیر کعبہ میں وہ لکڑی استعمال ہوئی جو سمندر میں ٹوٹے ہوئے جہاز سے حاصل ہوئی تھی جس کو روم کے بادشاہ نے مصر سے حبشہ میں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرنے کیلئے بھیجا تھا، ہوسکتا ہے باقوم نامی معمار روم سے اسی مقصد کے لئے ملک حبشہ کی طرف جا رہا ہو کہ سمندری طوفان کی وجہ سے جدہ کے ساحل پر اتر آیا اور حرم کعبہ میں قیام پذیر تھا، ﴿سیرت نبویہ لابن کثیر ۱:۲۷۶﴾ جب کعبہ مشرفہ کی شکستہ عمارت کو بنیادوں کی تعمیر کے لئے مکمل طور پر منہدم کرنے کا موقع آیا تو پھر اہل مکہ کی روایتی توہم پرستی آڑے آئی، ہر کوئی یہ کام کرنے سے گھبرا رہا تھا، آخر ولید بن مغیرہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اور اپنے خدا کا نام لے کر رکن یمانی کے ایک حصے کو منہدم کیا اے اللہ! ہمیں خوف نہ دلا، اے اللہ! ہمارا ارادہ خیر کے سوا کچھ نہیں، قریش رات بھر اس اڈھیر بن میں رہے کہ دیکھیں ولید بن مغیرہ کو قدرت کی طرف سے کیا سزا ملتی ہے لیکن انہوں نے صبح کو جب دیکھا کہ وہ تو بالکل صحیح و سلامت ہے تو ان کی کمر ہمت بندھ گئی اور انہوں نے دھڑا دھڑ دیواریں مسمار کرنا شروع کر دیں، در و دیوار کے انہدام کے بعد ایک بڑا پتھر نمودار ہوا جس پر کدال کا

اثر بھی نہیں ہوتا تھا، اس پتھر کو سنگ بنیاد قرار دیا گیا، پھر آس پاس کے پہاڑوں سے نیلے پتھر جمع کر کے کعبہ مشرفہ کی تعمیر جدید کا سلسلہ شروع کر دیا، تعمیر کے آغاز پر ہی ایک بزرگ ابو وہب[1] نے کھڑے ہو کر اعلان کیا، اے گروہ قریش! کعبہ مشرفہ کی تعمیر میں اپنی حلال کی کمائی صرف کرنا، کسی بدکار عورت کی کمائی، سود کی کمائی اور کسی آدمی پر ظلم کر کے حاصل کی ہوئی کمائی ہرگز شامل نہ کرنا، ﴿سیرت نبویہ لابن کثیر ۱:۲۷۷﴾ مختلف قبائل نے ایک ایک دیوار کی تعمیر کا ذمہ لیا، مشرقی دیوار میں کعبہ مشرفہ کا دروازہ نصب ہے، اس کی تعمیر بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے سپرد ہوئی، حجر اسود سے رکن یمانی تک کا کام بنو مخزوم اور کچھ دوسرے قریشی قبیلوں نے سرانجام دیا، مغربی دیوار کی تعمیر میں بنو جمح اور بنو سہم آگے بڑھے جبکہ شمالی دیوار بنو عبد الدار، بنو اسد اور بنو عدی کے حصے میں آئی، دوران تعمیر انہیں بہت جلد احساس ہو گیا کہ ان کے پاس جمع شدہ مال کم ہے جبکہ کام بہت زیادہ ہے، چنانچہ انہوں نے باہمی مشورے سے کچھ حصہ عمارت کعبہ سے خارج کر دیا جس کو آج حطیم کے نام سے پکارا جاتا ہے، حطیم شمالی دیوار کی طرف اور مطاف کے اندر ہے، یہ حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت میں شامل تھا، حضور اکرم ﷺ بھی اس کو شامل عمارت کرنا چاہتے تھے مگر عہد جاہلیت کو گزرے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا تھا، لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لئے آپ نے یہ کام نہ کیا، البتہ بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں اس کو شامل عمارت کر لیا گیا کیونکہ اس وقت کوئی مالی پریشانی نہیں تھی۔ جب عبدالملک بن مروان نے مکہ معظمہ پر قبضہ کیا تو اس نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بنائے ہوئے کعبہ کی ضرورت نہیں، اس لئے اس نے گرا کر اسی حالت میں کر دیا جس حالت میں وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا، جب وہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوا تو حارث بن ابی ربیعہ نے بتایا کہ حضور اکرم ﷺ کی تو یہ خواہش تھی،[2] تو وہ بہت نادم ہوا، عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس

---

[1] ابو وہب حضرت عبداللہ کے ماموں تھے اور اپنی شرافت و سخاوت میں بہت مشہور تھے،

[2] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اگر یہ مشکل نہ ہوتی کہ تمہاری قوم ابھی ابھی اسلام لائی ہے تو میں بیت اللہ کی پچھلی جانب ایک دروازہ کھول دیتا اور موجودہ دروازہ زمین کے برابر کر دیتا نیز حطیم کو بیت اللہ میں شامل کر دیتا، ﴿بخاری و مسلم﴾ روایت کے مطابق پہلے پہل کعبہ مشرفہ کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے فرمائی، ایک روایت کے مطابق حضرت شیث علیہ السلام کا بھی ذکر ملتا ہے، بعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر فرمائی، پھر عمالقہ اور جرہم نے تعمیر کی، ان کے بعد قصی بن کلاب کو شرف حاصل ہوا، ان کے بعد قریش نے مل جل کر یہ کارنامہ سرانجام دیا۔

نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کے مطابق بنوانا چاہا مگر حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے امیر المومنین! خدا کا واسطہ مانیے اور بعد میں آنے والے بادشاہوں کے لئے اللہ کے گھر کو کھلونا نہ بنایئے، اس طرح لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ختم ہو جائے گی، اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تو اب یہ قریش کی تعمیر کے مطابق موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حرمت وعظمت میں اور اضافہ فرمائے۔

یہاں ایک سوال جنم لیتا ہے کہ قریش مکہ میں تو بڑے بڑے مالدار لوگ تھے، وہ چاہتے تو مل کر عالیشان محل تعمیر کر سکتے تھے، وہ کونسی غربت وافلاس نے آگھیرا تھا کہ ان کے پاس کعبہ مشرفہ کی مکمل تعمیر کیلئے رقم نہیں تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ تعمیر کعبہ میں مال حلال کی شرط نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا تھا ورنہ سود خوری، ڈاکہ زنی، قمار بازی اور چوری سینہ زوری کی دولت تو واقعی بہت زیادہ تھی، جب کام شروع ہوا تو اس کار خیر سے بھلا حضور سراپا نور ﷺ کیسے بیگانہ رہ سکتے تھے جن کی زندگی کا مقصد ہی خیر وفلاح کا فروغ تھا، آپ اپنے چچا حضرت عباس کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے، آپ کے مبارک کندھوں پر پتھروں کی خراشیں پڑ گئیں لیکن پھر بھی ذوق محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، جب دیواریں بلند ہو گئیں اور حجر اسود کے نصب کا موقع آ گیا تو پھر جاہلی عصبیت نے کرشمہ دکھایا، وہ قبائل جو باہمی تعاون سے خدا تعالیٰ کا گھر تعمیر کر رہے تھے، باہم

دست وگریبان ہونے لگے، ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کی تنصیب کا اعزاز اسے حاصل ہو، ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حجر اسود جنت سے نازل ہوا ہے، اس وقت دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حجر اسود اور رکن یمانی جنت کے دو یاقوت ہیں، اگر ان کی روشنی مٹائی نہ جاتی تو یہ مشرق اور مغرب تک روشنی پھیلاتے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۶﴾ بنو عبدالدار سب سے زیادہ جذباتی تھے، انہوں نے خون کے ایک پیالے میں ہاتھ ڈبو کر اعلان کیا کہ وہ اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے، مسلسل چار پانچ دن تک صورت حال بہت خطرناک رہی، آخر ایک دن ابوامیہ بن مغیرہ نے کہا، اے گروہ قریش!

اس نزاعی معاملے میں اس شخص کا فیصلہ قبول کرلو جو کل سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے اندر داخل ہو، اس فیصلے پر سب نے اتفاق کرلیا، ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے یہ اعزاز کس کو نصیب ہوتا ہے، پھر صبح ہوئی تو سب سے پہلے باب بنی شیبہ کے راستے سے حضور پیغمبر نور ﷺ خراماں خراماں صحن حرم میں داخل ہوئے، آپ کے چہرہ اقدس کو دیکھ کر ہر انسان خوش ہوگیا یہاں تک کہ ایک بزرگ نے فرط انبساط سے مغلوب ہوکر نعرہ بلند کیا، **هذا الامين رضينابه حكما هذا محمد**، یہ دیکھو، امین تشریف لے آئے، ہم سب ان کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ محمد ﷺ ہیں، ﴿سیرت ابن ہشام ۱: ۲۱۴﴾

پھر سب نے آپ کے فیصلے پر عملدرآمد کا یقین دلایا تو آپ نے اپنی چادر زمین پر بچھادی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے درمیان رکھ دیا، اس کے بعد آپ نے قریش کے سرداروں کو حکم دیا کہ اس چادر کو پکڑو اور اس مقام پر لے آؤ جہاں حجر اسود کو نصب کرنا ہے، قریش کے وہ سردار یہ تھے، عتبہ بن ربیعہ، اسود بن مطلب، ابوحذیفہ بن مغیرہ، قیس بن عمرو اور قیس بن عدی، جب وہ مقام نصب پر پہنچے تو آپ نے حجر اسود کو پکڑ کر اس کے مقام پر اچھی طرح جمادیا، جاہلی معاشرے میں یہ وہ فیصلہ تھا جس کو سب قبائل نے قبول کیا کیونکہ وہ اپنے سرداروں کے ذریعے سے حجر اسود کی تنصیب میں شریک ہوگئے تھے اور کوئی بھی اس سعادت ازلی سے محروم نہیں ہوا تھا، اس طرح یہ نزاع بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا، قریش کے بعض لوگ اس بات پر حیرت زدہ تھے کہ ہمارے بڑے بڑے عمر رسیدہ، شرفا اور زعما پر تعجب ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنے سے کم عمر اور قلیل المال شخص کو اپنا حکم مقرر کیا اور پھر اس کے فیصلے پر مطمئن ہوگئے، لات اور عزیٰ کی قسم یہ نوجوان ضرور ان پر سبقت لے جائے گا اور ایک دن ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرے گا، بلاشبہ یہ آغاز اس کے عظیم الشان انجام کا غماز ہے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۳﴾ تعمیر کعبہ کا کام پھر زور وشور سے شروع ہوگیا، اہل مکہ اپنے تہبند کھول کر پتھروں کے نیچے کندھوں پر رکھ لیتے تھے اور ایک دوسرے کے سامنے برہنہ پھرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے بھی حضرت عباس کے مشورے پر اپنا تہبند اتار کر دوش مبارک پر رکھا تو اسی وقت زمین پر گر پڑے، ساتھ ہی کسی کی آواز سنائی دی، آپ اپنے ستر کا خیال رکھئے، آپ نے فوراً اپنا تہبند

پہن لیا، یہاں یہ عرض کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ تہبند کھول لینے کے باوجود آپ کے جسم انور پر آپ کی قمیض موجود تھی، جو عربوں کے عام لباس کے مطابق ٹخنوں تک لٹکی ہوئی تھی، قمیض نہ ہوتو تہبند اتارنے سے عریانی لازم آتی ہے۔ اس لئے آپ کا جسم مبارک تو ہرگز ننگا نہ ہوا تھا، پھر ہاتف غیبی کی طرف سے یہ تنبیہ کیسی تھی۔ چونکہ آپ مشقت طلب کام کر رہے تھے، جسم انور پر صرف قمیض رہتی تو اٹھتے اور بیٹھتے وقت ستر عورت کے عریاں ہونے کا امکان تھا، اللہ تعالیٰ جو بچپن سے ہی اپنے محبوب کا مربی ہے، اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اس کا محبوب ایسے لباس میں ہو جہاں کسی صورت میں بھی عریانی کا امکان تک بھی پایا جاتا ہو، لہذا اس نے تہبند نہ اتارنے کا حکم دے دیا، اس واقعے سے معلوم ہوا کہ عصمت ربانی ہر قدم پر محبوب خدا ﷺ کے ہمراہ تھی، جو آپ کو پوری نسل انسانی سے ممتاز کر رہی تھی۔

جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہوئیں تو مکہ والوں نے چھ ستونوں پر چھت ڈال دی، پہلے کعبہ مشرفہ کو قباطی کا غلاف دیا جاتا تھا، پھر یمنی چادروں کا غلاف اور پھر ریشم کا غلاف دیا جانے لگا، بیت اللہ کا دروازہ بہت اونچا کر دیا گیا تا کہ کوئی ان کی مرضی کے خلاف اندر نہ جاسکے، جب کوئی ان کی مرضی کے بغیر داخل ہونا چاہتا تو اس کو سیڑھیوں پر چڑھنے دیتے، دروازے کے قریب پہنچتا تو دھکا دے کر نیچے گرا دیتے تھے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۵۳﴾ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے پہلے بیت اللہ انسانی قد سے کچھ اونچا صرف رضم تھا، سہیلی کہتے ہیں کہ گارا استعمال کیے بغیر پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر جوڑ دینے کو رضم کہتے ہیں اور انسانی قد سے اونچا کہہ دینے سے بیت اللہ کی بلندی کا صحیح اندازہ معلوم نہیں ہوتا، ہاں دوسروں نے لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے دیواریں نو ہاتھ اونچی تھیں اور ان پر چھت نہیں تھی، جب اسلام سے پہلے قریش نے از سر نو تعمیر کیا تو دیواروں کی بلندی نو ہاتھ اور زیادہ کر دی، اس گھر کی وجاہت اس قدر مسلمہ ہے کہ اس کا طواف ہمہ وقت جاری رہتا ہے، حتی کہ جس دن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما صحن حرم میں شہید ہوئے اور سخت لڑائی کی وجہ سے لوگ اپنی جانوں کی فکر میں دبکے ہوئے بیٹھے تھے اور کسی انسان کو طواف کرنے کی جرات نہیں تھی، تب بھی ایک اونٹ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا گیا، بیت اللہ کے ارد گرد مسجد حرام ہے، سب سے پہلے مسجد حرام کی عمارت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بنائی،

اس کا سبب یہ تھا کہ لوگوں نے کعبہ مشرفہ کے چاروں طرف مکان بنا لیے اور اس کا صحن اتنا تنگ کر دیا کہ نمازیوں اور طواف کرنے والوں کے لئے عبادت کرنا مشکل ہو گیا، چنانچہ انہوں نے فرمایا، کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اس کے گھر کیلئے کشادہ صحن ضروری ہے، تم لوگوں نے اس کی حدود میں داخل ہو کر اسے تنگ کر دیا ہے، وہ تمہارے گھروں کی حدود میں داخل نہیں ہوا، پھر مالکوں سے وہ تمام مکانات قیمتاً خرید لئے اور ان کو گرا کر کعبہ کے اردگرد مسجد بنا دی جو بیت اللہ کو محیط ہے، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کچھ اور مکانات مہنگے داموں خرید کر مسجد حرام میں توسیع کی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے توسیع تو نہیں کی البتہ مسجد کے استحکام میں پوری کوشش کی، اس میں سنگ مرمر کے ستون بنوائے اور دروازوں کی تعداد میں اضافہ کیا اور اس کے حسن و جمال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں مسجد کی دیواریں پہلے سے اونچی کی گئیں اور اس کے ستون سمندر کے راستے جدہ لائے گئے، وہاں سے چھکڑوں میں لاد کر مکہ مکرمہ پہنچائے گئے، نیز اس کی ہدایت پر حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو ریشم کا غلاف پہنایا، یہ زبیر بن بکار کا بیان ہے، جب ولید بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے اس کی تحسین میں خوب اضافہ کیا، عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور اور اس کے بیٹے محمد مہدی عباسی نے بھی مسجد حرام کے استحکام اور اس کی تحسین و تزئین میں نمایاں حصہ لیا۔ ﴿الروض الانف﴾ بعد ازاں تمام عالم اسلام کے بادشاہوں نے اپنے اپنے زمانے میں اس عظمت و منزلت والے گھر کی خدمت کی بالخصوص ترکی اور سعودی حکومتوں میں بے مثال کارنامے سرانجام دیئے گئے، جلالۃ الملک شاہ فہد نے اربوں ریال خرچ کر کے مسجد حرام کو حسن و زیبائی کا وہ شہکار بنا دیا کہ انسانی عقل حیرت زدہ ہے، ۱۴ ستمبر ۲۰۰۰ء بروز منگل یہ فقیر بینوا رکن یمانی کے سامنے صحن حرم میں حاضر تھا اور بے قرار لبوں پر یہ نظم جاری تھی:

کعبہ دیں، قبلہ اہل یقیں — تیری صورت ہے ہدیً للعالمین
طلعتِ سرِّ خدا تیرا وجود — عظمتِ اہل ہدا تیرا شہود
تو بنائے ابراہیم و اسماعیل — مہ لقائے وحدت رب جلیل
آدم و نوح و کلیم آئے یہاں — عیسیٰ و داؤد کر لائے یہاں

تو ہے محبوب امام المرسلین تو مطاف انبیاء و صالحین
تیری عظمت میں نہاں اسلام ہے توخدا کا دلنشیں انعام ہے
تیرے مینارے فلک کی آرزو تیرے لشکارے زمیں کی آبرو
میں مسافر اور تو منزل مری تجھ پہ قرباں ہے متاعِ دل مری
تیری جانب سجدہ روہیں قافلے تجھ کو دیکھا تو کٹے سب فاصلے
میں ہوں پروانہ تو ہے شمعِ حیات میں ہوں دیوانہ تو ہے حسنِ نجات
آسما جا تو نظر میں، جان میں آچھپا جا مجھ کو اپنی شان میں
تو ہے تسکینِ دلِ ہر مبتلا مرحبا صد مرحبا صد مرحبا
تیرے اندر ہیں نشاناتِ رفیق تو حرم ، تو رکن، تو بیت العتیق
تیرے پہلو میں صفا مروہ بسے تیری دھرتی سے ترا زم زم رسے
تیرے آنگن میں مقام ابراہیم تیرے دامن میں دل دریتیم
تیرے دروازے جناں کے راستے تیرے سب قریے جہاں کے واسطے
تیری چھت پر رحم کا میزاب ہے جس کے دم سے جان ودل سیراب ہے
تیری خوشبو سے ملی خوشبوئے یار تا قیامت شاد باد اے کوئے یار
زندہ باد اے دولتِ اسلامیان زندہ باد اے شوکت ایمانیان
حمدِ باری سے فضا معمور ہے جامِ حق سے ہر ادا مخمور ہے
حجرِ اسود دست قدرت کا ظہور چوم کر جس کو مٹے سب کا [illegible]ور
چومنے کا عکس استیلام ہے عفوو رحمت کا حسیں پیغام ہے
وہ ترا رکن یمانی واہ وا نور کی دلکش نشانی واہ وا
تیری وحدت میں نہاں عرب وعجم تیری چاہت میں مری آلِ حرم
تیرے سر پہ رحمتیں ہیں بے شمار قدسی آتے ہیں قطار اندر قطار
اہلِ عرفان ،اہلِ ایقاں، اہل دین تجھ پہ قرباں ہیں سب ارباب یقین
توہے توحیدِ خدا کا راز دار تیری طلعت سے خودی ہے تابدار
تیرے فرزند آج بھی ہوں کامیاب کفر کا زورا ہے شر ہے بے حساب

اس غلام زار کو ساحل ملے　　جس میں عشق یار ہو وہ دل ملے

ہبیرہ بن وہب کا حسنِ عقیدت:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی دلنواز صورت اور دل آویز سیرت سے وادی ام القریٰ کا ہر فرد بشر از حد متاثر تھا، حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر تمام لوگ آپ کی دانش و بینش کے مزید گرویدہ ہو گئے، قبیلہ مخزوم کے ایک قادر الکلام شاعر ہبیرہ بن وہب نے کچھ اس طرح اپنے حسن عقیدت کا اظہار کیا کہ ساری قوم کی امیدوں کا ترجمان بن گیا:

تشاجرت الا حیاء فی فصل خطة　　جرت بینهم بالنجس من بعد اسعد

فلما راینا الا مر قد جد جده　　ولم یبق شی غیر سل المهند

رضینا قلنا العد ل اول طالع　　یجی من البطحا من غیر مو عد

ففا جانا هذا الا مین محمد　　فقلنا رضینا باالامین محمد

بخیر قریش کلها امس شیمة　　وفی الیوم مع مایحدث الله فی غد

فجا ء بامر لم یر ی الناس مثله　　اعم وارضیٰ فی العواقب والبدء

وکل رضینا فعله، وصنیعه　　فاعظم به من رای ها د و مهتد ی

وتلک یدمنه علینا عظیمة　　یر وح لها هذا الزمان و یغتدی

ترجمہ: جب ایک بات پر قبائل میں اختلاف رونما ہوا جس کی وجہ سے وہ سعادت کے بعد نحوست کا شکار ہو گئے، جب ہم نے دیکھا کہ معاملہ بگڑ گیا ہے اور تلوار کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تو ہم اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو صبح حرم میں داخل ہو گا وہی انصاف کرے گا، پھر اچانک وہ آیا جس کا نام امین ہے، ہم سب راضی ہو گئے اس امین کے ساتھ، محمد کے ساتھ، وہ اپنی صورت و سیرت میں قریش سے بہتر ہے، اور کل جو اس پر اللہ کی مہربانیاں ہوں گی ہمارے اندازوں سے باہر ہیں، اس نے ایسا فیصلہ کیا کہ لوگوں نے اس کی مثال نہیں دیکھی، ہم اس کے شاندار عمل پر راضی ہو گئے، واہ اس ہادی اور مہدی کا فیصلہ کتنا عظیم ہے، ہم پر یہ اس کا عظیم احسان ہے جو آج اور کل ہمیشہ سلامت رہے گا،

﴿سیرت ابن ہشام ۱: ۲۱۴﴾

زید بن حارثہ کا واقعہ:

بعثت محمد یہ سے پہلے آپ ﷺ کے مکارم اخلاق کو دیکھنے کے لئے حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ پیش نگاہ ہونا چاہئے، حضرت زید بن حارثہ کعبی اپنی والدہ سعدیٰ کے ساتھ اپنے ننھال آئے ہوئے تھے، بنوقس کے بدقماش سواروں نے ان کا سامان لوٹ لیا اور حضرت زید کو اٹھا کر لے گئے، بعد ازاں انہیں عکاظ کے بازار میں چار سو درہم کے عوض فروخت کر دیا، خریدنے والا حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا حکیم بن حزام تھا، اس نے حضرت زید کو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا، پھر حضور پیغمبر نور ﷺ کے ساتھ عقد نکاح ہوا تو انہوں نے اس ہونہار غلام کو آپ کی بارگاہ اقدس میں پیش کیا تاکہ ہمیشہ آپ کی خدمت کرتا رہے لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا، آپ ان کے ساتھ بہت محبت و رحمت کا مظاہرہ فرماتے تھے، ادھر حضرت زید کے والد ان کی تلاش میں سرگردان تھے، انہوں نے اپنے فرزندِ گم گشتہ کے فراق میں دردناک قصیدہ لکھا جسے پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے:

ترجمہ: میں زید کے ہجر و فراق میں گریہ زن ہوں، کیا خبر وہ زندہ ہے یا موت کی آغوش میں سو چکا ہے، جب سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے تو اس کی یاد میرے قلب حزیں کو تڑپانے لگتی ہے، جب صحرا کی ہوائیں چلتی ہیں تو میری آتشِ شوق کو بھڑکاتی ہیں، آہ اس کے متعلق میرے اندیشوں کا سفر کتنا طویل ہے، میں اپنی تیز گام اونٹنی کو دوڑاتا رہوں گا، نہ میں تھکوں گا اور نہ میری اونٹنی تساہل کا شکار ہوگی، مجھے اپنی حیات کی قسم میں یہ سفر تلاش خوب جاری رکھوں گا یہاں تک کہ میری زندگی تمام ہو جائے، ہر انسان فانی ہے اگرچہ وہ امید کے فریب میں مبتلا رہے ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۲۶۶﴾

جب جدائی کی طویل رات ڈھلنے لگی تو وصل کے لمحات قریب آ گئے، قبیلہ بنی کلب کے لوگ بیت اللہ کے حج کے لئے آئے ہوئے تھے، حضرت زید نے ان کو پہچان لیا اور اپنے باپ کے نام پیغام بھیجا، میری رگ و پے میں اپنی قوم سے ملنے کا اشتیاق ہے، مگر میں ایسے گھر میں سکونت رکھتا ہوں جہاں کریم النفس لوگ رہتے ہیں، بنی کلب کے لوگوں نے

حضرت زید کے والد کو بتایا تو وہ اپنے بھائی کعب کو لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی، آپ ہمارے لخت جگر کو آزاد کر دیجئے، آپ نے فرمایا: اپنے لخت جگر سے پوچھ لو، وہ جانا چاہتا ہے تو ساتھ لے جاؤ، میں تم سے کوئی فدیہ نہیں لوں گا، ورنہ تمہیں اس کو مجبور نہیں کرنا چاہئے، پھر حضرت زید کو پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں ایسا بیوقوف نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے سایہ کرم کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ چلا جاؤں، حضور ہی میرے باپ ہیں اور حضور ہی میرے چچا ہیں، والد نے کہا، اے زید افسوس تو نے آزادی پر غلامی کو ترجیح دی، تجھے کیا ہو گیا ہے، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ وہ جس مجسم خلق عظیم کے دامن میں پناہ گزین ہے، دنیا کے ہزاروں والدین کی رحمتیں اس کی ایک نگاہ رحمت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، پھر وہ مایوس ہو کر چلے گئے، ادھر حضور اکرم ﷺ نے کمال الطاف وعنایت سے حضرت زید کو اپنا فرزند بنا لیا، لوگ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارنے لگے۔

بعثت محمدیہ کے دن آہستہ آہستہ قریب آ رہے تھے، کائنات ارضی وسماوی کی بیقراریاں پورے عروج پر تھیں، پردہ غیب سے نو بہ نو واقعات کا ظہور ہو رہا تھا جن کی آڑ میں ایک عالمگیر انقلاب کی چاپ سنائی دے رہی تھی، ام القریٰ کے سرمئی پہاڑوں کی چوٹیاں اذانِ حق کی آواز سننے کے لئے دم بخود تھیں، چند ایک واقعات سے اپنے دل ودماغ کو تازہ کیجئے:

قیصر روم کا ناپاک ارادہ:

حضور پیغمبر نور ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے کچھ افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی قوم کی اخلاقی پستی، بت پرستی اور شرک نوازی کو نہایت برا سمجھا، ان میں ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو کے نام بہت مشہور ہیں، انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ تلاش حق کے لئے مختلف ممالک کی سیر کریں اور کہیں سے نور ہدایت لا کر اپنی قوم کے اندھیروں کو روشن کر دیں، چنانچہ اس سلسلے میں عثمان بن حویرث نے قسطنطنیہ جا کر قیصر روم کے دربار میں رسائی حاصل کر لی، قیصر روم نے اس کو خوب نوازا، اس کی ایک سیاسی وجہ تھی، قیصر روم چاہتا تھا کہ جس طرح یمن میں اس کا گورنر کام کر رہا ہے اس طرح مکہ مکرمہ میں بھی اس کا گورنر فائز ہو جائے تاکہ مکہ مکرمہ کی تجارتی مرکزیت سے دنیائے عیسائیت کو فائدہ حاصل ہو، چنانچہ اس نے عثمان بن حویرث کو بہت سا مال واسباب دے کر

بھیجا تاکہ وہ امرائے قریش کے ضمیر خریدے، اس نے مکہ مکرمہ پہنچ کر خزانوں کے منہ کھول دیئے، اس سازش کا علم حضور اکرم ﷺ کو ہوا تو آپ نے عزم صمیم کے ساتھ اپنی قوم کی غیرت وحمیت کو للکارا اور اپنی خداداد فراست سے قیصر روم کے ناپاک ارادوں سے پردہ ہٹایا تو ساری قوم کی آنکھیں کھل گئیں، حضور پیغمبر حریت ﷺ اگر بروقت یہ اقدام نہ فرماتے تو مکہ مکرمہ پر رومی اقتدار کا غلبہ ہو جاتا اور صدیوں سے آزادی کا سانس لینے والی قوم غلامی کی تاریک رات میں ڈوب جاتی، اس واقعہ سے حضور اکرم ﷺ کی سیاسی، معاشرتی اور قومی بصیرت کا اعتراف ہر پیر و جوان نے کیا اور آپ کے طرز فکر اور اوج شعور پر تحسین وآفرین کے پھول برسائے۔

جِنوں اور شیطانوں پر پابندی:

حضرت امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ یہودی عالموں، عیسائی راہبوں اور عربی کاہنوں نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ ﷺ کے زمانے کے نزدیک آنے کی خبریں دینی شروع کیں، یہودی عالم اور عیسائی راہب تو اپنی کتابوں میں پڑھ کر خبر دیتے تھے کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی اور آپ کے زمانے کی صفات واضح طور پر مذکور تھیں نیز ان کے انبیا نے بھی عہد بعہد آپ پر ایمان لانے کی اپنے اَتباع کو وصیت کی تھی، البتہ عربی کاہنوں کا انحصار زیادہ تر جنوں اور شیطانوں کی فراہم کردہ خبروں پر تھا اور آپ ﷺ کی آمد کے متعلق اشارہ کرتے تھے مگر عرب اپنی جہالت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نبی بن کر مبعوث ہو گئے، اس وقت کاہنوں کی بعض باتوں کی صداقت دیکھ کر سوچنے پر مجبور ہوئے، جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کا زمانہ مبارک قریب آ گیا تو شیاطین کے چھپ کر سننے پر پابندی لگا دی گئی اور جہاں بیٹھ کر وہ خبریں سنتے تھے اس پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا، اب اگر کوئی وہاں جاتا تو آگ کے شعلے سے بھسم کر دیا جاتا، شیاطین یہ دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچے کہ زمین پر کوئی نیا حادثہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم پر سختی نازل ہوئی ہے، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ اہتمام وحیِ الٰہی کے لئے کیا گیا تاکہ وہ بحفاظتِ تام اپنے مقام پر پہنچے اور درمیان میں کسی طرح کی ملاوٹ اور شبہ کا امکان باقی نہ رہے، سہیلی لکھتے ہیں کہ ابنِ اسحاق نے جو کچھ کہا ہے درست ہے لیکن اس کا یہ

مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کبھی شعلے پھینکے نہیں گئے، شعلے قدیم زمانے میں بھی پھینکے جاتے تھے اور اس کا ذکر جاہلیت کے قدیم شعرا کے کلام میں ملتا ہے، عبدالرزاق نے ابنِ شہاب سے روایت کی ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ ستاروں کا ٹوٹنا، چنگاروں کا پھینکا جانا جاہلیت میں بھی تھا، انہوں نے اس کا جواب اثبات میں دیا اور کہا جب اسلام آیا تو ان میں شدت اور سختی پیدا ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وانا لمسنا السمآء فوجدنٰھا ملئت حرساً شدیداً و شھباً، یعنی ہم نے آسمان کی پڑتال کی تو اس کو بہت زیادہ پہرے داروں اور چنگاروں سے بھرا ہوا پایا، ﴿سورۃ الجن: ۸﴾ میں بھی اس کی دلیل ہے، کیونکہ حرست یعنی محفوظ کیا گیا نہیں کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے گاہے گاہے چنگارے پھینکے جانے کے واقعات ہو جاتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو آسمان کو بہت زیادہ پہرے داروں اور چنگاروں سے بھر دیا گیا تا کہ شیطان آسمان سے دور رہیں اور ان کے لئے چھپ کر چوری بات سننے کا امکان نہ رہے، یہ سختی زمانہ نبوت تک جاری رہی، اس کے بعد وہ سختی نہیں رہی کیونکہ بعض زمانوں میں اور بعض جگہوں پر شاذ و نادر اس کا وجود پایا جاتا ہے، کسی نے کہا کہ بعض اوقات تو ان کی بات سچی ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں ویسا ہی ہو جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، وہ کلمہ حق ہے جو کوئی جن آسمان سے اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے، جس طرح مرغی اپنے چوزوں کے کان میں آواز ڈال دیتی ہے، پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۱۸﴾ ابنِ سلام نے اپنی تفسیر میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کیا کہ جب چنگارا پھینکا جاتا ہے تو وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے، جو چیز اس نے چرائی ہوتی ہے اس کو ختم کر ڈالتا ہے مگر اس کو قتل نہیں کرتا، لیکن حسن کہتے کہ چنگارا اس کو آنکھ جھپکنے سے پہلے قتل کر دیتا ہے، ﴿ایضاً: ۱۱۹﴾

ابولہیب کا بیان:

ابو جعفر عقیلی نے اپنی تصنیف کتاب الصحابہ میں بنولہب کے ایک آدمی ابولہیب کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا، آپ ﷺ کے پاس کہانت کا تذکرہ ہوا تو میں نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہم نے چنگارے پڑنے سے سب سے پہلے معلوم کر لیا تھا کہ آسمان پر پہرے لگا دیئے گئے ہیں اور

جنوں اور شیطانوں کو آسمان کی بات چوری سننے سے روک دیا گیا ہے، واقعہ یوں ہوا کہ ایک دن ہم اپنے کاہن کے پاس حاضر ہوئے، اس کا نام خطر بن مالک تھا، اس وقت اس کی عمر ۲۸۰ برس تھی اور وہ سب کاہنوں کا استاد تھا، ہم نے اس سے پوچھا، اے خطر! تمہیں ان ستاروں کے ٹوٹنے کا بھی کچھ علم ہے، ہم تو ان سے بہت زیادہ خوف زدہ ہیں اور ان کے انجام بد سے ڈرتے ہیں، وہ کہنے لگا، سحری کے وقت آنا، اس وقت تمہیں بتاؤں گا ان کا انجام اچھا ہے یا برا، امن کے لئے ہے یا حذر کے لئے، اس کے کہنے پر اس وقت تو ہم چلے گئے، دوسرے دن سحری کے وقت اس کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا آسمان کی طرف گھور رہا ہے، ہم نے اس کو آواز دی اور اپنے آنے سے آگاہ کیا، اس نے اشارے سے کہا خاموش رہو، تھوڑی دیر کے بعد آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ٹوٹا تو کاہن اونچی اونچی آواز سے چیخنے لگا اس کو چوٹ لگ گئی، اس کو سزا مل گئی، اس کو عذاب نے جلدی پکڑ لیا، چنگارے نے اس کو جلا دیا، اس کی بات ختم ہوئی، اس کا کیا حال ہوا، غم نے اس کو پریشان کر دیا، فساد نے اس پر دوبارہ حملہ کر دیا، اس کے تمام جوڑ کٹ گئے اور تمام حالات بگڑ گئے، پھر دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا:

یا معشر بنی قحطان اخبر کم بالحق والبیان

اقسمت بالکعبۃ والارکان والبلد المو تمن السدان

قد منع السمع عتاۃ الجان بثاقب بکف ذی سلطان

من اجل مبعوث عظیم الشان یبعث بالتنزیل والقرآن

وبالھدیٰ وفاصل الفرقان تبطل عبادۃ الاوثان

ترجمہ: اے گروہ بنو قحطان! میں تم کو ایک سچی اور واضح بات بتاتا ہوں، میں کعبہ اور اس کے ارکان کی اور اس شہر کی جس کے خادم بہت امانت دار ہیں، قسم کھا کر کہتا ہوں، شریر جنوں کو آسمان کی بات سننے سے منع کر دیا گیا ہے، ایک چمکدار ستارے کے ذریعے، جس کو طاقت ور فرشتہ اپنے ہاتھ سے پھینکتا ہے، ایک عظیم الشان نبی کی وجہ سے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ قرآن لے کر آیا ہے، وہ ہدایت اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب لے کر آیا

ہے جس سے بتوں کی عبادت باطل ہو جائے گی۔

میں نے کہا اے خطر! تجھ پر افسوس' تو نے ایک بری بات کہی ہے، تو اپنی قوم کی فلاح کس میں دیکھتا ہے وہ کہنے لگا، میں اپنی قوم کے لئے وہی چیز مناسب سمجھتا ہوں جو اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں، ان یتبعوا خیر نبی الانس، وہ یہ کہ انسانوں کے بہترین پیغمبر کی اتباع کریں، محکم کتاب لے کر جس میں کوئی ملاوٹ نہیں، جس کی دلیل سورج کی شعاع کی طرح روشن ہے، حمس کے شہر مکہ میں مبعوث ہوگا، ہم نے پوچھا اے خطر! وہ کون ہے، بولا زندگی اور بقا کی قسم وہ قبیلہ قریش سے ہوگا، اس کی عقل میں فتور نہیں ہوگا اور نہ اس کے جسم میں کوئی نقص ہوگا، وہ بنو قحطان اور آل ایش[1] کا عظیم الشان لشکر لے کر آئے گا، ہم نے پوچھا وہ قریش کے کس خاندان سے ہوگا، بولا قسم ہے ستونوں والے گھر کی اور قسم ہے رکن اور سایہ دار درختوں کی' وہ ہاشم کی اولاد میں سے ہوگا اور عزت والے سرداروں کی جماعت میں سے ہوگا، اس کو لڑائیوں کی اجازت دے کر بھیجا جائے گا اور وہ ہر ظالم کو قتل کرے گا، پھر کہنے لگا یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جو مجھے جنوں کے سردار نے بتائی ہے، پھر کہا، اللہ اکبر، حق آ گیا اور ظاہر ہوا اور جنوں سے آسمان کی خبر منقطع ہوگئی، پھر وہ خاموش ہو گیا اور اس پر غشی طاری ہوگئی، تیسری رات گزرنے کے بعد ہوش میں آیا اور کہا لا الہ الا اللہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس نے ایک نبی جیسی بات کہی ہے اور وہ قیامت کے دن اکیلا ایک امت کے قائم مقام اٹھے گا ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۲۰﴾

سواد بن قارب کا ذکر:

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں، ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس سے ایک آدمی گزرا کسی نے کہا' امیر المومنین! اس گزرنے والے آدمی کو آپ جانتے ہیں، آپ نے پوچھا' وہ کون ہے، حاضرین نے کہا یہ سواد بن قارب ہے جس کو اس کے ہمراز جن نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی خبر دی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس

---

[1] بنو قحطان سے مراد انصار ہیں اور آل ایش سے مراد ممکن ہے مسلمان جنوں کا کوئی قبیلہ ہو اور ایش کی طرف منسوب ہو، اگر ایسا نہیں تو یہ ایک عجیب طرح کی مدح ہے، کہتے ہیں فلاں ایش ھو وابن ایش ہو، فلاں کیا شے ہے اور کس شے کا بیٹا ہے، یعنی بہت بڑا ہے اور بہت بڑے آدمی کا بیٹا ہے، ایش، ای شے کے معنی میں ہے،

کو بلا بھیجا اور کہا تم سواد بن قارب ہو، بولا جی ہاں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، تمہیں تمہارے ہمراز جن نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر دی تھی، کہنے لگا، جی ہاں، آپ نے پھر پوچھا، تم ابھی تک کہانت کا کام کرتے ہو، یہ سن کر وہ ناراض ہو گیا اور بولا، اے امیر المومنین! میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی نے مجھ سے ایسی بات نہیں کہی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا، اس میں تعجب کیا ہے، جس شرک میں ہم مبتلا تھے وہ تمہاری کہانت سے بڑا تھا، پھر آپ نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ کے ظاہر ہونے کے بارے میں اپنے ہمراز جن کی خبر سناؤ، بولا ہاں، امیر المومنین سنئے، میں ایک رات سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا کہ میرا ہمراز جن آیا اور اپنا پاؤں مار کر کہنے لگا، اے سواد بن قارب! اٹھ اور میری بات سن اور اگر سمجھتا ہے تو سمجھ، قبیلہ لوئی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے، پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

عجبت للجن و تطلا بها وشدها العيس باقتابها

تهوى الى مكة تبغي الهدىٰ ماصادق الجن ككذابها

فارحل الىٰ الصفوة من هاشم ليس قدا ماها كا ذنا بها

ترجمہ: مجھے جنوں پر اور ان کے تلاش کرنے پر اور اپنی اونٹنیوں پر کجاوے کسنے پر تعجب ہوا، وہ ہدایت کی تلاش میں مکہ معظمہ جا رہے ہیں اور سچا جن جھوٹے جن کی طرح نہیں ہے، تو بھی بنو ہاشم کے برگزیدہ انسان کی طرف چل، بعد کے آنے والے پہلوں کی طرح نہیں ہو سکتے۔

اس نے بیان کیا کہ جب میں جاگنے اور سونے کی درمیانی حالت میں ہوتا تھا تو پہلی رات کے بعد دو راتیں اور میرے پاس آیا اور کہا اے سواد بن قارب! اٹھ اور اگر سمجھ رکھتا ہے تو سمجھ، قبیلہ لوی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف بلاتا ہے، پھر وہ قافیے بدل بدل کر مجھے یہ شعر سناتا اور اس طرح اس نے پورا واقعہ بیان کیا، اس واقعہ سے متاثر ہو کر یہی سواد بن قارب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ہمراز جن کا قصہ چند اشعار کی صورت میں سنایا جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میرا ہمراز جن رات کا کچھ حصہ گزرنے اور لوگوں کے سو جانے کے بعد آیا

اور جہاں تک میں نے تجربہ کیا ہے وہ جھوٹا نہیں، وہ تین رات برابر آتا رہا اور ہر رات اس نے یہی کہا تمہارے زمانے میں لوئی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے، چنانچہ میں نے اپنا دامن اٹھایا اور طاقت ور صحراؤں کو قطع کرنے والی تیز اونٹنی دوڑنے لگی:

فاشهد ان الله لا رب غيره　　وانك مامون علىٰ كل غائب

وانك ادنى المرسلين وسيلة　　الى الله يا ابن الا كرمين الا طائب

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی رب نہیں اور آپ ہر غیب کی بات پر امین ہیں، اے عزت والے پاکباز سرداروں کے بیٹے آپ وسیلے کے لحاظ سے سب رسولوں سے اللہ کے زیادہ قریب ہیں، پس مجھ کو ہمارے رب کی وحی کا حکم دیجئے جو آپ کے پاس آئی ہے اگرچہ اس کی شدت سے بال سفید ہو جائیں۔

وكن لى شفيعا يوم لاذو شفاعة　　بمغن فتيلاً عن سواد بن قارب

اور میری اس روز سفارش کرنا جب کوئی سفارشی سواد بن قارب کو ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچا سکے گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۱۲۳﴾

یہود کو رسول اللہ ﷺ کا انتظار:

امام ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کی زبانی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہدایت کے علاوہ ہمارے اسلام کا سبب وہ باتیں بنیں جو ہم اکثر یہودیوں سے سنا کرتے تھے، ہم مشرک اور بت پرست تھے اور وہ اہل کتاب تھے، ان کے پاس علم تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا، ہمارے اور ان کے درمیان فتنہ وفساد ہوتا رہتا تھا، جب ہماری طرف سے انہیں کوئی نقصان پہنچتا تو وہ کہتے، ایک نبی کے مبعوث ہونے کا وقت نزدیک آ گیا ہے، اس کے ساتھ مل کر ہم تمہیں عاد وثمود کی طرح قتل کریں گے، ہم انہیں یہ کہتے ہوئے اکثر سنا کرتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو ہم نے پہچان لیا کہ یہی وہ نبی ہے جس کے بارے میں یہودی ہمیں دھمکیاں دیا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے

سبقت کی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے لیکن انہوں نے تکذیب کی اور کفر کی راہ اختیار کی، اس پر ہمارے اور ان کے درمیان سورۃ البقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی، ولما جآء هم ....على الذين كفروا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۱۲۷﴾

نباتات و جمادات کا سلام:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی بعثت مبارکہ کا زمانہ قریب آیا تو شجر و حجر نے سلام نیاز پیش کرنا شروع کر دیا، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اب بھی اس پتھر کو جانتا ہوں جو مکہ مکرمہ کے اندر ہے اور وہ مجھے بعثت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا ﴿مشکوۃ:۵۲۴، خصائص کبریٰ ا:۲۴۴، صحیح مسلم﴾ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں حضور نبی الانبیا ﷺ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں تھا، ہم ایک طرف کو نکلے جدھر پہاڑ اور درخت تھے، حضور انور ﷺ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے تھے وہ " السلام علیک یا رسول الله" کہہ کر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتا تھا ﴿ترمذی، مشکوۃ:۵۴۰، دارمی:۱۹﴾ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سید الخلق ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جن دنوں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان نبوت کا حکم دیا گیا تو میں جس درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتا، وہ مجھے السلام علیک یا رسول اللہ کہتا، حضرت برہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر فریضہ رسالت عائد فرمایا تو آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے اور دور نکل جاتے حتیٰ کہ کوئی گھر اور بشر نظر نہیں آتا تھا، اسی دوران آپ گھاٹیوں اور وادیوں میں پہنچ جاتے، پھر جس درخت اور پتھر کے قریب سے آپ کا گزر ہوتا وہ السلام علیک یا رسول اللہ عرض کرتا، آپ دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیکھتے مگر کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا، ﴿الوفا باحوال المصطفےٰ:۱۹۷﴾

ہاتفِ غیب کی آوازیں:

حضرت ابو میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کھلی فضا میں نکلتے تو پکارنے والے کی پکار اور آواز کو سنتے کیونکہ یا محمد، یا محمد کی آواز آتی تھی، آپ یہ آواز سن کر تیز دوڑنے لگتے، ایک دفعہ یہ آواز سنی تو گھر تشریف لے آئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا ہے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں میرے عقل و فہم میں

اختلاط اور التباس کا عارضہ تو پیدا نہیں ہو گیا، انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت بعید ہے کہ آپ جیسے پاکیزہ خصال اور بلند اخلاق ہستی کے عقل و فہم میں کسی قسم کا فتور ونقص پیدا ہونے دے، پھر انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کا یہ معاملہ بیان کیا اور وہ بچپن سے ہی رسول اللہ ﷺ کے ندیم و مصاحب تھے، انہوں نے آپ کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کا ارادہ کیا، جب ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو انہوں نے پوچھا، کیا کوئی چیز نظر بھی آتی ہے، فرمایا، نہیں، لیکن جب اکیلا کھلے میدانی علاقے میں نکلتا ہوں تو آواز سنتا ہوں، پکارنے والا دکھائی نہیں دیتا اور میں جلدی سے اس جگہ کو چھوڑ دیتا ہوں، مگر جب دوڑنے لگتا ہوں تو پکارنے والا بھی میرے ساتھ ساتھ پکارتا چلا آتا ہے، ورقہ بن نوفل نے کہا، آپ اب اگر آواز سنیں تو اپنی جگہ پر ثابت قدمی کے ساتھ کھڑے رہیں تاکہ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے اس کو سماعت فرما سکیں، اس کے بعد آپ باہر تشریف لے گئے تو یا محمد کی آواز سنی، آپ نے اس کے جواب میں لبیک فرمایا تو آواز دینے والے نے کہا، کہیے، **اشهد ان لا اله الا الله و اشهدان محمداً عبده ورسوله**، پھر کہا پڑھیے! **الحمد لله رب العالمين**، حتیٰ کہ ساری سورت فاتحہ کہلائی گئی، آپ ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لائے اور یہ واقعہ بھی بیان کر دیا، انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے لئے بشارت ہو اور مبارک ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ محمد ہیں یعنی ہر ایک کے نزدیک قابل ستائش ہیں، خلق کے نزدیک بھی اور خالق کے نزدیک بھی، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ احمد ہیں یعنی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لانے والا، میں اس کی گواہی بھی دیتا ہوں کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں، وہ وقت قریب ہے کہ آپ کو اپنے مخالفین، کفار اور مشرکین کے ساتھ حرب و قتال کا حکم دیا جائے گا، اگر میں زندہ ہوا تو آپ کی معیت میں آپ کے دشمنوں سے ضرور قتال کروں گا اور اپنی جان آپ پر نثار کر دوں گا لیکن وہ اذن قتال سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں نے اس عالم و فاضل کو جنت میں دیکھا، وہ سبز جنتی لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ ﴿الوفا بااحوال المصطفیٰ: ۱۹۶﴾

اعلانِ نبوت سے پہلے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک عرب موحد حضرت زید

بن عمرو بن نفیل کا بڑا خاص تعلق تھا اور کبھی کبھی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نزول وحی سے پہلے مقام بلدح کی ترائی میں حضور اکرم ﷺ کی حضرت زید بن عمرو سے ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ کے سامنے دستر خوان پر کھانا پیش کیا تو آپ نے انکار کر دیا، حضرت زید بن عمرو کہنے لگے میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا، میں صرف وہی ذبیحہ کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، پھر قریش کے ذبیحوں کی برائی بیان کرنے لگے، بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پانی برسایا اور زمین سے گھاس اگائی پھر اے قریش! تم اسے اللہ تعالیٰ کے غیروں کے نام پر کیوں ذبح کرتے ہو، حضرت اسما بنت ابوبکر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت زید بن عمرو کو کعبہ میں کہتے ہوئے سنا کہ اے قریش! اللہ کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں ہے، ﴿بخاری ۱: ۵۴۰﴾

......⊙......

باب ششم

بعثت کا اعلانِ مبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بزم کائنات حضور پیغمبر نور ﷺ کی بعثت و رسالت کی تابانیوں سے مالا مال ہونے کے لئے پوری طرح بے تاب تھی، یہ الگ بات ہے کہ خوش نصیبوں نے آپ کی محبت واطاعت سے اپنے دامن دل و جان کو بھر لیا اور ازلی بدنصیب پھر بھی محروم کے محروم ہی رہے، اس راقم عاجز نے ان خوش نصیبوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کچھ اس طرح کی ہے۔

سامنے آنکھوں کے جان نو بہار آ ہی گیا
آخر اپنی بیقراری کو قرار آ ہی گیا
منتظر تھی جس کی چشم عالم لیل و نہار
بزم گل میں حاصل صد انتظار آ ہی گیا
ہجر کی لمبی خزاں نے روند ڈالا تھا چمن
وہ ملے تو شاخ حسرت پر نکھار آ ہی گیا

اقرا باسم ربک الذی خلق:

حضور پیغمبر نور ﷺ کی عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم کون و مکان کے لئے رحمتِ تمام بنا کر مبعوث فرمایا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وحی آنے سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا، آپ ﷺ کوئی خواب دیکھتے تو کچھ عرصے میں اس کی سچائی اس طرح ظاہر ہو جاتی جس طرح رات کی تاریکی میں سپیدہ سحر نمودار ہوتا ہے، پھر آپ کو

خلوت نشینی کی رغبت ہوئی، چنانچہ مکہ مکرمہ سے ﴿ دو فرسخ ﴾ دور کوہ حرا میں گوشہ نشین ہو کر کئی کئی رات تک عبادت[1] میں مصروف رہتے، جب آپ ﷺ کا کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو واپس آ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اتنی مدت کا خرچ لے کر واپس چلے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاتے یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آ گیا، ایک دن آپ ﷺ بدستور غار حرا میں مصروف عبادت تھے کہ آپ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ سے کہا، پڑھئے! آپ نے جواب دیا میں پڑھنے والا نہیں، آپ فرماتے ہیں، یہ سن کر اس نے مجھ کو پکڑ لیا اور مجھے اس قدر بھینچا کہ میں نے انتہائی تکلیف محسوس کی، پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھئے، میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں، پھر اس نے مجھ کو اس قدر بھینچا کہ میں نے انتہائی تکلیف محسوس کی، پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھئے! میں نے کہا، میں پڑھنے والا نہیں، پھر اس نے مجھے تیسری بار اس قدر بھینچا کہ میں نے انتہائی تکلیف محسوس کی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

"اِقرا باسم ربک الذی خلق o خلق الا نسان من علق o اقرا و ربک الا کرم o الذی علم بالقلم o علم الا نسان مالم یعلم o

یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے تمہارا رب بڑا عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، جو چیز انسان کو معلوم نہیں تھی وہ اسے سکھائی۔ ﴿ سورۃ العلق آیت ۱ تا ۵ ﴾

حضور اقدس ﷺ اس واقعہ کے بعد گھر تشریف لائے، خوف سے آپ کا دل دھڑکتا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آ کر کہنے لگے مجھ پر کمبل ڈال دو، مجھ پر کمبل ڈال دو، ذرا گھبراہٹ دور ہوئی تو فرمانے لگے، خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے، پھر انہیں سارا ماجرا سنایا اور ساتھ ہی کہا، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، میں زندہ نہیں بچوں گا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ڈھارس بندھاتے ہوئے عرض کی نہیں ایسا ہر گز نہیں ہوگا، خوش ہو جائیے، اللہ کریم آپ کو

---

[1]: غار حرا میں آپ عبادت کے وقت کس طریقے کی پیروی کرتے تھے، یہ مسئلہ ارباب دانش کے نزدیک مختلف فیہ ہے، بعض نے کہا کہ آپ ان ایام میں حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت پر کاربند تھے، بعض نے ابراہیمی، موسوی اور عیسوی شریعت کے بارے میں رائے دی ہے، ایک گروہ کے نزدیک یہ رائے ہے کہ آپ اس شریعت پر کاربند تھے جس کی حقانیت آپ پر ثابت ہو چکی تھی، ابن کثیر نے اس بارے میں مختلف نظریات کا ذکر کیا ہے، اس حالت میں شب بیداری فرماتے اور مسلسل روزے رکھتے، ان معمولات میں چھ ماہ کا عرصہ لگ گیا، غار حرا کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے، اسے جبل نور بھی کہا جاتا ہے۔

ضائع نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ناداروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو اپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں اور ناگہانی مصائب میں مصیبت زدگان کی امداد کرتے ہیں، ﴿بخاری کتاب التعبیر، مسلم کتاب الایمان، مختصر سیرۃ الرسول:۱۲۹﴾

اس گفتگو سے آنحضرت ﷺ پر خوف و ہراس کی جو کیفیات طاری تھیں زائل ہو گئیں، آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف شکر و امتنان میں ڈوبی ہوئی نظر سے دیکھا، پھر اپنے جسم کی تکان کا بار ہلکا کرنے کے لئے کچھ دیر محوخواب ہو گئے، یہ خواب ایک ایسی حیات کا پیش خیمہ تھا جو بیک وقت تمام روحانی کمالات کا مرقع ہو اور جن کی مدد سے آپ رسالت کے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیں، خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بھی کوشاں ہوں اور انسانیت کی بقا کے لئے بھی مصروف کار ہوں، دعوت الی الحق آپ کا نصب العین ہو اور تبلیغ رسالت اس انداز سے کریں کہ مخلوق کی ہدایت میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے، واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون، اور اللہ تعالیٰ اپنا نور پوری تابانیوں کے ساتھ عام کرنے کو ہے، خواہ کفار پر یہ بات گراں ہی کیوں نہ گزرے، ﴿سیرۃ الرسول:۲:۱۷۲﴾

وحی الٰہی کی نوعیت:

انبیا کرام کے ساتھ مخصوص وحی الٰہی کے متعدد مراتب ہیں، اولاً: سچے خواب، حضور اکرم ﷺ پر وحی الٰہی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ایک خواب کے ذریعے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا حکم موصول ہوا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ثانیاً فرشتے کا دکھائی دینا، انبیا کرام کے پاس انسانی شکل میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوتے اور خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے، حضور اکرم ﷺ کے پاس بھی حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوا کرتے تھے، وہ عموماً آپ کے پاس دحیہ بن خلیفہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ دحیہ اتنے خوبصورت تھے کہ جب وہ مدینے میں آتے، عورتیں ان کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے کے لئے گھروں سے نکل آتیں۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۱۳۹﴾

بعض اوقات صحابہ کرام کو بھی ان کا دیدار نصیب ہو جایا کرتا تھا، ثالثاً بسا اوقات فرشتہ دکھائی نہیں دیتا تھا مگر حضور انور ﷺ کے قلبِ اقدس میں بات القا کر دی جاتی تھی،

جیسا کہ حدیث پاک ہے، روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی انسان اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور اپنا رزق اچھے طریقے سے حاصل کیا کرو، اگر رزق میں دیر ہو جائے تو اس کی نافرمانی مت کرو کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ رابعاً: ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ گھنٹی کی آواز کی طرح وحی کی آواز آتی تھی، وحی کا یہ انداز بہت مشکل ہوتا تھا یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ کی پیشانی پر سردیوں کے موسم میں بھی پسینے کے قطرے نمودار ہو جاتے، اونٹنی اس کے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھتی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی، خامساً: فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آپ کے سامنے جلوہ گر ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی اصل شکل یہ ہے کہ ان کے چھ سو پر ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے ہیں، سادساً: وحی کی ایک قسم یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کے بغیر خود ہی اپنے محبوب ﷺ کو اپنے کلام سے مشرف فرماتا، شب معراج کے تابناک لمحات میں راز و نیاز کے جتنے مرحلے طے ہوئے اسی قسم کی وحی کی بدولت ہوئے، ارشاد باری ہے، فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ، اللہ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی سو فرمائی۔

میان طالب و مطلوب رمزیست
کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بغیر فرشتے اور واسطے کے کلام فرمایا جبکہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ کلام بھی فرمایا اور اپنی ذاتِ احدیت کے جمال بیمثال کی زیارت بھی عطا فرمائی ایسا نیند کی حالت میں بھی ہوا، جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ترمذی شریف میں آیا ہے، آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو بہت اچھی صورت میں دیکھا اور فرمایا بتایئے ملا اعلیٰ میں کس چیز پر بحث ہو رہی ہے، میں نے کہا میں نہیں جانتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا قدرت والا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کی ٹھنڈک مجھے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس ہوئی، اس سے ہر چیز کا علم مجھ پر ظاہر ہو گیا، شارحین حدیث نے وحی کے ان مراتب اور مدارج کا کھل کر ذکر کیا ہے۔

وحی الٰہی کا مفہوم:

وحی کا لغوی مفہوم اور معنیٰ ہے اشارہ، کتابت، مکتوب، رسالہ، الہام، کلام خفی، ہر وہ چیز جس کو تم اپنے غیر کی طرف القا کرو، وحی میں اصل یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے آہستہ کلام کریں، جیسا کہ کلام مجید میں ہے، **یوحیٰ بعضھم الیٰ بعض زخرف القول غروراً** یعنی وہ ایک دوسرے کو خفیہ طریقے سے جھوٹی بات فریب دینے کے لئے پہنچاتے ہیں، ﴿سورۃ الانعام آیت ۱۱۲﴾ یہ اس لفظ کا اصل معنیٰ ہے، پھر یہ الہام کے معنیٰ میں مقتصر ہو گیا، ابواسحٰق نے کہا کہ وحی کا لغت میں اصل معنیٰ خفیہ طریقے سے خبر دینا ہے، اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں، اسی طرح اشارہ اور کتابت کو بھی وحی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنه ما یشاء** اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ وحی کرے جو کچھ اللہ چاہئے ﴿سورۃ الشوریٰ آیت ۵۱﴾ اس کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ بشر کو الہام یا خواب کی صورت میں خفیہ طریقے سے خبر دیتا ہے یا بشر پر کتاب نازل کرتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی یا حضور اقدس ﷺ پر قرآن نازل فرمایا جس کی تلاوت کی جاتی ہے، ان میں سے ہر صورت ﴿اعلام﴾ خبر دینے کی ہے اگر چہ ان کے اسباب اور کلام کی نوعیت مختلف ہے، علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ وحی کا لغوی معنیٰ ہے اشارہ سریعہ اور اصطلاح میں وحی ان کلماتِ الٰہیہ کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے انبیا اور اولیا کی طرف القا فرماتا ہے، یہ القا یا تو فرشتے کی وساطت سے ہوتا ہے جو دکھائی دے اور اس کا کلام سنائی دے جیسا کہ جبریل امین کا صورت معینہ میں وحی پہنچانا، یا بغیر معائنہ اور مشاہدہ کے کلام سنائی دے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، یا دل میں کوئی بات ڈال دے جیسا کہ حدیث میں ہے، جبریل نے میرے دل میں بات ڈالی، یا یہ القا الہام کے ذریعے ہو، جیسے فرمایا، **واوحینا الیٰ ام موسیٰ**، اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی، ﴿سورۃ القصص آیت ۷﴾ یا یہ القا تسخیر کے ذریعے ہو، جیسے فرمایا، **واوحیٰ ربک الی النحل**، آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی، ﴿سورۃ النحل آیت ۶۸﴾ یا یہ القا خواب

کے ذریعے ہو جیسا کہ حدیث میں ہے، نبوت منقطع ہو گئی اور بشارات باقی ہیں اور وہ مومن کے سچے خواب ہیں، ﴿شرح مسلم سعیدی ۱:۶۵۴ تاج العروس ۱۰:۳۸۵﴾ وحی کا شرعی معنیٰ ہے شریعت کی خبر دینا اور کبھی وحی سے اس کلام کو مراد لیا جاتا ہے جو نبی اکرم ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، ﴿فتح الباری ۱:۹﴾ اصطلاح شریعت میں وحی اس کلام کو کہتے ہیں جو کسی نبی پر نازل کیا جاتا ہے، ﴿عمدۃ القاری ۱:۱۴﴾ علامہ علی القاری فرماتے ہیں، وحی کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ یہ وہ کلام الٰہی ہے جو قلبِ نبوی سے واصل ہوتا ہے، پس جس کلام کے الفاظ و معانی دونوں نازل ہوں اور یہ نزول صرف جبریل کے واسطہ سے ہو تو یہ کلام الٰہی ہے اور جس کلام کا شارع علیہ السلام پر صرف معنیٰ نازل کیا گیا ہو، پھر اس کلام کو انہوں نے اپنے الفاظ سے تعبیر کیا تو وہ حدیث نبوی ہے ﴿مرقات ۱:۲۶۴﴾

وحی الٰہی کی اقسام:

وحی دو قسم پر مبنی ہے، وحی متلو، یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اس کو وحی جلی بھی کہا جاتا ہے، یہ قرآن مجید ہے، وحی غیر متلو، یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی، اس کو وحی خفی بھی کہا جاتا ہے، یہ حدیث رسول ہے، اہل ایمان کے نزدیک یہ دونوں قسمیں قابل حجت اور اساس شریعت ہیں، بعض عقل پرستوں کی عقل نارسا نے حدیث رسول کو قابل حجت اور اساس شریعت تسلیم نہیں کیا حالانکہ اس کی حجیت شرعی قرآن مجید سے ثابت ہے: **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے، نہیں ہے یہ مگر وحی جو اس کی طرف کی جاتی ہے ﴿سورۃ النجم آیت ۴،۳﴾ یہاں بعض علما کی رائے ہے کہ ھو کا مرجع صرف قرآن کریم ہی نہیں بلکہ قرآن کریم اور جو بات حضور ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے وہ سب وحی ہے، ﴿تفسیر ضیاء القرآن ۵:۱۱﴾ یاد رہے کہ حدیث رسول کے بغیر قرآن مجید کو سمجھنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے، صرف ایک مثال لیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو، اب حدیث رسول کے بغیر آدمی کس طرح نماز قائم کرے اور کس طرح زکوۃ ادا کرے، نماز اور زکوۃ کی شرائط، انداز اور نوعیت کا سارا عرفان حدیث رسول کی برکت سے حاصل ہوگا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب دانائے غیوب ﷺ کے قول اور فعل کی اتباع کا سختی کے ساتھ حکم صادر فرمایا ہے، یہاں تک کہ

ارشاد فرمایا، اے محبوب یہ لوگ مومن ہی نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے باہمی تنازعات میں حاکم تسلیم نہ کرلیں، حضور اقدس ﷺ پر نازل ہونے والی وحی جلی کی یہ شان وسعت ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان اور تبیان ہے، وحی خفی کے علوم و معارف کو بھی شامل کیا جائے تو آپ کی علمی اور فکری استعداد کا کیا مقام ہوگا، اسی لئے اقبال کہتے ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

نزول وحی کا مہینہ:

بعض علما کا خیال ہے کہ حضور انور ﷺ پر ربیع الاول شریف کے مہینے اور سوموار کے دن نزول وحی کا آغاز ہوا یعنی آپ کی بعثت مبارکہ کا یہ مہینہ ہے، مولانا سلمان منصور پوری نے لکھا ہے:

"جب آنحضرت ﷺ کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول ۴۱ھ میلادی بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو بروز دوشنبہ روح الامین حکم نبوت لے کر آنحضرت کے پاس آیا، اس وقت آنحضرت غار حرا میں تھے، روح نے کہا، محمد بشارت قبول فرمایئے آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں، ﴿رحمۃ للعالمین: ۴۲﴾

جبکہ بعض علما کا خیال ہے کہ رمضان المبارک میں نزول وحی کا آغاز ہوا، جیسا کہ قرآن مجید بھی اعلان فرما رہا ہے، شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ، رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل فرمایا گیا، ﴿سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵﴾ ایک اور مقام پر فرمایا، انا انزلنه فی لیلة القدر، ہم نے قرآن کو قدر والی رات میں نازل فرمایا ﴿سورۃ القدر آیت ۱﴾ اب یہ بھی ثابت ہے کہ قدر والی رات رمضان المبارک کے آخری عشرے کی کوئی طاق رات ہے، حضرت علامہ ابن حجر نے لکھا ہے: حضرت امام بیہقی نے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے رویائے صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی اور ان کی ابتدا ربیع الاول میں ہوئی جبکہ آپ کی عمر مبارک پورے چالیس سال ہوگئی، بیداری کی وحی کا آغاز ماہ رمضان المبارک میں ہوا ﴿فتح الباری ۱: ۲۲﴾ اس روایت سے ان اقوال کے درمیان مطابقت قائم ہو جاتی ہے، چونکہ انبیا

کرام کے خواب بھی وحی الٰہی ہوتے ہیں لہذا اس وحی کا آغاز ربیع الاول کو ہوا اور چھ ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد رمضان المبارک کے آخری عشرے کی کسی ایک طاق رات کو قرآن مجید کی صورت میں وحی جلی کے نزول کا آغاز ہوا، تقویم علمی کے حساب سے اس آخری عشرے میں سوموار کی دو راتیں بنتی ہیں، ایک اکیسویں اور ایک اٹھائیسویں، طاق رات چونکہ اکیسویں ہے اس لئے ان دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا قرین صحت ہے کہ اکیس رمضان المبارک کی بابرکت رات میں نزول قرآن کا آغاز ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے سر اقدس پر ختم نبوت کا تاج سجا کر اور رحمۃ العالمینی کی خلعت فاخرہ پہنا کر خفتہ بخت انسانیت کی تقدیر جگانے کے لئے مبعوث فرمایا، ﴿ضیاء النبی ۲: ۲۰۸﴾ شیخ محقق دہلوی فرماتے ہیں: اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ پورا قرآن یک بار رمضان کی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا اور وہاں سے بلحاظ مصلحت اور باعتبار واقعات تھوڑا تھوڑا تیئیس سال کی مدت تک اترتا رہا، آپ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کا آغاز ربیع الاول شریف میں ہوا تھا ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۴۷﴾ واللہ اعلم بالصواب۔

غار حرا میں جلوہ گری کی حکمتیں:

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کی ابتدا سچے خوابوں سے کی گئی تاکہ فرشتے کا آپ کے پاس آنا کوئی اچانک حادثہ نہ ہو، اس لئے پہلے آپ میں خصال نبوت پیدا کئے گئے، آپ کو سچے خواب دکھائے گئے، حجر و شجر آپ کو دیکھ کر سلام عرض کرتے اور آپ کو نبی کہہ کر مخاطب کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے بیداری میں آپ کے پاس فرشتہ بھیجا، آپ کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی تاکہ آپ کا دل دنیا اور اس کے تفکرات سے فارغ ہو کیونکہ جب انسان کٹھن ریاضت نہ کرے وہ اپنی طبیعت سے منتقل نہیں ہوتا، اس لئے آپ کے دل میں خلوت گزینی پیدا کی گئی تاکہ آپ لوگوں کے ساتھ میل جول سے منقطع ہوں اور آپ کے لئے وحی کا حصول سہل اور آسان ہو، فرشتے کا آپ کو بار بار یہ کہنا، پڑھیے اور اپنے سینے سے لگا کر بھینچنا بھی اسی لئے تھا تاکہ آپ کو فرشتے کے ساتھ مناسب پیدا ہو، نبی اکرم ﷺ کا غار حرا کی تنہائیوں میں بیٹھنا اسی طرح تھا جس طرح ابتدا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی عبادت کرنے کے طریقے پر غور و فکر کر رہے تھے، نبی اکرم ﷺ غار حرا میں کئی کئی

دنوں تک ٹھہرنے کے لئے اپنے ساتھ کئی دنوں کا کھانا لے جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مستقبل کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کا بندوبست کرنا اور اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے ﴿شرح مسلم سعیدی ۱:۶۵۷﴾

غار حرا میں فرشتہ آپ کے پاس آیا، سوال پیدا ہوتا ہے حضور اکرم ﷺ کو کیسے یقین ہوا کہ یہ آنے والا فرشتہ ہے، شیطان نہیں، حضرت علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے ثبوت میں امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے، اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کے ثبوت میں معجزہ پیش کرتا ہے۔ ﴿ایضاً ۱:۶۵۹ بحوالہ عمدۃ القاری ۱:۶۱﴾

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو ایک صفت دی ہے جس سے وہ انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں، اسی طرح اس نے صاحب نبوت کو ایک اور صفت عطا کی ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں اور شیطانوں کے درمیان امتیاز کر لیتا ہے، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صاحب نبوت کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی بدولت وہ فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے بینا آدمی ایک صفت کی وجہ سے نابینا آدمی سے ممتاز ہوتا ہے اور مبصرات کا ادراک کرتا ہے۔ ﴿احیاء العلوم ۴:۱۹۰﴾

ما انا بقاری کی توجیہ:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث مبارک میں موجود ہے: جب حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بار صرف "اقراء" کہا تو حضور سرور کون ومکان ﷺ نے فرمایا: ما انا بقارئ، یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں، جب انہوں نے چوتھی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ پڑھنے کی تلقین کی تو پھر آپ پڑھتے چلے گئے، یہاں پر عقل نارسا کو ایک وہم لاحق ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کوئی علم نہیں تھا ورنہ آپ ضرور پڑھ لیتے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں ارقام فرماتے ہیں: آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس لئے مجھ سے پڑھا نہیں جا سکتا، ہو سکتا ہے کہ اچانک فرشتے کو دیکھنے سے آپ کو سخت دہشت اور خوف لاحق ہوا اور آپ نے اس خوف اور دہشت کی وجہ سے فرمایا ہو میں پڑھا ہوا نہیں اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ نے امی ہونے کی وجہ سے فرمایا کیونکہ

جو شخص پڑھا ہوا نہ ہو وہ دوسرے کے پڑھانے سے پڑھ سکتا ہے اور کسی کی تعلیم سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں ہے، خصوصاً جبکہ نبی اکرم ﷺ غایت درجہ کے فصیح و بلیغ تھے، ہاں کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر پڑھنا امیت کے منافی ہے، قاموس میں لکھا ہے کہ امی اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو اور لکھی ہوئی چیز کو نہ پڑھ سکتا ہو، بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جواہر سے آراستہ ایک ریشم کا صحیفہ لائے تھے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ میں وہ صحیفہ رکھ کر کہا پڑھئے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نامہ اور نوشتہ میں لکھی ہوئی چیز کو کیسے پڑھوں، یہ معنیٰ زیادہ مناسب اور زیادہ ظاہر ہے۔

﴿اشعۃ اللمعات ۴: ۵۰۷، شرح مسلم سعیدی ۱: ۶۶۱﴾ حضور اکرم ﷺ کے امی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے کسی دنیاوی استاد سے پڑھنا اور لکھنا نہیں سیکھا، اگر نبی ﷺ پڑھے لکھے ہوتے تو لوگ آپ کی نبوت میں شک کرتے، آپ نے قرآن مجید کے جو عالی مضامین بیان فرمائے اور گزشتہ امتوں کے احوال بیان فرمائے وہ آپ کی نبوت کی دلیل قرار پائے کیونکہ آپ نے کسی سے پڑھے بغیر وہ تمام مضامین بیان فرمائے جن کو پڑھے بغیر کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا، لیکن اعلان نبوت کے بعد آپ نے پڑھا بھی اور لکھا بھی، آپ کا نہ پڑھنا لکھنا بھی معجزہ تھا کہ پڑھے لکھے بغیر اتنے عظیم علوم بیان فرمائے اور پڑھنا لکھنا بھی معجزہ تھا کہ بغیر کسی کے سکھائے آپ نے پڑھا اور لکھا، نبی اکرم ﷺ نے یہاں پڑھنے سے انکار کیا اور فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں، اس کی وجہ یہ تھی کہ غار حرا میں آپ عبادت میں مشغول تھے، اس وقت فرشتے نے کہا پڑھیے تو آپ نے انکار کیا تاکہ آپ کی عبادت میں خلل نہ ہو، دوسری وجہ یہ تھی کہ تین بار جبریل علیہ السلام نے کہا پڑھئے، چوتھی بار کہا پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، تب آپ کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ یہ بھی تو اسی ذات کا نام لے رہا ہے جس کے مشاہدہ اور مطالعہ میں میں مستغرق ہوں سو آپ نے اس آیت کو پڑھ لیا، ﴿شرح مسلم سعیدی ۱: ۶۶۲﴾ حضرت امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ما انا بقارئ میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ ما نافیہ ہو اور دوسرا یہ کہ ما استفہامیہ ہو، اگر ما نافیہ ہو تو اس کا معنیٰ ہے ما احسن القراۃ، میں اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا اور اگر ما استفہامیہ ہو تو اس کا معنیٰ ہے، میں کیسے پڑھوں، یا میں کیا پڑھوں، اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ما استفہامیہ کے بعد "باء"

زائدہ نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کیونکہ اخفش نے ما استفہامیہ کے لئے "باء" زائدہ کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ نافیہ ہونا بعید ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ ما استفہام کے لئے ہے جیسا کہ ابوالاسود کی مغازی میں عروہ سے روایت ہے، **قال کیف اقراء** آپ نے فرمایا میں کیسے پڑھوں اور ابن اسحاق کی سیرت میں عبید بن عمیر سے روایت ہے، **قال ماذا اقراء** آپ نے فرمایا میں کیا پڑھوں ﴿عمدۃ القاری ۱:۵۷، شرح مسلم سعیدی ۱:۲۶۱﴾ حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عروہ اور حضرت عبید بن عمیر کی روایات کی روشنی میں لکھا ہے کہ یہ ما استفہامیہ ہے، ﴿فتح الباری ۱:۲۴﴾ حدیث مبارک "ما انا بقاریٔ" کے اس مفہوم سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو کوئی علم نہیں تھا، آپ کا علم کسی دنیاوی استاد کی تعلیم وتربیت کا مرہون منت نہیں تھا، آپ تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت سے علوم ومعارف کا سرچشمہ ہوئے ہیں جس کے لئے قلم ودوات کا سہارا ضروری نہیں، حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حضور اقدس ﷺ کو تین مرتبہ بغل میں کیوں لیا اور اس قدر قوت وشدت سے کیوں دبایا، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کاملین کی تاثیر اور توجہ چار قسم کی ہوتی ہے، انعکاسی، القائی، اصلاحی، اتحادی، اتحادی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرشد کامل اپنی روح کو مرشد کی روح کے ساتھ ملا دیتا ہے، اپنے جملہ کمالات کو روح مرشد میں پیدا کر دیتا ہے، اس معانقہ میں تاثیر اتحادی تھی، حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اپنی روح مقدس کو حضور اقدس ﷺ کے بدن اطہر کے مسامات میں داخل فرما دیا اور باہم شیر وشکر کی مانند ملا دیا، اس وقت بشریت اور ملکیت کے درمیان ایک عجیب حالت ظاہر ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔

﴿تفسیر عزیزی ۳۰:۳۲۸﴾

سبحان اللہ! جن کا آغاز یہ ہے کہ جملہ کمالاتِ جبریل اور ان کی تمام صلاحیات اور استعدادات اس وقت حاصل ہوگئیں تو جب نبوت ورسالت کا منصب انتہا پر پہنچا ہوگا، حسن باطن اور کمال روح کی تکمیل ہوگئی ہوگی تو پھر منصب اور مقام کیا ہوگا اور علوم واسرار پر واقفیت کا عالم کیا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب او ادنیٰ کے مقامِ قرب پر فائز ہوئے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام کو سرِ سدرہ دربان بنا کر بٹھا دیا گیا۔

غنچے ادی کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تو ان کی بو سے بھی محرم نہیں

خوف و دہشت کی وجہ:

حدیث پاک میں ہے حضور اکرم ﷺ کا دل خوف سے دھڑکتا تھا، گویا آپ پر خوف اور دہشت کے آثار نمایاں تھے، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاید آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ کو تاجدار ختم نبوت بنایا جاتا ہے، اچانک اس بار گراں کی وجہ سے آپ پر اس قدر خوف اور دہشت طاری ہوگئی کہ گھر آ کر فرمایا، مجھے کپڑا اوڑھا دو، اور فرمایا، **لقد خشیت علی نفسی**، مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، تو یہ اس جگہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے روایتی بے باک انداز میں کتنی وحشت ناک بات لکھ دی ہے:

''بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی، اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے، اگر ان کے تجربہ میں پہلے سے یہ بات آئی ہوتی کہ میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کا جواب ہر گز وہ نہ ہوتا جو حضرت خدیجہ نے دیا، وہ کہتیں کہ میاں گھبراتے کیوں ہو جس چیز کی مدتوں سے تمنا تھی) وہ مل گئی ہے، چلو اب پیری کی دکان چمکاؤ میں بھی نذرانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں۔ ﴿سیرت سرور عالم ۲: ۱۲۷﴾

اس عبارت پر کیا تبصرہ کیا جائے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تو بدگمانی کی ساری سرحدیں عبور کر گئے، اگر بالفرض آپ کو اپنی نبوت و رسالت کی کوئی خبر نہیں تھی تو بھی آپ کا کردار تو نہایت شاندار تھا، اس کردار کی تابنا کی کو بڑے بڑے جانی دشمن بھی تسلیم کرتے تھے، آپ صادق اور امین تھے، غریبوں، بیواؤں اور بے آسرا انسانوں کی مشکلات کو دور کیا کرتے تھے، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی طہارت و نفاست کی وجہ سے طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، ان دونوں ہستیوں کے بارے میں اس قسم کا خیال تو ابو جہل اور ابو لہب کو بھی نہیں آیا کہ یہ پیری کی دوکان چمکانے اور نذرانے سنبھالنے کی تیاری تو کیا ایسے کھیل کے بارے میں سوچ بھی سکتے ہیں، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنی پندرہ سال کی رفاقت سے یہی نتیجہ اخذ کرتیں کہ اگر اتنا اعلیٰ کردار انسان نبوت کا امیدوار ہے تو یقیناً اس کا

مستحق بھی ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے اپنا حال بیان کیا تو حضرت خدیجہ خوشی سے مدہوش ہو گئیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۵۰﴾ گویا وہ آپ کے بےمثال احوال اور جاہلی معاشرے میں لاجواب کردار کو دیکھ کر اسی قسم کی عظمت اور بزرگی کی توقع رکھتی تھیں، نذرانے کی تیاری کا انہیں کوئی شوق دامن گیر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ پہلے ہی بہت مالدار تھیں اور اپنا مال غریبوں اور بے آسرا انسانوں کو عطا فرمایا کرتی تھیں، افسوس اتنے علم اور فراست کے دعویدار کو نبوت کے اعلیٰ منصب اور پیری کی دوکان میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے لکھا ہے کہ طرح طرح کے سوالات حضور کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے، جنہوں نے طبع مبارک کو سخت خلجان میں مبتلا کر دیا تھا کہ کیا واقعی میں نبی بنایا گیا ہوں، سب سے پہلے تو کوئی شخص بھی یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ آخر جناب مودودی کو کیسے علم ہو گیا کہ حضور ﷺ کے ذہن میں سوالات اور طبع مبارک میں خلجان تھا، کیا یہ جملہ کسی آیت یا کسی روایت کا ترجمہ ہے یا خود اپنی بدگمانی کا کرشمہ ہے جو ان کو کسی عام انسان کے بارے میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم ﷺ کے بارے میں ہے، پھر اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کے ذہن میں سوالات تھے اور طبع مبارک میں خلجان تھا تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کو سورۃ العلق کی پہلی آیات کے نزول کے بعد بھی وحی الٰہی میں شک اور تردد تھا، جبریل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتے کو دیکھ کر بھی اپنی نبوت و بعثت کے متعلق التباس تھا، یہاں کوئی عقل پرست کہہ سکتا ہے کہ نبوت محمدی کی بنیاد ہی شک، تردد، وہم اور التباس پر رکھی گئی ہے تو آگے چل کر کیسے یقین محکم حاصل ہو گا، گویا جس شخص پر قرآن نازل ہوا اور جس کو نبوت حاصل ہوئی اس کو ہی ابتدا میں اس کے وحی الٰہی ہونے میں خلجان تھا تو کسی اور کو کیا ضرورت ہے کہ اس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھے اور جس پر کلام نازل ہوا اس کو صاحب نبوت تسلیم کرے، یاد رہے کہ اگر نبی کو ایک لحہ بھی اپنی نبوت میں شک ہو جائے تو اس کی ساری تعلیمات ہی مشکوک ہو جاتی ہیں، اسی لئے حضرت امام آلوسی نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ انبیا کرام اپنی بعثت سے پہلے بھی مومن ہوتے تھے، ﴿روح المعانی ۲۵: ۵۸﴾ حضور اکرم ﷺ کو بھی قرآن کریم کا اجمالی علم[1] تھا، یہی وجہ ہے کہ جو تعلیمات بعد

---

[1] حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ آپ کو وحی آنے سے پہلے بھی قرآن کا اجمالی علم تھا۔

میں نازل ہوئیں، آپ ان کے نزول سے پہلے بھی ان پر چالیس سال عمل پیرا رہے، مثلاً قرآن نے شرک اور کفر سے روکا ہے تو حضور انور ﷺ اس حکم کے نزول سے پہلے بھی شرک اور کفر سے شدید بیزاری کا اظہار فرمایا کرتے تھے، اور وحی الٰہی کے نزول سے پہلے بھی ہر قسم کے گناہ سے معصوم تھے، اگر آپ کے پاس علم نہ ہوتا تو جہالت کی وجہ سے کسی نہ کسی مقام پر ضرور ٹھوکر کھا جاتے، نبی کے دل میں اپنی نبوت کا ایقان اور وجدان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا اور کسی ذریعے کا متلاشی نہیں ہوتا، کیونکہ یہ منصب وہبی ہے، منجانب اللہ ہے، کسب اور محنت سے نصیب نہیں ہوتا جس میں شک اور خلجان کا امکان متصور ہو، پھر حضور اکرم ﷺ کی طبع مبارک میں خلجان کیسے پیدا ہو سکتا تھا جب آپ خود اپنے کانوں سے حجر و شجر کا سلام سنا کرتے تھے، چالیس سال میں عجائب روزگار کا مشاہدہ کر چکے تھے، یہود و نصاریٰ کی تصدیقات حاصل کر چکے تھے، کاہنوں کی پیشن گوئیاں سن چکے تھے، ہر روز کوئی نہ کوئی خوبصورت خواب دیکھ کر اس کی ہو بہو تعبیر کو ملاحظہ فرما چکے تھے، کیا کوئی عقل پرست آدمی یہ کہنا چاہتا ہے کہ حجر و شجر کو تو معلوم تھا کہ یہ نبی ہیں، خود نبی کو علم نہیں تھا کہ وہ نبی ہیں۔

جناب مودودی نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دو آیات کا سہارا لیا ہے:

① ...... وما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتب، اور تمہیں کوئی امید نہیں تھی کہ تم پر کتاب نازل کی جائے، ﴿سورۃ القصص آیت ۶۸﴾ لہذا معلوم ہوا کہ نزول قرآن سے پہلے آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم نہیں تھا، جواباً عرض ہے کہ انہوں نے اس آیت کو مکمل بیان نہیں کیا، آیت کا اگلا جملہ ہے الا رحمۃ من ربک، اب پوری آیت کا یہ ترجمہ ہے، ''اور تمہیں کوئی امید نہیں تھی کہ تم پر کتاب نازل کی جائے مگر اپنے رب کی رحمت سے ﴿پوری امید تھی﴾ لہذا ثابت ہوا کہ آپ کو اپنے پروردگار کی رحمتِ تمام سے مکمل امید تھی کہ آپ ہی تاجدار ختم نبوت ہیں اور آپ پر ہی قرآن جیسی عظیم کتاب نازل ہونے والی ہے، حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کو میراث کے طور پر نبوت ملی تھی، آپ کی نبوت پر کوئی ظاہری سبب موجود نہیں تھا، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسا تھا، آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نبوت و رسالت کے امیدوار تھے اور کتاب حکمت کے آس مند تھے،

افسوس جناب مودودی نے اپنے خودساختہ موقف کو ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کی آیت مبارکہ کو بھی معاف نہیں کیا، اس کا آدھا حصہ بیان کردیا اور آدھا جان بوجھ کر چھوڑ گئے، گویا اس کے بعض حصے پر ایمان لانے اور بعض حصے کا انکار کرنے کی غلط روش کا شکار ہو گئے، پھر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق اس آیت کا ظاہری خطاب حضور نبی اکرم ﷺ سے ہے اور اس کی مراد آپ کے دین پر عمل کرنے والے ہیں ﴿تفسیر خازن ۳:۴۴۴، تفسیر مدارک ۳:۴۴۴﴾ اس تفسیر نے ہر قسم کا وہم ہی دور کر دیا، گویا آپ کی امت کو امید اور توقع نہیں تھی کہ ان کو کتاب وحکمت جیسی گرانمایہ دولت سے سرفراز کیا جائے گا، یہ تو بس رحمت خداوندی کا فیضان ہے۔

②......ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان، تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے، ﴿سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲﴾ لہذا معلوم ہوا کہ آپ ''نبوت کے منصب پر سرفراز ہونے سے پہلے اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں'' ﴿سیرت سرور عالم ۲:۱۰۸﴾ افسوس اس آیت کے عرفان کے لئے بھی انہوں نے اپنی عقل نارسا کا سہارا لیا ہے، کاش وہ مفسرین امت کی ایمان افروز تفسیرات کا مشاہدہ کرتے تو اس عبرتناک لغزش سے محفوظ رہتے، اس آیت مبارکہ کو بھی اگر ظاہری معنیٰ پر محمول کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ جس طرح کتاب سے بے خبر تھے اسی طرح ایمان سے بھی بے خبر تھے، ظاہر ہے ایمان سے بے خبر انسان کیسے مومن کہلا سکتا ہے، کیا کوئی مسلمان کسی پیغمبر برحق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچ سکتا ہے کہ اس نے ایک غیر مومن کو نبوت عطا فرما دی، لا حول ولا قوۃ الا باللہ، اس آیت مبارکہ کا ایک مفہوم تو وہی ہے کہ ظاہری خطاب حضور نبی اکرم ﷺ کو ہے اور حقیقت میں آپ کی امت کے افراد کو مراد لیا گیا ہے، 'ما کنت تدری' کا یہ بھی معنیٰ ہے کہ آپ اپنے قیاس، ادراک اور اندازے سے نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے، ہاں آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ان چیزوں کا علم اور یقین حاصل تھا، حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کم سنی میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش کے وقت نبوت مل سکتی ہے تو وہ ولادت کے وقت کیونکر نبوت سے محروم ہوں گے جو اللہ

تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جن کے صدقے خدا تعالیٰ نے سب انبیا کو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ ﴿روح المعانی ۲۵:۶۰﴾

حضور اقدس ﷺ کو نزول وحی کے مبارک موقع پر اپنی نبوت و رسالت کا مکمل یقین تھا، یہ عقیدہ کسی انہوں نے نظریے اور مفروضے پر مبنی نہیں، خود حدیث رسول سے ثابت ہے، حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: لوگوں نے پوچھا، یارسول اللہ، آپ پر نبوت کب واجب ہوئی، آپ نے فرمایا: و ادم بین الروح و الجسد، جب آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے، ﴿جامع ترمذی ۱: ۵۱۹﴾ اس مضمون کی اور بھی متعدد روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول وحی سے پہلے بھی آپ نبوت کے مقام پر فائز تھے، نزول وحی کا اہتمام تو آپ کے اعلان نبوت اور اظہار بعثت کے لئے تھا، مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

''اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ﴿عالم ارواح میں﴾ ختم نبوت کے ثبوت کے بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی اور چونکہ آپ سب انبیا کے بعد میں مبعوث ہوئے اس لئے ختم نبوت کا حکم کیا گیا، سو یہ وصف تو خود تاخر کو مقتضی ہے، جواب یہ ہے کہ یہ تاخیر مرتبہ ظہور میں ہے، مرتبہ ثبوت میں نہیں جیسے کہ کسی کو تحصیل داری کا عہدہ آج مل جائے اور تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہو کسی تحصیل میں بھیجے جانے کے بعد'' ﴿نشر الطیب: ۷﴾

اتنی بحث و تکرار کے باوجود سوال تو اب بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ اگر اپنی نبوت و رسالت کا علم حاصل تھا تو پھر خوف و دہشت اور خشیت و ہیبت کا کیا معنیٰ، اس کے متعدد جوابات ہیں :

① ...... حدیث پاک میں موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پر وہ کلام نازل ہوا تھا جو اگر پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے، آسمانوں پر نازل ہوتا تو وہ پاش پاش ہو جاتے، یہ تو اس محبوب ذوالجلال کا اعجاز ہے کہ قرآن پاک جیسا کلام اپنے قلب اطہر پر برداشت فرماتے رہے، قرآن پاک کا

وزنی ہونا خود اس نے بیان کیا ہے: انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً ، بے شک ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے، ﴿سورۃ المزمل آیت: ۵﴾ یہ خشیت اور ہیبت صرف پہلی دفعہ ہی نہیں تھی، ہمیشہ برقرار رہی، حضرت امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جب میں رسول اللہ ﷺ کی وحی لکھا کرتا تو دیکھتا کہ آپ پر نزولِ وحی کے موقع پر شدید لرزہ طاری ہو جاتا اور آبدار موتی کی مانند پسینہ آ جاتا ، پھر جب یہ کیفیت رفع ہو جاتی تو آپ وحی لکھواتے اور میں اس کو تحریر کرتا، جب میں وحی کی کتابت سے فارغ ہو جاتا تو قرآن کریم کے بوجھ سے مجھے اپنے پاؤں ٹوٹتے محسوس ہوتے حتیٰ کہ میں خیال کرتا کہ اب میں کبھی چلنے کے قابل نہ رہوں گا، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو لوگ آپ کے رنگ کے تغیر سے پہچان لیتے، حضرت امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے انہی سے روایت کی کہ آپ کے چہرہ اقدس اور جسم مقدس کے متغیر ہونے پر لوگ پہچان جاتے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے، آپ کے صحابہ کرام گفتگو کرنے سے رک جاتے اور آپ بھی کسی سے گفتگو نہ فرماتے، حضرت امام احمد، حضرت امام طبرانی، حضرت امام بیہقی اور حضرت امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت اسما بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی تھی، آپ اس پر سوار تھے کہ سورۃ مائدہ نازل ہوئی، قریب تھا کہ اونٹنی کے بازو بارِ وحی سے ٹوٹ جائیں، حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب وحی کا نزول ہوتا تو کسی میں مجال نہ ہوتی کہ حضور انور ﷺ پر نظر ڈال سکے، ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۳۰۱﴾ ایک دفعہ آپ پر اس طرح وحی آئی کہ اس وقت آپ کی ران مبارک حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی تو اس نے اس کو قریب قریب کچل ہی دیا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۳۹﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو نزول وحی سے پہلے ہی احساس ہو جاتا ہے یا نزول وحی کے وقت معلوم ہوتا ہے، آپ نے فرمایا: مجھے پہلے ہی احساس ہو جاتا ہے کیونکہ گھنٹیوں کی آواز کی مانند آواز آنا شروع ہو جاتی ہے اور میں خاموش ہو کر اخذ و قبول کے لئے پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہوں، اور جس دفعہ بھی وحی نازل ہوتی ہے میں اس کی شدت کی وجہ سے گمان کرتا ہوں کہ میری

روح قبض کرلی جائے گی ﴿الوفا:۲۰۹﴾ بخاری ومسلم میں ایک روایت ہے کہ حضرت یعلیٰ نے دیکھا، حالت وحی میں آپ کا چہرہ سرخ تھا اور سانس میں شدت تھی، ابن عقیل نے کہا ہے کہ کفار نے حالت وحی میں آپ پر طاری ہونے والی شدت ومحنت اور مدہوشی اور خود فراموشی کو بارہا دیکھا تو آپ پر جنون کا الزام لگایا ﴿الوفا:۳۱۰﴾ ہمارا سوال ہے کہ چلو پہلی دفعہ جو طبع مبارک میں خلجان اور اضطراب پیدا ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اپنی نبوت کا علم نہیں تھا اس لئے خشیت اور ہیبت سے شرابور ہو گئے، یہ آخری وقت تک خشیت اور ہیبت کا کیا مقصد ہے، کیا ساری زندگی آپ کو اپنی نبوت کا عرفان نہ ہوسکا؟ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** اب یہی عقیدہ درست ہے کہ یہ خشیت اور ہیبت اللہ تعالیٰ کے کلام لایزال کی بدولت تھی، اس کو نبوت کے عدم واقفیت کی دلیل بنانا انوکھی منطق ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں خشیت وہیبت کا پیدا ہونا باعث حیرت نہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو باعث صد حیرت ہوتا۔

② ...... حضرت امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ ﷺ کو اس بات کا خوف لاحق ہوا کہ کہیں اس امر عظیم کی ذمہ داری سے کوتاہی نہ سرزد ہو جائے اور وہ وحی الٰہی کے بار گراں کے متحمل نہ ہوسکیں، ﴿عمدۃ القاری ۱:۶۸﴾ یہی توجیہ حضرت امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، ﴿فتح الباری ۱:۲۰﴾ یاد رہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے پروردگار کے عبد عظیم ہیں، جتنا کوئی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اس کے عرفانِ تمام کی وجہ سے اس کے جلالِ کبریائی سے زیادہ لرزہ براندام رہتا ہے، خشیتِ الٰہی تو ہر عبد خدا کی میراث ہے، اس وصف کو عدم واقفیت کی دلیل ٹھہرانا کمال درجے کی بے ذوقی تو ہوسکتی ہے، علم ودانش کی خدمت نہیں۔

③ ...... حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مفہوم بھی بیان فرمایا وہ یہ کہ قَدْ خَشِيْتُ عَلَيَّ کی بجائے یہاں اَقَدْ خَشِيْتِ عَلَيَّ پڑھا جائے، پھر اس کا معنیٰ یہ ہوگا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کے کافی دیر بعد تشریف لانے پر ازحد پریشان تھیں، انہوں نے پوچھا اے ابوالقاسم آپ کہاں تھے، میں تو آپ کی وجہ سے بہت بے قرار تھی، اس پر آپ نے فرمایا! **اقد خشیتِ علی** کیا تمہیں میرے بارے میں کوئی خدشہ لاحق ہوگیا تھا، انہوں نے عرض کی، نہیں ہرگز نہیں آپ تو ان اوصافِ کمال سے متصف ہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے، پھر آپ نے حضرتِ جبریل علیہ السلام کی آمد اور غار حرا کی خلوتوں

میں آیات قرانی کے بارے میں کھل کر بتایا، ﴿محمد رسول اللہ: ۳۷۰﴾ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پریشان تھیں تو حضور انور ﷺ نے ان کی پریشانی کو دور فرمادیا۔

اعجازِ قرآنی کی وجوہات:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب، دانائے غیوب ﷺ کو قرآنِ حکیم کی عظیم دولت سے نوازا جس کا ایک ایک حرف اپنی معجز نمائی کا ثبوت ہے، مفکرین ملت نے قرآن پاک کے لافانی اعجاز کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں جنہیں پڑھ کر ہر صاحبِ فکر کے فکر ونظر کو جلا نصیب ہوتی ہے، آیئے آپ بھی ان کا مطالعہ کیجئے:

وجہ اول: حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی خوبی، اس کے کلمات کو ملانا، فصاحت، اس کے ایجازات اور اس کی ایسی بلاغت جو عرب کے بلغا کی عادت کے برخلاف ہے اور یہ اس لئے کہ عرب کے فصحا اور بلغا اس شان کے مالک اور اس میدان کے شہسوار تھے، وہ لوگ بلاغت وحکمت میں ایسے مخصوص تھے کہ ان کے سوا کسی دوسری امت کو ایسی بلاغت وحکمت میسر نہیں تھی، ان میں بعض بدوی تو حتمی الفاظ اور قول فیصلی کے مالک تھے۔۔۔ان کو اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ کلام ان کے مقصود کے موافق اور بلاغت ان کے تابع ہے۔۔۔۔۔ان صفتوں کے مالک فصحا اور بلغا کو اگر عاجز کیا ہے اور ان کو مرغوب کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کتاب مجید لا کر کیا ہے، جس پر نہ سامنے سے باطل ٹھہرے اور نہ پیچھے سے، وہ کتاب حکمت والے اور تعریف کئے ہوئے اللہ کی اتاری ہوئی ہے، اس کی آیات محکم ہیں، اس کے کلمات مفصل ہیں، اس کی بلاغت عقلوں کو متحیر کرنے والی ہے، اس کی فصاحت ہر بولنے والے پر غالب ہے، اس کا اختصار اور اعجاز کامیاب ہے، اس کی حقیقت ومجاز نہایت واضح ہے۔۔۔قرآن کریم ان کو ہر وقت چیلنج کرتا رہا اور ان کے کانوں کو کھٹکھٹاتا رہا اور ان کی پوری جماعت کو پورے ۲۳ سال تک جھنجھوڑتا رہا:

⊙ ......**ام یقولون .....ان کنتم صادقین** اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک صورت لے آؤ اللہ کو چھوڑ کر، جو مل سکے سب کو ملا لو اگر تم سچے ہو ﴿سورۃ یونس آیت ۳۸﴾

⊙......وان كنتم في ريب......ان كنتم صادقين o اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ اللہ کو چھوڑ کر اپنے تمام ساتھیوں کو دعوت دو، اگر تم سچے ہو، ﴿سورۃ البقرہ آیت ۲۴﴾

⊙......قل لئن اجتمعت ....هذا القرآن ،تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں ﴿سورۃ الاسراء آیت ۸۸﴾

⊙...... تم فرماؤ کہ تم لوگ ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، ﴿سورۃ ھود آیت ۱۳﴾

پس نبی کریم ﷺ برابر تحدی کر کے خوب جھنجوڑتے رہے اور ان کو خوب جھڑکتے رہے اور ان کی عقلوں کی سفاہت بتاتے رہے، ان کے بلند بانگ دعوؤں کے جھنڈوں کو اتارتے رہے۔۔۔۔لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگ اس معارضہ میں بھاگتے رہے اور اس کی مماثلت سے اعراض کرتے رہے، اپنے آپ کو شور و شغب اور تکذیب و افترا پر برانگیختہ کرنے میں دھوکہ دیتے رہے، اور یہ کہتے رہے؛

⊙...... یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا ہوا، ﴿سورۃ المدثر آیت ۲۴﴾

⊙...... یہ تو جادو چلا آتا ہے، ﴿سورۃ القمر آیت ۲﴾

⊙...... یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں' ﴿سورۃ الفرقان آیت ۵﴾

سو وہ اس کے لانے پر قادر نہ ہو سکے، ان کے جس بے وقوف نے معارضہ کیا جیسے کہ مسلیمہ کذاب کی مثال ہے تو اس کا عیب ان سب کے سامنے کھل گیا۔۔۔۔حتی کہ وہ اس کلام سے پشت دکھا کر بھاگے، یا فرمانبردار بن گئے، کچھ ہدایت یافتہ ہو کر آئے اور کچھ فریفتہ ہو کر آئے، قرآن پاک کی آیت، ان الله يا مر بالعدل و الاحسان ، بے شک اللہ حکم فرماتا ہے عدل اور احسان کا، ﴿سورۃ النحل آیت ۹۰﴾ جب ولید بن مغیرہ نے سنی تو اس نے کہا، خدا کی قسم اس میں حلاوت ہے، اس میں رونق ہے، اس کے نیچے گہرا پانی ہے اور اس کے اوپر کا حصہ پھل دار ہے، اس کو انسان نہیں کہہ سکتا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ آیت پڑھ رہا تھا، فا صدع بما تو مر ، اور علانیہ کہہ دو جس کا تمہیں حکم ہے ﴿سورۃ الحجر آیت:۹۴﴾ تو اس نے سجدہ کیا اور کہا میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں، دوسرے آدمی سے سنا کہ وہ آیت پڑھ رہا تھا، فلما استیئسوا

منه خلصوا نجیاً پھر جب اس سے ناامید ہوئے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے ﴿سورۃ یوسف آیت ۸۰﴾ تو اس نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل لانے پر قادر نہیں ﴿ملخصاً کتاب الشفا: ۲۴۱﴾

وجہ دوم: حضرت امام سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے قرآن کریم ایسی غیبی خبروں پر مشتمل ہے جو اس وقت واقع نہیں ہوئی تھیں، جب واقع ہوئیں تو ویسی ہی واقع ہوئیں جیسی کہ خبر دی گئی تھی، ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۲۹۷﴾ اس کی مندرجہ ذیل مثالیں ہیں:

⊙ ......لتدخلن المسجد الحرام.... امنین بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے، ﴿سورۃ الفتح آیت ۲۷﴾

⊙ ......اور وہ ﴿رومی﴾ اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے، ﴿سورۃ الروم آیت ۳﴾

⊙ ...... کہ اس دین کو سب دینوں پر غالب کرے، ﴿سورۃ الفتح آیت ۲۸﴾

⊙ ......اور اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے کہ ضرور ان کو زمین میں خلافت دے گا، ﴿سورۃ النور آیت ۵۵﴾

⊙ ......جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے' ﴿سورہ النصر آیت ۱ تا ۳﴾

یہ تمام غیبی خبریں ہیں جیسا کہ فرمایا چند سالوں میں روم فارس پر غلبہ حاصل کرے گا اور فوج درفوج لوگ اسلام میں داخل ہوں گے، جس وقت حضور اکرم ﷺ نے پردہ فرمایا تو اسلام اس وقت تمام بلاد عرب میں داخل نہیں ہوا تھا، مسلمانوں کی خلافت میں اسلام پہنچا اور ان کے زمانے میں ان کے دین پر غلبہ حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے کناروں تک ان کی خلافت ہوئی، حدیث پاک ہے، میرے لئے زمین سکیڑ دی گئی، میں اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب میری امت کو وہ جگہ ملے گی جتنی میرے پیش نظر ہے، ﴿صحیح مسلم کتاب الفتن﴾ قرآن ایسے اعجاز کا حامل ہے کہ کوئی اس کے قریب تک نہیں جاسکتا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر کر سکے اور کوئی ملحد اور گمراہ اس کے محکمات کو بدل سکے، ان کے تمام مکر، دھوکے کی رسیاں اور ان کی طاقتیں آج تک رائگاں گئیں اور ان کے نور کو تھوڑا بھی بجھانے پر قادر نہ

ہوئے اور نہ اس کلام میں ادنیٰ سا تغیر کر سکے ﴿کتاب الشفا:۲۴۴﴾

وجہ سوم: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے قرون ماضیہ، امم سابقہ اور شرائع نافذہ قدیمہ سے ان باتوں کی غیبی خبریں دیں ہیں جن کو سوائے اہل کتاب کے ایک عالم کے جس نے اپنی عمر کو اس کے سیکھنے پر صرف کر دی تھی، کوئی نہیں جانتا تھا اور نبی اکرم ﷺ اس کو بالکل واقعہ کے مطابق ایسا بیان فرما دیتے تھے کہ وہ عالم آپ کی تصدیق کرتا اور اس کو صحیح مانتا تھا حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتا تھا جتنا آپ بیان فرما دیتے تھے، لوگ خوب جانتے تھے کہ آپ امی ہیں، آپ نے کہیں لکھنا پڑھنا بظاہر سیکھا نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ میں بیٹھے اور نہ کسی اہل علم کی مجلس میں رہے اور نہ ان سے کسی وقت اوجھل رہے اور نہ ان میں سے کوئی آپ کے حال سے ناواقف تھا، اکثر اہل کتاب ہی آپ سے پچھلوں کے بارے میں سوالات کرتے تھے، اس پر آپ پر قرآن نازل ہوتا اور آپ اس کو پڑھ کر سناتے جیسے وہ قصے جو انبیا کرام اور ان کی قوم کے بارے میں ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور انکے بھائی، اصحاب کہف، حضرت ذوالقرنین اور حضرت لقمان اور ان کے بیٹے اور اس کی مثل دیگر اخبار قبایہ ہیں، بدء خلق کی خبریں اور جو کچھ تورات، انجیل اور زبور، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے، ذکر فرماتے جن کی علما تصدیق کرتے تھے، جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جھٹلانے کی ان میں قدرت نہیں تھی، بلکہ وہ اسے یقینی جانتے تھے، ان میں سے کچھ ایسے ہوئے کہ ان کو سابقہ علم کی بنا پر ایمان کی توفیق مل گئی اور کچھ بد بخت دشمن اور حاسد بن گئے ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

⊙...... اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارا یہ رسول آیا کہ تم پر ظاہر فرماتا ہے بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا کر رکھ ڈالی تھیں

﴿سورۃ المائدہ آیت ۱۵﴾

وجہ چہارم: اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے اس میں وہ رعب ہے جو اس کے سننے سے دلوں کو اور اس کے سنانے سے کانوں کو لاحق ہوتا ہے اور وہ ہیبت ہے جو اس کی تلاوت کے وقت اس کے جاہ وجلال سے دلوں کو پیش آتی ہے، یہ حالت اس کے جھٹلانے والوں پر بہت

بڑی تھی، یہاں تک کہ وہ اس کے سننے کو بھاری سمجھتے اور یہ چیز اس کی نفرت کو زیادہ کرتی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ ان کی طبعی گرانی کی وجہ سے تھا، اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اس شخص پر قرآن سخت اور مشکل ہے جو اس سے بیزاری کرے، کیونکہ وہ حاکم ہے، مسلمان ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہنے کی وجہ سے اس کی ہیبت و خوف کی تصدیق کرتے رہتے ہیں اور اس کو ہنسی خوشی اور میلان طبع کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم، ثم تلين جلودهم وقلوبهم الىٰ ذكر الله ، جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل ذکر الٰہی سے نرم پڑ جاتے ہیں، ﴿سورۃ الزمر آیت: ۲۳﴾

اور یہ دلیل ہے اس امر پر کہ یہ قوت قرآن کریم کے ساتھ خاص ہے، جو شخص اس کے معانی اور تفسیر کو نہیں جانتا، اس کی تلاوت سے اس پر بھی رقت طاری ہو جاتی ہے، ایک نصرانی سے مروی ہے کہ وہ ایک قاری کے پاس ٹھہر گیا اور رونے لگا، اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے رلایا، اس نے کہا کہ اس کلام کی خوشی اور نظم نے، یہی وہ قوت ہے جس کا ایک جماعت نے اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد اعتراف کیا ہے، صحیح روایت میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ سے سورۂ طور کو سنا، جب آپ ان آیاتِ مبارکہ پر پہنچے، **ام خلقوا من غير شي** ـــــ یعنی کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں، آسمان اور زمین انہوں نے پیدا کئے بلکہ انہیں یقین نہیں یا ان کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں، کیا وہ کڑوڑے حاکم اعلیٰ ہیں ﴿سورۃ الطور آیت: ۳۵ تا ۳۷﴾ تو قریب تھا کہ میرا دل اسلام کی طرف اڑ جائے، ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی بات تھی کہ اسلام کی عزت میرے دل میں بیٹھ گئی، ﴿صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ ۱: ۲۷۲﴾ عتبہ بن ربیعہ کے متعلق مروی ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے کہا، جو آپ لائے ہیں پھر اپنی قوم کے اختلاف کے بارے میں بات کی تو آپ نے اس پر ان آیات کی تلاوت کی: **حٰم ٥ فصلت صاعقة عاد و ثمود** ..... عتبہ نے حضور اکرم ﷺ کے منہ پر ہاتھ

رکھ دیا اور اپنی قرابت داری کی قسم دلاتے ہوئے کہا بس کیجئے ، ﴿تفسیر بغوی ۴:۱۱۰، تفسیر در منشور ۷:۳۰۸﴾ ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ قرآن پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے سن رہا تھا، یہاں تک کہ آپ آیت سجدہ تک پہنچے اور سجدہ فرمایا، عتبہ نہیں جانتا تھا کہ کدھر لوٹے یا اس کا کیا جواب دے، پھر وہ اپنے گھر چلا گیا یہاں تک کہ لوگ اس کے پاس آئے، اس نے ان سے معذرت کی اور کہا کہ خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے ایسا کلام کیا کہ میرے کانوں نے کبھی ایسا کلام نہیں سنا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں، اس کے سوا بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ وہ آپ کی مخالفت و معارضت کرتے رہتے تھے، قرآن کریم سن کر ان پر خوف اور ہیبت طاری ہو جاتی تھی، جس سے وہ رک جاتے تھے، مروی ہے کہ ابن مقنع نے حضور اقدس ﷺ سے معارضہ کرنا چاہا، وہ ایک بچے کے پاس سے گزرا جو یہ آیت تلاوت کر رہا تھا، **وقیل یا ارض ابلعی ماءک** اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی نگل لے، ﴿سورۃ ھود آیت: ۴۴﴾ وہ لوٹ آیا اور اس نے جو کچھ لکھا تھا مٹا دیا، پھر کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ ان کا معارضہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جو تلاوت کرتے ہیں کسی انسان کا کلام ہی نہیں ہے، ابن مقنع اپنے زمانے کا سب سے بڑا فصیح تھا، یحیٰی بن حکم غزال اپنے زمانے میں اندلس کا سب سے بڑا بلیغ شخص تھا، مروی ہے کہ اس نے قرآن پاک سے معارضہ کرنا چاہا، جب اس نے سورہ اخلاص پر غور کیا کہ اس کا مثل لائے اور اپنے گمان میں اس طرز پر کچھ لکھے، اس نے کہا کہ مجھے ایسی ہیبت اور رقت لاحق ہو گئی جس نے مجھے توبہ اور رجوع کی طرف پھیر دیا ﴿کتاب الشفا: ۲۵۰﴾

وجہ پنجم: اعجاز قرآن کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ اس کی آیات باقی رہنے والی ہیں، وہ کبھی معدوم نہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، فرمایا: **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون**، بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں، ﴿سورۃ الحجر :۹﴾ اور فرمایا: باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے ﴿سورہ حم السجدہ آیت: ۴۲﴾ انبیا کرام کے تمام معجزات اپنی مدتوں کے گزرنے کے بعد ختم ہو گئے، اب ان کی خبروں کے سوا کوئی باقی نہیں لیکن قرآن مجید کی آیات روشن اور معجزات ظاہر ہیں، ابتدائے نزول سے لے کر آج تک یہ برابر حجت قاہرہ

ہے، ﴿کتاب الشفا:۳:۲۵۳﴾ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ بار بار پڑھنے میں زیادتی کے باوجود متغیر اور پرانا نہ ہوگا، نہ اس کی عبرتیں ختم ہوں گی اور نہ اس کے عجائبات فنا ہوں گے، یہ قول فیصل ہے، کھیل کود نہیں، علما بھی اس سے سیر نہ ہوں گے اور نہ طبیعتیں اس سے بھریں گی اور نہ زبانیں اس سے مشتبہ ہوں گی، ﴿ترمذی کتاب فضائل القرآن، داری ۲:۴۳۱، کتاب الشفا:۴:۲۵۴﴾

وجہ ششم: حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کلام اپنے نظم واسلوب کی صورت میں عجیب وغریب ہے جو اسالیب عرب کے مطابق نہیں، قرآن کریم کی نظم وترتیب، اس پر آیات کے مقاطع، کلمات کے فواصل اور عبارت میں اوقاف کا نظام اپنی نظیر آپ ہے۔ ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۹۷﴾ یہ وہ کلام ہے جب جنات نے اس کو سنا تو وہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم نے عجیب کلام سنا ہے، جو بھلائی کی ہدایت فرماتا ہے، ﴿کتاب الشفا:۴:۲۵۴﴾

وجہ ہفتم: اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمام علوم ومعارف کو جمع فرمایا جو کسی کتاب میں یکجا نہیں ہوئے اور نہ آئندہ ہوں گے اور نہ کسی فرد کا علم اس کے چند کلمات اور گنتی کے حروف کا احاطہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آخری کتاب میں زندگی کے ہر شعبے کے لئے اصول عطا فرمائے ہیں، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۹۹﴾

وجہ ہشتم: اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی مزاجی خصوصیت کو ثواب وعذاب، انعام وعتاب اور رحمت وعقاب کے بین بین رکھا ہے، اس لئے یہ مایوس ہونے دیتا ہے نہ امید کا دامن چھڑواتا ہے، اگر ایک وقت خوف کے سائے پڑنے لگتے ہیں تو معاً دوسرے وقت رجا اور امید سے دل کو سہارا ملنے لگتا ہے، ﴿ایضاً ۱:۲۹۹﴾

وجہ نہم: اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو دوسری سابقہ کتابوں کے لئے ناسخ قرار دیا اور کتب سابقہ کے اساطیری بیانات کی صحت وعدم صحت کا معیار قرار دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

⊙......**ان هذا القرآن يقص علىٰ بني اسرائيل اكثر الذي هم فيه يختلفون○**

بے شک یہ قرآن ذکر فرماتا ہے بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے

ہیں، ﴿سورۃ النمل آیت ۷۶﴾

وجہ دہم: اعجاز قرآن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ضمیر کی کیفیات اور قلب کے احساسات کو بیان کرتا ہے، مثال کے طور پر قرآن حکیم نے فرمایا:

⊙...... **اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا**، جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہو کہ نامردی کر جائیں، ﴿سورہ آل عمران آیت:۱۲۲﴾

⊙...... **ویقولون فی انفسھم لو لا یعذ بنا اللہ بما نقول**، اور وہ اپنے دلوں میں کہتے کہ اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا ہمارے اس کہنے پر' ﴿سورۃ المجادلہ آیت:۸﴾

ورقہ بن نوفل کی تصدیق:

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ﴿نزول وحی کے بعد﴾ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب پر تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے، بہت بوڑھے ہو چکے تھے، ان کی بینائی جاتی رہی تھی، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا، اپنے بھتیجے کی بات سنیے، ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' اے بھتیجے آپ نے کیا دیکھا ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو دیکھا تھا اس کی خبر دی تو اس نے کہا، **ھذاالناموس الذی انزل علیٰ موسیٰ**، یہ تو وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، کاش میں جوان ہوتا، کاش میں زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا وہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے، ورقہ نے کہا، ہاں جس شخص پر بھی آپ کی طرح وحی نازل ہوئی، لوگ اس کے دشمن ہو جاتے تھے، اگر وقت نے مجھے مہلت دی تو میں اس وقت آپ کی انتہائی قوی مدد کروں گا، ﴿بخاری کتاب التعبیر، مسلم کتاب الایمان﴾

امام ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہر سال غار حرا میں ایک مہینہ اعتکاف کیا کرتے تھے، زمانہ جاہلیت میں قریش کی عبادت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا، جو مسکین آپ ﷺ کے پاس آتا اس کو کھانا کھلاتے تھے، ایک مہینے کا اعتکاف کرنے کے بعد واپس گھر آتے تو پہلے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے، یہ طواف

سات چکر یا جس طرح اللہ چاہتا کم و بیش ہوتا تھا، طواف کے بعد آپ گھر تشریف لاتے، یہاں تک کہ وہ مہینہ آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف نبوت سے مشرف کیا اور یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، پھر آگے وہ حدیث ہے جو گزر چکی ہے، رسول اللہ ﷺ اعتکاف پورا کرنے کے بعد واپس آئے تو اسی طرح کیا جس طرح پہلے کیا کرتے تھے، پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے لگے، دوران طواف ورقہ بن نوفل سے آپ کی ملاقات ہوئی، اس وقت ورقہ نے آپ سے پوچھا، بھتیجے! مجھے بتایئے آپ نے کیا دیکھا اور کیا سنا، رسول اللہ ﷺ نے سارا ماجرا بیان کر دیا، یہ سن کر ورقہ بولے، خدا کی قسم بلاشبہ آپ اس امت کے نبی ہیں، آپ کے پاس وہی ناموس اکبر ﴿یعنی فرشتہ اعظم﴾ آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، تیار رہیے، آپ کی تکذیب کی جائے گی، آپ کو ایذا دی جائے گی، آپ کو دیس سے نکالا جائے گا اور آپ سے لڑائی بھی کی جائے گی، اگر میں اس وقت کو پالوں گا تو پوری تندہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کروں گا، پھر انہوں نے آپ ﷺ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور وہ اپنے گھر اور رسول اللہ ﷺ اپنے گھر چلے گئے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۱۳۱﴾

ورقہ بن نوفل کا اظہار عقیدت:

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہی وہ ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی لے کر آیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی حکمت یہ تھی کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ جس شخص نے سب سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی وہ ایک عیسائی عالم تھا اور عیسائیوں پر نبی اکرم ﷺ کی نبوت حجت ہو جائے، حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں: ''سیدہ خدیجہ کا حضور اکرم ﷺ کو ورقہ کے پاس لے جانا شک و شبہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یقین و اطمینان، وضوح محبت اور ظہور محبت کی زیادتی کے لئے تھا جو نور علی نور کے حکم میں ہے، حضرت خدیجہ نے جن صفاتِ کمال کے ساتھ استدلال کیا وہ تردد، خذلان اور ضلال کے منافی ہے، انہوں نے اس استدلال سے علم نظری حاصل کیا ہو گا اس لئے کہ ممکن ہے انہیں وہم یا کوئی اور احتمال لاحق ہو گیا ہو، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات اس احتمال و اشتباہ سے پاک اور منزہ

ہے، اگر حضور کو ورقہ کے کہنے اور تسلی دینے سے کسی طرح کی وضاحت وانکشاف حاصل بھی ہوا ہوگا تو ایسا ہوگا جیسے کہ کسی معجزے کے ظہور کے بعد حضور فرمایا کرتے تھے، میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں خدا کا رسول ہوں، آپ کا یہ فرمانا اس لئے تھا کہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ تصدیق وایمان کے لئے تیار ہو جائیں، اس مفہوم کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا اور اس مطلب کو خوب عمدہ طریقہ سے سمجھ لینا چاہئے تا کہ اس مقام میں کوئی تمہیں وہم اور شک میں مبتلا نہ کر دے"۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۳﴾ ناموس کا معنیٰ ہے "صاحب السر الخیر، جو شخص نیک باتوں میں راز دار ہو اور جاسوس کا معنیٰ ہے "صاحب السر الشر" جو شخص بری باتوں میں راز دار ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس لئے ذکر کیا کہ تمام یہودی اور عیسائی ان کو نبی مانتے تھے، اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعض یہودی نہیں مانتے تھے یا اس لئے کہ تورات کے احکام کی عیسائی بھی پیروی کرتے تھے یا اس لئے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ دونوں کلیم اللہ اور کثیر المعجزات تھے، ﴿شرح مسلم سعیدی ۱:۶۶۴﴾ حضرت ورقہ بن نوفل بت پرستوں اور اہل عرب کی جاہلی رسموں سے شدید بیزار تھے، انہوں نے حصولِ حق کے لئے دور دراز کے سفر بھی کئے اور بالآخر عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے، انہیں اہل کتاب کی پیش گوئیوں کی وجہ سے حضور نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت ونبوت کا بہت زیادہ انتظار تھا، اب وہ جان انتظار مل ہی گیا تو ان کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی، اگرچہ بعثتِ مصطفےٰ کے چند دن بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا لیکن انہوں نے اپنی حسرتوں، امیدوں اور آرزوؤں کے مرکز کے متعلق جن روشن خیالات کا اظہار ان اشعار کی صورت میں کیا' وہ بعد میں آنے والے عشاقِ رسول کے لئے مایہ صد افتخار ہے!

یا للرجال لصرف الدھر و القدر — وما لشی قضاہ اللہ من غیر

حتیٰ خدیجۃ تدعونی لاخبرھا — امراً راہ سیاتی الناس من آخر

فخبرتنی بامر قد سمعت بہ — فیامعنی من قدیم الدھر و العصر

بان احمد یاتیہ فیخبرہ — جبریل انک مبعوث الیٰ البشر

فقلت علی الذی ترجین ینجزہ — لک الالہ فرجی الخیر و انتظری

وارسلتہ الینا کی نسائلہ — عن امرہ مایریٰ فی النوم والسھر

فقال حین اتانا منطقاً عجبا　　یقف منه اعالی الجلد و الشعر

انی رایت امین اللہ واجھنی　　فی صورة کملت فی اھیب الصور

ثم استمر فکان الخوف یذعرلی　　ممایسلم ماحولی من الشجر

فقلت ظنی و ما ادری ایصدقنی　　ان سوف یعث یتلو منزل السور

وسوف ابلیک ان اعلنت دعوته　　من الجھاد بلامن ولا کدر

ترجمہ: لوگو! زمانہ اور تقدیر کے تصرفات پر تعجب کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ خدیجہ مجھ سے مطالبہ کرتی ہیں کہ میں انہیں ایسے امر کی خبر دوں جو میری رائے میں آخر کار لوگوں کو پیش آنے والا ہے، انہوں نے مجھے ایک بات بتائی جس کے بارے میں' میں نے پہلے ہی سن رکھا تھا۔ احمد مجتبےٰ کے پاس جبریل آئے اور بتایا کہ آپ کو نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ میں نے کہا شاید جس چیز کی آپ کو امید ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پورا کردے اس لئے خیر کی امید رکھئے اور انتظار کیجئے اور اس نے ان کو ہمارے پاس بھیجا تاکہ ہم ان سے پوچھیں کہ وہ خواب یا بیداری میں کیا دیکھتے ہیں۔ جب وہ ہمارے پاس آئے تو ایسی عجیب بات سنائی جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں نے اللہ تعالیٰ کے امین کو دیکھا جو میرے سامنے ایسی کامل صورت میں آئے جو بڑی ہیبت ناک تھی۔ پھر وہ چلے گئے اور ﴿ کہہ گئے کہ ﴾ مجھے اپنے اردگرد کے درختوں سے سلام سن کر ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا، میرا خیال ہے اور نہ معلوم سچا ہے یا نہیں کہ یہ عنقریب مبعوث ہوں گے اور نازل شدہ سورتوں کی تلاوت کریں گے۔ اگر دعوت جہاد کا اعلان ہوا تو میں آپ سے ایسا بھرپور تعاون کروں گا جس میں نہ کوئی احسان ہوگا اور نہ کسی طرح کی پریشانی۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۱۳۲﴾

حضرت امام ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے راہب شام کی ورقہ بن نوفل سے وہ بات بھی کی تھی جو انہیں ان کے غلام میسرہ نے بتائی تھی اور یہ بھی بتایا کہ میسرہ نے آپ پر دو فرشتوں کو سایہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ سن کر ورقہ نے کہا، خدیجہ

اگر یہ سچ ہے تو بلا شک محمد مصطفےٰ ﷺ اس امت کے نبی ہیں اور مجھے معلوم تھا کہ اس امت کا نبی آنے والا ہے جس کا انتظار ہو رہا ہے اور یہ اس کے ظہور کا زمانہ ہے، ورقہ آپ کی آمد کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے، معلوم نہیں کب ظہور ہو، اس سلسلے میں ورقہ نے یہ اشعار کہے

لجحت وکنت فی الذکریٰ لجوجا — لھم طالما بعث النشیجا
ووصف من خدیجه بعد وصف — وقد طال انتظاری یا خدیجا
ببطن المکتین علیٰ رجائی — حدیثک ان اریٰ منه خروجا
وما خبرتنا من قول قس — من الرھبان اکره ان یعوجا
بان محمدا سیسود قوماً — ویخصم من یکون له حجیا
ویظھر فی البلاد ضیاء نور — یقیم به البریة ان تموجا
فیلقی من یحاربه خسارا — ویلقی من یسالمه فلوجا
فیالیتی اذا ماکان ذاکم — شھدت وکنت اولھم ولوجا
ولوجا فی الذی کرھت قریش — ولو عجت بمکھا عجیجا
ارجی بالذی کرھوا جمیعا — الیٰ ذی العرش ان سفلوا عروجا
وھل امر السفاھة غیر کفر — بمن یختار من سمک البروجا
فان یبقوا وابق تکن امور — یصیح الکافرون لھا ضجیجا
وان اھلک فکل فتیً سیلقی — من الاقدار متلفة خروجا

ترجمہ: میں ایک سوچ پر قائم ہوں جس نے مجھے رلایا ہے اور میں نصیحت کے معاملے میں ایک نظریے پر قائم رہتا ہوں اور خدیجہ کے بار بار بیان کرنے کی وجہ سے اس پر قائم ہوں، اے خدیجہ! مجھے تو اس کا انتظار کرتے کرتے عمر گزر گئی ہے، آپ کی بات کی وجہ سے امید ہے کہ مکہ شہر میں ہی اس کا ظہور ہوگا اور راہب کے اس قول کی وجہ سے جو آپ نے مجھے بتایا ہے، یہ کہتا ہوں اور میں اس کے غلط ہونے کو ناپسند کرتا ہوں کہ جلد ہی محمد مصطفےٰ قوم کے سردار بن جائیں گے اور جو ان سے جھگڑا کرے گا، یہ اس پر غالب آئیں گے اور اس ملک میں نور کی ایسی روشنی پھیلے گی جس سے خلقت پریشان ہونے

سے بچ جائے گی، جو ان سے لڑے گا وہ گھاٹے میں رہے گا اور جو صلح کرے گا وہ کامیاب ہوگا، کاش ان کے ظہور کے وقت میں موجود رہوں اور ان کے دین میں سب سے پہلے داخل ہوؤں، اس دین میں داخل ہو جاؤں جس کو قریش مکروہ سمجھتے ہیں اور مکہ میں اس کے خلاف کتنا ہی شور مچاتے ہیں، میں امید کرتا ہوں کہ جس دین کو یہ سب مکروہ جانتے ہیں وہ مالک عرش کے نزدیک عروج کو پہنچے گا اور یہ نیچے گریں گے، کیا اس شخص کے ساتھ کفر کرنے کے سوا اور بھی کوئی حماقت ہے کہ جس کو آسمانوں کے خالق نے منتخب فرمالیا ہے، اگر وہ باقی رہے اور میں بھی باقی رہا تو ایسے واقعات رونما ہوں گے جن سے کفار چیخ چیخ پڑیں گے اور اگر میں ہلاک ہو گیا تو فکر نہیں، کیونکہ تقدیر ہر جوان کو ہلاکت تک پہنچا دے گی ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۱۳۴﴾ حضرت امام ابن اسحاق نے یونس کی روایت سے ورقہ کے وہ اشعار بھی ذکر کئے ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ کیا تو سویرے سویرے جائے گا یا شام کے وقت اور سینے میں چھپے ہوئے غم کی بنا پر عجیب پریشانی ہے، ان لوگوں کی جدائی کے باعث جن کی جدائی کو میں دوست نہیں رکھتا، یوں لگتا ہے کہ دو دن کے بعد تو ان سے دور ہو جائے گا، اور محمد مصطفےٰ ﷺ کے متعلق سچی خبریں آرہی ہیں جب آپ غائب ہوتے ہیں تو ایک خیر خواہ آدمی آپ کے بارے میں یہ خبریں بتاتا ہے، یہ وہ نوجوان ہے جس کی خیر کی زمین کے نشیب و فراز میں امید کی جاتی ہے اور بصریٰ کے بازاروں میں جن میں خمیدہ کمر اونٹنیاں بوجھ کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر چلتی ہیں، اس نے خوب معلوم کر کے ہمیں ہر بھلائی کی خبر دی ہے، حق کے مختلف دروازے ہیں اور ان کے کھولنے کے لئے چابیاں ہیں، کہ محمد بن عبداللہ ان سب انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جو پتھریلے میدانوں میں رہتے ہیں اور میرا بھی ان کے بارے میں یہی گمان ہے کہ انہیں جلد ہی سچ مچ رسول بنا کر بھیجا جائے گا جیسا کہ پہلے ہود اور صالح بھیجے گئے اور موسیٰ اور ابراہیم بھیجے گئے، حتیٰ کہ ان کی رونق اور واضح طور پر پھیلا ہوا ذکر ہر جگہ مشاہدہ کیا جائے گا، لوئ بن غالب کے دونوں قبیلوں کے نوجوان اور بوڑھے سرداران کی تابعداری کریں گے، اگر میں دوسرے لوگوں کی طرح ان کے زمانے میں باقی رہا تو میں ان کی آمد پر خوش ہوں گا اور مجھے ان کی

دوستی سے خوشی حاصل ہوگی، اگر باقی نہ رہا تو اے خدیجہ جان لیجئے میں آپ کی زمین چھوڑ کر دوسری وسیع اور عریض دنیا کی طرف کوچ کرنے والا ہوں، ﴿ایضاً ۱:۱۳۶﴾

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضرتِ ورقہ سے پہلے عتبہ کے غلام عداس کے پاس گئیں، وہ مذہباً نصرانی تھا، آپ نے اس سے فرمایا، اے عداس میں تمہیں خدا کی قسم دیتی ہوں، کیا تیرے پاس جبریل علیہ السلام کا علم ہے، عداس نے جواب دیا، قدوس، قدوس، جبریل علیہ السلام کی یہ شان نہیں کہ بت پرستوں کے علاقے میں ان کا ذکر کیا جائے، آپ نے فرمایا: اگر تمہیں علم ہے تو بے کم و کاست بیان کرو، اس نے کہا، بے شک وہ اللہ تعالیٰ اور انبیا کرام کے درمیان امین ہے، وہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کا خلوت نشین ہے، یہ سن کر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا واپس آ گئیں پھر ورقہ کے پاس گئیں اور سارے حالات اور پیش آمدہ عجائبات کو بیان کیا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۴۵﴾

مکہ مکرمہ سے فطری محبت:

حدیث پاک میں مذکور ہے کہ جب ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ سے عرض کیا آپ کی تکذیب کی جائے گی تو آپ خاموش رہے، جب انہوں نے کہا کہ آپ کو ایذا دی جائے گی تو پھر بھی آپ خاموش رہے، جب انہوں نے کہا کہ آپ اپنے وطن مبارک سے نکال دیئے جائیں گے تو آپ بول اٹھے، کیا وہ مجھے وطن سے نکال دیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن کی محبت انسان کے ریشے ریشے میں سمائی ہوئی ہے اور اس کی مفارقت نفس پر شاق گزرتی ہے، خصوصاً جب کہ وطن بھی حرم ہو اور اللہ تعالیٰ کے گھر کا قرب حاصل ہو اور آپ کے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا شہر ہو، اس لئے وطن سے نکالنے کے ذکر پر آپ کے دل میں وہ تحریک پیدا ہوئی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی، اس لئے فوراً فرمایا: کیا وہ مجھے وطن سے نکال دیں گے، دل کی تحریک اور اس پر وطن سے خروج کے شاق گزرنے کی دلیل ہمزہ استفہام کے بعد واؤ کا آنا ہے، حالانکہ سوال صرف نکالنے کے ساتھ خاص ہے کیونکہ واؤ پہلے کلام کی طرف لوٹاتی ہے جس سے مخاطب سمجھتا ہے کہ استفہام انکار کے طور پر ہے اور متکلم کے کلام پر غم اور دکھ کے اظہار کے لئے ہے، اگر کوئی اس کرب اور اندوہ کا جائزہ لینا چاہے تو آپ کے سفر ہجرت کا مشاہدہ کر لے، آپ مکہ مکرمہ اور کعبہ

مشرفہ سے جدا ہوتے وقت کسقدر غمگین تھے، صحابہ کرام کو بھی اس شام جدائی کا ہر آن احساس ہوتا تھا، دین ہدایت کی اشاعت کے لئے ایسے عالیشان وطن کو چھوڑ دینا واقعی بیمثال قربانی ہے۔

فترۃ الوحی کا دورانیہ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ **فترة الوحی** یعنی وحی رک جانے کے زمانے کا تذکرہ فرمارہے تھے، آپ نے فرمایا میں جارہا تھا کہ اچانک میں نے ایک آواز سنی، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، میں خوفزدہ ہو گیا اور گھر پہنچا اور میں نے کہا زملونی زملونی مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، اہل خانہ نے مجھے کپڑا اوڑھا دیا، اس وقت آیات مبارکہ نازل ہوئیں:

> **یا ایھا المدثر O قم فانذر O و ربک فکبر و ثیابک فطھر O** اے کپڑا اوڑھنے والے، اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اپنے لباس کو پاک رکھو اور بتوں سے کنارہ کشی پر مستقیم رہو۔ ﴿سورۃ المدثر﴾

پھر وحی مسلسل اور لگاتار نازل ہونے لگی، ﴿صحیح مسلم کتاب الایمان﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند کے ساتھ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں غار حرا میں ایک ماہ تک رہا، جب مدت پوری ہوئی تو وادی کے اندر چلا گیا، اچانک مجھے کسی نے آواز دی، میں نے ہر طرف دیکھا مگر کوئی شخص نظر نہ آیا، پھر تیسری بار آواز آئی تو میں نے اوپر دیکھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام ایک تخت پر بیٹھے ہوئے نظر آئے، مجھے سخت ڈر لگا، میں خدیجہ الکبریٰ کے پاس آیا اور کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو، اہل خانہ نے مجھے کپڑا اوڑھایا اور مجھ پر پانی کے چھینٹے ڈالے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کلام نازل فرمایا، **یا ایھا المدثر** .... ایک اور روایت میں ہے، حضرت جبریل امین علیہ السلام اس تخت پر بیٹھے ہوئے تھے جو زمین اور آسمان کے درمیان تھا ﴿ایضاً کتاب الایمان﴾ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب التعبیر میں یہ اضافہ لکھا ہے کہ جب وحی کا آنا رک گیا تو حضور نبی اکرم ﷺ اس قدر غمگین ہو گئے کہ آپ بار بار دوڑتے تا کہ آپ خود کو پہاڑوں کی بلندیوں سے زمین پر گرا دیں، جب بھی

اس ارادے کے ساتھ کسی پہاڑ کی بلندی پر پہنچتے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام آپ کے سامنے جلوہ گر ہو کر عرض کرتے، اے محمد مصطفےٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، پھر آپ کا اضطراب ختم ہو جاتا اور آپ واپس چلے جاتے، پھر جب انقطاع وحی کا سلسلہ دراز ہو گیا تو آپ پھر پہاڑ کی بلندی پر چلے گئے ﴿تا کہ خود کو زمین پر گرا دیں﴾ پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام نے سامنے آ کر اسی طرح عرض کیا، ﴿صحیح بخاری کتاب التعبیر﴾ اس حدیث پاک کو اور لوگوں نے بھی رقم کیا ہے اور اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں، مثلاً یہ ابتدائی واقعہ ہے جب آپ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا جیسا کہ امام ابن اسحاق نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے، یا یہ اس دور کا واقعہ ہے جب قوم نے آپ کی تکذیب کی تو آپ از حد پریشان ہو گئے، جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا، آپ کہیں غم کی شدت سے ان کے پیچھے اپنی جان ہی نہ دے بیٹھیں اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں ﴿سورۃ کہف آیت ۶﴾ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو بہت زیادہ خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں وحی کے انقطاع کا سبب اللہ تعالیٰ کی ناراضی نہ ہو اور اس شدت خوف کی وجہ سے آپ نے خود کو پہاڑوں کی بلندی سے گرا دینے کا ارادہ کیا ہو، اس وقت شریعت میں خودکشی کی ممانعت نہیں ہوئی تھی ﴿ لہذا آپ کا یہ ارادہ گناہ کے زمرے میں شامل نہیں ہوتا﴾ ﴿عمدۃ القاری ۱:۵۶﴾ بعض نے لکھا ہے کہ آپ کی نبوت کے باوجود آپ کی طبیعت بشری بالکل زائل نہیں ہوئی تھی، اس لئے اچانک فرشتے کو دیکھ کر گھبرائے اور وحشت زدہ ہوئے، جب اس قسم کے واقعات بار بار ہوئے تو آپ مانوس ہو گئے پھر جب انقطاع وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ پر ہجر و فراق کی یہ کیفیت بہت شاق گزری کیونکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خطاب نہیں ہوا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور مخلوق خدا کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، باقی رہا یہ کام کہ آپ نے اپنے آپ کو پہاڑ کی بلندی سے گرا دینے کا ارادہ کیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس وقت منصب نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی مشق نہیں تھی اور آپ کو خدشہ تھا کہ لوگ آپ کے خلاف ہو جائیں گے ﴿ملخصاً فتح الباری ۱۲:۳۶۲﴾ اگرچہ شارحین حدیث نے ان توجیہات کی وجہ سے حضور پیغمبر نور ﷺ کے اس اقدام کی مناسب طور پر وضاحت کر دی ہے لیکن اس کے باوجود ہر قلبِ مومن میں یہ خلش ضرور باقی رہ جاتی ہے کہ اتنے اولوالعزم رسول کی شان

سے ایسے اقدام کا ارادہ بہت بعید ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے تو کیا ہوا، اس کتاب کی صحت وثقاہت کو مدنظر رکھنے سے پہلے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی عظمت و منزلت کو دیکھنا چاہئے، کیونکہ آپ کا گناہ اور گناہ کے ارادے سے معصوم ہونا قطعی عقیدوں میں شامل ہے، آپ اعلان بعثت سے پہلے بھی اس عصمت ربانی کے شہکار تھے، لہذا توجیہات میں پڑنے کی بجائے یہ کہہ دینا مناسب ہے اور ایمانی تقاضوں کے مطابق ہے کہ حدیث کا یہ حصہ صحیح نہیں، حضرت امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے، یہ حدیث معمر کی بلاغات میں سے ہے ﴿گویا حدیث منقطع ہے﴾ امام بخاری نے اس کی سند کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کے راوی کا ذکر کیا ہے، نہ یہ وضاحت کی ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا بیان ہے اور نہ یہ واقعہ آپ کی سیرت میں معروف ہے، ﴿عمدۃ القاری ۱:۵۶﴾ حضرت امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری نے جو بیان کیا کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے، اس حدیث میں اضافہ ﴿یعنی آپ خود کو پہاڑ کی بلندی سے گرا دینے کا ارادہ فرماتے﴾ صرف معمر کا تفرد ہے، یہ اضافہ عقیل اور یونس کی روایت میں موجود نہیں، امام بخاری کے ذکر کرنے سے یہ وہم گزرتا ہے کہ یہ اضافہ عقیل کی روایت میں بھی ہے۔ امام بخاری نے اس کو معمر از زہری سے روایت کیا ہے کہ وحی رک گئی اور آپ غمناک ہو گئے وغیرہ، میرے ہاں یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے، امام ابو نعیم نے اپنی مستخرج میں امام بخاری کے استاد شیخ ابو ذرعہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ اضافہ نہیں، امام اسماعیلی نے بھی صراحت سے لکھا ہے کہ یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے، امام احمد، امام مسلم، امام اسماعیلی اور امام ابو نعیم رحمہم اللہ نے اس حدیث کو اس اضافے کے بغیر حضرت لیث سے روایت کیا ہے، حدیث میں یہ الفاظ کہ جو چیز ہمیں پہنچی ہے، اس کا قائل صرف زہری ہے، گویا یہ واقعہ زہری کی بلاغات میں شامل ہے، یہ حدیث موصول نہیں ﴿یعنی منقطع ہے﴾ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی تقریر ظاہر ہے: اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اضافہ مدرج ہو لیکن پہلی تقریر ہی زیادہ قابل اعتماد ہے، ﴿فتح الباری ۱۲/۳۵۱﴾ حضرت علامہ ابراہیم عرجون نے اس بحث پر تقریباً سو صفحات رقم فرمائے ہیں اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، انہوں نے اس بحث کا آغاز ہی ان جملوں سے کیا ہے، خود کو پہاڑ کی بلندی سے گرا دینے

والا واقعہ بداء الوحی کی حدیث میں باہر سے چسپاں کر دیا گیا ہے، لہذا یہ باطل ہے اور مردود ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں، مثلاً حضرت امام عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی نسبت معمر کی طرف ہو یا زہری کی طرف، یہ مرفوع نہیں، درمیان کے دو تین واسطوں کا ذکر تک نہیں، معلوم نہیں وہ کس قسم کے لوگ تھے، یہ تسلیم ہے کہ معمر اور زہری ثقہ راوی ہیں اور حدیث کے امام ہیں لیکن جن لوگوں سے انہوں نے حدیث حاصل کی ان کا نام اور حال معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ثقہ راوی ہمیشہ ثقہ راوی سے ہی روایت حاصل کرتا ہے، کبھی ثقہ راوی غیر ثقہ راوی سے روایت کرتا ہے تو وہ اس کی نظر میں تو ثقہ ہوتا ہے لیکن دیگر علما کی نظر میں وہ ضعیف ہوتا ہے، اور اُس کی روایت قبول نہیں ہوتی، ﴿محمد رسول اللہ: ۳۸۷﴾ پھر اس حدیث کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ امام زہری کی مرسلات میں سے ہوگی، امام یحییٰ بن سعید قطان جیسے ناقدین نے امام زہری کی مرسلات پر شدید تنقید کی ہے، ہمیں یہ بھی قبول ہے کہ امام زہری کا حافظہ بے مثال تھا لیکن اس کے باوجود وہ معصوم نہیں تھے، ہمیں سند کی صحت پر بھی یقین ہو جائے تو پھر بھی حدیث کا متن بخوبی دیکھنا چاہیے، وہ دین کے بنیادی اصولوں سے تو نہیں ٹکرا رہا، اس حدیث کا یہ اضافی حصہ عصمت نبوت کے بنیادی عقیدے کو متزلزل کر رہا ہے اور حضور پیغمبر نور ﷺ کی شان عزم کو گھٹا رہا ہے لہذا قابل قبول نہیں ہو سکتا، انقطاع وحی کی مدت کے بارے میں خاصا اختلاف ہے، امام شعبی کی روایت کے مطابق انقطاع وحی کی مدت تین سال تھی، امام ابن اسحاق نے اسی پر اعتماد کیا ہے، امام بیہقی نے نقل کیا ہے کہ یہ مدت چھ ماہ تھی، امام سہیلی کے نزدیک اڑھائی سال ہے' ﴿فتح الباری ۱: ۵۰۹﴾ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابتدائے نبوت میں تین سال تک آپ کے ساتھ حضرت اسرافیل علیہ السلام رہے، بعد ازاں حضرت جبریل علیہ السلام خدمت اقدس پر مامور ہوئے، پھر دس سال آپ پر قرآن نازل ہوا ﴿ اس کے بعد ہجرت واقع ہوئی ﴾ امام واقدی نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف حضرت جبریل علیہ السلام ہی مقرر تھے، امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام واقدی کے انکار کو تسلیم نہیں کیا، وہ فرماتے ہیں کہ مثبت روایت نافی پر مقدم ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ مدت چند دن

تک محدود تھی، انہی سے ایک روایت اس طرح بھی مروی ہے کہ انقطاع وحی کی مدت چالیس روز تھی، تفسیر ابن جوزی میں پندرہ دن منقول ہے جبکہ مقاتل نے تین دن بیان کی ہے، حضرت امام محمد صالحی نے یہ مختلف اقوال لکھنے کے بعد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کی شان وجاہت کو پیش نظر رکھا جائے تو ''تین دن'' کا قول از حد مناسب ہے، امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے امام شعبی کی روایت کو صحیح مانتے ہوئے انقطاع وحی کی مدت کو اڑھائی سال قرار دیا ہے لیکن امام شعبی کی روایت مرسل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت سے متصادم ہے، جس کو امام ابن سعد نے اس طرح نقل کیا ہے، چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انقطاعِ وحی کی مدت چندروز بیان کی ہے لہذا ان کی مرفوع روایت امام شعبی کی مرسل روایت سے زیادہ قوی ہے اور ارجح ہے، ﴿فتح الباری ۱:۳۱۳﴾ انقطاعِ وحی کی حکمت یہ تھی کہ نزولِ وحی کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو جس ہیبت وخشیت کا سامنا تھا وہ دور ہو جائے اور حصولِ وحی کیلئے آپ کے دل میں انتظارِ شوق جنم لے سکے، ﴿اشعۃ اللمعات ۴:۵۰۹﴾ سیرت نگاروں میں یہ بھی اختلاف ہے کہ قرآن حکیم کی کونسی آیات بینات پہلے نازل ہوئیں، مشہور روایت کے مطابق تو سورۃ العلق کی ابتدائی آیاتِ مبارکہ سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں، امام محی الدین نووی لکھتے ہیں کہ یہی حق وصواب ہے کیونکہ اس پر جمہور اسلاف واخلاف کا مذہب ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۳﴾ ایک روایت میں ہے کہ سورۃ الفاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی، امام بیہقی لکھتے ہیں کہ یہ روایت محفوظ نہیں، کچھ روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات مبارکہ کو اولیت حاصل ہے، امام نووی لکھتے ہیں کہ یہ قول ضعیف ہی نہیں، باطل ہے، کچھ روایات میں سورۃ الضحیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے نازل ہوئی، ان مختلف روایات میں اس طرح تطبیق پیدا کی گئی ہے کہ حقیقی اولیت تو سورۃ العلق کی ابتدائی آیات مبارکہ کو حاصل ہے، انقطاعِ وحی کے اختتام پر سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات مبارکہ سب سے پہلے نازل ہوئیں جیسا کہ بخاری ومسلم کی صحیح روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، علامہ ابن کثیر سے اسی طرح منقول ہے ﴿سیرۃ نبویہ ۱:۴۱۲﴾ سورۃ الضحیٰ کی شان نزول کچھ اس طرح ہے، حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ علالت کی وجہ سے

دو یا تین راتوں میں قیام نہ فرما سکے تو ایک مشرک عورت نے زبان طعن دراز کی، اے محمد مصطفیٰ، میرا گمان ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، ﴿استغفر اللہ﴾ وہ دو تین راتوں سے تیرے پاس نہیں آیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کی دلجوئی کے لئے مکمل سورۃ الضحیٰ نازل فرمائی۔﴿صحیح بخاری کتاب التفسیر﴾ لہٰذا ان دلائل سے بآسانی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وحی الٰہی کا آغاز سورۃ العلق کی ابتدائی آیات مبارکہ **اقـــراء بـــاســم ربـــک**...... سے ہوا، بعدہ وحی کا نزول رک گیا، جب دوبارہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات مبارکہ **یـــا ایـهـــا الـمـدثـر**...... نازل ہوئیں، پھر کچھ عرصہ تک آپ کے مزاج گرامی کی وجہ سے قیام لیل کا عمل موقوف ہوا اور کفار مکہ نے زبان طعن دراز کی تو اس کچھ عرصے کے بعد سب سے پہلے سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی جس میں کفار مکہ کی زبان طعن کا جواب بھی ہے اور حضور اکرم ﷺ کی شان یکتائی اور کمال دلربائی کا شباب بھی ہے، ذرا دیکھے کتنا حسین انداز ہے!

⊙...... قسم ہے روز روشن کی ○ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے ○ نہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا ○ اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی تمہارے لئے پہلی گھڑی سے بہتر ہے ○ اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے ○ کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا پھر ﴿آغوش رحمت میں﴾ جگہ دی ○ اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا ○ اور تمہیں حاجت مند پایا تو غنی کر دیا ○ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے ○ اور جو مانگنے آئے اس کو مت جھڑکئے ○ اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کا خوب چرچا کیجئے ○

اس سورت مقدسہ میں حضور اکرم ﷺ کے مقامات و کمالات کی خوبصورت کہکشاں جگمگا رہی ہے، آیئے انوار کی چند کرنوں سے اپنے دیدہ و دل کو تابناک کیجئے:

⊙...... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ 'ضحیٰ' سے مراد ولادت پیغمبرِ نور کا عظیم دن ہے اور 'لیل' سے مراد ان کی معراج کی رات ہے، بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ 'ضحیٰ' سے مراد چہرہ مصطفیٰ ہے اور 'لیل' سے مراد ان کا

گیسوئے دوتا ہے، بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ 'ضحیٰ' سے مراد آپ کا نور علم ہے جس کی وجہ سے عالم غیب کے مخفی اسرار منکشف ہوئے اور 'لیل' سے مراد آپ کا عفو و درگزر ہے جس نے اپنے دامن میں امت کے عیوب و نقائص کو ڈھانپ رکھا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ 'ضحیٰ' سے مراد آپ کے ظاہری احوال ہیں جن سے ساری مخلوق آگاہ ہے اور 'لیل' سے مراد آپ کے باطنی احوال ہیں جن سے صرف خدائے بزرگ ہی آشنا ہے، ﴿تفسیر عزیزی﴾

⊙...... روز روشن اور شب تاریک کی قسم اٹھا کر ساری کائنات پر ظاہر کر دیا کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب اکرم ﷺ کو فراموش نہیں کیا، کیا حسن تخلیق کے اس شہکار کو بھی چھوڑا جائے گا، جس کے رخ اقدس سے دن کے اجالے پھوٹتے ہیں، سورج اور چاند نور کی خیرات حاصل کرتے ہیں اور جس کی زلف عنبریں سے رات کی سیاہیاں جنم لیتی ہیں جن کے مدہوش سایوں میں مخلوق کو آرام کی نیند نصیب ہوتی ہے، آخر یہ لوگ سمجھتے کیوں نہیں کہ اگر نزول وحی میں حکمتوں کا ایک جہان آباد تھا انقطاع وحی میں بھی بصیرتوں کی ایک دنیا پوشیدہ ہے، لہذا ان طعن تراشیوں اور الزام بیانیوں کا دروازہ بند ہونا چاہئے،

⊙...... حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر احسانات کبریا کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا رہے گا جس کی کوئی انتہا متصور نہیں، اس آیت مبارکہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے روشن مستقبل کی دلکش تصویر ہے، کون جانتا تھا کہ آج جو خون کے پیاسے تھے کل وضو کے ایک ایک قطرے کو ترستے ہوں گے، آج جو خشمگین نگاہوں سے دیکھتے تھے، کل وہی ان کے جلوؤں کو سمونے کے لئے چشمِ نرگس کی طرح محو دیدار ہوں گے، آج جو گریز پا تھے، کل وہی متاع حیات کو ان کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے پروانہ وار دوڑتے ہوں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، امت محبوب کو جو فتوحات میسر ہوں گی، آپ کو دکھائی گئیں جن کو دیکھ کر آپ بہت مسرور ہوئے، اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ، یعنی ہمارے الطاف بے پایاں انہی فتوحات میں محدود نہیں، آپ کی ہر شان شانِ رفتہ سے زیادہ شاندار ہوگی،

⊙...... حضور شافعِ نشور ﷺ کو اپنی امت کی بخشش و مغفرت کا خیال ہر وقت دامنگیر تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر آپ کے تمام تفکرات کو دور فرما دیا کہ عنقریب تمہارا رب تمہیں

اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے، حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک میرا رب مجھے فرمائے گا، اے محمد مصطفےٰ، کیا تم راضی ہو گئے، میں عرض کروں گا ہاں میرے پروردگار میں راضی ہو گیا، ﴿روح المعانی﴾ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعائیں پڑھیں تو زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا، اے اللہ میری امت، میری امت، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ میرے محبوب کو پیغام سنا دو، **انا سنرضیک فی امتک ولا نسوءک** ہم تمہیں امت کے معاملے میں ضرور راضی کریں گے اور کبھی آپ کو غمناک نہیں کریں گے۔

⊙ ...... آگے چند انعامات کا ذکر ہو رہا ہے، وہ یہ کہ آپ پیدا ہوئے تو والد گرامی کا سایہ نہیں تھا، پھر مادر مہربان بھی چلی گئیں، پھر جدامجد بھی رخصت ہو گئے، زندگی کی ان جاں گسل گھڑیوں میں صرف رحمتِ خداوندی آپ کی دستگیری فرماتی رہی، اور جہالت و سفاہت کے اس کرب ناک ماحول میں آپ کی معصومانہ اداؤں اور پاکیزہ صداؤں کے جوہر نمایاں ہوتے رہے، لفظ 'فاویٰ' سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے خاص لطف و کرم سے سنگلاخ دلوں میں بھی آپ کی محبت و مودت کے جذبے پروان چڑھا دیئے، حضرت امام آلوسی نے لکھا ہے کہ یہاں یتیم سے مراد عدیم النظیر ہے، یعنی جس کی کائنات ارضی و سماوی میں کوئی مثال نہ ہو، گویا آپ صدفِ امکان میں گوہر شاداب کی صورت تھے، یگانہ روزگار تھے **فاواک الیہ وجعلک فی حق اصطفاہ**، پس خدائے بزرگ نے آپ کو اپنی رحمت کے جھرمٹ میں لے کر پناہ عطا فرما دی۔

⊙ ...... ارشاد خداوندی ہے؛ **ووجدک ضالا فھدیٰ**، اور ہم نے تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا، یہاں بہت سے ترجمہ نگاروں نے ایسا ترجمہ کر دیا ہے جس سے نبوت و رسالت کے اعلیٰ مقام کی طرف انگشت نمائی کی گنجائش نکلتی ہے، وہ لفظ 'ضالاً' کا ترجمہ کرتے ہیں، ہم نے تمہیں گمراہ پایا، وغیرہ، حالانکہ یہ ترجمہ سیرت محبوبی کے سراسر خلاف ہے، اگر آپ گمراہ ہوتے تو قرآن پاک کبھی نہ فرماتا، ﴿فرمایئے﴾ اس

سے پہلے میں نے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کی ہے، کیا تمہیں عقل نہیں، گویا آپ کی سیرت محبوبی آپ کی روشن تعلیمات کی بہترین گواہ ہے، اگر اس میں گمراہی کا شائبہ بھی ہوتا تو وہ زبان دراز قسم کے لوگ ضرور پکار اٹھتے، آپ میں فلاں عیب ہے، خدا شاہد ہے کسی جانی دشمن کو بھی آپ کی صداقت و امانت میں کوئی شک نہیں تھا، پھر قرآن پاک ہی نے فرمایا:
ما ضل صاحبکم و ما غوی "تمہارا صاحب ہرگز گمراہ نہیں ہوا" ﴿سورۃ النجم﴾ مذکورہ صدر ترجمے سے تو قرآن پاک میں تضاد ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ ایک طرف تو کہتا ہے گمراہ نہیں ہوا اور ایک طرف کہتا ہے ہم نے تمہیں گمراہ پایا، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ سورۃ الضحیٰ میں مذکور لفظ ضالاً کا کچھ اور معنیٰ ہے، حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
الضلال بمعنی المحبۃ کمافی قولہ تعالیٰ انک فی ضلالک القدیم، یہاں لفظ ضلال کا معنیٰ محبت ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماننے والے کہنے لگے﴾ بے شک آپ تو اسی پرانی محبت میں گرفتار ہیں، حضرت امام ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بعض صوفیہ کا قول ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے، ہم نے تمہیں اپنے عشق و محبت میں بہت زیادہ بڑھا ہوا پایا تو تمہیں اپنے محبوب حقیقی کے وصال سے مشرف کر دیا یہاں تک کہ تم دو قوسوں کے برابر ہو گئے بلکہ اور زیادہ قریب ہو گئے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ضالاً کا معنیٰ متحیراً ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن پاک کے بیان میں متحیر پایا تو اس کے بیان کا طریقہ سکھا دیا، بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ 'ضال' اس درخت کو کہتے ہیں جو صحرا کی وسعتوں میں مسافروں کے لئے منزل مقصود کا سراغ ہوتا ہے، گویا حضور اقدس ﷺ عرب کے ریگستان میں ایک ایسے شجر سایہ دار کی مانند تھے جس کی چھاؤں میں لوگوں کو ایمان اور عرفان کے برگ و ثمر نصیب ہوتے ہیں، پس آپ کے وسیلے سے لوگوں کو ہدایت عطا ہوئی، پھر بھی سردار قوم کو مخاطب کیا جاتا ہے مگر اصل میں مخاطب قوم ہوتی ہے، یہ بھی ایک توجیہ ہے، بہر حال ان معانی میں سے کسی معنیٰ پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا معنیٰ گمراہ کرنا بذات خود گمراہی کو آواز دینے کے مترادف ہے۔

⊙ ...... آیتِ مبارکہ میں آپ کے لئے لفظ 'عائلاً' استعمال ہوا ہے، عائل کے دو مطلب ہیں،

تنگدست اور حاجت مند ہونا یا پھر عیال دار ہونا، پورا معنیٰ اس طرح ہوا کہ تمہیں عیال دار پایا تو غنی کر دیا، یہ ساری امت مرحومہ آپ کی عیال ہے اور آپ اس کی کفالت میں غنی ہیں، خوب عطا فرما رہے ہیں، قرآن پاک ہے، اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو مالدار کر دیا، حدیث پاک ہے، اللہ ہی عطا فرماتا ہے اور میں ہی تقسیم کرتا ہوں، یہاں شانِ غنا کی دو صورتیں ہیں، اولا ظاہری غنا کی یہ صورت تھی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال آپ کے سپرد کر دیا، ان کے بعد حضرت صدیق اکبر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے جملہ اسباب آپ کے قدموں میں ڈھیر ہوتے رہے، ثانیاً حقیقی غنا کی یہ صورت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا فرما دیں اور کائنات کی ہر چیز کو آپ کے لئے مسخر فرما دیا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے فقر اختیاری کی شان دیکھی تو عرض کی، اپنے لئے اتنا تو ضرور مانگئے کہ فاقوں کی نوبت نہ آئے، آپ نے فرمایا، اگر میں چاہوں تو یہ پہاڑ سونے کا بن کر میرے ساتھ چلنا شروع کر دے، آپ کا قلبِ مبارک دنیا و مافیہا سے از حد مستغنی رہا، دنیا کی کوئی خواہش آپ کو مغلوب نہ کر سکی۔

گزید فقر کہ فرماں روائے ملک ابد
بمشت خاک ندارد ہوائے سلطانی

یعنی جس کو ملک ابد کا تاجدار بنایا گیا ہو وہ ایک مشتِ خاک پر حکومت کرنے کی کوئی آرزو نہیں رکھتا، ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ذاتی طور پر دنیا کے مال و اسباب سے کبھی کوئی غرض نہیں تھی، چونکہ آپ اپنے مہربان چچا حضرت ابو طالب کی عیال داری اور معاشی پریشانی دیکھ کر ضرور غم ناک ہوتے تھے، یہ آپ کی شان رقت کا تقاضا بھی تھا، لہذا اس صورت حال کو سامنے رکھ کر نوید جانفزا سنائی کہ ہم نے تمہیں حاجت مند پایا تو غنی کر دیا، چنانچہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمانے کے بعد آپ کی معاشی حالت میں خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی تو آپ کے چچا حضرت ابو طالب نے شکر کا سانس لیا، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہم سے غم واندوہ کو دور کر دیا ہے۔

⊙...... آپ در یتیم پیدا ہوئے لہذا آپ سے بڑھ کر کون یتیموں اور بے نواؤں کے غم و الآم کو محسوس کر سکتا تھا، آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ہر یتیم کو محبت و اعانت کے سائے میں پناہ عطا فرمائیں، ایک آدمی نے اپنی سنگدلی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ

تمہارا دل نرم ہو جائے تو کسی یتیم کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا کرو، آپ نے فرمایا: کسی یتیم کے رونے سے خدا کا عرش بھی لرزنے لگتا ہے، آپ نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان انگلیوں کی طرح ساتھ ہوں گے، اس آیت مبارکہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے یتیموں پر سختی کرتے تھے، بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ محبوب آپ شروع سے یتیم پرور اور غریب نواز ہیں، بس اسی طریقے پر گامزن رہیں، آپ کی یہ ادائے دلنوازی اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔

⊙...... سوالی کو تو وہ جھڑکتا ہے جس کو اپنے مال واسباب کے ختم ہو جانے کا خوف رہتا ہے، آپ کے پروردگار نے آپ کو شانِ استغنا سے مالا مال کر دیا ہے، دنیا و آخرت کے خزانے عطا فرما دیئے ہیں، آپ کو کیا ضرورت ہے کسی سائل کے سوال سے پریشان ہونے کی، کوئی ایک واقعہ ہو تو بیان کیا جائے، یہاں تو عرشی اور فرشی سب اس دسترخوانِ کرم کی خیرات حاصل کرنے کے لئے مچل رہے ہیں اور آپ سب کو ان کی استعداد کے مطابق عطا فرما رہے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب بھی کسی سائل نے آپ سے سوال کیا، آپ نے جواب میں 'لا' نہیں فرمایا، ﴿بخاری﴾ ایک مرتبہ بحرین سے نوے ہزار درہم موصول ہوئے، آپ نماز فجر سے لے کر نماز ظہر تک بانٹتے رہے، ایک سائل بعد میں آ گیا تو آپ نے ادھار لے کر اس کی ضرورت پوری فرمائی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں، ان کی بات آپ کو ناگوار گزری، ایک انصاری نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ دل بھر کر خرچ کیجئے اور عرش والے خدا سے قلت و عسرت کا کوئی خوف نہ رکھیے، آپ اس کی بات سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے کہ چہرہ اقدس پھول کی طرح کھل اٹھا، آپ نے ارشاد فرمایا: میرے خدا تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے، ﴿جامع ترمذی﴾ حضرت شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب مخلوق کے معاملات آپ کے دست ہمت و کرامت کے سپرد ہیں، آپ جو چاہتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے عطا فرماتے ہیں۔ ﴿اشعۃ اللمعات ۱:۳۹۶﴾

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

⊙...... اپنے رب کریم کی نعمتوں کا خوب چرچا کیجئے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا اظہار کرنا شکر کہلاتا ہے، ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم حقیقی کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے، مثلاً نعمت مال کا شکر ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں استعمال کیا جائے، حضور انور ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کا دروازہ کھلا ہوا ہے، آپ نے کثرت کے ساتھ ان کا اظہار بھی فرمایا ہے، صرف ایک حدیث پاک کو ملاحظہ کیجئے، فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا، یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا، اس روز پرچم حمد میرے ہاتھ میں ہوگا، اس دن تمام انبیا میرے جھنڈے کے نیچے پناہ لیں گے، قیامت کے دن میں سب سے پہلے زمین سے باہر نکلوں گا، یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے
خدا شاہد ہے روز حشر کا کھٹکا نہیں رہتا
مجھے جب یاد آتا ہے کہ میرا کون والی ہے

سورۃ الضحیٰ کے لاجواب مضامین نے جہاں حضور اکرم ﷺ کے کمالات کو اجاگر کیا وہاں دشمنان نبوت کے منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے، اس کے بعد وحی الٰہی کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا اور زمانے کی بے خانماں انسانیت کے لئے فوز وفلاح کے راستے درخشاں ہوتے چلے گئے، حضرت امام یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ابن عادل کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ دفعہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار دفعہ، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس دفعہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس دفعہ، حضرت موسیٰ پر چار سو دفعہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس دفعہ نازل ہوئے، ﴿انوار محمدیہ: ۵۸﴾ ایسا ہی مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ میں منقول ہے۔

اقراء اور ایھا المدثر کے اسرار:

سورۃ العلق کی اور سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات مبارکہ کے نزول میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں، ان کا مطالعہ فکر وشعور کے سوتوں کے لئے مہیز کا کام دے گا، شیخ عبداللہ بن محمد اپنے والد شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

⊙...... اقراء کے شروع میں علم طلب کرنے کا اور المدثر کے شروع میں اس پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں آپ پر اللہ کے انعام کا اور المدثر کے شروع میں اللہ کے حق کا ذکر ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں استعانت کی اور المدثر کے شروع میں صبر کی تلقین ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں خالص استعانت اور المدثر کے شروع میں خالص عبادت کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں متعلم اور المدثر کے شروع میں عالم کے آداب کا ذکر ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں اللہ اور نفس کی معرفت اور المدثر کے شروع میں امر و نہی کا بیان ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں قلم کا ذکر ہے جس پر علم کا دارو مدار ہے، المدثر کے شروع میں صبر کا ذکر ہے جس پر عمل کا دارومدار ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں اسماء وصفات کے اصل، علم اور قدرت کا اور المدثر کے شروع میں امرونہی کے اصل ﴿توحید کے امر نیز شرک سے نہی﴾ کا بیان ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں عمل ذاتی اور المدثر کے شروع میں عمل متعدی الی الخیر کا ذکر ہے،

⊙...... اقراء کے شروع میں خبر سے تعلق رکھنے والی چھ چیزوں اور المدثر سے شروع میں 'انشا' سے متعلق چھ چیزوں کا بیان ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں انسان کے اصل مادہ اور المدثر کے شروع میں اس کے کمال کا ذکر ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں ربوبیت عامہ اور المدثر کے شروع میں ربوبیت خاصہ کا ذکر ہے۔

⊙...... اقراء کے شروع میں ابتدائے نبوت اور المدثر کے شروع میں ابتدائے رسالت کا ذکر ہے۔

⊙...... اقراء اور المدثر میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان العلم قبل العمل یعنی عمل سے پہلے علم کا ثبوت ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۱۴۴﴾ حضرت امام یوسف بنھائی بھی لکھتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی

رسالت پر آپ کی نبوت کو تقدم حاصل ہے، چنانچہ سورہ اقراء میں نبوت کا بیان ہے اور سورۃ المدثر میں آپ کے نذیر اور بشیر ہونے اور شریعت کا ذکر ہے جو عطائے رسالت کے بعد نازل ہوئی، ﴿انوار محمدیہ:۵۹﴾

حضور کی ابتدائی عبادت:

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں علما کرام فرماتے ہیں کہ ایمان وتوحید کے بعد عبادات میں سب سے پہلے دو رکعت نماز واجب ہوئی جس کی حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اقدس ﷺ کو تعلیم دی اور آپ نے ان کے ساتھ ادا فرمائی، مقاتل نے کہا ہے کہ ابتدا میں نماز کی فرضیت دو رکعتوں میں تھی، دو رکعت فجر اور دو رکعت عشا میں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

⊙ ...... **وسبح بحمد ربک بالعشی والا بکار**، اور اپنے رب کی تسبیح عشا اور فجر میں کرو،

فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ واقعہ معراج سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح صحابہ کرام بھی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز پنجگانہ کی قسم میں سے کوئی نماز فرض تھی، بعض کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز فرض تھی اور وہ اس پر حجت میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لاتے ہیں کہ اپنے رب کی تسبیح کرو سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے، امام نووی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پر جو چیز سب سے پہلے واجب ہوئی وہ انذار اور توحید کی دعوت ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ نے رات کے قیام کو فرض کیا جیسا کہ سورۃ المزمل میں مذکور ہے، اس کو آخر سورت میں منسوخ فرما دیا، اس کے بعد شب معراج میں پنجگانہ کے واجب ہونے پر سب کو منسوخ کر دیا، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۷﴾ محدث ابن جوزی لکھتے ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی ایڑی سے زمین کو کھرچا تو اس سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، تب انہوں نے آپ کو کیفیت وضو کا عملی نمونہ دکھایا اور دو رکعت نماز ادا کر کے کیفیت صلوٰۃ کا درس دیا ﴿الوفا:۲۰۳﴾

مولانا سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ نزول وحی کے بعد روح الامین نبی ﷺ کو دامن کوہ میں لائے، نبی ﷺ کے سامنے خود وضو کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی وضو کیا، پھر دونوں نے نماز پڑھی، روح الامین نے پڑھائی، ﴿رحمۃ للعالمین ۱:۴۴﴾

بعثت مصطفیٰ کے مقاصد:

حضور اکرم، رسول اعظم ﷺ کی بعثت و نبوت ایک قبیلے، ایک کنبے، ایک قریے، ایک صوبے یا ایک خطے یا ایک منطقے کے لئے نہیں آپ کی بعثت و نبوت قیامت تک کے انسانوں اور جنوں کے لئے صراط مستقیم کا روشن مینار ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

⊙......وما ارسلنک الا رحمةً للعالمین، اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ ﴿سورۃ الانبیا آیت ۱۰۷﴾

⊙......لیکون للعالمین نذیراً، تا کہ آپ تمام جہانوں کے لئے ڈر سنانے والے ہو جائیں، ﴿سورۃ الفرقان آیت:۱﴾

⊙......کافة للناس بشیراً وّ نذیراً، آپ کو تمام نوع انسانی کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا۔

⊙......انی رسول اللہ علیکم جمیعاً، فرمایئے، لوگو میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول ہوں، ﴿سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸﴾

حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ میں تمام مخلوق کی طرف ارسال کیا گیا ہوں، حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خدا جس کا خدا ہے حضور پر نور ﷺ اس کے رسول ہیں''۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیا و رسل
اس جہانگیر بعثت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں
اس کی قاہر ریاست پر لاکھوں سلام

حضور نور علی نور ﷺ کی اس عالمگیر بعثت و نبوت کے مقاصد بھی عالمگیر نوعیت کے حامل ہیں، مولانا سلمان منصور پوری سورۃ المدثر کی روشنی میں لکھتے ہیں!

⊙......نافرمانوں کو ان کی خطرناک حالت سے آگاہ کرنا اور انجام سے ڈرانا۔

⊙......اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور کبریائی اور عظمت و جلال کو آشکار کرنا۔

⊙......لوگوں کو اعتقاد و اعمال اور اخلاق کی ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک رہنے کی تعلیم دینا۔

⊙...... پاکیزگی، صفائی اور پاکدامنی سکھانا۔

⊙...... الٰہی تعلیم مفت دینا، نہ ان پر احسان جتانا، نہ ان سے اپنے کسی فائدے کی توقع رکھنا۔

⊙...... اس کام میں جس قدر بھی مصائب اور شدائد جھیلنے پڑیں سب کو برداشت کرنا۔

⊙...... جو شخص نبی اکرم ﷺ کی پاک زندگی کے حالات پر غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے کیسی خوبی سے ان سب مقاصد کو پورا کیا۔ ﴿رحمۃ للعالمین ۱:۴۵﴾

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب جستجو، عشق حضور اضطراب

بتانِ رنگ و بو کی دُہائی:

جب حضوا کرم ﷺ نے اپنی بعثت و نبوت کا اعلان فرمایا تو عرب کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں بتانِ رنگ و بو نے اپنے پرستاروں کو بتانا شروع کر دیا کہ وہ حاصلِ زندگی اپنی پیشوائی کا اعلان فرما چکا ہے، اس ضمن میں چند واقعات آپ کی محبتوں اور عقیدتوں کی نذر کئے جاتے ہیں، تاکہ ایمان کی دنیا مزید جگمگا اٹھے:

......﴿1﴾......

حضرت ماذن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قریہ عمان میں رہتا تھا اور وہاں کے بتوں کی خدمت کیا کرتا تھا، وہاں ایک بہت بڑا بت تھا جسکو ناجر کہتے تھے، میں نے ایک بت کو سجدہ کیا تو اس سے میں نے یہ بشارت سنی، اے ماذن! بشارت سن اور خوش ہو کہ خیر البشر کا ظہور ہونے والا ہے، قبیلہ مضر سے ایک نبی ظاہر ہوں گے، دین حق لیکر آئیں گے، یہ پتھر کھدے ہوئے بُت ہیں، انہیں چھوڑ دے تاکہ سفر سے نجات حاصل ہو۔ یہ آواز سن کر میں حیران تھا کہ پھر دوسری آواز آئی، اِدھر دیکھ، ادھر دیکھ اور جہالت نہ کر، یہ نبی مرسل شریعتِ حقہ لے کر نازل ہوئے ہیں، پس ان پر ایمان لاؤ یہ آواز سن کر میں نے خیال کیا کہ حجاز مقدس میں ضرور کوئی پیغمبر ظاہر ہوا ہے جو دینِ حق کی طرف بلاتا ہے، پس مجھے اس چیز کی جستجو ہوئی، انہیں دنوں میں حجاز مقدس سے عمان میں ایک قافلہ آیا، مجھے اس قافلے کے لوگوں سے علم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخصیت جلوہ افروز ہے جن کا نام نامی، اسمِ گرامی محمد ﷺ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور دینِ حق پھیلانے کے لئے آیا ہوں۔

یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی محترم ہیں جن کے متعلق میں نے دو دفعہ آواز سنی ہے، پھر میں نے جلدی جلدی سامانِ سفر باندھا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا، بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر میں نے حضور سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا، حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے تین چیزوں کے بارے میں عرض کیا، حضور! مجھے گانے بجانے اور شراب نوشی کی بہت عادت ہے، ہمارے ملک میں قحط بہت زیادہ رہتا ہے، میں بے اولاد ہوں، مجھے اولاد کی بہت زیادہ تمنا ہے، اس عرض پر حضور حبیبِ کبریا، راز دارِ رب العلا ﷺ نے دعا فرمائی: **اللهم ابدله بالطرب قرأة القرآن وبا لحرام الحلال و آته بالحياء وهب له ولداً،** آپ کی دعا کی برکت سے میرے تمام عیب جاتے رہے، ہمارا ملک سرسبز و شاداب ہو گیا، قحط سالی جاتی رہی، چار عورتیں میرے نکاح میں آئیں اور اللہ تعالیٰ نے حیان بن مازن جیسا لائق بیٹا عطا فرمایا۔ ﴿دلائل النبوۃ للبیہقی ۱:۳۴۴، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۹۴، کتاب الوفا: ۱۵۵﴾

......﴿2﴾......

حضرت سعید بن عمرو الھذلی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک بت پر جانور ذبح کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بت سے آواز سنی، بہت زیادہ تعجب ہے کہ بنی عبد المطلب سے ایک نبی محترم جلوہ افروز ہوئے ہیں جو زنا اور بتوں کیلئے جانور ذبح کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں اور آسمان محفوظ ہو گئے ہیں کہ اب شیطان آسمانی خبریں نہیں لا سکتے اور ہم پر شہاب ثاقب پھینکے گئے ہیں، ﴿حجۃ اللہ علی العالمین: ص ۱۹۸﴾ حضرت امام ابن سعد اور حضرت امام ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ بن ساعدہ ہزلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کے والد نے فرمایا، میں صنم خانے میں ایک بت کے پاس بیٹھا تھا کہ مجھے اس بت سے آواز آئی، جنوں کی مکاریاں اور فریب کاریاں ختم ہو گئیں، اب ہمیں ہمیشہ شعلہ ہائے آتشیں سے مارا جاتا ہے، اس نبی مکرم ﷺ کی وجہ سے جس کا نام احمد مجتبےٰ ﷺ ہے، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۷۹﴾

......﴿3﴾......

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قبیلہ خثعم کے ایک شخص سے روایت بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کے لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے، ایک رات ہم ایک بت کے پاس بیٹھ

کر کسی تنازعہ کا فیصلہ کر رہے تھے کہ بت کے اندر سے ایک گرجدار آواز آئی، اے بتوں سے فیصلہ طلب کرنے والو! کیا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، تم نہیں دیکھتے

من ساطع یجلو وجی الظلام	هذا نبی سید الانام
من هاشم فی ذروة السنام	یصدع بالحق و بالاسلام
اعدل ذی حکم من الاحکام	مستعلن بالبلد الحرام
قد طهر الناس من الآثام	جآء بهدم الکفر بالا سلام

ترجمہ: جو ایسا چمکتا ہوا نور ہیں جس نے ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کر دیا ہے، وہ نبی ہیں اور تمام لوگوں کے سردار ہیں، وہ بنو ہاشم سے بلندی کی چوٹی پر ہیں، جو حق اور اسلام کی دعوت دیتے ہیں، بہت زیادہ انصاف والے ہیں، بلد الحرام میں اعلان کرنے والے ہیں، ان کی وجہ سے لوگ گناہوں سے پاک ہو گئے ہیں، انہوں نے جلوہ افروز ہوتے ہی اسلام سے کفر کو ختم کر دیا ہے۔

قبیلہ خثعم والے کہتے ہیں کہ ہم اس آواز پر حیران ہو گئے اور مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے، پھر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے ﴿حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۹۶﴾

......﴿4﴾......

حضرت خویلد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک بت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اچانک اس کے اندر سے زوردار آواز آئی، وحی کا چوری ہونا ختم ہو گیا، جنوں پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں، کیونکہ مکہ مکرمہ میں ایک نبی محترم ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، ان کا اسم مبارک احمد ہے، وہ نماز، روزے، نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے اس نبی مبعوث ﷺ کے متعلق دریافت کیا، لوگوں نے بتایا، خرج بمکة نبی اسمهٗ احمد وہ نبی مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے ہیں اور اُن کا نام احمد مجتبےٰ ﷺ ہے، ﴿حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۹۷﴾

......﴿5﴾......

ایک روز حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ جلوہ افروز تھے کہ ایک اونٹنی سوار آیا، اس کے چہرے پر نیند اور تھکاوٹ کے آثار نظر آتے تھے، اس سوار نے آتے

ہی پوچھا کہ تم میں سے محمد رسول اللہ کون ہیں، صحابہ کرام نے بتایا تو وہ کہنے لگا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ آپ بتاتے ہیں یا میرے بتوں نے جو کچھ مجھے بتایا ہے میں بتاؤں، حضور سرورِ عالم ﷺ نے اسکو اسلام پیش کیا تو وہ کہنے لگا، میرا نام غسان بن مالک عامری ہے، ہمارے ہاں ایک بت ہے جس کو ہر قسم کی قربانیاں پیش کی جاتی ہیں، ایک عصام نامی شخص قربانی دے رہا تھا کہ بت سے آواز آئی، اے عصام، اے عصام! یہ اعلان کر دے کہ اسلام آ گیا ہے، بت باطل ہو گئے ہیں اور خون محفوظ ہو گیا ہے، صلہ رحمی کا دور آ گیا ہے، حنیفیت اور صراطِ استقامت واضح ہو گئی ہے اور سلامتی ہو، عصام ڈر کر باہر آ گیا اور ہمیں خبردار کیا، تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ طارق نامی ایک شخص قربانی کیلئے بت کے پاس گیا تو پھر بت سے آواز آئی ۔

یا طارق یا طارق، بعث النبی الصادق

جاء بلوحی الناطق من عزیز الخالق

اے طارق، اے طارق! نبی صادق ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں، وہ ایسی وحی لے کر آئے ہیں جو ناطق ہے اور خالق عزیز کی جانب سے ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات سنی تو تکبیر خداوندی کہنے لگے، اس کے بعد غسان بن مالک عامری نے کہا، یا رسول اللہ! اس ضمن میں اس مسافر نے بھی کچھ اشعار کہے ہیں، اجازت ہو تو پڑھوں، پھر اس نے اسی مجلس میں وہ اشعار پڑھ کر سنائے۔ ﴿شواہد النبوۃ ص ۱۰۸، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۹۶﴾

﴿6﴾

حضرت راشد بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک قبیلہ عرب کے بت کا نام سواع تھا، لوگوں نے مجھے کچھ تحائف دیئے تا کہ سواع کے چرنوں میں پیش کروں، میں سواع کے پاس جاتے ہوئے ایک اور بڑے بت کے قریب پہنچا تو وہاں سے آواز آئی، بڑا تعجب ہے اس نبی محترم ﷺ کی آمد پر جو عبد المطلب کی اولاد سے ہے، جس نے زنا، سود اور بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو حرام کیا ہے اور آسمان کو محفوظ کر لیا گیا ہے اور ستاروں کے ساتھ شیاطین کو مارا گیا ہے، بڑا تعجب ہے، اس کے بعد ایک اور بت سے آواز آئی، جس کی

عبادت کی جاتی تھی اس کی عبادت چھوڑ دی گئی، مبعوث کیا گیا ہے ایک نبیِ عالی شان جو نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیتا ہے، پھر ایک اور بت سے آواز آئی ۔

ان الذی ورث النبوۃ والھدیٰ

بعد ابن مریم من قریش احمد

بے شک حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بعد جو نبوت وہدایت کے وارث ہوئے وہ قریش سے حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، ﴿شواہد النبوۃ: ۱۰۷، حجۃ اللہ علی العالمین ۱۹۴، کتاب الوفا: ۱۵۷﴾

حوادث زمانہ کا ظہور:

جب حضور پیغمبر نور ﷺ نے اپنی عالمگیر بعثت ونبوت کا اعلان فرمایا تو پوری دنیا میں عجیب وغریب قسم کے حادثات رونما ہوئے جنھوں نے شاہانِ عالم کو زیروزبر کر کے رکھ دیا، محدث ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ایک صبح جونہی کسریٰ پرویز بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے دار السلطنت اور نشست گاہ کے محراب میں شگاف پڑ چکا ہے، وہ سخت غمناک ہوا اور کہنے لگا، میرا طاقِ مجلس ٹوٹ گیا اور دجلہ کی اندھی موجوں نے کناروں کو پھاڑ دیا اور اپنا راستہ تبدیل کر لیا، یہ تو گویا محراب اور دجلہ کی گزرگاہ کی شکست وریخت نہیں ہے بلکہ ملک کی بربادی ہے، اس نے اپنے کاہنوں، نجومیوں اور ساحروں کو بلایا اور رائے زنی کا حکم صادر کیا، وہ سب اس حقیقتِ امر تک پہنچے کہ ان پر تعبیر وتبیان کی زمین تنگ اور تاریک ہو گئی ہے، ان کے علوم وفنون قاصر ہو کر رہ گئے ہیں، فال نکالنے والا ایک عربی شخص سائب بھی اس کے دربار میں متعین تھا، وہ رات کو ایک ٹیلے پر جا بیٹھا تو کیا دیکھتا ہے، سرزمینِ حجاز سے بجلی چمکی ہے اور تیزی کے ساتھ مشرق تک پھیل گئی ہے، جب صبح ہوئی تو اس نے اپنے پاؤں کے نیچے لہلہاتا ہوا سبزہ دیکھا، اس نے دل میں سوچا کہ جو کچھ میں مشاہدہ کر رہا ہوں وہ حقیقتِ واقعہ ہے تو حجازِ مقدس سے ایک شہنشاہ کا ظہور ہوگا جس کی سلطنت مشرق ومغرب تک پھیل جائے گی، باقی ماہرینِ نجوم بھی جمع ہوئے تو کہنے لگے کہ یہ کسی آسمانی امر کی کرشمہ سازی ہے، یہ صورتحال کسی نبی کے مبعوث ہو جانے کی وجہ سے رونما ہوتی ہے لیکن اگر تم نے کسریٰ پرویز کو صاف صاف بتا دیا تو وہ تمہیں قتل کر دے گا، چنانچہ انہوں نے اس کو

اندھیرے میں رکھا اور دجلہ کے بند کی تعمیر و مرمت میں مصروف کر دیا، آٹھ ماہ تک بے اندازہ مال و دولت صرف کرنے کے بعد جب تمام مراحلِ تکمیل طے ہو گئے تو اس نے معائنہ کرنا چاہا، وہاں قالین بچھانے، خوشبوئیں چھڑکنے، پھول بکھیرنے اور جملہ حکام سلطنت کو اکٹھا کرنے کے احکامات جاری ہو گئے، مجلس لہو و لعب کا انتظام مکمل ہو گیا، ابھی مجلس گرم ہی ہوئی تھی کہ دجلہ کی طوفانی لہروں نے بند کو اکھیڑ دیا جس سے کسریٰ پرویز پانی میں جان بلب نظر آنے لگا، بڑی مشکل سے اس کی جان بچائی گئی، آخر اس نے ماہرینِ نجوم کو طلب کر کے کہا، میں تم سب کو قتل کر دوں گا، تم مجھے اصل بات کیوں نہیں بتاتے، انہوں نے کہا ہم سے غلطی ہو گئی، ہم دوبارہ حساب کر کے کسی ساعتِ ہمایوں کا انتخاب کرتے ہیں تا کہ اس میں بند کی بنیاد رکھی جائے، پھر ان کے بتانے پر تعمیر و مرمت کا کام شروع ہو گیا، آٹھ ماہ کے بعد ایک مرتبہ پھر معائنے کیلئے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا تو بند پر چل ہی رہا تھا کہ لہروں نے پھر اسے بہا دیا، کسریٰ پرویز پھر مرتے مرتے بچا، جب اس کے ہوش و حواس بحال ہوئے تو اس نے ماہرینِ نجوم کو بلا کر کہا، میں تمہیں ختم کر دوں گا اور ہاتھیوں کے قدموں سے تمہارے جسم پامال کروا دوں گا، مجھے حقیقتِ امر سے آگاہ کرو جس کو تم چھپا رہے ہو، کیونکہ تم بار بار اس طرح کی غلطی نہیں کھا سکتے، انہوں نے متفقہ طور پر بتایا کہ اے بادشاہِ عالم! ہم نے بہت غور و فکر کیا مگر ہم پر زمین تاریک ہو گئی اور آسمان کے اطراف میں کوئی راستہ باقی نہ رہا، پھر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آسمان سے کوئی نیا امر رونما ہوا ہے اور وہ نبی کی ذات ہی ہو سکتی ہے جو مبعوث ہو چکی ہے یا پھر ہونے والی ہے، اس لئے ہمارے اور ہمارے علوم کے درمیان حجابات حائل ہو گئے ہیں، ہمیں یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر تمہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا تو تم کہیں قتل ہی نہ کر دو، اس لئے ہم نے اپنی جانیں بچانے کیلئے تمہیں مصروف رکھنے کی کوشش کی، کسریٰ پرویز نے یہ حقیقتِ امر جانی تو دجلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا کیونکہ وہ بار بار بند باندھنے کے باوجود بھی قابو میں نہ آ سکا تھا، امام ابنِ قتیبہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت تمام سلطنتیں اور مملکتیں ختم ہونے لگیں، ماسوائے سلطنتِ روما کے، اس کے دوام کا سبب یہ ہے کہ حضرتِ اسحاق علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر حضرتِ عیص کو افزائشِ نسل، کثرتِ اولاد اور سلطنت کی دعا دی تھی، اہلِ روم حضرت عیص

کی اولاد سے ہیں، فارس کی عظیم سلطنت بھی تباہ و برباد ہوئی تو اس کی بربادی کا آغاز یوں ہوا کہ شیرویہ نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر دیا، پھر اس کے ملک میں طاعون پھیلی جس میں وہ خود ہلاک ہو گیا، پھر یکے بعد دیگرے کئی لوگ حکمران بنے مگر زیادہ دیر کوئی نہ ٹھہر سکا، اسی طرح اہلِ یمن کی حکومت کا تختہ الٹ گیا اور بساطِ سلطنت لپیٹ دی گئی، اس کا آغاز حبشہ کے بادشاہ سیف بن ذی یزن کے قتل کے ساتھ ہوا، بعدازاں حکومت کا معاملہ منتشر ہو گیا، اور ہر طرف الگ الگ حکمران اور سردار بنا لئے گئے، یہاں تک کہ اسلام کا زمانہ آ گیا، نعمان بن منذر ہلاک ہوا تو ملکِ حیرہ کا خاتمہ ہو گیا، ابی جفنہ کا ملک بھی درہم برہم گیا، وہاں کا آخری تاجدار جبلہ بن ایہم تھا جس نے خلافتِ فاروقی میں نصرانی مذہب قبول کر لیا، ﴿ملخصاً کتاب الوفا ص ۲۱۸، ۲۲۲﴾

جِنوں نے بعثتِ محمدی کی تصدیق کی:

عرب کے جاہلی معاشرے میں جنات کو بڑی اہمیت حاصل تھی، وہ اپنے کاہنوں کے پاس آ کر اِدھر اُدھر کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے اور کاہنوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے پاس جنات کا نزول ہوتا ہے، یہ حیرت ناک امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور بعثت کے بارے میں جِنوں اور کاہنوں کی تمام باتیں بالکل سچ ثابت ہوئیں ورنہ باقی امور میں وہ خود منتشر الخیال رہتے تھے، حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سیرت نگاروں نے بہت سے واقعات لکھے ہیں جن سے حضور اکرم ﷺ کی شان و عظمت آشکار ہوتی ہے:

⊙...... حضرت امام ابن سعد، حضرت امام احمد، حضرت امام طبرانی، حضرت امام بیہقی اور حضرت امام ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سب سے پہلے یہ خبر آئی کہ وہاں کی ایک عورت کے تابع ایک جن تھا، ایک روز وہ جن ایک پرندے کی صورت میں اس کے گھر کی دیوار پر بیٹھ گیا، عورت نے کہا نیچے اتر آؤ تو اس نے جواب دیا، ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم میں جو نبی محترم ﷺ مبعوث ہوا ہے، اس نے ہر طرح کی بداخلاقی کو منع کیا ہے، اور بدکاری کو حرام کر دیا ہے، ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۲۶۸﴾

⊙...... حضرت امام ابونعیم نے ارطاۃ بن منذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ مدینہ میں ایک عورت پر جن آتا تھا، پھر وہ غائب ہو گیا، ایک عرصے تک نہیں آیا، کافی دنوں کے بعد جب وہ معمول کے خلاف آیا تو عورت نے پوچھا پہلے تو تیری عادت یہ نہ تھی، اس نے جواب دیا کہ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی آخر ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، میں نے ان کی ہدایت میں حرمتِ زنا کو معلوم کر لیا ہے، لہٰذا اب تجھے میرا اسلام ہے، ﴿ایضاً﴾

⊙...... حضرت امام ابونعیم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل شام کی طرف روانہ ہوئے، بابِ شام پر ایک کاہنہ تھی، اس نے بتایا کہ میرا جن آیا اور میرے مکان کے دروازے پر کھڑا ہو گیا، میں نے کہا تو اندر کیوں نہیں آیا تو اس نے جواب دیا کہ اب اس کی کوئی صورت نہیں، اس لئے کہ احمد مجتبےٰ ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے، انہوں نے اس سلسلے میں قطعی ممانعت کر دی ہے، یہ بتا کر وہ کاہنہ چلی گئی، جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو چکے ہیں اور قریش کو دینِ فطرت کی دعوت دے رہے ہیں، ﴿ایضاً﴾

⊙...... حضرت امام ابن سعد اور حضرت امام ابن عساکر نے سفیان ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفرِ شام کیلئے روانہ ہوئے تو دورانِ سفر ہمارے قافلے نے زرقا اور معان کے درمیان پڑاؤ کیا، یکا یک ہم نے ایک سوار کو کہتے سنا، اے لذتِ خواب کے دل دادگان اٹھو! یہ خوابِ راحت کا وقت نہیں، بحکمِ خداوندی مکہ میں عبدالمطلب کے گھرانے میں محمد مجتبیٰ ﷺ کا ظہور ہوا ہے، جنات ہر طرح سے راندہ کر دیئے گئے ہیں، اس آواز سے ہم سب لوگ کانپ گئے اگرچہ ہم قوی ہمت اور جوان تھے، ہمارے گروہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے یہ آواز نہ سنی ہو، بہر حال ہم اس سفرِ شام سے واپس اپنے گھر آئے تو مکہ مکرمہ میں اس نبی محترم ﷺ کے ظہور کے سلسلے میں مختلف اور متضاد آرا کو موجود پایا، ہم نے ہر طرف یہی سنا کہ بنی عبدالمطلب کے ایک چالیس سالہ شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس شخص کا نام احمد ﷺ ہے ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں، ایک گروہ اہلِ شرک کا ہے اور ایک جماعت علمبردارانِ حق کی ہے، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۱۷۰﴾

⊙...... حضرت امام طبرانی اور حضرت امام ابونعیم نے عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں حج کے ارادے سے نکلا، میں نے خواب میں دیکھا کہ دراں حال میں مکہ مکرمہ میں تھا، کعبہ مشرفہ سے ایک نور نکلا اور مدینہ کی پہاڑیاں نظر آنے لگیں، میں نے اس نور سے آواز سنی، تاریکی چھٹ گئی، نور روشن ہو گیا اور خاتم الانبیا ﷺ مبعوث ہو گئے، پھر میں نے دوبارہ نور کو روشن ہوتے دیکھا جس کی چمک سے حیرہ اور مدائن کے محلات دیکھ لئے، پھر میں نے سنا، اسلام ظاہر ہو گیا، بتوں کو توڑ دیا گیا اور صلہ رحمی کا دور آ گیا، میں خوفزدہ ہو کر بیدار ہوا اور اپنے علاقے کے لوگوں سے کہا کہ قبیلہ قریش میں کوئی غیر معمولی بات رونما ہو چکی ہے، پھر ہمیں معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں ایک نبی محترم ﷺ مبعوث ہوا ہے، میں نے اس اطلاع پر حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، پھر عرض کی کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے قبیلے میں جا کر دعوتِ اسلام دوں، آپ نے اجازت دے دی، لہذا میں نے اسلام کی تبلیغ کی تو سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، مگر ایک شخص نے انکار کرتے ہوئے کہا، اے عمرو بن مرہ! تیری زندگی خراب ہو، کیا تو ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، اس کے جواب میں میں نے کہا، ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی خراب کر دے، اسکو زبان سے گونگا اور آنکھوں سے اندھا کر دے، پھر وہ شخص اس حال میں مرا کہ اسکا منہ ٹیڑھا تھا نیز وہ آنکھوں سے اندھا اور کانوں سے بہرہ تھا۔ ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۲۷۵﴾

⊙...... حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کی بعثت کے وقت میں شام گیا ہوا تھا، میں اپنی کسی ضرورت سے باہر نکلا اور مجھے رات ہو گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا، میں اس وقت کتنے بڑے بیابان میں ہوں، اس کے بعد میں لیٹ گیا، پھر ایک غیر معلوم آواز کو سنا، اللہ کے بندو، اللہ کی پناہ تلاش کرو، کیونکہ جنات اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے، میں نے کہا' میری ہدایت کے بارے میں وضاحت کرو، آواز آئی، رسول امین ﷺ ظہور فرما چکے ہیں، ہم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے، ہم نے اسلام قبول کر کے ان کی اتباع کر لی ہے، اب جنوں کا فریب جاتا رہا ہے، ان پر آگ کے شعلے مارے جاتے ہیں، اب تو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جا اور ان کی دعوت پر اسلام قبول کر لے، میں صبح

اٹھ کر ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرہ بیان کیا، اس نے جواب دیا، تم نے سچ کہا ہے، حرم سے ایک نبی کا ظہور ہوگا اور اس کی ہجرت گاہ بھی حرم ہوگی، تم کو آواز کی تلقین کے مطابق حرم مکہ جانا چاہئے۔ ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۷۷﴾

⊙...... حضرت امام بیہقی اور حضرت امام ابن عساکر نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے بتایا، اے اللہ کے رسول! میں زمانہ جاہلیت میں ایک روز بھاگے ہوئے اونٹ کی تلاش میں نکلا تو ہاتف غیبی کو کہتے سنا ۔

یا ایھا الراقد فی للیل الاجم قد بعث اللہ نبیاً فی الحرم

من ھاشم اھل الوفا والکرم یجلود جنات الدجاجی والظلم

اے شب تاریک کے گمرہ مسافر سن ذرا
حرم مکہ میں ہوا مبعوث شاہِ انبیا
آل ھاشم میں سراپا جود اور اہل وفا
جس کی طلعت سے ہوئے سارے اندھیرے پرضیا

میں نے منادی کو دیکھنے کیلئے ہر طرف نظریں دوڑائیں مگر کوئی بھی نظر نہ آیا، تب میں نے بے تابانہ انداز سے عرض کیا، اے شب تاریک میں آنے والے ہاتف! خوش آمدید، تو بتا تو سہی کہ تو کس لئے آیا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت عطا کرے، صاف صاف الفاظ میں بیان کر وہ کون ہے جس کی طرف تو بلاتا ہے تاکہ میں ٹھیک طور پر جان سکوں، اس کے بعد میں نے کسی کو گلا صاف کرتے سنا، پھر اس نے کہا، نور ظاہر ہوگیا اور ظلمت چھٹ گئی اور محمد مصطفےٰ ﷺ تمام بھلائیوں کے ساتھ مبعوث ہوگئے، اس کے بعد اس نے کچھ اشعار پڑھے جنکا ترجمہ یہ ہے:

”وہی اللہ لائقِ تعریف ہے کہ جس نے کسی مخلوق کو بے کار نہ پیدا کیا، اس نے ہمارے درمیان احمد مجتبےٰ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا، بلاشبہ وہ افضل نبی مبعوث ہوئے، اللہ آپ پر درود وسلام بھیجے جب تک کہ حج کرنے والے سوار ہو کر آئیں اور اس پر آمادہ ہوں، اس کے بعد صبح ہوئی اور مجھے اونٹ مل گیا“

﴿خصائص کبریٰ ۱/۲۸۰﴾

⊙...... حضرت امام ابو سعید نے شرف المصطفےٰ ﷺ میں حضرت جعد بن قیس مرادی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ، انہوں نے ذکر کیا کہ ہم چار آدمی زمانہ جاہلیت میں ارادۂ حج سے سفر پر روانہ ہوئے ، ہم یمن میں ایک وادی کو عبور کر رہے تھے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ہم اس وادی میں ٹھہر گئے اور اپنے اونٹوں کے پاؤں باندھ دیئے ، جب تاریکی مسلط ہو گئی اور میرے رفقائے سفر سو گئے تو میں نے دفعتاً ہاتف کو کہتے سنا: اے اونٹوں پر سواری کرنے والو! جب تم حطیم اور زمزم کے قریب ٹھہرو تو ہماری طرف سے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو سلام پہنچاؤ ، وہ تشریف لے جائیں اور جس جگہ کا قصد کریں ، ہماری تحیت ساتھ ہو ، ان سے عرض کر دو کہ ہم آپ کے دین کے پیروکار ہیں ، اس بات کی ہمیں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے بھی وصیت فرمائی ہے ۔ ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۸۱﴾

⊙...... حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبوتِ محمدی کا جب اعلان ہوا تو ایک جن نے جس کا نام مسعر تھا ، جبلِ ابو قبیس پر کھڑے ہو کر کہا ، اللہ کعب بن فہر کی رائے کو برا کرے ، وہ کتنا کم عقل اور نادان ہے ، جب صبح ہوئی تو قریش کہنے لگے کہ تم نے اس قدر سستی دکھائی کہ جن تم کو ابھارنے پر مجبور ہو گئے ، پھر جب دوسری رات آئی تو اسی جگہ ایک جن جس کا نام سمحج تھا نے کھڑے ہو کر کہا ، ہم نے مسعر کو قتل کر دیا جب اس نے سرکشی اور تکبر کیا ، ہم نے اس لئے قتل کیا کہ اس نے ہمارے پاک نبی ﷺ کے ساتھ گستاخی کی ، میں اس پر ایسی تلوار لایا جو جڑ اور بنیاد کو کھود ڈالے ، ہم اسے دور کرتے ہیں جو غیر مکروہ کو برا جانے ، ﴿ایضاً ۱:۲۷۲﴾

⊙...... حضرت جندل بن نھلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا ، ایک جن میرا ساتھی تھا ، وہ اچانک میرے پاس آیا اور مجھے ڈراتے ہوئے کہا ، اٹھو! دین کا چراغ روشن ہو گیا ، اس نبی محترم ﷺ کے ذریعے جو صادق ، مہذب اور امین ہے ، تو ایسی اونٹنی پر سوار ہو ، جو مضبوط ہے اور وہ ہر نرم و سخت جگہ پر چلتی ہے ، میں خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا اور حقیقتِ حال دریافت کی تو اس نے کہا: قسم ہے سطح زمین کی اور فرض کرنے والے کی ، یقیناً حضرت محمدِ مصطفےٰ ﷺ طول و عرض میں مبعوث ہو گئے ہیں ، انہوں نے مکہ مکرمہ میں نشو و نما پائی اور مدینہ طیبہ کی جانب ان کی ہجرت ہو گی ، یہ سن کر میں

خوش ہو گیا اور جانے لگا تو اچانک میں نے ہاتف غیبی کو کہتے سنا ؎

یا ایھا الراکب المزجی مطیته

نحو الرسول لقد وقفت للرشد

اے ساربان! جو سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں رواں دواں ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تو نے ہدایت کی توفیق پالی ہے۔ ﴿خصائص کبریٰ ا:۲۷۳﴾

⊙...... حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز درخت کے نیچے بیٹھا تھا، دیکھا کہ ایک خوش رو، سفید پوش شخص، سفید رنگ کے شتر مرغ پر سوار کہہ رہا تھا، اے عباس! کیا تو نے جنوں اور ان لوگوں کو نہ دیکھا جو بھلائی سے محروم ہیں، لڑائی نے بہادروں کو ہضم کر لیا ہے اور آسمان کو اس کے محافظوں نے گھیر لیا ہے، یہ سن کر میں اس قول کے آثار اور تعبیر کی تلاش میں لگا رہا، بالآخر میرا چچازاد بھائی یہ اطلاع لے کر آیا کہ رسول اللہ ﷺ خفیہ طور پر دین خدا کی دعوت دے رہے ہیں۔ ﴿ایضاً:۱/۲۷۸﴾

......⊙......

باب ہفتم

دعوت و عزیمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا وہ اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ریگستان میں پھیلے ہوئے کوہساروں، وادیوں اور نخلستانوں کا ذرہ ذرہ کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، گلستانِ عجم بھی اسی شبِ تاریک سے دو چار تھا، لاکھوں قافلے گمراہی کے جنگل میں کھو چکے تھے، کوئی راہبر نہیں تھا.......... کوئی حدیٔ خوانِ وحدت نہیں تھا جو ان کو منزلِ مقصود کی خبر دیتا، عربوں کے کفر کا یہ عالم تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے باوجود ان کے دینِ حنیف سے روگردان ہو چکے تھے، بالخصوص قریش نے اپنے لئے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا اور اس وجہ سے وہ حمس کہلانے لگے، وہ مذہب یہ تھا کہ چونکہ ہم حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، حرم کے باشندے ہیں، بیت اللہ کے متولی ہیں، مقدس شہر مکہ میں بسنے والے ہیں، اس لئے ہمیں وہ مقام اور مرتبہ حاصل ہے جو عرب کے دوسرے کسی قبیلے کو حاصل نہیں، ہم اس تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں جس میں دوسرے لوگ ہمارے شریک و سہیم نہیں، اس لئے اے اہلِ مکہ جس طرح تم حرم کا احترام کرتے ہو، حل کے کسی حصہ کا ایسا احترام نہ کرو، ورنہ عرب کے دلوں سے تمہارا اپنا احترام اٹھ جائے گا

اور تم بے عزت اور حقیر ہو کر رہ جاؤ گے، وہ کہیں گے کہ جس طرح ہم مذہبی مناسک ادا کرنے کیلئے حرم کے محتاج ہیں اسی طرح حرم میں بسنے والے حل کے محتاج ہیں، ہم پر انہیں کوئی فوقیت نہیں، حج کا مقام عرفات حرم سے باہر ہے اور حل میں داخل ہے اس لئے اہل مکہ نے حج کیلئے وہاں جانا اور عرفہ میں وقوف کرنا بند کر دیا، حالانکہ وہ عرفات کو حج کا رکن اور دین ابراہیم کا ایک اہم حصہ سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے باہر سے آنے والوں کیلئے عرفات میں جانا، وہاں وقوف کرنا اور وہاں سے واپس آنا لازم قرار دیا تھا کہ اس کے بغیر ان کا حج مکمل نہیں ہوگا، مگر ہم حرم کے پاسبان ہیں اور مکہ مکرمہ کے بسنے والے ہیں، ہم حرم سے باہر نہیں جا سکتے نیز حل کی کوئی جگہ ہمارے لئے حرم کی طرح قابل احترام نہیں ہے، ہم اہل حرم اپنے اصولوں پر سختی سے کاربند ہونے کی وجہ سے ''حمس'' ہیں اور ان کی اولاد حرم میں رہے یا حل میں، وہ بھی ''حمس'' کہلائے گی اور وہ بھی انہی اصولوں کی پابند ہوگی جن کی پابندی اہل مکہ کرتے ہیں، جو چیز اہل مکہ کیلئے حلال ہے وہ ان کیلئے بھی حلال ہے اور جو چیز اہل مکہ کیلئے حرام ہے وہ ان کیلئے بھی حرام ہے، کنانہ اور خزاعہ کے قبائل بھی قریش کی طرح ''حمس'' ہی میں شمار ہوتے تھے، انہوں نے اپنے لئے نئے نئے اصول وضع کر لئے تھے، جن کا پہلے وجود نہیں تھا، وہ اصول یہ تھے:

⊙...... احرام کی حالت میں پنیر اور گھی کا استعمال نہیں کریں گے۔

⊙...... احرام کی حالت میں سایہ کیلئے چمڑے کے خیمے استعمال کریں گے اور اونی خیموں کے سائے میں نہیں آئیں گے۔

⊙...... اہل حل حج یا عمرے کیلئے حرم میں داخل ہوں گے تو وہ کھانا نہیں کھائیں گے جو وہ اپنے ساتھ حل سے لائے ہیں۔

⊙...... وہ بیت اللہ کا پہلا طواف ''حمس'' کے کپڑوں میں کریں گے، اپنے کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے۔

⊙...... اگر ''حمس'' سے کپڑے نہ مل سکیں تو ننگے بدن طواف کریں گے۔

⊙...... اگر کوئی مرد یا عورت ''حمس'' سے کپڑے نہ ملنے کی صورت میں ننگے طواف کرنے میں شرم محسوس کرے یا اس کو بے عزتی سمجھے تو اپنے کپڑوں میں جسے وہ حل سے لایا ہے

طواف کر سکتا ہے لیکن طواف سے فارغ ہونے کے بعد ان کو فوراً اپنے بدن سے اتار پھینکے پھر وہ یا کوئی دوسرا شخص ان کو استعمال نہیں کر سکتا، اہل عرب ایسے کپڑوں کو "دلقی" کہتے تھے اور ان تمام باتوں میں قریش کی اتباع کو عین سعادت سمجھتے تھے۔

اس قانون سے مرد تو ننگا طواف کرنے لگے اور اس میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے، ہاں عورت طواف کرتے وقت اپنے سارے کپڑے اتار دیتی تھی، صرف ایک قمیص بدن پر رہنے دیتی تھی، جس کے دونوں چاک ہوتے تھے، چنانچہ اسی طرح طواف کرتے ہوئے کسی عورت نے کہا تھا۔

الیوم یبدو بعضه او کلهٗ

و ما بدامنه فلا احله

آج میرے بدن کا کچھ حصہ ظاہر ہوگا، بہر حال جتنا حصہ بھی ظاہر ہو میں اسکی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی، ان کفریہ رسومات سے اہل عرب کے اخلاق کا جنازہ نکل چکا تھا، یہاں تک کہ حضور پیغمبر نور، شافعِ یوم النشور، محبوبِ رب غفور ﷺ نے ان کی اِصلاح کا بیڑہ اٹھایا، قرآن پاک میں ہے، ثم افیضوا من حیث افاض الناس، یعنی اے اہلِ مکہ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آتے ہیں تم بھی وہاں سے واپس آؤ، ﴿سورۃ البقرہ:۱۹۹﴾ یہ قریش کو حکم دیا کہ جیسے دوسرے عرب عرفات سے واپس آتے ہیں تم بھی حج کیلئے عرفات جاؤ اور وہاں سے واپس آؤ، انہوں نے بیت اللہ کے پاس لوگوں پر جو کپڑے پہننے اور بعض قسم کے کھانے حرام کر دیئے تھے، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے انسانو! ہر مسجد میں لباس پہن کر آؤ......اور فرمایا اے محبوب آپ فرما دیں کہ جس زینت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے وہ کس نے حرام کر دی ہے، ﴿سورۃ الاعراف: ۳۱،۳۲﴾ امام ابنِ اسحاق کا قول ہے کہ "قریش نے یہ نیا مذہب واقعہ فیل سے پہلے یا بعد میں ایجاد کیا تھا" اس نئے مذہب میں حضرتِ ابراہیم علیہ السلام اور حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی روشن تعلیمات سے علانیہ بغاوت کا ارتکاب کیا گیا تھا، عربوں کے شرک کا یہ عالم تھا کہ ان میں ایک گروہ خالق کا اقرار کرتا تھا، حدوثِ عالم کا قائل تھا، قبروں سے اٹھنے اور اخروی زندگی پر ایمان لانے کو ضروری سمجھتا تھا، اس گروہ کے اشعار میں اور افکار میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی

استعمال ہوا ہے لیکن وہ پیغمبرانِ خدا کا انکار کرتا اور بتانِ رنگ و بو کو اس وحدہٗ لاشریک کا شریک تصور کرتا تھا ان کے نزدیک یہ اصنام واوثان زمین کا کاروبار چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ کی مدد کرتے تھے، ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کارسازِ حیات نہیں رہتا نیز وہ ان کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ تصور کرتے ہوئے عبادت کا مستحق سمجھتے تھے، اس گروہ کے افراد دور دراز سے چل کر بتوں کو سلام کرتے اور سجدے بجالاتے، ان کے نام کی قربانیاں ادا کرتے، یہ لوگ بتوں کیلئے کچھ چیزیں حلال کرتے، کچھ چیزیں حرام کرتے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سعید ابن مسیتب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''بحیرہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کیلئے خاص کر دیتے تھے، کوئی شخص وہ دودھ اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا تھا، سائبہ وہ جانور ہے جس کو اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑتے تھے پھر اس سے سواری یا بار برداری کا کام نہیں لیتے تھے، وصیلہ وہ اونٹنی ہے جس نے پہلی دفعہ مادہ کو جنم دیا اور دوسری دفعہ پھر مادہ جنی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نر بچہ نہیں دیا، اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے حامی وہ اونٹ جو معین جفتی کی تعداد پوری کرلیتا، اسکو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، پھر اس سے بار برداری کا کام یا کوئی دوسری خدمت نہیں لیتے تھے'' امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ سائبہ اونٹنی پر نہ سواری کی جاتی تھی اور نہ اسکے بدن سے اون کاٹی جاتی تھی اور نہ مہمان کے سوا کوئی اسکا دودھ پی سکتا تھا، جب حضور پیغمبر نور ﷺ کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے ان مشرکانہ افکار کی تردید فرمائی۔

⊙ ......ما جعل اللہ............ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی جانور کو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام بنانے کا حکم نہیں دیا، ﴿سورۃ المائدہ:۱۰۳﴾

⊙ ......و قالو ما فی بطون......... یعنی وہ کہتے تھے جو بچے ان جانوروں کے پیٹوں میں ہیں وہ خالصتاً ہمارے مردوں کیلئے ہیں، ﴿سورۃ الانعام:۱۴۰﴾

⊙ ......قل ارء یتم ما انزل اللہ........ یعنی اے اللہ کے رسول آپ ان سے پوچھئے، یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہارے لئے اتارا ہے، تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال کیوں بنالیا ہے، ﴿سورۃ یونس:۵۹﴾

عرب ان جانوروں کی قربانیاں کرتے اور ذبح کے وقت اپنے اصنام واوثان کا نام

پکارتے گویا ان مٹی، لکڑی، پتھر اور سونے کے بتوں، دیویوں اور دیوتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے تھے، جیسا کہ اہل دوزخ اعتراف جرم کریں گے:

تاللہ ان کنا لفی ضلٰل مبین O اذ نسویکم برب العالمین O اللہ کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں مبتلا تھے، جب ہم دنیا میں تمہیں رب العالمین کے برابر گردانتے تھے۔ ﴿سورۃ الشعراء: ۹۷، ۹۸﴾

بتانِ رنگا رنگ کے علاوہ درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی، مکہ مشرفہ کے قریب ایک بڑا سبز درخت تھا، جاہلیت میں لوگ سال میں ایک دفعہ وہاں آتے اور اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کے پاس حیوانات ذبح کرتے، جب حج کو آتے تو اپنی چادریں اس درخت پر لٹکا کر بغرضِ تعظیم بغیر چادروں کے حرم میں داخل ہوتے، اس لئے اس درخت کو انواط کہتے تھے، ﴿معجم البلدان﴾ جب فیمیون نصرانی اپنی سیاحت کے دوران نجران میں بطور غلام فروخت ہوا تو اس وقت اہلِ نجران ایک درخت کی پوجا کیا کرتے تھے، اس درخت کے پاس ایک دفعہ عید ہوتی تھی، وہ عید کے موقع پر اچھے کپڑے اور عورتوں کے زیورات اس پر ڈال دیتے تھے، پھر وہ فیمیون کی کرامت دیکھ کر عیسائی ہو گئے، ﴿سیرت ابن ہشام﴾ بتوں پر عموماً حیوانات کا خون بہایا جاتا مگر بعض دفعہ انسان بھی ذبح کر دیتے تھے، چنانچہ نیلوس نے اس قسم کی ایک قربانی کا ذکر کیا ہے جو ۴۱۰ء میں دی گئی تھی، حجاز کے وحشی عربوں کے ہاں دیوتا کی کوئی صورت نہ تھی، صرف ان گھڑے پتھروں کی ایک قربان گاہ ہوا کرتی تھی، اس پر وہ ستارہ صبح کیلئے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کرتے تھے، یہ قربانی طلوع آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ستارہ اس عمل میں پیش نظر رہے، وہ مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے تب سردار قوم یا بوڑھا پجاری اس قربانی پر پہلا وار کرتا اور اسکا خون پیتا، بعد ازاں حاضرین کود پڑتے اور اس جانور کو کچا اور نیم پوست کندہ طلوع آفتاب سے پہلے کھا جاتے، خود نیلوس کا بیٹا زہرہ کی بھینٹ چڑھنے کو تھا کہ ایک اتفاقی امر سے بچ گیا، ﴿انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق﴾ اس قسم کی شرمناک وارداتیں تمام دورِ جہالت میں جاری و ساری تھیں، علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں:

"خلاصہ کلام یہ کہ دین ابراہیمی جو عرب کا اصلی دین تھا، سوائے چند رسموں کے

جن سے عقل سلیم کو قطع نظر ارشاد انبیاء علیہم السلام کے انکار نہیں ہو سکتا، عرب میں معدوم ہو گیا تھا، بجائے توحید کے عموماً شرک و بت پرستی تھی، وہ معبودان باطل کو قادر مطلق کی طرح اپنے حاجت روا جانتے تھے، بعضے اجرام فلکیہ، آفتاب و ماہتاب و ستارگان کی پوجا کرتے اور خدا کے ہاں ان کی شفاعت کے امیدوار تھے، شرک و تشبیہ کا کیا ذکر، بعض کو خدا کی ہستی ہی کا انکار تھا، وہ شب و روز شراب خوری، قمار بازی، زنا کاری اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے تھے، قساوت قلب کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے، بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھانے سے دریغ نہ کرتے، لڑائیوں میں آدمیوں کو زندہ جلا دینا مستورات کا پیٹ چاک کرنا بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھتے تھے، یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام دنیا میں اسی طرح تاریکی چھائی ہوئی تھی'' ﴿سیرت رسول عربی:۵۱﴾

بعثتِ محمدی کے وقت پوری دنیا میں ہدایت کا نام ونشان ختم ہو چکا تھا اور صدیوں سے انسان اپنے بے رحم ہاتھوں سے انسانیت کا گلہ گھونٹ رہے تھے، یورپ میں وحشت و بربریت تھی، انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں، اس کے اضلاع میں ورڈن بت کی پوجا ہوتی تھی، باقی قوموں کے حالات مقدمے میں تفصیل کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں، الغرض رحمتِ باری کو انسان کی حالتِ زار پر رحم آ گیا تو مقصدِ تخلیقِ عالم کو مکمل کرنے کیلئے حضور تاجدارِ کائنات ﷺ انوکھی شان وعظمت کے ساتھ مبعوث ہو گئے، اس چادر اوڑھنے والے محبوبِ پروردگار نے جاہلیت سے آلودہ انسانوں کو تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے مالا مال کرنا شروع کر دیا تو غبارِ راہ کو وادیِ سینا کا فروغ نصیب ہو گیا۔

دعوتِ حق کا آغاز:

سورۃ المدثر کی آیت کریمہ ''قم فانذر'' اٹھئے اور ڈر سنایئے، کے نزول پر انذار اور دعوت الی اللہ فرض ہو چکی تھی مگر اعلانِ دعوت کا حکم نہ آیا تھا، اس لئے آپ نے سب سے پہلے خفیہ طور پر ان لوگوں کو دعوتِ حق سے سرفراز کیا جن پر آپ کو اعتماد تھا اور آپ کے حالات و واقعات سے پوری طرح آگاہ تھے، اس دعوتِ حق پر کئی مرد و زن ایمان لائے اور دامن توحید و

رسالت سے وابستہ ہو گئے۔

چنانچہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے، مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے، آزاد کئے ہوئے غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نور اسلام سے اپنے قلب ونظر کو مستنیر کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تحریک پر حضرت عثمان غنی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبیدہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم مشرف بہ اسلام ہوئے، ان کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ارقم بن ابی ارقم، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ان کے دو بھائی قدامہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہما، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت حصین، حضرت عمار بن یاسر حضرت خباب بن الارت، حضرت خالد بن سعید، اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، عورتوں میں حضرت فاطمہ بنت خطاب، حضرت ام فضل زوجہ عباس، حضرت اسما بنت ابی بکر، حضرت اسما بنت سلامہ، حضرت اسما بنت عمیس تمیمہ، حضرت فاطمہ بنت مجلل عامریہ، حضرت فکیہ بنت یسار، حضرت رملہ بنت ابی عوف، حضرت امینہ بنت خلف سابقات الی الاسلام ہیں، حضور داعی الی اللہ نے خفیہ دعوت وتبلیغ کا کام تین سال تک جاری رکھا، آیئے ان عظیم افراد میں سے چند ایک کے قبولِ اسلام کا ایمان افروز واقعہ پڑھئے جن کی مساعیِ جمیلہ نے دنیائے سود وزیاں کو اسلامی انقلاب سے روشناس کروایا اور جن کی ذواتِ قدسیہ جبینِ ہستیِ فانی کا تابناک جھومر ثابت ہوئیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرتِ خدیجہ الکبریٰ کا قبول اسلام:

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا شروع دن ہی سے حضور جان نور ﷺ کے کمالات و حسنات سے بہت ہی زیادہ متاثر تھیں، جونہی آپ نے کاشانہ نبوت میں آکر اپنے داعی الی الخیر ہونے کا اعلان فرمایا تو انہوں نے فوراً آپ کی تصدیق کر دی، امام ابن اسحاق لکھتے ہیں

کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا اسکی تصدیق کی اور ہر معاملے میں آنحضرت ﷺ کو تقویت پہنچائی، چنانچہ ان کی وجہ سے آپ کا کافی بوجھ ہلکا ہو گیا، جب کبھی آپ کفار کی طرف سے تردید یا تکذیب سنکر کبیدہ خاطر ہوئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جن کی حوصلہ افزائی سے آپ کا غم دور ہوتا تھا، وہ ہر وقت آپ کو تسلی دیتی رہتی تھیں اور جب تک زندہ رہیں برابر آپ کیلئے اطمینان قلب اور سکون خاطر کا سامان مہیا کرتی رہیں، ابن قیم لکھتے ہیں، ”جب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے تو انہوں نے آپ کو بشارت دی اور کہا بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا، آپ ایسا اخلاق فاضلہ، خصائل حمیدہ اور اوصاف کریمہ کا حامل کبھی ذلت کا منہ نہیں دیکھتا، انہوں نے اپنے کمال دانشمندی سے معلوم کر لیا تھا کہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ عزت افزائی، تائید اور احسان الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں، صرف اعمال بد اور عادات قبیحہ کا بدلہ ہی رسوا کن عذاب کی صورت اختیار کرتا ہے، آپ اسی عقلمندی اور صدیقیت کی وجہ سے اس بات کی مستحق ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دو رسولوں جبر یل علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ کی معرفت سلام بھیجا اور رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان کو جنت میں موتیوں کے گھر کی خوشخبری دیں، جس میں نہ کسی طرح کی کچھ تھکاوٹ ہوگی اور نہ کسی قسم کا شور وغل ہوگا، ﴿مختصر سیرت الرسول: ۱۴۸﴾ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچا تو عرض کی، ھوا لسلام و منہ السلام و علیٰ جبریل السلام و علیک یارسول اللہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ ہی سلام ہے، ساری سلامتی اسی کی طرف سے ہے، جبریل پر بھی سلام ہو اور اے اللہ کے رسول آپ پر بھی سلام ہو، نیز اللہ کی رحمت اور برکت ہو، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱: ۱۷۵﴾ حضرت علامہ ابن اثیر اور حضرت امام ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، علامہ ابن اثیر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، ﴿الکامل ۲: ۳۷﴾ حضرت امام یوسف نبہانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والی اور تصدیق کرنے والی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہی تھیں، ﴿انوار محمدیہ: ۶۰﴾ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، امام بیہقی نے ابن اسحاق کی سند

سے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، اے ابن عم! چونکہ آپ صبر واستقامت رکھنے والے ہیں کیا آپ کیلئے ممکن ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آنے والا آئے تو مجھے بھی بتائیے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، ہاں، پھر حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے حضرت ام المومنین کو بتایا، انہوں نے پوچھا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں، آپ نے جواب دیا، ہاں، پھر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنے داہنے پہلو میں بٹھا کر پوچھا آپ نے فرمایا، ہاں، میں اب بھی دیکھ رہا ہوں، پھر آپ کو بائیں پہلو میں بٹھا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، اب بھی وہ نظر آرہے ہیں، اس کے بعد مشیر رسول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر انور سے دوپٹہ اتارا اور بال بکھیر دیئے اور آپ سے وہی سوال کیا، اب آپ نے انکار میں جواب دیا تو انہوں نے کہا یہ شیطان نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے، آپ مطمئن اور ثابت قدم رہئے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ پر اسی وقت ایمان لے آئیں۔ ﴿خصائص کبریٰ ۲۴۹:۱﴾ آپ کی ساری اولاد نے بھی اپنے والد بزرگوار حضور احمد مختار ﷺ کی نبوت وبعثت کی تصدیق کی۔

حضرتِ ابو بکر صدیق کا قبولِ اسلام:

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے بچپن کے وفادار ساتھی تھے، نہایت سلیم الفطرت انسان تھے، انہوں نے عہد جاہلیت میں کبھی کسی بت کی پرستش نہیں کی اور نہ ہی جاہلی رسومات سے آلودہ ہوئے، ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا روشن کردار ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند تھا، چنانچہ جونہی انہوں نے سنا کہ آپ نے اپنی بعثت و نبوت کا اظہار فرمادیا ہے تو فوراً بارگاہِ رحمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا، حضرت امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرتِ کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا بذریعہ وحی تھا، وہ اس طرح کہ آپ بغرض تجارت شام گئے ہوئے تھے، وہاں آپ نے ایک خواب دیکھا اور بحیرہ راہب سے بیان کیا، راہب نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو، انہوں نے جواب دیا، تہامہ کے شہر مکہ کا رہنے والا ہوں، اس نے پوچھا تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے، جواب دیا قبیلہ قریش سے، اس نے پوچھا، تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے، جواب دیا، تجارت، راہب نے اپنے سوالات کے جواب

پانے کے بعد خواب کی تعبیر بیان کی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خواب کو حقیقت بنا کر مشاہدے میں اس طرح لائے گا کہ تمہاری قوم میں ایک نبی کو مبعوث فرمائے گا اور تم اس نبی کے صاحب، معتمد اور مشیر اعلیٰ ہو گے اور اس کی وفات کے بعد اس کے خلیفہ ہو گے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو پوشیدہ ہی رکھا یہاں تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوئے، اس وقت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا اے آقا! آپ کے دعوائے نبوت کی دلیل کیا ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا! وہ خواب جو تم نے ملک شام میں دیکھا تھا، آپ یہ جواب سن حضور اقدس ﷺ سے چمٹ گئے، پیشانی پر بوسہ دیا اور سمع وطاعت، استجابت وشہادت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا، **اشهد انک رسول الله**، میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۱۰۹﴾ الروض الانف میں اس خواب کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، ایک چاند مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور تمام گھروں میں اس کی روشنی پھیل گئی، اس کا ایک ایک ٹکڑا ہر گھر میں گرا، پھر اس کے بعد چاند کے تمام ٹکڑے یکجا ہو گئے اور وہ ماہِ تمام بن کر ان کی آغوش محبت میں آ گیا، ایک اہل کتاب نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ جس نبیِ موعود کے ہم سب منتظر ہیں وہ عنقریب ظاہر ہونے والا ہے، آپ اس کی اطاعت کر کے تمام جہان میں سعادت مند ہوں گے، ان بشارات سے محسوس ہوتا ہے کہ رحمتِ ازلی نے اپنے محبوب کی رفاقت وحمایت کیلئے روز ازل ہی سے ان کا انتخاب فرما لیا تھا، چنانچہ انہوں نے بھی تائید ایزدی سے اس کا حق ادا کر دیا، خود پیغمبر اِسلام ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

⊙...... میں نے جس کو بھی اسلام کی دعوت دی تو وہ ضرور تشویش اور غور وفکر میں مبتلا ہوا، یہ تو ابو بکر ہے جس نے بغیر کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے اسے فوراً قبول کر لیا، ﴿سبل الھدیٰ ۲:۲۰۶، اسد الغابہ ۳:۲۰۶﴾

حضرت علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام کے فوراً بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا کیونکہ آپ کو امید واثق تھی کہ حضور اکرم ﷺ نبوت کا اعلان فرمانے والے ہیں، انہوں نے حضور نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں ورقہ بن نوفل سے بہت کچھ سنا تھا، ایک روز آپ

حکیم بن حزام کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کی لونڈی نے آ کر خبر دی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ ان کے شوہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں، یہ خبر سنتے ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ چپکے سے اٹھے اور حضور پر نور ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے، ﴿محمد رسول اللہ ۱:۵۲۲﴾ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں، جب میں نے اسلام قبول کیا تو میرے اسلام قبول کرنے پر پوری وادی مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی خوش نہیں تھا، ﴿اُسد الغابہ ۳:۲۰۸﴾ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا، میں نے پانچ غلاموں دو عورتوں اور حضرت ابو بکر صدیق کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھا ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

اذا تذکرت شجواً من اخی ثقة
فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا

خیر البریه[1] اتقاها و افضلها
بعد النبی و اوفاها بما حملا

والثانی التالی المحمود مشهده
و اول الناس منهم صدق الرسلا

جب ترے دل میں کسی بھائی کا ہو نقش خیال
یاد کر صدیق اکبر کا کمال بے مثال

عدل میں، تقویٰ، فرائض میں، وفا میں بالیقیں
بہترین دوسرا کے بعد ہیں وہ بہتریں

مصطفیٰ کی پیروی کو جاننے والے ہیں آپ
سب رسل کو سب سے پہلے ماننے والے ہیں آپ

﴿المستدرک ۳:۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۷:۱۴، فضائل الصحابہ ۱۳۳، مجمع الزوائد ۹:۴۳، صفوۃ الفصوہ الاستیعاب ۳:۹۶۴، طبرانی فی الکبیر ۱۲:۸۹، سنن بیہقی ۶:۳۶۹، سبل الھدیٰ ۲:۴۰۶﴾

[1] : حضور نبی کریم ﷺ کے بعد خیر البریہ کا لقب واقعی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے موزوں ہے، آپ بہت خوش شکل اور خوبرو انسان تھے، اسی لئے آپ کو عتیق کا لقب عطا ہوا، امانت، دیانت، اور صداقت میں بھی مظہر رسول تھے، انہی خصال حمیدہ کی وجہ سے آپ کو "ابوبکر" کہا جاتا ہے، سیرت حلبیہ میں ہے کہ ان ابا بکر لم یسجد لصنم قط، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی صنم کو سجدہ نہیں کیا، ﴿سیرت نبویہ دحلان﴾ گویا شروع سے ہی توحید پرست تھے، لوگوں میں مشہور تھا کہ ابو بکر تجربہ کار اور معاملہ فہم واقع ہوئے ہیں، ﴿سیرت الرسول از ہیکل ص ۱۸۱﴾

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار بارگاہ رسالت میں پڑھے تو حضور تاجدار رسالت ﷺ بہت مسرور ہوئے، ان اشعار سے معلوم ہوا کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول فرمایا، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ اشعار سنے اور انکار نہیں فرمایا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۵۲﴾ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے چار باتوں میں سبقت لے گئے ہیں، اول اظہار اسلام میں، دوم ہجرت کے وقت رفاقت میں، سوم غار ثور میں مصاحبت میں اور چہارم نماز کے قائم اور اسکے اظہار میں، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۹﴾

حضرت علی المرتضیٰ کا قبولِ اسلام:

حضرت ابو طالب کافی عیالدار تھے، قحط سالی کا دور آیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا، جبکہ اپنے چچا عباس سے کہا کہ آپ جعفر بن ابو طالب کو اپنے ساتھ لے جائیں، عقیل اور طالب اپنے والد بزرگوار کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کو عالم طفولیت ہی سے کاشانۂ رسالت میں پروان چڑھنے کا شرف حاصل ہوا، حضور نبی اکرم ﷺ کو ان کے ساتھ شدید محبت تھی، ان کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کا نام ''علی'' رکھا، ان کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور اپنی زبان رحمت ان کے منہ میں رکھی جسے وہ چوستے ہوئے سو گئے، یہ فیضان نبوت انہیں کم سنی کے عالم میں میسر آ گیا تو باقی زندگی کیوں نہ طہارت و نفاست کی آئینہ دار ہوتی، آپ کی ساری زندگی کا ایک لحہ بھی کفر اور شرک سے آلودہ نہیں، حضور اکرم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ کی عمر مبارک دس سال تھی جیسا کہ امام طبری نے فرمایا ہے، آپ خود فرماتے ہیں: ''میں نے اسلام کی طرف اس وقت سبقت کی جبکہ میں بچہ تھا اور بالغ نہیں ہوا تھا، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۵۸﴾ آپ کے قبول اسلام کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نماز ادا کر رہے تھے، آپ باہر سے آ گئے، آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو

رکوع وسجود کرتے دیکھا تو حیرت زدہ ہوئے اور چپ چاپ پاس ہی کھڑے رہے، نماز ختم ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے جواب دیا، سجدہ اس خدا کیلئے ہے جس نے مجھے نبوت کے منصب پر فائز کیا اور حکم دیا کہ لوگوں کو حق کی دعوت دوں، اس تشریح کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خدائے واحد کی پرستش اور بت پرستی سے اجتناب کی دعوت دی اور چند آیاتِ قرآنی کی تلاوت بھی کی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ان آیات کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی اجازت دے دیجئے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رات تو عالمِ اضطراب میں گزاری اور صبح ہوئی تو آپ نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ اس معاملہ میں والدین سے استصواب کی مطلق ضرورت نہیں ہے، میں اسلام قبول کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جب میری پیدائش کے سلسلے میں ابوطالب کا مشورہ نہیں لیا تو میں خدا کی پرستش کے بارے میں ابوطالب سے رائے کیوں لوں، مردوں (یعنی بچوں) میں سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، ان کے بعد آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے، اس وقت پوری دنیائے اسلام صرف چار نفوس تک محدود تھی، خود رسول اللہ ﷺ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا[1] ﴿سیرۃ الرسول ص ۱۸۰﴾

حضرت ابنِ عفیف کندی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں تجارت پیشہ آدمی تھا، میں حج کیلئے آیا تو حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تا کہ ان سے بعض اشیا خریدوں، جب میں میدان منیٰ میں ان کے پاس تھا کہ ناگاہ ایک عظیم شخصیت قریب ہی نصب شدہ خیمے سے باہر نکلی، سورج کی طرف دیکھا اور نماز شروع کر لی، پھر اس خیمہ سے ایک عورت نکلی، اس نے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی، پھر ایک نوخیز جوان بھی اسی خیمہ سے نکلا جو بلوغت کے قریب پہنچا ہوا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا، میں نے حضرتِ عباس سے پوچھا، یہ کون ہیں، انہوں نے

۱: یہ چار افراد کاشانہ نبوت سے متعلق تھے جبکہ دیگر افراد میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا لہذا انکی سابقیت اور اولیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

کہا یہ میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، میں نے کہا یہ عورت کون ہے، انہوں نے فرمایا یہ ان کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں، میں نے جوان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا، یہ محمد بن عبداللہ کے چچازاد بھائی ﴿علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ﴾ ہیں، میں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہیں، انہوں نے کہا یہ نماز پڑھ رہے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں اور ابھی تک اس دعویٰ کی تصدیق و تائید ﴿خاندان میں سے﴾ صرف ان کی زوجہ اور چچا زاد بھائی نے کی ہے، اگرچہ ان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ قیصر و کسریٰ اور ان کے خزائن ان کے ہاتھ آ جائیں گے، حضرت عفیف جو کہ اشعث بن قیس کے چچازاد بھائی تھے، اس وقت تو اسلام کے حلقے میں داخل نہ ہوئے مگر بعد ازاں اس سعادت سے بہرہ ور ہو گئے، پھر ان کو ہمیشہ یہ حسرت رہی کہ اے کاش میں اس وقت اسلام لاتا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے درجہ پر فائز ہوتا اور ثانی اسلام بن جاتا ﴿کتاب الوفا ۱: ۲۰۶، اصابہ ۲: ۴۸۷﴾

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام میں اپنے والد حضرت ابو طالب کے خوف سے معاملہ پوشیدہ رکھا، آخر ایک دن راز فاش ہو گیا تو انہوں نے پوچھا، بیٹا یہ کیسا دین ہے جو تم نے اختیار کر لیا ہے، آپ نے جواب دیا، اے ابا جان! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور میں ان کے دین کی تصدیق کرتا ہوں، میں نے ان کی معیت میں نماز ادا کی ہے اور ان کی اطاعت اپنائی ہے، حضرت ابو طالب نے کہا **لم یدعک الا الی خیر فالزمہ** انہوں نے تمہیں خیر کی دعوت دی ہے تو ان کا دامن رحمت پکڑے رہو، ﴿سیرت ابن ہشام ۱: ۲۶۵﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ کی کسی وادی میں جا کر نماز پڑھتے اور شام کو واپس آ جاتے، ایک روز حضرت ابو طالب نے بھی دیکھ لیا اور پوچھا، اے بھتیجے! یہ کیسا دین ہے، آپ نے ارشاد فرمایا، اے عم مہربان! یہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا دین ہے، یہ ہمارے جد اکرم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے، آپ اس نصیحت کے

سب سے زیادہ حقدار ہیں لہذا آپ میری دعوت کو قبول کریں اور میری امداد کریں، انہوں نے جواب دیا، میرے بھتیجے میں اپنے آبا کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں اللہ کی قسم کوئی آپ کو تکلیف پہنچانے کیلئے قریب نہیں آئے گا۔ ﴿سیرت ابن ہشام ۱: ۲۶۵﴾

حضرتِ زید بن حارثہ کا قبولِ اسلام:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے منہ بولے فرزند تھے، آپ نے حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر ان کے بارے میں یہاں تک فرمایا تھا کہ زید میرا بیٹا ہے، میں اس کا وارث بنوں گا اور یہ میرا وارث بنے گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۵۱﴾ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارا جاتا تھا، حتیٰ کہ قرآن کا حکم آ گیا، ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والی چیز ہے، ﴿سورۃ الاحزاب: ۵﴾ انہوں نے سرکارِ انبیا کرام ﷺ کے حسنِ اخلاق کی بدولت اپنے حقیقی باپ اور چچا کو چھوڑ دیا تھا، جب بعثتِ محمدی کا ظہور ہوا تو تمام حالات و واقعات پر ان کی گہری نظر تھی، آپ کا لافانی کردار بھی نگاہوں کے سامنے جگمگا رہا تھا، لہذا اعلانِ نبوت سنتے ہی حضور تاجدارِ عرب و عجم ﷺ کی تصدیق کر دی، حضرتِ معمر کا بیان ہے کہ ہمیں معلوم نہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے پہلے بھی کوئی شخص اسلام لایا ہے، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ خبر دی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور اس کے رسول نے بھی اس پر انعام کیا ہے اور اس کا نام لے کر اس کا ذکر کیا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۵۱﴾ شارحین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

اعجاز سیرت رسول ﷺ:

ان قریبی افراد کو دیکھ حضور پیغمبر نور ﷺ کی عظیم الشان سیرت کو سارا زمانہ سلام نیاز پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کیونکہ کسی بھی انسان کی حقیقتِ حال سے اسکی بیوی آگاہ ہوتی ہے، وہ جانتی ہے کہ معاشرے میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے والا گھر کی چاردیواری

میں کونسی زندگی بسر کر رہا ہے، پھر اس کے بچپن کا ساتھی اور جگری دوست اس کی خامیوں سے آشنا ہوتا ہے، پھر اس کے گھر کا دیرینہ ملازم اسکی کمزوریوں سے واقف ہوتا ہے، اللہ اکبر! کیا شانِ کردار ہے، حضور احمد مختار ﷺ پر سب سے پہلے یہی قریبی افراد ایمان لائے اور انہوں نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تسلیم کیا کہ ان کے کردار میں ایک معمولی سی لغزش بھی موجود نہیں، فرانس کے عظیم دانشور، مورخ اور فلاسفر اور اٹھارویں صدی کے خیالاتِ انقلابی کے داعی والٹیر (Voltaire) نے لکھا ہے No man is hero to his valet، ہر انسان اپنی شرافت اور دلیری، اپنی شہرت اور شجاعت کے نقوش سب سے پہلے ان لوگوں کے اذہان پر ثبت کرتا ہے جو اس کے قریبی نہیں ہوتے، جنھوں نے اسکی کمزوریوں اور توانائیوں، اس کے معائب اور محاسن کا بہ چشم خود جائزہ نہیں لیا ہوتا لیکن ختمی مرتبت ﷺ کے سلسلے میں تاریخ کا فیصلہ مختلف تھا، یہاں آپ ﷺ پر ایمان لانے والے گھر کے آدمی تھے، عزیز اور دوست تھے، خدمت گزار تھے، بیوی سے زیادہ انسان کے رویوں اور طرز عمل سے کون واقف ہوتا ہے، دوست سے زیادہ اس کے دل و دماغ کی صلاحیتوں اور اخلاقی گراوٹوں پر کس کی نظر ہوتی ہے، خدمتگار سے زیادہ اسکی عادات ستودہ اور اطوار ذمیمہ سے کون خبردار ہوتا ہے، یہی وہ لوگ تھے جو آپ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے آپ کی دعوتِ انقلاب پر لبیک کہنے والے تھے، انہوں نے مشرکانہ کلچر کی ہر رسم و رواج سے منہ موڑتے ہوئے اس نظام تمدن و اخلاق کو اپنا لیا تھا جس کا مآخذ وحی الٰہی تھا اور جس کا بہترین نمونہ رحمۃ للعالمین کی ذاتِ گرامی تھی، کیا ان سابقون اولون نے اسلام کسی مجبوری کے تحت قبول کیا تھا، کیا ان پر کسی کا احسان تھا جس کا وہ یوں بدلہ چکانا چاہتے تھے، نہیں، انہوں نے اس طبعی جبریت (Physical Determination) کا پوری طرح مطالعہ کر لیا تھا، جس کے شکنجے میں ان کا پورا معاشرہ جکڑا ہوا تھا، انہوں نے اس نظامِ تمدن کا بھی جائزہ لیا تھا جس کی بنیاد بت پرستی پر رکھی گئی تھی اور جس کے سبب ان کی زندگی ثنویت کا شکار ہو چکی تھی، وہ اس سماج کو بھی دیکھ بھال چکے تھے جس نے نسب پرستی اور استخوان فروشی ایسی لعنت کو جنم دیا تھا اور انسانوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا وہ اس نظام پاپائیت کی خرابیوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے جس نے مذہب کی آڑ میں سادہ لوح اور غریب

لوگوں کا خون چوس لیا تھا، اب انہیں ایک مسیحا نظر آیا تھا جو ''پانی کے مٹکوں کو شراب میں تو نہیں بدل دیتا' نہ کوڑھیوں کو ابرص کے روگ سے نجات دلاتا تھا اور نہ ہی مردوں کو دوبارہ زندہ کرتا تھا لیکن اس نے حرمتِ شراب کا حکم دے کر پوری انسانیت کو غرق مے ناب ہونے سے بچالیا اور دل کے روگیوں اور عقل کے اندھوں کو قلب ونظر کی وسعتیں عطا کیں کہ وہ فطرت کے اشاروں کو سمجھنے اور سمجھانے والے بن گئے اور مردہ زندوں میں وہ روح پھونکی کہ وہ نہ صرف خود ایک عظیم سلطنت کے بانی ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی جہانگیری اور جہان بانی کے گر سکھانے والے بن گئے، ﴿رسول مبین: ۲۷۲﴾ مشہور اسکالر ایڈورگبن نے لکھا ہے کہ دلوں کی تسخیر کے سلسلے میں یہ محبوبِ داورِ محشر کی ابتدائی فتوحات تھیں، بیوی کا خاوند کے دعوائے نبوت کی تصدیق کر دینا، خادم کا سرِ تسلیم خم کر دینا، شاگرد کا بلاچون وچرا سپر ڈال دینا اور ایک مشفق دوست کا بلا تامل نبی مان لینا ایسے واقعات ہیں جو نبوت کی پوری تاریخ میں خال خال نظر آتے ہیں، ﴿تاریخ زوال رومہ ۳: ۹۲﴾ مشہور مورخ سر ولیم میور نے لکھا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان لے آنا آنحضور ﷺ کی کامیابی کی ضمانت ہے، ان کا خلوص ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے، ﴿حیات محمد ۲: ۱۰۳﴾

حضرتِ عثمان غنی کا قبول اسلام:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خاندان بنو امیہ کے چشم وچراغ تھے، اپنی فیاضی، دریا دلی، خوش حالی، خوش اخلاقی اور اعلیٰ نسبی کی وجہ سے مشہور تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے از حد قدر دان تھے اور ان کے حلقہ احباب میں خصوصی مقام رکھتے تھے، حضرت امام ابن عساکر نے ان کا واقعہ لکھا ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں صحنِ کعبہ میں موجود تھا، ایک شخص نے خبر دی، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کر دیا ہے، چونکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت حسین خاتون تھیں اس لئے میرے دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ میں نے کیوں نہ ان کی طرف سبقت کی، کچھ دیر بعد میں گھر چلا گیا، وہاں میری خالہ بیٹھی ہوئی تھی جو کاہنہ تھی، اس نے مجھے کہا، اے عثمان! تمہیں بشارت ہو کہ تم پے در پے تین بار عزت وتوقیر سے نوازے جاؤ گے، پھر تین بار اور پھر تین بار، اس کے بعد مزید ایک بار

تا کہ دس باریاں پوری ہو جائیں، تمہارے پاس خیر آئی اور تم شر سے محفوظ رہے، اللہ جانتا ہے کہ تمہارا نکاح ایک حسین دوشیزہ سے ہوگا کیونکہ تم خود کنوارے ہو تو تمہیں دوشیزہ ہی ملے گی، وہ خاتون ایک عظیم المرتبت کی لخت جگر ہے، تم نے اسے حاصل کرلیا، میں نے اپنی خالہ کی پیش گوئی پر تعجب کیا، اے خالہ تم کیا کہہ رہی ہو، اس نے کہا، اے عثمان! تم صاحب جمال بھی ہو اور اہل زبان بھی، تم صاحب برھان، حامل تنزیل و فرقان، پیغمبر برحق ﷺ کے سپرد ہو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ بت تمہیں فریب زدہ کردیں، میں نے کہا، اے خالہ تم ایسی بات کررہی ہو جس کا ہمارے شہر میں کوئی چرچا نہیں، اس نے کہا، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر کتاب نازل فرمائی ہے، وہ کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں، ان کی شمع ہدایت حقیقت میں شمع ہے، ان کا دین فلاح ہے، ان کا حکم ماننے میں نجات ہے، ان کا زمانہ جنگ وجدال کا زمانہ ہے، یہ تمام سرزمین ان کے زیر فرمان ہے، اگرچہ جہاد میں کفار قتل ہوں، تلواریں کھینچی جائیں، نیزے بلند کئے جائیں لیکن چیخنا چلانا کچھ نفع نہ دے گا، پس یہی بہتر ہے کہ تم خود کو ان کی سپردگی میں دے دو، اس کے بعد میں پلٹ آیا اور خالہ کی باتیں میری لوح دل پر کندہ ہوگئیں، میں اپنے اچھے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور خالہ کی باتوں کا تذکرہ کیا تو انہوں نے نہایت مخلصانہ انداز میں فرمایا، اے عثمان تم ایک سمجھدار اور سلیم الطبع شخص ہو، بیشک وہ تمہیں حق کی طرف متوجہ کرنے والی حق شناس خاتون ہیں، حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ان کی اطلاع درست ہے، اگر تم ان کی دعوت وہدایت کو سننا چاہتے ہو تو چلو، میں نے کہا، ضرور، پھر میں حضور اکرم ﷺ کے دربار گوہر بار میں آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا، اے عثمان! اللہ تمہیں جنت کی طرف بلاتا ہے اور میں اس کا رسول ہوں، حضرت عثمان غنی فرماتے ہیں، خدا کی قسم! جب میں نے آپ کا کلام سنا تو بے اختیار ہوگیا اور اسی وقت اسلام قبول کرلیا، کچھ عرصے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی نور چشم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے میرا نکاح ہوگیا، اس وقت لوگ کہا کرتے تھے، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جوڑا کتنا اچھا ہے۔ اسی طرح میری خالہ کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔ ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۳۱۴﴾

حضرت عبدالرحمٰن کا قبولِ اسلام:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا شمار بھی مکہ کے دولتمند اور فیاض انسانوں میں ہوا کرتا تھا، آپ بہت خوبصورت تھے، آپ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تحریک و ترغیب پر اسلام قبول کیا لیکن اس کے پیچھے کچھ اور بھی محرکات کارفرما تھے، حضرت امام ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمٰن بن حمید کے دادا سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی بعثت کے سال اول میں یمن کا سفر کیا اور عسقلان حمیری کے پاس قیام کیا، وہ بہت بوڑھا اور کمزور تھا، اسے ثقلِ سماعت بھی تھا، اس کی اولاد کا سلسلہ طویل تھا، صبح کو اسے مسند پر بٹھایا گیا اور سب بیٹے، پوتے اور پڑپوتے سلیقے کے ساتھ اس کے روبرو بیٹھ گئے، مجھے بھی مہمان کی حیثیت سے بٹھایا گیا، حمیری بزرگ نے مجھے کہا، اے قریشی مہمان! اپنا نسب تو بیان کرو، میں نے دوبارہ سلام کیا اور کہا، میرا نام عبدالرحمٰن ہے، میں عوف بن عوف بن عبدعوف بن عبدالحارث بن زہرہ کا بیٹا ہوں، اس نے کہا' اے معزز زہری مہمان! بس کافی ہے، باقی سے میں خود واقف ہوں، میں نے کہا ضرور بتایئے، اس نے کہا میں تمہیں تعجب میں ڈالنے والی اور شوق و رغبت پیدا کرنے والی بشارت سناتا ہوں، گزشتہ ماہ تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے، جس کے خصائل پسندیدہ ہیں، اس پر کتاب نازل ہوئی ہے اور اس کیلئے ثواب مقرر کیا گیا ہے، وہ اصنام پرستی سے روکتا ہے اور اسلام کی طرف بلاتا ہے، اس نے کہا، وہ بنی ہاشم سے ہے اور تم لوگ اس کے ننھالی ہو، تم قیام کو مختصر کرو اور جلد لوٹ جاؤ، اسی نبی مبعوث سے تعاون کرو، اس کی تصدیق کرو اور میرے ان اشعار کو اس کی بارگاہ میں پیش کر دو ۔

اشهد بالله ذی المعالی	و فالق الليل و الصباح
انک فی السرو من قریش	یا ابن المفدیٰ من الذباح
ارسلت تدعوا الی یقین	ترشد للحق والفلاح
اشهد بالله رب موسیٰ	انک ارسلت بالبطاح
فکن شفیعی الی ملیک	یدعو البرایا الی الفلاح

ترجمہ: میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں جو بلندیوں والا ہے اور سلسلہ روز و شب کو قائم

رکھنے والا ہے، بیشک آپ جوان مردی میں قریش ہیں اور اسکے فرزند ہیں جس کا

ذبیحے سے فدیہ دیا گیا، آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ یقین، حق اور

فلاح کا راستہ دکھاتے ہیں، میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں جو موسیٰ کا رب ہے،

بلاشبہ آپ بطحا میں رسول بن کر تشریف لائے ہیں، اے اللہ کے رسول آپ اللہ

کی بارگاہ میں شفاعت فرمایئے جو لوگوں کو فلاح کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: میں نے اشعار کو یاد کرلیا اور اپنی ضروریات جلد از جلد پوری کر کے مکہ مکرمہ لوٹ آیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور تبادلہ خیال کیا تو انہوں نے فرمایا، وہ حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ ہیں، تم ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤ، چنانچہ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے، حضور نبی کریم ﷺ کی نظر مجھ پر پڑی تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا: تم میرے لئے ایک امانت لے کر آئے ہو، کسی بھیجنے والے نے تمہیں پیغام کے ساتھ بھیجا ہے، جو کچھ ہے بیان کرو، مجھے اپنے میزبان اور بوڑھے حمیری کا پیغام یاد آ گیا، میں نے آپ کی خدمت میں اسکے ارادت مند اشعار پڑھے جو دراصل اس کے والہانہ جذبات تھے اور شعر ونغمہ میں اپنی پرزور کیفیت کی وجہ سے ڈھل گئے تھے، اس کے ساتھ ہی میں نے اسلام قبول کرلیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا معمر حمیری خاص مومنین میں شامل ہے، چونکہ ایسے لوگ جنھوں نے مجھے اپنی چشم سر سے نہیں دیکھا مگر میری تصدیق کی، مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری محبت میں اپنی آنکھوں کو پرنم اور دلوں کو داغدار کرلیا وہ میرے سچے بھائی ہیں۔ ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۲۶۳﴾

حضرت زبیر بن عوام کا قبولِ اسلام:

حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے لخت جگر، ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے، قریش کے نوخیز جوان حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بارہ یا پندرہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، آپ کے چچا نے ظلم وتشدد کی انتہا کردی، وہ آپ کو چٹائی میں لپیٹ کر رسی باندھتا اور نیچے دھواں چھوڑ دیتا تا کہ اس وحشتناک سزا سے

دلبرداشتہ ہو کر دامن اسلام سے خارج ہو جائیں مگر آپ پورے عزم واستقامت سے جواب دیتے، اللہ کی قسم میں کبھی کفر کی طرف نہیں آؤں گا، آپ نے قدم قدم پر اسلام کیلئے بیش بہا قربانیاں پیش کیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے فرمایا کہ زبیر میرا حواری ہے، ان کے قبول اسلام میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ وتحریک کا اثر نمایاں تھا، ان کی شادی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے انجام پائی جن کے بطن اطہر سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جیسے فرزند اسلام نے جنم لیا۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ کا قبول اسلام :

عشرہ مبشرہ کے رکن دلآرا، طلحہ الخیر اور طلحہ الجود کے القاب سے مشرف، عظیم پروانہ شمع نبوت، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سعی مشکور کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہوئے، ان کا واقعہ بھی بہت ایمان افروز ہے، حضرت امام ابن سعد اور حضرت امام بیہقی نے روایت کی ہے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بصریٰ کے بازار میں گیا ہوا تھا، وہاں کے صومعہ کے راہب کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان نووارد سوداگروں سے پوچھو کہ ان میں کوئی حرم مکہ کا رہنے والا ہے، میں نے جواب دیا، جی ہاں، میں حرم مکہ کا رہنے والا ہوں، راہب نے پوچھا، کیا سرزمین حرم میں احمد نے ظہور کیا ہے اور وہ آخری نبی ہیں، ان کے ظہور کا مقام حرم ہے اور ہجرت کی جگہ نخلستانی، پتھریلی اور شور کی زمین ہے، تمہیں چاہئے کہ ان پر ایمان لانے میں سبقت کرو، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ پر راہب کی بات کا اثر ہوا، میں نے مکہ مکرمہ میں آ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو راہب کا بیان سنایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہو گئے، پھر ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہاں انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا جسے سن کر آپ بہت مسرور ہوئے، اس طرح میں نے اسلام قبول کر لیا، ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۲۵۸، سیرت حلبیہ ۱: ۲۶۵﴾ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے نوفل بن عدویہ کو بہت تکلیف ہوئی، اس نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کو ایک رسی سے باندھ دیا، اسی وجہ سے ان دونوں حضرات گرامی کا لقب عام طور پر ''قرینین'' پڑ گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کا قبول اسلام:

فاتح ایران، فارس الاسلام، مجاب الدعوات، محبوب سید المرسلین حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ترغیب وتحریک پر مسلمان ہوئے، حضرت امام ابن ابی الدنیا اور حضرت امام ابن عساکر نے انہی سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے قبول اسلام سے تین روز قبل ایک خواب دیکھا، میں ایک تاریک ماحول میں ہوں، دفعتاً مجھے چاند کی روشنی نظر آئی، میں اس روشنی کے پیچھے چلا اور دیکھا کہ کچھ لوگ اس روشنی تک پہنچنے میں سبقت حاصل کر چکے ہیں، میں ان لوگوں کے نزدیک ہوا تو پہچان لیا، ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نظر آئے، میں نے ان حضرات سے دریافت کیا کہ تم اس جگہ کب آئے، انہوں نے جواب دیا، ہم چاند کے روشن ہوتے ہی اس تک پہنچ گئے تھے، پھر کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ میں نے اجیاد کی وادی میں حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ کی دعوت کیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت کی دعوت، میں نے اس کو قبول کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر داخلِ اسلام ہو گیا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۳۰۶﴾ حضرت سعید ابن میسب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا، جس روز میں نے اسلام قبول کیا اس روز اور کوئی مسلمان نہیں ہوا، بلکہ سات روز تک میں اسلام میں تیسرا شخص رہا، ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ آپ کی والدہ بہت سخت خاتون تھی، اسے معلوم ہوا کہ اس کا فرزند حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہو چکا ہے اور اسکے باطل معبودوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر رہا ہے تو اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ آبائی دین میں واپس نہیں آئے گا، وہ کھانا اور پینا اور سائے میں بیٹھنا چھوڑ دے گی، اسے یقینِ کامل تھا کہ اس کا فرزند اسکی یہ اذیت گوارا نہ کر سکے گا، والدہ کے چہرے پر نقاہت کے آثار ظاہر تھے، کمزوری میں شدت آرہی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے والدہ کی ضد دیکھ کر کہا، اے ماں! اللہ کی قسم اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور وہ باری باری ہلاک ہوتی رہیں تو میں پھر بھی دین محمد مصطفےٰ ﷺ کو نہیں چھوڑ سکتا، اب تیری مرضی ہے، کھاؤ یا نہ کھاؤ، آپ فرماتے ہیں:

فلمارأت ذالک اکلت میرا یہ عزم دیکھ کر اس نے کھانا کھالیا، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱:۱۸۸﴾

محمد ﷺ ہے متاع عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر جان مال اولاد سے پیارا

حضرت عثمان بن مظعون کا قبول اسلام:

حضرت امام احمد اور حضرت امام ابن سعد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ اپنے مکان میں تشریف فرما تھے کہ سامنے سے حضرت عثمان بن مظعون کا گزر ہوا، حضور اکرم ﷺ نے انہیں آواز دی، وہ آئے تو انہیں بیٹھ جانے کا حکم دیا، اتنے میں آپ پر وحیِ الٰہی کا نزول شروع ہو گیا، حضرت عثمان بن مظعون حیرت واستعجاب سے دیکھتے رہے، جب آپ کی حالت بحال ہوئی تو انہوں نے پوچھا، آپ کے چہرے کا رنگ متغیر تھا اور نگاہ ایک خاص زاویہ پر جمی رہی پھر اوپر کو اٹھی جیسے کسی جانے والے کا تعاقب کر رہی تھی، آپ نے فرمایا: ابھی حضرت جبریل علیہ السلام آئے تھے، حضرت ابن مظعون نے پوچھا، انہوں نے آپ سے کیا کہا، آپ نے فرمایا، انہوں نے یہ پیغامِ خداوندی پہنچایا ہے، ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتای ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون o بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی کا اور رشتہ داروں کو کچھ عطا کرنے کا، اور وہ روکتا ہے بے حیائی سے اور برائی سے اور سرکشی سے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم دھیان کرو، ﴿سورۃ النحل: ۹۰﴾ حضرت ابن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی وقت سے میرے دل میں اسلام کی محبت اور منزلت پیدا ہو گئی۔ ﴿خصائص کبریٰ ۱: ۳۲۵﴾

حضرت خالد بن سعید کا قبولِ اسلام:

حضرت امام ابن سعد اور حضرت امام بیہقی نے حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ متقدمینِ اسلام سے تھے، ان میں قبول اسلام کا جذبہ پیدا ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ جہنم کے کنارے کھڑے ہیں، پھر انہوں نے جہنم کی وسعت بیان کی جس کو خدا ہی خوب جانتا ہے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے والد انہیں جہنم میں دھکیل رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ

دخولِ جہنم سے روک رہے ہیں، وہ خوف زدہ ہوکر بیدار ہوئے اور کہا کہ یہ خواب برحق ہے،
پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بیان کیا تو آپ نے جواب
دیا، اللہ کے رسول ﷺ تمہاری بھلائی کے خواستگار ہیں، تم ان سے رجوع کرو، پس وہ
حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا، آپ کس امر کی دعوت دیتے ہیں،
حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی
شریک نہیں اور یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جن
پتھروں کی پرستش میں مبتلا ہو اس سے باز آجاؤ، کیونکہ وہ پتھر نہ سن سکتے ہیں، نہ وہ نقصان
پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں، وہ تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کی پوجا کون کرتا ہے
اور کون نہیں، یہ سن کر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے، جب ان کے والد کو معلوم
ہوا تو اس نے طرح طرح سے سختیاں کیں، ان کو ڈرایا کہ آج سے تمہیں کھانے اور پینے کو
کچھ نہیں دوں گا، حضرت خالد نے فرمایا مجھے تمہارے رزق کی کوئی پرواہ نہیں، اللہ مجھے اتنا
رزق عطا کرے گا کہ میں اس سے زندگی گزار لوں گا اور تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا،
﴿خصائصِ کبریٰ، ۱:۳۰۴، سیرت نبوی لابن کثیر ۱:۴۴۵﴾ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے اور خواب بھی
منقول ہے، انہوں نے دیکھا کہ آبِ زم زم کے کنویں سے ایک نور خارج ہوا ہے جس سے
وادی ام القریٰ چمک اٹھی ہے اور مدینہ طیبہ کے نخلستان تاب ناک ہوگئے ہیں، ان کے
بھائی عمرو بن سعید نے تعبیر بتائی کہ یہ امر عظیم حضرت عبدالمطلب کے خاندان سے ظاہر
ہوگا، پھر سرکار ابد قرار ﷺ سے بات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ نور میری ذات ہے، یہ
واقعہ کتاب الوفا، خصائصِ کبریٰ اور دیگر کتبِ سیرت میں موجود ہے یہ واقعہ ہم قدرے
تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔

حضرتِ عمیر بن حبیب کا قبولِ اسلام:

حضرت ابن ابی الدنیا، حضرت امام بیہقی اور حضرت امام ابونعیم نے حضرت امام
شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ سے جہنیہ کے ایک شیخ نے بیان کیا، زمانہ جاہلیت میں ایک
شخص تھا، اس کا نام عمیر بن حبیب تھا، وہ اتنا بیمار ہوا کہ اس پر بیہوشی کا غلبہ طاری ہوگیا، ہم
نے اسے مردہ سمجھ کر اوپر چادر ڈال دی اور قبر کھودنے کا انتظام کر دیا، ابھی ہم اس کے پاس

ہی بیٹھے تھے کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا، میں جس حالت سے واپس ہوا ہوں، اس کو تم دیکھ رہے تھے، مجھ پر بیہوشی طاری تھی، اسی حالت میں مجھ سے کہا گیا کہ تجھ پر تیری ماں روئے کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیری قبر کھودی گئی اور قریب تھا کہ تیری ماں تجھ پر روتی اور کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ ہم نے اس قبر کو تیرے سوا دوسرے شخص کیلئے بدل دیا اور اس قصل نامی شخص کو اس میں رکھ کر پتھروں سے بھر دیا، کیا اب تو اسی نبی مبشر ﷺ پر ایمان لائے گا اور اپنے رب کے ساتھ شکر و سپاس اور ابنائے نوع کے ساتھ صلہ رحمی اختیار کرے گا اور مشرب ضلالت اور مشرکانہ جہالت کو چھوڑ دے گا، میں نے پر اخلاص انداز سے عرض کیا، ہاں ضرور ایمان لاؤں گا، لہذا مجھے چھوڑ دیا گیا ہے، لوگوں نے اس واقعہ عجیب کے بعد قصل نامی شخص اور اس کے حالات دریافت کرنے کیلئے ایک جماعت کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ واقعی مر چکا ہے اور اسی گڑھے میں اس کو دبا دیا گیا ہے، حضرتِ عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہے، یہاں تک کہ عہد رسالت آیا تو حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ﴿ایضاً ا:۱۰۸﴾

حضرتِ عبداللہ بن مسعود کا قبولِ اسلام:

حضرت امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں اپنی نوعمری میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک روز حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے نوجوان! کیا ہمیں دودھ پلاؤ گے، میں نے عرض کیا، دودھ تو ہے لیکن میں امانتدار ہوں، آپ نے فرمایا کوئی ایسی بکری ہے جو دودھ کے قابل نہ ہوئی ہو، میں نے عرض کی، ہاں، پھر میں نے ایک بکری آپ کی خدمت میں پیش کر دی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے رسی سے جکڑا اور آپ نے اس کی کھیری کو پکڑ کر دعا کی تو اسی وقت دودھ سے بھر گئی، آپ نے اسے دوہا اور دودھ مجھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، پھر خود نوش فرمایا، اس کے بعد اس کھیری کو حکم دیا کہ سکڑ جا تو وہ پہلے کی طرح سکڑ گئی، یہ شانِ اعجاز دیکھ کر میں نے اسلام قبول کر لیا، میں نے عرض کی حضور! مجھے کچھ علم عطا کیجئے، آپ نے میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا، اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے، تم ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہو، ﴿سیرت حلبیہ ا:۲۶۶، سیرت نبویہ ا:۴۴۴﴾

حضور نبی کریم ﷺ کی دعائے برکت آثار کا فیضان تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، یہ ساری زندگی آپ کی خدمتِ خاص پر مامور رہے، حضور اقدس ﷺ کے نعلین مقدس کو سنبھالنے کا فریضہ ان کے ذمے تھا، انہیں جنت کی خوشخبری بھی حاصل ہوئی، [1]

حضرت بلال حبشی کا قبولِ اسلام:

حضرت بلال حبشی کا نام لبوں پر آتے ہی عشق و مستی کی دنیا پر ایک وجدان طاری ہو جاتا ہے، آپ بھی متقدمینِ اسلام میں شامل ہیں، آپ کے قبولِ اسلام کا کوئی مستند واقعہ کتابوں میں دکھائی نہیں دیتا، گمان غالب ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعلیمات اور ارشادات سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے کیونکہ آپکا آقا امیہ بن خلف جمحی بنو جمح کے جس محلے میں قیام پذیر تھا اسی محلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رہائش گاہ تھی، آپ بھی اس کے ہمراہ وہاں رہا کرتے تھے، ایک انگریز مورخ ایچ اے ایل گریگ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کتاب رقم کی ہے، اس میں سے ایک واقعہ پیش خدمت ہے، حضرت بلال فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو کئی بار دیکھا تھا لیکن آج تک ان سے کوئی بات نہیں کی تھی، عکاظ کے میلے کے بعد جب قافلے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تو مکہ مکرمہ سکڑ جاتا، گلیوں میں وہی پہچانے ہوئے چہرے نظر آنے لگتے، کچھ مجھے غلام سمجھ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور کچھ پہچانتے تو تھے مگر ایک غلام کے ساتھ رسم و راہ رکھنے کے روادار نہیں تھے، حضرت محمد ﷺ ان سب سے مختلف تھے، وہ جب بھی میرے پاس سے گزرتے مجھے محبت کے انداز سے مسکرا کر دیکھتے، وہ مجھے بہت اچھے لگتے تھے، وہ پہلے درجے کے انسانوں میں شامل تھے مگر دوسروں کی طرح مجھے نچلے درجے کا انسان نہیں سمجھتے تھے، اپنی جماعت کے انسانوں میں واحد انسان تھے جنکی مسکراہٹ کو میں نے اپنے لئے محسوس کیا تھا، میرا دل کہتا تھا، اگر وہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے تو یقیناً ایک ہی ہوگا، اگر وہ

---

[1] حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ فقہ انہی کے ساتھ جا ملتا ہے، آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے شاگرد تھے، آپ نے انہیں کی روایات پر اپنی فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھی، گویا فقہ حنفی دراصل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وساطت سے پہنچنے والے آثارِ نبوت کا نام ہے۔

کہتے ہیں میں اللہ کا رسول ہوں تو واقعی وہ اللہ کے رسول ہوں گے، یہ ساری سوچ میرے لاشعور میں تھی، ایک رات میرا آقا اُمیہ بن خلف غلام خانے میں آیا اور اس نے براہ راست مجھے سوال کیا، سچ بتاؤ کہ تمہارا معبود کون ہے؟ میں نے فوراً کہہ دیا حضرت محمد ﷺ کا معبود ہی میرا معبود ہے، میں اس دیدہ دلیری کی سزا سے بے خبر نہیں تھا مگر یوں لگتا تھا کہ میرے اندر طاقت کا ایک سیلاب امڈ آیا ہے جس کے سامنے اُمیہ اور اس جیسے خس و خاشاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے، امیہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی دھمکیاں دیتا ہوا غلام خانے سے نکل گیا، مجھے وہ اس وقت ایک بے بس بچہ لگ رہا تھا جس کا کوئی کھلونا ٹوٹ گیا ہو، اس کے بعد عبرتناک سزاؤں کا دور شروع ہو گیا، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لبوں سے احد احد کی صدائیں نکلتی رہیں، وہ ایک کوہ گراں کی طرح طوفانِ کفر کے سامنے ڈٹے رہے، بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر اسلام اور پیغمبر اسلام کیلئے آزاد کر دیا، اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غلامِ بے نوا کا قبول اسلام صرف اور صرف اس پیکر حسن کے تبسم جانفزا کا نتیجہ ہے جس کی چمک سے اور بھی تاریک روحوں کو نور ہدایت نصیب ہوا تھا، جس کی مہک سے اور بھی اجڑے ہوئے دیاروں میں بہار جاوداں پیدا ہوئی تھی ۔

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑے
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

حضرتِ ابوقرحانہ کا قبولِ اسلام:

حضرتِ شیخ احمد بن احمد بن سلامہ نے ان کے قبولِ اسلام کا ایمان افروز واقعہ اس طرح رقم فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں، میں اپنی والدہ اور خالہ کے پاس رہتا تھا اور بکریاں چرایا کرتا تھا، میری خالہ مجھے اکثر کہا کرتی تھی کہ بیٹا حضور اکرم ﷺ کے قریب نہ جانا، وہ تمہیں اغوا کر لیں گے مگر میں اپنی بکریوں کو چراگاہ میں چھوڑ کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتا اور سارا دن آپ کی باتیں سنا کرتا تھا، مجھ سے خالہ نے کہا کہ کیا وجہ ہے بکریوں کے تھن خشک ہیں، میں نے کہا مجھے کوئی علم نہیں، ایک دن میں مسلمان ہو گیا اور

آپ کی خدمت اقدس میں اپنی خالہ کی بات عرض کی اور بکریوں کا حال بھی بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، اپنی بکریاں میرے پاس لاؤ، چنانچہ میں انہیں آپ کے پاس لے گیا، سرکار دو عالم ﷺ نے ان بکریوں کے تھنوں اور پشتوں پر اپنا دست اقدس پھیرا اور اس میں برکت کی دعا کی تو وہ دودھ اور مکھن سے بھر گئیں، اب میری خالہ نے کہا، بیٹے! بکریوں کو ایسے ہی چرایا کرو، میں نے اپنی والدہ اور خالہ کو اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بتایا تو وہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ ﴿نوادر القلیوبی ص ۳۹۸﴾

حضرتِ صہیب رومی کا قبول اسلام:

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بہت زیادہ جانثار صحابی تھے، ان کا والد کسریٰ ایران کا ملازم تھا، جب رومی لشکر نے ایران پر حملہ کیا تو یہ بچپن کی عمر میں قیدی بنا لئے گئے تھے، ان کی پرورش روم میں ہوئی، اسی لئے ان کو "رومی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ذرا جوان ہوئے تو عرب کے گروہ نے انہیں خریدا اور بازار عکاظ میں لا کر عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ فروخت کر دیا، حضور اقدس ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ایک دن دربار نبوت کے قریب ہی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا، اے صہیب کہاں کا ارادہ ہے، آپ نے فرمایا، حضور نبی کریم ﷺ کی گفتگو سننے کیلئے آیا تھا، آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا، میرا بھی یہی ارادہ ہے، پھر دونوں حاضر دربار کرم ہوئے تو صاحب کرم ﷺ نے خوش آمدید کہا، حضور نبی پاک ﷺ نے دونوں کے سامنے قرآن پاک کی چند آیات کی تلاوت فرمائی اور اسلام کی روشن تعلیمات سے روشناس کروایا، آپ کی نورانی گفتگو سن کر دونوں کے دل کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا، پھر دونوں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، رات کو چھپ چھپا کر اپنے گھر پہنچے تو حضرتِ عمار کی والدہ نے پوچھا، تم سارا دن کہاں رہے ہو، انہوں نے صاف بتا دیا کہ میں نے حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی غلامی قبول کر لی ہے اور دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں، پھر انہوں نے اپنے والدین کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور قرآن پاک کی چند آیات بھی تلاوت کیں جو انہوں نے آج ہی یاد کر لی تھیں، وہ دونوں بھی از حد متاثر ہوئے اور اسی وقت اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے، حضرتِ عمار کے والد کا نام یاسر

اور والدہ کا نام سمیہ ہے، انہوں نے اسلام کی خاطر ظلم وتشدد کے ایسے ایسے پہاڑ برداشت کئے کہ عزم واستقامت کی تاریخ آج بھی صدائے آفرین بلند کر رہی ہے۔

حضرتِ حصین کا قبولِ اسلام:

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے والد حضرت حصین رضی اللہ عنہ بہت زیادہ عقلمند انسان تھے، ان کا فرزند عمران تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، اب قدرتِ الٰہی ان کیلئے راستہ ہموار کر رہی تھی، ہوا کچھ یوں کہ قریش مکہ نے ان سے کہا کہ آپ عقلمند انسان ہیں، آپ چل کر حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے ساتھ گفتگو کریں، چنانچہ انہوں نے حامی بھرلی، جب حضور اقدس ﷺ کے دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حاضرین مجلس سے فرمایا، اپنے سردار کیلئے جگہ کو کشادہ کردو، گفتگو شروع ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اے حصین! تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو، انہوں نے کہا، سات معبود زمین پر ہیں اور ایک معبود آسمان والا ہے، آپ نے فرمایا، تکلیف کے وقت کس معبود کو پکارتے ہو، انہوں نے کہا اس ایک معبود کو جو آسمان والا ہے، آپ نے فرمایا، افسوس کی بات ہے تمہاری پکار تو آسمان والا معبود سنتا ہے اور وہی اکیلا تمہیں تکلیف سے نجات دیتا ہے لیکن جب عبادت کا وقت آتا ہے تو زمین کے معبودوں کو شامل کر لیتے ہو، کیا تمہیں یہ شرک پسند ہے، اے حصین! اسلام قبول کرلو، خدا تعالٰی کے عذاب سے بچ جاؤ گے، آپ کی نورانی گفتگو سے دل کے تاریک پردے اتر گئے اور انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا، ان کا بیٹا عمران تو بہت ہی زیادہ خوش ہوا، اس نے اٹھ کر اپنے خوش نصیب باپ کے سر، ہاتھ اور پاؤں کو چوم لیا، حضور اقدس ﷺ کی چشمانِ مبارک بھی رحمت بھرے آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، جب وہ واپس جانے لگے تو آپ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا، شیعوہ الی منزلہ، ان کو ان کی منزل تک چھوڑ آؤ، حضرتِ حصین کی قوم کے افراد باہر ان کا انتظار کر رہے تھے، وہ سمجھ گئے کہ یہ عقلمند انسان اب معبودانِ باطلہ کی قید سے آزاد ہو چکا ہے۔ ﴿سیرت حلبیہ ۱:۲۶۹﴾

حضرتِ ابوذر غفاری کا قبولِ اسلام:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادہ تھا، آپ فطرتِ سلیم کے مالک تھے، بعثت نبوی سے تین سال پہلے نماز ادا کیا کرتے تھے، جدھر خدا تعالٰی چاہتا تھا اُدھر چہرہ

کر کے کھڑے ہو جاتے اور معبود برحق کی حمد و ثنا کر کے قلب بیقرار کو تسکین پہنچا لیتے، ایک دن آپ کو اطلاع موصول ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں ایک پیغمبر برحق مبعوث ہوا ہے، آپ نے اپنے بھائی انیس بن جنادہ کو بھیجا، وہ بہت اچھے شاعر تھے، جب وہ واپس آیا تو اس نے بتایا کہ میں نے ایک ایسے شخص عظیم کو دیکھا ہے جو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اس شخص عظیم کے بارے میں لوگوں کا کیا خیال ہے، اس نے بتایا کہ لوگ اسے کاہن، شاعر اور ساحر کہتے ہیں لیکن اللہ کی قسم وہ سچا ہے اور لوگ غلط کہتے ہیں، آپ نے کہا، اے بھائی! تم میرے اہل وعیال کا خیال رکھنا، میں بھی اس شخص عظیم کا دیدار کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپ حرم مکہ میں آ گئے، ایک روایت ہے کہ آپ تیس دن کعبہ مشرفہ کے صحن میں رہے اور آب زم زم سے غذا حاصل کرتے رہے، فرماتے ہیں، ایک دن حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحن کعبہ میں داخل ہوئے، طواف فرمایا اور نماز ادا کی، میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ''السلام'' والا سلام کہا، آپ نے جواب دیا، وعلیک ورحمۃ اللہ، آپ نے پوچھا، تم کس قبیلہ سے ہو، میں نے عرض کیا، غفار سے، آپ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا، پھر پوچھا، کتنے دنوں سے آئے ہو، میں نے عرض کیا، تیس دن رات ہو چکے ہیں، آپ نے پوچھا، کھانا کون کھلاتا ہے، میں نے عرض کیا، صرف آب زم زم کی خوراک ہے، جس سے میں موٹا ہو گیا ہوں اور بھوک کا احساس تک نہیں رہا، آپ نے فرمایا، آب زم زم بڑی برکت والا پانی ہے، یہ ایک مکمل غذا ہے، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے گئے اور طائف کے چھوہاروں سے تواضع کی، یہ مکہ مکرمہ میں میرا پہلا کھانا تھا، آپ سے دوسری ملاقات ہوئی تو فرمایا، میں ارض نخلستان کی جانب ہجرت کرنے والا ہوں، تم اپنی قوم کو دعوت حق دو، چنانچہ میں واپس آ گیا تو بھائی نے پوچھا، آپ اتنی دیر کیوں لگا کر آئے، میں نے کہا، میں نے اس رسول برحق کی تصدیق کر دی ہے، بھائی پہلے ہی اسلام لا چکا تھا، پھر ہم دونوں کے کہنے پر والدہ بھی مسلمان ہو گئی، ہم نے مل جل کر اہل قبیلہ کو دعوتِ حق شروع کی تو ہجرت مدینہ سے پہلے آدھا قبیلہ اسلام لا چکا تھا، باقی لوگ ہجرت کے بعد اسلام میں داخل ہو گئے، ہماری طرف دیکھ کر بنو اسلم نے بھی اسلام قبول کر لیا،

حضور اقدس ﷺ نے دعا فرمائی، غفار، غفر الله و اسلم سالمها الله، اللہ تعالیٰ بنو غفار کی مغفرت کرے اور بنو اسلم کو سلامت رکھے، ﴿ملخصاً دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۲۲۴﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے فوراً بعد کفار مکہ کے پاس آئے اور بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا، کفار مکہ نے آپ کو اتنا مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر کہا، اے گروہ قریش! تم تجارت پیشہ ہو، بنو غفار تمہارے راستے میں ہیں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا تجارتی راستہ بند ہو جائے چنانچہ کفار مکہ نے آپ کو چھوڑ دیا، دوسرے روز بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا، ﴿ایضاً ص ۲۲۵، بخاری کتاب المناقب﴾ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تین دن حرم مکہ میں رہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضور نبی کریم ﷺ کے کاشانہ رحمت میں آئے اور اسلام قبول کیا، وہ خفیہ دعوت کا دور تھا، جب ان کا سویا ہوا مقدر بیدار ہوا تو حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر طائف کے خشک میووں سے دعوت کی گئی، ﴿سیرت نبویہ یہ دحلان ۱: ۱۹۲﴾ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے اور سچی بات ضرور کریں گے خواہ وہ کڑوی کیوں نہ ہو، انہوں نے ان نصیحتوں پر اس شان سے عمل کیا کہ زبان نبوت بھی پکار اٹھی، نیلگوں آسمان کے نیچے اور گرد آلود زمین کے اوپر کوئی شخص نہیں جو ابوذر غفاری سے زیادہ سچ بولنے والا ہو۔

حضرتِ عمرو بن عبسہ سلمی کا قبولِ اسلام:

حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں دور جاہلیت میں ہی بت پرستی سے بیزار تھا اور اسے غلط سمجھتا تھا، کیونکہ ایسے پتھروں کی عبادت جو نفع دیں نہ نقصان، چہ معنیٰ دارد، میں ایک اہل کتاب سے ملا اور اس سے بہتر دین کے بارے میں سوال کیا، اس نے کہا، مکہ مکرمہ میں ایک شخصِ کریم ظاہر ہوگا، وہ اپنی قوم کے خداؤں سے اظہار نفرت کرتے ہوئے کسی اور کی عبادت کی دعوت دے گا اور بہتر دین لے کر آئے گا، اگر تمہیں اس کی صحبت میسر آجائے تو اسکی پیروی کرنا چنانچہ میرا معمول بن گیا کہ میں مکہ مکرمہ آتا اور یہ سوال کرتا کہ یہاں کوئی نیا واقعہ تو نہیں ہوا، لوگ کہتے نہیں، میں یہ جواب سن کر لوٹ جاتا،

میرا گھر مکہ مکرمہ سے قریب ہی تھا، اس لئے مکہ مکرمہ سے نکلنے والے ہر سوار سے پوچھتا رہتا کہ وہاں کوئی نئی خبر ہے، یہی جواب ملتا نہیں، ایک دن ایک سوار سے پوچھا تو اس نے کہا، ایک شخص کریم نے ظہور کیا ہے جو معبودان قوم سے بیزار ہے اور کسی نئے دین کی دعوت دے رہا ہے، میں نے کہا یہی تو میرا وہ حبیب ہے جس کا مجھے انتظار تھا، میں نے فوراً رخت سفر باندھ لیا، مکہ مکرمہ پہنچ کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس شخص کریم کی سرگرمی ابھی خفیہ ہے اور قریش مکہ اس کے خلاف ہیں، میں تلاش بسیار کے بعد آپ تک پہنچ گیا، سلام کیا اور پوچھا، آپ کون ہیں، آپ نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، میں نے کہا آپ کو کس نے بھیجا ہے، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے، میں نے سوال کیا، آپ کی دعوت کیا ہے، آپ نے فرمایا، صلہ رحمی کرو، خونریزی سے بچو، راستے پرامن بناؤ، بت پاش پاش کردو اور صرف ایک خدا تعالیٰ کی عبادت کرو، میں نے کہا، آپ کی دعوت کیا خوب ہے، میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی، اب کیا میں آپ کے پاس رہ سکتا ہوں، یا جیسے آپ کی مرضی، آپ نے فرمایا، لوگوں کی طرف سے میری مخالفت تو تم دیکھ چکے ہو، تم اپنے گھر رہو، جب تمہیں معلوم ہو کہ میں نے یہاں سے ہجرت کی ہے تو پھر میری پیروی کرنا، چنانچہ جب میں نے سنا کہ آپ سوئے مدینہ ہجرت کر گئے ہیں تو میں وہاں آپ کے پاس حاضر ہو گیا، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں تم وہی سلمی شخص ہو جو میرے پاس مکہ مکرمہ میں آیا تھا اور میں نے تمہیں یہ جواب دیا تھا، میں خوشی سے کھڑا ہو گیا اور یقین کر لیا کہ جو علم اس مجلس سے مل سکتا ہے، سارے زمانے سے نہیں ملتا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کس گھڑی میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا، رات کے آخری پہر میں، اس وقت نماز میں فرشتے پہنچتے ہیں اور وہ قبول ہوتی ہے۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۲۶﴾

حضرتِ حابس بن دغنہ کا قبول اسلام:

حضرت امام ابن کلبی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بنو کلب کے ایک مزدور کا نام حابس بن دغنہ تھا، ایک دن وہ خوف زدہ ہو کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا، اپنے اونٹوں کو سنبھال لیجئے، میں نے پوچھا تو کس وجہ سے اسقدر خوف زدہ ہے، اس

نے جواب دیا کہ میں فلاں وادی میں تھا، میں نے ایک بوڑھے کو گھاٹی سے نمودار ہوتے دیکھا، اس کا سر خمہ کی طرح تھا، اس نے کہا ؎

یا حابس بن دغنہ یا حابس لا تعرض الیک الوساوس

ھذا سنا النور بکف القابس فاجنح الی الحق و الا توالس

ترجمہ: اے حابس بن دغنہ! تو تو اپنے دل میں وسوسے پیدا نہ کر، یہ روشنی تیرے نور بکف ہونے کی بنا پر ہے، حق کی طرف مائل ہو اور فریب میں مبتلا نہ ہو، وہ بوڑھا یہ کہہ کر غائب ہو گیا اور میں نے اونٹوں کو وہاں سے ہانک کر دور ایک دوسری جگہ پر چرنے کیلئے چھوڑ دیا، میں لیٹ گیا تو پھر کسی کے ٹھوکر مارنے سے میری آنکھ کھل گئی، دیکھا تو وہی بوڑھا موجود تھا، اب اس نے کہا ؎

یا حابس اسمع ما اقول ترشد لیس ضلول حائر کالمھتدی

لا تترکن نھج الطریق الاقصد قد نسخ الدین بدین احمد

ترجمہ: اے حابس! میرے قول پر دھیان دینے سے تو ہدایت یافتہ ہو جائے گا، گمراہ شخص ہدایت یافتہ کی طرح نہیں ہوتا، اے حابس! تو اعتدال کے راستے کو نہ چھوڑ، بلاشبہ دین احمد مجتبیٰ ﷺ سے تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

حضرت حابس بن دغنہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں بیہوش ہو گیا، بلاشبہ حق تعالیٰ نے اسلام کیلئے میرے دل کا امتحان لیا ﴿تو میں اسکے فضل سے کامیاب ہو گیا﴾ ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۷۴﴾ اس زمانے میں مسلمان چھپ کر مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں نماز ادا کرتے رہے، تاکہ مشرکین کو ان کے اسلام لانے کی خبر نہ ہو، ایک روز جب مسلمان ایک خفیہ مقام پر نماز ادا کر رہے تھے تو مشرکین مکہ کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا، سخت کلامی ہوئی اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی، حضرت سعد بن ابی وقاص نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ایک شخص کے سر پر دے ماری جس سے اسکا سر پھٹ گیا، یہ شخص بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا اس خیال کے پیش نظر کہ کہیں مسلمانوں اور مشرکوں میں قبل از وقت تصادم نہ ہو جائے، حضور ختمی مرتبت ﷺ نے حضرت ابن ابی ارقم کے مکان کو دعوت حق کا مرکز بنا لیا، یہ مکان صفا کے قریب تھا، ﴿الواقدی ص ۲۳۶، سیرت ابنِ ہشام ۱:۲۲۳﴾ اب تمام مسلمان وہیں جمع ہوتے، اکٹھے

نماز ادا کرتے اور آئندہ کے پروگرام کے بارے میں سوچتے، شعب ابی طالب میں آنحضور ﷺ کی اور آپ کے خاندان کی محصوری تک اسی مکان کو مرکزی حیثیت حاصل رہی، اب ہم خفیہ دعوت کے سہ سالہ دور کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قریش کے مختلف قبائل کے کن کن حضرات اور خواتین نے اسلام قبول کیا اور دیگر قبائل کے کن کن حضرات نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آنحضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے دعوت حق پر لبیک کہا جو جمود و تعطل کی بجائے آزادی و حرکت کی، مفاسد اخلاق کی بجائے مکارم اخلاق کی اور غلامی و محکومی کی بجائے عرب و عجم کی قیادت او ر سرفرازی کی ضامن تھی، یہاں پر اللہ تعالیٰ کے ان پاکیزہ بندوں کی فہرست دی جاتی ہے جو اپنے جذبۂ پیش قدمی کے سبب "السابقون الاولون" میں شامل ہوئے، وہ خدا سے راضی تھے، اس لئے خدا ان سے راضی ہوا:

⦿...... بنی ہاشم میں سے جعفر بن ابی طالب، ان کی بیوی اسما بنت عمیس، صفیہ بنت عبدالمطلب، آروی بنت عبدالمطلب۔

⦿...... بنی المطلب میں سے عبیدہ بن الحارث بن مطلب۔

⦿...... بنی عبد شمس بن عبد مناف میں سے ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو۔

⦿...... بنی امیہ میں سے عثمان بن عفان، ان کی والدہ اروی بنت کریز، خالد بن سعید بن العاص بن امیہ، ان کی بیوی امیمہ بنت خلف الخزاعیہ، ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔

⦿...... خلفائے بنی امیہ میں سے عبداللہ بن جحش بن رباب، ابواحمد بن جحش، عبیداللہ بن جحش،

⦿...... بنی تیم میں سے اسما بنتِ ابوبکر، ام رومان، طلحہ اوران کی والدہ، حارث بن خالدہ

⦿...... خلفائے بنی تیم میں سے صہیب بن سنان رومی .

⦿...... بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں سے زبیر بن العوام، خالد بن حزام، اسود بن نوفل، عمرو بن امیہ۔

⦿...... بنی عبدالعزیٰ بن قصی میں سے یزید بن زمعہ بن الاسود

⦿...... بنی زہرہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف، ان کی والدہ شفا بنتِ عوف، سعد بن ابی

وقاص، عمیر بن ابی وقاص، عامر بن ابی وقاص، مطلب بن ازہر، ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف سہمیہ، طلیب بن ازہر، عبداللہ بن شہاب۔

⊙...... خلفائے بنی زہرہ میں سے عبداللہ بن مسعود، عتبہ بن مسعود، مقداد بن عمرو الکندی، خباب بن الارت، شرحبیل بن حسنہ الکندی، جابر بن حسنہ، جنادہ بن حسنہ۔

⊙...... بنی عدی میں سے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور انکی بیوی فاطمہ بنت الخطاب، زید بن الخطاب، عامر بن ربیعہ الغزیٰ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حشمہ، معمر بن عبداللہ بن نھلہ، نعیم بن عبداللہ النحام، عدی بن نھلہ، عروہ بن ابی اثاثہ، مسعود بن سوید بن حارثہ نھلہ۔

⊙...... خلفائے بنی عدی میں سے واقد بن عبداللہ، خالد بن بکیر بن عبد یالیل لیثی، ایاس بن بکیر، عامر بن بکیر، عاقل بن بکیر۔

⊙...... بنی عبدالدار میں سے مصعب بن عمیر، ابوالروم بن عمیر، فراس بن النضر، جہم بن قیس۔

⊙...... بنی جمح میں سے عثمان بن مظعون، قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن مظعون، سائب بن عثمان بن مظعون، معمر بن الحارث، حاطب بن الحارث، اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل، حطاب بن الحارث اور ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار، سفیان بن معمر، بنیہ بن عثمان۔

⊙...... بنی سہم میں سے عبداللہ بن حذافہ، خنیس بن حذافہ، ہشام بن العاص بن وائل، الحارث بن قیس، بشیر بن الحارث، معمر بن الحارث، ابوقیس بن الحارث، قیس بن حذافہ، عبداللہ بن الحارث، سائب بن الحارث، حجاج بن الحارث، بشر بن الحارث، سعید بن الحارث۔

⊙...... خلفائے بنی سہم میں سے عمیر بن رتاب، محمیہ بن الجزء

⊙...... بنی مخزوم میں سے ابوسلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی ام سلمہ، ارقم بن ابی الارقم، عیاش بن ابی ربیعہ اور ان کی بیوی اسما بنت سلامہ، ولید بن ولید بن مغیرہ، ہشام بن ابی حذیفہ، سلمہ بن ہشام، ہاشم بن ابی حذیفہ، ہبار بن سفیان، عبداللہ بن سفیان۔

⊙...... خلفائے بنی مخزوم میں سے یاسر، عمار بن یاسر، عبداللہ بن یاسر۔

⊙...... بنی عامر بن لوی میں سے ابوسبرہ بن ابی رھم اور ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، حاطب بن عمرو، سبیط بن عمرو، سکران بن عمرو اور ان کی بیوی سودہ بنتِ زمعہ، سلیط بن عمرو کی بیوی یقیظہ بنت علقمہ، مالک بن زمعہ، ابنِ ام کلثوم۔

⊙...... بنی فہر بن مالک میں سے ابو عبیدہ بن الجراح، سہیل بن بیضا، سعید بن قیس، عمرو بن الحارث بن زہیر، عثمان بن عبد غنم بن زہیر، حارث بن سعید۔

⊙...... بنی عبد قصی میں سے طلیب بن عمیرہ

یہ وہ لوگ تھے جو قریش کے بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کے علاوہ ایک اچھی خاصی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی بھی تھی جنھوں نے خفیہ دعوت کے ان تین سالوں میں اسلام قبول کیا، ان کے نام یہ ہیں:

⊙...... ام ایمن برکت بنت ثعلبہ، زنیرہ رومیہ جو عمرو بن مومل کی آزاد کردہ لونڈی تھی، بلال بن رباح اور ان کی والدہ حمامہ، ابوفکیہہ یسار بن جہنی، لبیبہ، ام عبیس، عامر بن فہیرہ، سمیہ، ان کے علاوہ غیر قریش میں سے جن لوگوں نے مکہ کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا وہ یہ تھے:

⊙...... محجن بن الادرع اسلمی، مسعود بن ربیعہ بن عمرو، ﴿رسول مبین ص ۲۷۵ تا ۲۸۱﴾۔

آسمانِ عزم کے روشن ستاروں کو سلام
گلشنِ محبوب کے عالی نظاروں کو سلام
جن کی خوشبو سے مہک اٹھا جہانِ بندگی
کفر کے کانٹوں سے زخمی نو بہاروں کو سلام
لرزہ طاری کر دیا جن کے جلالِ عشق نے
فقر کے ان کجا ہوں، تاجداروں کو سلام
جن کا مقصد تھا رسول اللہ پر قربان ہوں
جاں سپاروں، جاں نثاروں، شہسواروں کو سلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت:

حضرت امام ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ جب مسلمان مردوں کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھل کر تبلیغ کرنے کی اجازت مانگی، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابھی مسلمانوں کی تعداد کم ہے لیکن پھر ان کے اصرار کی بدولت اجازت عطا فرمادی، آپ ﷺ دارِ ارقم سے باہر نکلے اور صحنِ کعبہ مشرفہ میں جلوہ فرما ہو گئے، باقی مسلمانوں نے

بھی اپنے اپنے قبیلوں کی نشستیں سنبھال لیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کفار مکہ کو توحید و رسالت کی طرف بلانا شروع کر دیا، ان کی تبلیغ سے آگ سی لگ گئی، وہ سب مشتعل ہو کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی مسلمانوں پر تشدد کرنے لگے، عتبہ بن ربیعہ نے اپنے سخت جوتے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چہرہ اقدس پر اتنے وار کیے کہ وہ سوج گیا، آپ بیہوش ہو گئے تو ان کے قبیلے کے لوگ انہیں اٹھا کر لے گئے، اہل قبیلہ نے یہ اعلان بھی کیا کہ اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے، ادھر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو زبان اقدس سے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے، یہ سن کر اہل قبیلہ ملامت کرنے لگے، آپ نے اپنی والدہ ام الخیر کو ام جمیل بنت خطاب کے پاس بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کا حال معلوم کیا جائے، ام جمیل نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو چیخ اٹھیں، اللہ کی قسم جس قوم نے تمہارا یہ حال کیا ہے، یقیناً وہ کافر اور فاسق ہے، آپ نے پھر یہی سوال کیا، رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے، ام جمیل نے کہا، حضور اقدس ﷺ بالکل صحیح سلامت ہیں، آپ نے پوچھا: حضور اقدس ﷺ کہاں ہیں، اس نے جواب دیا: دار ارقم میں، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں کچھ بھی کھاؤں گا نہ پیوں گا، جب تک اپنی آنکھوں سے محبوب دو جہان ﷺ کا دیدار نہ کر لوں، ان دونوں عورتوں نے کچھ توقف کیا، جب لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی تو آپ کو ساتھ لے کر کاشانہ نبوت میں پہنچ گئیں، حضور رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے جان سپار ساتھی پر جھک گئے اور بوسہ دیا، مسلمان بھی ان پر جھک گئے، ان کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پر رقت طاری ہوئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، میرے والدین آپ پر قربان ہوں، مجھے کوئی تکلیف نہیں، ہاں عتبہ بن ربیعہ کے جوتوں کی تکلیف ہے، یہ میری والدہ برہ ہے آپ مبارک ہیں، اس لئے والدہ کو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اور میری والدہ کیلئے دعا فرمائیں، مجھے یقین ہے کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری والدہ کو دوزخ سے نجات دے گا، حضور اقدس ﷺ نے پہلے دعا کی اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا چنانچہ وہ مسلمان ہو گئیں، پھر مسلمان دار ارقم میں رہے اور خفیہ طریقے سے دعوت الی الحق کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، ﴿ملخصاً سیرت نبویہ ۱: ۴۳۹﴾

حضرت حمزہ کا قبول اسلام:

لمحے گزرتے جا رہے تھے، اسلام کی ترقی و عروج سے کفار مکہ کی تشویشات میں اضافہ ہو رہا تھا، ایک بار جان رحمت ﷺ کوہ صفا پر تشریف فرما تھے کہ ابوجہل نے طعن و تشنیع کے پتھر برسانے شروع کر دیئے مگر آپ نے حلم و وقار کا مظاہرہ فرمایا، آپ کا انداز دیکھ کر وہ چراغ پا ہو گیا اور اپنے ڈنڈے سے مارنے لگا، آپ کے جسم نازنین سے خون نکل آیا، لیکن اف تک نہ کی، آخر وہ ظالم چلا گیا اور حضور اقدس ﷺ بھی اپنے گھر روانہ ہو گئے، عبداللہ بن جدعان کی لونڈی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی، اس نے حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب کو بتا دیا، اے ابوعمارہ! آج ابوجہل نے تیرے بھتیجے کو گالیاں دیں تو وہ جواب میں خاموش رہے، پھر وہ انہیں مارتا رہا، تاآں کہ ان کو لہولہان کر دیا، حضرت امیر حمزہ شکار کھیل کر واپس آئے تھے، ان کے غصے کی انتہا نہ رہی، وہ ابوجہل کو تلاش کرتے ہوئے صحن حرم میں پہنچ گئے جہاں وہ بڑے کروفر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، پھر انہوں نے اپنی کمان سے ابوجہل کے سر پر تین ضربیں لگائیں کہ خون کا فوارا چھوٹ گیا، آپ نے مغلوب الغضب ہو کر یہ بھی کہہ دیا کہ تو نے میرے بھتیجے کو گالیاں نکالنے کی جرأت کی، میں اس کے دین پر ہوں، اگر تجھ میں ہمت ہے تو مجھے روک کر دیکھ لے، بنو مخزوم کے لوگ اپنے سردار کی اتنی بے عزتی اور رسوائی برداشت نہ کر سکے اور لڑنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، ابوجہل نے ان کو سمجھایا، ابوعمارہ کو چھوڑ دو، اللہ کی قسم! میں نے اس کے بھتیجے کو گالیاں دے کر غلطی کی ہے، حضرت امیر حمزہ نے انتقام کے جوش میں اسلام کا اعلان تو کر دیا مگر بعد میں سوچا کہ یہ کیا ہو گیا، ساری رات اس کشمکش میں گزار دی، صبح ہوتے ہی حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے میرے بھتیجے! میں ایک مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں، اس بات پر برقرار رہنا میرے لئے کتنا دشوار ہے جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں، یہ ہدایت ہے یا ضلالت، مجھے اس کے متعلق کچھ بتایئے، حضور اقدس ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی حقانیت پر گفتگو شروع کر دی جس کی برکت سے ان کے دل و نگاہ کی تاریکیاں دور ہو گئیں، انہوں نے فوراً کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں، اے میرے بھتیجے! اپنے دین کو ظاہر کرتے رہیے، اللہ کی قسم! اب مجھے آسمان کے نیچے موجود ہر نعمت بھی حاصل ہو جائے تو

بھی اپنے پہلے دین کی طرف پھرنا پسند نہیں کروں گا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے عالم کفر پر ایک ہیبت سی طاری ہوگئی، ﴿سبل الھدیٰ ۲:۴۴۴﴾ ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ابوجہل سے انتقام لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! چچا جان! مجھے اس سے بھی زیادہ خوشی اس وقت ہوگی جب آپ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں گے، اس پر انہوں نے اسلام قبول کر لیا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بہت اچھے شاعر بھی تھے، انہوں نے خوبصورت انداز میں حمد و نعت کا ترانہ آلاپنا شروع کر دیا جس سے گلستان وفا میں ایک بہار مسکرا اُٹھی ۔

حمدت الله حين هدى فوادى — الى الاسلام والدين الحنيف

لدين جاء من رب عزيز — خبير بالعباد بهم لطيف

اذا تليت رسائله، علينا — تحدر دمع ذى اللب الحصيف

رسائل جاء احمد من هداها — بايات مبينة الحروف

واحمد مصطفىٰ فينا مطاع — فلا تغشوه بالقول الضعيف

ترجمہ: اللہ کی تعریف جس نے مجھے دین حنیف کی ہدایت بخشی، یہ دین رب عزیز اور خبیر ولطیف کی طرف سے آیا ہے، جب اس کے رسالوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو دانا آدمی رونے لگتا ہے، یہ روشن حروف اور آیات والے رسائل حضور احمد مصطفیٰ ﷺ لے کر آئے ہیں، احمد مصطفیٰ ﷺ ہمارے مطاع ہیں، کوئی کمزور بات ان کو گھیر نہیں سکتی۔

کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا لیکن حضرت امام ابن حجر، حضرت علامہ ابن اثیر، حضرت علامہ احمد بن زینی دحلان نے لکھا ہے کہ آپ بعثت کے دوسرے سال مسلمان ہو گئے تھے، ﴿اسد الغابہ ۲:۴۶، سیرت نبویہ دحلان ۱:۲۱۳﴾ حضرت شیخ محمد صادق عرجون نے بھی حضرت علامہ ابن عبد البر اور حضرت امام قسطلانی کے حوالوں سے اسی قول کو معتبر سمجھا ہے، ﴿محمد رسول اللہ﴾ علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے، ﴿ضیاء النبی ۲:۲۵۶﴾ بعض مورخین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھتے ہیں کہ وہ بھی بعثت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے تھے، جبکہ مستند

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد اسلام قبول کیا، لہذا وہ بھی بعثت کے دوسرے سال ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، اس تحقیق کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، حضرت ابن ابی خثیمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف انتالیس مسلمان تھے، میں نے چالیس کا عدد پورا کر دیا، ﴿فتح الباری باب مناقب عمر﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت مروی ہے، اب اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ نے چھٹے سال بعثت میں اسلام قبول کیا تھا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ چھ سالوں کی تبلیغ سے صرف انتالیس افراد نے اسلام قبول کیا تھا، یہ امر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی خلاف ہے، لہذا وہی قول بہترین ہے کہ آپ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد بعثت کے دوسرے سال میں اسلام قبول کیا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عمر فاروق کا قبولِ اسلام:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی عدی کے شہسوار تھے، جوانمرد تھے، مرد میدان تھے، قریش کے سفارت کار تھے، فن کتابت کے ماہر تھے، آپ کی عمر مستعار چھبیس سال کے قریب تھی کہ ایک دن آپ نے گرد و پیش کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا، یہ کیسا دین ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کی نبوت و رسالت کے پروانے پھیلا رہے ہیں، ان لوگوں نے کیوں صدیوں پرانی رسومات کو یکسر تبدیل کرنے کا عزم کر رکھا ہے، کیوں نہ اس سارے نظام کو ختم کرنے کیلئے حیات مصطفیٰ کا چراغ بجھا دیا جائے، آخر اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے شمشیر برہنہ لے کر چل پڑے، راستے میں ایک قریشی نوجوان حضرت نعیم بن عبد اللہ سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے حضرت عمر کے خطرناک ارادے کو بھانپتے ہوئے پوچھا، اے عمر! کدھر کا ارادہ ہے، حضرت عمر نے کہا، میں اس شخص کو ختم کرنے جا رہا ہوں جس نے میرے شہر کا سکون ختم کر دیا ہے، حضرت نعیم نے کہا، اے عمر! پہلے اپنے گھر کو دیکھ لو، تیری بہن فاطمہ بنت خطاب اور تیرے بہنوئی سعید بن زید نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے، یہ خبر سن کر حضرت عمر شعلہ جوالہ بن گئے، سیدھے اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے اور دونوں کو مار مار کر لہولہان کر دیا، جب یہ ستم شعاری حد سے بڑھ گئی تو بہن نے

کہا، اے بھائی! تو جتنا چاہے مار لے، میرے جسم کو ٹکڑوں میں تبدیل کر دے لیکن میں دین ہدایت کو نہیں چھوڑ سکتی، بہن کا یہ جذبہ کامل دیکھ کر عمر کا دل نرم ہو گیا، پھر کہا، مجھے صحیفہ دکھا جس کی تو تلاوت کر رہی تھی، بہن نے کہا، تو مشرک ہے، اگر تجھے شوق ہے تو پہلے غسل کرو، حضرت عمر نے غسل کیا تو بہن نے وہ صحیفہ لا کر دے دیا، صحیفہ کیا تھا چند اوراق تھے جن پر سورۃ طٰہٰ مرقوم تھی، **طٰهٰ o ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ o الا تذکرة لمن یخشیٰ o تنزیلاً ممن خلق الارض والسمٰوٰت العلی o ...... لا اله الا هو له الاسماء الحسنیٰ o** طٰہٰ! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ، یہ تو ڈرنے والے کیلئے نصیحت ہے، یہ اس کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا .... اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی کیلئے ہیں اچھے نام، حضرت عمر نے ابھی چند آیات قرآنی کو پڑھا تھا کہ ان کے دل کی سنگلاخ وادی سے آنسوؤں کے جھرنے ابل پڑے اور چشمان عبرت سے نکل کر دامن معصیت کو تر کرنے لگے، انہوں نے بیقرار ہو کر پوچھا وہ نبی محتشم کدھر جلوہ فرما ہے، میں بھی ان کے دامان رحمت سے پیوستہ ہونا چاہتا ہوں، یہ انقلاب ایسے ہی رونما نہیں ہوا تھا، ادھر زبان نبوت بھی حریم ناز میں دعا مانگ رہی تھی:

⊙ ...... اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام ﴿ابو جہل﴾ میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہے، اس کے ذریعے اسلام کو عزت وعظمت عطا فرما، ایک روایت کے الفاظ ہیں اے اللہ! عمر کے ذریعے اسلام کو عزت سے سرفراز فرما۔

﴿جامع ترمذی، طبرانی﴾

حضور اقدس ﷺ دار ارقم میں تشریف فرما تھے، دروازے پر دستک ہوئی، کسی صحابی نے کواڑ کے سوراخ سے دیکھا کہ باہر حضرت عمر شمشیر برہنہ لے کر کھڑے تھے، صحابہ کرام پریشان ہو گئے تو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مت گھبراؤ! دروازہ کھول دو، اگر اس کا ارادہ خراب ہوا تو اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اس کیلئے دروازہ کھول دو، اگر اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے خیر کا ارادہ فرمایا ہے تو اس کو ہدایت عطا کر دے گا، پھر حضرت عمر اپنی منزل تک پہنچ گئے، حضور اقدس ﷺ نے ان کی چادر کو جھٹکا

دے کر فرمایا، اے خطاب کے بیٹے! اسلام قبول کر لو، اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت سے مالا مال کر دے، اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعے دین کو عزت بخش دے، اے اللہ! اس کے سینے میں اسلام کی عداوت کی جگہ ایمان کی دولت بھر دے گا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس کے بعد میں نے عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، حضور اقدس ﷺ اور تمام صحابہ کرام نے نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے مکہ مکرمہ کی وادی گونج اٹھی، آپ نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم موت وحیات میں حق پر نہیں ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، اللہ کی قسم! تم ہی حق پر ہو، آپ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر ہم اپنے دین برحق کو کیوں چھپاتے ہیں حالانکہ کہ ہم حق پر ہیں اور کافر باطل پر ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا؛ اے عمر! ہماری تعداد کم ہے اور تم دیکھتے ہو کہ کفار مکہ کا برتاؤ کیا ہے، آپ نے عرض کیا، اس ذات مقدس کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، میں جن مجلسوں میں کفر کی حالت میں بیٹھا کرتا تھا اب اسلام کی حالت میں بیٹھا کروں گا، اس کے بعد مسلمان دو قطاروں کی صورت میں دار ارقم سے نکلے، ایک قطار کے آگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری قطار کے آگے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے، کفار مکہ پر اوس پڑ گئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی، امام ابن ماجہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی اور زبان پر کلمہ طیبہ کا ورد تھا، مسجد حرام میں داخل ہوئے تو قریش مکہ نے پوچھا، عمر کیا خبر ہے، آپ نے فرمایا، خبر ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، خبردار! اگر تم نے حرکت کی تو میں اپنی تلوار سے اڑا دوں گا، پھر آپ آگے آگے چلتے رہے، حضور اقدس ﷺ نے طواف فرمایا تو آپ نے ان کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا، یہاں تک کہ طواف سے فارغ ہو گئے، ﴿زرقانی علی المواہب ۱: ۲۷۷﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بشارت سنائی کہ آج اہل آسمان نے مسرت کا اظہار کیا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام اہل اسلام کیلئے باعث عزت تھا، ان کی ہجرت باعث نصرت تھی

اور ان کی خلافت باعث رحمت تھی، اللہ کی قسم! ہم میں استطاعت نہیں تھی کہ ہم صحن کعبہ مشرفہ میں نماز ادا کرتے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ﴿تو ہمیں یہ استطاعت نصیب ہوئی﴾ ﴿زرقانی علی المواہب ۱:۲۷۷﴾ صحیح بخاری میں انہی سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ہم عزت کی زندگی بسر کرنے لگے، آپ نے مسلمان ہوتے ہی حق کا سر عام اعلان کیا اور باطل کو سر عام للکارا، اس لئے ''الفاروق'' کے لقب سے نوازے گئے، آپ کے قبول اسلام پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

یاایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین

اے نبی! تمہیں اللہ کافی ہے اور تمہاری اتباع کرنے والے مومن (کافی ہیں)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے گھر کے پاس بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوئے اور کہنے لگے، عمر بے دین ہو گیا ہے، اس کو اسکا مزہ چکھانا چاہئے، میں اس وقت بچہ ہی تھا اور اپنے مکان کی چھت پر تھا، ایک آدمی آیا جس نے ریشمی کوٹ پہنا ہوا تھا، اس نے کہا، عمر بے دین ہو گیا ہے، یہ بھی کوئی بات ہوئی، میں نے اس کو پناہ دی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، جب اس نے یہ کہا تو میں نے دیکھا کہ سب لوگ منتشر ہو گئے ہیں، میں نے پوچھا، یہ کون ہے تو لوگوں نے بتایا، یہ عاص بن وائل سہمی ہے ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۸۰﴾
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بتوں کے پاس سو رہا تھا تو ایک آدمی بچھڑا لے کر آیا، پھر اسے ذبح کیا تو اس کے اندر سے اس زور کی آواز نکلی کہ ایسی سخت آواز میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی، اس میں کہا گیا، اے دشمن ایک کام کی بات بتاتا ہوں، جس سے گوہر مراد مل جائے کہ ایک فصیح البیان کہہ رہا ہے اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو لوگ وہاں سے بھاگ گئے لیکن میں وہاں رہا کہ آگے دیکھوں کیا ہوتا ہے پھر یہ آواز آئی اے دشمن ایک کام کی بات بتاتا ہوں کہ ایک فصیح البیان کہہ رہا ہے، اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اٹھ کر چلا گیا، ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں چرچا ہونے لگا، یہ نبی ہے ﴿بخاری کتاب المناقب﴾

تبلیغ اسلام کا اصل محرک:

مکہ مکرمہ میں اسلام پھیل رہا تھا اور مسلمان ان آیات کے باعث جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھیں اپنے عقائد میں اور زیادہ پختہ ہو گئے، اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے تھے، آپ کے اخلاق و عادات کا نفسیاتی اثر ہر ملاقاتی پر پڑتا تھا اور یہ اثر کچھ اتنا گہرا ہوتا کہ لوگ اسلام قبول کیے بغیر نہیں رہتے تھے، آپ نیکوکار، کریم النفس، متواضع عظیم الحوصلہ، خوش گفتار اور انصاف پسند تھے اور پدرانہ شفقت سے پیش آتے تھے، شب بیدار رہتے تھے، آدھی رات کے وقت جب اہل مکہ خواب غفلت میں مصروف ہوتے تھے، آپ عبادت کیلئے اٹھتے اور قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے تھے، زمین و آسمان اور ساری کائنات کو عبرت بین نگاہوں سے دیکھتے تھے، ہمیشہ آپ کی لو خدا سے لگی رہتی تھی، اپنے باطن پر غور کرتے اور سب کچھ اپنے آپ سے طلب کرتے تھے، آپ کے یہی اخلاق و اعمال ان لوگوں کیلئے جو دین حق سے کچھ لگاؤ رکھتے ایمان کی تقویت اور اعتقاد کی مضبوطی کا باعث تھے، تجار اور اشراف مکہ کی ایک جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی اور ان کا یہ معمول تھا کہ یہ ایسے مسلمانوں کی جو حاجت مند اور نادار تھے، مالی امداد کرتے رہتے تھے، غرض مکہ مکرمہ میں تبلیغ اسلام کا کام زور و شور سے شروع ہوا تو مرد و زن جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہونے لگے ﴿سیرۃ الرسول ص ۱۸۲﴾ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ کی شخصیت اور ان کا دین موضوع گفتگو بن گیا تھا لیکن زیادہ سنگ دل اور قسی القلب لوگ جن کے قلوب پر غفلت کی مہریں لگی ہوئی تھیں، شروع شروع میں اسلام کی طرف چنداں ملتفت نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ نبی کریم ﷺ کی باتیں بھی قس، امیہ اور ورقہ کی باتوں کی طرح راہبوں اور مسیحی عالموں کے کلام سے ملتی جلتی ہیں جو سننے والوں پر دیرپا نقوش نہیں چھوڑتیں اور جو لوگ ان کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ جلد اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آتے ہیں، وہ سمجھتے تھے کہ ہبل، لات، عزیٰ، اساف اور نائلہ کا اثر آخر کار ان باتوں پر غالب آجائے گا، انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ایمان کی طاقت پر کسی کی قوت غالب نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ نے دین حق کی قسمت میں سربلندی اور سرفرازی کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

عزیز و اقارب کو دعوتِ اسلام:

خفیہ دعوت اسلام کے تین سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول آخر الزمان، محبوب ذیشان ﷺ کو دین ہدایت کی دعوت عام کا حکم صادر فرمایا، ارشاد خداوندی ہوا:

⊙......**وانذر عشیرتک الاقربین و اخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بریء مما تعملون** ٥ اور آپ ڈر سنایا کریں اپنے قرابت داروں کو اور اپنی پیروی کرنے والے مومنوں کیلئے اپنے بازوؤں کو نیچے کیا کیجئے ﴿یعنی تواضع کا مظاہرہ کیجئے﴾ پس جو آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجئے کہ میں تمہارے عملوں سے بیزار ہوں، ﴿سورۃ الشعراء:۲۱۴ تا ۲۱۶﴾

⊙......**فاصدع بما تومر واعرض عن المشرکین** ٥ آپ کو جس کام کا حکم دیا گیا اس کو سرانجام دیں اور مشرکوں سے روگردانی کریں، ﴿سورۃ الحجر :۹۴﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ پر آیت "**وانذر عشیرتک الاقربین**" نازل ہوئی تو آپ نے صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی یا صباحاہ! ہائے صبح کے وقت لوٹ پڑ گئی، یہ آواز سن کر بہت سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے، بعض لوگ تو خود آئے اور بعض نے اپنے نمائندے بھیجے، اللہ کے رسول ﷺ نے کہا، اے عبدالمطلب کی اولاد! اے فہر کی اولاد! اگر میں کہوں کہ اس طرف پہاڑ کے دامن میں دشمن کی فوج جمع ہے اور تم پر لوٹ ڈالنا چاہتی ہے تو تم میری خبر پر یقین کرو گے، سب نے بیک آواز کہا، ہاں، آپ نے فرمایا، تو پھر میں تمہیں شدید ترین عذاب سے ڈراتا ہوں، ابولہب یہ سن کر بولا، **تبالک سائر الیوم**، تیرے لئے ہلاکت ہو، تو نے ہمیں اس لئے بلایا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری:

⊙......**تبت یدا ابی لھب و تب**............یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ ﴿سورۃ اللھب:۱﴾، ﴿بخاری و مسلم﴾

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں، جب آیت وانذر عشیرتک .... نازل ہوئی تو آپ نے عام اور خاص رشتہ داروں کو دعوت دی اور کہا اے قریش کی جماعت! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ، اے بنو کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ، اے بنو ہاشم کی جماعت! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ، اے بنو عبدالمطلب اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ، اے فاطمہ بنت محمد! اپنی جان کو آگ سے بچاؤ، بخدا اللہ کے عذاب سے میں تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا، ﴿اگر تم نے کلمہ نہ پڑھا﴾ ہاں تمہارے ساتھ رشتہ داری کا تعلق ہے، جہاں تک ہو سکا دنیا میں اسکا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۵۹﴾ ایک روایت کے الفاظ ہیں، اے کعب بن لوی کے بیٹو! اے مرہ بن کعب کے بیٹو! دوزخ سے بچو، اے ہاشم کے بیٹو! دوزخ سے بچو، اے عبدالمطلب کے بیٹو! دوزخ سے بچو، اے عبد مناف کے بیٹو! دوزخ سے بچو، اے زہرہ کے بیٹو! دوزخ سے بچو، اے فاطمہ! دوزخ سے بچو، اے محمد مصطفیٰ کی پھوپھی صفیہ! دوزخ سے بچو، میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں مگر یہ کہ تم لا الہ الا اللہ پڑھ لو، ﴿پھر تمہاری شفاعت کا مالک و مختار ہوں﴾ ﴿سیرت حلبیہ ۱: ۲۷۱﴾ یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بنو عبدالمطلب اور بنو عبد مناف کی اولاد کو دعوت پر بلایا، سب کی تعداد پنتالیس کے لگ بھگ تھی، آپ نے ابھی اپنا پیغام نہیں پہنچایا تھا کہ ابولہب عبدالعزیٰ بول اٹھا، یہ آپ کے چچے ہیں اور چچا زاد بھائی ہیں، آپ کہیے لیکن اتنا خیال رکھئے کہ آپ کی قوم میں اتنی قوت نہیں کہ سارے قبائل عرب سے ٹکرا سکے، مناسب تو یہی ہے کہ آپ کے قبیلے والے آپ کو اس کام سے روک دیں، یہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ قریش کے سارے خاندان آپ کے خلاف کمربستہ ہو جائیں اور عرب کے سارے افراد ان کی حمایت کر رہے ہوں، اے بھتیجے! کوئی آدمی بھی اپنی قوم کیلئے ایسے فتنے کا پیغام لے کر نہیں آیا جیسے آپ آئے ہیں، ابولہب کہتا رہا اور آپ خاموش رہے، ﴿سیرت حلبیہ ۱: ۲۷۱﴾ حضرت جبریل علیہ السلام کے کہنے پر ایک مرتبہ پھر آپ نے اپنے عزیز و اقارب کی دعوت کی، وہ سب اکٹھے ہو گئے تو فرمایا:

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، میں اس کی حمد بجا لاتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں، اسی پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور میں گواہی

دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں ہے، قافلہ سالار اپنے قافلے سے جھوٹ نہیں بولتا، اللہ کی قسم! میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا اور تم سے کوئی دھوکہ نہیں کرتا، اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں بالخصوص تم تمام کی جانب اللہ کا رسول ہوں اور بالعموم تمام انسانوں کی طرف بھی اللہ کا رسول ہوں، اللہ کی قسم! تمہیں ضرور اس طرح موت آئے گی جس طرح نیند آتی ہے اور تم قبروں سے زندہ اٹھو گے جیسے نیند سے اٹھتے ہو، تمہارے عملوں کا محاسبہ ہوگا، تمہیں اچھے کاموں کا اچھا بدلہ ملے گا اور برے کاموں کا برا انجام حاصل ہوگا، ابدی جنت حاصل ہوگی یا ابدی دوزخ ملے گی، اے بنو عبد المطلب! اللہ کی قسم میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اس چیز سے افضل چیز اپنی قوم کے پاس لایا ہو، بے شک میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی کامیابی لے کر آیا ہوں، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱: ۱۹۸﴾

اس بار بھی شقی القلب ابولہب نے زبان نبوت کی توہین کرتے ہوئے کہا، اے عبدالمطلب کے فرزندو! یہ چیز ہمارے لئے ذلت ورسوائی کا باعث ہے، تم اس شخص کا راستہ روک دو، ورنہ دوسرے لوگ راستہ روکیں گے اور تم اس کو ان لوگوں کے حوالے کر کے ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے، اگر تم اس کا دفاع کرو گے تو وہ تمہیں ختم کر دیں گے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ابولہب کو روکتے ہوئے کہا، اے ابولہب! ہم نے یہی سنا ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد سے ایک نبی ظاہر ہوگا، یہ وہی نبی ہیں، ابولہب کہنے لگا یہ ویسے ہی غلط باتیں ہیں، اس کے بعد حضرت ابو طالب نے کہا کہ ہم تادم آخر ان کی حفاظت کریں گے، سب اٹھ کر چلے گئے، ایک روایت میں ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ طفل نابالغ تھے، انہوں نے کھڑے ہو کر کہا، یارسول اللہ! میں آپ کا مددگار ہوں، آپ کے دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہوں، تمام اہل خاندان ان کی اس بات پر ہنستے اور قہقہے لگاتے چلے گئے، اس واقعہ کے بعد کوہ صفا پر جلوہ فرما ہو کر آپ ﷺ نے تمام قوم مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا اور ایک ایک قبیلے کا نام لے کر عذاب الٰہی سے ڈرایا، ابولہب کا غیظ وغضب اور قریش کا بغض وعناد بھی اشاعت اسلام کو روک نہ سکے، ہر روز ایک نہ ایک جماعت آکر مشرف بہ اسلام ہوتی، جن لوگوں کی

فطرت میں تھوڑی بہت بھی صلاحیت تھی اور جن کی نظر میں دنیا اور اسکی مرغوبات کیلئے کوئی کشش نہ تھی وہ بلا تامل اسلام قبول کر لیتے تھے، تجارت کے مشاغل اور دنیا کے دوسرے امور انہیں قبول حق اور اختیار اسلام سے نہیں روکتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ دولت سے کوئی رغبت نہیں رکھتے، ان کا پیغام تو پیغام محبت و مساوات ہے، مزید برآں انہیں وحی الٰہی کے ذریعے تعلیم دی گئی ہے کہ دولت کی کثرت روح کیلئے ایک قسم کی لعنت ہے، ارشاد خداوندی ہے:

⊙......الھٰکم التکاثر.................عن النعیم ○ مال ومتاع کی کثرت نے تمہیں غافل کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبروں کو دیکھ لیا، تمہیں عنقریب معلوم ہوگا، تم بہت جلد جان جاؤ گے، کاش تم پہلے ہی یقین کر لیتے کہ تمہیں دوزخ دیکھنی پڑے گی، پھر تم ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے، پھر تم سے اس دن ضرور نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ ﴿سورۃ التکاثر﴾

جن لوگوں کا اسلام کی جانب میلان ہوتا تھا، وہ یہ بھی کہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ حریت کی دعوت دیتے ہیں، جس کی حدود متعین نہیں، ایسی حریت کی دعوت جسے عرب اپنی عزت نفس کا سہارا اور زندگی کا آسرا سمجھتے رہے، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بنی نوع انسان کو ان حدود و قیود سے آزاد کر دینا چاہتے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت نے ان پر عائد کر دی تھیں، اس کے نزدیک رنگ و نسل، حسب و نسب، ذات پات، چھوت چھات، اسود و احمر اور عرب و عجم کا کوئی تصور نہیں، سب انسان یکساں عزت و حرمت کے مالک ہیں، ہاں افضل وہی ہے جس کے پاس علم، عمل اور تقویٰ کی دولت زیادہ ہے۔

امیہ بن ابی الصلت کا ذکر:

مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت ثقفی زمانہ فترت میں گزرا ہے، یہ بڑا زیرک اور دانا آدمی تھا، تجارت کیلئے ملک شام جایا کرتا تھا، اہل کتاب میں سے علمائے یہود سے ملتا اور مذہبی کتابیں پڑھا کرتا تھا، اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ مستقبل قریب میں عرب میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے، اس کا خیال تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں گا لیکن جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور وہ شرف نبوت سے محروم رہا تو حسد کی وجہ سے کفر کی راہ اختیار کی اور کسی دوسرے

نبی پر ایمان لانا اپنی شان کے خلاف سمجھا، تاہم اس کے اشعار میں مذہب کا رنگ نمایاں تھا، یہ ان اشعار میں ایک مومن کی طرح زمین و آسمان، شمس و قمر، ملائکہ، انبیا، حشر و نشر اور دوزخ و جنت کا ذکر کرتا، اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی تعظیم و تکریم بجالاتا تھا، چنانچہ کہتا ہے، حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، جس کا عقیدہ یہ نہیں وہ ظالم ہے، جنت میں کوئی بیہودہ اور گندی بات نہیں ہوگی اور جو اس قسم کی باتیں نہ کریں ان کیلئے ہمیشہ کی نعمت ہے، جب اسے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا پتہ چلا تو اس کو غصہ آیا لیکن حسد نے اس کو اس سعادت سے محروم رکھا اور جیسا گیا تھا ویسا طائف واپس آ گیا، ایک دفعہ نوجوانوں کے ساتھ مل کر شراب پی رہا تھا کہ اس کے سر پر ایک کوا آ کر بیٹھ گیا، تین دفعہ آواز نکالی اور اڑ گیا، امیہ نے اپنے شرابی دوستوں سے پوچھا، جانتے ہو، اس نے کیا کہا ہے، وہ بولے نہیں، کہنے لگا، اس نے کہا ہے، امیہ شراب کا تیسرا پیالہ پینے سے پہلے مر جائے گا۔ سب کہنے لگے ہم اس کی بات کو ابھی جھوٹا ثابت کر دیتے ہیں، اس نے کہا اچھا شراب کے جام بھرو اور پیو، چنانچہ شراب کا دور چلنے لگا، جب امیہ کی تیسرا پیالہ پینے کی باری آئی تو اس پر غشی طاری ہوگئی، دیر تک خاموش رہنے کے بعد ذرا ہوش میں آیا تو کہنے لگا:

میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، اور تم دونوں کے پاس موجود ہوں، اے اللہ! اگر معاف کرنا ہے تو سب گناہ معاف کر دے اور تیرا کونسا بندہ ہے جس نے گناہ نہیں کیا، پھر یہ اشعار پڑھے ؎

ان یوم الحساب یوم عظیم　　شاب منه الصغیر شیبا طویلا
لیتنی کنت قبل ما قدبدالی　　فی روس الجبال ارعی الوعولا
کل عیش ان تطاول دھرا　　صائر مرة الی ان یزولا

یقیناً حساب کا دن بڑا خوفناک دن ہے، اسکی دہشت سے بچے بوڑھے ہو گئے، کاش جس کا مجھے اب پتہ چلا ہے اس سے پہلے میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکریاں چرایا کرتا تھا، زندگی خواہ کتنی ہی لمبی ہو، ایک دن اس نے زائل ہو ہی جانا ہے۔

اس کے بعد اس نے لمبی سانس لی اور اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی، اللہ تعالیٰ

کے فرمان، واتل علیھم نبا الذی اتینه ایتنا فانسلخ منھا، یعنی اے نبی آپ ان کو اس آدمی کی خبر پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں اور اس نے ان کو چھوڑ دیا، ﴿سورۃ الاعراف آیت ۱۷۵﴾ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اس آدمی'' سے مراد امیہ بن ابی الصلت ہے، جب جنگ بدر میں قریش کے سردار قتل ہوئے تو اس نے ان پر آنسو بہائے، ان کے مرثیے لکھے اور اسلام کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کیا اور یوں توفیق الٰہی سے محروم رہا، بخاری شریف میں ہے، حضرت عمرو بن رشید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ نے مجھے امیہ بن ابی الصلت کے شعر سنانے کیلئے کہا، میں اس کے اشعار سناتا رہا حتی کہ میں نے آپ ﷺ کو پورے سو شعر سنائے'' اس کی وجہ یہ تھی کہ اسکے اشعار میں توحید اور اس کے متعلقات کا ذکر ہوتا تھا، آخرت کے عذاب اور ثواب کی داستان ہوتی تھی، اتنا باخبر آدمی بھی اپنے روایتی حسد اور عناد کی وجہ سے حضور پیغمبر نور ﷺ کے دامن کرم سے وابستہ نہ ہو سکا، اس طرح اور بھی بہت سے افراد ایسے تھے جن کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت کا یقین تھا لیکن اپنے حسد وبغض کی وجہ سے دشمنی پر اتر آئے۔

ابوسفیان کا حیرت انگیز واقعہ:

حضرت امام ابونعیم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ بغرض تجارت یمن گیا، اس قافلے میں ابوسفیان بن حرب بھی موجود تھے، پھر حنظلہ بن ابوسفیان کا ایک خط پہنچا جس میں لکھا تھا کہ محمد مصطفٰے ﷺ ابطح میں کھڑے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم سب کو اللہ کی توحید کی طرف بلاتا ہوں، یہ اطلاع پورے یمن میں پھیل گئی، ایک یہودی عالم نے کہا میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے بھتیجے میں جوانی کی خودسری یا عقل ودانش کی کمی ہے، میں نے کہا، واللہ! ہرگز نہیں، وہ نہ جھوٹے ہیں اور نہ خائن ہیں، تمام قریش ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ''الامین'' کے نام سے پکارتے ہیں، پھر یہودی عالم نے کہا، کیا وہ لکھنا جانتے ہیں، میرے دل میں آیا کہ کہوں، وہ لکھنا جانتے ہیں مگر پھر خیال آیا کہ ابوسفیان کہیں مجھے جھٹلا نہ دے، اس لئے میں نے کہا، نہیں وہ لکھنا نہیں جانتے۔ میرا جواب سن کر وہ یہودی عالم اچھل پڑا اور اپنی ردا

چھوڑ کر تیزی سے روانہ ہو گیا، وہ کہتا جا رہا تھا کہ اب یہودی قتل کر دیئے جائیں گے، ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے، ابوسفیان نے کہا، اے ابوالفضل! یہودی تو تمہارے بھتیجے سے بہت مرعوب ہیں، میں نے کہا، تم نے دیکھ ہی لیا کیا بہتر نہ ہوگا کہ تم بھی ان پر ایمان لے آؤ، اگر وہ حق پر ہیں تو تم قبول حق میں سبقت لے جاؤ گے اور اگر وہ باطل پر ہیں تو تمہارے ساتھ اور بھی لوگ ہوں گے، جو ان کا انجام ہوگا وہی تمہارا ہوگا، ابوسفیان نے کہا، میں تو محمد مصطفےٰ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا، جب تک میں ''مقام کدا'' پر گھوڑے نمودار ہوتے نہ دیکھ لوں گا، میں نے کہا، تم کیا کہہ رہے ہو، ابوسفیان نے جواب دیا، کچھ نہیں، یہ کلمہ تو میری زبان پر یونہی آ گیا ہے، ورنہ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ ہرگز ''مقام کدا'' پر گھوڑے نمودار نہیں ہونے دے گا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، فتح مکہ کے روز ہم نے دیکھا کہ گھوڑے ''مقام کدا'' پر نمودار ہو رہے تھے، چنانچہ میں نے ابوسفیان سے کہا تمہیں اپنی وہ بات یاد ہے، ابوسفیان نے جواب دیا، ہاں اسی بات کو یاد کر رہا ہوں'

﴿خصائص کبریٰ ۱: ۲۵۸﴾

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ قریش کے سرداروں پر حضور تاجدار ختم نبوت ﷺ کی حجت تمام ہو چکی تھی، لیکن ان کے روحانی امراض کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، کسی کو اپنے نام و نمود کا خطرہ تھا، کسی کو قلبی بغض و عناد کا سامنا تھا، کسی کو قبائلی عصبیت تباہ کر رہی تھی، کسی کو اپنے علم و دانش پر غرور تھا، کسی کو اپنی سرداری اور جکلا ہی کا رونا تھا، جن لوگوں نے اپنے ان نفسی خداؤں کو پاش پاش کر دیا، انہیں ابدی نجات کی شاہراہ نصیب ہوگئی اور تاریخ عالم نے دیکھا کہ انہیں امامت و خلافت کے اعلیٰ منصب بھی حاصل ہو گئے ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

روح فرسا ابتلاؤں کا آغاز:

بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چوتھا سال شروع ہو چکا تھا، حضور پیغمبر نور، شافع یوم نشور، محبوب رب شکور ﷺ اور آپ کے جانسپار ساتھیوں نے دعوت اسلام کا سلسلہ اپنے رشتہ داروں سے بڑھا کر عام انسانوں تک کر دیا تھا، قبائل عرب کی اعلیٰ شخصیات آپ کے اعلیٰ

اخلاق اور نا قابل تردید معجزات سے متاثر ہو کر داخل ایمان ہو رہی تھیں، ایک معاشرتی، سماجی اور مذہبی انقلاب قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا، سرداران قریش نے بری طرح محسوس کیا کہ اگر ہم نے اس انقلاب کا راستہ نہ روکا تو ہماری ساکھ تباہ ہو جائے گی، ہمارے معبودوں کے آستانے اجڑ جائیں گے، نہ پجاریوں کے ریلے آئیں گے اور نہ آمدن کے انبار دکھائی دیں گے، ہمارا معاشی عروج بالآخر بربادیوں کی نذر ہو جائے گا، قبائل عرب میں ہمارے نسلی امتیاز اور سیاسی رعب و داب کی قلعی بھی کھل جائے گی، لہذا یکجا ہو کر کچھ کیا جائے، انہوں نے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب بن امیہ، ابوالبختری، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، اسود بن مطلب، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور عاص بن وائل جیسے سرکردہ افراد پر مشتمل ایک وفد تیار کیا تا کہ کوئی براہ راست قدم اٹھانے سے پہلے حضرت ابوطالب سے بات کر لی جائے: وہ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں گے تو شاید اسطرح وادی ام القریٰ کا ماحول پر امن رہیگا، ان سرداران قریش نے حضرت ابوطالب سے ملاقات کی اور بڑی احتیاط سے گفتگو کا آغاز کیا، اے ابوطالب! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا بھتیجا محمد بن عبداللہ ﷺ ہمارے خداؤں کو غلط کہتا ہے، ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ سمجھتا ہے، آپ اسے منع کریں یا پیچھے ہٹ جائیں، ہم خود ہی اس کو دیکھ لیں گے، حضرت ابوطالب نے ان کو ٹال دیا لیکن کچھ عرصے کے بعد پھر آئے اور قدرے سخت لہجے میں بات کی، اے ابوطالب! ہم پہلے بھی آپ کے پاس آئے تھے لیکن آپ نے کوئی پرواہ نہیں کی، اب ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے، آپ اپنے بھتیجے کو روکیں ورنہ ہم آپ دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے جس کا نتیجہ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کا خاتمہ ہوگا، حضرت ابوطالب کو سرداران قریش کے اس سفاک رویے پر بہت افسوس ہوا، وہ اپنے عزیز از جان بھتیجے کو ان جفا کیشوں کے رحم و کرم پر بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے اور اپنی پوری قوم کے ساتھ ٹکر لینے کی حالت میں بھی نہیں تھے، انہوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ کے ساتھ دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا، ایک دن حضور اقدس ﷺ کو بلایا اور سرداران قریش کی گفتگو سے آگاہ کیا نیز کہا، میرے فرزند دلبند! میری اور اپنی حالت پر رحم کھاؤ، **ولا تحملنی من الامر مالا اطیق**، اور مجھ پر ایسا وزن نہ ڈالو جس کو میں برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا،

﴿سیرت ابن ہشام ۱: ۲۷۸﴾ اپنے عم بزرگوار کی بات سن کر حضور پیغمبر نور ﷺ کے قدم عزیمت میں کوئی لغزش واقع نہ ہوئی، آپ کے زبان حق ترجمان سے یہ تاریخی جملے ظاہر ہوئے:

یا عم او الله لو وضعوا الشمس فی یمینی و القمر فی یساری علیٰ ان اترک هذا الامر حتیٰ یظهره الله او اهلک فیه ما ترکته، اے چچا جان! اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں کہ میں دعوت حق کے فریضے سے سبکدوش ہو جاؤں تو یہ ناممکن ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کردے یا میں اس غلبے کیلئے جان قربان کردوں، جب تک میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا، ﴿سیرت ابن کثیر ۱: ۴۷۴﴾

پھر حضور پرنور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہاں سے اٹھ کر چل دیئے، مہربان چچا نے بلایا اور کہا، میرے نور نظر! جو کچھ آپ کے دل میں آتا ہے، لوگوں کو پہنچا دیجئے، میں آپ کو کفار مکہ کے سپرد نہیں کروں گا، ایک روایت ہے کہ سرداران قریش کے سامنے حضور اکرم ﷺ کو بلایا گیا، آپ نے فرمایا، چچا جان! آپ ان کے سامنے وہ تجویز کیوں نہیں رکھتے جو ان کیلئے خیر و برکت کا باعث ہو، حضرت ابو طالب بولے، وہ کیا ہے، آپ نے فرمایا، وہ یہ ہے کہ یہ ایک بات تسلیم کرلیں، عرب و عجم کے مالک بن جائیں گے، ابو جہل نے کہا' وہ کیا ہے،، ہم ایک نہیں اس کے لئے تو دس باتیں ماننے کیلئے تیار ہیں، آپ نے فرمایا، وہ ایک بات یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کہو، اس پر انہوں نے نفرت کا اظہار کیا اور کہا، اس کے سوا کوئی اور بات کہو، آپ نے جواب دیا، بخدا اگر تم میرے ہاتھ پر سورج بھی رکھ دو تو اس کے علاوہ کوئی بات نہیں کہوں گا، یہ سنتے ہی وہ ناراض ہو کر چلے گئے اور کہنے لگے ہم تمہیں اور تمہارے اس خدا کو بھی گالیاں دیں گے جس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

⊙ ......**وانطلق الملامنهم ان امشوا واصبروا علیٰ الهتکم ان هذا لشیء یراد،** وہ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے، ﴿سورۃ ص آیت: ۶﴾

اس روایت کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بیان کیا ہے اور ابن جریر نے یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ ان کے چلے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا کو لا الہ الا

اللہ کہنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے میں تو اپنے بزرگوں کے دین پر ہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، انک لا تھدی من احببت، ﴿سورالقصص آیت ۵۶﴾

مقاتل کہتے ہیں' ایک دفعہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو طالب کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتنے میں قریش کے کچھ لوگ آ گئے، وہ آپ سے بدسلوکی کرنا چاہتے تھے تو حضرت ابو طالب نے اونٹوں کو دیکھتے ہوئے کہا، اگر کوئی اونٹنی اپنے بچے کے علاوہ کسی اور بچے پر مائل ہو گی تو میں اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا، پھر یہ اشعار کہے:

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم	حتیٰ اوسد فی التراب دفینا
فاصدع بامرک ماعلیک غضاضۃ	والبشرو قر بذالک منک عیونا
ودعوتنی و زعمت انک ناصحی	ولقد صدقت و کنت ثم امینا
و عرضت دینا لامحالۃ انہ	من خیر ادیان البریۃ دینا
لو لا الملامۃ اوحذار مسبہ	لوجدتنی سمحابذالک مبینا

ترجمہ: بخدا! جب تک میں زمین میں دفن نہیں ہوتا، یہ سب مل کر بھی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، اپنے دین کی علی الاعلان تبلیغ کریں، اس میں آپ پر کوئی ذلت نہیں، اس کی کامیابی پر خوش ہو کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، آپ نے مجھے دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں، یہ آپ نے بالکل سچ کہا ہے اور آپ میرے نزدیک امین ہیں، آپ نے ایسا دین پیش کیا ہے جو سب دینوں سے بہتر ہے، اگر ملامت کا ڈر یا گالی گلوچ سے بچنے کی وجہ نہ ہوتی تو آپ دیکھتے کہ بڑی آسانی کے ساتھ میں اسکی قبولیت کا اعلان کر دیتا،

﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۶۲﴾

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ ان کی تمام تجویزیں خاک میں مل گئی ہیں تو انہوں نے اہل اسلام پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے، صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ جس کو اپنے قبیلے کی حمایت حاصل تھی وہ تو دشمنوں کے جور وستم سے قدرے محفوظ رہا اور جس کو حمایت میسر نہیں آئی اس کو انتہائی گھناؤنے عذاب میں مبتلا کیا گیا، ان میں حضرت عمار بن یاسر، ان کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ اور سارے خاندان کے افراد سرفہرست ہیں، ان لوگوں

کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے بارے میں سخت سزاؤں سے دوچار کیا گیا، حضور پیغمبر نور ﷺ ان کی سزاؤں کو دیکھتے تو فرماتے، اے آل یاسر صبر سے کام لو، جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو آگ سے عذاب دیا جاتا تھا، حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ دیکھا تو فرمایا: اے آگ تو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی تھی اسطرح عمار کیلئے بھی ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا، ایک مرتبہ آپ نے یہ دعا فرمائی، اے اللہ آل عمار کو بھی آگ سے محفوظ رکھنا، ﴿سیرت حلبیہ ۱:۲۸۶﴾ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوجہل نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا، یہ اسلام کی پہلی شہید ہیں، کفار مکہ ان مسلمانوں کو گرم ریت پر لٹا کر اذیتوں میں ڈالا کرتے تھے، عاشق رسول حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی باندھ کر بچوں کے حوالے کر دیتے اور بچے انہیں مکہ کی گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے، اس رسی سے ان کی گردن زخمی ہو جاتی، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا سنگدل مالک امیہ بن خلف مکہ کے ریگزاروں میں لے جاتا اور انہیں گرم ریت پر لٹا کر تپتا ہوا ایک بڑا پتھر ان کے سینے پر رکھتا اور ان کا بدن داغ دیتا اور کبھی دھوپ میں لٹا کر لاٹھیوں سے پیٹا کرتا لیکن ان کی زبان پر احد احد کا نعرہ جاری رہتا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں قبول اسلام سے پہلے حج کرنے آیا، میں نے بلال کو دیکھا کہ مکہ کے بچے رسی باندھ کر کھینچ رہے تھے اور وہ پکار رہے تھے، اللہ ایک ہے، میں لات، عزیٰ، ہبل اور نائلہ کا انکار کرتا ہوں، ﴿سبل الہدیٰ ۲:۴۷۷﴾ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سانس لینا دشوار ہو جاتا، مگر عذاب کی یہ تلخی ایمان کی چاشنی میں بدلتی رہتی، آپ نیم بیہوشی کے عالم میں بھی پکارتے، اللہ ایک ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا، میں لات اور عزیٰ کو تسلیم نہیں کرتا، ایک دن حضور سرکار انبیاء ﷺ نے انہیں احد احد کے نعرے لگاتے اور شدید عذاب سے دوچار ہوتے دیکھ لیا تو فرمایا، اے بلال! تمہیں وہی اللہ وحدہ اس عذاب سے نجات عطا کرے گا، حضرت عمرو بن العاص راوی ہیں کہ ایک روز میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، انہیں گرم کنکروں پر لٹا کر عذاب دیا جا رہا تھا، وہ کنکریاں اتنی گرم تھیں کہ گوشت کا ٹکڑا بھی ان پر رکھا جاتا تو ضرور پک جاتا، وہ اس اذیت کے باوجود نعرہ زن تھے، میں لات اور عزیٰ کا منکر ہوں، یہ نعرہ سن کر امیہ بن خلف پاگل ہو

جا تا اور آپ کا گلہ اس زور سے دبا تا کہ آپ بیہوش ہو جاتے، ﴿سبل الہدیٰ ۲:۴۷۷﴾ کفار مکہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے کہ آپ اس وحشت ناک سزاؤں سے بچنے کیلئے خدا تعالیٰ کا نام لینا چھوڑ دیں تو آپ فرماتے، میری زبان سے یہ کام نہیں ہو سکتا، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سراپا غیرت توحید اور سراسر حمیت رسول تھے، ایک مرتبہ کعبہ مشرفہ کا طواف کر رہے تھے کہ قطار در قطار بتان کفر کو دیکھ کران پر تھوک دیا اور کہا، جو تمہاری عبادت کرتا ہے وہ ضرور نقصان میں ہے۔ایک دن وہ اسی عذاب میں مبتلا تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے اور انہیں امیہ بن خلف سے خرید کر اس کے بدلے میں اپنا جوان اور خوبصورت غلام اس کو دے دیا، حضرت سعید ابن میسب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام قسطاس بہت قیمتی تھا، وہ آپ کے کاروبار کی بھی دیکھ بھال کرتا تھا، جب مشرکین مکہ کو علم ہوا تو وہ بہت حیران ہوئے، ایک شخص نے کہا، اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، بلال نے کبھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر احسان کیا ہوگا، یہ انہوں نے اس احسان کا بدلہ چکایا ہے، اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

⊙......**ومالاحد عنده من نعمة تجزىٰ الاابتغاء وجه ربه الا علىٰ**، اور اس ﴿ابو بکر﴾ پر کسی کا احسان نہیں جس کا اس نے بدلہ چکانا ہو، وہ تو صرف اپنے رب بزرگ و برتر کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے، ﴿سورۃ اللیل: آیت ۱۹-۲۰﴾

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پروانہ شمع رسالت کو خرید کر حضور تاجدار رسالت ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر دیا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں جنھوں نے ہمارے سردار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا تھا، ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ ؎

سید کونین و سلطان جہاں — در عتاب آمد زمانے بعد ازاں
گفت اے صدیق آخر گفتمت — کہ مرا انبار کن در مکرمت
تو چرا تنہا خریدی بہر خویش — باز گو احوال اے پاکیزہ کیش
گفت مادو بندگان کوئے تو — کردمش آزاد من برروئے تو

ترجمہ: حضور سرور دو عالم ﷺ نے عتاب فرماتے ہوئے کہا، اے صدیق کیا میں

نے نہیں کہا تھا کہ بلال کو خریدتے وقت مجھے بھی شامل کر لینا، تو نے اسے اپنے
لئے تنہا کیوں خریدا ہے، اے پاک فطرت آدمی مجھے پوری بات سے آگاہ کر،
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی، ہم دونوں آپ کے کوچہ جانفزا کے غلام
ہیں، میں نے اس کو آپ کے چہرہ نور کے طفیل آزاد کر دیا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ حمامہ رضی اللہ عنہا کا مالک بھی بہت سنگدل تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی خرید کر آزاد کر دیا، عامر بن فہیرہ قبیلہ بنو تیم کے ایک آدمی کے غلام تھے، وہ ان کو مار مار کر بیہوش کر دیتا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی تحویل میں لے لیا، ہجرت کی رات حضرت عامر حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دودھ پہنچاتے رہے، حضرت ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے، امیہ ان کو گرم ریت پر لٹا کر اوپر وزنی پتھر رکھ دیتا جس سے ان کی زبان منہ سے باہر نکل آتی، امیہ کا بھائی کہتا، اسے اور عذاب میں مبتلا کرو، جہاں تک کہ اس کی آہ وفریاد کو سن کر محمد ﷺ آجائیں اور اپنے جادو کے زور سے چھڑا لیں، ایک دفعہ آپ کو گرم کنکروں پر لٹایا ہوا تھا، قریب سے ایک گوبر کا کیڑا گزرا تو امیہ نے کہا، کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے، آپ نے فرمایا، میرا رب تو اللہ ہے جس نے مجھے اور اس گوبر کے کیڑے کو بھی پیدا کیا ہے، یہ جواب سن کر امیہ غصے سے پاگل ہو گیا اور گلہ دبانے لگا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سراپا عشق رسول کو بھی خرید کر آزاد کر دیا، حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا ایک مشرک کی کنیز تھیں، اس ظالم نے ان پر اتنا ظلم کیا کہ آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی، ایک دن ابو جہل نے کہا، دیکھا! لات وعزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا ہے، انہوں نے جواب دیا، یہ لات وعزیٰ کسی قسم کے نفع ونقصان پر قادر نہیں، یہ آسمانی امر ہے، میرا پروردگار اس بات پر قادر ہے کہ مجھے دوبارہ بینائی عطا کر دے، صبح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی جسے دیکھ کر کفار مکہ کہنے لگے، لو یہ بھی محمد مصطفےٰ ﷺ کا جادو ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اور ان کی ایک بیٹی کو خرید کر آزاد کر دیا، حضرت ام عنیس رضی اللہ عنہا بنو زہرہ کے ایک فرد اسود بن عبد یغوث کی کنیز تھیں، ان کو اپنے آقا کی طرف سے بڑی ابتلا کا سامنا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی خرید کر آزاد کر دیا، اسی طرح حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی رضی اللہ عنہا بھی اپنی بے رحم مالکہ کے جور واستبداد سے تنگ تھیں

،انھیں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کرا دیا، حضرت لطیفہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن خطاب کی لونڈی تھیں جب وہ حالت کفر میں تھے تو ان کو ظلم وتشدد کا نشانہ بناتے تھے، ایک دن انہوں نے کہا، اے عمر! اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو میرا پروردگار تمہیں بھی ایسے ہی عذاب سے دوچار کرے گا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی آزاد کرا دیا، آپ کے والد ابوقحافہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے کہا، اے ابوبکر! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کمزور غلاموں کو آزاد کروا رہے ہو، اگر تم طاقتور غلاموں کو آزاد کراؤ تو وہ تمہارا سہارا بنیں گے، آپ نے فرمایا، اے والد بزرگوار! میں تو صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہوں، اس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی:

⊙......فاما من اعطیٰ و اتقی و صدق بالحسنی فسنیسرہ للیسریٰ،

جس نے اپنا مال خرچ کیا اور تقوی اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم اس کیلئے آسان راستہ پیدا کر دیں گے، ﴿سورۃ الیل:۵۔۷﴾

جان نثاران مصطفیٰ میں حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا نام گرامی بھی بہت مشہور ہے، آپ ام انمار کے غلام تھے اور آہن گری کا کام کرتے تھے، آپ کی مالکہ بہت تشدد پسند تھی، وہ لوہے کا ایک ٹکڑا گرم کر کے سر پر رکھ دیتی جس سے آپ خوفناک اذیت میں مبتلا ہو جاتے، آپ کو گرم سنگریزوں پر بھی لٹایا جاتا تھا جس کی وجہ سے آپ کی کمر کا پانی خشک ہو گیا تھا، ﴿انساب الاشراف، ۱:۱۷۶﴾ ایک دن آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے دعا فرمائی، اے اللہ! خباب کی امداد فرما، اس دعا سے اس ظالم عورت کے سر میں شدید درد ہونے لگا، اس کا علاج یہ تھا کہ حضرت خباب لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے اس کے سر پر رکھتے تو اسے کچھ افاقہ ہو جاتا، صحیح بخاری شریف میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ خانہ کعبہ کے سائے میں چادر کی ٹیک لگائے بیٹھے تھے، ان دنوں مشرکین مکہ کی طرف سے ہم پر ظلم وستم ڈھائے جا رہے تھے، میں عرض گزار ہوا کہ آپ دعا کیوں نہیں کرتے، اس پر آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ کا مبارک چہرہ سرخ ہو گیا، فرمایا تم سے پہلے لوگوں کے گوشت اور پٹھوں سے پار ہڈیوں تک لوہے کی کنگھیاں پیوست کر دی جاتی تھیں لیکن یہ چیز بھی انہیں دین سے نہیں

ہٹاتی تھی اور آرا اُن کے سر کے درمیان رکھ کر چلایا جاتا اور دو ٹکڑے کر دیئے جاتے لیکن ان کے دین سے یہ چیز بھی انہیں نہ ہٹا سکتی، اس دین کو اللہ تعالیٰ ضرور مکمل فرمائے گا یہاں تک کہ سوار صنعا سے حضر موت تک جائے گا اور خدا کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا، بیان کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ بھیڑیئے کا بکریوں کے متعلق خوف نہ ہوگا۔ ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ صحیح مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ آہن گری کا کام کیا کرتے تھے، ایک دفعہ عاص بن وائل نے آپ سے تلواریں خریدیں تو قیمت ادا نہ کی، آپ یہ قیمت لینے کیلئے گئے تو کہنے لگا، میں اس وقت تک قیمت نہ دوں گا جب تک تو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا انکار نہ کرے گا، آپ نے انتہائی عزم کے ساتھ جواب دیا، اللہ کی قسم! میں حضور نبی کریم ﷺ کا ہرگز انکار نہیں کروں گا حتیٰ کہ تو مر جائے اور پھر قبر سے اٹھایا جائے۔ ﴿سیرت ابن کثیر ۱: ۴۹۶﴾ آپ پر طرح طرح کی سزاؤں کو آزمایا جاتا تھا، ایک دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے، مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کافروں نے میرے لئے آگ جلائی اور مجھے گھسیٹ کر اوپر لٹکا دیا، پھر ایک کافر نے میرے سینے پر پاؤں رکھ دیا، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی پشت مبارک سے قمیض اٹھا کر دکھایا تو سب نے دیکھا کہ آپ کی پشت مبارک پر برص کی مانند داغ ہی داغ تھے۔ ﴿سبل الہدیٰ ۲: ۴۷۹﴾ اور تو اور حضرت عثمان غنی، حضرت سعید بن زید، حضرت مصعب، حضرت سعد بن ابی وقاص حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم جیسے لوگ بھی مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں تھے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کاش تم دیکھتے کہ اسلام قبول کرنے پر حضرت عمر نے مجھے اور اپنی ہمشیرہ کو باندھ دیا تھا جبکہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور جو کچھ تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا، ان کی جگہ اگر کوہ احد بھی ہوتا تو ممکن ہے وہ بھی پھٹ جاتا۔ ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ ایک عیسائی مورخ گاڈفری ہیگنز نے ان جان نثارانِ رسول کو کیا خوبصورت انداز سے خراج تحسین پیش کیا ہے:

> ''عیسائی اس بات کو یاد رکھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے پیروکاروں میں اس درجہ دین حق کا نشہ پیدا کر دیا تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروکاروں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو ان

کے پیروکار بھاگ گئے تھے، ان کا دینی نشہ ہوا ہو گیا تھا، وہ اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں چھوڑ کر چل دیئے تھے، اس کے برعکس حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے پیروکار اپنے مظلوم پیغمبر کے اردگرد اکٹھے ہوئے اور آپ کے بچاؤ کیلئے اپنی جانیں خطرے میں ڈال دیں اور آپ کو تمام دشمنوں پر غالب کر دیا“ ﴿اپالوجی:۲۶﴾

تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی خاطر جن مصائب و مہالک کا سامنا کیا ان کی مثال پوری تاریخ عالم میں نہیں ملتی، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گائے اور اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے اور بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے جلتے پتھروں پر گرادیا کرتے تھے، غرض ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ صرف اسلام کی صداقت ہی ان کا مقابلہ کر سکتی تھی، پہلی امتوں نے کھوٹے روپے لے کر انبیا کرام کو گرفتار اور قتل تک کرا دیا تھا، ﴿زاد المعاد ا:۲۹۷، رحمۃ للعالمین:۱۵۱﴾ حضور اقدس ﷺ نے بھی اپنے غلامانِ باوفا کی شان و عظمت کو بیان کرتے وقت کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ان کی قدر و منزلت کا ذکر کیا ہے۔

پیغمبرِ نور پر ظلم و ستم:

حضور پیغمبر نور ﷺ مکہ مکرمہ کی گلیوں، بازاروں اور عکاظ کی منڈیوں اور میلوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی نبوت کی تبلیغ فرمانے لگے، ساتھ ساتھ اصنامِ عرب کی مذمت کرنے لگے تو اس سے قریش مکہ آگ بگولہ ہو گئے، انہوں نے آپ کو ہدفِ تضحیک بنانا شروع کر دیا، کبھی دارالندوہ میں اور کبھی اطرافِ کعبہ میں بیٹھ کر آپ پر آوازے کستے اور قہقہے لگاتے تھے، انہوں نے آپ کو جسمانی اور روحانی طور پر اذیت پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، ایک دفعہ وہ مل جل کر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ ولید بن مغیرہ کا جوان سال بیٹا عمارہ بن ولید حاصل کر لیں، وہ آپ کی ہر طرح سے امداد کرے گا، لیکن اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں، حضرت ابوطالب نے جواب دیا، کتنی حیرت کی بات ہے کہ میں تمہارا بیٹا لے کر پروان چڑھاؤں اور تمہیں اپنا فرزند گرامی قتل ہونے کیلئے دے دوں، کچھ تو انصاف کی بات کیا کرو، حالات بگڑتے جا رہے تھے، حضور اقدس ﷺ کے کچھ

قریبی رشتہ دار بھی شدید مخالفت اور مخاصمت پر اترے ہوئے تھے، حضرت ابو طالب نے ان کی خاندانی غیرت کو جگانے کیلئے ایک قصیدہ پڑھا:

ترجمہ: میں اپنے دو بھائیوں کو دیکھتا ہوں، جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہماری طاقت میں کچھ نہیں، سب کچھ دوسروں کے پاس ہے، ان کی طاقت میں سب کچھ ہے مگر وہ اپنے مقام سے ایسے گر پڑے ہیں جیسے کوہ ذی علق سے پتھر گر جاتا ہے، خاص کر عبدشمس اور نوفل کو دیکھو انہوں نے ہمیں ایسے دور کر دیا ہے جیسے دھکتے ہوئے شرارے کو دور کر دیا جاتا ہے۔ ﴿سیرت ابن ہشام ا:۲۸۷﴾

حضرت ابو طالب نے اپنے پر اثر اور زوردار کلام کے ذریعے بنو ہاشم کی غیرت کو آواز دی کہ جس طرح حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کے مقابلے میں تمام قبائل یکجان ہو چکے ہیں، تم ان کے دفاع کیلئے یکجان ہو جاؤ، اس مقصد کیلئے انہوں نے ایک اور قصیدہ بیان کیا۔

ولما رایت القوم لا ودفیهم   وقد قطعوا کل العریٰ والوسائل

وقد صار حونا بالعداوۃ والاذیٰ   وقد طاوعوا امرا العدو المزایل

وقد حالفوا قوماً علینا اظنة   یعضون غیظاً خلفنا با الانامل

صبرت لهم نفسی بسمراء سمحة   وابیض عضب من تراث المقلول

واحضرت عند لیت رهطی واخوتی   وامسکت من اثوابه با لوصائل

کزبتم و بیت الله نترک مکة   و نظعن الا امر کم فی بلابل

کذبتم و بیت الله بنزی محمداً   ولما نطا عن دونهٗ ونناضل

ونسلمه حتیٰ نصرع حوله   ونذهل عن ابناء ناو الحلائل

وابیض یستسقیٰ الغمام وجهه   ثمال الیتامی وعصمة للارامل

یلوذبه الهلا ک من الِ هاشم   فهم عنده فی رحمة و فواضل

ترجمہ: میں نے قوم کو دیکھا کہ اس میں محبت کا کوئی اثر نہیں، اس نے قرابت کے سب رشتے توڑ دیئے ہیں، لوگوں نے علانیہ دشمنی شروع کر دی ہے، انہوں نے ہمارے دشمن کی بات ماننا شروع کر دی ہے، انہوں نے ہمارے دشمن کے ساتھ

دوستی کرلی ہے، میں نے خود کو صبر کی تلقین کرلی، میرے ہاتھ میں گندمی رنگ کا نیزہ ہے اور سفید رنگ کی تلوار ہے جو مجھے وراثت میں ملی ہے، میں نے بیت اللہ کے قریب اپنے بھائیوں کو اکٹھا کر کے اس کے غلاف کو پکڑ لیا اور کہا کہ بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ کو چھوڑ جائیں گے یہاں تک کہ تمہاری حالت پریشان ہو جائے، بیت اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو چھوڑ جائیں گے جب تک ہم ان کا دفاع کرتے ہوئے تیروں اور نیزوں سے تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے، کیا ہم انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے اس سے پہلے ہمارے لاشے ان کے اردگرد بکھرے ہوں گے، ہم ان کی خاطر اپنی بیویوں اور بچوں کو بھول چکے ہیں، وہ گورے رنگ والا محبوب جس کے رخِ اقدس کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے، اسی جوانمرد کی پناہ بنو ہاشم کے غریب انسان حاصل کرتے ہیں، جب وہ اس محبوب یکتا کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو وہ ان بیچارگان ہستی پر اپنے فضل و رحمت کا سایہ دراز کر دیتا ہے۔ ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۲۹۱﴾

اللہ اکبر! یہ قصیدہ کیا ہے، وارفتگی کا ایک جہان ہے .... محبت کے روپہلے جذبوں کا ترجمان ہے .... حضور پیغمبر نور ﷺ کے محاسن کی کہکشان ہے، جہاں عربی ادب و سخن کی داستان ہے .... وہاں عزم مصمم کا پر جوش اعلان ہے، بوڑھے چچا کے اس ولولہ انگیز قصدے نے بنو ہاشم کے کان کھول دیئے، ازلی شقی القلب ابولہب اور اسکی کمینہ فطرت بیوی کے علاوہ تمام بزرگوں اور جوانوں نے وعدہ کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو زندگی کے خارزاروں میں تنہا نہیں چھوڑیں گے، بعض روایات کے مطابق یہ قصیدہ انہوں نے شعبِ ابی طالب کے واقعہ کے دوران لکھا تھا۔

ابوالولید عتبہ کی گفتگو:

ایک دن صحنِ حرم میں تمام سرداران قریش جمع تھے، ایک سرکردہ سردار اور مرد ہوشیار ابوالولید عتبہ بن ربیعہ نے کہا، میں اپنی قوم کی پریشانی اور زبوں حالی کو ختم کرنے کیلئے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے دوٹوک بات کرتا ہوں، سب سرداروں نے تائید کر دی کہ ہمیں

تمہاری عقل و دانش پر مکمل اعتماد ہے، چنانچہ وہ حضور اقدس، رسول انور ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور نہایت سلجھے ہوئے طریقے سے گفتگو کرنے لگا، اے بھتیجے! تو حسب و نسب کے اعتبار سے بلند مقام پر فائز ہے، لیکن تو نے ہمارے خداؤں کو حرف تنقید کا نشانہ بنا کر اور ہمارے آبائی نظریات کو قابل گرفت قرار دے کر ساری قوم کو مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، بہتر یہ ہے کہ میری چند تجاویز پر غور کرے اور جو بھی قابل قبول ہو اسے تسلیم کر لے، آپ نے فرمایا! اے ابوالولید! تم کونسی تجاویز لے کر آئے ہو، اس نے کہا:

⊙...... تیری نبوت کا مقصد اگر دنیوی مال و اسباب کو جمع کرنا ہے تو ہم تیرے سامنے اس کے انبار لگا دیتے ہیں۔

⊙...... اگر تو سرداری حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم تجھے قبائل عرب کا سردار بنا دیتے ہیں۔

⊙...... اگر تیرے وجود پر جنات کا اثر ہے تو ہم تیرا علاج کرانے کیلئے تیار ہیں۔

⊙...... ایک روایت میں ہے کہ اگر تجھے کسی حسین و جمیل عورت سے شادی کی خواہش ہے تو ہم اس کا بندوبست کر دیتے ہیں۔

حضور پیغمبر نور ﷺ نے سردار قریش کی گفتگو انتہائی حوصلے کے ساتھ سماعت فرمائی اور جواب میں قرآنِ کریم کی ان آیات بینات کی تلاوت کی:

⊙...... بسم اللہ الرحمن الرحیم، حٰمٓ ٥ تنزیل من الرحمن الرحیم ٥ کتٰب فصلت اٰیٰته قرآنا عربیا لقوم یعلمون ٥ بشیرا و نذیرا فاعرض اکثرھم فھم لا یسمعون ٥ وقالو قلوبنا فی اکنة مما تدعونا الیه وفی اٰذاننا و قرومن بیننا وبینک حجاب فا عمل اننا عٰملون ٥ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے، حٰمٓ۔ یہ اُتارا ہے بڑے مہربان رحم والے کا، ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل فرمائی گئیں، عربی قرآن عقل والوں کیلئے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا ہوا، تو ان میں اکثر نے منہ پھیرا تو وہ سنتے ہی نہیں، اور بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں، اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں روئی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان روک ﴿پردہ﴾ ہے، تو تم اپنا

کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں، ﴿سورۃ حم السجدۃ:۱۔۵﴾

عتبہ بن ربیعہ نے حضور پیغمبر نور ﷺ کی زبان مبارک سے جب قرآن پاک سنا تو حیرت پاش نگاہوں سے دیکھنے لگا، آپ نے فرمایا، اے ابوالولید! یہ کلام تو سن لیا، اب جو تمہاری مرضی آئے کرو، وہ اٹھ کر چلا گیا لیکن اس کے چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی، لوگوں نے کہا کہ عتبہ بھی بدلا ہوا ہے، اس نے کہا، میں ایک ایسا کلام سن کر آیا ہوں جس کی کوئی مثال نہیں، وہ شعر بھی نہیں، جادو بھی نہیں اور کہانت بھی نہیں، تم لوگ میری بات مان لو، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے کنارہ کش ہو جاؤ، اگر قبائل عرب نے ان کا خاتمہ کر دیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر انہوں نے فتح حاصل کر لی تو دراصل وہ تمہاری حکومت ہوگی، تم بغیر کشت وخون کے سارے عرب کے حکمران بن جاؤ گے، لوگ اس کی گفتگو سن کر پکار اٹھے، عتبہ پر بھی کا جادو چل گیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کئی دن تک اپنے گھر میں بیٹھا رہا، کفار مکہ کہنے لگے کہ عتبہ بھی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا ہے، چنانچہ وہ ابوجہل کی قیادت میں اس کے پاس پہنچے تو ابوجہل نے اس کی جاہلی عصبیت کو آواز دیتے ہوئے کہا، اگر تم بھی غریب ہو گئے تو ہم تمہارے لئے مال واسباب اکٹھا کر دیتے ہیں، عتبہ قریش کا مالدار آدمی تھا، اس نے بھڑک کر کہا، میں اس کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے کوئی گفتگو نہیں کروں گا، تم مجھے کیا سمجھتے ہو، میں غریب ہوں، مجھے تمہاری بھیک کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے علاوہ بھی سردارانِ قریش نے حضور اکرم ﷺ کو راہ راست سے ہٹانے کیلئے طرح طرح کی تجاویز دیں لیکن آپ کے قدم استقامت میں کوئی کپکپاہٹ پیدا نہ ہوئی، آپ مسلسل اللہ تعالیٰ کی توحید اور معبودانِ باطلہ کی تردید میں مصروف رہے، جس کے خاطر خواہ اثرات نے اہلیانِ مکہ اور دیگر باشندگانِ عرب کو لرزہ براندام کر دیا، کفار مکہ نے آپ کو تنگ کرنے کیلئے عجیب وغریب قسم کے مطالبے کرنے شروع کر دیئے، مثلاً:

⦿...... تم ان پہاڑوں کو پیچھے دھکیل کر وادیِ مکہ کو وسیع وعریض کر دو،

⦿...... ملکِ شام اور عراق کی جانب سے کوئی دریا ادھر موجزن کر دو تا کہ پانی کی دیرینہ قلت کا مسئلہ ہمیشہ کیلئے حل ہو جائے۔

⦿...... چند بزرگوں کو زندہ کر دو، وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے، تو ہم بھی مان جائیں گے

کہ تم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہو۔

⊙ ...... اگر ہمارے فائدے کیلئے کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے فائدے کیلئے کچھ کرو، خدا کسی فرشتے کو متعین کر دے جو تمہاری ہر بات کی تصدیق کرے اور تمہیں ہماری ایذا رسانیوں سے بچاتا رہے۔

⊙ ...... اپنے پروردگار سے سوال کرو کہ وہ تمہیں خزانوں اور باغوں اور محلوں کا مالک بنا دے تاکہ تمہاری عسرت اور افلاس کا دور ختم ہو جائے، تم بھی ہماری طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہو، تمہاری معاشی پریشانی دور ہو جائے تو ہم بھی سمجھیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ان کی ہزلیات کو سنا تو فرمایا، تم لوگ نہایت گھٹیا چیزوں کے مطالبے کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے مجھے اعلیٰ اور ارفع مقاصد کیلئے مبعوث فرمایا ہے، میں ساری انسانیت کیلئے بشیر اور نذیر بن کر جلوہ گر ہوا ہوں، یہ جواب سن کر انہوں نے کہا، اچھا اگر کوئی مطالبہ قبول نہیں تو اپنے پروردگار سے کہو کہ ہم پر آسمان کا کوئی حصہ گرا کر تباہ و برباد کر دے، آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر منحصر ہے، ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۳۱۵﴾ پھر کفار نے کہا، کیا اللہ نے تمہیں پہلے نہ بتایا کہ ہم تمہیں بلائیں گے اور ایسے ایسے سوال کریں گے اور ہماری باتوں کا جواب یہ ہے، چونکہ اللہ نے ایسا نہیں کیا اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ صحیح ہے، یمامہ میں ایک شخص رہتا ہے، جس کا نام رحمٰن ہے، وہی تمہیں ایسی باتیں سکھاتا ہے، ہم تو رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے، کسی نے کہا، ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ کی بیٹیاں ہیں، قرآن پاک نے کفار مکہ کے ان مطالبات اور ہزلیات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

⊙ ...... **و قالوا لن نومن لک حتیٰ تفجر لنا من الارض ینبوعا o او تکون لک جنة من نخیل و عنبٍ فتفجر الانٰھر خللھا تفجراً oاو تسقط السماء کما زعمت علینا کسفاً او تاتی باللہ والملائکة قبیلاًoاو یکون لک بیت من زخرفٍ او ترقیٰ فی السماء ولن نومن لِر قیک حتیٰ تنز ل علینا کتٰباً نقرؤہ قل**

سبحان ربی هل کنت الا بشراً رسولاً ○ وما منع الناس ان یومنوا اذ جاء هم الهدیٰ الا ان قالوا ابعث الله بشراً رسولاً ○ قل لو کان فی الارض ملائکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکاً رسولاً ○ قل کفیٰ بالله شهیدا بینی و بینکم انه کان بعباده خبیراً بصیراً ○ اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہادو، یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو، پھر تم اس کے اندر بہتی ہوئی نہریں رواں کرو، یا تم ہم پر آسمان گرادو جیسا تم نے کہا ہے ٹکرے ٹکرے، یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آؤ، یا تمہارے لئے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جو ہم پڑھیں، تم فرمادو، پاکی ہے میرے رب کو، میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا، اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ بولے کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے، تم فرمادو! اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتہ اتارتے، تم فرمادو! اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان، بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا ہے، ﴿سورۃ بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۶﴾

حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر ضد اور عناد میں ہیں اور ان کی دشمنی حد سے گزر گئی ہے تو آپ کو ان کی حالت پر رنج ہوا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿آپ نے اعلان فرمادیا﴾ میرا کام اللہ تعالیٰ کا پیام پہنچادینا ہے' وہ میں نے پہنچادیا، اب جس قدر معجزات اور آیات یقین و اطمینان کیلئے درکار ہیں، ان سے بہت زیادہ میرا پروردگار ظاہر فرماچکا اور حجت ختم ہوگئی تو اب سمجھ لو کہ رسول کے انکار کرنے اور آیات الٰہیہ سے مکرنے کا کیا انجام ہوتا ہے، ﴿خزائن العرفان: ۳۵۰﴾ حضور اکرم ﷺ کو ذہنی طور پر الجھانے کیلئے قریش مکہ نے ایک اور شیطانی منصوبہ پیش کیا، وہ یہ کہ ایک سال تم ہمارے خداؤں کی عبادت کرو اور ایک سال ہم تمہارے

خدائے واحد کی عبادت کریں گے، اس طرح روز روز کا تنازعہ بھی ختم ہو جائے گا اور ساری قوم ان سارے خداؤں کی نوازشات سے مالا مال ہو جائے گی، اس شیطانی منصوبے کی تردید میں سورۃ الکافرون نازل ہوئی:

⊙......قل یٰایھا الکٰفرون O لا اعبد ما تعبدون O و لا انتم عٰبدون مآ اعبد O و لا انا عابد ما عبد تم O و لا انتم عٰبدون ما اعبد O لکم دینکم ولی دین O فرما دو! اے کافرو! نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو، اور نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں اور نہ میں پوجوں گا جو تم نے پوجا۔ اور نہ تم پوجو گے جو میں پوجتا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

﴿سورۃ الکافرون: ۱ تا ۶﴾

ایک اشکال کا ازالہ:

یہاں انسانی عقل میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو کسی قسم کا کوئی اختیار عطا نہیں فرمایا، آپ نے ان لوگوں کیلئے کیوں نہ پانی کے چشمے جاری فرما دیئے، کیوں نہ باغات و محلات کے نورانی جہان آباد کر دیئے، کیوں نہ سنگلاخ پہاڑوں کو سرکا دیا، کیوں نہ بزرگوں کو زندہ کر کے کلمے پڑھا دیئے، کیوں نہ اپنے لئے خزانوں کے انبار لگا دیئے، اگر اختیار ہوتا تو آناً فاناً سب کچھ معرض وجود میں آ جاتا اور وہ ازلی کافر بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے، اس اشکال کا یہی جواب ہے کہ کیا زمینوں، آسمانوں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں کا خالق بھی اس اختیار کا مظاہرہ نہیں کر سکتا، کیا خدائے قادر کے لامتناہی اختیارات کا انکار بھی کر دیا جائے، ان مطالبات کو پورا نہ کرنے کی ایک ہی وجہ تھی کہ وہ لوگ قبول ہدایت کیلئے مطالبے نہیں کر رہے تھے، اگر انکا ارادہ نیک ہوتا اور وہ واقعی قبولِ اسلام کیلئے کسی دلیل کے طالب ہوتے تو ان کو معجزات کے ذریعے بھی سیدھے راستے پر گامزن کر دیا جاتا جیسا کہ ہزاروں مقامات پر ایسا دیکھنے میں آیا کہ پیغمبران برحق نے اپنی خداداد قدرتوں کا مظاہرہ کر کے قوم کی تقدیر بدل کر رکھ دی، کفار عرب تو عناد قلبی، کٹ حجتی اور عداوت پسندی کے ناپاک جذبوں سے مجبور ہو کر مطالبے کر رہے تھے، ان کی ناز برداری کی ضرورت ہی کیا تھی، ہمارے موقف کی تائید ایک شخص

عبداللہ بن امیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے، وہ کہنے لگا، خدا کی قسم اگر یہ کام بھی کرلو تو میں سمجھتا ہوں کہ میں پھر بھی نہ مانوں گا، ﴿خزائن العرفان ص ۵۱۷﴾ ذرا انصاف سے بتائیے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں کیلئے ان کمالات و معجزات کو ظاہر کرنے کا کیا فائدہ ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

⊙......ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ و کلمھم الموتی وحشرنا علیھم کل شی قبلا ما کانوا لیومنوا الا ان یشاء اللہ ولکن اکثرھم یجھلون ○ اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے جب بھی ایمان لانے والے نہیں تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا ولیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں، ﴿سورۃ الانعام:۱۱۱﴾

ناظرین نے دیکھا کہ اسلام کی عداوت میں عبداللہ کتنا سخت ہے لیکن چند سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ فتح مکہ سے پیشتر ہی عبداللہ بجذبہ توفیق ربانی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا، اہل دانش جان سکتے ہیں کہ ایسے شخص کا گرویدہ اسلام ہو جانا آپ کا ایسا معجزہ ہے جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جانے اور نوشتہ لانے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر ہے، کیونکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جن کے دیکھ لینے کے بعد بھی عبداللہ ایمان نہیں لانا چاہتا تھا، ﴿رحمۃ للعالمین ص ۵۸﴾

حضرت امام احمد، حضرت امام نسائی اور حضرت امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مکہ کے باسیوں نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونا بنا دیا جائے اور باقی پہاڑوں کو دور کر دیا جائے تا کہ ان کیلئے زراعت کا میدان تیار ہو جائے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا سلام اور پیغام لے کر حاضر خدمت ہوئے کہ اگر آپ چاہیں تو کوہ صفا کو سونا بنا دیا جائے، لیکن اس کے بعد اگر کسی نے انکار کیا تو اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دوں گا، جس میں پہلے کسی کو مبتلا نہ کیا ہو گا، اگر آپ چاہیں تو ان کیلئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھا جائے، حضور اکرم ﷺ نے عرض کی، اے پروردگار! رحمت کا دروازہ ہی کھلا رکھا جائے، ﴿سبل الہدی ۲:۴۵۸﴾

خوب یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اقدس ﷺ کی رضا چاہتا ہے، اس نے

اپنے رسول نامدار، مدنی تاجدار ﷺ کو تکوینی اور تشریعی اختیارات سے سرفراز کیا ہے، انسانی عقل نے ان جاہلی مطالبات کو نامکمل رہتے ہوئے تو دیکھا، کاش انگشت رسالت کے اشاروں پر مہر و ماہ کے تغیرات کا مشاہدہ بھی کر لیتی، پنجہ رحمت سے پانی کے چشمے جاری ہوتے ہوئے بھی دیکھ لیتی زبان نبوت سے یہ فرمان بھی سن لیتی، اللہ کی قسم مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں، اللہ مجھے ہمیشہ عطا کرتا ہے اور میں ہمیشہ تقسیم کرتا ہوں، میں اللہ کے خزانوں کا خازن ہوں، یہ ساری زمین اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے، اس راقم نے عرض کیا ہے ۔

اللہ نے مختار بنایا عبداللہ کے پیارے کو
فرش زمیں سے عرش بریں تک قبضہ کملی والے کا

ولید بن مغیرہ کا واقعہ:

ایک دفعہ قریش کی ایک جماعت ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئی، وہ ان تمام میں عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھا، کہنے لگا، اے جماعت قریش! حج کا وقت قریب آ گیا ہے، ملک کے اطراف و اکناف سے لوگ حج کرنے کیلئے آئیں گے، انہوں نے تمہارے اس نبی کا ذکر سن لیا ہے، وہ ضرور اس سے ملنے کی خواہش کریں گے، اس لئے اس کے بارے میں بالاتفاق ایک بات طے کر لو اور سب وہی کہو، بھانت بھانت کی بولیاں نہ بولنا، جن سے ایک دوسرے کی تکذیب لازم آئے اور ایک کی بات دوسرے کی تردید کر دے، سب نے کہا، اے ابو عبد شمس، آپ ہی کہیں اور آپ ہی ہمارے لئے کوئی ایک بات تجویز کر دیں، ہم سب وہی کہیں گے، وہ کہنے لگا، نہیں! تم کہو میں سنتا ہوں، جو بات مجھے پسند آئے گی، میں اسکی تائید کر دوں گا، انہوں نے کہا، ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے، بولا نہیں بخدا یہ کاہن نہیں، ہم نے کاہن دیکھے ہیں، اس کا کلام نہ انکی طرح بھنبھناہٹ ہے اور نہ ان کی طرح مسجع ہے، انہوں نے کہا پھر ہم کہیں گے کہ یہ دیوانہ ہے، وہ بولا، یہ دیوانہ نہیں، ہم نے جنون دیکھا ہے، یہ اس کی دم کشی، بے ربط کلام اور وسوسہ نہیں، بولے پھر ہم کہیں گے کہ یہ شاعر ہے، اس نے کہا یہ شاعر بھی نہیں ہے، ہم شعر کی رجز، ھزج، قریض، مقبوض اور مبسوط سب قسمیں جانتے ہیں، اس کا کلام شعر نہیں ہے، وہ بولے پھر ہم کہیں گے کہ یہ جادوگر ہے، اس

نے کہا، یہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگر اور ان کا جادو دیکھا ہے، یہ ان کا دم جھاڑ اور ان کا گرہ لگانا نہیں ہے، وہ کہنے لگے، اے ابوعبد شمس! پھر آپ ہی کچھ بتائیں، بولا واللہ! اس کا کلام شیریں ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے، اس کی شاخیں پھلدار ہیں اور جو باتیں تم نے تجویز کی ہیں، ان میں سے جو بات بھی کہو گے معلوم ہو جائے گا کہ یہ باطل ہے، کسی قدر یہی صحیح ہے کہ تم سب جادوگر کہو کہ یہ ایسی جادو بھری بات کرتا ہے کہ اس کے ذریعے باپ بیٹے اور سب بھائی بندوں کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے، ولید کی بات سن کر سب اٹھ کر چلے گئے اور جن راستوں سے لوگ حج کیلئے آ رہے تھے ان میں جا بیٹھے، ہر گزرنے والے کو آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے اور آپ کی بات سننے سے ڈرانے لگے اور آپ کو بدنام کرنے کیلئے طرح طرح کے پاپڑ بیلنے لگے، ولید اور اس کی گفتگو کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کی یہ آیات اتاری ہیں:

⊙ ...... ذرنی ومن خلقت وحیداً O وجعلت له مالا ممدوداً O وبنین شهوداً O ومهدت له تمهیداً O ثم یطمع ان ازید O کلا انه کان لاٰیتنا عنیداً O .... ساصلیه سقر O اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے وسیع مال دیا اور بیٹے دیئے سامنے حاضر رہتے اور میں نے اس کیلئے طرح طرح کی تیاریاں کیں، پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں، ہرگز نہیں، تو میری آیتوں سے عناد رکھتا ہے، قریب ہے کہ میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں، بے شک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی، تو اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی، پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی، پھر نظر اٹھا کر دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا، پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا، پھر بولا یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا، یہ نہیں مگر آدمی کا کلام، کوئی دم جاتا ہے کہ میں اسے دوزخ میں دھنساتا ہوں ﴿سورۃ المدثر آیت: ۱۱ تا ۲۶﴾

کفار مکہ جو رسول اللہ ﷺ اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کے بارے میں قسم قسم کی باتیں جوڑتے تھے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

⊙ ...... الذین جعلوا القرآن .... اجمعین O یعنی جنہوں نے

قرآن کے بارے میں قسم قسم کی باتیں کی ہیں، تیرے رب کی قسم! ہم ان سے ضرور پوچھ لیں گے، ﴿سورۃ الحجر: ۹۱ تا ۹۲﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ایک دن ولید بن مغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گویا ہوا کہ مجھے کچھ پڑھ کر سنایئے، آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی؛ **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان**......... بولا ذرا دوبارہ پڑھئے، آپ نے دوبارہ پڑھی تو کہنے لگا، خدا کی قسم! اس میں حلاوت ہے، یہ حسین وجمیل ہے، اس کے نیچے مضبوط جڑ ہے اور اوپر پختہ پھل ہے، کوئی انسان اس قسم کی بات نہیں کر سکتا، ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل کو اسکا پتہ چلا تو وہ اس کے پاس آیا اور بولا، چچا! تمہارے لئے تمہاری قوم چندہ اکٹھا کرنا چاہتی ہے، ولید نے کہا کیوں، ابوجہل نے کہا، اس لئے کہ تم محمد ﷺ کے پاس سے ہو آئے ہو اور اسکی مدح کیلئے معاوضہ لینا چاہتے ہو، اس نے کہا قریش جانتے ہیں کہ میرے پاس ان سب سے زیادہ مال ہے، مجھے ان کے مال اور چندے کی کیا حاجت، ابوجہل نے کہا، پھر اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہو جس سے تمہاری قوم جان لے کہ تم اس کو برا جانتے ہو، ولید نے کہا، پھر میں کیا کہوں، بخدا تم میں مجھ سے زیادہ اشعار جاننے والا کوئی نہیں ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۱۴، ۲۱۵﴾

ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ نے کہا، کیا مجھے اور ابو مسعود عمرو بن عمیر ثقفی کو چھوڑ کر حضرت محمد ﷺ پر قرآن اتارا جاتا ہے، حالانکہ ہم دونوں مکہ اور طائف کے بڑے آدمی ہیں، میں قریش کا بڑا سردار ہوں اور ابو مسعود ثقیف کا بڑا سردار ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

⊙......**وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم اهم يقسمون رحمة ربك** ....اور وہ کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا، کیا لوگ تیرے رب کی رحمت کو بھی تقسیم کرنا چاہتے ہیں، ﴿سورۃ الزخرف: ۳۱۔۳۲﴾

ولید بن مغیرہ اور دیگر کفار مکہ نے حضور اکرم ﷺ کی دلآزاری اور ایذا رسانی کیلئے آپ کو مجنون وغیرہ کے قباحت افروز لقبوں سے یاد کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ القلم میں اپنے محبوب اکرم، شاہ محبوبان عالم، سرور خوبان محتشم ﷺ کی مدحت اور آپ

کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کی مذمت نازل فرمائی، یہ آیات مبارکہ بالخصوص ولید بن مغیرہ کے رد بلیغ میں اتری ہیں:

⊙ ولا تطع کل حلاف مهین .... اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا، ذلیل وہ طعنہ دینے والا، بہت اِدھر اُدھر لگا تا پھرنے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، درشت خو اور اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا، اس پر کہ کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے، جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، کہتا ہے کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں، قریب ہے کہ اس کی سور جیسی تھوتھنی پر داغ دیں گے، ﴿سورۃ القلم: ۱۰ تا ۱۶﴾

ولید بن مغیرہ نے حضور اکرم ﷺ کیلئے "مجنون" کا لفظ استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ نے کمال غیرت سے اسکے دس عیوب و نقائص پورے معاشرے کے سامنے ظاہر کر دیئے، کھول کر فرمایا کہ اس کی اصل میں خطا ہے، جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس نے اپنی ماں سے کہا کہ نو باتوں کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات معلوم نہیں، سچ بتا دے ورنہ میں گردن مار دوں گا، اس کی ماں نے کہا تیرا باپ نا قابل تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مر گیا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے، میں نے ایک چرواہے کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے جس کے نتیجے میں تیری پیدائش ہوئی، پھر اس کے چہرے کو بگاڑنے کی خبر دی گئی، چنانچہ اہل مکہ نے دیکھا کہ اس کی ناک کٹ گئی اور وہ جاہلی معاشرے میں ذلیل و خوار ہو کر واصل نار ہوا۔ امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ولید بن مغیرہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کھڑا تھا، ﴿ایک روایت میں ہے کہ عتبہ، شیبہ، ابو جہل، امیہ بن خلف اور عباس بن عبدالمطلب وغیرہ کھڑے تھے﴾ آپ اس کو اسلام کی دعوت دینے لگے کہ اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے، وہ نابینا تھے، انہوں نے آپ سے قرآن پڑھانے کی خواہش ظاہر کی، آپ کو ان کی یہ حرکت گراں گزری کیونکہ اس وقت آپ ولید بن مغیرہ کی طرف متوجہ تھے اور آپ کو اسکے اسلام لانے کی امید بندھی تھی، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے اسرار پر آپ کی جبین نازنین پر شکن نمودار ہوئے، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

⊙ عبس و تولیٰ ○ .... مر فوعة مطهرة ○ تیوری چڑھائی اور

منہ پھیرا، اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا، اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو، یا نصیحت لے تو اسے نصیحت فائدہ دے، وہ جو بے پرواہ بنتا ہے تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو، اور وہ جو تمہارے حضور ملکتا ہوا آیا اور وہ ڈر رہا ہے تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو، یوں نہیں، یہ تو سمجھانا ہے تو جو چاہے یاد کرے، ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں، بلندی والے پاکی والے ہیں، ﴿سورۃ عبس:۱تا۱۴﴾

حضرت ابن ام مکتوم کا نام عبداللہ تھا، یہ قبیلہ بنو عامر بن لوی سے تعلق رکھتے تھے، اس واقعہ کے بعد حضور اکرم ﷺ ان کی بڑی عزت کرتے تھے، ان کو دیکھ کر فرمایا کرتے کہ اس شخص کو خوش آمدید ہو جس کے بارے میں مجھے میرے رب نے عتاب فرمایا، آپ ان سے پوچھتے، کیا آپ کو کوئی حاجت ہے، نیز جب آپ کسی جنگی مہم پر جاتے تو ان کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو جنگ قادسیہ میں دیکھا کہ انہوں نے زرہ زیب تن کی ہوئی تھی اور سیاہ جھنڈا ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا، یاد رہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب گرامی ﷺ کے جلال پاک کا ذکر کیا ہے، آپ کی توہین اور تنقیص نازل نہیں فرمائی، جو شخص اس سورت کو آپ کی توہین اور تنقیص کیلئے تلاوت کرے وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فتوے کے مطابق واجب القتل ہے۔

نضر بن حارث کا سوقیانہ کردار:

مکہ مکرمہ میں ایک شقی القلب انسان نضر بن حارث کے نام سے مشہور تھا، جب رسول اللہ ﷺ کسی مجلس میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور ان کو عذاب سے ڈراتے تو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد نضر بن حارث آپ کی جگہ پر بیٹھ جاتا اور ان کو رستم، اسفندیار اور دیگر شاہان ایران کے واقعات سناتا اور کہتا، خدا کی قسم! حضرت محمد ﷺ کی باتیں میری باتوں سے اچھی نہیں ہیں، ان کی باتیں تو صرف پہلے لوگوں کی باطل اور بے سروپا کہانیاں ہیں جو کسی سے سیکھ کر سنا دیتے ہیں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

⊙ ......وقالوا اساطير الاولين .... اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں

کی باطل اور بے سرو پا کہانیاں لکھ لایا ہے جو اسے صبح و شام لکھائی جاتی ہیں، آپ فرما دیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کا وہ پاک کلام ہے جس کو اس ذات نے اتارا ہے جو بھیدوں کو جانتی ہے، ﴿سورۃ الفرقان: ۵۔۶﴾

⊙ ...... اذا تتلی علیہ ...... جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں، یہ پہلے لوگوں کی بے بنیاد کہانیاں ہیں، ﴿سورۃ القلم: ۱۵﴾

⊙ ...... ویل لکل افاکٍ اثیم ...... ہر جھوٹے گنہگار کیلئے ہلاکت ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں، پس اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو، ﴿سورۃ الجاثیہ ۷۔۸﴾

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نضر بن حارث اکثر حضور نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچاتا اور آپ کے پیچھے پڑا رہتا تھا، ایک دن آپ سخت گرمی میں قضائے حاجت کیلئے نکلے، جب حجون پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو نضر بن حارث نے آپ کو اکیلے دیکھ کر قتل کرنے کا ارادہ کر لیا، پھر وہ آپ کے قریب ہوا تو لرزہ براندام ہو کر اپنے گھر کو بھاگ اٹھا، راستے میں ابوجہل سے ملاقات ہوئی، اس کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اکیلے دیکھ کر قتل کرنا چاہا، جب قریب گیا تو دیکھا کہ ان کے سر کے اوپر کچھ سیاہ رنگ کے بھوت منہ کھولے دانت نکال رہے تھے، میں یہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا، ابوجہل نے کہا، یہ بھی ان کے جادو کا ایک حصہ ہے، ﴿دلائل النبوۃ: ۱۷۸﴾

امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ مسجد حرام میں ولید بن مغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، وہاں قریش کے اور بھی بہت سے آدمی موجود تھے، نضر بن حارث بھی آکر بیٹھ گیا، رسول اللہ ﷺ وعظ و نصیحت فرمانے لگے تو نضر بن حارث حضور اقدس ﷺ سے الجھ پڑا لیکن آپ نے اس انداز سے گفتگو کی کہ اس کیلئے سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہ رہا، پھر آپ نے سورۂ انبیا کی درجہ ذیل آیات پڑھیں:

⊙ ...... انکم و ماتعبدون ...... یعنی تم اور جن بتوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہو اور تم اس میں داخل ہونے والے ہو،

فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ تشریف لے گئے تو عبداللہ بن زبعری سہمی وہاں

آ کر بیٹھ گیا، ولید بن مغیرہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج حضرت محمد ﷺ نے کہا ہے کہ ہم اور جن معبودوں کی ہم عبادت کرتے ہیں سب جہنم کا ایندھن ہیں، عبداللہ بن زبعری سہمی نے کہا، خدا کی قسم اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو ضرور ان پر غالب آ جاتا، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے پوچھو، اگر جن معبودوں کی خدا کے بغیر عبادت کی جاتی ہے وہ اور ان کی عبادت کرنے والے جہنم کا ایندھن ہیں تو ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں، یہود عزیر کو اور عیسائی عیسیٰ ابن مریم کو پوجتے ہیں، ولید اور حاضرین مجلس اس کی بات سے بہت مسرور ہوئے اور سمجھے کہ یہ غالب آ گیا ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں، آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا، جو بھی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کی جائے وہ اپنے عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہوگا، یہ لوگ تو شیطان کی عبادت کرتے ہیں یا جن کی عبادت کا شیطان نے ان کو حکم دیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

⊙......ان الذین سبقت.......... جن کیلئے پہلے ہی ہماری طرف سے نیکی لکھی گئی ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے۔ ﴿سورۃ الانبیا :۱۰۱﴾

⊙......جب عیسیٰ کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم بہت مسرور ہوئی.............. عیسیٰ تو ہمارا ایسا بندہ ہے جس پر ہم نے انعام فرمایا.............. اور اسکا نزول تو قیامت کی نشانی ہے اس لئے اس میں شک نہ کرو۔ ﴿سورۃ الزخرف آیت:۵۹،۶۱﴾

ذرا اندازہ کیجئے کہ جب قرآن پاک جیسے لافانی کلام کے مقابلے میں رستم اور اسفند یار کے قصوں اور کہانیوں سے قوم کو ورغلایا جا رہا تھا تو حضور پیغمبر نور ﷺ کسقدر قلبی اذیت سے دوچار ہوتے ہوں گے۔

ابولہب اور ام جمیل:

حضور اقدس ﷺ کا چچا ابولہب اور اس کی جفا شعار بیوی ام جمیل بنت حرب بن امیہ آپ کے استخفاف میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، قرآن مجید نے ام جمیل کا نام ''حمالۃ الحطب'' رکھا ہے، اس کا معنیٰ ہے لکڑیاں اٹھا کر لانے والی، یہ ظالم عورت کانٹے اٹھا کر آپ کے راستے میں ڈال دیتی تھی تا کہ آپ کو تکلیف ہو اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو، یہ بھی

کہا جاتا ہے کہ یہ چغلی کھایا کرتی تھی، اِدھر اُدھر کی باتیں نقل کر کے لوگوں میں لڑائی بھڑکا دیتی تھی جس طرح لکڑی کے ساتھ آگ بھڑکائی جاتی ہے، امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب ام جمیل کو معلوم ہوا کہ قرآن حکیم میں اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت نازل ہوئی ہے تو وہ دوائی پیسنے والا کھرل لے کر حضور اقدس ﷺ کو مارنے کیلئے دوڑی، اس وقت آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ اندھی کر دی کہ حضور اقدس ﷺ اس کو نظر نہیں آ رہے تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صاف دیکھ رہی تھی، ان سے پوچھنے لگی، اے ابوبکر! تیرا ساتھی کہاں ہے، مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ میری ہجو کہتا ہے،، بخدا اگر وہ مجھے مل گیا تو میں یہ پتھر مار کر اس کا چہرہ زخمی کر دوں گی، خوب یاد رکھو، میں بھی شاعر ہوں، پھر اس نے یہ رجز پڑھا:

مذمماً عصینا...... وامره ابینا...... و دینه قلینا ہم نے مذمم کی نافرمانی کی، اس کی بات کا انکار کیا اور اس کے دین سے بغض رکھا'

یہ بکواس کر کے وہ چلی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں تھا، آپ نے فرمایا، اس نے مجھ کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ مجھے دیکھنے سے اندھی کر دی تھی، ایک روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اس کے اور میرے درمیان ایک فرشتہ حائل تھا جو مجھے اس کی نگاہ سے اوجھل کر رہا تھا، تا آنکہ وہ واپس ہو گئی، ﴿دلائل النبوۃ: ۱۷۰﴾ مفسرین کرام فرماتے ہیں، اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی!

⊙...... واذا قرء ت القرآن............ اور جب آپ نے قرآن پاک پڑھا تو ہم نے آپ اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک چھپا ہوا پردہ تان دیا، ﴿سورۃ بنی اسرائیل: ۴۵﴾

پھر قریش مکہ آپ کو مذمم کہتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی تکلیف دہ باتیں مجھ سے کس طرح پھیرتا ہے، یہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور میں محمد ہوں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۱۹﴾ ام جمیل نے اپنے بھائی ابوسفیان بن حرب سے کہا تم محمد مصطفےٰ ﷺ سے میرا بدلہ لو، چنانچہ ابوسفیان تلوار لے کر نکلا مگر تھوڑی دیر بعد

گھبرایا ہوا واپس آ گیا، ام جمیل نے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ان سے بدلہ لینے کیلئے گیا تھا مگر ایک اژدہے کو دیکھا جو منہ کھولے مجھے نگلنے کیلئے بیقرار تھا، لہذا میں گھبرا کر واپس آ گیا ہوں۔

ابولہب اور اس کی کمینہ خصلت بیوی نے حضور پیغمبر نور ﷺ کو قلبی اذیت سے دوچار کرنے کیلئے آپ کی تقدس مآب شہزادیوں کو بھی معاف نہیں کیا، انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ آپ کی شہزادیوں کو طلاق دے دیں، بلکہ یہاں تک آیا ہے کہ کفار مکہ نے حضرت زینب بنت رسول کے شوہر حضرت ابوالعاص کو بھی اس کام کیلئے مجبور کیا مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ میری زوجہ جیسی اور کوئی خاتون نہیں لہذا میں انہیں کیوں چھوڑ دوں، حضرت عثمان بن عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم ﷺ کی بیٹی عتیبہ بن ابولہب کے گھر تھی، جسے اس نے طلاق دے دی، پھر جب وہ شام کو جانے لگا تو اس نے کہا میں ہر قیمت پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جاتا ہوں اور ان کے رب کے متعلق انہیں ایذا دیتا ہوں، چنانچہ وہ آیا اور کہنے لگا، اے محمد! میں اس کا انکار کرتا ہوں جو قریب ہوا، پھر قریب ہوا، پھر اتنا فاصلہ رہ گیا جو دو کمانوں میں ہوتا ہے، یہ کہہ کر اس نے آپ کے آگے تھوک دیا اور آپ کی بیٹی کو طلاق دے دی، حضور نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی ،اے اللہ! اس پر اپنے درندوں میں سے کوئی درندہ مسلط کر دے، کہتے ہیں حضرت ابو طالب اس وقت موجود تھے، وہ یہ سن کر غمزدہ سا چہرہ لئے ایک طرف ہٹ گئے اور عتیبہ سے کہا کہ میں تمہارے متعلق اپنے بھتیجے کی دعا سے ڈرتا ہوں، پھر وہ لوٹ گیا اور ابولہب کو ساری بات سنا دی اور شام کے سفر پر روانہ ہو گیا، ایک جگہ انہوں نے پڑاؤ کیا تو وہاں ایک راہب نے کہا، یہ درندوں کا ٹھکانہ ہے، ابولہب نے کہا، اے گروہ قریش! اس رات میری مدد کرو، مجھے اپنے بیٹے کے متعلق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا کے پورا ہونے کا بہت خطرہ ہے، انہوں نے کجاوے اکٹھے کئے، ان پر عتیبہ کا بستر بچھایا اور خود اس کے نیچے سو گئے، اتنے میں ایک شیر آیا اور ان کے چہرے سونگنے لگا، پھر اس نے اپنی دم ہلائی اور کود کر اوپر جا بیٹھا۔ پھر اس نے عتبہ کے سر پر اس زور سے پنجہ مارا کہ کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہیں اس کی جان نکل گئی، کسی شاعر نے اس واقعے کے متعلق کیا خوب کہا تھا:

ترجمہ: اگر تم بنی اشعر کے ہاں جاؤ تو اس سے پوچھو ابو واسع کا کیا ماجرا ہے، اللہ

اسکی قبر کو وسعت نہ دے بلکہ ایسے شخص کی قبر تنگ کرے، جس نے ایسے نبی سے رشتہ کاٹ لیا جس کی عظمت مسلمہ ہے اور اپنے چمکتے ہوئے نور کی طرف دعوت دیتا ہے، اس شخص نے اس نبی کی تکذیب کیلئے سارے قریش سے بڑھ کر عقل استعمال کر دی، پھر وہ نبی کی اس دعا کا مستحق ٹھہرا جو دیکھنے اور سننے والوں پر ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا درندہ مسلط کر دیا، جو اس طرح چلتا ہوا آیا جیسے ایک دھوکہ باز آدمی آتا ہے، وہ اس شخص تک آ پہنچا جب وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان سویا ہوا تھا، درندے نے اس کو سینے تک اس طرح نگل لیا جس طرح کوئی بھوکا آدمی منہ پھاڑ کر کھانا کھاتا ہے۔[1] ﴿دلائل النبوۃ ص ۴۰۴﴾

ابولہب نے سرکار انبیا ﷺ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے، طارق بن عبد اللہ محاربی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو مرتبہ دیکھا، ایک دفعہ سوق حجاز میں جبکہ میں مال تجارت بیچنے میں مصروف تھا، آپ گزرے تو سرخ دھاری دار حلہ زیب تن کئے ہوئے تھے اور بلند آواز سے پکار رہے تھے، **ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا**، اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو اور نجات پا جاؤ، ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، اس نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا اور خون آپ کے ٹخنوں اور ایڑیوں سے بہہ رہا تھا، وہ کہتا تھا کہ اے لوگو! ان کی اطاعت نہ کرنا، یہ جھوٹے ہیں، میں نے پوچھا، یہ کون ہیں تو لوگوں نے بتایا، آگے آگے چلنے والا بنو عبد المطلب کا ایک جوان ہے اور پیچھے پیچھے چلنے والا اس کا چچا ابولہب عبد العزیٰ ہے، ﴿الوفا با حوال مصطفیٰ: ۲۲۵﴾ ایسا ہی واقعہ حضرت امام بیہقی نے ربیعہ الدئلی سے بھی روایت کیا ہے ؂

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

رحمت عالم ﷺ کے ظالم ہمسائے:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] یہاں حضرت ام کلثوم کے شوہر عتیبہ بن ابولہب کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی وجہ سے واصل نار ہو گیا، ابولہب کا دوسرا بیٹا عتبہ بن ابولہب بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور شرف صحابیت سے مشرف ہوا تھا، عتبہ کے نکاح میں حضور اقدس ﷺ کی شہزادی رقیہ تھی، اس نے بھی ابولہب کے کہنے پر طلاق دی تھی، ان شہزادیوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھی جیسا کہ شیخ محقق رحمہ اللہ نے لکھا ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۴۵۸﴾ بعد میں ان شہزادیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اور وہ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

فرمایا کہ میں دو برے پڑوسیوں کے درمیان تھا، یعنی ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کے درمیان، وہ دونوں گوبر اٹھا کر لاتے اور آپ ﷺ کے گھر میں پھینک دیتے، حضور سرور عالم، نور مجسم ﷺ باہر نکلتے اور فرماتے، اے بنی عبد مناف! یہ کیسا پڑوسی ہے، پھر اس گندگی کو باہر گلی میں پھینک دیتے، ﴿الوفا: ۲۲۵﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سجدے میں تھے اور قریش کے کچھ افراد آپ ﷺ کے اردگرد موجود تھے، عقبہ بن ابی معیط ایک اونٹ کی اوجھڑی لے کر آیا اور اسے آپ کی پشت مبارک پر رکھ دیا، آپ برابر سجدے کی حالت میں رہے یہاں تک کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور اسے آپ کی پشت مبارک سے ہٹایا اور اس شرارت کے مرتکب کے خلاف دعا کی، پھر حضور نبی کریم ﷺ نے کہا، اے اللہ! سردارانِ قریش کی گرفت فرما، یعنی ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف یا اُبی بن خلف، شعبہ کو اس میں شک ہے، راوی فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں جنگ بدر میں مقتول دیکھا، انہیں کنویں میں ڈال دیا گیا ماسوائے امیہ یا ابی کے کہ اسکا جوڑ جوڑ علیحدہ ہو گیا تھا، اس لئے کنویں میں نہ ڈالا جاسکا، ﴿بخاری کتاب المناقب، مدارج النبوۃ ۲: ۲۶﴾ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو سب سے سخت سلوک کیا، مجھے اس کے بارے میں بتایئے، انہوں نے بتایا کہ حضور نبی کریم ﷺ حجرِ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے آپ کی گردن مبارک پر کپڑا ڈال کر پوری طاقت کے ساتھ گلا گھونٹنا شروع کر دیا، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور اسے کندھوں سے پکڑ کر حضور نبی کریم ﷺ سے پرے کیا اور فرمایا، **اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ** کیا تم ایسے رجلِ کریم کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے، امام ابنِ اسحاق نے بھی اسی طرح روایت کی ہے، ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ علما فرماتے ہیں کہ مومنِ آلِ فرعون سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں، اس لئے کہ مومنِ آلِ فرعون نے زبانی مدد پر اکتفا کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زبان، ہاتھ اور قول وفعل سے مدد کی، علما فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس خصوص

میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ شجاع اور بہادر ہونے کے قائل ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۶۱﴾ حضرت امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے، ایک دفعہ عقبہ حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں آیا اور آپ کا وعظ دلپذیر سنا، اُبی بن خلف کو پتہ چلا تو عقبہ کے پاس آکر کہنے لگا، میں نے سنا ہے کہ آج تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مجلس میں گئے ہو اور ان سے وعظ اور قرآن سنا ہے، اگر آج کے بعد تم ان کی مجلس میں گئے اور ان سے کچھ سنا تو کلام تو کجا، میرے لئے تمہارا چہرہ دیکھنا بھی حرام ہے، یا پھر تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جا کر ان کے چہرے کی طرف تھوکو ﴿معاذ اللہ﴾ چنانچہ اس نے اپنی دوستی کی پاسداری کیلئے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف تھوکا، ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

⊙ ...... ویوم یعض الظالم علی یدیه .... خذولاًO اس دن کو یاد رکھو جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کاش میں رسول کا ساتھ اختیار کرتا اور اس کے راستے پر چلتا، افسوس! میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، بے شک اس نے مجھے بہکا دیا اس قرآن سے، میرے پاس آجانے کے بعد اور شیطان وقت آنے پر انسان کی مدد چھوڑنے والا ہے، ﴿سورۃ الفرقان: ۲۷ تا ۲۹﴾

ایک دن ابی بن خلف مٹی کی کھائی ہوئی بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور بولا' اے محمد مصطفیٰ! تم کہتے ہو کہ ہڈی کی یہ حالت ہو جانے کے بعد بھی اللہ اس کو زندہ کرے گا، پھر اس کو توڑا اور ہتھیلی پر رکھ کر آپ ﷺ کی طرف پھونک مار کر اڑا دیا، آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اٹھائے گا، پھر تمہیں آگ میں داخل کرے گا، اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

⊙ ...... وضرب لنا مثلاً ونسی خلقهٗ .... خلق علیمO اور اس نے ہمارے لئے ایک مثال بیان کی ہے اور کہا ہے بوسیدہ ہو جانے اور گل سڑ جانے کے بعد ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا، کہہ دیجئے ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا اور وہ اپنی سب مخلوق کو جانتا ہے، ﴿سورہ یٰسین: ۷۸، ۷۹﴾

ابوجہل کی ایذارسانیاں:

ابوجہل بن ہشام اس امت کا فرعون ہوا ہے، اس نے حضور تاجدار ختم نبوت، شہر یار ملک رسالت، محمد مصطفےٰ، احمد مجتبےٰ ﷺ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی بلکہ آپ ﷺ کے خلاف جنم لینے والی ہر سازش کے پیچھے اسی شقی القلب کا ہاتھ ہوتا تھا، ایک دن ابوجہل نے پوچھا اے جماعتِ قریش! تمہیں معلوم ہے کہ زقوم کیا ہے، جس سے محمد مصطفےٰ ہر روز ڈراتے ہیں، انہوں نے کہا نہیں، وہ بولا، وہ مکھن کے ہمراہ مدینہ کی عجوہ کھجوریں ہیں، بخدا اگر ہمیں مل جائے تو یہ زقوم ہم مزے لے کر کھائیں گے، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

⊙......ان شجرة الزقوم.......... یقیناً زقوم کا درخت گنہگاروں کا کھانا ہے، جو تلچھٹ کی شکل کا ہوگا وہ ان کے پیٹوں میں اسطرح ابلے گا جس طرح ہانڈی میں گرم پانی ابلتا ہے۔ ﴿سورة الدخان: ۴۳، ۴۶﴾ ﴿مختصر سیرة الرسول: ۲۲۵﴾

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک دن ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا، کیا محمد مصطفےٰ تمہارے سامنے اپنے چہرے کو زمین پر رگڑتے ہیں، انہوں نے کہا، ہاں، وہ بولا، لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں نے ان کو ایسا کرتے دیکھ لیا تو ضرور گردن پر چڑھ جاؤں گا اور ان کا چہرہ زمین پر رگڑ دوں گا، چنانچہ ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ وہ ظالم آپ کی گردن مبارک پر چڑھنے کیلئے آیا، لیکن پھر وہ فوراً پیچھے بھاگ گیا، وہ اپنا ہاتھ اس طرح اندھا دھند ہلاتا تھا جیسے کسی چیز کو اپنے آپ سے دور ہٹا رہا تھا، اس کے ساتھیوں نے پوچھا، ابوالحکم! کیا بات ہے، تم پیچھے کیوں بھاگ گئے، وہ بولا، میں نے اپنے اور ان کے درمیان آگ کی خندق دیکھی تھی، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا جوڑ جوڑ الگ کر دیتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

⊙......کلا ان الانسان لیطغٰی.......... بے شک انسان نے اس لئے سرکشی کی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مستغنی دیکھا ہے۔ ﴿سورة العلق: ۶-۷﴾

ایک دن ابوجہل نے کہا اے گروہ قریش! محمد مصطفےٰ نے تو تہیہ کر لیا ہے کہ وہ تمہارے دین کی تردید اور تمہارے باپ دادا کی توہین اور تمہارے خداؤں کی تضحیک میں مصروف رہیں گے، میں نے قسم اٹھائی ہے کہ کل ایک بڑا سا پتھر لے کر بیٹھوں گا، جب وہ سجدے میں

جائیں گے تو ان کا سر کچل دوں گا، ﴿معاذ اللہ﴾ چاہے تم مجھے اجازت دو یا منع کرو، اب بنو عبد مناف نے جو کرنا ہے کر لے، کفار نے کہا، ہم تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتے البتہ اپنی مرضی سے جو کرنا چاہو، کرتے رہو، اگلا دن چڑھا تو ابو جہل ایک بڑا سا پتھر سنبھال کر آپ کے انتظار میں بیٹھ گیا، حضور نبی کریم ﷺ حسب معمول حرم میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی، آپ کعبہ مشرفہ کے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار کے سامنے کھڑے تھے اور کعبہ مشرفہ کو اپنے اور شام کے درمیان رکھ لیا تھا، قریش اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے منتظر تھے کہ ابھی ابو جہل کی کسی کارروائی کی خبر آتی ہے، جب آپ سجدے میں گئے تو ابو جہل پتھر اٹھائے آپ کی طرف لپکا، مگر جب قریب آیا تو لرزہ براندام ہو کر پیچھے کو بھاگ اٹھا، اس کا رنگ اڑ چکا تھا، جسم پر کپکپی طاری تھی، بازو شل ہو چکے تھے اور پتھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا، قریش اس کے قریب آئے اور کہنے لگے، اے ابو الحکم کیا بات ہے، کہنے لگا جب میں رات والے وعدے کے مطابق اسے مارنے کیلئے اٹھا اور اس کے قریب ہوا تو ایک طاقتور اونٹ منہ کھولے میری طرف لپکا، بخدا میں نے اس جیسی کوہان، گردن اور دانت کسی اونٹ کے نہیں دیکھے، وہ چاہتا تھا کہ مجھے کھا جائے، ابن اسحاق کہتے ہیں' مجھے بتایا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، اگر ابو جہل قریب آتا تو وہ پکڑ لیتے، ابو جہل کی یہ بات سن کر نضر بن حارث نے کہا، اے قریش! تم پر وہ مصیبت آپڑی ہے کہ قبل ازیں تم ایسی مصیبت سے کبھی دو چار نہ ہوئے تھے، ﴿دلائل النبوۃ: ۱۸۰﴾ حضرت معتمر بن سلیمان نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ بنی مخزوم کا ایک آدمی ہاتھ میں پتھر اٹھائے حضور نبی اکرم ﷺ کو مارنے کیلئے آیا، اس وقت آپ اپنی جبین نیاز در توحید پر رکھے ہوئے تھے، اس نے ہاتھ اٹھایا تا کہ سجدے میں آپ کا سر پتھر سے کچل دے، مگر اس کا ہاتھ پتھر کے ساتھ چمٹ گیا اور کوشش کے باوجود جدا نہ ہوا، وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو وہ بولے، بزدل ہو کر لوٹ آئے ہو، کہنے لگا، میں نے بزدلی نہیں دکھائی، مگر یہ ہاتھ چمٹ گیا ہے اور کوشش کے باوجود جدا نہیں ہوا، انہوں نے حیران ہو کر دیکھا کہ واقعی اسکی انگلیاں پتھر کے ساتھ چمٹ گئی ہیں، بڑی کوشش کے بعد انگلیاں چھڑوائیں اور کہنے لگے یہ بات تو واقعی قابل غور ہے، ﴿ایضا: ۱۷۴﴾ حضرت امام بخاری نے

روایت بیان کی ہے، ایک دن ابوجہل نے کہا کہ میں نے محمد مصطفےٰ کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو اپنے قدم سے ان کی گردن پامال کردوں گا، حضور اکرم ﷺ نے اس کی دھمکی سنی تو فرمایا، اگر اس نے ایسی جرأت کا مظاہرہ کیا تو فرشتے اس کو پاش پاش کر دیں گے، اس کے اس عبرتناک انجام کو تمام لوگ مشاہدہ کریں گے، ﴿سیرت ابن کثیر ۱:۴۶۶﴾

ایک دن ابوجہل نے دین حق کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا اے جماعت قریش! محمد مصطفےٰ کہتا ہے کہ تم کو عذاب دینے اور تمہیں دوزخ میں بند کرنے والے فرشتوں کی کل تعداد انیس ہے، تم تعداد میں سب لوگوں سے زیادہ ہو، کیا تم سوسو آدمی مل کر ایک ایک فرشتے کے مقابلے میں عاجز ہو، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: **وما جعلنا اصحب النار الا ملائکة**، اور ہم نے دوزخ کے داروغہ نہ کئے مگر فرشتے اور ہم نے ان کی گنتی نہ رکھی مگر کافروں کی جانچ کو، ﴿سورۃ المدثر:۳۲﴾

امیہ بن خلف کا مذاق:

امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح بھی حضور پیغمبر نور ﷺ کا مذاق اڑانے والوں کا سرگرم رکن تھا، یہ جب بھی آپ کو گالیاں دیتا تو آنکھ دبا کر آپ کی طرف اشارہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں یہ پوری سورت نازل فرمائی:

⊙...... **ویل لکل همزة لمزة** .... خرابی ہے اس کیلئے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے، پیٹھ پیچھے بدی کرے، جس نے مال جوڑا اور گن گن کر رکھا، کیا یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ رکھے گا، ہرگز نہیں، ضرور وہ روندنے والی میں پھینکا جائے گا، اور تو نے کیا جانا کہ روندنے والی کیا ہے، اللہ کی آگ کہ بھڑک رہی ہے، وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی، بے شک وہ ان پر بند کردی جائے گی، لمبے لمبے ستونوں میں، ﴿سورۃ الھمزۃ ۱تا۹﴾

امام ابن ہشام کہتے ہیں، ہمزہ وہ ہے جو کسی کو علانیہ طور پر گالیاں دے اور آنکھ دبا کر اسکی طرف اشارہ کرے، اس کی ہجو میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے ؎

همزتک فاختضعت لذل نفس

بقافیة تأجج کالشواظ

ترجمہ! نفس کی کمینگی کی وجہ سے تیرے آنکھوں کے اشارے شعلے کی طرح بھڑکنے والے اشعار سے اب ماند پڑ گئے ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۱۹﴾

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کئے اور آپ کا مذاق اڑایا، آپ کو ان کی اس حرکت پر بہت رنج ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ان کلمات کے ساتھ دلگیری فرمائی:

⊙......ولقد استھزی......... اے رسول! آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا، لیکن جلد ہی مذاق کرنے والوں کو ان کے وبال نے گھیر لیا، ﴿سورۃ الانبیاء:۴۱﴾

دیگر کفار کا مذاق:

حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبےٰ، سرکار دوسرا ﷺ جب مسجد حرام میں تشریف فرما ہوتے تو حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت ابوفکیہہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہم اور ان جیسے دوسرے کمزور مسلمان آپ کے گرد جمع ہو جاتے، کفار ان سب کا مذاق اڑاتے اور ایک دوسرے سے کہتے، دیکھتے ہو، یہ ہیں ان کے ساتھ، کیا ہمیں چھوڑ کر انہیں حق اور ہدایت دے کر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے، بخدا اگر محمد مصطفےٰ ﷺ کے دین میں کوئی خوبی ہوتی تو یہ ہم پر سبقت نہ لے جاتے، حضرت امام احمد، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت خباب، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے، ان کے پاس سے قریش کی ایک جماعت گزری اور کہنے لگی، اے محمد مصطفےٰ! اپنی قوم کو چھوڑ کر ان پر راضی ہو گئے ہو، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

⊙......وانذر بہ الذین یخافون......... اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو ڈراؤ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انہیں ان کے رب کے دربار میں اکٹھا کیا جائے گا، وہاں اس کے سوا نہ ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا موجود ہوگا......اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے، ﴿سورۃ الانعام:۵۱تا۵۷﴾

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا، اے محمد مصطفیٰ! تم اپنی قوم کی بجائے ان پر راضی ہو گئے ہو، کیا ہمیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا ہے، کیا ہم ان کے تابع ہو جائیں، ان کو نکال دو، اگر ان کو نکال دو گے تو امید ہو سکتی ہے کہ ہم تمہاری پیروی کریں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

⊙......ولا تطرد الذین.......... والعشی ان لوگوں کو اپنی مجلس سے ہرگز نہ نکالنا جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، ﴿سورۃ الانعام:۵۲﴾

مشرکین مکہ نے یہ الزام بھی لگایا کہ حضور اقدس ﷺ بنو الحضرمی کے عیسائی غلام "خیر" سے یہ کلام سیکھتے ہیں اور ہمیں سناتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

⊙......ولقد نعلم انھم یقولون.......... مبین ○ بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں، اسے کوئی انسان سکھاتا ہے، وہ جس کی طرف یہ فعل منسوب کرتے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے، ﴿سورۃ النحل:۱۰۳﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ چند سال خفیہ طور پر مصروف کار رہے اور وحی الٰہی کو سرعام بیان نہ فرمایا، تاآنکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فاصدع بما تؤمر" پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مخالفت کرنے والوں اور مذاق اڑانے والوں کو تباہ کر دیا، وہ پانچ آدمی تھے، کہتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، میں نے اس آیت کے نزول کے بعد ان پانچوں کو زندہ دیکھا مگر پھر ایک دن رات میں ہی پانچوں ختم ہو گئے، ان میں سے عاص بن وائل سہمی بارش کے دن باہر نکلا جب کہ اس کا بیٹا اونٹوں کو چرانے گیا ہوا تھا، وہ سوار ہوا اور کسی گھاٹی میں جا کر اترا، ابھی زمین پر قدم رکھا ہی تھا کہ چیخ اٹھا، مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے مگر کوئی چیز نظر نہ آئی، دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پاؤں پھولتا چلا گیا اور اونٹ کی گردن کی طرح موٹا ہو گیا جس سے وہ وہیں مر گیا، حارث بن قیس سہمی نے نمکین مچھلی کا گوشت کھایا، وہ بھنی ہوئی مچھلی تھی، اسے پیاس لگی تو وہ پانی پیتا چلا گیا، اس کا پیٹ پھول گیا جس سے اسکی موت واقع ہو گئی، وہ مرتے وقت کہہ رہا تھا، مجھے محمد مصطفیٰ ﷺ کے رب نے قتل کر دیا ہے، اسود بن مطلب بن حارث بن عبد العزیٰ کا زمعہ نامی بیٹا تھا، باپ کا وفادار تھا، وہ جب بھی سفر پر جاتا تو باپ سے کہتے ہوئے جاتا کہ فلاں فلاں جگہ ٹھہروں گا، پھر وہ وقت مقررہ پر گھر پہنچ

جاتا، ادھر نبی اکرم ﷺ نے اسود کیلئے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے اندھا کرے اور اسے اسکی ماں روئے، حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے ایک سبز پتہ دے مارا جس سے اسکی نگاہ جاتی رہی، پھر جس دن اس کے بیٹے نے سفر سے واپس آنا تھا وہ استقبال کیلئے نکلا، اس کا غلام بھی اس کے ساتھ تھا، وہ باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے، چنانچہ وہ اپنا سر خود پھوڑنے لگ گیا اور اپنا چہرہ کانٹوں پر ملنے لگا، ساتھ ہی اس نے غلام سے فریاد کی تو اس نے کہا، تم خود ہی اپنا یہ حشر کر رہے ہو، پھر اس نے اس طرح خود کو ختم کر لیا، وہ بھی مرتے ہوئے پکار رہا تھا، مجھے محمد مصطفیٰ ﷺ کے رب نے قتل کر دیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زندہ رہا، بدر میں اس کا بیٹا مارا گیا تو یہ اس کے غم میں روتے ہوئے مر گیا، ولید بن مغیرہ مخزومی کا قدم چلتے ہوئے تیروں پر آ گیا جو بنی خزاعہ کے ایک آدمی نے چھیل کر دھوپ میں رکھے ہوئے تھے، وہ ٹوٹ گئے اور ان کا کوئی حصہ کپڑوں میں الجھ گیا جس کی خراش سے اسکی رگ کہل پھٹ گئی، وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، ان پانچوں میں سے اسود بن یغوث سفر پر نکلا تو اسے گرمی کی لو لگ گئی، اس کے سبب وہ سیاہ ہو کر حبشی بن گیا، جب وہ واپس آیا تو گھر والوں نے اسے نہ پہچان کر دروازہ بند کر لیا اور اسے اندر نہ آنے دیا، اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ جان جاتی رہی، یہ بھی مرتے ہوئے کہہ رہا تھا، مجھے محمد مصطفیٰ ﷺ کے رب نے قتل کر دیا ہے۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۳۷﴾

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

عاص بن وائل کی تردید:

مکہ مکرمہ کے کفار میں عاص بن وائل بھی بہت ہی زیادہ شقی القلب تھا، یہ جگہ جگہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا اور مذاق کر کے لوگوں کو خوش رکھتا تھا، ابن اسحاق کہتے ہیں، عاص بن وائل کا یہ معمول تھا کہ جب بھی حضور اقدس ﷺ کا تذکرہ ہوتا تو وہ کہتا کہ اس کو چھوڑو، وہ ابتر ہے، بے اولاد ہے، اس کے فوت ہونے کی دیر ہے اس کا

نام ونشان ہی مٹ جائے گا اور تم آرام حاصل کرلو گے، یہ کتنے دلخراش اور زہرہ گداز قسم کے الفاظ تھے جنھوں نے حضور اقدس ﷺ سے قلب سدید کو کتنا صدمہ پہنچایا ہوگا، مگر صبر و رضا کے اس پیکر جمیل نے ان الفاظ کو بھی برداشت کرلیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مقدس ﷺ کی مدحت اور عاص بن وائل کی مذمت کیلئے قرآن پاک کی انتہائی خوبصورت سورہ نازل فرمائی، آج تک وہ لاہوتی صدا گونج رہی ہے:

⊙......انا اعطینٰک الکوثر ○ فصل لربک وانحر ○ ان شانئک ھو الابتر ○ اے محبوب! بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں، تو تم اپنے رب کیلئے نماز پڑھو اور قربانی کرو، بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ''ابتر'' یعنی ہر خیر سے محروم ہے۔ ﴿سورۃ الکوثر: ۱ تا ۳﴾

یہ سورت مقدسہ ہمارے دامن دل کو کھینچ رہی ہے لہذا اس کے محبت افروز نکات کا بیان پیش خدمت ہے:

⊙......الکوثر سے مراد یہ ہے کہ ہم نے تمہیں وہ چیز عطا کی ہے جو دنیا اور دنیا کی سب نعمتوں سے بہتر ہے، الکوثر عظیم چیز کو کہتے ہیں۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۲۸﴾

⊙...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، الکوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر حضور پرنور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ ﴿رواہ البخاری، مختصر سیرۃ الرسول: ۲۲۸﴾

⊙......الکوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی تمام نہریں نکلتی ہیں، اس کے کنارے سونے کے ہیں، اسکا فرش موتی اور یاقوت سے بنا ہے، اس کی مٹی کستوری سے مشکبار ہے، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

⊙......الکوثر ایک حوض کا نام ہے جو میدان محشر میں امت محمدیہ کی پیاس بجھانے کیلئے مقرر ہوگا، اس کے کناروں پر ستاروں کے برابر آبخورے رکھے ہوں گے تا کہ کسی تشنہ لب کو انتظار نہ کرنا پڑے۔

⊙......الکوثر سے مراد نبوتِ محمدی ﷺ ہے جس کے فیوضات و برکات کی کثرت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

⊙......الکوثر سے مراد قرآن پاک ہے جو زندگی کے بے شمار شعبوں میں انسان کی راہنمائی

کرر ہا ہے، جو صحیفہ رشد و ہدایت ہے، جو سرچشمہ علم و عرفان ہے، جو خزانہ حکمت و فکرت ہے، جو کائنات کی جامع ترین کتاب ہے۔

⊙...... الکوثر سے مراد دین اسلام ہے، صحابہ کی کثرت ہے، رفعت ذکر مصطفےٰ ﷺ ہے، حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، الکوثر سے مراد نور قلب رسول ﷺ ہے۔

⊙...... الکوثر سے مراد مقام محمود ہے، جب حضور انور ﷺ جلوہ نما ہوں گے تو خدا بھی آپ کی توصیف کرر ہا ہوگا اور خدائی بھی رطب اللسان ہوگی۔

⊙...... حضرت امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، دنیا اور آخرت کی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں الکوثر میں داخل ہیں۔

⊙...... حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ الکوثر خیر کثیر کو کہتے ہیں جس میں تمام دنیوی اور اُخروی فضائل اور فواضل شامل ہیں، احادیث مبارکہ میں جو''نہر'' کا لفظ وارد ہے تو وہ بطور تمثیل ہے۔

⊙...... حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ، کوثر فوعل کے وزن پر ہے جو کثرت سے ماخوذ ہے، یہ مبالغے کا صیغہ ہے، اس کا مطلب کسی چیز کا اتنا زیادہ ہونا ہے کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔

⊙...... حضرت امام نیشا پوری نے لکھا ہے، اس کی ابتدا '' اِنَّ'' سے ہوئی جو تاکید کا فائدہ دیتی ہے، ضمیر جمع استعمال ہوئی جس سے تعظیم کا مفہوم نکلتا ہے، پھر ''اعطا'' کا لفظ استعمال ہوا، '' ایتا'' کا نہیں، '' اعطا'' میں تملیک پائی جاتی ہے، پھر ماضی کا صیغہ وارد ہے جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے، یعنی یہ کام ہو چکا ہے۔

⊙...... اپنے محبوب کو نماز پڑھنے اور قربانی دینے کا حکم دیا جو اظہار تشکر کے بہترین اسلوب ہیں۔

⊙...... ''شانی'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں بغض و کدورت اور حسد و عداوت کا شدید جذبہ موجزن ہو، اور ''ابتر'' سے مراد وہ شخص ہے جو لاولد ہو یا وہ چوپایہ جس کی دم منقطع ہو یا وہ کام جس کا کوئی نیک اثر باقی نہ رہے۔

⊙...... اللہ تعالیٰ نے یہ سورت مبارکہ نازل فرما کر تمام کفار عرب ہی نہیں تمام دشمنان عالم کے منہ بند کر دیئے، میرے محبوب اقدس ﷺ کا ذکر بلند ہوگا، آپ کے حسنات و خیرات کا

سلسلہ جاری رہے گا، آپ کی اولاد، آپ کی شہزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ہستی مبارک سے اس قدر بڑھے گی کہ ساری دنیا اس سے فیضیاب ہوگی، دنیا کی ہر زبان میں آپ کے اوصاف و کمالات کی داستان بیان ہوگی، آپ کے دشمن بے نام ونشان ہو جائیں گے، ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کا ذکر کہاں ہوتا ہے، ان دشمنان اسلام کی اولاد کے کتنے افراد بھی مسلمان ہو کر مداح سرور کونین بن گئے، ادھر حضور سرور کونین ﷺ کا ذکر خدا تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ پیوست ہو گیا، جہاں یہ ہوگا وہاں وہ ہوگا، دشت میں .... دامن کہسار میں .... میدان میں .... بحر میں .... موج کی آغوش میں .... طوفان میں .... چین کے شہر میں .... مراکش کے بیابان میں .... اور مسلمان کے ایمان میں .... کلمے میں .... نماز روزے، حج زکوٰۃ اور اذان میں .... غرض ازل میں .... ابد میں .... برزخ میں .... حشر میں .... جنت میں .... وہ کونسی جگہ ہے جہاں ذکر خدا ہوتا ہے اور ذکر مصطفےٰ نہیں ہوتا ۔

چشم اقوام یہ نظارا ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

⊙...... یہ سورت اپنے حسن اعجاز، خوبی ابلاغ اور ندرت الفاظ کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت کا وہ سرچشمہ ہے جس کو پڑھ کر عرب کے فصحا بھی جھوم اٹھے، ماھذا کلام البشر، یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہوسکتا، اس سورت کے بارے میں اکابر صحابہ کا یہی موقف ہے کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی کیونکہ اس کا مضمون بھی مکی سورتوں سے ملتا جلتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، ممکن ہے کہ اپنے منفرد اسلوب بیان کی بدولت دو بار نازل ہوئی ہو جیسا کہ کئی سورتوں کو یہ اعزاز حاصل ہے، اس سورت نے مکہ مکرمہ کے مشرکوں اور مدینہ منورہ کے منافقوں اور یہودیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔

حضرت ابو طالب اور خاندان عبدالمطلب کے کچھ افراد حضور پیغمبر نور ﷺ کی حفاظت اور حمایت کا دم بھرتے تھے لیکن قریش مکہ کے ظلم وستم کی کارروائیاں کسی طرح بھی کم ہونے کا نام نہ لیتی تھیں، وہ آپ کے خلاف سرگرم عمل رہتے جس سے آپ کی تکالیف

میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا، کوئی آپ کے راستے میں کنویں کھودتا اور کوئی سر اقدس پر خاک ڈالتا، کوئی ساحر و مجنون کے لقبوں سے ستاتا اور کوئی کاہن و شاعر کے آوازوں سے تنگ کرتا، کوئی طواف کعبہ کے دوران بھی آپ کو اذیت پہنچانے سے باز نہ آتا، عجیب لوگ تھے، عجیب ماحول تھا، ایک دن ابوجہل نے یہاں تک کہا:

''بخدا ہم آپ کے ساتھ اس وقت تک صلح نہیں کریں گے جب تک سمندر خشک نہ ہو جائیں اور صوف کے ٹکڑے کو بھی تر کرنے سے عاجز و بے بس نہ ہو جائیں، ہم صلح کر بھی کیسے سکتے ہیں جب آپ ہمارے آباواجداد کے معبودات کو ہم سے چھڑاتے ہو اور ہمیں ان کی پرستش سے روکتے ہو''،

ابوجہل کی اس شقاوت قلبی اور عداوت ازلی کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا، بے شک میں وہی ہوں، ﴿الوفاص ۲۳۵﴾ ایک بار آپ ﷺ نے قوم کے رویے سے انتہائی تنگ آکر فرمایا، تم بہت ہی بری قوم ہو اپنے نبی محترم کے حق میں ﴿ایضا﴾ ایک حدیث مبارک ہے:

⊙......**لقد اوذیت فی اللہ وما یوذی احد واخفت فی اللہ وما یخاف احد ولقد اتت علی ثلاثون من بین یوم ولیلۃ وما لی ولبلال مایاکلہ ذو کبدٍ الا مایواری ابط بلال،** مجھے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جتنا ستایا گیا اتنا کسی اور کو نہیں ستایا گیا اور جتنا مجھے ڈرایا گیا اتنا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا، مجھ پر تیس شب و روز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے کوئی جاندار کھا سکتا مگر انتہائی تھوڑی مقدار میں، اس حدیث مبارک کو حضرت امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے، ﴿سیرت ابن کثیر ۱:۴۷۱﴾

ادھر رحمت خداوندی کے قربان جایئے! کفار عرب کی طرف سے ہونے والے مظالم اور لگنے والے مطاعن کا جواب خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو جاتا اور حضور پیغمبر نور ﷺ کے قلب غمگین کو کمال درجے کی تسکین نصیب ہو جاتی، تاریخ نبوت کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف، حضرت عیسیٰ اور حضرت داؤد علیہم السلام پر قوموں نے جتنے بھی اعتراضات کیے، انہوں نے خود جواب

عطا کئے، لیکن حضور پیغمبر آخر الزمان، رسول انس وجان، باعث کون ومکان ﷺ پر اٹھنے والے ہر حرف تشنیع کا جواب خود فیاض ازل جل شانہٗ نے نازل فرمایا، یہ کیسا اعزاز ہے، یہ کیسا انعام ہے، یہ کیسی پذیرائی ہے، یہ کیا شان یکتائی ہے:

⊙......انا کفینا ک المستھزئین ○الذین یجعلون مع اللہ الٰھاً اخراً فسوف یعلمون ○ بے شک ان مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں ہم تمہیں کافی ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا کی عبادت بھی کرتے ہیں سو عنقریب ﴿اسکا انجام بھی﴾ معلوم کرلیں گے۔﴿سورۃ الحجر :۹۵۔۹۶﴾

حضرت اکثم بن صیفی کا قبول اسلام:

حضرت ابن عمیر سے مروی ہے کہ اکثم بن صیفی کو حضور انور ﷺ کے ظہور کی اطلاع پہنچی تو اس نے خود آپ کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کیا لیکن اس کی قوم نے رکاوٹ ڈالی، اس پر اس نے کہا کون شخص ہے جو میری عرض حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرے گا، دو آدمیوں نے اس آواز پر لبیک کہا، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم اکثم بن صیفی کے ایلچی ہیں اور آپ کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے اور آپ کی دعوت کیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں محمد بن عبداللہ ہوں، میرا دعوی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا عبد خاص اور اسکا رسول ہوں، میری دعوت ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے، قرابت داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے، برائی اور بے حیائی اور باغیانہ کارروائی سے منع کرتا ہے، انہوں نے عرض کیا ذرا یہ کلمات دہرائیں تاکہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، چنانچہ آپ نے ان کو یاد کرائے، پھر انہوں نے اکثم بن صیفی سے جا کر کہا کہ وہ قبیلہ مضر میں سے بہتر نسب کے مالک ہیں اور انہوں نے ہمیں چند کلمات سکھائے ہیں، جب اس نے ان کلمات کو سنا تو کہا اے قوم! میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ وہ بلند ترین اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں، برے اخلاق اور قابل مذمت اعمال سے منع کرتے ہیں، لہٰذا تم ان پر ایمان لا کر دوسرے لوگوں سے سبقت لے جاؤ، روسائے اسلام بنو، نہ کہ گنہگار اور کافر، پہلے مومن بنو نہ کہ آخری، درد و رنج سے خالی لوگوں کی طرف سے مبتلائے رنج والم لوگوں پر ہمیشہ طعن و تشنیع اور زجر و ملامت ہوتی ہے، اے میرے

نفس! حسرت اور ارمان ایسے امر پر جس کو نہ میں پا سکا اور نہ ابھی میرے ہاتھ سے فوت ہوا، اے میرے نفس! مجھے تجھ پر افسوس نہیں بلکہ عام لوگوں پر افسوس ہے، مگر اس قدر افسوس کی بھی ضرورت نہیں، حق جب ثابت و قائم ہو جاتا ہے تو باطل خود بخود راہ فرار اختیار کر لیتا ہے، حضرت اکثم کی دعوت پر سو اشخاص نے اتباع کی، وہ بارگاہ رسالت میں حاضری دینے کیلئے نکلے، راستے میں جیش نامی بدبخت شخص نے سب کی سواریوں کو ذبح کر ڈالا اور پانی کے مشکیزے پھاڑ دیئے اور بھاگ گیا، حضرت اکثم کو پیاس نے مجبور کیا اور اسی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی، حضرت اکثم نے انتقال کرتے وقت اپنے جملہ ہمرائیوں کو سرور دو عالم ﷺ کی اتباع کی وصیت فرمائی اور انہیں اپنے اسلام و ایمان پر گواہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے انہی کے حق میں یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

⊙......ومن یخرج من بیتہٖ مھاجراً............ اجرہ علیٰ اللہ اور جو شخص بھی اپنے گھر سے نکلے اللہ اور اسکے رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے، پھر اسے موت نے آلیا تو بے شک اسکا اجر اللہ کے ذمے ہے،

حضرت محدثِ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ ہجرت حبشہ سے پہلے رقم فرمایا ہے،

﴿الوفا باحوال المصطفیٰ﴾

محبوبِ خدا کی ہیبت:

اگرچہ کفار مکہ حضور محبوبِ خدا، تاجدار ہر دوسرا ﷺ اور آپ کے وفادار ساتھیوں پر جور و استبداد کے نت نئے طریقے آزماتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی ہیبت اور جلالت سے ہمیشہ مرعوب رہتے تھے، جلالِ مصطفوی کو دیکھ کر ان کے تن بدن سے پسینہ چھوٹ جاتا تھا لیکن اپنی فطرت بد سے پھر بھی باز نہیں آتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قریش کے روسا مقام حطیم میں جمع ہوئے اور لات و عزیٰ اور تیسرے بت منات کی قسم کھا کر عہد و پیمان کیا کہ اگر ہم نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو دیکھا تو فرد واحد کی طرح ان پر حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالیں گے، ﴿معاذ اللہ﴾ اور اس کام کو انجام تک پہنچائے بغیر ان سے جدا نہیں ہوں گے، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئیں آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا آپ کی قوم کے روسا میں

سے ایک گروہ نے حطیم میں بیٹھ کر باہم عہد و پیمان باندھا ہے کہ اگر آپ کو دیکھیں گے تو سارے حملہ آور ہو جائیں گے اور آپ کے خون مقدس سے اپنا حصہ حاصل کریں گے، آپ نے فرمایا: اے میری لخت جگر! وضو کیلئے پانی لاؤ، انہوں نے پانی پیش کیا تو آپ نے وضو فرمایا اور بیت اللہ شریف اور مسجد حرام میں تشریف لے گئے، جب کفار نے دیکھا تو کہا، یہ رہے محمد مصطفےٰ ﷺ، مگر سب نے آنکھیں نیچی کر لیں اور سب کے گویا پاؤں کٹ گئے، کسی کو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ کوئی شخص اپنی نشست سے اٹھ سکا، سرکار دو عالم ﷺ ان کے سروں پر جا کر کھڑے ہو گئے اور مٹی کی مٹھی اٹھا کر ان پر پھینکی اور فرمایا: بدطینت لوگوں کے چہرے بدصورت ہو گئے، ان میں سے جس کو بھی خاک لگی، وہ میدان بدر میں واصلِ جہنم ہو گیا۔ ﴿الوفاص ۲۳۳﴾

⊙...... ایک روایت ہے کہ آپ طواف کعبہ میں مصروف تھے، کفار حطیم میں بیٹھے آپ پر آوازے کس رہے تھے، آپ کے چہرہ اقدس پر ناراضی اور ناپسندیدگی کے اثرات تھے، آپ تیسری بار گزرے تو پھر انہوں نے اس بے ہودگی کا مظاہرہ کیا، آپ نے فرمایا: اے گروہ قریش! سنتے ہو تو غور سے سن لو، میں اس ذات کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس ہلاکت کا پیغام لے کر آیا ہوں، آپ کا یہ جواب سن کر سبھی دم بخود ہو گئے اور اب یوں سر جھکائے، لبوں پر مہر سکوت لگائے بیٹھے نظر آتے تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، حتیٰ کہ جو شخص قبل ازیں آپ کے خلاف سب سے زیادہ لوگوں کو اکسانے والا تھا وہ احسن انداز گفتگو سے آپ کو راضی کرنے کی کوشش کرنے لگا، اب وہ کہہ رہا تھا، اے ابو القاسم! آپ تشریف لے جائیں درآنحالیکہ آپ راہ راست پر ہیں اور کامیاب ہیں، بخدا میں آپ کے مقام سے جاہل نہیں تھا، ﴿الوفاص ۲۳۴﴾

⊙...... ایک روایت ہے کہ اراش کے ایک آدمی سے ابو جہل بن ہشام نے اونٹ خریدے لیکن قیمت کی ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لینے لگا، وہ اراشی تاجر قریش کے سرداروں کے پاس گیا جو حرم پاک میں بیٹھے ہوئے تھے تا کہ ابو جہل کی سینہ زوری کی شکایت لگائے، انہوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا اگر محمد مصطفےٰ ﷺ ابو جہل سے کہیں گے تو تیرا کام بن جائے گا، وہ شخص مکہ مکرمہ کے حالات سے نا آشنا تھا، اس نے حضور اقدس ﷺ سے امداد کی

درخواست کر دی، حضور اقدس ﷺ کسی سوالی کو مایوس نہیں کرتے تھے، آپ بلا تامل اٹھے اور اس کو ساتھ لے کر ابو جہل کے دروازے پر پہنچ گئے، سردارانِ قریش نے ایک آدمی کو اس واقعے کی خبر لینے کیلئے بھیجا کہ وہاں جا کر دیکھے ابو جہل نے کس طرح حضور اقدس ﷺ کو جواب دیا اور ان کی کیا حالت زار ہوئی، حضور اقدس ﷺ نے دستک دی تو ابو جہل نے پوچھا کون ہے، آپ نے فرمایا: میں محمد ہوں، وہ فوراً باہر آیا، اس کے چہرے کی رنگت زرد ہو چکی تھی اور وہ ہیبتِ مصطفوی سے کانپ رہا تھا، آپ نے فرمایا، ابھی اس اراشی تاجر کی رقم ادا کرو، اس نے دست بستہ ہو کر عرض کیا، جناب میں ابھی رقم ادا کر دیتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں اس نے رقم ادا کی تو آپ نے اراشی تاجر کو رخصت کیا، تاجر نے آ کر سردارانِ قریش کو بتایا کہ حضور اقدس ﷺ نے میری ساری رقم ادا کروائی ہے تو وہ حیران ہو گئے، ادھر ان کے اپنے آدمی نے بھی اطلاع دے دی، کچھ دیر کے بعد ابو جہل بھی آ گیا، لوگوں نے پوچھا، یہ تمہاری کیا حالت ہے، اس نے کہا، تمہیں کیا خبر کہ مجھ پر کیا قیامت ٹوٹی ہے، حضرت محمد ﷺ کی دستک پر میں باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک بڑے سر والا اونٹ مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اگر میں رقم ادا نہ کرتا تو وہ مجھے چبا کر رکھ دیتا، اسی طرح کا ایک واقعہ ایک زبیدی شخص کے ساتھ بھی پیش آیا تھا، آپ نے اس کی رقم بھی واپس کرنے کیلئے ابو جہل کو حکم دیا تو وہ خوفزدہ ہو کر کہنے لگا، بالکل ٹھیک! میں دوبارہ ایسا کام نہیں کروں گا، آپ کے جانے کے بعد امیہ بن خلف وغیرہ نے پوچھا، ابو جہل تم اتنے خوفزدہ کیوں ہو گئے، افسوس تم اتنے کمزور دل ہو، اس نے کہا، میں اس وقت ان کی اطاعت اس لئے کر رہا تھا کہ ان کی دونوں طرف طاقتور جوانوں کے دستے تھے، وہ ہاتھوں میں نیزے لہرا رہے تھے، اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے ہمیشہ کیلئے ختم کر دیتے۔ ﴿سبل الہدیٰ ۲:۵۵۲﴾

کفارِ مکہ کا چوری چھپے قرآن سننا:

ابنِ شہاب زہری کا بیان کہ ایک رات جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں نماز کے دوران قرآنِ پاک پڑھ رہے تھے، ابوسفیان بن حرب، ابو جہل بن ہشام، بنوزہرہ کا حلیف اخنس بن شریق ثقفی اپنے اپنے گھر سے قرآن سننے کیلئے نکلے، ہر آدمی ایک جگہ بیٹھ کر قرآن سننے لگا اور کسی دوسرے کی خبر نہیں تھی، جب صبح صادق طلوع ہوئی تو ہر ایک نے اپنے

اپنے گھر کی راہ لی، راستے میں سب کی ملاقات ہوگئی اور سمجھ گئے کہ کہاں سے آرہے ہیں، اس طرح انہوں نے چوری چوری قرآن سننے پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور کہا، آئندہ ہمیں یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے، اگر کسی بے وقوف نے ہمیں اس طرح دیکھ لیا تو خواہ مخواہ اس کے دل میں شک پڑ جائے گا، یہ کہہ کر وہ اپنے اپنے گھر چلے گئے، دوسری رات پھر وہ اپنی اپنی مجلس میں بیٹھ کر قرآن سنتے رہے، صبح صادق کے وقت وہاں سے نکلے تو راستے میں ملاقات ہوگئی، انہوں نے ایک دوسرے سے وہی کہا جو کل کہا تھا اور اپنے اپنے گھر چلے گئے، تیسری رات بھی یہی ماجرا ہوا، اب تو وہ بہت نادم ہوئے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ عہد کیا، دن نکلنے کے بعد اخنس بن شریق نے لکڑی ہاتھ میں لی اور ابو سفیان کے گھر آیا اور کہنے لگا، اے ابو حنظلہ! جو کچھ تم نے حضرت محمد ﷺ سے سنا ہے، اس کے بارے میں صاف صاف اپنی رائے دو، اس نے کہا، اے ابو ثعلبہ! جو کچھ میں نے سنا ہے، اس سے بعض کو میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سے کیا مراد ہے، بعض کا معنیٰ مجھے سمجھ نہیں آیا اور نہ اس کا پتہ چلا کہ اس سے کیا مراد ہے، اخنس بولا، خدا کی قسم میرا بھی یہی حال ہے، پھر وہاں سے نکل کر ابو جہل کے پاس آیا اور اس سے بھی رائے پوچھی، اس نے کہا، بھائی! ہمارا اور بنو عبد مناف کا عزو شرف میں مقابلہ ہوا، انہوں نے کھانا کھلایا اور ہم نے بھی کھانا کھلایا، انہوں نے مسکینوں کو سواری کیلئے اونٹ گھوڑے دیئے اور ہم نے بھی دیئے، انہوں نے غریبوں میں اپنا مال لٹایا تو ہم نے بھی لٹایا، جب ہم دونوں فریق گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور دونوں گھوڑوں کی طرح میدان میں دوڑنے لگے تو انہوں نے کہا، ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں، خدا کی قسم! ہم تو اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے، یہ سن کر اخنس اٹھ کر چلا گیا۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۱۳، سیرت ابن ہشام ۱: ۳۳۸﴾

مشرکین مکہ اپنے حسد و غرور کی وجہ سے تصدیق اور اتباع پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ سرکشی اور نافرمانی میں پہلے سے زیادہ بڑھ گئے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑا اور کفر و شرک پر اصرار کیا، بعض نے کہا " **لا تسمعوا لهٰذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون** " یعنی اس قرآن کو نہ سنا کرو بلکہ شور و غل مچا دیا کرو شاید تم غالب آجاؤ، یعنی اس کو باطل اور لغو سمجھو

اور اس کا مذاق اڑاؤ، شاید تم اس طریق سے اس پر غالب آ جاؤ، ورنہ اگر تم نے مناظرہ بازی اور مخاصمت طرازی کی راہ اختیار کی تو اس میں تم کامیاب نہیں ہوسکو گے، جب کفار نے ایک دوسرے کو قرآن سننے سے منع کر دیا تو آنحضرت ﷺ کو نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سن کر منتشر ہو جاتے وراس خوف سے کہ مبادہ قرآن ان کے دلوں میں اتر جائے، اپنے اپنے گھر کی راہ لیتے، اس کے بعد اگر کوئی آنحضرت ﷺ کو نماز میں قرآن پڑھتے سننا چاہتا تو ان سے ڈرتا ہوا چوری چوری سنتا، جب اس کو شک پڑتا کہ کسی نے اس کو قرآن سنتے دیکھ لیا ہے تو ان کی ایذا سے بچنے کیلئے وہاں سے چلا جاتا اور اگر آنحضرت ﷺ آہستہ آواز سے پڑھتے اور سننے والا سمجھتا کہ یہ آواز دوسروں تک نہیں پہنچتی، صرف میں ہی سن سکتا ہوں، تو پھر وہ کان لگا کر توجہ سے سنتا، ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ آیت **ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها**، ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے، یعنی اتنی آواز سے نہ پڑھو کہ یہ منتشر ہو جائیں اور نہ اتنی آہستہ آواز سے پڑھو، جو مارے ڈر کے چوری چوری سننا چاہتا ہے وہ بھی نہ سن سکے، شاید یہ قرآن سن کر اس کے دل میں کوئی بات اتر جائے اور اس سے وہ نفع حاصل کرے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۱۱﴾

اہل کتاب سے استفسار:

قریش مکہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت ومخاصمت میں ہر قسم کا حربہ استعمال کیا، انہوں نے باہمی مشاورت کے ساتھ نضر بن حارث اور عتبہ بن ابی معیط کو یثرب کے یہودیوں کے پاس بھیجا تا کہ حضور اکرم ﷺ کے احوال کے بارے میں تحقیق کی جائے، یہودی عالموں اور راہبوں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں تین سوالات بتاتے ہیں، اگر وہ ان کے جوابات عطا کر دیں تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ نہیں۔

⊙...... وہ نوجوان کون تھے جنھوں نے ظالم بادشاہ کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ انہیں کافر ہونے پر مجبور نہ کر دے۔

⊙...... زمین کے مشرقوں اور مغربوں کی سیاحت کرنے والا آدمی کون تھا۔

⊙...... روح کی حقیقت کیا ہے۔

وہ دونوں اچھی طرح ان سوالات کو یاد کر کے واپس آئے اور حضور اکرم ﷺ کے

سامنے پیش کئے، آپ نے نزول وحی کے بعد جوابات دینے کا وعدہ فرمایا، چنانچہ تین دن کے بعد یا بعض روایات کے مطابق پندرہ دن کے بعد سورۃ الکہف نازل ہوئی جس میں ان سوالات کا مکمل جواب موجود تھا، قرآن پاک نے واضح طور پر بتا دیا کہ وہ نوجوان اصحاب کہف تھے، سیاحت کرنے والا آدمی ذوالقرنین تھا اور روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ امر ربی ہے، اس سے زیادہ جاننا انسانی عقل وشعور سے بالاتر ہے، ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۳۲۲﴾

سورۃ الکہف کی ابتدا میں حضور انور ﷺ اور کتاب حکمت کی حقانیت کا ذکر ہے، اب چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اپنے معیار کے مطابق آپ کی نبوت ورسالت کو تسلیم کر لیتے مگر محروم رہے، نہ مکہ مکرمہ کے ان مشرکوں کو ایمان نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کے ان یہودیوں کو اس کی لذت حاصل ہوئی۔

حضرتِ حارث کا قبولِ اسلام:

حضور اکرم ﷺ کے رضاعی والد کا نام حارث ہے، جب آپ نے اپنی بعثت کا اعلان فرمایا تو حضرت حارث آپ سے ملنے کیلئے آئے، قریش مکہ نے ان کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی شکایت کی کہ آپ کا لخت جگر اعلان کر رہا ہے، موت کے بعد اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا ہے، جنت میں نیکوکار داخل ہوں گے اور دوزخ میں گنہگار داخل ہوں گے، آپ کے لخت جگر نے ان عقائد ونظریات کی وجہ سے ساری قوم کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے، حضرتِ حارث یہ تمام باتیں سن کر بہت پریشان ہوئے اور آپ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا، کیا آپ نے یہ سب کچھ کہا ہے، آپ نے فرمایا، بے شک میں یہ سب کچھ کہتا ہوں، جب روز قیامت آئے گا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر یہ باتیں یاد کراؤں گا، حضرتِ حارث پر آپ کی نورانی گفتگو کا بہت زیادہ اثر ہوا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو کر عرض گزار ہوئے:

⊙ ...... اگر میرے لخت جگر نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے یہ باتیں یاد کرائیں تو پھر انشاء اللہ اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک وہ جنت میں داخل نہ کر دے۔ ﴿الروض الانف ۱:۱۸۵﴾

پہلی ہجرت حبشہ کا واقعہ:

بعثت نبوی کے چار سال گزر چکے تھے مگر قریش کے مظالم و شدائد میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ مشرکین نے ان کو اتنا مارا کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے خلاف کچھ نہ کچھ کہہ گئے اور پھر موقعہ پا کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر معذرت کی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری:

⊙......**من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان**، جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہوا سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، ﴿سورۃ النحل آیت:۱۰۶﴾

یہ واقعہ حالات کی سختیوں اور آزمائشوں کی بہت بڑی مثال ہے جب اہلِ اسلام پر ظلم و ستم حد سے بڑھا تو آپ ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی اجازت دی اور فرمایا، وہاں کا بادشاہ عادل ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا لہٰذا تم اس کے ملک میں چلے جاؤ، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۲۳﴾ سورۃ الزمر میں بھی ہجرت کا اشارہ ملتا ہے، جن لوگوں نے اچھے عمل کئے ان کیلئے اس دنیوی زندگی میں نیک بدلہ ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے اور بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا، قرآن اور حضور اقدس ﷺ کے فرمان کے مطابق مسلمانوں نے ہجرت حبشہ کا ارادہ کر لیا، وطن عزیز کے ساتھ ان کی وابستگی بہت زیادہ تھی لیکن اپنی دولتِ ایمان کو بچانا اور اسے ساری دنیا تک پہنچانا ایک عظیم نصب العین تھا، چنانچہ بعثتِ نبوی کے پانچویں سال، رجب المرجب کے مبارک مہینے میں بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل قافلہ ملک حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کاروان وفا کے سالار تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان کو اور ان کی زوجہ مکرمہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر فرمایا:

⊙......**انھما اول بیت ھاجر فی سبیل اللہ بعد ابراھیم ولوط علیھما السلام**، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کے بعد ان دونوں کا پہلا

گھرانہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت فرمائی ہے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی ہجرت پر روانہ ہوئیں تاکہ دخترِ رسول حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت گزاری کے فرائض سرانجام دے سکیں، ان کے علاوہ باقی مہاجرینِ کرام کے اسما مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت ابوسلمہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت سہلہ، بنت سہیل، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ، حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم، حضرت حاجب بن معمر، حضرتِ سہیل بن وہب اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم

مسلمانوں کا یہ قافلہ رات کی تاریکی میں عازم سفر ہوا، بحر حجاز پر ایک بندرگاہ تھی جس کا نام شعیبہ تھا، یہ بندرگاہ جدہ شریف سے جنوب کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر واقع تھی، مسلمان وہاں سے ایک کشتی پر سوار ہوئے جو حبشہ کو جا رہی تھی، انہوں نے ایک آدمی کے بدلے نصف دینار کرایہ ادا کیا، ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمان ساحل سمندر پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بنا دیا کہ تاجروں کے دو جہاز حبشہ کی طرف جانے کیلئے تیار کھڑے تھے، انہوں نے ان کو سوار کر لیا اور حبشہ کے ملک میں پہنچا دیا، قریش مکہ کو ان کی ہجرت کی خبر ہوئی تو تعاقب میں نکلے مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ مسلمان جزیرہ عرب کو چھوڑ چکے تھے، حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو مسلمانوں کی آمد کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا اور انہیں ٹھہرنے کیلئے بہت اچھی جگہ پیش کی، مسلمان اس بادشاہ کے زیر سایہ بہت پرامن اور آزاد ماحول میں زندگی بسر کرنے لگے جہاں کوئی بھی ان کی عزت نفس کو مجروح کرنے والا نہیں تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے تمہاری ہجرت گاہ خواب میں دیکھی ہے جو کھجوروں والی ہے اور دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، پس کچھ لوگ براہ راست مدینہ منورہ ہجرت کر گئے اور بعض نے سرزمین حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، پھر وہ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے، اسے ابوموسیٰ اور اسما نے بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہم سے اس گرجے کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، جس میں بہت سی تصویریں تھیں، پھر ہم نے اس کا نبی اکرم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا، جب ان میں کوئی نیک آدمی ہوتا اور مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اسکی تصویر اس میں نقش کر دیتے، قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہوں گے، ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میں حبشہ سے آئی تو چھوٹی سی بچی تھی، پس رسول اللہ ﷺ نے مجھے اوڑھنے کیلئے دوپٹہ مرحمت فرمایا جس پر درختوں کی تصویریں تھیں، پھر رسول اللہ ﷺ ان پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے رہے اور فرماتے رہے! ''سناہ، سناہ'' حضرت حمیدی کہتے ہیں، یعنی اچھی ہے، اچھی ہے، ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہمیں حضور اقدس ﷺ کے ہجرت فرمانے کی اطلاع ملی تو ہم یمن میں تھے، پھر ہم ایک کشتی پر سوار ہوئے تو اس نے ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں پہنچا دیا، وہاں ہمیں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مل گئے، پس ہم بھی ان کے ہمراہ رہنے لگے، پھر ہم فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس وقت فرمایا: اے کشتی والو! تمہارے لئے دو ہجرتوں کا ثواب ہے، ﴿بخاری کتاب المناقب﴾ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد پچاس تھی، ایک روایت میں ہے کہ وہ یمن سے مدینہ منورہ کیلئے عازم سفر ہوئے تھے مگر سمندری طوفان نے ان کی کشتی کو حبشہ کے ساحل پر پہنچا دیا۔

ہجرتِ حبشہ کے اسباب:

مسلمانوں نے ہجرت کیلئے ملک حبشہ کا کیوں انتخاب کیا، اس کے کئی اسباب ہیں:

⊙...... حبشہ کا بادشاہ نہایت رحم دل، غریب نواز اور انصاف پرور تھا، اسلام کے ان مسافروں کو اس کی اعلیٰ صفات سے خیر وفلاح کی بھرپور توقع تھی۔

⊙...... ملک حبشہ جزیرہ نمائے عرب سے بہت قریب واقع ہے، وہاں کا سفر دیگر علاقوں کی نسبت زیادہ آسان تھا، وہ اس آسان سفر کو اختیار کر کے کفار مکہ کے ظلم وستم سے جلد از جلد

آزادی حاصل کر سکتے تھے۔

⦿...... ملک حبشہ کے ساتھ عربوں کے دیرینہ تعلقات تھے، حضرت ہاشم نے قیصر روم سے بادشاہ حبشہ کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھوایا تھا جس کی بدولت عربوں کو وہاں تجارت کی کھلی اجازت حاصل ہو گئی تھی، لہذا عربوں نے حبشہ کے اکثر علاقے اچھی طرح دیکھے ہوئے تھے، وہاں کی آب وہوا بھی مکہ مکرمہ کے مطابق تھی لہذا ان عربوں کیلئے سازگار تھی۔

⦿...... ملک حبشہ میں عیسائی آباد تھے، ان لوگوں کے سامنے اسلام کی حقانیت کو بیان کرنا اشد ضروری تھا، اس کے واضح اثرات بھی ظاہر ہوئے، جیسا کہ بادشاہ حبشہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضور پیغمبر نور ﷺ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی۔

⦿...... ان تمام اسباب سے بڑھ کر حضور اقدس ﷺ کا حکم یہ تھا کہ مسلمان ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں، اہل ایمان کے نزدیک آپ کے فرمان سے زیادہ کوئی چیز قابل محبت نہیں تھی لہذا وہ اپنے وطن عزیز جیسی نعمت کو بھی قربان کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔

اہلِ اسلام کی فوری واپسی:

کاروان ہجرت رجب المرجب میں روانہ ہوا، شعبان المعظم اور رمضان المبارک کے دو مہینے وہاں گزارے، وہاں ان کو ایک اطلاع موصول ہوئی کہ کفار مکہ نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ صلح کر لی ہے اور آپ کی ایذارسانی سے ہاتھ روک لیا ہے تو یہ لوگ شوال المکرّم میں مکہ شریف واپس آ گئے، بعض مورخین کے نزدیک اس غلط اطلاع کا باعث ایک عجیب وغریب قسم کا واقعہ ہے، حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ سورۂ نجم پڑھ رہے تھے، جب آپ آیت" افریتم اللت والعزیٰ ○ ومنوۃ الثالثۃ الاخریٰ" پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی آواز سے آواز ملا کر کہا، تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ، یعنی لات، عزیٰ اور منات کے بت بھی بڑے بلند قدر ہیں اور ان کی سفارش کی بھی امید کی جاسکتی ہے، یہ سن کر مشرکوں نے کہا، یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس نے ہمارے بتوں کا ذکر خیر کیا ہے اور یہ تو ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا اللہ ہے لیکن یہ بت اللہ کے ہاں اپنے عقیدتمندوں کی سفارش کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب سورت کے اختتام پر آپ نے اور مسلمانوں نے سجدہ کیا تو مشرکوں نے بھی سجدہ کیا، قریش کے ایک بوڑھے

نے ہاتھ میں کنکر لے کر اپنی پیشانی پر رکھ دی اور کہا، میرے لئے اتنا ہی کافی ہے، آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ پر بڑا رنج ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا خوف پیدا ہوا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرما کر آپ کا خوف دور کیا، **وما ارسلنک من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیته......** ﴿سورۃ الحج:۵۲﴾ جب آنحضرت ﷺ نے بتوں کے عیب بیان کرنے اور ان کی کمزوری ظاہر کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ ایذارسانی پر اُتر آئے اور اہل اسلام پر پہلے سے بھی زیادہ تشدد کرنے لگے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص۱۶۴﴾

بعض مورخین نے یہ عجیب وغریب قسم کا واقعہ تو لکھ دیا، لیکن حضور اکرم ﷺ کی عصمتِ ربانی کے عظیم منصب کو فراموش کر گئے، اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ شیطان نے خود اعتراف کیا تھا، تیرے بندوں پر اس کا داؤ کارگر نہیں ہو سکتا، ﴿سورۃ الحجر:۴۰﴾ وہ برگزیدہ بندوں پر تسلط نہیں جما سکتا اور فرمایا، اے محبوب آپ فرما دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی مرضی سے ردوبدل کرنے کی مجال نہیں رکھتا، میں تو وحی الٰہی کی اطاعت کرتا ہوں، ﴿سورۃ یونس:۱۵﴾ اور فرمایا، اگر وہ ایک بات بھی اپنی جانب سے بیان کرتے تو ہم ضرور ان کو پکڑ لیتے اور پھر ان کی رگ دل کو کاٹ دیتے اور کوئی ہمیں روکنے والا نہ ہوتا، ﴿سورۃ الحاقہ:۴۷﴾، پھر کیسے ممکن تھا کہ زبان نبوت کے ساتھ زبان شیطنت بھی شامل ہو گئی، واضح حدیث پاک ہے کہ شیطان میری مثل نہیں بن سکتا، پھر کس طرح اس کی آواز حضور اقدس ﷺ کی آواز کے مشابہ بن گئی، پھر جس سورت مبارکہ میں ان "شیطانی الفاظ" کے شامل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا آغاز ہی بتا رہا تھا کہ یہ واقعہ سراسر غلط ہے، ارشاد ربانی ہے:

⊙......**والنجم اذا ھویٰ ○ ماضل صاحبکم وما غویٰ ○ وما ینطق عن الھویٰ ○ ان ھو الا وحی یوحیٰ ○** اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے، تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو ان کو کیجاتی ہے، ﴿سورۃ النجم:۱۔۴﴾

صاحبکم سے مراد سید عالم ﷺ ہیں، معنیٰ یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے کبھی طریق

حق وہدایت سے عدول نہ کیا، ہمیشہ اپنے رب کی توحید وعبادت میں رہے، آپ کے دامن عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد نہ آئی اور بے راہ چلنے سے یہ مراد ہے کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ رشد وہدایت کی اعلیٰ منزل پر متمکن رہے، اعتقاد فاسد کا شائبہ بھی کبھی آپ کے حاشیہ بساط تک نہ پہنچ سکا، یہ جملہ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضور انور ﷺ کا بھٹکنا اور بے راہ چلنا ممکن ومتصور ہی نہیں کیونکہ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں، جو فرماتے ہیں وحی الٰہی ہوتی ہے، اس میں حضور پرنور ﷺ کے خلق عظیم اور اعلیٰ منزلت کا بیان ہے، نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کردے، ﴿تفسیر کبیر﴾ اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں فنا کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا، تجلی ربانی کا یہ استیلائے تام ہوا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے، ﴿تفسیر روح البیان، خزائن العرفان ص ۶۳۲﴾ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بے شک اس پر امت محمدیہ کا اجماع ہے کہ کلام الٰہی کی تبلیغ میں حضور اکرم ﷺ سے ہرگز کوئی خطا سرزد نہیں ہوسکتی، نہ قصداً، نہ عملاً، سہواً، نہ غلطاً، سورت مبارکہ کا یہ ابتدائی حصہ ہی ثابت کررہا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کسی طرح بھی شیطان کے بہکاوے میں نہیں آسکتے اور نہ ہی آپ کے قدم راہ راست سے ڈگمگا سکتے ہیں، قرآن پاک کے بارے میں خود رب کائنات کا اعلان ہے کہ باطل اس کے آگے سے داخل ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے شامل ہوسکتا ہے، پھر اس واقعہ کے سراسر غلط ہونے کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ یہ واقعہ بعثتِ نبوی کے پانچویں سال میں واقع ہوا، جبکہ سورۃ النجم کے مضامین بتارہے ہیں کہ یہ سورت پانچویں سال میں نازل نہیں ہوئی، اس کی ابتدائی آیتوں میں معراج النبی ﷺ کا تذکرہ ہے، خصوصاً، عند سدرة المنتهىٰ ○ عندها جنة المأوىٰ ○ یہ دو آیتیں اس امر پر قطعی دلالت کرتی ہیں کہ اس سورت کے ابتدائی حصہ میں ان احوال کا بیان ہے جو سفر معراج میں پیش آئے کیونکہ علیٰ اختلاف الروایات وہاں جبریل امین کا دیدار ہوا ہو یا رویت باری کا شرف حاصل ہوا ہو، یہ رویت بہر حال سورۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہوئی اور سدرۃ المنتہیٰ پر حضور ﷺ کی معراج کی رات میں تشریف آوری ہوئی ہے، اس سے پہلے نہیں ہوئی، اور معراج کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل وقوع پذیر

ہوا، اس لئے وہ سورت جس میں ایسا واقعہ مذکور ہے جو نبوت کے دسویں سال یا گیارہویں سال رونما ہوا، اس سورت کا نزول نبوت کے پانچویں سال کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔﴿ضیاء القرآن ۵:۶﴾ اب ذرا غور کیجئے کہ جب نبوت کے پانچویں سال میں سورت نازل ہی نہیں ہوئی تھی تو اس کی تلاوت کا کیا مطلب اور اسمیں ''شیطانی الفاظ'' کے دخول کا کیا معنیٰ؟ پھر یاد رہے کہ مہاجرین حبشہ کی فوری واپسی کا سبب یہ واقعہ نہیں تھا، حضرت امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے ہجرت حبشہ کے مفصل حالات قلمبند کیے ہیں، انہوں نے کہیں بھی اس قسم کے واقعہ کا ذکر نہیں کیا، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے ہجرت حبشہ کے واقعات لکھے ہیں، وہاں اس واقعہ کا ذکر تک نہیں، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے صحن حرم میں ایک مجمع عام کے سامنے اسکی تلاوت فرمائی اور آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد آپ نے خود بھی سجدہ کیا اور تمام حاضرین نے بھی سجدہ کیا، جن میں مسلمان اور مشرک، جن اور انسان سب شامل تھے، اس روایت میں نہ حبشہ کے مہاجرین کا ذکر ہے اور نہ ان ''شیطانی الفاظ'' کا تذکرہ ہے اور نہ پانچویں سال کی تخصیص ہے، حضرت امام مسلم، حضرت امام نسائی، حضرت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اس قسم کے واقعہ کا ذکر نہیں کیا، اس واقعہ کے باطل ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ''تلک الغرانیق'' والے شیطانی الفاظ کے فوراً بعد قرآنی آیات تلاوت ہوئیں جن میں ارشاد باری ہے: یہ وہ نام ہیں جو تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے متعلق کوئی دلیل نازل نہیں کی، یہ لوگ گمان کی پیروی کرتے ہیں اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں، اب بتائیے ان آیات کی فوری تلاوت سے مشرکین کیسے آپ ﷺ پر راضی ہو سکتے تھے اور کیا ایسا متضاد کلام قرآن اور صاحب قرآن سے متوقع ہو سکتا ہے، اب ذیل میں چند محققین کرام کی آرا نقل کی جاتی ہیں تاکہ شبہات کی تاریکی، روشنی میں تبدیل ہو جائے:

⊙...... حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس قصہ کی صحت اور اس حادثہ کے وقوع میں اہل علم کلام کرتے ہیں، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفا میں بحث کر کے اس کی اصلیت کو شافی ووافی طریقہ پر ضعیف قرار دیا ہے، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی تفسیر

میں کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زبعری کی افترأت میں سے ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ زبان حق ترجمان، صاحب ما ینطق عن الھویٰ سے بتوں کی تعریف ہو جائے اور یہ ناممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو، خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلہ میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی اور برخلاف ہو، اور بیہقی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ نقل و روایت کے اعتبار سے یہ نادر و عزیب قصہ ثابت ہے اور اس کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے کہ سب کے سب مطعون ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۶۷﴾ یہ قصہ عقلاً اور نقلاً وجوہ کثیرہ سے باطل ہے اور یہ روایت موضوع ہے، ﴿اشعۃ اللمعات ۱:۴۴۷﴾ حضرت بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ پر کھل کر لکھا ہے کہ یہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے محال ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے اور یہ منقول نہیں نیز اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے مخفی نہ رہتا، ﴿عمدۃ القاری، ۱۹:۶۶﴾

⊙ ...... حضرت امام علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ باطل قول ہے اور زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے، ﴿مرقات ۳:۳۲﴾ حضرت امام محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ روایت باطل ہے، عقلاً صحیح نہ نقلاً ﴿شرح بخاری ۱۸:۱۱۶﴾ حضرت امام ابو البرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو باطل قرار دیا ہے، ﴿مدارک ۳:۳۱۳﴾

⊙ ...... حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس روایت کو بیان کرنے والوں نے جو اس کی مختلف تاویلوں کا سہارا لیا ہے تو اس کی کوئی تاویل بھی صحیح نہیں، اس کا کوئی صحیح موقع تلاش نہیں کیا جا سکتا، یہ روایت اپنی تمام تر تاویلات اور احتمالات کے ساتھ مسترد کرنے کے لائق ہے، ﴿تفسیر کبیر ۶:۱۶۹﴾

⊙ ...... حضرت امام ابو عبد اللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس واقعہ کی جتنی بھی روایات منقول ہیں وہ سب باطل ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں ہے لہذا اس واقعہ کی تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کوئی صحیح سند بھی مل جائے تو پھر بھی ناقابلِ التفات ہو گی کیونکہ یہ روایت قرآن پاک سے متصادم ہے، ﴿تفسیر احکام القرآن﴾

⊙ ...... امام ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو مردود قرار دیا ہے، ﴿البحر المحیط ۲:۳۸۲﴾

⊙ ...... حضرت امام محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب قصص الاتقیا میں ذکر فرمایا ہے کہ "تلک الغرانیق" والا واقعہ ان باتوں میں سے ایک ہے جو شیطان اپنے زندیق دوستوں کے دلوں میں القا کرتا ہے، حضرت رسالت ﷺ اس قسم کی روایات سے بری ہیں، ﴿روح المعانی ۱۷: ۱۷۷﴾

⊙ ...... حضرت شیخ عبدہٗ فرماتے ہیں، اصنام کیلئے غرانیق کے لفظ کا استعمال عربی نظم ونثر میں کبھی نہیں کیا گیا اور نہ کبھی یہ سننے میں آیا ہے کہ عرب میں کسی نے اپنے معبودوں کے متعلق غرانیق کا لفظ استعمال کیا، غرنوق یا غرنیق عربی میں سفید یا سیاہ فام مرغابی یا سفید فام جوان رعنا کیلئے مستعمل ہوا ہے اور ان میں سے کوئی معنیٰ بھی معبودیت کے مفہوم سے مناسبت نہیں رکھتا، ﴿سیرۃ الرسول ص ۲۱۶﴾ لہذا ایسے غیر مانوس الفاظ افصح العرب کی زبان پر کیسے آسکتے ہیں، یہ بھی اس واقعہ کے باطل ہونے کی دلیل ہے، شیخ عبدہٗ نے مزید کہا ہے کہ عصمت انبیا کا عقیدہ عند الشرع مطلوب ہے، جو روایت ایسے عقیدے کو نقصان پہنچائے اسکو قطعی طور پر جھوٹ قرار دینا واجب ہے، جب اس قسم کی مرفوع روایت کے متعلق بھی یہ حکم ہے تو مرسل روایات کی کیا حیثیت ہوگی۔ ﴿محمد رسول اللہ ۲: ۱۵۰﴾ ان کے علاوہ حضرت امام نووی نے شرح مسلم میں اور حضرت امام زرقانی نے شرح مواہب میں اس واقعہ کو موضوع قرار دیا ہے۔

⊙ ...... مشہور محقق جناب محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں، داستان غرانیق جسے مفسرین اور مصنفین سیرت نے اپنے اپنے انداز میں نقل کیا ہے اور مستشرقین نے بھی زور بیان صرف کیا ہے لیکن یہ داستان اتنی غیر مربوط اور اتنی مبہم ہے کہ بادنیٰ تامل اسکی بے سروپائی ظاہر ہو جاتی ہے، علاوہ بریں عصمتِ انبیا کی قرآنی حقیقت کی بھی اس سے نفی ہوتی ہے حالانکہ یہ چیز منجملہ لوازم نبوت ورسالت ہے، حیرت کا مقام ہے کہ مسلمان مفسرین اور مصنفین نے بھی اس داستان کو اہمیت دی البتہ ابنِ اسحاق سے جب اس داستان کے بارے میں استفسار کیا گیا تو اس محدث ومفسر نے بلا تامل کہا کہ یہ داستان زنادقہ کی من گھڑت ہے، مگر جو لوگ اس داستان کی صحت کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل آیات اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں:

⊙......وما ارسلنا من قبلک........................ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی مگر یہ کہ جب اس نے ہماری آیات کی تلاوت کی تو تلاوت کے دوران شیطان نے کوئی بات لوگوں کو القا کی لیکن اللہ اس چیز کو ختم کر دیتا ہے جو شیطان القا کرتا ہے، پھر اللہ اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے اور اللہ ہے علم والا، حکمت والا یہ اس لئے ہے تا کہ وہ شیطان کی القا کی گئی باتوں کو ان لوگوں کیلئے آزمائش بنائے جن کے دلوں میں بیماری اور سختی ہوتی ہے اور بے شک ظالم لوگ سخت ترین اختلاف میں مبتلا ہیں۔ ﴿سورۃ الحج،۵۱،۵۲﴾

آیت وما ارسلنا کا داستان غرانیق سے مطلق کوئی تعلق نہیں ہے، اس داستان کی بے سروپائی کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ جن کلمات کا رسول کریم ﷺ کی زبان پر جاری ہونا ظاہر کیا گیا ہے اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں......روایات کے اختلاف اور تعدد سے یہ چیز پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ ابن اسحاق کا بیان ہے، یہ روایت بے دینوں نے وضع کی ہے اور اس سے ان کا ناپاک مقصد یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت مشتبہ اور آپ کے اوپر نازل شدہ کلام کی صحت مخدوش ہو جائے، ﴿سیرۃ الرسول ص ۲۱۰،۲۱۴﴾

سورۃ الحج کی آیت وما ارسلنا من قبلک سے واقعی اس واقعہ کا کوئی تعلق نہیں بنتا، حضرت علامہ ابن حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس آیت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو رحمت عالمیان ﷺ کی طرف منسوب کی جا سکے بلکہ اس میں صرف پہلے رسولوں اور نبیوں کا ذکر ہے اس لئے اس آیت سے یہ اخذ کرنا کہ حضور اکرم ﷺ سے کوئی فعل سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی سرے سے ہی غلط ہے، ﴿بحوالہ ضیاء القرآن ۳:۲۲۶﴾

حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں، نیز یہ امر بھی غور طلب ہے کہ یہ آیت "وما ارسلنا من قبلک" مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور سورۃ النجم کا نزول اور یہ قصہ جو گھڑا گیا ہے، اس کا وقوع ہجرت سے کئی سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا تو عجیب بات یہ تھی کہ حضور کو نعوذ باللہ ایسا کرنے سے جو حزن و ملال ہوا اس کو دور کرنے کیلئے اتنے عرصہ دراز تک کوئی آیت نازل نہ ہوئی اور کئی سالوں کے بعد اللہ تعالیٰ کو خیال آیا کہ اپنے رسول کو مطمئن کرے اور یہ آیت نازل کی، کیا ایسی بے تکی بات کوئی صاحب عقل سلیم تسلیم کر سکتا ہے،

﴿ضیاء القرآن ۳:۲۲۶﴾ قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کا صحیح مفہوم بیان کیا جائے تو بغیر کسی سہارے کے بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

صحیح مفہوم یہ ہے کہ آپ سے پہلے جتنے رسول اور نبی مبعوث ہوئے ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ جب انہوں نے اللہ کی آیات لوگوں کو سنائیں تو شیطان نے ان لوگوں کے دلوں میں ان آیات کے متعلق شبہات القا کر دیئے لہذا ان لوگوں نے اپنی قلبی بیماری کے ہاتھوں مجبور ہو کر قبول آیات کی بجائے ان رسولوں اور نبیوں کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی، یہ مفہوم اور بھی آیات میں مذکور ہے، مثلاً فرمایا: **ان الشیاطین لیو حون الی اولیا ھم لیجاد لو کم،** بے شک شیطان اپنے دوستوں کو القا کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ مجادلہ کریں، ﴿سورۃ الانعام:۱۲۱﴾ ایک اور آیت میں مذکور ہے، شیطان جن اور انسان لوگوں کو فریب زدہ کرنے کیلئے دلکش باتیں القا کرتے ہیں، ﴿سورۃ الانعام:۱۱۲﴾ ایک اور آیت میں مذکور ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو، ﴿سورۃ الناس:۵﴾ یہی معاملہ حضور اکرم ﷺ کے دشمنوں نے اختیار کیا، آپ کوئی آیت تلاوت کرتے تو شیطان اس کے بارے میں عجیب وغریب قسم کے وسوسے کفار مکہ کے دل و دماغ میں القا کر دیتا اور وہ دشمنی اور باطل پرستی میں مزید مضبوط ہو جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ کمال حکمت سے شیطان کے القائی تصورات کی قلعی کھول دیتا اور پھر صداقت نکھر کر سامنے آجاتی تو ہٹ دھرم لوگ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے جبکہ طالبان حق کیلئے تذبذب کے جملہ امکان ختم ہو جاتے، اس آیت کا یہ صحیح مفہوم اتنا صاف اور واضح ہے کہ اس کیلئے کسی فرضی واقعہ کو گھڑنے کی قطعی ضرورت نہیں۔

فوری واپسی کے اسباب:

سر ولیم میور اور اس طرح بعض دیگر مستشرقین نے واقعہ غرانیق کو ہجرت حبشہ سے مسلمانوں کی فوری مراجعت کا سبب قرار دیا ہے اور حضور پیغمبر نور ﷺ کی عصمت ربانی پر حرف اعتراض بلند کیا ہے، حالانکہ اس دور کے حالات کا درست تجزیہ کیا جائے تو اس فوری مراجعت کے اسباب کچھ اور دکھائی دیں گے، حضرت امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

⊙ ......**وبلغ اصحاب رسول اللہ ﷺ الذین خرجوا الی ارض**

الحبشہ اسلام اھل مکة فا قبلو الما بلغھم من ذالک حتیٰ اذا دنوا من مکة بلغھم ان ما کانوا تحد ثوابه من اسلام اھل مکة کان باطلاً، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام جو سرزمین حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے، انہیں یہ خبر ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ واپس آ گئے لیکن جب وہ مکہ مکرمہ کے قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط تھی۔ (سیرت ابن ہشام ۱: ۳۸۸)

اس مراجعت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ قریش کو مسلمانوں کی روز افزوں طاقت اور شیرازہ بندی سے سخت تشویش لاحق ہوئی، اس وقت تک مختلف قبائل کے افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور یہ اندیشہ تھا کہ اگر انہیں ایذا دی گئی تو قبائل دینی اختلاف سے قطع نظر محض خاندانی عصبیت کی بنا پر جنگ کیلئے آمادہ ہو جائیں گے، اس اندیشہ نے قریش کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے مقابلہ کیلئے کوئی ایسی راہ اختیار کریں جس میں خطرات کم سے کم ہوں، اسی کشمکش میں انہوں نے مسلم آزاری کا سلسلہ ترک کر دیا، چنانچہ مہاجرین حبشہ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے مکہ کو واپسی کا ارادہ کر لیا، ان جملہ اسباب کے باوجود یہ ممکن تھا کہ مسلمان حبشہ سے واپسی میں شامل ہوتے، لیکن انہیں ایام میں ایک واقعہ پیش آیا، جس کی بنا پر مہاجرین حبشہ کی مراجعت وطن ناگزیر تھی، واقعہ یہ کہ حبشہ میں بغاوت کی آگ پھوٹ پڑی، اس بغاوت کا ایک یہ بھی سبب تھا کہ ایک گروہ نے نجاشی پر الزام عائد کیا کہ اس نے مسلمانوں کی سرپرستی کے پردے میں اپنے دین سے قطع تعلق کر لیا ہے، مسلمانوں کی دلی خواہش تھی کہ نجاشی باغیوں پر غالب آئے لیکن وہ حبشہ میں نووارد تھے، اسلئے بغاوت فرو کرنے میں حکومت کو مدد نہیں دے سکتے تھے، لہذا جب انہیں پتہ چلا کہ قریش نے آنحضرت ﷺ سے صلح کر لی ہے تو انہوں نے بہتر یہی سمجھا کہ بغاوت حبش کی بھڑکتی ہوئی آگ سے بچ کر مکہ مکرمہ کا رخ کریں، لیکن ابھی منزل مقصود تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ قریش نے فیصلہ کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ اور ان کے رفقا سے دوستانہ روابط قائم نہیں رکھیں گے نیز یہ عہد بھی کیا کہ بنی ہاشم سے ہم ہر قسم کے معاشرتی تعلقات قطع کر دیں گے، اس عہد کی تحریر میں یہ شرطیں بھی تھیں کہ ہم بنی ہاشم سے نہ نکاح کریں گے اور نہ کسی قسم کا تجارتی لین دین رکھیں گے، اس طرح قریش کا یہ نیا اقدام پہلے سے بھی بہت سخت

تھا، مہاجرین حبشہ نے یہ نقشہ دیکھا تو حبشہ کو الٹے لوٹ گئے، یہی نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بھی جو اس سفر کی طاقت رکھتے تھے ان کے ہمراہ ہو لئے، اس بار مہاجرین کی واپسی میں قریش نے مزید مزاحمت کی اور مہاجرین کو ان کے ہاتھوں سخت ترین تکالیف پہنچیں، ﴿سیرۃ الرسول ۲۱۳﴾ اس مراجعت کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے، مہاجرین حبشہ کو معلوم ہوا کہ حضرت امیر حمزہ اور حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہما مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں، لیکن ان دونوں ہستیوں کا اسلام تو بعثت نبوی کے دوسرے سال ہی ثابت ہو چکا تھا، اور ان کی برکت سے عام مسلمان بھی اپنے اسلام کا اظہار کر چکے تھے اور انہوں نے شدید قسم کی تکالیف کا سامنا بھی کر لیا تھا، لہذا یہ سبب دور از کار ہے، ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

ایک اشکال کا جواب:

یہاں ایک اشکار جنم لیتا ہے کہ اگر یہ واقعہ غلط ہے تو کفار مکہ نے حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ سجدہ کیوں کیا تھا، کفار مکہ کا سجدہ کرنا روایت صحیحہ سے ثابت ہے یاد رہے کہ اس کا سبب یہ واقعہ نہیں، قرآن پاک کا حسن اعجاز ہے جس نے اہل زبان کو زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا تھا، سورۃ النجم کے اسلوب بیان اور تاثیر کلام سے کفار مکہ سراپا استعجاب بن گئے، جب آپ نے سجدہ فرمایا تو وہ بھی بے ساختہ سجدہ ریز ہو گئے، بعد میں اپنے اس فعل پر پشیمان بھی ہوئے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور، قرآن پاک کا سرور اور حضور اقدس ﷺ کی زبان کا نور تھا جس نے کافروں کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

مہاجرین حبشہ اور قریش:

مہاجرین حبشہ میں سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے تو ولید بن مغیرہ نے ان کو پناہ دی، آپ پر امن زندگی گزارنے لگے مگر جب دیکھا کہ اہل اسلام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں تو آپ نے ولید بن مغیرہ کی پناہ واپس کر دی، یہ آپ کی غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کی روشن دلیل ہے، پھر آپ کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اس دوران ایک واقعہ رونما ہوا، حضرت عثمان بن مظعون اور مشہور شاعر لبید بن ربیعہ قریش کی محفل میں آئے، لبید نے یہ مصرعہ پڑھا:

الا کل شی ما خلا اللہ باطل

خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لبید! تو نے سچ بولا ہے، پھر اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا:

کل نعیم لا محالہ زائل

اس پر آپ نے فرمایا، تو نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ جنت کی نعمتیں ہرگز ختم نہ ہوں گی، لبید نے یہ تنقید سن کر کہا، اے گروہ قریش! پہلے تو تم اپنے مہمان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتے تھے، ایک شخص نے کہا، لبید! ناراض کیوں ہوتے ہو، یہاں ایک گروہ ایسا ہے جو ہمارے خداؤں کا منکر ہے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی اسے جواب دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے آپ کی آنکھ پر تھپڑ رسید کر دیا جس سے وہ پھول گئی، ولید بن مغیرہ نے کہا، اے عثمان! جب تم میری پناہ میں تھے تو کیا ایسا ممکن تھا، آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم میری دوسری آنکھ بھی چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں تکلیف برداشت کرے، یاد رکھو میں اس خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ عزت والا اور طاقت والا ہے، ﴿سبل الہدی ۲: ۴۹۰﴾ امام واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سیدھے عثمان بن عبداللہ المغیرہ کے پاس گئے اور گھونسہ مار کر اس کی ناک توڑ دی، اس طرح انہوں نے اس سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا بدلہ لے لیا ﴿معارج النبوۃ ۲: ۲۶۶﴾ حضرت ابو سلمہ نے حضرت ابو طالب کی پناہ حاصل کی تو بنو مخزوم کے کچھ افراد نے آ کر اعتراض کیا کہ آپ نے ہمارے قبیلے کے فرد کو کیوں پناہ دی ہے، حضرت ابو طالب نے کہا، یہ میرا بھانجا ہے، اس نے پناہ مانگی تو میں کس طرح جواب دیتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی نے پناہ نہ دی تو آپ تھوڑا عرصہ قیام کرنے کے بعد دوبارہ ملکِ حبشہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔

دوسری ہجرتِ حبشہ کا واقعہ:

صراطِ مستقیم کے آبلہ پا مسافر سامراجی نظام کے جور و استبداد کی وجہ سے کسقدر تنگ آ گئے کہ انہیں ایک بار پھر عازم سفر ہونا پڑا، اس دفعہ مسلمان ہونا ہی ان کا جرم نہیں تھا بلکہ ان کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک نے بھی کفار مکہ کے غیظ و غضب میں اضافہ کر دیا۔ اس بار بھی ان کی منزل مقصود حبشہ کی سرزمین تھی، دوسری ہجرت حبشہ کے موقعہ پر

مہاجرین کی تعداد تراسی تھی، یہ امام واقدی کا قول ہے جبکہ امام ابنِ اسحاق کے نزدیک ان کی تعداد اسی سے زیادہ تھی، ان میں حضرت عمار بن یاسر بھی شامل تھے اوران میں اٹھارہ خواتین بھی شامل تھیں،، گیارہ خواتین کا تعلق قریش کے ساتھ تھا، باقی سات خواتین دوسری اقوام سے تھیں، مہاجرین کے اس کاروان میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، باقی افراد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ بنت رسول رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں، یہ دوسری ہجرت پر بہت زیادہ آزردہ خاطر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! ہماری دونوں ہجرتیں آپ کے بغیر ہی نجاشی کی طرف ہوئیں، اس پر آپ نے فرمایا، تم لوگ اللہ اوراسکے رسول کی طرف ہجرت کر رہے ہو، حضرت عثمان نے عرض کیا، پھر ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے، ﴿طبقات ابن سعد ۱: ۲۰۷﴾ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ قریش مکہ کے نامور سردار عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے، حضرت فراس بن نضر رضی اللہ عنہ اسلام کے بہت بڑے دشمن نضر بن حارث کے دلبند تھے، حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ وادی مکہ کے سردار ابوجہل بن ہشام کے برادر حقیقی تھے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق کے برادر نسبتی تھے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا خاندان بنوامیہ کے سرداراور قریش کے وزیر دفاع ابوسفیان بن حرب کی بیٹی تھیں، حضرت ابوسبرہ بن ابی رھم رضی اللہ عنہ قریش کے سفیر، خطیب اور امیر سہیل بن عمرو کے داماد تھے، دیکھا آپ نے یہ وفا شعار لوگ کن گھرانوں کے چشم و چراغ تھے، ہجرت کے موقع پر ان گھرانوں پر کیا گزری ہوگی، کتنے دل ہیں جو ویران ہوئے ہوں گے، اور کتنی آنکھیں ہیں جو بے نور ہوئی ہوں گی، کتنے ارادے ہیں جو متزلزل ہوئے ہوں گے اور دل نے کہا ہوگا کہ انہیں تھام لو، جانے نہ دو، اس قافلے میں کسی کا بیٹا تھا تو کسی کی بیٹی، کسی کا بھائی تھا تو کسی کی بہن، کسی کا خاوند تھا تو کسی کا داماد، روسائے قریش اور دشمنان دین کے اپنے جگر گوشے ان سے کٹ کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کر کے جارہے تھے، ﴿رسول مبین ص ۳۶۸﴾ توحید و رسالت کی محبتوں نے ان کو ہر رشتہ قربان کر دینے پر تیار کر دیا تھا، چنانچہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو سرزمین حبشہ میں بھی سکون کا سانس نہ لینے دیا، انہوں نے باہمی مشاورت سے عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید یا بعض روایات کے مطابق عبداللہ بن ابی ربیعہ کو سفیر بنا کر نجاشی کے دربار میں بھیجا، یہ بھی کہتے ہیں کہ مہاجرین کے سلسلے میں قریش نے دودفعہ

نجاشی کے پاس اپنے نمائندے بھیجے، پہلے ان کی ہجرت کے وقت اور دوسری دفعہ جنگ بدر کے بعد، عمرو بن العاص دونوں دفعہ ہی قاصد بن کر گئے تھے، ایک دفعہ عمارہ بن ولید مخزومی اور دوسری دفعہ عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی ان کے رفیق تھے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۷۰﴾ اس سفارت کو کامیاب کرنے کیلئے سرداران مکہ نے بڑے عمدہ اور بڑے قیمتی تحائف روانہ کئے، بادشاہ کیلئے ایک قیمتی عربی گھوڑا اور ایک قیمتی ریشمی جبہ بھی ارسال کیا، ﴿سیرت ابن کثیر ۱۸:۲﴾ علاوہ ازیں بادشاہ کے حواریوں اور درباریوں کیلئے پیش قیمت ساز وسامان بھی بھیجا تا کہ ان کے اثرات حاصل کر کے بادشاہ کو اپنے موقف کی طرف مائل کیا جا سکے، ان دونوں سفیروں نے سرزمین حبشہ کے معتبر پادریوں اور رئیسوں کے ساتھ رابطہ کیا اور انہیں بڑے خوبصورت تحفے پیش کئے تا کہ بادشاہ پر دباؤ ڈالنے کیلئے ان کی سفارش بھی میسر آ جائے نیز انہوں نے اہل حبشہ کے دلوں میں یہ بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش بھی کی کہ جس طرح ہماری قوم کے ان مہاجروں نے نیا مذہب ایجاد کر کے وادی مکہ کا امن وسکون برباد کر دیا ہے، اسطرح کہیں ملک حبشہ میں بھی فساد نہ برپا کر دیں، لہذا بہتر یہی ہے کہ بادشاہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے، سب پادریوں اور رئیسوں نے ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا، پھر جب یہ سفیر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور آداب شاہی بجالائے تو اس نے کمال محبت سے انہیں اپنے قریب جگہ عنایت کی، عمرو بن العاص نے اجازت لے کر اپنی آمد کا مقصد بیان کیا کہ ہمارے کچھ عزیز واقارب آپ کے ملک میں رہائش پذیر ہیں، انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے، ہمیں سرداران قریش نے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں اپنے ملک سے خارج کر دیں، بادشاہ نے بڑے غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ ان مہاجرین حبشہ کو دربار میں طلب کیا جائے، درباریوں نے بہت کوشش کی کہ یہ کام نہ ہو سکے لیکن اس نے اپنا فیصلہ تبدیل نہ کیا، عمرو بن العاص نے کہا! بادشاہ وہ آپ کو سجدہ بھی نہیں کریں گے اور دیگر آداب شاہی بھی بجا نہیں لائیں گے، ہم انہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ از حد مغرور انسان ہیں لیکن بادشاہ پھر بھی اپنی بات پر قائم رہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نجاشی نے ان کی طرف ایک آدمی بھیجا تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا، میں تمہاری طرف سے کلام کروں گا، تم سب نے

خاموش رہنا ہے چنانچہ ہم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہو لئے، جب دربار شاہی میں داخل ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے رسم دربار کے مطابق سجدہ کیے بغیر محض زبانی سلام پر اکتفا کیا، لوگوں نے کہا، تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو انہوں نے فرمایا، ہم صرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اپنے رسول مقبول ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے جس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور کسی کو سجدہ ہرگز نہ کرو اور ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا بھی حکم دیا ہے، ﴿الوفا ص ۲۴۴﴾ ایک روایت ہے کہ جب مسلمان دربار میں حاضر ہوئے تو نجاشی نے ان سے پوچھا کہ تمہارا ایسا کونسا دین ہے جو میرے اور دوسروں کے دین سے میل نہیں کھاتا، قاصدان قریش نے مسلمانوں کے دین کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا تھا ان کے جواب میں مسلمانوں کے ترجمانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر کی:

بادشاہ! ہم پر ایک تاریک دور گزرا ہے، اس وقت ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ ایک خدا کو چھوڑ کر ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے، خود ساختہ پتھروں کی پوجا ہمارا شعار تھا، مردار خوری، زنا کاری، قتل و غارت، قطع رحمی ہمارا آئے دن کا مشغلہ تھا، ہمسایوں کے حقوق سے ہم بیگانہ تھے، رحم و انصاف سے ہم نا آشنا تھے، حق و باطل کے امتیاز پر ہماری نظر نہ تھی، غرض ہماری زندگی سرتاسر درندوں جیسی تھی،، قوی کسی ضعیف کو کچلنے اور توانا کسی ناتواں کو ہضم کر لینے کو اپنے لئے باعث فخر اور طغرائے امتیاز سمجھتا تھا، رحمتِ خدا کا کرشمہ دیکھے کہ اس نے ہم میں ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث کیا جس کے نسب سے ہم واقف ہیں، جس کی صداقت، امانت اور عصمت پر دوست و دشمن دونوں گواہ ہیں، جس کی قوم نے اسے محمد الامین کا لقب دیا، وہ آیا اور اس نے ہمیں خدا کی توحید کا درس دیا، خدائے واحد کی جانب بلایا، اس نے بتایا کہ خدا کا کوئی سہیم و عدیل نہیں ہے، وہ شرک سے پاک ہے، بت پرستی جہالت کا شیوہ ہے اس لیے قابلِ ترک ہے، صرف خدائے اَحد کی عبادت حقِ عبدیت ہے، اس نے ہم کو حق گوئی اور صداقت شعاری کی تلقین کی اور صلہ رحمی کا حکم فرمایا، ہمسایوں اور کمزوروں کے

ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی، قتل و غارت کی رسم بد کا خاتمہ کیا، زنا کاری کو حرام اور فاحش کہہ کر اس ننگِ انسانیت عمل سے ہم کو نجات دلائی، نکاح میں محارم اور غیر محارم کا فرق بتایا، جھوٹ بولنے اور ناحق مالِ یتیم کھانے کو حرام قرار دیا، نماز اور خیرات وصدقات کی تعلیم دی اور ہر حیثیت سے ہمیں حیوانیت کے قعرِ مذلت سے نکال کر انسانیت کبریٰ کے مرتبہ ومقام پر پہنچایا، بادشاہ! ہم نے اس مقدس تعلیم کو قبول کیا اور اس پر صدقِ دل سے ایمان لائے، یہ ہے ہمارا قصور جس کی بدولت مشرکین کا وفد تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو ہمیں ان کے حوالے کر دے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم توحید سے منہ موڑ کر بت پرستی اختیار کر لیں اور بُرے کاموں کو اچھا جانیں، مکہ مکرمہ میں ان لوگوں کی زیادتیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو اے بادشاہ! ہم نے تیرے ملک کا رخ کیا اور یہاں آ کر پناہ لی۔ ﴿سیرۃ الرسول:۲۰۲، ابن ہشام ۱:۳۳۶﴾

بادشاہ حبشہ نے حضرتِ جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز تقریر سن کر فرمائش کی کہ جو کچھ تمہارے پیغمبر برحق ﷺ پر نازل ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سناؤ، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃِ مریم کی تلاوت شروع فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں تمہارے عقیدے کے مخالف ہیں، اس نے دریافت کیا کہ ان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کلمۃ اللہ ہیں اور مقدس روح ہیں جن کو حضرتِ مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا گیا تھا، وہ کنواری تھیں جن کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا تھا اور نہ کسی مرد نے زوجہ بنایا تھا، یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے اہلِ حبشہ کی جماعت! تم اس پر اس تنکے کی مانند بھی کسی امر کا اضافہ نہیں کر سکتے، جو کچھ انہوں نے حضرتِ مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ علیہا السلام کے متعلق بیان کیا ہے، ﴿الوفاص ۲۴۴﴾

نجاشی نے سورۃِ مریم کی تلاوت سنتے سنتے ان آیتوں کی تلاوت سنی:

⊙ ...... **فاشارت الیه قالوا کیف تکلم من کان فی المهد صبیاً ......**

ابُعث حیاً پس جب حضرتِ مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو

لوگوں نے کہا ہم اس بچے سے کس طرح بات کریں جو ابھی گہوارے میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے، اور مجھے پیغمبری سے نوازا ہے، میں جہاں کہیں بھی ہوں، مجھے مبارک کیا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور اپنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے ظالم اور شقی نہیں ٹھہرایا، سلامتی ہے میرے لئے اس روز جب میں پیدا ہوا اور اس روز جب میں وفات پاؤں گا اور اس روز جب مجھے دوبارہ زندہ کیا اور اٹھایا جائے گا، ﴿سورۃ مریم آیت: ۲۹، ۳۲﴾

اس کے رگ و ریشہ پر وجدان کی انوکھی کیفیت طاری تھی، نجاشی اور اسکے درباریوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں کی کتابیں اشکوں کی برسات میں بھیگ چکی تھیں، درباری کہنے لگے اس کلام کا سرچشمہ وہی ہے جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کلام نازل ہوا تھا، نجاشی نے بھی اپنی رقت پر قدرے قابو پاتے ہوئے کہا، یہ کلام اس کلام سے نازل ہوا ہے جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، بعدازاں اس نے سفیرانِ قریش سے کہا، تم لوگ واپس جاؤ، خدا کی قسم میں ان مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا، حضرت شیخ محقق اور حضرت شیخ ابن جوزی نے روایت رقم کی ہے، نجاشی نے کہا، میں گواہی دیتا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہستی مقدس ہیں جس کی بشارت حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے بعد وہ تشریف لائیں گے، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۶۵﴾ پھر اس نے کہا ہمارے علاقہ میں تم جہاں چاہو رہو، تم لوگوں پر کوئی پابندی نہیں اور بخدا اگر ملک و سلطنت کے امور میں مصروفیت و مشغولیت نہ ہوتی تو میں ضرور خود ان کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتا اور ان کی کفش برداری کا شرف حاصل کرتا، اس نے قریشِ مکہ کے تمام ہدیے اور تحفے واپس کر دیئے اور ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ﴿الوفا ص ۲۴۴، سیرت ابن کثیر ۲: ۱۰﴾ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا، اے مسلمانو! جس آدمی نے بھی تمہارے ساتھ کوئی بدکلامی کی میں اس پر جرمانہ عائد کروں گا، میں تو سونے کے پہاڑ کے بدلے بھی تم میں سے کسی ایک مسلمان کو ان مشرکین کے حوالے کرنا پسند نہیں کرتا، ﴿حیات محمد از ولیم میور ۲: ۱۷۲﴾ پھر ان کے تحائف

واپس کر کے کہا، جب خدا تعالیٰ نے مجھے ملک دیا تھا تو کوئی رشوت نہیں لی تھی اور میرے متعلق لوگوں کی بات نہیں مانی تھی تو میں ان مسلمانوں کے متعلق کیوں رشوت لوں اور کیوں لوگوں کی بات مانوں، اس طرح مکہ مکرمہ کے یہ دونوں سفیر نامراد ہو کر واپس چلے گئے، ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۳۶۱، سیرت ابن کثیر ۲:۲۲﴾ سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جنگ بدر میں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد قریش نے دارالندوہ میں اکٹھے ہو کر قرار کیا کہ اسکا انتقام ہم مہاجرین حبشہ سے لیں گے جو نجاشی کے پاس مقیم ہیں، چنانچہ انہوں نے عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو گرانقدر اور قیمتی تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا، وہاں مذکورہ بالا سارا واقعہ پیش آیا، نجاشی نے قرآن سننے کا مطالبہ کیا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ عنکبوت اور سورۃ روم کی تلاوت کی جسے سن کر نجاشی اور اسکے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پھر اس نے اور مطالبہ کیا تو آپ نے سورۃ الکہف پڑھی، بعد میں عمرو بن العاص کے اعتراض کو دور کرنے کیلئے سورۂ مریم کی تلاوت شروع کی تو نجاشی نے ایک چھوٹا سا تنکا لیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا، واللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت اس سے اتنی بھی زیادہ نہیں، عیسیٰ علیہ السلام کا مقام بالکل یہی ہے جو اس نے بیان کر دیا ہے، ﴿مختصر سیرت الرسول ص ۱۶۹﴾ قتادہ اور دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ سورۃ المائدہ کی یہ آیتیں نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں، **واذا سمعوا ما انزل الی الرسول** .... اور جب وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول پر اتارا گیا تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں، ﴿آیت: ۸۳﴾ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی فرقہ طبیعت واحد کا رکن تھا جو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا بلکہ صرف مسیح اللہ مانتا تھا، ﴿رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۱۲۷﴾

اہلِ حبشہ کے روشن تذکرے:

مہاجرین حبشہ کی وجہ سے حضور پیغمبر نور ﷺ نے بادشاہِ حبشہ کے ساتھ گہرے مراسم استوار کر لئے تھے، بادشاہ بھی آپ کی محبت و عقیدت سے پوری طرح سرشار تھا، اسے یقینِ کامل تھا کہ حضور اقدس ﷺ ہی رسولِ آخر الزمان بن کر آئے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جب حضرتِ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جس دین کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے جس کو ہمارے پاس اللہ کا رسول لایا ہے اور اسی پر کتاب نازل ہوئی

ہے، جس طرح ابنِ مریم کے پاس ایک کتاب تھی اور یہ کتاب اس کی موافقت کرتی ہے، نجاشی نے کہا، تم نے ایک اہم بات کہی ہے، ذرا ٹھہرو! پھر اس نے ناقوس بجانے کا حکم دیا، اس کی آواز سن کر تمام عیسائی عالم اور راہب جمع ہو گئے، اس نے کہا، میں تمہیں اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری ہے، کیا عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کسی رسول کے آنے کا تمہیں علم ہے، سب نے بیک زبان ہو کر کہا، ہاں! عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں اس کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے جو اس کے ساتھ ایمان لائے گا وہ میرے ساتھ ایمان لائے گا اور جو اس کے ساتھ کفر کرے گا، وہ میرے ساتھ کفر کرے گا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۶۹﴾

قیام حبشہ کے دوران مسلمانوں نے دیکھا کہ شاہ حبشہ کے خلاف لوگوں نے ایک شخصِ فتنہ ساز کی قیادت میں علمِ بغاوت کو بلند کر دیا ہے، انہیں بہت پریشانی لاحق ہوئی، وہ ہر وقت نجاشی کی کامرانی کیلئے دعا کرتے رہتے تھے، پھر ایک دن دریائے نیل کے دوسری جانب دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا، صحابہ کرام نے نوجوان صحابی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حالاتِ جنگ کی خبر حاصل کرنے کیلئے بھیجا، وہ ایک مشک میں ہوا بھر کر دریائے نیل کو عبور کر گئے، انہوں نے مشاہدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو فتح روشن سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کے دشمنوں کو عبرتناک شکست ہوئی ہے تو مسرت وانبساط کے عالم میں واپس آئے اور صحابہ کرام کو خوشخبری سنا کر خوش کیا، پھر سب نے شکر وامتنان کے سجدے نچھاور کئے، قیام حبشہ کے دوران دو مسلمان عورتوں کو بہت بڑے امتحان سے گزرنا پڑا، ہوا یوں کہ حضرت ام حبیبہ بنتِ ابوسفیان کے شوہر عبیداللہ بن جحش اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے شوہر سکران بن عمرو نے عیسائیوں کے زرنگار گرجوں اور خوشحال پادریوں سے متاثر ہو کر عیسائیت قبول کر لی اور ایک مرتبہ پھر کفر کے تاریک اندھیروں میں گم ہو گئے، اس سانحے کا صحابہ کرام کو بہت قلق تھا، لیکن ان دو عظیم عورتوں نے کمالِ استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے توحید و رسالت کا دامن نہ چھوڑا، حضرتِ سودہ تو فوراً واپس مکہ مکرمہ آ گئیں جبکہ حضرت ام حبیبہ نے اپنے شوہر سے تعلقات ختم کر دیئے، ان دونوں کو بعد میں حضور پیغمبر نور ﷺ کے رشتہ نکاح میں پیوستہ ہونے کا شرفِ عظیم حاصل ہوا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنا

فضل عطا فرماتا ہے' واقعی وہ فضل عظیم کا مالک ہے، جب سرکار ابد قرار ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو مہاجرین حبشہ میں سے تینتیس مردوں اور آٹھ عورتوں نے بھی ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا، چوبیس مردوں نے غزوہ بدر میں شرکت فرمائی۔ ﴿سبل الہدیٰ ۲: ۵۲۴﴾ ایک روایت میں ہے کہ یہ مہاجرین پہلے مکہ مکرمہ آئے، دو آدمی وہاں وصال فرما گئے، سات آدمیوں کو قریش مکہ نے روک لیا جبکہ باقی مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے اور غزوہ بدر میں شامل ہوئے۔ ﴿طبقات ابن سعد ۱: ۲۰۷﴾ جو لوگ حبشہ میں ٹھہرے رہے ان میں سے سات آدمی فوت ہو گئے، حبشہ میں مہاجرین کے ہاں بارہ بچے پیدا ہوئے، جن میں سات لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ ﴿معارج النبوۃ ۲: ۲۶۷﴾ حضور سرور دو عالم، نور مجسم ﷺ نے شاہ حبشہ کے نام اپنا مکتوب گرامی ارسال فرمایا، اس کے کلمات طیبہ درج ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے بادشاہ حبشہ نجاشی الاصحم کی جانب سے تم پر سلام ہو، میں تمہارے روبرو اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرتا ہوں، جو حقیقی بادشاہ ہے، پاک ذات ہے، امن والا ہے، نگہبان ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے کنواری، طاہرہ، طیبہ اور عصمت شعار مریم کی طرف القا کیا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشرف ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی روح اور مبارک پھونک سے پیدا کیا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت اور مبارک پھونک سے پیدا کیا تھا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور لاشریک ہے اور اسکی اطاعت کی دعوت دیتا ہوں اور اپنی اطاعت کی دعوت دیتا ہوں، جو کلام میری ذات پر نازل ہوا، تم اس پر ایمان لے آؤ، بے شک میں اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ہوں، میں نے تمہاری جانب اپنے چچا زاد بھائی جعفر اور اس کے ہمراہ چند مسلمانوں کی جماعت کو بھیجا ہے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کا خیال رکھنا، میں تمہیں اور تمہارے لشکروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں، بے شک میں نے تمہیں اپنا پیغام ارسال کر دیا اور نصیحت تمام کر دی پس تم میری

نصیحت کو ضرور قبول کرلو، جو شخص ہدایت پر گامزن ہو جائے اس پر سلامتی نازل ہو، ﴿سیرت ابن کثیر ۲:۴۲﴾

کیا مبارک الفاظ تھے، پڑھتے ہی نجاشی کے دل و دماغ میں گھر کر گئے، روشنی کی کرنیں اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئیں، اس کے آسمان مقدر پر چھائی تاریک رات نے صبح نور کا ستارا دیکھ لیا تو راہ فرار اختیار کر گئی، پھر اس نے جوابی عریضے میں اپنے ایمان کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نجاشی الاصم کی جانب سے حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی جانب جو اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ہیں، اے اللہ کے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو، اللہ کی طرف سے اور اس کی رحمت و برکت نازل ہو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت عطا فرمائی ہے، اے اللہ کے پیارے رسول! مجھے آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا، آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ رقم فرمایا، زمین و آسمان کے پروردگار کی قسم! وہ اس سے زیادہ نہیں، ہم نے آپ کے پیغام کو پہچان لیا اور ہم نے آپ کے چچا زاد اور ان کے ساتھیوں کی خدمت کا شرف حاصل کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جن کی تصدیق کی گئی ہے، میں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے چچا زاد کی بیعت کی اور رب العالمین کی رضا کیلئے ان کے دست حق پر اسلام قبول کرلیا، میں آپ کے حضور ناز میں اپنا لخت جگر "باریحا بن الاصحم" بھیج رہا ہوں، میں اپنی جان کے سوا کسی شے کا مالک نہیں، آپ حکم دیں تو حاضر خدمت ہونے کا شرف حاصل کروں کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں آپ کا ہر حکم ہی برحق ہے،

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں، ربیع الاول ۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے نجاشی کی طرف ایک مکتوب لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی، آپ کا یہ مکتوب عمرو بن امیہ ضمری لے کر گئے تھے، خط پڑھ کر نجاشی نے فوراً اسلام قبول کرلیا اور کہا کاش میں آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر یہ سعادت حاصل کرتا، آپ ﷺ نے نجاشی کو یہ بھی

لکھا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ ﷺ سے کرادے، چنانچہ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی کرادی اور آپ کی طرف سے چار سو دینار حق مہر ادا کیا، اس نکاح میں حضرتِ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے خالد بن سعید رضی اللہ عنہ ولی تھے اور آپ نے یہ بھی لکھا کہ آپ کے باقی ماندہ اصحاب کو آپ کے پاس بھیج دے اور ان کی سواری کا انتظام کرے، چنانچہ اس نے عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ ان کو دو جہازوں میں سوار کر کے بھیج دیا اور یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ ﷺ خیبر کی فتح سے فارغ ہو چکے تھے، ﴿حضرت جعفر کے ساتھ آنے والے مہاجرین چھبیس تھے جن میں تیرہ مرد اور چھ عورتیں اور سات بچے تھے، ﴿معارج النبوۃ ۲: ۲۶۷﴾ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ جس دن نجاشی فوت ہوا تھا اس دن رسول اللہ ﷺ نے اس کی وفات کی خبر دی تھی اور عید گاہ میں اس پر نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں اور صحابہ سے فرمایا، اپنے بھائی کیلئے مغفرت کی دعا کرو، سہیلی لکھتے ہیں کہ رجب ۹ ھ میں نجاشی کی موت واقع ہوئی اور جب آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی تو حبشہ سے ایک چار پائی اٹھا کر لائی گئی اور آپ نے اس کو مدینے میں دیکھا، منافقین نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایک عجمی نژاد پر جو حبشہ کے ملک میں مرا ہے، مدینے میں نماز جنازہ پڑھی ہے، ابن اسحاق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ باتیں کرتے تھے کہ جب نجاشی فوت ہوا تو اس کی قبر پُر نور کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اہل حبشہ نجاشی کے پاس جمع ہوئے اور اس سے کہا' تم نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے، اس لئے انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، اس نے جہاز تیار کئے اور جعفر اور ان کے ساتھیوں سے کہا، ان جہازوں میں سوار ہو جاؤ اور ابھی یہاں ٹھہرو، اگر مجھے شکست ہوگئی تو جہاں چاہو چلے جانا اور میں کامیاب رہا تو یہیں ٹھہرنا، پھر اس نے ایک مکتوب لکھا جس میں گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اسکے کلمہ ہیں، جو مریم کی طرف ڈالا گیا، پھر اس نے مکتوب اپنے دائیں کندھے کے پاس کوٹ کے نیچے چھپا لیا اور حبشیوں کی طرف نکلا جو لڑائی کیلئے تیار کھڑے تھے، ان سے کہا، اے اہل حبشہ! کیا میں تم پر حکومت

کرنے کا سب لوگوں سے زیادہ حقدار نہیں، بولے کیوں نہیں، اس نے کہا، تم نے اپنے ساتھ میرا برتاؤ کیسا پایا، بولے، آپ کا ہمارے ساتھ برتاؤ بہت اچھا ہے، اس نے کہا پھر تم میرے خلاف کیوں ہو گئے، بولے، آپ نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور عیسیٰ کو عبد کہتے ہو، اس نے پوچھا، تم لوگ عیسیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو، کہنے لگے' ہم تو کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، نجاشی نے اپنے کندھے پر کوٹ کے اوپر ہاتھ رکھ کر کہا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں تھے، اس سے مراد اسکی وہ تحریر تھی جو اس نے کندھے کے پاس کوٹ میں چھپائی تھی، یہ سن کو عیسائی راضی ہو گئے اور خوشی خوشی واپس چلے گئے، نبی اکرم علیہ السلام کو بھی اس واقعہ کی خبر ملی تھی اس لئے جب نجاشی فوت ہوا تو آپ نے اسکی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی، سہیلی لکھتے ہیں کہ حبش کے ہر بادشاہ کا لقب نجاشی ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۷۱﴾ حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جنگ خندق کے بعد ہم ناکام ہو گئے تو میں نے قریش مکہ کے چند افراد سے کہا کہ بخدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان بلند ہو گی، لہذا ہمیں چاہئے کہ نجاشی کی پناہ گاہ میں چلے جائیں، انہوں نے میری رائے کی تائید کی چنانچہ ہم نے تحائف جمع کئے اور نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے، وہاں ہم نے دیکھا کہ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری دربار سے نکل رہے تھے، نجاشی نے ہمیں خوش آمدید کہا، ہم نے بھی آداب شاہی بجالانے کے بعد کہا بادشاہ! جو شخص ابھی آپ کے دربار سے نکلا ہے، اسے ہمارے حوالے کر دوں تاکہ ہم اسے قتل کریں، کیونکہ وہ ہمارے دشمن کا قاصد ہے، یہ سن کر نجاشی غضبناک ہو گیا، میں نے اس سے معذرت کی، پھر اس نے بتایا کیا میں تمہیں اس ہستی کا قاصد سونپ دوں جس پر وہ ناموسِ اکبر نازل ہوتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، میں نے پوچھا، بادشاہ! کیا وہ واقعی صاحبِ وحی ہیں، نجاشی نے کہا، اے عمرو بن العاص! تمہارے لئے افسوس ہے، میری بات مان لو اور اس پیغمبر برحق کے اطاعت گزار بن جاؤ، چنانچہ یہ واقعہ میرے قبولِ اسلام کا باعث بنا ﴿ملخصا الوفا ص ۴۳﴾

حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو بادشاہ حبشہ سے بہت محبت تھی، آپ اس کے وفود کا بہت خیال رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے عرض کی حضور آپ خود نہ تکلیف فرمایا کریں تو ارشاد فرمایا: ان لوگوں نے میرے اصحاب کا از حد خیال رکھا تھا، میں چاہتا ہوں میں انہیں اس خدمت کا

ضرور کچھ بدلہ عطا کروں ﴿خاتم النبیین ۱: ۴۰۹﴾ حضرت محدث سہیلی فرماتے ہیں، اس واقعہ سے یہ فقہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنے دین کو بچانے کیلئے مکہ مکرمہ جیسے افضل وطن سے نکل کر ایسے ملک میں چلے جانا ضروری ہے جہاں مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے دین کی تبلیغ اور اس کے مطابق عمل کر سکیں خواہ وہ دار الکفر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اہل حبش عیسائی تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے اور ان کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اسی ترک وطن کی وجہ سے صحابہ کا نام مہاجرین پڑا، ان لوگوں نے دو دفعہ ہجرت کی اور اسلام کی طرف سبقت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی اور **السابقون الاولون** کا طلائی تمغہ عطا فرمایا، تفسیر میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور دو دفعہ ہجرت کی۔ ﴿الروض الانف﴾

اِسلام اور عیسائیت:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کو یہ اطمینان کیسے ہو گیا کہ حبشہ میں مہاجرین پر عیسائیت کا کوئی اثر نہ ہوگا، ان ایام میں اہل حبش عیسائیت کے پیرو تھے اور وہ سرزمین حجاز کے مقابلے میں زیادہ زرخیز تھی اور یہ کہ اہل حبش کے طرز معاشرت کی مسلمانوں پر کوئی پرچھائیں نہیں پڑے گی، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دو مسلمانوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی اس لئے دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بھی یہ سوال قرین قیاس تھا، مزید برآں اس زمانے میں آپ ﷺ کو دشمنوں کے مقابلے میں اپنے پیروکاروں کی حمایت کیلئے کافی وسائل حاصل نہ تھے، بہر حال قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال آپ کے ذہن میں پیدا ہوا ہوگا لیکن آپ نے اس احتمال کو چنداں اہمیت نہیں دی، آپ کی دوراندیشی اور دقیقہ رسی سے یہ بعید نہیں کہ آپ نے اس بدیہی احتمال پر کبھی دھیان نہ دیا ہو، بہر حال آپ نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی اور اپنی جگہ مطمئن رہے کہ عیسائیت کی چھاپ مسلمانوں کے عقائد پر نہیں پڑے گی، ان ایام میں اسلام ایک نوشگفتہ پھول کی مانند پاک اور نسیم سحر کی طرح بے آلائش تھا، اس کے برعکس عیسائیت کا حال حبش میں بھی کچھ عرب سے مختلف نہیں تھا، اس کے عقائد مابہ النزاع بنے ہوئے تھے، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی خدائی کے قائل اپنے عقیدے کے مخالفین سے دست و گریبان رہتے تھے، لہذا یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ مسلمان جو رسالت کے صاف و شفاف چشمے سے سیراب ہو چکے ہیں ان لوگوں کا

اثر قبول کریں گے جنھیں اختلافی مباحث، مناظرات اور مناقشات کے سوائے اور کوئی کام نہیں، اکثر مذاہب مرور ایام کے ساتھ اوہام سے آلودہ ہو کر بت پرستی کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں، ہر چند وہ بت پرستی واضح اور روشن نہیں ہوتی تاہم بہر صورت بت پرستی ہوتی ہے، اسلام بت پرستی کا دشمن اور سخت ترین مخالف تھا، اس زمانے میں عیسائی بعض پیشوایان دین کو اس قدر بڑھا چڑھا رہے تھے کہ اسلام اس سے سخت بیزار تھا کیونکہ اسلام کا مقصود روح انسانی کو اوہام اور عقائد خام کی قید سے نکال کر انسانیت کی بلندیوں تک پہنچانا تھا، مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ انسان اور خدا کے درمیان نیکوکاری اور پرہیزگاری کے سوائے کوئی اور واسطہ نہیں، اسلام نے بتوں، کاہنوں اور ان غیب کی خبر دینے والوں کی ہمہ دانی کی قلعی کھول دی، روح انسانی اور وجود کلی کے اختلاط میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی تھی، روح ایک نور ہے اور اس لئے زمان و مکان کی حدود و قیود اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں، اگر بندہ صالح ہے تو اس کے اور خدا کے درمیان قرابت قریبہ کا رشتہ ہے اور خدا کے سوا کوئی اور طاقت ایسی نہیں جو بندے پر اختیار کلی رکھتی ہو، اصحاب دولت و ثروت زیادہ سے زیادہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہی کر سکتے ہیں کہ جسم کو کسی تکلیف میں مبتلا یا لذتوں سے محروم کر دیں، یا انتہا یہ کہ ہلاک کر ڈالیں لیکن یہ بات کسی متمول، قوی اور بدکردار کے بس کی نہیں کہ وہ کسی کی روح پر بھی دست اندازی کر سکے، روح کے مالک و خالق کا منشا یہ ہے کہ روح مادی ماحول اور زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو کر وجود کلی سے وابستہ و پیوستہ ہو جائے، انسان بروز حساب اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے گا، اس روز نہ بیٹا کوئی فائدہ پہنچا سکے گا، نہ باپ، اخروی زندگی میں کسی کی دولت، طاقت اور فصاحت سے کچھ حاصل نہ ہو گا، البتہ نیکوکار کو نیکی کی جزا اور بدکار کو بدی کی سزا ملے گی، اس دن تمام انسان اول سے آخر تک، ابتدا سے انتہا تک جمع ہوں گے، وہ دن عدل و انصاف اور حساب و کتاب کا دن ہو گا، کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا، ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، ان امور کے پیش نظر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ ﷺ ان مسلمانوں کے بارے میں فریب خوردگی کا احتمال کرتے جنھیں آپ ان بلند اور روشن حقائق سے آگاہ کر چکے تھے، علاوہ بریں آپ کی محبوب شخصیت اور ایمانی طاقت ہمیشہ مسلمانوں کے پیش نظر رہتی تھی، ایمان، حکمت، عدالت، صلاح و

تقویٰ اور حق وصداقت کی جو خصوصیات آپ کی شخصیت میں ضم تھیں ان کی روشنی میں آپ کے پیروکار صراط مستقیم پر گامزن رہتے تھے، انہی اسباب کی بنا پر آپ ﷺ کو یہ یقین اور یہ اعتماد تھا کہ آپ کے پیروکاروں کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئے گی، نجاشی کی قلمرو میں مسلمانوں کو مذہبی رسوم کی بجا آوری میں پوری آزادی حاصل تھی، مزید برآں ان کی زندگی بھی امن وسکون سے بسر ہو رہی تھی، قریش کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو آہستہ آہستہ انہوں نے بھی اپنی روشن بدلی اور ﴿ حبش میں رہنے والے ﴾ مسلمانوں کی ایذارسانی میں کمی کر دی، ادھر مسلمانوں کی یہ شان تھی کہ وہ مصائب پر صبر وتحمل کے نہ صرف عادی تھے بلکہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ بارگاہ خداوندی میں قرب کا وسیلہ بھی یہی شیوہ صبر ہے،

﴿ سیرۃ الرسول ص ۲۰۵ ﴾

حضرت ابوبکر کی ہجرت اور مراجعت:

ہجرت حبشہ کی وجہ سے کفار قریش نے اسلامیان مکہ پر اتنے ظلم وستم توڑے کہ معززین شہر کے اہم ترین فرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی ہجرت کا ارادہ کرنا پڑا، حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا، اپنے والدین کو اس دین اسلام کا متبع پایا، حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ ہر صبح وشام ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، جب اہل اسلام پر مصائب بڑے تو میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کی نیت سے برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو ان کی ملاقات قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ہوئی، اس نے پوچھا، کہاں جانے کا ارادہ ہے، آپ نے فرمایا، میری قوم نے مجھے شہر سے نکال دیا ہے، میں خدا تعالیٰ کی وسیع زمین میں گھوم پھر کر عبادت کروں گا، ابن الدغنہ نے کہا، اے ابوبکر! آپ جیسے آدمی کو شہر سے نہیں نکلنا چاہئے، آپ مفلسوں کی خبر گیری کرتے ہیں، قرضہ داروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی مصیبتوں میں اہل مصائب سے تعاون کرتے ہیں، میں آپ کو پناہ دیتا ہوں آپ اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں، چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ہمراہ واپس آگئے، وہ شام کے وقت شرفائے مکہ کے گھروں میں گیا اور کہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے آدمی کو شہر سے نہ نکلنا چاہئے اور نہ

نکالنا چاہے، وہ مفلسوں کی خبر گیری کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور اہل مصائب سے تعاون کرتے ہیں، قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ سے انکار نہ کیا اور کہا، ابوبکر سے صرف اتنا کہو کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے، نماز پڑھے یا جس چیز کی قرأت کرنا چاہے چاردیواری کے اندر کرے، اس کا بازار میں اعلان کر کے ہمیں ایذا نہ پہنچائے کیونکہ اس سے ہمیں خطرہ ہے کہ اس سے ہمارے بیٹے اور ہماری عورتیں فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گی، ابن الدغنہ نے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہی تو انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے کچھ مدت اپنے گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر آپ نے مناسب سمجھا تو دروازے کے باہر بازار میں مسجد بنالی، آپ وہاں بیٹھ کر نماز پڑھتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، اس وقت مشرکوں کے بچے اور عورتیں ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کو نماز پڑھتے اور تلاوت کرتے دیکھ کر تعجب کرتے، آپ تلاوت کے دوران رو پڑتے تھے جس سے سامعین پر اثر پڑنا ضروری تھا اس لئے مشرکین مکہ پریشان ہو گئے اور ابن الدغنہ کو مکہ مکرمہ بلایا، وہ آیا تو کہنے لگے، ہم نے تمہاری وجہ سے ابوبکر کو پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر کی چاردیواری میں اپنے رب کی عبادت کرے لیکن اس نے اس کی پرواہ نہیں کی، ابن الدغنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بولا، آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ سے کیا عہد و پیمان کیا تھا، یا تو آپ اس عہد کی پابندی کریں اور یا وہ مجھے واپس کر دیں کیونکہ میں عرب میں بدنام ہونا نہیں چاہتا، آپ نے فرمایا، میں تمہارے عہد کو واپس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں ۰ ﴿صحیح بخاری ۱:۳۰۷﴾

شعب ابی طالب کا غمناک ماحول:

حضرت موسیٰ بن عقبہ حضرتِ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں دشمن قبائل نے رسول اللہ ﷺ کو علانیہ طور پر شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تو حضرت ابو طالب نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کو شعب ابی طالب میں بلا لیا اور آپ کو ہر قیمت پر دشمنوں سے بچانے کا تہیہ کر لیا، بعض نے قومی تعصب اور بعض نے ایمانی جذبہ کے تحت مخالفین کے مقابلے کیلئے سینہ سپر کر دیا ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۲۷۲﴾ قریش نے جب یہ دیکھا

تو انہوں نے مجمع عام میں بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے خلاف مقاطعہ کا فیصلہ کیا، اس مضمون کا عہد نامہ تحریر کیا کہ وہ آئندہ ان کے ساتھ رشتہ داری نہ کریں گے، تجارت نہ کریں گے اور صلح نہ رکھیں گے، تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کیلئے ان کے حوالے نہ کر دیں، ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۴۴﴾ یہ عہد نامہ منصور بن عکرمہ یا پھر بغیض بن عامر نے تحریر کیا، اس ظالمانہ اور سفاکانہ تحریر کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کے خلاف دعا کی، اس کے نتیجے میں اسکا ہاتھ شل ہو گیا، اس عہد نامہ پر تمام قریش مکہ نے دستخط کئے اور اسے خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا، اس کے بعد تمام بنو ہاشم شعب ابی طالب میں منتقل ہو گئے اور وہاں انتہائی بے سروسامانی اور پریشانی کے عالم میں مقاطعہ کا تین یا دو سال کا عرصہ کاٹا، ابن سعد نے دو سال کا ذکر کیا ہے، یہاں وہ اتنا تنگ ہوئے کہ ان کے پاس کوئی چیز چھپ چھپا کر ہی پہنچ سکتی تھی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پیدائش اسی اسیری کے زمانے میں ہوئی، قریش مکہ نے ان کیلئے منڈیوں کے دروازے بند کر دیئے، یہ اتنا شدید مقاطعہ تھا کہ بھوک کی وجہ سے بنو ہاشم کی عورتوں اور بچوں کے چیخنے کی آوازیں شعب ابی طالب سے باہر تک سنی جاتی تھیں، یہ شعب ابی طالب میں داخل ہونے والوں کا حال تھا اور جو مسلمان وہاں نہیں جا سکتے تھے، اہل مکہ نے ان پر وہ مظالم توڑے اور اتنے مصائب نازل کئے کہ الامان والحفیظ، حضرت موسیٰ بن عقبہ، حضرت ابن شہاب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا یہ انتظام کر رکھا تھا کہ جب رات کو سونے لگتے تو آپ کو ان کے مخصوص بستر پر سلاتے تاکہ قاتلانہ حملے کا ارادہ کرنے والے دیکھ لیں اور جب وہ الگ سو جاتے تو آپ کے بستر پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی یا عزاد کو سلا دیتے اور آنحضرت ﷺ کو اس کے بستر میں منتقل کر دیتے، ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۴۴، دلائل النبوۃ ۲۳۸﴾ آپ کے قصیدہ لامیہ کے یہ اشعار آپ کے عزم و حوصلہ کی ترجمانی کر رہے ہیں ؎

لعمری لقد کلفت وجداً باحمد ۔۔۔ واخوته داب المحب المواصل

فمن مثله فی الناس ای موصل ۔۔۔ واذا قاسه الحکام عند التفاضل

فوالله لولا ان اجی لبسبة ۔۔۔ تجد علیٰ اشیا خنا فی المحافل

لکننا اتبعناه علیٰ کل حالة ۔۔۔ من الدهر جدا غیر قول النهازل

لقد علموا ان ابننا لا مکذب لدینا ولا یعنی بقول الا باطل

فاصبح فینا احمد فی ارومة تقصر عنها سورة المتطاول

حدبت بنفسی دونه و حمیتہ و دافعت عنه بالذری والکلاکل

ترجمہ: مجھے اپنی عمر کی قسم! مجھے احمد ﷺ اور اس کے بھائیوں سے بے پناہ محبت ہے، لوگوں میں ان جیسا اور کون ہے جس سے امید لگائی جائے کہ وہ ان کے ہم پلہ ہو سکے، اللہ کی قسم! اگر میں کوئی ایسی قابل ملامت چیز نہ لا سکا جو ہمارے قبائل کے سرداروں کے سر آتی ہو تو زمانہ بھر ہر حال میں ہم ان کے تابع رہیں گے، یہ مذاق نہیں، ان سب نے معلوم کر لیا کہ ہمارا بیٹا ہمارے نزدیک راستباز ہے، وہ باطل اقوال کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، حضرت احمد ﷺ نے ایسی جڑوں سے ظہور کیا کہ دست درازوں کی سختیاں انہیں ضرر پہنچانے یا ان کا رتبہ ومنزلت حاصل کرنے سے قاصر ہیں، میں نے اپنی جان کے ساتھ ان کی حفاظت کی ہے اور اپنی تمام قوتیں صرف کر کے آپکا دفاع کیا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۹۰﴾

یہ واقعہ بعثتِ نبوی کے سات سال بعد ماہ محرم میں رونما ہوا، شعب ابی طالب دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی یا تنگ سا میدان تھا جو حضرت ابو طالب کو ورثے میں حاصل ہوا تھا، وہ آپ کی ملکیت تھا، یہاں سب بنو ہاشم محصور ہو گئے، حضور اکرم ﷺ کا سنگدل چچا ابو لہب مکہ مکرمہ میں آنے والے قافلوں کو کہتا کہ تم شعب ابی طالب کے محصورین کو اتنی قیمت بتاؤ کہ وہ کوئی سودا نہ خرید سکیں، اگر تمہیں خسارہ ہوا تو میں پورا کر دوں گا، چنانچہ جب محصورین سامان خریدنے کیلئے جاتے تو قافلہ والے پانچ دس گنا زیادہ قیمت طلب کرتے جس کی ادائیگی کی ان میں طاقت نہ ہوتی اور وہ بے نیل ومرام واپس آجاتے۔ ﴿الروض الانف ۲: ۱۲۷﴾ بعض اوقات ان کو درختوں کے پتے اور چمڑے کے ٹکڑے بھی ابال کر کھانا پڑے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات مجھے اونٹ کے خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا حاصل ہوا، میں نے اسے دھویا اور جلا کر راکھ کیا، پھر اسے کوٹ کر پانی میں ملایا اور تین دن تک کھاتا رہا، ﴿ایضاً﴾ اس دوران کچھ فطری طور پر رحم دل انسان خفیہ طریقوں سے بنو ہاشم کی امداد بھی کرتے رہے، ان میں ہشام بن عمرو العامری

قریش مکہ نے شدید احتجاج کیا مگر اس نے پھر یہی کام کیا، قریش مکہ پھر الجھ گئے یہاں تک کہ قتل و غارت کی نوبت آ گئی تو ابوسفیان کی مداخلت سے ہشام کی جان بچی، ﴿سیرت نبویہ دحلان ۱: ۲۶۴﴾ بعد میں ہشام بن عمرو کو اسلام کی دولت نصیب ہو گئی، ایک دفعہ حکیم بن حزام نے گندم کی ایک بوری کا انتظام کیا تو ابوجہل رکاوٹ بن گیا، اچانک ابوالبختری وہاں پہنچ گیا، اس نے ابوجہل سے پوچھا کہ تم رکاوٹ کیوں بنتے ہو، اس نے کہا کہ یہ بنو ہاشم کو گندم پہنچا رہا تھا، ابوالبختری نے کہا یہ اس کی پھوپھی خدیجہ الکبریٰ کی گندم ہے، تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں، آخر تلخ کلامی بڑھ گئی یہاں تک کہ اس نے ابوجہل کے سر پر اونٹ کی ہڈی ماردی اور اس کے سر سے خون بہنے لگا، بعدازاں اس کو زمین پر گرا کر خوب گھسیٹا، ﴿ایضا﴾ مسلمانوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت مالدار تھے، وہ بھی ان لوگوں کی امداد کرتے رہتے تھے، اس وجہ سے مقاطعہ ختم ہونے تک ان کی مالی حالت خراب ہو گئی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی مختلف طریقوں سے ان مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے تھے، ﴿الامین ص ۴۰۵﴾ دنیا کی تاریخ میں اتنا سخت اور ظالمانہ مقاطعہ شاید ہی کسی فرد یا گروہ کا کیا گیا ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کی قوت مدافعت ختم کرنا چاہتے تھے، ان مصائب و مہالک کے باوجود حضور پیغمبر نور ﷺ کی دعوت و عزیمت میں کوئی فرق نہ آیا اور نہ آپ کے جرأت مند چچا حضرت ابو طالب کی استقامت زیر و زبر ہوئی، یہ عجیب بات تھی کہ کفار مکہ نے اسلام کی ترویج و اشاعت کو روکنے کیلئے یہ ظالمانہ اقدام اٹھایا مگر ان کا یہی اقدام اسلام کی شہرت و مقبولیت کا ذریعہ بن گیا، جو لوگ حج اور عمرہ ادا کرنے کیلئے دور دراز سے آتے تو اس معاشرتی بائیکاٹ کی وجوہات تلاش کرتے، اس طرح ان کو دین ہدایت کے بارے میں واضح معلومات حاصل ہو جاتیں پھر وہ حضور پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے ہمرائیوں کی حیرت ناک استقامت سے متاثر ہو کر دامنِ اسلام میں چھپ جاتے، کفار مکہ لوگوں کو جتنا روکتے، وہ زیادہ تجسس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے قریب آنے کی کوشش کرتے اور ہمیشہ کیلئے آپ کے غلام بن جاتے۔

اِسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

تنسیخ عہد نامہ کا مرحلہ:

اس محصوری کے عالم میں بنو ہاشم نے تین سال کا جان گسل عرصہ انتہائی صبر اور جانفشانی کے ساتھ گزارا تو اللہ تعالیٰ نے اس عہد نامے کی تنسیخ کا سامان پیدا فرما دیا، ابن شہاب سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عہد نامہ کی خستہ حالت سے مطلع کر دیا تھا، آپ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کو خبر دی تو وہ بولے روشنی پھیلانے والے ستاروں کی قسم! آپ جھوٹ نہیں کہتے، پھر وہ بنو عبدالمطلب کی ایک جماعت کو لے کر خانہ کعبہ میں آئے، وہ اس وقت قریش سے بھرا پڑا تھا، جب انہوں نے ان کو آتے دیکھا تو سمجھے کہ شدید قسم کی بھوک سے تنگ آ کر اب رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے کرنے آئے ہیں، حضرت ابو طالب نے کہا، ایک واقعہ رونما ہوا ہے، ممکن ہے وہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح کا ذریعہ بن جائے، پہلے اپنا عہد نامہ لے آؤ اور یہ انہوں نے اس لئے کہا تا کہ وہ اس کو لانے سے پہلے دیکھ لیں، یہ سن کر قریش بہت خوش ہوئے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرنے میں کوئی شک باقی نہ رہا، وہ کہنے لگے، اب تمہارے ہوش ٹھکانے آئے ہیں اور اب تم قوم کی بات سننے پر تیار ہوئے ہو، حضرت ابو طالب نے کہا، میں تمہیں ایک انصاف کی بات کہتا ہوں، اس کو مان لو گے تو تمہارے اور ہمارے درمیان صلح ہو سکتی ہے، میرے بھتیجے نے کہا ہے اور بخدا وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اللہ تعالیٰ تمہارے عہد نامہ سے بری ہے، اس نے اس سے اپنے تمام نام مٹا دیئے ہیں اور صرف تمہارا ظلم اور تمہاری قطع رحمی کی باتیں رہنے دی ہیں، اگر یہ سچ ہے تو جب تک ہمارا بچہ بچہ نہیں کٹ جائے گا ہم اس کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور اگر یہ جھوٹ ہے تو ہم اس کو تمہارے حوالے کئے دیتے ہیں، تمہیں اختیار ہے اسکو مار ڈالو یا زندہ رکھو، انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھا تو ویسا ہی پایا جیسے انہوں نے خبر دی تھی، کفار مکہ بولے، یہ تمہارے بھتیجے کے جادو کا کرشمہ ہے، یہ کہہ کر انہوں نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ فساد پر اتر آئے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۹۲﴾

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو طالب نے کہا، اس عہد نامے پر دیمک مسلط ہو چکی ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کے ناموں کے سوا ساری عبارت ختم کر دی ہے، ﴿سبل الھدیٰ ۲: ۵۰۵﴾

کفار مکہ کی ہٹ دھرمی اور عناد پرستی کو دیکھ کر حضرت ابو طالب نے کہا، اے گروہ قریش! تم

نے کس جرم کی پاداش میں ہمارا محاصرہ کیا ہے اور ہمیں کیوں قیدی بنا رکھا ہے، تمہیں خوب معلوم ہے کہ تم ہی ظالم ہو اور قطع رحمی کے مرتکب ہو، بعد ازاں افراد بنو عبدالمطلب نے کعبہ مشرفہ کے غلافوں سے لپٹ کر دعا مانگی، اے اللہ! ان ظالموں، قطع رحمی کرنے والوں اور حرام کو حلال بنانے والوں کے خلاف ہماری امداد فرما اور سب ایک بار پھر شعب ابی طالب میں چلے گئے، ایک روایت میں ہے کہ قریش کی ایک جماعت نے اس ظالم عہد نامہ کو پھاڑنے اور اسکو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے پر اتفاق کرلیا، سب سے زیادہ کوشش ہشام بن عمرو العامری نے کی، پہلے وہ زہیر بن امیہ بن مغیرہ کو ملا اور اس کو اپنے ماموں کی مدد چھوڑنے پر ملامت کی، اس کی والدہ عاتکہ بنت عبدالمطلب تھی اس لئے حضرت ابوطالب اور تمام بنو ہاشم اس کے ماموں ہوئے، اس نے عہد نامہ توڑنے پر ہشام سے اتفاق کیا، پھر وہ مطعم بن عدی کے پاس گیا، پھر وہ زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور اسے بھی بنو ہاشم کے ساتھ رشتہ داری اور باہمی حقوق یاد دلائے، اس نے کہا، کیا اس کام میں اور بھی کوئی ہمارے ساتھ ہے، ہشام نے مذکورہ بالا لوگوں کا نام لیا تو سب نے مکہ معظمہ کی بالائی جانب باب الحجون میں جمع ہونے کا عہد کیا، چنانچہ سب جمع ہوئے اور عہد نامے کو توڑنے کا ایک دوسرے سے وعدہ کیا، زہیر نے کہا، میں تم سب سے پہلے اس معاملے کے بارے میں گفتگو کروں گا، چنانچہ جب صبح سویرے سب لوگ جمع تھے تو زہیر نے ریشمی حلہ زیب تن کیا اور کعبہ مشرفہ کا طواف کرنے کے بعد ان کے پاس آ کر کہنے لگا، لوگو! کیا یہ انصاف ہے، ہم جو چاہیں کھائیں اور پہنیں جبکہ بنو ہاشم ایک ایک دانے کو ترس رہے ہیں، نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے اور نہ خریدی جائے، خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس ظالم عہد نامہ کو پھاڑ نہ دیا جائے جو قوم میں قطع رحمی کا سبب بنا ہوا ہے، ابوجہل مسجد کے ایک کونے سے بولا، یہ جھوٹ کہتا ہے، خدا کی قسم! یہ عہد نامہ قائم رہے گا، کوئی طاقت اسے پھاڑ نہیں سکتی، زمعہ بولا، تو سب سے بڑا جھوٹا ہے، ہم تو پہلے دن ہی سے اس پر راضی نہیں تھے، ابوالبختری بولا، زمعہ ٹھیک کہتا ہے، اس میں جو کچھ لکھا ہے، ہم اس پر راضی ہیں اور نہ اس کو برقرار رکھیں گے، مطعم نے کہا، تم درست کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے جھوٹ کہتا ہے، ہم اس عہد نامہ سے بیزار ہیں، ہشام نے بھی ان کی تائید کی، ابوجہل کہنے لگا، یہ معاملہ

رات کو طے ہوا ہے اور کسی دوسری جگہ مشورہ کیا گیا ہے، حضرت ابو طالب مسجد کے ایک کونے میں یہ سب کچھ سن اور دیکھ رہے تھے، مطعم بن عدی یہ عہد نامہ پھاڑنے کیلئے اٹھا لیکن اس نے دیکھا کہ اسکو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس نے سرنامہ "باسمک اللھم" اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے ناموں کے سوا اس میں کچھ نہیں چھوڑا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۹۲، سبل الھدیٰ ۲: ۵۴۵﴾ اس طرح بعثت کے دسویں سال گویا ہجرت سے تین سال پہلے محصورین کو شعب ابی طالب سے آزادی نصیب ہوئی ﴿ایضاً﴾ اس ظالم عہد نامے کو ختم کرانے والے لوگوں میں سے ہشام، زہیر، سہیل اور عدی بن قیس کو اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہو گیا۔ ﴿ایضاً﴾ ابن اسحاق کہتے ہیں، جب عہد نامہ پارہ پارہ ہو گیا تو حضرت ابو طالب نے ایک طویل مدحیہ قصیدے میں ان لوگوں کی تعریف کی، قصیدے کے اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

"کیا ہمارے سمندر پار کے مسافروں کو ہمارے پروردگار کی کارسازی کی بھی کچھ خبر ملی ہے کہ اس دوری کے باوجود اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بڑا مہربان ہے، کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو انہیں خبر دے کہ صحیفہ پھاڑ دیا گیا ہے اور یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا وہ خرابی پیدا کرنے والی ہے، اس نوشتہ کو بہتان اور دانستہ جھوٹ نے قوت دی تھی اور کوئی جھوٹ کبھی ترقی کرتا ہوا نہیں پایا گیا، اس نوشتہ کے معاملہ میں وہ لوگ بھی جمع ہو گئے جو اس پر مطمئن نہ تھے لہذا اس کی نحوست کے پرندے ان کے سروں پر پھڑ پھڑا رہے ہیں، یہ واقعہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس کے عوض ہاتھ اور گردنیں کاٹی جاتیں تو بجا تھا، مکہ کے نشیب و فراز کے رہنے والے سفر کئے جا رہے ہیں اور اس حالت میں بھاگے چلے جا رہے ہیں کہ ان کے شانے برائی کے خوف سے پھڑ پھڑا رہے ہیں، اور کمائی کرنے والا شخص اپنے معاملے میں تدبیریں کرنے کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ خواہ ارض حجاز کی پست زمین تہامہ میں جائے یا بلند حصہ نجد میں سفر کرے، مکہ کے باسیوں میں سے کون اس کی عزت کو فراموش کر سکتا ہے اور ہماری عزت تو وادی مکہ میں بہت پرانی ہے، ہم نے اسمیں اس وقت نشو و نما پائی جب اس میں تھوڑے سے

لوگ تھے لہذا ہماری عزت ہمیشہ بھلائی میں بڑھتی رہی ، ہم مہمانی میں کھانا کھلاتے ہیں، حتیٰ کہ لوگ اپنی فضیلت اور بڑائی کو چھوڑ دیتے ہیں ، اللہ تعالیٰ اس جماعت کو جزائے خیر عطا کرے جو مقام حجون میں یکے بعد دیگرے برسر مجلس پہنچے جو سیدھی راہ بتاتے تھے، وہ حطم الحجون میں یوں بیٹھے تھے جیسے رئیس ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ عزت وشان والے ہیں ،اس معاملہ میں جن لوگوں نے مدد دی، ان کا ہر فرد گویا شہباز تھا، جب وہ لمبی زرہوں میں چلتا تو بہت آہستہ چلتا، بڑے بڑے معاملات میں بڑی جرأت کرنے والا ، گویا وہ ایک چنگاری ہے جو آگ لینے والے کے ہاتھوں میں بھڑک رہی ہے، وہ لوی بن غالب کے شرفا میں سے ہے، جب کوئی ذلت کا برتاؤ کیا جائے تو اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔

طویل النجاد خارج نصف سقه　　　علی وجهه تسقی الغمام و تسعد

عظیم الرماد سید وابن سید　　　یحض علیٰ مقری الضیوف و یحشد

دراز قد جس کی آدھی پنڈلی باہر نکلی رہتی ہے، اس کے چہرے کے طفیل ابر پانی برساتا اور سعادت حاصل کرتا ہے، بڑا سخی سردار اور سردار کا بیٹا ہے، مہمانوں کی ضیافت پر دوسروں کو بھی ابھارتا ہے اور جمع کرتا ہے' جب ہم شہروں میں ادھر ادھر گھومتے اور سیاحت کرتے ہیں، تو وہ خاندان کے بچوں کیلئے اچھی اچھی بنائیں ڈالتا اور تمہیدیں باندھتا ہے، اس صلح کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے والا ہر فرد بے عیب، عظیم جھنڈے والا ہے جس کے کام کی تعریف کی جاتی ہے، انہوں نے اپنے کام کا راتوں رات فیصلہ کر ڈالا اور باطمینان صبح صبح مقام مطلوب پر پہنچ گئے جبکہ تمام لوگ سو رہے تھے۔

همو رجعوا سهل بن بیضا راضیاً

وسرا ابو بکر بها و محمد

انہیں لوگوں نے سہل بن بیضا کو راضی کر کے واپس کیا، ابو بکر بھی اس سے خوش ہو گئے اور محمد مصطفیٰ ﷺ بھی اور ہمارے بڑے بڑے امور میں یہ لوگ کہاں شریک رہے ہیں، حالانکہ اس سے قبل بھی ہم ہمیشہ باہم دوستانہ تعلقات رکھتے

تھے، یہ عادت قدیم سے رہی ہے کہ ہم ظلم کو برقرار نہیں رہنے دیتے، ہم جو چاہتے ہیں حاصل کرتے ہیں اور سختی بھی نہیں کرتے، پس اے آل قصیٰ! تم پر تعجب ہے، کیا تم نے اپنے ذاتی نفع ونقصان پر بھی غور کیا اور کیا کل پیش آنے والے واقعات پر بھی تم نے کبھی نظر ڈالی ہے، میری اور تمہاری بس وہی حالت ہے جیسے کسی کہنے والے نے کہا ہے، اے اسود! بولنے کے تمام ذرائع تیرے ہی پاس ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۹۵، ۱۹۶﴾

نقض عہد کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب سے نکلے اور دوسرے لوگوں کی طرح اپنے مکہ مکرمہ والے گھروں میں رہنے لگے۔

سورۃ الروم کی شان نزول:

بعثت محمدی کے ساتویں سال سے لے کر دسویں سال تک بہت سے اہم واقعات کا ظہور ہوا، چند ایک کا تذکرہ حسب ذیل ہے، مقاطعہ قریش کے علاوہ تاریخ عرب میں ایک اور واقعہ رونما ہوا اور وہ تھا یثرب کے ریگزاروں میں اوس اور خزرج کے درمیان معرکہ، بعثت کے آٹھویں سال مکہ مکرمہ میں یہ خبر عام ہوئی کہ فارسیوں نے رومیوں پر فتح حاصل کرلی ہے، شیخ محقق کے نزدیک دسویں سال یہ خبر موصول ہوئی ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۷۵﴾ بہر حال مشرکین اس خبر سے بہت خوش ہوئے، کہنے لگے رومی اہل کتاب ہیں اور فارسی آتش پرست، جس طرح کسریٰ نے قیصر پر لشکر کشی کی، ہم بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی فوج پر غالب آئیں گے، مسلمانوں کے دل ان باتوں کے سننے سے غمگین ہوتے تھے، حضرت جبریل امین علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم سے یہ پیغام لائے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

⊙ ...... **الم ○ غلبت الروم ○ فی ادنی الارض وهم من بعد غلبهم سیغلبون ○ فی بضع سنین لله الامر من قبل و من بعد و یومئذ یفرح المومنون ○** الف، لام، میم، ہرادیئے گئے رومی، پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے چند برس کے اندر، اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد بھی اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان، ﴿سورۃ الروم: ۱تا۴﴾

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کفار کے پاس گئے اور کہا کہ اپنے مشرک بھائیوں کے غلبہ پر زیادہ خوشیاں نہ مناؤ، کیونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے بتایا ہے کہ عنقریب رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے، یہ سنکر ابی بن خلف سے نہ رہا گیا، کھڑا ہو کر کہنے لگا، اے ابو بکر! تم جھوٹ بول رہے ہو، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، انت اکذب یا عدو الله، اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو، میں اس پر شرط بدنے پر تیار ہوں، اگر تین سال تک ایرانی غالب آ گئے تو تمہیں دس اونٹ دوں گا اور اگر رومی فتح یاب ہوئے تو تمہیں دس اونٹ دینا ہوں گے، ابی نے یہ شرط قبول کر لی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہاں سے بارگاہ رسالت میں آئے اور سارا ماجرا عرض کیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "بضع سنین" کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے، آپ واپس جائیں اور ابی بن خلف سے مدت میں توسیع اور شرط میں زیادتی کا مطالبہ کریں، چنانچہ مدت نو سال قرار پائی اور اونٹوں کی تعداد دس سے سو کر دی گئی، وقت گزرتا گیا، جس دن اللہ تعالیٰ نے غلامان مصطفیٰ کو میدان بدر میں فتح مبین سے شادکام فرمایا اسی روز یہ خبر بھی پہنچی کہ رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی ہے، مسلمانوں کو ایک وقت میں دو خوشیاں نصیب ہوئیں، ابی بن خلف اس سے پہلے ہلاک ہو چکا تھا، ایک روایت ہے کہ روز حدیبیہ کو خبر ملی کہ رومی فارسیوں پر غالب آ چکے ہیں، روز حدیبیہ کی روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اس آیت کا نزول بعثت کے دسویں سال ہے اور صلح حدیبیہ ہجرت کے چھٹے سال ہے، لہذا نو سال درست بنتے ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۷۶﴾ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شرط کے سو اونٹ ان کے وارثوں سے وصول کئے اور انہیں لے کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، رسول مکرم ﷺ نے فرمایا، "تصدق بہ" اے ابو بکر! انہیں صدقہ کر دو، اپنے آقا کا اشارہ پاتے ہی اس پیکر تسلیم و رضا نے سو کے سو اونٹ راہ خدا میں صدقہ کر دیئے اور مدعیان محبت کے سامنے ارشاد محبوب کی تعمیل کی ایک تابندہ مثال پیش کر دی، ﴿ضیاء القرآن ۳: ۵۶۰﴾ یہ واقعہ قرآن پاک کے حسن اعجاز کی ایک عظیم دستاویز ہے، صدقہ کر دینے کا حکم اس نعمت کے حاصل ہونے کے شکرانے میں تھا یا اس شبہ کی بنا پر کہ یہ مال شرط کا تھا، بعض علما فرماتے ہیں کہ شرط لگانے کا قصہ قمار کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے امام محمد کے نزدیک

عقود فاسدہ عقد ربا کی مانند دارالحرب میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جائز ہے
﴿مدارج النبوۃ ۲:۷۶﴾ مشہور مورخ گبن لکھتا ہے:

"At the time this prediction in said to have been delivered, No prophecy could be more distant from its accomplishment since the first tweleve years of Heraclius announced the approching disscution of the Empire.

جس وقت یہ پیش گوئی کی گئی تھی اس وقت اس کا پورا ہونا ناممکن تھا کیونکہ ہرقل کے عہد حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ رومی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ ﴿تاریخ گبن ۴:۵۱۴﴾

طفیل بن عمر دوسی کا قبول اسلام:

حضرت امام بیہقی نے حضرت ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ حضرت طفیل بن عمر دوسی بیان کرتے تھے کہ وہ مکہ مکرمہ گئے، اس زمانہ تک حضور اکرم ﷺ نے ہجرت نہیں کی تھی، طفیل ایک شریف، دانشور اور معروف شخص تھے، صاحب علم اور شاعر بھی تھے، مشرکین مکہ میں سے چند آدمی ان سے ملے اور بتایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے ہمارے درمیان تفریق پیدا کر دی ہے اور جمعیت کو پراگندہ کر دیا ہے، ان کے اقوال ساحروں کی طرح ہیں جو باپ کی بیٹے سے، بھائی کی بھائی سے اور شوہر کی بیوی سے جدائی کرا دیتے ہیں، لہٰذا تم ان سے نہ بات کرنا اور نہ ان کی بات سننا، وہ فرماتے ہیں، میں نے قریش کے خیر خواہانہ مشورے پر عمل کرنے میں خیریت سمجھی اور اپنے کانوں میں روئی رکھ کر سماعت سے محروم کر لیا کہ کہیں ان کا کلام مجھ پر اثر انداز نہ ہو جائے، ایک روز صبح کے وقت میں مسجد حرام گیا تو دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، بادل نخواستہ میں نے ان کا کلام سن لیا، پھر میں نے سوچا افسوس! قریش نے مجھے ایسے نشاط انگیز کلام سے کیوں روکا، کیوں نہ میں ان سے ملاقات کروں، آخر میں ایک عقل مند انسان ہوں، صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتا ہوں، جب حضور اکرم ﷺ اپنے گھر روانہ ہوئے تو میں بھی آپ کے تعاقب میں چل پڑا، پھر

قریب ہو کر پوچھا، آپ کے متعلق لوگ یہ کہتے ہیں، لہذا ذرا اپنی دعوت کے بارے میں مجھے بھی کچھ بتائیے، پس آپ نے میرے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور قرآن پاک کے ایک جزو کی تلاوت فرمائی، ایک عجیب سے اثر خشیت نے مجھے بے قابو کر دیا اور میں اقرار توحید ورسالت سے مالا مال ہو گیا، بعد ازاں میں نے عرض کیا اے اللہ کے عزت والے رسول! میں اپنی قوم کا قائد ہوں، میں ان کو دعوت اسلام دوں گا، مگر اس مشکل کام میں آسانی پیدا کرنے کیلئے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نشانی عطا کر دے، آپ نے دعا فرمائی اور میں عازم وطن ہو گیا، دوران راہ کداء کے مقام پر میرے دونوں ابروں کے درمیان نور طلوع ہوا، گویا یہ میری حقانیت کی نشانی تھی، پھر وہ میری خواہش پر میرے کوڑے میں ظاہر ہو گیا، میں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کی، میں نے پھر مکہ مکرمہ میں آپ کی زیارت کی اور صورت حال سے آگاہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی، اے اللہ! دوسیوں کو ہدایت عطا کر دے اور مجھے حکم دیا، اے طفیل! اپنی قوم کو نرمی اور حکمت عملی کے ساتھ دعوت اسلام دو، میں واپس وطن آیا اور دوسیوں میں نرمی اور حکمت عملی کے ساتھ تبلیغ کرتا رہا، یہاں تک کہ آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، میں ستر یا اسی مسلمان گھرانوں کو ساتھ لے کر خیبر کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۲۲۳﴾ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کو خیبر کی غنیمت سے حصہ دیا گیا، پھر وہ آپ کے انتقال تک مدینہ طیبہ میں رہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ذوالکفین کے بت کو بھی جا کر نذر آتش کر دیا، ﴿سیرت ابن ہشام ص ۴۱۱﴾ جب بعض عربی قبائل مرتد ہو گئے تو یہ ان کی سرکوبی کیلئے لشکر اسلام میں شامل ہو گئے، انہوں نے طلیحہ اسدی اور مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کیا، ﴿ملخصاً مختصر سیرت الرسول ص ۲۵۴﴾

حضرت ضماد بن ثعلبہ کا قبول اسلام:

حضرت امام مسلم، حضرت امام احمد اور حضرت امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ضماد بن ثعلبہ ازدی اپنی کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ آئے، وہ جنتر منتر میں بہت مشہور تھے، ایک روز مشرکین مکہ سے انہوں نے سنا کہ حضرت محمد ﷺ

مجنون ہوگئے ہیں، ﴿معاذ اللہ﴾ لہذا انہوں نے خیال کیا کہ کیا بعید ہے، میں جھاڑ پھونک سے ان کو تندرست کردوں، پس وہ آ کر حضور اکرم ﷺ سے ملے اور کہا میں منتر پڑھتا ہوں، مالک جس قدر چاہے گا آپ کو شفا عطا کردے گا، ان کا قول ہے کہ آپ میری باتیں سننے کے بعد میرے نزدیک ہوئے اور یہ پڑھا:

الحمد لله نحمده و نستعينه و نومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمداً عبدهٗ و رسوله.

میں نے عرض کیا، براہ مہربانی ان ہی کلمات کو دوبارہ پڑھیے، لہذا حضور اقدس ﷺ نے یہ مقدس کلمات دوبارہ پڑھے، میں نے کہا، واللہ، میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا اور نہ کبھی پڑھا، یہ سحر ہے اور نہ شاعری ہے اور نہ کہانت ہے، واقعی یہ الہام ووحی ہے، بے شک یہ خدائی کلام ہے، اس میں تلوار سے زیادہ کاٹ، کائنات سے زیادہ حسن، آفتاب سے زیادہ نور اور اسحار سے زیادہ تاثیر ہے، اس کے بعد دوزانو ہو کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمانوں کے زمرے میں شامل ہوگیا، ﴿خصائص کبریٰ ۱:۳۲۱﴾ آپ نے حضرت ضماد رضی اللہ عنہ اور ان کی ساری قوم کی طرف سے بیعت قبول فرمائی، ﴿سیرت حلبیہ ۱:۳۲۹﴾

بعض عیسائیوں کا قبول اسلام:

ابھی آپ ﷺ مکہ مکرمہ ہی میں تھے کہ آپ کے ظہور نور کی خبر سن کر بیس کے قریب عیسائی حبشہ سے آئے، ایک روایت کے مطابق نجران سے آئے، انہوں نے آپ سے ملاقات کی اور کچھ سوالات پوچھے، قریش مکہ اپنی اپنی نشست گاہوں پر براجمان ہوکر سب کچھ ملاحظہ کر رہے تھے، جب وہ سوالات سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعوت اسلام پیش فرمائی اور قرآن پڑھ کر سنایا جسکی اثر آفرینی سے ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سیلاب آگئے، انہوں نے اپنی کتاب میں آپ کے جملہ اوصاف وکمالات کو مرقوم پایا اور تصدیق کرنے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، ابوجہل بن ہشام کفار مکہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے قریب آ کر کہنے لگا، اللہ تعالیٰ تمہیں ناکام کرے، تمہارے ہم مذہبوں نے تو تمہیں دین حق کی تلاش میں اور اس شخص کے حالات معلوم کرنے کیلئے

بھیجا تھا، تم ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس کی باتوں میں آ کر اپنا دین چھوڑ بیٹھے اور اس کو سچا مان لیا، ہم نے آج تک تمہارے جیسا بیوقوف اور احمق قافلہ کوئی نہیں دیکھا، انہوں نے جواب دیا، ''سلام علیکم! ہم جاہلوں کی طرح تم سے جھگڑا نہیں چاہتے، ہم اپنے راستے پر چلے ہیں، تم اپنی راہ لو، ہم نے اپنی بھلائی تلاش کرنے میں کمی نہیں کی، کہتے ہیں یہ آیات ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں:

⊙ ......الذین اتینھم الکتب من قبلہ ھم بہ یومنون...... سلام علیکم لا نبتغی الجٰھلین○ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہی حق ہے، ہمارے رب کے پاس سے، ہم اس سے پہلے ہی گردن رکھ چکے تھے، ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا، یہ بدلہ ان کے صبر کا اور وہ بھلائی سے برائی ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے ہماری راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں، اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل، بس تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کے غرضی نہیں، ﴿سورۃ القصص: ۵۲ تا ۵۵﴾

حضرت ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا یہ آیات کن لوگوں کے بارے میں اتری ہیں تو بولے ہم نے تو ہمیشہ اپنے علما سے سنا ہے کہ یہ آیات نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں، یہ آیات بھی ان کے بارے میں اتری ہیں۔ [1]

⊙ ......ذالک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون...... و ذالک جزآء المحسنین○ یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے، اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لئے کہ وہ حق کو

---

[1] تفسیر قرطبی میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر سے متاثر ہو کر نجاشی نے تحقیق حال کیلئے بارہ آدمیوں کا وفد مکہ مکرمہ بھیجا تو وہ آپ ﷺ کی غلامی میں آ گیا، تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ یہ چالیس افراد تھے جو حضرت جعفر کے ساتھ آئے تھے، انہوں نے مسلمانوں کی حاجت اور تنگی معاش دیکھی تو عرض کیا کہ ہمارے پاس مال ہیں، آپ اجازت دیں تو ہم اپنے مال لا کر مسلمانوں کی خدمت کریں، آپ نے اجازت دی تو وہ مال لا کر خدمت کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ومما رزقنھم ینفقون ، حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آیات ان اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئیں جن میں چالیس نجران اور بتیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے تھے۔

پہچان گئے، کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا اور ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے، تو اللہ نے ان کے اس کہنے کے بدلے انہیں باغ دیئے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بدلہ ہے نیک لوگوں کا، ﴿سورۃ المائدہ:۸۲تا۸۵﴾

میمون ابن قیس اعشیٰ کی محرومی:

علامہ ابن ہشام نے بکر بن وائل کے اہل علم سے روایت کی ہے کہ میمون بن قیس بن ثعلبہ اعشیٰ اسلام کی دولت سے مشرف ہونے کیلئے گھر سے رسول اللہ ﷺ کی جانب چلا، وہ بہت اچھا شاعر تھا، اس نے آپ ﷺ کی شان اقدس میں یہ قصیدہ بھی کہا جس میں مدحت مصطفوی کے گلہائے شاداب دل و جان کو خوشبو تقسیم کر رہے ہیں ؎

الم تغتمض عيناک ليلة ارمدا و بت كما بات السليم مسهدا

و ما ذاک من عشق النساء وانما تنا سيت قبل اليوم صحبة مهددا

ولكن ارى الدهر الذى هو خاتن اذا اصلحت كفاى عادفا فسدا

كهولا و شبانا فقدت و ثروة فلله هذا الدهر كيف ترددا

وما زلت ابغى المال مذانا يافع وليداً و كهلا حين شبت وامردا

اجدت بر جليها النجاوراجعت يدا ها خنافا لينا غيرا حردا

واليت لا آوىٰ لها من كلالة ولا من حفى حتى تلاقى محمدا

متىٰ ماتنا خى عند باب ابن هاشم تراحى و تلقى من فواضله ندىٰ

نبى يرى مالا يرون و ذكره اغار لعمرى فى البلاد و انجدا

له صدقات ما تغب و نائل وليس عطا اليوم ما نعه غدا

اجدک لم تسمع و صاة محمدٍ نبى الا له حيث اوصىٰ و اشهدا

اذا انت لم ترحل بزاد من التقى ولاقيت بعد الموت من قد تزودا

ندمت علیٰ ان تکون کمثلہ — فترصد للامر الذی کا ن ارصدا

فایاک والمیتات لا تقربنھا — ولا تاخذن سھما حدیدا لتفصدا

وذاالنصب المنصوب لا تنسکنہ — ولا تعبد الاوثان واللہ فاعبدا

ولا تقربن جارۃ کان سرھا — علیک حراماً فانکحن اوتابداً

و ذا الرحم القربیٰ فلا تقطعنہ — لما قبۃ واصدق و فک المقیدا

وسبح علیٰ حین العشیات والضحیٰ — ولا تحمد الشیطن واللہ فاحمدا

ولا تسخرن من بائس ذی ضرورۃ

ولا تحسبن المال للمرء مخلدا

ترجمہ: کیا یہ صحیح ہے کہ آنکھ دکھنے کی وجہ سے تو رات بھر نہیں سویا اور سانپ گزیدہ شخص کی طرح جاگتا رہا، یہ رات بھر جاگنا عورتوں سے عشق کی وجہ سے نہیں، میں تو پہلے ''مہدد'' کا ساتھ چھوڑ چکا ہوں، خائن زمانے دیکھتا ہوں کہ جب بھی میں کوئی معاملہ درست کرتا ہوں تو وہ آ کر خراب کر دیتا ہے، بوڑھے اور جوان عزیز مجھ سے بچھڑ گئے، سرمایہ ضائع ہو گیا، زمانے پر تعجب ہے کہ اس نے کس طرح بار بار حملہ کیا ہے، میں جوانی اور بڑھاپے میں مال کا متلاشی رہا اور نوعمری سے کہولت تک اسی میں کوشاں رہا، میری اونٹنی اپنے پاؤں کو خوب دوڑاتی ہے اور خوشی سے ہاتھ گھما گھما کر رکھتی ہے جس میں سستی کا کوئی اثر نہیں ہوتا، میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دربار میں نہیں پہنچتی، میں تھک جانے اور پاؤں گھس جانے پر بھی اس پر رحم نہیں کروں گا، اے میری ناقہ! جب تو ابن ہاشم ﷺ کے دروازے پر جا بیٹھے گی، تب تجھے آرام ملے گا اور تو اس کے بڑے بڑے عطیات سے نوازی جائے گی، وہ نبی برحق ہے، وہ اس چیز کو بھی دیکھتا ہے کہ جس کو دوسرے نہیں دیکھتے، میری زندگی کی قسم! اس کی شہرت اور عزت ملک کے زیریں اور بالائی حصوں میں پھیل چکی ہے، اس کے صدقات اور عطیات میں دیر نہیں ہوتی اور آج کا عطیہ

اس کو کل دوبارہ دینے سے نہیں روکتا، کیا تم نے سچ مچ ارادہ کر رکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ وصیت کریں گے تو تم ان کی وصیت نہیں سنو گے، جب تم تقویٰ کا زاد لے کر نہیں چلو گے تو مرنے کے بعد زاد لانے والے کو مل کر پشیمان ہو گے، لہذا تم بھی اسکی تیاری کرو جس کی اس نے تیاری کی ہے، مری ہوئی چیزوں سے بچو، اور نہ ان کے قریب جاؤ، کسی کا خون بہانے کیلئے تیز دھار تیر اپنے پاس نہ رکھو، اس نصب کردہ بت کی پوجا نہ کرو اور نہ دوسرے بتوں کی عبادت کرو، صرف اللہ کو معبود مانو، کسی پڑوسی عورت کے نزدیک نہ جاؤ جس کا جسم تم پر حرام ہے، نکاح کر لو یا دور جنگل میں چلے جاؤ، اللہ کی تسبیح بیان کرو، شیطان کی تعریف نہ کرو، اللہ کے شکر گزار رہو، کسی مصیبت زدہ محتاج کا مذاق نہ اڑاؤ، اور یہ خیال نہ کرو کہ مال کسی آدمی کو ابدی زندگی دے سکتا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۴۷، ۲۴۸﴾

جب یہ ان پاکیزہ جذبات کے ساتھ مکہ مکرمہ کی وادی میں داخل ہوا تو کسی مشرک نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے، اس نے کہا، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں اسلام قبول کرنے کیلئے آیا ہوں، اس نے کہا، اے ابوبصیر! وہ شراب کو بھی حرام کرتا ہے،[1] اعشیٰ کہنے لگا، واللہ! اسکی ابھی خواہش باقی ہے، اس لئے واپس چلتا ہوں، اس سال جی بھر کے شراب پی لوں، اگلے سال آ کر اسلام قبول کر لوں گا، چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور اسی سال اسکا انتقال ہو گیا، اس طرح وہ اسلام کی دولت سے محروم رہا، ﴿سیرت ابن ہشام ۱: ۴۱۶، مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۴۹﴾

ایسے باوزقوت میں لاکھوں سلام:

ایام مقاطعہ میں بھی حضور پیغمبر نور ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں زور و شور سے جاری تھیں، امام

---

[1] اسلام نے مدینہ منورہ میں شراب کو حرام قرار دیا لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ کو شروع ہی سے ام الخبائث کے ساتھ نفرت تھی اور آپ کے مزاج نبوت سے آشنا لوگ اس سے کوسوں دور تھے، اس لئے اس مشرک نے کہا کہ پیغمبر اسلام شراب کو حرام کرتا ہے، چنانچہ اعشیٰ واپس چلا گیا، مشرک ایک مسافر جادہ حق کو منزل سے دور کر کے کامیاب ہو گیا ورنہ اگر وہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا تو ہجرت مدینہ تک اسے شراب کی مہلت حاصل ہو جاتی، اس دوران اسکے قلب سیاہ میں اسلامی انقلاب کے اجالے اتر جاتے اور وہ اس دختر انگور سے بھی تائب ہو جاتا، واقعی ہدایت اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مستقبل کی امید پر کوئی نیک کام نہیں چھوڑنا چاہئے، ہو سکتا ہے ہمارا یہی آخری دن بلکہ آخری لمحہ ہو۔

ابونعیم لکھتے ہیں، ومع ذالک یدعوا قومه الی الله عزو جل لیلاً و نھا راسرا و جھرا لا یتقی فیہ احدا من الناس، آپ ان دنوں بھی زور وشور کے ساتھ دن رات علانیہ اور خفیہ دعوت دینے میں مصروف تھے اور کسی انسان سے خوف وخطر محسوس نہیں کر رہے تھے، ﴿دلائل النبوۃ:۲۴۱﴾

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق بن یسار نے کہا، رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قریش کا ایک نامور پہلوان تھا، کسی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسکی ملاقات ہوگئی، آپ نے فرمایا، اے رکانہ! کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں اس کو قبول نہیں کرتے، اس نے کہا جو کچھ تو کہتا ہے، اگر سچ ہوتا تو میں ضرور قبول کرتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر میں کشتی میں تمہیں بچھاڑ دوں تو کیا تم میرے دین کو سچا مان لو گے، بولا آؤ کشتی لڑ کر دیکھیں، چنانچہ وہ کشتی لڑنے کیلئے میدان میں اتر آیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو پکڑتے ہی زمین پر لٹا دیا، وہ کہنے لگا، اے محمد! بخدا یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم نے مجھے بچھاڑ دیا، آپ نے فرمایا اگر تم میری بات مان لو تو میں اس سے بھی عجیب چیز تمہیں دکھاتا ہوں، وہ بولا کونسی چیز، آپ نے فرمایا، میں اس درخت کو اپنے پاس بلاتا ہوں تو وہ بھی میرے پاس آجائے گا، اس نے کہا پھر بلا کر دکھاؤ، آپ نے درخت کو بلایا تو وہ چلنے لگا اور آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، پھر آپ نے واپس جانے کو کہا تو وہ واپس چلا گیا یہ سارا ماجرا دیکھ کر رکانہ پہلوان اپنی قوم میں آکر کہنے لگا، اے بنو عبد مناف تم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا روئے زمین کے جادوگروں سے مقابلہ کراؤ، میں نے اس سے بڑا جادوگر کوئی نہیں دیکھا، پھر اس نے جو کچھ دیکھا تھا سب بیان کر دیا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۲۲۹، سیرت ابن ہشام ۱: ۴۱۸﴾

علامہ ابن کثیر نے ابو بکر شافعی کی روایت سے یوں بھی ذکر کیا ہے کہ آپ نے تین بار اس کو بچھاڑ دیا تو وہ کہنے لگا، آج تک کسی نے میری پشت زمین پر نہیں لگائی، آج سے پہلے میں سب سے زیادہ نفرت آپ کے ساتھ کرتا تھا، مگر اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آپ اس کی چھاتی سے اٹھے اور اس کی طرف سے قائم ہونے والی شرط کی سو بکریاں بھی اسے لوٹا دیں، ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۸۳﴾

حضرت امام ابونعیم نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رکانہ پہلوان اضم نامی وادی میں رہتا تھا اور یہ واقعہ قیام مدینہ کے دوران پیش آیا، اس نے کہا مجھے اسلام سے

انکار تو نہ ہوتا مگر مجھے یہ ناپسند ہے کہ مدینہ طیبہ کی عورتیں اور بچے یہ سنیں کہ میں نے اپنے دل میں تمہارا رعب محسوس کر کے تمہاری بات مان لی ہے، البتہ یہ بکریاں حاضر ہیں، آپ نے فرمایا، جب تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مجھے تمہاری بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں، پھر آپ واپس آگئے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے سارے حالات بیان کئے، انہوں نے تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس نے دس انسانوں کی قوت وطاقت کے ساتھ میری مدد فرمائی، ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۷﴾

جس کو بار دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

حقیقت یہ ہے کہ رکانہ بن عبد یزید پہلوان بعد میں اسلام لے آئے اور مرتبہ صحابیت حاصل کیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں ۴۰ھ کو مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا، ابوداؤد کتاب اللباس اور مستدرک کتاب معرفۃ الصحابہ میں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوجعفر محمد بن رکانہ سے روایت ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا ہے: ہمارے اور مشرکوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ ﴿ابوداؤد ۲: ۲۰۷، مستدرک حاکم ۳: ۴۵۶﴾

عام الحزن کا وحشت ناک سایہ:

جب مقاطعہ کے پر آفات سال گزرے تو حضور سراپا نور ﷺ کے سرانور پر عام الحزن کے وحشت ناک سائے دراز ہو گئے لیکن آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا، پیکر صبر و رضا نے یہ سال بھی بہت جانفشانی اور جوانمردی سے عبور کر لیا، ہوا یوں کہ قریش کے معاشرتی بائیکاٹ کے چھ ماہ بعد رمضان المبارک میں حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا، مواہب لدنیہ میں ہے جب آپ ﷺ کی عمر مبارک کے انچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن گزرے تو حضرت ابوطالب نے وفات پائی، بعض کہتے ہیں کہ سن دس نبوی کے نصف ماہ شوال میں وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ستاسی سال کی تھی، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۷۷﴾ اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جیسی وفادار، جان سپار رفیقہ حیات خالق حقیقی سے جا ملیں، ﴿شرح مسلم نووی ۱: ۲۰۰﴾ سیرت النبی میں ان دونوں شخصیات کا

روشن کردار ہر سیرت نگار کے نزدیک ناقابل فراموش ہے، حضرت ابو طالب کے انتقال کا غم کچھ اس طرح بھی بہت زیادہ کربناک تھا کہ انہوں نے اتنی خدمات اور بے لوث نوازشات کے باوجود آبائی دین سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی، اگرچہ اُن کا آبائی دین کفرو شرک پر مبنی نہیں تھا، ان کے آباکرام سب کے سب توحید پرست تھے، کیونکہ ان کا تعلق زمانہ فترت سے تھا اس لئے ان کیلئے فقط توحید پرستی کافی تھی جبکہ حضرت ابو طالب کیلئے ضروری تھا کہ وہ رسالت محمدی ﷺ کی تصدیق کرتے اور اطاعت نبوی سے سرفراز ہوتے ، حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو طالبب نے کبھی اصنام اور اوثان کی عبادت نہیں کی، اس کمال کے ساتھ بعثت محمدی ﷺ کا اقرار بھی دین کی اہم ضرورت تھی، اس کے انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سعید ابن میسب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے، اس وقت ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود تھے آپ نے فرمایا، چچا! ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے، میں اللہ کریم سے جھگڑ کر بھی آپ کی خلاصی کرالوں گا، وہ دونوں بولے، اے ابو طالب، دنیا سے جاتے وقت عبدالمطلب کے دین سے منہ پھیرتے ہو، آپ نے دوبارہ یہ بات کہی اور انہوں نے بھی دوبارہ یہی کہا، حضرت ابو طالب نے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی، میں عبدالمطلب کے مذہب پر جارہا ہوں، اور لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خدا کی قسم میں برابر آپ کیلئے استغفار کرتا رہوں گا، جب تک مجھے روک نہ دیا گیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، نبی کیلئے اور مسلمانوں کیلئے یہ مناسب نہیں کہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دعا مانگیں اور حضرت ابو طالب کیلئے حکم نازل کرتے ہوئے فرمایا، بے شک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو، ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے، ﴿بخاری کتاب التفسیر، مسلم کتاب الایمان﴾ امام مسلم نے ایک سند سے حدیث روایت کی ہے مگر اس میں ان دونوں آیتوں کا ذکر نہیں، ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ﴿مسلم کتاب الایمان﴾ منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ ان کی موت کے وقت فرماتے تھے کہ اے چچا، کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے میں آپ کی شفاعت کرکے چھڑالوں گا، حضرت ابو طالب نے کہا

اے میرے بھتیجے! اگر مجھے قریش کا ڈر نہ ہوتا کہ وہ میرے بارے میں یہ کہیں گے کہ یہ کلمہ موت کی بے صبری سے کہہ دیا ہے تو میں یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کر دیتا، ﴿مسلم کتاب الایمان، مدارج النبوہ ۲:۷۷﴾ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح بھی مروی ہے کہ موت کے وقت حضرت ابو طالب اپنے ہونٹ ہلا رہے تھے، انہوں نے کان لگا کر سنا اور حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا، اے میرے بھتیجے! میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا، آپ نے فرمایا، میں نے نہیں سنا، ﴿سیرت ابن ہشام ۲:۲۷، البدایہ والنہایہ ۳:۱۲۳، سیرت ابن کثیر ۲:۱۲۴﴾ ایک روایت میں آیا ہے کہ میں نے سنا ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۹۷﴾ منقول ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ بے شک آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کی وفات ہوگئی ہے تو آپ نے روتے ہوئے فرمایا، انہیں غسل دو اور ان کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرو ﴿نسائی ۲:۱۰۳﴾ اور یہ بھی فرمایا: اللہ انہیں بخشے اور رحمت فرمائے، نیز منقول ہے کہ آپ ان کے جنازے کے ہمراہ تشریف لے گئے اور فرمایا: اے میرے چچا! تم نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا اور میرے حق میں تم نے کوئی کمی اور کوتاہی نہ کی، اللہ تعالیٰ تمہیں اسکی جزائے خیر دے، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۹۷﴾ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابو طالب کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ آپ کی حمایت کرتے اور اعانت کرتے اور آپ کے بدلے میں اظہار غضب کرتے تھے تو کیا ان کو اس کا کچھ صلہ ملے گا، فرمایا، ہاں! میں نے ان کو جہنم کے طبقات اور عقبات میں پایا تو وہاں سے نکال لیا، ﴿صحیح بخاری ۱:۵۴۸، صحیح مسلم ۱:۱۱۵، مسند احمد ۱:۲۰۶، مسند ابو یعلی ۲:۳۹۹، دلائل النبوۃ بیہقی ۲:۳۴۶﴾ اب صرف ان کے پاؤں میں آگ ہے جس کی حرارت سے ان کا دماغ کھولتا ہے، ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ ان کا دماغ ان کے پاؤں کی طرف میلان کرتا ہے، نیز مروی ہے کہ روز قیامت سب سے ہلکا عذاب حضرت ابو طالب کو ہوگا، ان کے جوتوں کی بندش تک آگ ہے جس سے ان کا دماغ کھولتا ہے، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۹۷، صحیح مسلم ۱:۱۱۵، مسند احمد ۱:۲۹، دلائل النبوۃ ۲:۳۴۸﴾

حضرت ابو طالب کی وصیت:

مواہب لدنیہ میں حضرت ہشام بن سائب سے منقول ہے کہ جب حضرت ابو

طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے قریش کے جوانوں اور بڑوں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو وصیت کرتے ہوئے کہا، اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں بزرگی دی ہے، میں تم کو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق ہیں اور ان میں ہر حسن وخوبی جمع ہے، بے شک وہ ایسی بات لائے ہیں جو ہر دل تو مانتا ہے مگر زبانیں ملامت کے خوف سے انکار کر رہی ہیں،، میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں گویا دیکھ رہا ہوں عرب کے فقیروں، درویشوں، عرب کے بادیہ نشینوں اور کمزور لوگوں کو، وہ سب ان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں، ان کے کلمے کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کو اپنا بزرگ جانتے ہیں، پھر قریش اور ان کے بڑوں کے سر جھک گئے ہیں اور ان کے مکانات ویران ہو گئے ہیں، ان کے کمزور لوگ صاحب ثروت اور عظیم تر انسان بن گئے ہیں، ان کے بڑے ذلیل وخوار ہو گئے ہیں اور جو ان سے دور تھے وہ نصیبہ ور اور بہرہ مند ہو گئے ہیں، بلاشبہ انہوں نے عرب کو خاص بنا دیا ہے، اپنی محبت ان کے دلوں میں رچا دی ہے، وہ سب ان کی اطاعت کر رہے ہیں، اے گروہ قریش! تم بھی ان سے محبت کرنے اور ان کی نصرت وحمایت کرنے والے بن جاؤ، خدا تعالیٰ کی قسم! جو بھی ان کی متابعت کرے گا، کامیاب ہوگا اور ہدایت یافتہ ہوگا، کوئی نیک خصلت ان کی سیرت وخصلت کا انکار نہیں کرسکتا، اگر میں کچھ دیر اور زندہ رہا اور میری اجل میں کچھ تاخیر ہوئی تو یقیناً ان کی حفاظت وحمایت کرتا رہوں گا اور ہر حادثہ اور برائی کو ان سے دور رکھوں گا، یہ وصیت کی اور جہان سے رخصت ہو گئے،

﴿مدارج النبوۃ ۲:۸۷، سبل الہدیٰ ۲:۵۶۵﴾

یہ وصیت لکھنے کے بعد حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، غرضیکہ حضرت ابو طالب کا حضور نبی کریم ﷺ کی اعانت وامداد فرمانا، حمایت ورعایت کرنا اور آپ کی مدح وثنا کرنا، آپ کی شان کو بڑھانا اور آپ کے مرتبہ کو اونچا کرنا ان کے اشعار اور اخبار میں بکثرت موجود ہے، اس کے باوجود علما کہتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے اور مسلمان ہو کر جہان سے نہیں گئے، گو انہوں نے زبان سے اقرار نہیں کیا مگر دل سے تصدیق کی، ان کی جانب سے اذعان وقبول اور اطاعت وجود میں نہیں آئی اور وہی تصدیق اور اقرار معتبر

ہے جو اذعان وقبول اور انقیاد وتسلیم کے ساتھ شامل ہو، جیسا کہ کتب کلامیہ میں تحقیق کی گئی ہے اور حادیث واخبار میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، بجز اس روایت کے جو ابن اسحاق سے مروی ہے کہ وہ وفات کے وقت اسلام لائے اور حضرت عباس نے ان کی طرف نظر کی اور دیکھا کہ وہ اپنے لبوں کو جنبش دے رہے ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۸۷﴾ یہ مکمل روایت پیچھے گزر چکی ہے، یہ شیعہ کی روایت ہے، پھر امام بیہقی نے کہا کہ اس کی سند منقطع ہے، نیز بخاری ومسلم میں ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے ابو طالب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا، وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے، اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقے میں ہوتا، ﴿دلائل النبوۃ ۲: ۳۴۶، شرح مسلم سعیدی ۱: ۳۸۷﴾ لہذا اس کے مقابلے میں اس منقطع روایت کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، حضرت علامہ دشتانی مالکی کہتے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابو طالب دل سے رسول اللہ ﷺ کے مصدق تھے تو کیا اس وجہ سے ان کو مومن نہ کہا جائے گا، اس کا جواب ہے کہ انہوں نے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے، ﴿اکمال المعلم ۱: ۱۱۱﴾ حضرت امام آلوسی فرماتے ہیں، باقی حضرت ابو طالب نے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تو وہ دین اسلام کی محبت میں نہیں کی بلکہ نسب اور قرابت کی محبت میں کی، اعتبار دینی محبت کا ہے، نسبی محبت کا نہیں علاوہ ازیں آپ کے شدید اصرار پر بھی انہوں نے ایمان نہ لا کر آپ کو سخت اذیت بھی پہنچائی تاہم ان کے بارے میں اس طرح مذمت نہ کی جائے جس طرح ابو جہل اور دیگر کفار کی مذمت کی جاتی ہے، ﴿روح المعانی ۱۱: ۳۳﴾ مذکورہ صدر بخاری ومسلم کی حدیث میں دو آیتوں کو بیان کیا گیا ہے، ایک ''نبی اور مسلمانوں کیلئے مناسب نہیں کہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دعا کریں'' ﴿سورۃ التوبہ: ۱۱۳﴾ اور دوسری ''بے شک یہ نہیں کہ تم جسے چاہو اپنی طرف سے ہدایت کرو، ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے،'' ﴿سورۃ القصص: ۵۶﴾ ان آیتوں کے متعلق اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہ حضرت ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے بارے میں نازل ہوئیں، ﴿تفسیر کبیر ۴: ۵۱۱، تفسیر ابن کثیر ۳: ۴۶۰، تفسیر احکام القرآن ۸: ۲۷۳﴾ دوسری آیت کے متعلق تو حضرت زجاج نے فرمایا کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی، کیونکہ حضرت ابو طالب نے موت کے

وقت کہا، اے گروہ قریش! حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کرو اور ان کی تصدیق کرو، تم ہدایت پا جاؤ گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچا! تم ان لوگوں کو سمجھا رہے ہو، خود اس نصیحت پر عمل کیوں نہیں کرتے، حضرت ابو طالب نے کہا، اے بھتیجے! آپ کیا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: چچا! آج تمہارا آخری دن ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم لا الہ الا اللہ پڑھ دو تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے ایمان کی گواہی دے سکوں انہوں نے جواب دیا، اے بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ آپ صادق ہیں لیکن اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ ابو طالب نے موت سے خوفزدہ ہو کر کلمہ پڑھا ہے ورنہ میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، میں دیکھتا ہوں کہ آپ بہت نصیحت کرتے ہیں اور غم کھاتے ہیں لیکن عنقریب میں عبدالمطلب، ہاشم اور عبد مناف کی ملت پر جان دوں گا۔ ﴿احکام القرآن ۱۳: ۲۹۱﴾ حضرت امام عبد بن حمید، حضرت امام مسلم، حضرت امام ترمذی، حضرت امام ابن ابی حاتم اور حضرت امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی، حضرت امام نووی نے بھی اس پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے۔ ﴿شرح مسلم نووی ۱: ۴۱﴾ بعض سیرت نگاروں نے حضرت ابو طالب کے ایمان پر دلائل دیئے ہیں، جن میں کتاب خاتم النبیین کے مصنف امام ابوزہرہ جیسے محقق بھی شامل ہیں، ﴿واللہ اعلم و رسولہ﴾ ہم نے حضرت ابو طالب کے ایمان یا عدم ایمان کے متعلق مختلف روایات کو جمع کر دیا ہے، یہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر طویل مباحث کا سلسلہ شروع کیا جائے لہٰذا حضرت امام محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہی فیصلہ درست ہے:

"حضرت ابو طالب کے اسلام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ کہنا کہ تمام مسلمانوں کا یا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت انک لا تھدی من احببت حضرت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، درست نہیں کیونکہ علمائے شیعہ اور ان کے اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کا دعویٰ ہے کہ حضرات اہل بیت کا بھی ان کے ایمان لانے پر اجماع ہے، پھر ان کے اکثر قصائد بھی اس امر پر گواہی دیتے ہیں، جو لوگ اس آیت کے متعلق سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی وہ شیعہ

حضرات کے اختلاف اور روایات پر اعتماد نہیں کرتے، تاہم ہمارا فیصلہ ہے کہ ان کے عدم اسلام کے قول کے باوجود ان کو برا نہیں کہنا چاہئے اور نہ ان کے حق میں بیہودہ گوئی سے کام لینا چاہے کیونکہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد کو تکلیف ہوتی ہے، بلکہ اس میں کوئی بعید نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک کو بھی اذیت پہنچتی ہے، لہذا ایک دانشمند انسان کو احتیاط سے کام لینا چاہئے'' ﴿روح المعانی ۲۰: ۹۷﴾

امام ابن سعد نے ایک یہ روایت بھی لکھی ہے کہ انتقال کے وقت حضرت ابوطالب نے حضور اکرم ﷺ کو بلا کر کہا، آپ اگر مناسب سمجھیں تو میری وفات کے بعد اپنے اخوال یعنی بنونجار کے پاس یثرب چلے جائیں اس لئے کہ وہ لوگ اپنے رشتہ داروں کی حفاظت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ﴿طبقات کبریٰ، سیرت سرور دو عالم ۲: ۶۲۵﴾ اس سے آپ حضرت ابوطالب کی فراست کا اندازہ لگا سکتے ہیں، ان کے اشارے کے مطابق چند ہی سالوں کے بعد وہی علاقہ اسلام کی اشاعت کا مرکز بن گیا اور وہاں کے انصار رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں ساری دنیا سے بازی لے گئے اور اسلام کے نخل شاداب کو وہاں کی زرخیز مٹی نے ایسا پروان چڑھایا کہ اسکی شاخیں مشرق و مغرب کی وسعتوں میں سایہ فگن ہو گئیں اور اسکا ایک ایک ثمر صحراؤں کی باد سموم سے محفوظ ہو گیا۔

وصال خدیجۃ الکبریٰ کا سانحہ:

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خدمات اسلام کو کون نہیں جانتا، انہوں نے عمر بھر مہر و اخلاص، محبت و مروت، پاک نفسی اور قوت ایمانی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی تائید اور نصرت فرمائی، جب مشکلات آتیں تو یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں جو آپ ﷺ کو تسلی دلاسے دیتی رہتی تھیں،، جب کبھی آپ کی طبیعت پر اضطراب کی کیفت طاری ہوتی تو وہ اپنی محبت و خلوص میں ڈوبی ہوئی باتوں سے آپ کا غم غلط کر دیا کرتی تھیں، ان کی شخصیت آپ کیلئے بہت کچھ تھی، آخر بڑے سے بڑے معاملات میں ثابت قدم رہنے والی رفیقہ حیات نے بھی داغ مفارقت دیا تو اس صدمے سے آپ کا دل کتنا متاثر ہوا ہوگا، کون نہیں جانتا کہ جب اس قسم کے حادثات کسی بڑے سے بڑے انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں تو دنیا و مافیہا کا ہوش نہیں رہتا، عقل و خرد کی صلاحیتیں جذباتی اور احساساتی

سمندر میں ڈوب جاتی ہیں لیکن آپ نے اس کٹھن دور میں اور حزن وآلام کے سال میں بھی اپنے خداوند تعالیٰ کے احکام پہنچانے میں کسی ادنیٰ سی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کیا۔
اگرچہ اس حمیدہ خصال خاتون کے اوصاف اور اخلاق کے گہرے دریا میں غوطہ لگا نا کسی غواص کیلئے ممکن نہیں لیکن اس مملکتِ صداقت کی ملکہ درجاتِ یقین میں سبقت یافتہ مقبرۃ المعلیٰ میں آرام فرما پاک دامنہ اور محبوب خدا کی مقدس زوجہ کی کچھ خصوصیات بیان کی جاتی ہیں:

- ...... رسول اللہ ﷺ نے ان کی موجودگی میں کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں فرمائی۔
- ...... رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس وقت شادی فرمائی جب آپ عالم شباب میں تھے۔
- ...... رسول اللہ ﷺ نے ان کو تمام عورتوں سے بہتر قرار دیا۔
- ...... رسول اللہ ﷺ نے ان کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔
- ...... رسول اللہ ﷺ ان کی طرف سے کبھی آزردہ خاطر نہیں ہوئے۔
- ...... رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد انہی کے بطن مقدس سے پیدا ہوئی۔
- ...... رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلے انہوں نے تصدیق فرمائی۔
- ...... رسول اللہ ﷺ ان کو کثرت کے ساتھ یاد فرماتے رہے۔
- ...... رسول اللہ ﷺ کی ذات پر انہوں نے اپنا تمام مال قربان کر دیا۔
- ...... رسول اللہ ﷺ نے ان کی جدائی کے سال کو عام الحزن قرار دیا۔
- ...... رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے دست مبارک سے مقبرہ حجون میں اتارا۔
- ...... رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں ان کو جنت کے عالیشان محل کی خوشخبری سنائی۔
- ...... رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ان کی روح کی تسکین کیلئے ان کے اقربا کو تحفوں سے نوازا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، حضرت سودہ بنت زمعہ قریشیہ عامریہ اور بیوہ تھیں اور حضرت عائشہ کنواری چھ سالہ تھیں،

ہجرت کے بعد حضرت عائشہ سے زفاف واقع ہوا۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۸۰﴾

قریش کی ایذارسانی میں اضافہ:

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد قریش مکہ نے اپنے ناخن اور تیز کر لئے، انہوں نے مسلم آزاری کا سلسلہ اور بھی زیادہ گرم جوشی کے ساتھ شروع کر دیا، ایذارسانی کی ایک ادنیٰ ترین مثال یہ ہے کہ ایک بدکردار راستے میں بیٹھ جاتا اور نبی کریم ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکتا اور آپ نہایت وقار کے ساتھ اس جگہ سے گزر جاتے، گھر پہنچتے تو آپ کا گرد وغبار میں اٹا ہوا چہرہ اور سر آپ کی نورعین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دھوتیں اور آپ کو اس حال میں دیکھ کر رونے لگتیں، اولاد اور خصوصیت کے ساتھ بیٹی کا رونا بہت ہی زیادہ دردانگیز ہوتا ہے، بیٹی کے رخساروں پر بہتے ہوئے آنسو انگاروں کا کام کرتے ہیں اور انسان چاہتا ہے کہ بے اختیار دھاڑیں مار کر روئے، آنکھوں میں آنسو امڈ آتے ہیں تو غم گلوگیر ہو جاتا ہے، آنحضرت ﷺ دنیا کے تمام والدین سے زیادہ اپنی صاحبزادیوں پر مہربان تھے، آپ نے اپنی بیٹی کو روتے ہوئے دیکھا جس کی والدہ کو وفات پائے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے تو آپ خداتعالیٰ کی جانب اور متوجہ ہو گئے اور آپ کو اپنی کامیابی کا اور بھی زیادہ یقین ہو گیا، آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، بیٹی! رو نہیں، خداتعالیٰ تیرے باپ کی حفاظت کرے گا، پھر آپ نے فرمایا، بخدا جب تک ابو طالب بقید حیات تھے قریش مجھے کوئی آزار نہیں پہنچا سکتے تھے، ﴿سیرۃ الرسول ص ۲۴۳﴾ ویسے تو جب سے آپ نے توحید کا پرچم بلند کیا تھا، قریش مکہ اسی دن سے اذیت رسانی، دشنام طرازی، دل آزاری اور بدزبانی کا مظاہرہ کرتے چلے آرہے تھے، صحابہ کرام کو جسمانی اذیتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، جبکہ حضور اقدس ﷺ کے جسم اطہر پر حملے کی کوشش شاذونادر ہی ہوئی تھی، حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد آپ پر حملوں کی بوچھاڑ ہونے لگی، حضرت ہشام نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مازالت قریش کاعین حتی مات ابو طالب،** حضرت ابو طالب کی وفات تک قریش مکہ زیادہ کمزور دل ثابت ہوئے، ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۱۴۶﴾ بعد میں تو جسمانی تکلیف پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے،

آپ اپنے کاشانہ نبوت میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو بکری کی اوجھ لاکر آپ کے جسم اطہر پر پھینک دیتے، ہانڈی میں گندگی ڈال دیتے، گھر کو آلودہ کر دیتے، آپ کے بد خصلت ہمسائیوں نے گستاخی کی انتہا کر دی، حضرت ابن کثیر نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک ان میں اکثر واقعات جیسے آپ کے شانوں پر اونٹ کی اوجھ پھینکنا، شدت سے گلا دبانا اور حضرت ابوبکر صدیق کا چھڑانا، نماز کی حالت میں گردن کو پامال کرنے کا ارادہ کرنا وغیرہ حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد معرض وجود میں آئے۔ امام طبرانی اور امام ابونعیم اصفہانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے چچا! کتنی جلدی تیرا فراق محسوس ہو گیا ہے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے، لوگوں نے عرض کیا، آپ ہی ارشاد فرمائیے، آپ نے فرمایا، سب سے زیادہ بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ قریش مکہ کے سنگدل افراد نے حضور سرور کونین ﷺ کو پکڑ رکھا تھا، کوئی مار رہا تھا اور کوئی سب وشتم کر رہا تھا اور کوئی کہہ رہا تھا، تم ہی ہو جس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے، ہم میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر حضور محبوب خدا ﷺ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تن تنہا کفار مکہ کے گروہ پر حملہ آور ہو گئے، وہ کسی کو مارنے لگے، کسی سے دست وگریبان ہوئے، کسی کو لعن طعن کرنے لگے اور فرمانے لگے، ظالمو! تمہاری بربادی! کیا تم ایسے جلیل القدر انسان کو شہید کرنا چاہتے ہو جس کا عقیدہ یہ ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے، پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھائی اور اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے شرابور ہو گئی، پھر آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا واسطہ! مجھے بتاؤ آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہتر ہیں، لوگ ساکت تھے، آپ نے خود ہی فرمایا، اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیات مستعار کا ایک لمحہ آل فرعون کے مومن کی تمام زندگی سے افضل ہے، وہ اپنا ایمان پوشیدہ رکھتا تھا اور یہ اپنا ایمان کھل کر ظاہر کرتے رہے۔ ﴿سبل الہدیٰ ۲:۵۷۵﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام ایک دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور تاجدارِ رسالت ﷺ خون میں لت پت مغمگین بیٹھے

تھے حامل وحی نے سبب دریافت کیا تو فرمایا مجھے اہل مکہ نے زدوکوب کیا ہے اور خود آلود کر دیا ہے، انہوں نے عرض کیا، کیا آپ اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی آیت اور معجزہ دکھاؤں، آپ نے فرمایا، ہاں، انہوں نے وادی کی دوسری جانب ایک درخت کھڑا دیکھا تو عرض کیا، آپ اسکو اپنی طرف بلائیں، جب محبوب اکرم ﷺ نے اس کو بلایا تو وہ چلتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، انہوں نے کہا، اب اسکو حکم دیں کہ یہ واپس چلا جائے، جب آپ نے واپسی کا حکم دیا تو وہ واپس جا کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، مجھے اسی قدر کافی ہے، ﴿الوفا ص ۲۱۴﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ معجزہ اس لئے ظاہر نہیں کیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی نبوت و رسالت کے متعلق کوئی اِلتباس تھا، بلکہ اس کے ظہور کا یہ سبب تھا کہ آپ کفار مکہ کے مظالم سے اور ان کی ہٹ دھرمی سے بہت غمگین تھے، حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کا غم دور کر دیا اور آپ ان کے اس انداز محبت سے خوش ہو گئے، بقول غالبؔ ؎

جی چاہتا ہے چھیڑ کر ہوں ان سے ہمکلام
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

وادی طائف کے مرحلے:

بعثتِ محمدی ﷺ کے دسویں سال کا آخری دورانیہ گزر رہا تھا، شوال کا ماہ مکرم تھا، مشرکین مکہ کی مخالفت و مخاصمت انتہا کو پہنچ چکی تھی، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اپنی سیادت اور قوم کی باطل رسومات کو کسی طرح اسلام کی روحانی قوت سے بچایا جائے اور اپنے محسوس خداؤں کی عبادت کو تحفظ فراہم کیا جائے، حضرت ابوطالب، اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال صرف دو انسانوں کی زہرہ گداز جدائی کا باعث ہی نہیں تھا بلکہ دو عظیم خاندانوں کی حمایت سے محروم ہونے کا سبب بھی تھا، اب بنو ہاشم کا سربراہ ابولہب جیسا شقی القلب انسان تھا جو اسلام دشمنی میں سب کا پیشرو تھا، اس کی وجہ سے حضو۔ سرور دو عالم ﷺ تمام شہری اور قبائلی حقوق سے یکسر دور کر دیئے گئے، عرب کے قبائلی نظام کا مطالعہ بھی بتاتا ہے کہ قبیلے کی حمایت سے محروم ہو جانے کے بعد فرد پر کیا گزرتی تھی، وہ اس پرندے کی طرح ہوتا تھا جس کے پر کاٹ دیئے گئے ہوں، اسے مجبور اور لاچار کر دیا جاتا تھا، اس کی جان

محفوظ ہوتی نہ مال، عزت محفوظ ہوتی نہ آزادی، آپ نے طائف کو اپنی دعوت دین کا مستقر بنانے کی راہ کیوں اختیار کی، تاریخ کے ان حقائق کی روشنی میں اسے متعین کرنا مشکل نہیں، ﴿رسول مبین ص ۳۹۶﴾ وادی طائف مکہ مکرمہ سے ساٹھ ستر کلومیٹر کے فاصلے پر آباد تھی جہاں بنو ثقیف جیسا خونخوار قبیلہ رہائش پذیر تھا، وہ زراعت پیشہ لوگ تھے، وہاں کی سرزمین زرخیز تھی اور پہاڑی سلسلے کی بدولت موسم انتہائی خوشگوار رہتا تھا، شہر کے قرب وجوار میں انگوروں اور سیبوں کے خوشبودار اور خوش ذائقہ باغات تھے، پانی کے چشموں کی بہتات تھی، مکہ مکرمہ کے امیر افراد گرمیوں کا شدید موسم گزارنے کیلئے وہاں رہائش اختیار کرتے تھے، طائف کی صحت افزا وادی میں ان کے مکانات، رقبہ جات اور باغات موجود تھے جہاں ان کی عیاشی کا ہر سامان موجود تھا، جب ساری سرزمینِ عرب جہالت کے سمندر میں غرق تھی، طائف میں طب اور نجوم کی تعلیم عام تھی، مشہور طبیب حارث بن کلدہ اور معروف نجومی عمرو بن امیہ اسی شہر دلنشین کے فرزند تھے، پہلے اس شہر کا نام ''وج'' یا پھر واج تھا، شاہ ایران کی امداد سے اس شہر کے اردگرد ایک فصیل بنائی گئی تو اس کا نام ''طائف'' پڑ گیا، مشرکین عرب کے تین سرکردہ معبودوں میں ایک معبود ''لات'' کا مجسمہ اسی شہر کے ایک بلند ٹیلے پر نصب تھا، حضور پیغمبر نور ﷺ کی قبیلہ بنو ثقیف سے کچھ رشتہ داری بھی تھی، وہاں کا ماحول بھی کچھ علم وشعور سے آگاہ تھا، اس لئے آپ نے اس علاقے کو تبلیغ اسلامی کا مرکز بنانے کیلئے یہ پرآشوب سفر اختیار فرمایا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے، یہ امام ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں نقل کیا ہے جبکہ امام ابن اسحاق کے نزدیک آپ تن تنہا پیدل ہی عازم سفر ہوئے، آپ کا مقصد وحید تھا کہ اگر بنو ثقیف کو اسلام کی روشنی نصیب ہوگئی تو جزیرہ عرب میں سارا کام آسان ہوسکتا تھا، آپ نے وادئ طائف میں ایک مہینہ بسر فرمایا، یہ امام ابن قتیبہ کا قول ہے جبکہ امام سخاوی کے نزدیک بیس روز اور امام ابن سعد کے نزدیک دس روز قیام فرمایا، پورے شہر پر عمرو بن عمیر کے تین سنگدل بیٹوں کا تسلط تھا، ان کے نام یہ ہیں، عبدیالیل بن عمرو ثقفی، مسعود بن عمرو ثقفی، حبیب بن عمرو ثقفی، ولید بن مغیرہ نے اپنے ساتھ سربراہ طائف ابو مسعود عمرو بن عمیر ثقفی کو بھی نبوت کا حقدار سمجھا تھا، حضور اکرم ﷺ نے ان تین سرداروں کو نہایت اخلاص و

مروت کے ساتھ دعوت اسلام پیش کی، آپ نے فرمایا تم توحید و رسالت پر ایمان لے آؤ اور میری حمایت کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دو جہانوں میں سرفراز فرمائے گا، انہوں نے نہایت بداخلاقی کا مظاہرہ کیا، ایک نے کہا، اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنایا ہے تو گویا میں نے غلاف کعبہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، دوسرے نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے سوا اور کوئی نظر نہیں آیا جسے اپنا رسول بناتا، تیسرے نے کہا، اللہ کی قسم! میں آپ کے ساتھ کوئی بات نہیں کروں گا، اگر اس نے آپ کو اپنا رسول بنایا ہے تو آپ کی بزرگی کی وجہ سے میرے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ آپ سے گفتگو کر سکوں اور اگر آپ نے جھوٹ بولا ہے پھر آپ سے ویسے ہی بات نہیں کرنی چاہئے، ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۱۴۹﴾ اس روح فرسا گفتگو نے حضور اکرم ﷺ کے غم واندوہ میں کتنا اضافہ کیا ہوگا، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، آپ نے ان کے قریب سے اٹھتے ہوئے فرمایا: خیر! چلو اتنا تو ہو سکتا ہے کہ میری اس گفتگو کو پوشیدہ رکھو، ﴿سیرت ابن ہشام ۲: ۴۱۹، سیرت ابن کثیر ۲: ۱۵۰﴾ حضور پیغمبر نور ﷺ اس تبلیغ کو کیوں پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے، آپ جانتے تھے کہ اگر کفار مکہ کو معلوم ہو گیا کہ وادی طائف کے ستم ظریف لوگوں نے اسلام کو نہایت سرد مہری کے ساتھ ٹھکرا دیا ہے تو وہ شادمانی کا اظہار کریں گے اور ان کے کینہ توز رویوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا، آپ وادی طائف کے دیگر سرداروں کے پاس بھی گئے اور ان سے دینی امور کے بارے میں بات چیت کی مگر کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہ کی بلکہ انہوں نے مہمان نوازی کے جملہ تقاضوں کو فراموش کرتے ہوئے نہایت متکبرانہ انداز سے کہا، **یا محمد! اخرج من بلدنا**، اے محمد مصطفیٰ! ہمارے شہر سے باہر نکل جاؤ، پھر انہوں نے اپنے شہر نارسا کے اوباش نوجوانوں اور بدتمیز لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، وہ جلوس کی شکل میں آپ کا تعاقب کرتے رہے اور دشنام طرازی کے ساتھ ساتھ پتھروں کی بارش برساتے رہے، وہ آپ کے قدموں پر پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ پائے نازنین شدید زخمی ہو گئے، آپ شدت درد سے بیٹھ جاتے تو وہ آپ کو اٹھا کر پھر قدموں پر پتھر مارتے اور قہقہے لگاتے، حضرت زید بن حارثہ بھی آپ کو بچاتے بچاتے شدید زخمی ہو گئے، پتھروں نے ان کا سر انور بھی لہولہان کر دیا، طائف کے ان شب پرست لوگوں نے خورشید نبوت کو خونین رنگ قبا پہنا کر رخصت کیا تو

عرب کی صدیوں پرانی مہمان نوازی بھی کراہ کر رہ گئی، سارا جسم مقدس زخموں سے چور تھا، قلب مخزون پر غموں کے شدید اثرات تھے، قدموں سے خون کے چشمے پھوٹ رہے تھے، گیسوئے عنبرین پریشان تھے، یہاں تورات کی ایک پیش گوئی پوری ہوئی کہ نبی آخر الزمان ﷺ خون میں ڈوبا ہوا لباس پہنے ہوئے تھا'' ﴿رحمۃ للعالمین ۱:۶۶﴾

فرشتے جن پہ آ آ کر جبین شوق رکھتے تھے
وہ پائے نازنیں زخموں کی لذت آج چکھتے تھے
جگہ دیتے تھے جن کو حاملانِ عرش آنکھوں پر
وہ نعلینِ مبارک خاک و خوں سے بھر گئی یکسر

قریب ہی انگوروں کا ایک دلفریب باغیچہ تھا، آپ انگور کی ایک بیل کے سائے میں جلوہ فرما ہو گئے، اتفاق سے یہ باغ مکہ مکرمہ کے ایک اسلام دشمن رئیس ربیعہ کی ملکیت تھا جس میں اس کے دو بیٹے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ موجود تھے، آپ نے وہاں انتہائی سوز و گداز کے ساتھ دو نفل ادا کیے اور دعا مانگی:

⊙...... اے اللہ! میں اپنی کمزوری اور قوت عمل کے بے مائیگی اور لوگوں کے سامنے بے بسی کا شکوہ فقط تیری بارگاہ میں کرتا ہوں۔

⊙...... اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! تو ہی ناتوان انسانوں کا پروردگار ہے۔

⊙...... اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔

⊙...... تو مجھے ایسے رحم ناآشنا انسان کے حوالے کرتا ہے جس کا طریقہ ہی ترش روئی ہے۔

⊙...... کیا تو نے کسی عداوت پسند کو میرا مالک بنا دیا ہے۔

⊙...... اگر تو میرے ساتھ ناراض نہیں تو مجھے ان مصائب کی کوئی پرواہ نہیں۔

⊙...... ہاں تیری طرف سے عافیت میرے لئے زیادہ بہتر ہے۔

⊙...... میں تیرے قہر و غضب سے تیری ذات کے نور کی پناہ مانگتا ہوں، جس کی روشنی سے اندھیرے چمک اٹھتے ہیں۔

⊙...... اور دنیا و آخرت کے کام تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

⊙...... میں تیری رضا کا طلبگار رہوں۔

⊙...... تیری ذات کے بغیر میرے پاس کوئی قوت اور ہمت نہیں، ﴿سبل الھدیٰ ۲: ۵۷۷، تاریخ ابن خلدون ۴: ۲۶۷، روح اسلام ص ۱۲۵، سیرت ابن ہشام ۲: ۴۴، البدایہ والنہایہ ۳: ۱۳۶﴾

کیا سوز و گداز ہے، کیا حسن طلب ہے، کیا انداز خود سپردگی ہے، چشمانِ رحمت کے آنسوؤں سے وادی طائف کا ہر پتھر بلک اٹھا ہوگا، ہر ذرے سے آہ و فریاد کے نعرے بلند ہوئے ہوں گے، سر بلند پہاڑ فرط ندامت سے زمین بوس ہو گئے ہوں گے، ایک انسان تھا جو اس سراپا رحمت سے غافل تھا۔

عداس کا قبولِ اسلام:

عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ دونوں بھائی حضور پیغمبر نور ﷺ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زخمی حالت دیکھ رہے تھے، انہوں نے اپنے غلام کے ہاتھ انگوروں کا ایک گچھا بھیجا، غلام کا نام عداس تھا، اس نے عرض کیا، آپ انگور تناول فرمالیں، آپ نے شکریے کے ساتھ انگور قبول فرمائے اور بسم اللہ پڑھ کر ایک دانہ اپنے دہن اطہر میں رکھا تو عداس دولت دل قربان کر بیٹھا، اس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا، اس صنم پرستوں کی سرزمین پر کوئی شخص بھی بسم اللہ سے واقف نہیں، آپ نے کیسے پڑھ لی، آپ نے پوچھا، تم کس سرزمین سے تعلق رکھتے ہو اور تمہارا دین کیا ہے، عداس نے عرض کیا، میں نینوا کا رہنے والا نصرانی ہوں، آپ نے فرمایا، **من قریة الرجل الصالح یونس بن متیٰ** ، اچھا تو تم مرد صالح حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے شہر کے باشندے ہو، عداس کے تعجب کی انتہا نہ رہی، اس نے فرط استعجاب سے پوچھا، کیا آپ حضرت یونس علیہ السلام کو جانتے ہیں، اللہ کی قسم! جب میں نینوا سے نکلا تو دس آدمی بھی ان کو نہیں جانتے تھے، آپ نے ان کو کیسے پہچان لیا، حالانکہ آپ امی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، ﴿زرقانی علی المواھب ۱: ۳۰۰﴾ آپ نے فرمایا، وہ میرے بھائی اور میری طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، یہ سننے کی دیر تھی کہ عداس آپ کے سامنے جھک گیا اور آپ کے دست رحمت، سر مبارک اور قدم اقدس کو چومنے لگا اور پھر مسلمان ہو گیا، عتبہ اور شیبہ دونوں بھائی دور سے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھ رہے تھے، جب وہ ان کے پاس پہنچا تو پوچھنے لگے، عداس! تمہیں کیا ہو گیا تھا، تم کیوں اس شخص کے قدموں پر گر پڑے اور اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے تھے، عداس نے جواب دیا،

یاسیدی مافی الارض شی خیر من ھذا لقد علمنی بامر لا یعلمہ لا نبی
میرے سردار! آج روئے زمین پر اس شخص سے زیادہ کوئی چیز بھی افضل اور اعلیٰ نہیں، اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی برحق کے سوا کوئی نہیں جانتا، انہوں نے کہا، عداس کہیں اس شخص کے فریب میں نہ آ جانا، تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے، ﴿سیرت ابن کثیر۲:۱۵۱﴾ عداس کے متعلق متعدد روایات میں منقول ہے کہ وہ نصرانی تھا اور اپنی کتابوں اور راہبوں کی وجہ سے حضور پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے احوال و اوصاف سے خبردار تھا، چنانچہ جونہی اس نے اس پیکر اوصاف کو دیکھا تو پکار اٹھا: **اشھد انک عبد اللہ ورسولہ**، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ جب کچھ عرصے کے بعد جنگ بدر واقع ہوئی تو عداس ایک سفید چٹان پر بیٹھا ہوا تھا، اس نے اپنے سردار عتبہ اور شیبہ کو بھی حضور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف نبرد آزما دیکھا تو کہنے لگا، میرے والدین تم دونوں پر قربان! واللہ، وہ اللہ کے رسول ہیں اور تم لوگ اپنی قتل گاہ کی طرف جا رہے ہو، ایک روایت میں ہے کہ عتبہ اور شیبہ نے عداس کو دعوتِ جنگ دی تو کہنے لگا، کیا تم اس باغ انگور میں پناہ لینے والے شخص عظیم کے خلاف برسرپیکار ہو رہے ہو جس کے سامنے پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے، ﴿سبل الھدیٰ۲:۵۷۸﴾ عاص بن شیبہ قریب سے گزرا تو اس نے عداس کی گریہ زاری کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا مجھے اس وقت اپنے سرداروں پر رونا آ رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے مقابلے پر جا رہے ہیں، عاص بن شیبہ نے حقارت سے جواب دیا، بھلا وہ کوئی اللہ کے رسول ہیں، اس انکار کو سن کر عداس لرزنے لگا، خوف خدا سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اس نے بلکتے ہوئے جواب دیا، **واللہ انہ لرسول اللہ الی الناس کافۃ**، اللہ کی قسم! وہ تمام انسانوں کی طرف واقعی اللہ کے رسول ہیں، ﴿الاصابہ فی تمیز الصحابہ۲:۴۶۷﴾ عداس ایک غلام زار ہو کر اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گیا تھا جبکہ سرداران طائف کو یہ نعمت سرمدی حاصل نہ ہوئی، حضور اکرم ﷺ اسی آزردگی اور افسردگی کے عالم میں طائف سے روانہ ہوئے تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ستم شعار قوم کے رویے سے بہت زیادہ دل برداشتہ نظر آئے، آپ نے ان ناموافق حالات میں بھی ان کو حوصلہ عطا فرمایا: **یازید! ان اللہ جاعل**

لما تری فرجاً ومخرجاً وان الله ناصر دینه ومظهر دینهٗ، اے زید بے شک اللہ تعالیٰ ان ناسازگار حالات سے کشائش عطا کرے گا اور نکلنے کا راستہ پیدا کرے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کا مددگار ہے، وہ ضرور اپنے دن کو غلبہ عنایت کرے گا، ﴿طبقات کبریٰ ۱: ۲۱۲﴾ حضور اکرم ﷺ نے کتنے مختصر الفاظ میں اپنے مستقبل کے بارے میں کھل کر بتادیا گویا ؂

شب فروزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

آپ کے ان الفاظ سے مسلمانوں کو یہ بھی درس حاصل ہوا کہ حالات کیسے ہی خونخوار کیوں نہ ہوں، آثار کتنے ہی وحشت ناک کیوں نہ ہوں، آلام وشدائد کے طوفان کتنے ہی شوریدہ سر کیوں نہ ہوں، دعوت الی اللہ کا کام نہیں رکنا چاہئے، فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کا شائبہ تک نہیں آنا چاہئے، قدموں میں لڑکھڑاہٹ اور نظروں میں ناامیدی کا احساس بیدار نہیں ہونا چاہے، یہ قافلہ چلتا رہنا چاہئے، راستے بھی نکل آئیں گے، کشائش بھی پیدا ہوجائے گی، منزلیں بھی سمٹ آئیں گی، فاصلے بھی طے ہوجائیں گے، تمہارے عزم ویقین کے سامنے ظلماتِ شب کو راہ فرار تلاش کرنا پڑے گی اور صبح نور کے روشن سپیدے تمہارا انتظار کرنے لگیں گے، طائف کا پرآشوب سفر حیاتِ مصطفوی کا سب سے زیادہ مشکل مرحلہ تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے پوچھا، ھل اتیٰ علیک یوم کان اشد من یوم احد، یارسول اللہ! کیا احد کے شدید ترین دن سے بھی زیادہ شدید دن آپ پر گزرا ہے، آپ نے فرمایا، تیری قوم کی طرف سے مجھے سخت ترین مصائب میں مبتلا ہونا پڑا ہے، ان سب سے بڑی مصیبت مجھ پر عقبہ کے دن پیش آئی جب میں ابن عبد یالیل کے پاس گیا، اس نے مجھے قبول کرنے کی بجائے اپنے شہر کے اوباشوں سے پٹوایا، میں زخموں سے چور اور غم واندوہ میں ڈوبا ہوا واپس چل پڑا، قرن المنازل میں پہنچا تو مجھے ہوش آیا اور معلوم ہوا کہ میں اس وقت کہاں ہوں، میں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، اس سے جبریل امین نے آواز دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات سن لی ہے اور جو سلوک کیا ہے وہ دیکھ لیا

ہے، اس نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ اپنی قوم کیلئے جو سزا تجویز کریں گے وہ ان پر وہی عذاب نازل کرنے میں پس و پیش نہیں کرے گا، اتنے میں 'ملک الجبال' نے آکر مجھے سلام کیا اور کہا، میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کیلئے حاضر ہوں، اگر آپ پسند کریں تو میں اخشبین ﴿دونوں جانب کے پہاڑوں﴾ کے درمیان ان کو پیس کر رکھ دوں، آپ رحمۃ للعالمین نے فرمایا، میں ان کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا بلکہ امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے جو اسکی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں ﴿صحیح بخاری ۱: ۴۵۸، صحیح مسلم، فتح الباری ۶: ۳۱۳، زرقانی ۱: ۲۹۷، سیرت ابن کثیر ۲: ۱۵۳، سبل الہدیٰ ۲: ۵۷۹﴾ حضرت امام محمد صالحی نے حضرت امام احمد، حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب رحمت دو عالم ﷺ نے ملک الجبال سے فرمایا، شاید ان کی اولاد سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو آپ کی رحمت و رافت کو دیکھ کر ملک الجبال بھی پکار اٹھا، انت کما سماک ربک رءوف رحیم آپ کے رب تعالیٰ نے واقعی آپ کا نام روف و رحیم رکھا ہے، ﴿سبل الہدیٰ﴾ حضور سرور کائنات ﷺ کا سفر طائف آپ کی استقامت کی بےمثال دلیل ہے، مشہور مورخ ولیم میور نے لکھا ہے: ختمی مرتبت کا جان جوکھوں میں ڈال کر تنہا دیار غیر میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جانا اور وہاں کے اشراف کو اپنے مشورے سے آگاہ کرنا آپ کی بلند حوصلگی، غیر معمولی خود اعتمادی اور اپنے کام میں من جانب اللہ ہونے پر بہت بڑی دلیل ہے، آپ خدا کے نام پر اس طرح آگے بڑھے جس طرح حضرت یونس نینوا کی بت پرست قوم کو توبہ کرنے اور اپنی رسالت کا اقرار کرنے کی دعوت دینے تشریف لے گئے تھے، ﴿حیات محمد ۲: ۲۰۷﴾

جنات کا قبولِ اسلام:

عزیز مصر احسان، فخر یوسف کنعان، نگینِ خاتم سروری، خاتم نگین پیغمبری، منادی طریق رشاد، سراج اقطار و بلاد حضور محمد مصطفےٰ، احمد مجتبےٰ ﷺ اس روح فرسا سفر سے واپس ہوئے تو راستے میں نخلہ کے مقام پر قیام فرمایا، رات بسر فرمائی تو صبح صادق کے وقت نہایت عجز و نیاز کے ساتھ مناجات میں مصروف ہوئے، آپ کی زبان نبوت سے

اللہ تعالیٰ کا کلام کیا ادا ہو رہا تھا ساری فضائے نخلہ پر کیف و وجدان کا عالم طاری تھا، حجر و شجر گوش بر آواز تھے، اسی دوران نصیبین کے کچھ جنات کا قافلہ وہاں سے گزرنے لگا، ان کے کانوں سے حضور محبوب خدا ﷺ کی آواز ٹکرائی تو وہ بے اختیار ہو کر کھڑے ہو گئے، اور قرآن پاک کی تلاوت سننے لگے قرآن پاک کی تلاوت نے جنات کے دل پر اتنا اثر کیا کہ خود بھی مسلمان ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم تک بھی یہ پیغام پہنچایا، قرآن پاک میں ہے:

⊙...... واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن ......اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے، کان لگا کر قرآن سنتے، پھر جب وہاں حاضر ہوئے، آپس میں بولے خاموش رہو، پھر جب پڑھنا ہو چکا تو اپنی قوم کی طرف پلٹے ڈر سناتے ہوئے بولے، اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اتاری گئی، اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہوئی حق اور سیدھی راہ دکھاتی ہوئی، اے ہماری قوم! اللہ کے منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے اور جو اللہ کے منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانے والا نہیں اور اللہ کے سامنے اس کا کوئی مددگار نہیں، وہ ہی کھلی گمراہی میں ہیں، ﴿سورۃ الاحقاف: ۲۹، تا ۳۲﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ سات جن تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم کی طرف پیام رساں بنایا، بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ نو جن تھے، ﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۵: ۱۸۷﴾ حضرت امام عینی نے تو ان جنات کے نام بھی درج کئے ہیں، مثلاً سامر، مامر، منسی، ماسئ احقب، زوبعہ، سرق، عمرو بن جابر وغیرہ، علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن سب کے سب مکلف ہیں، حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ جن دین یہود پر تھے، اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام نہ لیا، بعض مفسرین نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام نہ لینے کا باعث یہ ہے کہ اس میں صرف مواعظ ہیں، احکام بہت ہی کم ہیں، ﴿خزائن العرفان ص، ۶۰۷﴾ سورۃ الجن کی ابتدائی آیات میں بھی اس واقعے کی طرف اشارہ ہے:

⊙......قل اوحی الی انه .... تم فرماؤ، مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، نہ اس نے عورت اختیار کی اور نہ بچہ، اور یہ کہ ہم میں کوئی بیوقوف اللہ پر بڑھ کر بات کہتا تھا اور یہ کہ ہمیں خیال تھا کہ ہرگز آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ نہ باندھیں گے، اور یہ کہ آدمیوں میں کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ لیتے تھے تو اس سے اور بھی ان کا تکبر بڑھا، اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا جیسا تمہیں گمان ہے کہ اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا، اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے پایا کہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے، اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کیلئے کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے، پھر اب جو کوئی سنے وہ اپنی تاک میں آگ کا لوکا پائے، اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والوں سے کوئی برائی کا ارادہ فرمایا گیا ہے یا ان کے رب نے کوئی بھلائی چاہی ہے، اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح ہیں، ہم کئی راہیں پھٹے ہوئے ہیں، اور یہ کہ ہمیں یقین ہوا کہ ہرگز زمین میں اللہ کے قابو سے نہ نکل سکیں گے، اور نہ بھاگ کر اس کے قبضے سے باہر ہوں گے، اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت سنی اس پر ایمان لائے تو جو اپنے رب پر ایمان لائے اسے نہ کمی کا خوف ہے نہ زیادتی کا، اور یہ کہ ہم میں کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ظالم تو جو اسلام لائے انہوں نے بھلائی کو سوچا، اور رہے ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہوئے، ﴿سورۃ الجن آیت: ۱ تا ۱۵﴾

روایت ہے کہ جنات نے آپ سے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت سنی تھی، ﴿سیرت ابن ہشام، ۲:۴۲۲، ﴾ حضرت امام ترمذی اور حضرت امام حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی یا آپ کے سامنے پڑھی گئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا: کیا وجہ ہے، میں تم سے جنوں جیسا جواب

نہیں سن رہا جوانہوں نے اپنے رب کو دیا تھا، پھر آپ نے فرمایا: جب میں **فبای الاء ربکما تکذبان** پڑھتا تو جن اسکے جواب میں کہتے، ہم اپنے رب تعالیٰ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔

پھران جنات کی تبلیغ نے انسانوں کی نسبت جنوں میں بہت زیادہ اثر پیدا کیا، چنانچہ وہ جب دوسری مرتبہ حاضر خدمت ہوئے تو ان کی تعداد تین سو سے زیادہ تھی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں میں تبدیل ہوگئی، مکہ مکرمہ میں جنوں کی جماعت نے فوج درفوج آکر اسلام قبول کیا، ﴿زرقانی ۱:۳۰۳﴾ جس طرح کافر انسانوں نے مسلمان انسانوں کی مخالفت کی اسی طرح کافر جنوں نے مسلمان جنوں کا راستہ روکا، چنانچہ کافر جنات بتان عرب میں گھس کر اعلان کرتے کہ لوگو! تم اپنے آبائی دین پر قائم ہو اور اپنی قوت سے اسلام کا خاتمہ کردو، ان غیبی آوازوں سے کفار عرب کے حوصلے جوان ہوگئے، اس قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنا مسلمان انسانوں کے بس سے باہر تھا چنانچہ مسلمان جنات آگے بڑھے اور انہوں نے ہر محاذ پر کافر جنات کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست فاش سے دوچار کیا، اسلام کیا نمودار ہوا غیبی اور شہودی مخلوق میں انقلاب برپا ہوگیا، مسلمان جنات نے عرب کے قافلوں میں جاکر، اصنام کے ساکت وصامت وجود میں گھس کر، خلاؤں اور فضاؤں میں اڑکر جانوروں کے ذبیحوں میں مچل کر توحید ورسالت کے ترانے آلاپے اور مخلوقات ارضی تک حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیغام ہدایت عام کیا۔

جنات کی چند حکایات:

جن کیا ہوتے ہیں، ان کی کیا حقیقت ہے، اس بارے میں بعض لوگ مبتلائے شکوک ہیں، قرون ماضیہ میں زنادقہ، فلاسفہ، جہمیہ اور قدریہ نے اور ہمارے دور کے بعض ملاحدہ نے وجود جنات کا سرے سے انکار کردیا ہے، ان کے خیال میں جن ان انسانوں کو کہتے ہیں جو انسانی آبادی سے چھپ کر جنگلوں میں رہتے ہیں' جن کی حقیقت اور کچھ نہیں، ان کا یہ خیال قطعی غلط ہے، قرآن کریم نے اس بارے میں کافی وضاحت بیان فرمائی ہے:

⊙......انسان کو ٹنکر کی طرح کھڑکھڑاتی مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو شعلہ بار

آگ سے' ﴿سورۃ الرحمٰن: ۱۴۔۱۵﴾

⦿ ...... اور جنوں کو ہم نے انسان سے پہلے بے دھواں گرم ترین آگ سے پیدا کیا۔ ﴿سورۃ الحجر: ۲۷﴾

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے جنات کو پیدا کیا، حضرت علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو پیدا کیا اور انہیں زمین آباد کرنے کا حکم دیا، وہ ایک عرصے تک اللہ کی عبادت کرتے رہے، پھر انہوں نے نافرمانی شروع کر دی تو فرشتوں کے لشکر نے انہیں سمندری جزیروں کی طرف دھکیل دیا، ابلیس بھی اسی لشکر میں شامل تھا جو ان فرشتوں کے ساتھ زمین پر رہنے لگا، ﴿عمدۃ القاری، ۱: ۱۳۸﴾

بہر حال یہ ایک نوع کی مخلوق ہے، جنات جس جسم اور شکل وصورت کو چاہیں اپنا سکتے ہیں، انسانی صورت میں بھی ظاہر ہو سکتے ہیں اور مختلف حیوانی اشکال میں بھی، ان میں نر اور مادہ بھی ہوتے ہیں، انہیں گرمی اور سردی بھی لگتی ہے، ان کا جسم کثیف ہے، قاضی ابو یعلیٰ حنبلی فرماتے ہیں کہ جنات اجسام مرکبہ ہیں، ابو علی سینا کہتے ہیں کہ جنات ایک جو ہر ہوائی ہیں جو مختلف اشکال میں ڈھل جاتا ہے، ﴿تفسیر کبیر ۸: ۲۲۱﴾ قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ جن ایک جوہر روشن ہے جو دخان آمیز آگ سے بنا ہوا ہے، علامہ آلوسی نے کہا ہے جنات ہوائی اجسام ہیں جو مختلف شکلوں میں ڈھل سکتے ہیں، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پوشیدہ رہتے ہیں، بعض دفعہ وہ اپنی اصل شکل میں دکھائی دیتے ہیں اور وہ مشکل کاموں پر قدرت رکھتے ہیں، ﴿روح المعانی ۲۹: ۸۶﴾ باہمی نکاح سے ان کی اولاد بھی ہوتی ہے، یہ کافر وفاسق بھی ہوتے ہیں، مومن ومتقی بھی ہوتے ہیں، علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ روحانی مخلوق کی تین اقسام ہیں، سراسر خیر اور وہ فرشتے ہیں، سراسر شر اور وہ شیاطین ہیں، تیسری قسم وہ ہے جس میں افراد اخیار بھی ہیں اور افراد اشرار بھی ہیں، وہ جن ہیں۔

حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے امام ابن حبان اور امام حاکم کے حوالے سے حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے روایت نقل کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جنات کی تین اقسام ہیں، اولاً جن کے پیر ہیں اور وہ ہوا میں پرواز کرتے ہیں، ثانیاً سانپ اور بچھو کی

صورت میں ہیں، ثالثاً سفر کرتے ہیں اور قیام کرتے ہیں، ﴿فتح الباری، ۶: ۳۴۵﴾ جنات پر موت بھی طاری ہوتی ہے اور ان کی تکفین اور تجہیز کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے، جنات شریعت کے مکلف ہیں جس طرح انسان مکلف ہیں، معتبر اخبار سے ثابت ہے کہ جنات نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، دینی علوم حاصل کرتے ہیں اور حدیث کی روایت اسطرح حاصل کرتے ہیں کہ انسانوں کو اس کا شعور تک نہیں ہونے دیتے، ﴿فتاویٰ حدیثیہ ص ۶۰﴾ جنات کو سزا بھی ملے گی، جیسا کہ قرآن پاک میں وارد ہے، اے گروہ جنات! تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کردیا، ان کے کچھ انسانی دوست عرض کریں گے کہ اے پروردگار! ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا اور اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے متعین کیا تھا، اللہ فرمائے گا، تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، اس میں ہمیشہ رہو گے مگر جسے اللہ چاہے، ﴿سورۃ الانعام: ۱۲۸﴾ البتہ جنات کی جزا کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے کہ ایمان والے جنات کو ثواب نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ حساب وکتاب کے بعد ان کو مٹی بنادے گا، یہی انکی جزا ہے جبکہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہم اللہ کا نظریہ ہے کہ انکو ضرور اجر عطا کیا جائے گا، ﴿فتح الباری ۶: ۳۴۶﴾ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے، کیا جنات بھی جنت میں داخل ہوں گے، اس بارے میں چار اقوال ہیں:

- ...... جمہور کا قول ہے کہ وہ مسلمانوں کی جنت میں داخل ہوں گے۔
- ...... حضرت امام مالک کا قول ہے کہ وہ جنت کے قرب وجوار میں رہیں گے۔
- ...... بعض علما کا قول ہے کہ اعراف میں رہیں گے۔
- ...... بعض کا قول ہے کہ ان کے متعلق توقف کرنا چاہئے، ﴿فتح الباری ۶: ۳۴۶﴾

ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا جنات میں سے بھی کوئی رسول ہوا ہے، جمہور کا نظریہ ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، جنات کیلئے بھی انسانی رسول کافی ہوا کرتے تھے، حضرت ضحاک کا نظریہ ہے کہ جنات میں بھی رسول ہوا کرتے تھے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں اور تمام جنوں اور انسانوں کی

طرف اس کا پیغام لے کر آئے ہیں، حضرت ابن کلبی سے روایت ہے: **کان النبی بعث الی الانس فقط، وبعث محمد الی الانس والجن** ' پہلے نبی صرف انسانوں کیلئے مبعوث ہوتے تھے، جبکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ انسانوں اور جنوں کیلئے مبعوث ہوئے، ﴿فتح الباری ۶:۳۴۴﴾ بعض اوقات کچھ انسان کہتے ہیں کہ ان کے جسم میں جنات داخل ہو گئے ہیں، انسانی وجود میں جنات کا حلول قرآن وحدیث سے ثابت نہیں البتہ وہ اولاد آدم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، حدیث پاک ہے، جو بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چھوتا ہے تو وہ بلند آواز سے رونے لگتا ہے، مگر وہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ کو نہیں چھو سکا، ﴿صحیح بخاری﴾ ایک اور حدیث پاک ہے کہ عشا سے پہلے بچوں کو نہ نکلنے دو کیونکہ وہ شیاطین کی آمدورفت کا وقت ہوتا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''شیاطین اور اجنہ کے مس کرنے سے بسا اوقات جنون طاری ہو جاتا ہے جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے، **کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس**، جیسے وہ شخص کھڑا ہو جو شیطان کے چھونے سے مخبوط الحواس ہو جاتا ہے۔ ﴿بقرہ:۲۷۵﴾ انسان کے حواس اور مشاعر اور اعضا اور جوارح پر شیطان اور اجنہ کا تسلط نہ صرف یہ کہ کتاب وسنت سے ثابت نہیں بلکہ انسان کی ذہنی اور جسمانی آزادی اور مکلّف ہونے کے خلاف ہے اور بہت سی قباحتوں کا موجب ہے، تاہم بہت سے علما نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ ﴿شرح مسلم ۲:۱۰۷﴾

علامہ آلوسی اس مسئلہ پر اظہار خیال فرماتے ہیں، بسا اوقات یہ بخارات انسان کے حواس پر غالب ہو کر حواس معطل کر دیتے ہیں اور وہ خبیث روح انسان کے جسم پر تصرف کرتی ہے اور اس کے اعضا سے کلام کرتی ہے، چیزوں کو پکڑتی ہے اور دوڑتی ہے حالانکہ اس شخص کو بالکل پتہ نہیں چلتا اور یہ بات عام مشاہدات سے ہے جس کا انکار کوئی ضدی شخص ہی کر سکتا ہے۔ ﴿روح المعانی ۳:۴۹﴾

جنات کی خوراک کیا ہے، اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے گوبر اور لید کو ان کا کھانا بنا دیا ہے، وہ جس ہڈی کو اٹھائیں گے وہ ان کیلئے گوشت کا ٹکڑا بن جائے گی اور خشک گوبر اور لید ان کیلئے تازہ پھل بن جائے گا، پھر آپ نے ہڈی اور گوبر کے ساتھ استنجا کرنے کی ممانعت کردی ﴿دلائل النبوۃ ص ۳۳۹﴾ ابو داؤد میں روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے لید اور ہڈی سے استنجا کیا اس سے محمد مصطفیٰ ﷺ بری ہیں، جنات کی حقیقت کے بارے میں اس تفصیلی گفتگو کے بعد چند حکایات مزید فائدہ مند ثابت ہوں گی کہ حضور اکرم، رسول معظم ﷺ نے کس طرح ثقلین میں انقلاب برپا کردیا تھا اور آپ کے فیضانِ رسالت سے کس طرح غیب و شہود کے عالم مالا مال ہو رہے تھے۔

﴿1﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، گذشتہ شب ایک زبردست جن میری طرف بڑھا تا کہ میری نماز توڑ دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے میرے قابو میں کردیا، میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ صبح ہوتے ہی تم سب اسے دیکھ لو، پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی، **رب اغفر لی وھب لی ملک لا ینبغی لاحد من بعدی**، اے پروردگار! مجھے معاف فرمادے اور مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی اور کو نہ ملے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس جن کو ناکام و نامراد لوٹا دیا، ﴿صحیح مسلم کتاب المساجد﴾ ایک اور روایت میں اللہ کے دشمن، ابلیس کے قریب آنے کا ذکر ہے، وہ آگ کا انگارہ لے کر آپ کے نزدیک آیا تو آپ نے اس پر لعنت بھیجی اور اسے ہاتھ سے پیچھے ہٹایا، پھر فرمایا اگر مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد نہ ہوتی تو اسے پکڑ کر مسجد کے کسی ستون کے ساتھ باندھ دیتا اور مدینہ منورہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔ ﴿ایضاً﴾

محققین کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام تمام انبیا کرام کے معجزات اور کمالات کے حامل ہیں اس لئے حضور ﷺ کو بھی جنات پر قدرت اور سلطنت حاصل ہے، رہا حضور ﷺ کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کو یاد کر کے اس عفریت من الجن کو ستون سے باندھنے کے

ارادہ کو ترک فرما دینا تو وہ علامہ دشتانی کی تصریح کے مطابق تواضع اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی رعایت کرنے پر محمول ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جب آپ نے اس کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا ارادہ فرمایا تھا تو آپ علیہ السلام ایسا کر بھی سکتے تھے، ﴿شرح مسلم ۲:۱۰۸﴾ اس حدیث مبارک سے یہ مسائل بھی اخذ ہوئے، نماز میں عمل قلیل کا جواز ہے، جنات کا وجود برحق ہے، حضور اقدس ﷺ جنات پر غالب ہیں، جنات کا ثبوت تمام انبیا کرام سے متواتر منقول ہے، چونکہ انبیا کرام کا رابطہ غیب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اسلئے جنات اصل صورت میں مشاہدہ کر سکتے ہیں، شارحین کے نزدیک اولیا کرام کے حق میں بھی جنات کا ادراک ثابت ہے۔

......﴿2﴾......

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک مدینہ منورہ میں کچھ جنات اسلام لائے ہیں، اگر کوئی شخص گھروں میں رہنے والی ان چیزوں ﴿سانپ چوہے وغیرہ﴾ کو دیکھ لے تو تین مرتبہ بھاگ جانے کو کہے، اگر تیسری مرتبہ کے بعد پھر نظر آئے تو اسے مار دے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۳۲۲﴾

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ سانپ وغیرہ درحقیقت ''عوام بیوت'' یا مسلمان جنوں میں سے ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اسے تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رکھے گا، ایسے میں ممکن ہے تمہارے لئے کوئی پریشانی بن جائے جبکہ بصورت دیگر کافر جن کی مدد نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اسے تمہارے ہاتھوں میں مسخر کر دے گا تا کہ تم اسے قتل کر سکو

......﴿3﴾......

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ کفار بعض جنوں کی پرستش کرتے تھے، وہ جن اسلام لے آئے جبکہ وہ کفار تا ہنوز ان کی پرستش میں مصروف تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، **اولٓئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب**، وہ ﴿جنات﴾ جنھیں یہ پوجتے ہیں، وہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے، ﴿سورۂ بنی اسرائیل: ۵۷﴾ انہیں سے روایت ہے کہ یہ آیت ایک عرب فرقے کے متعلق نازل ہوئی جو

بعض جنوں کی عبادت کرتے تھے، وہ جن تو اسلام لے آئے مگر یہ انسان ابھی تک ان کی عبادت میں منہمک تھے۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۳۲۳﴾

﴿4﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی خیبر سے نکلا، وہ کہیں جا رہا تھا، اس کے پیچھے دو آدمی نکل آئے، اتنے میں ان دونوں کے پیچھے ایک چوتھا آدمی بھی شہر سے برآمد ہوا، اس نے ان دونوں کو آواز دی کہ لوٹ آؤ، چنانچہ اس نے قریب آ کر ان دونوں کو سمجھایا اور انہیں واپس کر دیا، پھر وہ اگلے آدمی کے پاس گیا اور کہنے لگا یہ دو شیطان تھے، میں ان سے جھگڑتا رہا ہوں تا آنکہ انہیں لوٹا دیا ہے تا کہ وہ تمہیں نقصان نہ دیں، جب تم حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہو تو آپ کو میری طرف سے سلام کہنا اور بتانا کہ ہم اپنے صدقات جمع کر رہے ہیں، اگر وہ آپ کیلئے کارآمد ہوں تو ہم انہیں آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں، چنانچہ وہ آدمی مدینہ طیبہ آیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کو ساری بات عرض کر دی، تب سے آپ ﷺ نے لوگوں کو رات کے وقت تنہا باہر نکلنے سے منع کر دیا۔ ﴿ایضاً ص ۳۲۲﴾

﴿5﴾

حضرت معن بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے ایک بار سوال کیا کہ جس رات جنات حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس قرآن سننے کیلئے حاضر ہوئے تھے تو آپ کو کس چیز نے ان کی آمد سے مطلع کیا تھا، انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے تمہارے باپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ ببول کے درخت نے آپ کو ان کے بارے میں خبر دی اور ایک بار انہوں نے کہا تھا کہ کسی درخت نے خبر دی تھی۔ ﴿ایضاً ص ۳۲۳﴾

﴿6﴾

حضرت بشر بن عبداللہ ناجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ آ گئے، تھوڑی دیر کے بعد دو آدمیوں نے حاضر ہو کر ایک سوال کیا، جن جنوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی

بیعت کی تھی، کیا آپ ان کے متعلق کچھ جانتے ہیں، وہ مسکرائے اور فرمایا، مجھے کبھی گمان تک نہیں ہوا تھا کہ کوئی شخص مجھ سے اس بارے میں بھی سوال کرے گا، البتہ تم حضرت ابو رجا علیہ الرحمہ کے پاس جاؤ، وہ مجھ سے سن رسیدہ ہیں، ہوسکتا ہے تمہیں کوئی بات بتا سکیں، چنانچہ وہ دنوں آدمی چلے گئے، میں بھی ان کے ساتھ ہولیا، ہم نے یہی سوال ان سے کیا تو وہ بھی مسکرائے اور کہنے لگے، ہم ایک سفر میں تھے، راستے میں ایک چشمہ پر پڑاؤ کیا اور قیلولہ کی تیاری کرنے لگے، اچانک میرے خیمے میں ایک سانپ آگیا، وہ تڑپ رہا تھا، میں نے مٹکے سے پانی نکال کر اس پر چھڑکا، پھر جب میں پانی چھڑکتا تو وہ ٹھہر جاتا اور جب چھڑکنا بند کردیتا تو تڑپنے لگتا تا آنکہ کوچ کا نقارہ بجنے لگا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ٹھہرو، ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس سانپ کا کیا بنتا ہے، جب ہم نے نماز عصر پڑھی تو اس وقت تک وہ سانپ مرچکا تھا، میں نے اسے سفید کپڑے میں لپیٹا اور گھڑا کھود کر دبا دیا، پھر ہم سارا دن اور اگلی رات مصروف سفر رہے، صبح ہونے پر ایک چشمے پر جا اترے اور خیمے لگائے، میں سونے کی تیاری کرنے لگا تو آوازیں آنے لگیں، تم پر سلام ہو، ایک یا دو یا دس مرتبہ نہیں بلکہ سو اور ہزار مرتبہ اور اس سے بھی زیادہ سلام ہو، میں نے کہا تم کون ہو، انہوں نے کہا، ہم جنات ہیں اور اللہ تعالیٰ تم پر اپنی برکتیں نازل کرے، تم نے ہم پر احسان کیا جس کا ہم بدلہ نہیں دے سکتے، میں نے کہا، میں نے تم پر کیا احسان کیا ہے، انہوں نے کہا: **ان الحیة التی ماتت عندک کانت اخر من بقیٰ ممن بایع من الجن النبی** ﷺ، بے شک جو سانپ تمہارے پاس مرا تھا، وہ ان جنوں میں سے آخری جن تھا، جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے بیعت کی تھی، ﴿یعنی تم نے ہمارے قبیلے کے جن کی وفات پر اسے باعزت طریقے سے کفنایا اور دفنایا، اس لئے ہم تمہارے احسان مند ہیں﴾ ﴿دلائل النبوۃ ص ۳۲۴﴾

﴿7﴾

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حج کرنے کیلئے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے مگر راہ سے بھٹک گئے اور پیاس کی وجہ سے موت کے قریب پہنچ گئے، جب انہیں موت نظر آنے لگی تو انہوں نے کفن پہن لئے اور مرجانے کی نیت سے لیٹ

گئے، اچانک ان کے سامنے درختوں سے ایک جن نمودار ہوا اور کہنے لگا، میں ان جنوں میں سے ہوں جنھوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے قرآن سنا تھا، میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا تھا، **المومن اخو المومن عینه و دلیله لا یخذله**، مومن دوسرے مومن کا بھائی ہوتا ہے، اس کا نگہدار اور راہنما ہوتا ہے، وہ اسے دھوکا نہیں دیتا، یہ تمہارے قریب ہی پانی کا چشمہ ہے اور یہ تمہارا راستہ ہے، اس جن نے انہیں پانی کا مقام بتایا اور سیدھے راستے پر بھی ڈال دیا، ﴿ایضا:۳۳۶﴾

مکہ مکرمہ میں واپسی:

حضرت امام ابونعیم اصفہانی نے حضرت اسحاق بن عبداللہ بن جعفر سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم، رسول معظم ﷺ طائف میں پچیس دن رہے، آپ تقریباً ۲۵ شوال المکرّم کو طائف روانہ ہوئے تھے اور ۲۰ ذی القعدہ بروز منگل مکہ مکرمہ واپس آئے، جو مقام حجون پر جنوں کے وفود کی آپ کے پاس آمد ہے وہ ربیع الاول ۱۱ھ نبوی کی بات ہے ﴿دلائل النبوۃ ص ۳۲۷﴾ گویا واقعات کی ترتیب یوں ہوئی کہ طائف سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں آپ مقام نخلہ پر نماز پڑھ رہے تھے کی نصیبین کے کچھ جن ادھر نکل آئے اور حضور صاحب قرآن ﷺ کی زبان پاک سے قرآن سن کر ایمان لے آئے، ان کا تذکرہ سورۃ الاحقاف میں کیا گیا ہے، پھر وہ جن اپنے علاقہ میں گئے اور تبلیغ شروع کی تو چند ماہ کے نتیجے میں سات سو جن حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے پر تیار ہوئے اور مقام حجون پر ربیع الاول ۱۱ھ نبوی میں جنوں کا لشکر جرار آپ سے آکر ملا۔

یاد رہے کہ سورۃ الجن میں جس وفد کی آمد کا ذکر ہے تو یہ واقعہ اس سے الگ ہے سورۃ الجن والا واقعہ آپ کی بعثت کے فوراً بعد کا ہے، کیونکہ وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ جنات قبل ازیں آسمان کے قریب جا کر ملاء اعلیٰ کی باتیں سنا کرتے تھے مگر اب جو آسمان کے قریب گئے تو ان پر اوپر سے آگ برسائی گئی، یہ آگ برسائے جانے کا سلسلہ اعلان نبوت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، پچھلے صفحات میں ہم متعدد واقعات لکھ چکے ہیں کہ جنات نے مختلف افراد کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی بعثت و نبوت کے بارے میں اعلان کیا تھا، ہو سکتا ہے یہ انہی جنات میں سے ہوں جنھوں نے ابتدائے بعثت میں ہی

زیارت رسول کا شرف حاصل کر لیا تھا، اکثر و بیشتر مفسرین نے لکھا ہے کہ جنات حضور سرور کائنات ﷺ کے پاس چھ مرتبہ حاضر ہوئے، حقیقت حال کا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کو علم ہے، جناتی مخلوق کے فوج در فوج اسلام لانے میں حضور اکرم ﷺ کی وجاہت کا بہت بڑا اظہار ہے، خدا تعالیٰ بتا رہا ہے کہ لوگو! وادی طائف کے ایک قبیلے کے برگشتہ ہونے سے میرے محبوب ﷺ کی شان رسالت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، وہ تو ثقلین کے رسول بن کر جلوہ گھر ہوئے ہیں اور عرب وعجم کے پیشوا بن کر رونما ہوئے ہیں،

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے طائف سے واپسی کے بعد جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو پہلے آپ ﷺ نے غار حرا میں قیام فرمایا، پھر اخنس بن شریق کی طرف پیغام بھیجا کہ تمہاری پناہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں، اس نے کہلا بھیجا کہ میں حلیف ہوں اور کسی حلیف کو پناہ نہیں دے سکتا، پھر آپ نے سہیل بن عمرو کی طرف یہی پیغام بھیجا، اس نے کہا میرا قبیلہ بنو عامر، بنو کعب کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا، اس کے بعد آپ نے مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا تو اس نے آپ کو پناہ دی، یہ واقعہ محدث ابن جوزی نے بھی لکھا ہے، ﴿الوفاص ۲۶۳﴾ حضور اکرم ﷺ کا پیغام پہنچانے والے شخص کا نام عبداللہ بن اریقط تھا، اس کا تعلق بنو خزاعہ کے ساتھ تھا، جب اس نے مطعم بن عدی کو پیغام پہنچایا تو اس نے فوراً قبول کرتے ہوئے اپنے بیٹوں اور اپنی قوم کے نوجوانوں سے کہا کہ مسلح ہو کر سب بیت اللہ میں پہنچ جاؤ، میں نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پناہ دے دی ہے، رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد حرام میں پہنچے تو اس نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اعلان کیا، اے گروہ قریش! میں نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پناہ دے دی ہے، آئندہ انہیں کوئی شخص بھی پریشان نہ کرے، بعد ازاں حضور اکرم ﷺ حجر اسود کے پاس گئے اور اسکو بوسہ دیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے، مطعم بن عدی اور اس کے چھ یا سات فرزندوں نے مسلح ہو کر آپ کو گھیر رکھا تھا، جب ابو جہل نے مطعم بن عدی کی یہ صورت حال دیکھی تو پوچھا، تم ان کے دین میں داخل ہو گئے ہو یا محض معاونت اور امداد و نصرت کیلئے ساتھ آئے ہیں، اس نے کہا، ہم صرف پشت پناہی اور حفاظت و نگرانی کیلئے ساتھ آئے ہو، اس نے کہا، جن کو تم

نے پناہ دی، ہم بھی اسکو پناہ دیتے ہیں، ہم ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کریں گے، ایک روایت ہے کہ رات آپ نے مطعم بن عدی کے گھر بسر فرمائی اور صبح ہوتے ہی مسجد حرام میں تشریف لائے پھر مطعم اور اسکے بیٹوں کی حفاظت میں طواف کیا تو ابوجہل اور ابوسفیان نے پوچھا، کیا تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی ہے، اس نے کہا، نہیں پناہ دی ہے، بعض مورخین نے یہاں یہ نکتہ رقم کیا ہے کہ عرب کے اس دستور کے مطابق حضرت ابوطالب نے ایمان کا اظہار نہ کیا، اگر وہ اپنے ایمان کا اظہار کر دیتے تو ملت اسلامیہ کا فرد بن جاتے، پھر ان پر اسی طرح ظلم وستم کیا جاتا جس طرح دیگر کئی عظیم لوگوں پر کیا گیا تھا اور وہ ہرگز حضور پیغمبر نور ﷺ کا دفاع نہ کرسکتے، کفار کو ایذارسانی میں کسی کی رشتہ داری کا پاس نہیں تھا، علامہ ابن قیم نے بھی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کی اسی میں حکمت تھی کہ وہ اپنی قوم کے دین پر قائم رہیں، اس میں بعض ایسی مصلحتیں تھیں جو غور وفکر سے کام لینے والوں پر مخفی نہیں ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۵۵﴾ حضرت ابوطالب کے بعد مطعم بن عدی اور اسکے قبیلے نے بھی یہی کردار ادا کیا، مطعم بن عدی کا خاتمہ اگرچہ کفر پر ہوا لیکن حضور ﷺ نے ہمیشہ اسکی اس حمایت کو یاد رکھا اور اس کا ذکر اچھے الفاظ کے ساتھ کیا، جنگ بدر میں جب ستر کفار گرفتار ہوئے تو آپ نے فرمایا: **لو کان المطعم بن عدی حیاثم کلمنی فی ھولاالنتنی لترکتھم**، آج اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان جنگی قیدیوں کے بارے میں کہتا تو میں ضرور سب کو آزاد کر دیتا، ﴿عیون الاثر ۱: ۱۳۶، سیرت ابن کثیر ۲: ۱۳۸﴾ مطعم کے بیٹے حضرت جبیر بن مطعم نے اسلام قبول کیا اور وہ ہمیشہ حضور نبی کریم ﷺ کے خدمت گزار بن کر رہے، مطعم بن عدی نے ہجرت رسول کے ایک سال بعد ۹۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضور پیغمبر نور ﷺ نے ایک فرد کافر کی پناہ کیوں لی، اس کا جواب یہ ہے کہ اہل طائف کے جبر وتشدد اور حضور اکرم ﷺ کی غمناک مراجعت کی خبر مکہ مکرمہ میں گردش کر رہی تھی اہل مکہ آپ پر اذیتوں کے طوفان مسلط کرنے کیلئے پر تول رہے تھے، ادھر اہل اسلام کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ ان ستم ظریفوں کا مقابلہ کرسکتی، دوسری صورت میں آپ کسی صحرائی گوشے میں جا کر زندگی بسر کرتے تو یہ بعثتِ محمدی کے اعلیٰ مقاصد کے خلاف تھا، کیونکہ آپ مکہ مکرمہ کی ہاجی اور

مذہبی حیثیت سے آشنا تھے، وہاں ہر روز قبائل کے وفود آتے رہتے تھے اور ان کے ساتھ رابطے کا کوئی نہ کوئی سبب بنتا رہتا تھا، یہ سارا سلسلہ موقوف ہو جاتا، پھر جہاد بھی فرض نہیں ہوا تھا، اس لئے آپ نے مطعم بن عدی جیسے با اثر آدمی کی پناہ قبول کی اور بعد میں اس مصلحتی اقدام کے بہترین نتائج بھی برآمد ہوئے، حدیث پاک ہے، ان اللہ لیوید ھذا الدین بالرجل الفاجرو فی حدیث باقوام لاخلاق لھم، یعنی بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی امداد کسی فاجر انسان سے بھی کرا دیتا ہے یا ایسی اقوام سے بھی کرا دیتا ہے جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ﴿سیرت نبویہ از دحلان ۲:۴:۲۷﴾ پھر یہ کہ اسلام ایک تدریج کے ساتھ نافذ ہوا ہے، اس کے احکام حالات کے مطابق نازل ہوتے رہے، لہٰذا ہر حکم کو اس دور کے موجود تقاضوں اور مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر پرکھا جائے، پھر پیغمبر نور ﷺ کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی رضا اور منشا کے مطابق معرض وجود میں آتا ہے، آپ نے اسلام کے متوالوں کو بڑی مصیبت سے چھٹکارا دلانے کیلئے چھوٹی مصیبت کا اصول اپنایا تو عین حکمت خداوندی کے مطابق اپنایا حکمت اور مصلحت سے کام لینا کسی بھی دور میں توکل علی اللہ کے خلاف نہیں سمجھا گیا، جیسا کہ قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہے۔

قبائل عرب سے رسم وراہ:

یوں تو حضور پیغمبر نور ﷺ مکہ مکرمہ میں آنے والے مختلف افراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہتے تھے اور آپ کی بعثت ونبوت کا چرچا پورے جزیرہ عرب میں گردش کر رہا تھا بلکہ اہل اسلام ملک حبشہ میں بھی موجود تھے اور وہ وہاں کا سفر اختیار کرنے والے ملکوں اور قوموں کے افراد سے آپ کا تعارف کروا رہے تھے، اس طرح وقت کے سفر کے ساتھ ساتھ دنیا کی یہ انوکھی خبر بھی عام ہوتی جا رہی تھی، آپ ذی القعدہ میں واپس آئے تو حج کا موسم سر پر سایہ فگن تھا، عرب کا دستور تھا کہ لوگ شوال کے مہینے میں ایک ماہ وادی عکاظ میں ٹھہرتے، وہاں سے اٹھ کر مجنہ میں آجاتے اور وہاں بیس دن قیام کرتے، وہاں سے ذی المجاز میں آجاتے اور باقی ایام حج وہاں پر گزارتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ ہر سال قبائل عرب پر اپنی دعوت رسالت پیش کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر سال موسم حج پر عکاظ، مجنہ اور ذی

المجازؔ مقامات پر قبائل عرب کو دعوت دیتے کہ وہ آپ کے ساتھ وفا کریں تا کہ آپ اسلام کا کام جاری رکھ سکیں اور انہیں جنت مل جائے مگر کوئی قبیلہ بھی حامی نہ بھرتا ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۵﴾ اس بار بھی ملک کے طول وعرض سے قبائلی قافلوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، ہر قبیلے کے افراد اپنے اپنے خیمے نصب کر رہے تھے، آپ نے اس سنہری موقعہ سے فائدہ اٹھانے کیلئے ہر قبیلے سے رابطہ قائم کیا، حضرت ربیعہ بن عباد سے روایت ہے، ان کے باپ نے بیان کیا کہ میں ابھی جوان تھا اور اپنے والد کے ساتھ اپنے قبیلے کے خیمے میں موجود تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہر قبیلے کی قیام گاہ میں تشریف لاتے اور ان الفاظ میں تبلیغ فرماتے تھے:

⊙ ...... اے بنی فلان! میں تم تمام کی طرف اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول ہوں، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، ان کو چھوڑ دو، مجھ پر ایمان لاؤ اور میری تصدیق کرو اور کفار سے میرا دفاع کرو تا کہ میں واضح کردوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا دے کر مبعوث فرمایا ہے، ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۱۵۵﴾

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباد نے بیان کیا، حضور اکرم، رسول اقدس ﷺ کے تعاقب میں ایک چمکدار چہرے والا بھینگا انسان زور وشور کے ساتھ کہتا رہا، اے فلاں! یہ شخص تمہیں گمراہ کر رہا ہے، اس کی باتوں میں ہرگز نہ آنا، حضرت عباد نے پوچھا، یہ تکذیب کرنے والا کون ہے تو ان کے باپ نے کہا، یہ ابولہب ہے، ابولہب کے اس معاندانہ کردار کی وجہ سے بھی حضور پیغمبر نور ﷺ نے اپنا لاہوتی مشن ترک نہ کیا اور آپ مسلسل گمگشتگانِ راہ کو منزل مراد کی طرف بلاتے رہے اور غبار راہ کو فروغ وادی سینا سے نوازتے رہے، اب ہم آپ کے ان مساعی کو ذرا تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں،

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم.

بنو کندہ کو دعوتِ اسلام:

حضرت ابن رومان اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر وغیرہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ بنو کندہ کے پاس عکاظ میں تشریف لائے جہاں وہ حج کیلئے ٹھہرے ہوئے تھے،

سب قبائل سے زیادہ نرم رویہ انہوں نے ہی آپ کے ساتھ اختیار کیا، آپ نے جب ان کی قوت وشوکت کو دیکھا اور خوش اخلاقی ملاحظہ فرمائی تو ان سے گفتگو کرنے لگے، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، جو وحدہ لاشریک ہے، دوسرا میرا مطالبہ یہ ہے کہ تم مجھے اپنے ہاں پناہ دو، جیسے اپنی حفاظت کرتے ہو میری بھی کرو، اگر میری دعوت غالب رہی تو تمہیں اسے قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا، قبیلہ کے اکثر لوگوں نے کہا یہ بات تو بڑی اچھی ہے، مگر ہم اپنے باپ دادا کی پیروی میں کچھ چیزوں کی پرستش کرتے آرہے ہیں، انہیں کیسے چھوڑ دیں، ان میں سب سے چھوٹی عمر والا ایک شخص بولا، اے قوم! اس شخص وحید کی بات فوراً مان لو، قبل اس کے کہ دوسرے تم سے سبقت لے جائیں، بخدا اہل کتاب پیش گوئی کررہے ہیں کہ حرم محترم سے نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور اس کا زمانہ قریب تر آچکا ہے، قبیلہ بنو کندہ میں ایک کانا آدمی تھا، وہ کہنے لگا، میری بات سنو! اس شخص کو اس کے خاندان والوں نے نکال دیا ہے اور تم اسے پناہ دے دینا چاہتے ہو، کیا تم سارے عرب سے لڑائی لڑ سکتے ہو، ہرگز نہیں، چنانچہ حج سے فارغ ہو کر یہ قوم اپنے وطن پہنچی تو وہاں ایک یہودی نے ان سے کہا، خدا تعالیٰ کی قسم! تم نے اس شخص کریم کی بات نہ مان کر بہت بڑی غلطی کی ہے، اگر تم اس پر سب سے پہلے ایمان لے آؤ تو عرب کے سردار بن جاؤ گے، ہم اس نبی کی عظمتیں اپنی کتاب میں لکھی ہوئی پاتے ہیں، پھر اس یہودی نے آپ ﷺ کی صفات اپنی کتاب سے گنوائیں تو سب قوم کہنے لگی، ہم نے یہ صفات ان میں خود دیکھی ہیں، یہودی نے کہا، ہم نے اپنی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ وہ نبی مکہ مکرمہ سے نکلے گا اور یثرب کو ہجرت کرے گا، اس پر ساری قوم نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سال حج پر سب لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے مگر ان کے سردار نے انہیں اگلے سال حج پر جانے سے روک دیا، ان میں سے کوئی شخص بھی نہ آسکا، جب اس یہودی کی موت آئی تو پاس بیٹھے لوگوں نے سنا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کررہا تھا اور آپ کا کلمہ پڑھ رہا تھا۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۶۱﴾

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مجھے بنو کندہ کے ایک شخص یوسف نے اپنی قوم کے بوڑھوں کی ایک روایت بتائی کہ حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا، ان کی مدد اہل دیہات کریں گے، چنانچہ آپ بنو کندہ کے پاس آئے اور اپنا خواب بیان کرکے فرمایا تم بھی

دیہاتی ہو، کیا تم میری مدد کر سکتے ہو، بنو کندہ کہنے لگے، ہاں مگر اس شرط پر کہ اپنے بعد حکومت ہمارے لئے لکھ دیں، آپ نے فرمایا میں ایسے نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ لوگ الٹے پاؤں چل پڑے، آپ نے فرمایا: ان کے چہرے بادشاہوں جیسے ہیں اور ایڑیاں دھوکے بازوں جیسی ہیں۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۰۴﴾

بنو محارب کو دعوت اسلام:

حضور اکرم ﷺ توحید و رسالت کا پیغام پہنچانے کیلئے بنو محارب کے پاس پہنچے تو وہاں آپ کی ایک سو بیس سالہ بوڑھے سے ملاقات ہوئی، آپ نے اسے دعوت اسلام دی اور یہ مطالبہ کیا کہ مجھے تحفظ دیا جائے تا کہ میں خدا تعالیٰ کا پیغام بااحسن طریق پہنچا سکوں' بوڑھے نے کہا، اے آدمی! تمہاری قوم تمہیں خوب جانتی ہے، بخدا کوئی شخص اس موسم حج پر تم سے زیادہ خطرناک چیز لے کر نہیں لوٹے گا، اس لئے خود کو ہم سے بچا کر رکھو، ابولہب اس محاربی کی بات سن رہا تھا، وہ اس کے پاس آیا اور کہنے لگا، اگر تمام حجاج اس کو تم جیسی کھری کھری سنا دیتے تو یہ خود ہی اپنی دعوت چھوڑ دیتا، محاربی نے کہا، بخدا تم اسے خوب سمجھتے ہو، یہ تمہارا بھتیجا ہے اور تمہارا گوشت ہے، پھر محاربی نے کہا، اے ابولہب! شاید اسے کچھ جنون ہے، ہمارے قبیلے میں ایک شخص ہے جو اس کا صحیح علاج کر سکتا ہے، ابولہب نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، ﴿شاید اس مردود کو یہ خدشہ تھا کہ جو معالج بھی آپ کے پاس پہنچے گا، کہیں خود ہی داخل اسلام نہ ہو جائے کیونکہ ایسے چند واقعات ہو چکے تھے﴾ البتہ اس کے بعد وہ جس قبیلے سے گزرتا یہی اعلان کرتا کہ بے شک یہ بے دین ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ ﴿معاذ اللہ﴾ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۶﴾

بنو عبس کو دعوت اسلام:

حضرت عبداللہ بن وابصہ عبسی اپنے والد سے اور وہ حضرت عبداللہ کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حج کیلئے منیٰ میں جمرۂ اولیٰ کے پاس اترے ہوئے تھے، جو مسجد خیف کے قریب ہے، حضور نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر ہمارے پاس تشریف لائے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے، آپ نے ہمیں دعوت اسلام دی مگر ہم

نہ مانے، یہ ہماری غلطی تھی، ہمیں اس سے قبل بھی اطلاع مل چکی تھی کہ آپ دعوت حق دے رہے ہیں، چنانچہ آپ آئے اور ہم نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا، ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق عبسی بھی تھا، وہ کہنے لگا، خدا کی قسم! اگر ہم اس آدمی کی تصدیق کریں اور اسے اپنے قبیلے میں ساتھ لے جائیں تو یہ بڑی دانشمندی ہوگی، خدا کی قسم! اس کا دین اس قدر غالب ہوگا کہ تمام عالم اس کی زد میں ہوگا، قوم نے کہا ہمیں ایسی باتیں نہ سناؤ جن کا انجام ہمیں معلوم نہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے میسرہ بن مسروق میں دلچسپی لی اور اس سے مزید گفتگو کی، اس نے کہا، آپ کا کلام بہت ہی حسین اور منور ہے لیکن میری قوم میرے خلاف ہے، آدمی کی زندگی اس کی قوم ہی سے وابستہ ہوتی ہے، اگر وہی اسکی مدد نہ کرے تو دشمن تو ہوتے ہی دور ہیں، چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ واپس تشریف لے آئے اور یہ قوم اپنے وطن لوٹ گئی، راستے میں انہیں میسرہ نے کہا، ہمیں فدک چلنا چاہئے، وہاں یہود رہتے ہیں، ہم ان سے اس آدمی کے متعلق تحقیق کریں گے، یہ لوگ یہود کے پاس آئے، انہوں نے اپنی کتابیں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں اور انہیں نبی عربی امی کی تعریف سنانے لگے جو اونٹوں پر سواری کرے گا اور سادہ زندگی بسر کرے گا، وہ طویل قامت ہوگا نہ پست قد، بال زیادہ لمبے ہوں گے نہ زیادہ گھنگریالے، آنکھوں میں سرخی ہوگی، پھر یہود کہنے لگے کہ اگر وہ آدمی انہی صفات کا حامل ہے تو اس کی اطاعت کرلو اور اس کے دین میں داخل ہو جاؤ، ہم تو اس سے حسد کرتے ہیں، ﴿کیونکہ بنی اسرائیل سے باہر کسی نبی کا آنا ان کیلئے قابل تسلیم نہ تھا، وہ قومی عصبیت میں غرق تھے اور نسلی حمیت میں جل رہے تھے﴾ لہذا اسکی اطاعت نہیں کرتے، ہمیں اس کے ہاتھوں بڑے مصائب اٹھانے پڑیں گے، ایک وقت آئے گا کہ کوئی عربی اس کی اتباع کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا تو تم ضرور فوراً اس کے پیروکار بن جاؤ، میسرہ نے کہا، اے قوم! یہ معاملہ تو خوب روشن ہوگیا، قوم نے کہا آئندہ سال موسم حج پر اس سے ملاقات کریں گے، پھر یہ لوگ اپنے وطن پہنچ گئے مگر اہل وطن نے انکا ساتھ نہ دیا اور ان کا کوئی شخص دوبارہ حج پر نہ آیا، ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۷﴾ حسن بن جہم کی روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور پھر حجۃ الوداع کیلئے مکہ مکرمہ آئے تو میسرہ نے آپ سے ملاقات کی، آپ نے اسے پہچان لیا، وہ عرض کرنے لگا، یارسول اللہ! جس

دن آپ ہمارے پاس آئے تھے، میں تو اسی دن آپ کا غلام بن جانا چاہتا تھا مگر جو ہوا سو ہوا، اللہ تعالیٰ میرے اسلام لانے میں تاخیر چاہتا تھا، چانچہ وہ سب لوگ مر گئے ہیں جو اس وقت میرے ساتھ تھے، یارسول اللہ! کیا وہ جہنم میں جائیں گے، آپ نے فرمایا: جو دین اسلام پر نہ مرے وہ دوزخ میں جائے گا، وہ عرض کرنے لگا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے مجھے کفر سے بچالیا اور دوزخ سے چھڑالیا، راوی کہتے ہیں، اس کے بعد وہ سچا مسلمان بنا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی، ﴿دلائل النبوۃ: ۲۵۸﴾

بنو عامر کو دعوت اسلام:

عبدالرحمٰن عامری اپنی قوم کے مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم عرب کی سالانہ منڈی عکاظ میں پہنچے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، اس قوم کا کس قبیلہ سے تعلق ہے، ہم نے کہا بنی عامر بن صعصعہ سے، آپ نے فرمایا: بنو عامر کی کس شاخ سے، ہم نے کہا، بنو کعب بن ربیعہ سے، آپ نے پوچھا، تمہاری قوت و حشمت کیسی ہے، ہم نے کہا، جو ہماری پناہ میں آجائے اس کی طرف کوئی رخ نہیں کرتا اور ہمارے مقابلے میں آنے کی کسی میں ہمت نہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اگر میں تمہارے پاس آؤں تو کیا تم میری حفاظت کرو گے تاکہ میں اپنے رب تعالیٰ کا پیغام آسانی سے پہنچا سکوں اور میں تم کو اس کے ماننے پر مجبور نہیں کروں گا، بنو عامر کہنے لگے، آپ قریش کی کس شاخ سے ہیں، آپ نے فرمایا، بنو عبدالمطلب سے، انہوں نے کہا، آپ بنو عبد مناف سے یہ مطالبہ کیوں نہیں کرتے، آپ نے فرمایا وہی تو مجھے سب سے پہلے جھٹلانے والے ہیں، وہ کہنے لگے، ہم آپ کی دعوت پر ایمان تو نہیں لاتے البتہ آپ کی حفاظت کریں گے تاکہ آپ اپنی دعوت خوب پھیلا سکیں، چنانچہ آپ ان کے پاس ٹھہر گئے، ابھی یہ لوگ منڈی میں خرید و فروخت کر رہے تھے کہ ان کے پاس انہی کا ایک سردار بجرہ بن قیس قشیری آگیا، کہنے لگا، یہ تمہارے پاس کون بیٹھا ہے، کہنے لگے، محمد بن عبداللہ قریشی، اس نے پوچھا، تمہارا اس سے کیا واسطہ ہے، انہوں نے کہا، یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور ہم سے حفاظت کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکے، کہنے لگا، پھر تم نے کیا جواب دیا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے اسکو

خوش آمدید کہا ہے، ہم اسے اپنے علاقے میں لے جائیں گے اور ایسے ہی حفاظت کریں گے جیسے اپنی کرتے ہیں، اس نے کہا میرا خیال ہے تم سے بڑھ کر کوئی شخص اس بازار میں خطرناک چیز لے کر نہیں جائے گا، تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے خلاف ہو جائیں اور عرب تمہیں اور اس کو ایک ہی تیر کا نشانہ بنا لیں، اس کی قوم تو اس کو خوب جانتی ہے، اگر وہ اس میں کوئی بھلائی دیکھتے تو دوسروں کی نسبت اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے تھے، تم ایک قوم کے ایسے مجنون شخص کے پیچھے لگ رہے ہو جسے خود اس کی اپنی قوم نے نکال دیا ہے، کتنی خام خیالی ہے تمہاری، پھر وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا، اٹھو اپنی قوم میں جاؤ، بخدا اگر تم میری قوم میں نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا، ﴿معاذ اللہ﴾ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے، بجرہ نے آپ کی اونٹنی کے پہلو میں ضرب لگائی جس سے وہ اچھلی اور آپ ﷺ کو گرا دیا، بنو عامر میں سے ضباعہ بنت عامر بن قرط بھی تھیں، یہ مکہ مکرمہ میں آپ پر ایمان لائی تھیں، وہ ان دنوں بنو عامر میں اپنے چچازاد بھائیوں سے ملاقات کیلئے آئی ہوئی تھیں، حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر بے اختیار چیخ پڑیں، اے آل عامر! میرا کوئی عامر نہیں، کیا تمہارے سامنے رسول خدا ﷺ کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا رہے گا اور تم میں سے کوئی اسکو روکنے کی کوشش نہیں کرے گا، یہ پکار سن کر اس کے چچازاد بھائیوں میں سے تین آدمی بجرہ کی طرف لپکے جبکہ اس کے بھی دو آدمی تھے، ضباعہ کے چچازاد بھائیوں نے ان تینوں کو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور خود ان کے سینے پر بیٹھ گئے اور چہروں پر طمانچے مارنے لگے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، اے اللہ! ان تینوں پر رحمت برسا اور ان تینوں پر لعنت برسا بجرہ کی مدد کرنے والوں کے نام فراس، حزن بن عبد اللہ اور معاویہ بن عبادہ تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے والوں کے نام یہ تھے، غطریف بن سہل، غطفان بن سہل اور عروہ بن عبد اللہ، راوی کہتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا کا اثر تھا کہ آپ کی مدد کرنے والے تینوں آدمی اسلام لے آئے جبکہ بجرہ اور اسکے ساتھی کفر کی لعنت کا طوق گلے میں ڈالے واصل جہنم ہو گئے، ﴿دلائل النبوۃ: ۲۵۳﴾

امام ابو نعیم اصفہانی نے روایت لکھی ہے کہ آپ ﷺ نے سب قبائل کو دعوت اسلام دی، اس دوران جس قدر تکلیف بنو عامر کے ہاتھوں اٹھائی کہیں سے نہ اٹھائی، آپ جب ان

کے ہاں سے نکلے تو وہ پیچھے سے سنگ باری کر رہے تھے، امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بنو عامر جب حج سے فارغ ہو کر اپنی قوم میں گئے اور اپنے بزرگ کے پاس پہنچے جو زیادہ سال خوردہ ہونے کی وجہ سے سالانہ منڈی میں نہ جا سکا تھا، اس نے منڈی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ ایک قریشی جوان ہمارے پاس آیا تھا، وہ بنو عبدالمطلب کا فرد تھا اور اپنے آپ کو نبی سمجھتا تھا، اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کی حفاظت کریں، بوڑھے شیخ نے کہا، اے بنی عامر! کیا اب اسے حاصل کیا جا سکتا ہے، تم نے بڑی قیمتی چیز کھو دی، خدا کی قسم! یہ پیغام تو اولاد اسماعیل سے کبھی کسی نے نہیں دیا، خبردار! یہ اعلان حق ہے، تمہاری عقلوں پر کیوں پردہ پڑ گیا ہے۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۴، سیرت ابن کثیر ۲: ۱۵۸﴾

ایک شخص کا فریب:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حج کے موقعہ پر لوگوں کو میدانِ عرفات میں اپنی رسالت پیش کیا کرتے تھے، آپ فرماتے: کیا تم نے میں کوئی ایسا شخص ہے جو خود بھی اسلام لائے اور اپنی قوم کو بھی اس کی تلقین کرے کیونکہ قریش نے مجھے خدا کا پیغام سنانے سے روکنا چاہا ہے، ایک دن آپ کے پاس ہمدان کا ایک شخص آیا، آپ نے پوچھا، تم کہاں سے آئے ہو، اس نے کہا ہمدان سے، آپ نے پوچھا، کیا تمہاری قوم کے پاس عسکری قوت وطاقت ہے، کہنے لگا ہاں، چنانچہ وہ آدمی چلا گیا، پھر اسے ڈر محسوس ہوا کہ شاید میری قوم مجھے مار نہ ڈالے، اس لئے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس دوبارہ آیا تو کہنے لگا میں اپنی قوم کے پاس جا کر یہ دعوت پیش کروں گا اور پھر آ کر آپ کو آگاہ کروں گا، یہ کہہ کر وہ چلتا بنا، ادھر اللہ تعالیٰ نے انصار کو مدینہ منورہ سے ماہ رجب میں بھیج دیا۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۲﴾

ایک پروقار مجلس کو دعوتِ اسلام:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک پروقار مجلس میں پہنچے، وہاں بڑے مقتدر اور پروجاہت مشائخ بیٹھے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں آگے بڑھ کر سلام کیا، آپ ہر موقعہ پر آگے ہی رہے، آپ نے پوچھا، یہ قوم کس قبیلہ سے تعلق رکھتی

ہے، اہل مجلس نے جواب دیا، بنوشیبان بن ثعلبہ سے، آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ پر میرے والدین قربان ہوں، اپنی قوم میں ان سے معزز تر کوئی شخص نہیں، اہل مجلس میں مفروق بن عمرو، ھانی بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک بھی تھے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے ان کی قوت وطاقت کے بارے میں سوال کیے اور آخر میں کہا کہ اگر تمہیں پتا چل چکا ہے کہ قریش میں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیجا ہے تو وہ رسول ﷺ میرے ساتھ ہیں، مفروق نے کہا، ہم نے سنا ہے، پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا، اے برادر قریش! آپ کی کیا دعوت ہے، حضور پرنور ﷺ فوراً آگے ہو کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اپنے کپڑے سے آپ پر سایہ کر دیا، آپ نے فرمایا: میری دعوت ہے کہ تم گواہی دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، تم میری مدد کرو، میری حفاظت واعانت کرو تا کہ میں اللہ کا پیغام پہنچا سکوں کیونکہ قریش نے اللہ کے پیغام کو ٹھکرا دیا ہے، اس کے رسول کو جھٹلایا ہے اور حق سے اعراض کر کے باطل پر سہارا کر لیا ہے، اللہ تو صاحب حمد ہے اور بے نیاز ہے، اس نے کہا، اس کے علاوہ آپ کی کیا دعوت ہے، آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

⊙......قل تعالوا اتل ماحرم ربکم.......... تتقون ○ اے محبوب فرما دو، آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا حرام کیا ہے، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، والدین کیساتھ بھلائی کرو اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث، ہم تمہیں اور انہیں سب کو رزق دیں گے، اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی اور جو چھپی ہیں اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو، یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو ○ اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقے سے، جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو، ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کے مقدور بھر اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو، یہ تمہیں تاکید فرمائی ہے کہ کہیں تم نصیحت مانو ○ اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ

تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی، یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے﴿سورۃ الانعام آیت: ۱۵۱ تا ۱۵۳﴾

ایک روایت میں ہے کہ مفروق نے آپ ﷺ سے یہ آیت سنی: ان اللہ یامر بالعدل .... تو بولا اے برادر قریش! آپ نے اچھے اخلاق اور بہترین اعمال کی دعوت دی ہے، آپ کو جھٹلانے والے اور ایذا دینے والے لوگ خود جھوٹے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ مفروق نے کہا، خدا کی قسم! یہ اہل زمین کا کلام نہیں، اگر ان کے کلام میں سے ہوتا تو ہم پہچان لیتے۔ ﴿المستدرک﴾ پھر انہوں نے اپنی کچھ سیاسی قسم کی مجبوریوں سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم سچ کہتے ہو تو میں تمہارے جواب پر ناخوش نہیں، اللہ کے دین کی مدد وہی کرتا ہے جو ہر طرف سے اسے سمجھ جائے، یہ فرما کر حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۰، سیرت ابن کثیر ۲: ۱۶۹﴾ پھر آپ اوس وخزرج کے پاس پہنچے اور تب وہاں سے اٹھے جب ان لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی، وہ لوگ بڑے سچے اور صابر تھے، اللہ ان سب کو اپنی رضا عطا فرمائے، ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵۰، ۲۵۱﴾ حضور اقدس ﷺ قبیلہ بنو کلب کی ایک شاخ بنو عبداللہ کے پاس گئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کا نام بہت اچھا رکھا ہے، مقصد یہ تھا کہ تم اس نام کی لاج رکھتے ہوئے باطل معبودوں سے جان چھڑا لو، مگر انہوں نے بھی آپ کی دعوت حق کو ٹھکرا دیا، اس طرح آپ بنو حنیفہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے انتہائی سختی اور بد اخلاقی کے ساتھ جواب دیا جس سے پیغمبر برحق ﷺ کو بہت صدمہ ہوا، یہی وہ بدنصیب قبیلہ ہے جس کے دامن سیاہ سے مسیلمہ جیسا کذاب پیدا ہوا تھا، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ موسم حج میں حضور نبی کریم ﷺ جب بھی قبائل عرب کے پاس جاتے تو ان کا ایک ہی جواب ہوتا کہ یہ شخص تمہاری کیا اصلاح کرے گا، اس کی اپنی قوم نے اسکو نکال دیا ہے،

﴿سیرت ابن کثیر، ۲: ۱۵۸﴾

اس یاس انگیز اور روح فرسا ماحول میں جب بڑے بڑے لوگوں کا زہرہ آب ہوتا تھا، آپ ﷺ بے دھڑک ہر قبیلے کے پڑاؤ میں تشریف لے جاتے، ان کے بااثر افراد سے ملتے اور انہیں اس روپہلی صبح سے استفادہ کرنے کیلئے فرماتے جو مطلع رسالت پر پھوٹ رہی

تھی اور ایک نئے سماجی اور اخلاقی شعور کا پیغام دے رہی تھی، جن قبائل سے آپ کی ملاقات ہوئی ان میں بنی کندہ، بنی کلب، بنی بکر بن وائل، بن حنیفہ، بنی عامر، بنی عبس، بنی غسان، بنی فزارہ، بنی مرہ، بنی سلیم، بنی قیس، بنی نضر بن ہوازن، بنی ثعلبہ بن عکابہ، بنی حارث بن کعب، بنی عذاری وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اصحاب سیر نے پندرہ کے قریب ایسے قبائل کے نام گنوائے ہیں جنہیں آپ کے حیات بخش پیغام کو اکثر سننے کا موقع ملتا رہا اور وہ متاثر بھی ہوئے لیکن ان کی قبائلی وفاداریاں، معاشی اور معاشرتی مصلحتیں اس دعوت حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بنتی رہیں، یہ تھی مختصر روئداد ان ملاقاتوں کی جو محبوب داور محشر ﷺ نے بعض چیدہ قبائل کے زعیم لوگوں کے ساتھ اہم موقعوں پر کیں، مشرکانہ کلچر کی گود میں پلے ہوئے یہ لوگ اس عظیم نصب العین کا ادراک کر سکے نہ استحسان جو سرور کونین ﷺ ان کے سامنے رکھنا چاہتے تھے، ان میں وہ بھی تھے جنھوں نے دعوت حق کے انکار پر اکتفا کیا، وہ بھی تھے جنھوں نے گومگو کی صورت اختیار کی اور وہ بھی تھے جو آپ سے بری طرح پیش آئے، اصحاب سیر کا خیال ہے کہ اگر ان میں سے چند قبائل ابتدا میں اسلام کی حمایت پر کمربستہ ہوجاتے تو امید کی جاسکتی تھی کہ اس سے دین کو بڑی تقویت پہنچتی، تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے، عرب کے قبائل کی قسمت میں اولیت کی سعادت کہاں جو ختمی مرتبت ﷺ ان کی جھولی میں ڈالنا چاہتے تھے، یہ تو مدینہ منورہ کے ان باسیوں کیلئے مختص کی جاچکی تھی جو چل کر اس چشمہ حیواں پر پہنچے، جس سے چند گھونٹ پی لینے کے بعد وہ آج تک مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں، وہ کونسی زبان ہے جو شہ والا ﷺ پر درود وسلام تو بھیجے مگر **السابقون الاولون من المهاجرين والانصار** کیلئے طلب رحمت نہ کرے، وہ کونسا قلم ہے جو سرور کونین ﷺ کی نعت تو لکھے مگر ان فداکاروں کی مدحت سے گریز کرے جنھوں نے ناموس مصطفےٰ کی حفاظت کی قسم کھائی تھی۔ ﴿رسول مبین ص ۴۱۰﴾

عرب کے بازاروں میں:

دور جاہلیت میں اہل عرب کے تین مشہور بازار اور کاروبار کے مراکز تھے جہاں وہ اکٹھے ہوکر باہمی تجارت کرتے اور معاشرت سے لطف اندوز ہوتے تھے، ایک دوسرے پر اپنا نسلی اور قومی تفاخر بیان کرتے تھے، قادر الکلام شعرا اپنا خوبصورت کلام پیش کرتے اور

اہل زبان سے داد تحسین وصول کرتے تھے، یہ تجارتی مراکز اور بازار تمام اہل عرب کے مشترکہ تھے، ان میں مرکز عکاظ نخلہ اور طائف کے درمیان موجود تھا، مرکز ذوالمجاز عرفات کے عقب میں واقع تھا اور مجنہ مرالظہر ان میں پایا جاتا تھا، ﴿معجم البلدان ۴:۱۴۲﴾ ان مقامات پر جتنے روز بازاروں اور منڈیوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا جاتا تھا اتنے روز تک لوگوں کی جان ومال اور تجارتی اسباب کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی تھی، تمام راستے پرامن ہوتے تھے، اگر کسی رشتے دار کا قاتل بھی سامنے آجاتا تو اس سے بھی باز پرس نہیں کی جاتی تھی، ان مراکز پر بڑے بڑے اجتماعات دیکھنے میں آتے تھے، ایسے لگتا تھا جیسے پورا جزیرہ عرب سمٹ کر آ گیا ہے، بعد میں سب لوگ جاہلی رسومات کے مطابق حج کرتے اور اپنے وطنوں کو لوٹ جاتے تھے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے توحید ورسالت کی تبلیغ کیلئے ان مراکز تجارت کو خصوصی اہمیت دی، آپ لوگوں کے پاس جا کر لا الہ الا اللہ کی تعلیم دیتے تو کفار کی طرف سے شدید ردعمل کا اظہار کیا جاتا، حضرت امام بیہقی نے روایت لکھی ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ لوگوں کو یہ تعلیم دے رہے تھے تو ابوجہل آپ پر گردوغبار پھینک رہا تھا، ایسی روایات میں ابولہب کا ذکر بھی ملتا ہے، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ان دونوں کا یہی مشغلہ تھا کہ ہر وقت آپ کا تعاقب کیا جائے اور آپ کی تکذیب کر کے اذیت فراہم کی جائے، ﴿سیرت ابن کثیر ۲:۱۵۷﴾ حضرت امام بخاری نے تاریخ میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں مدرک بن منیب عامری سے روایت کی ہے، وہ اپنے باپ اور دادا کے واسطے سے بیان کرتے ہیں، سوق عکاظ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو کلمہ توحید کی دعوت دے رہے تھے، یہ سن کر کسی نے آپ کے چہرہ انور پر تھوکنا شروع کر دیا اور کسی نے گردوغبار پھینکنا شروع کر دیا، بعض گالیاں نکالنے لگے یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی: ایک لڑکی پانی کا پیالہ لے کر آئی جس سے آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھویا اور فرمایا، اے بیٹی! اپنے باپ کے بارے میں پریشان نہ ہونا کہ کوئی اس پر غلبہ حاصل کر لے گا اور اذیت مسلط کر سکے گا، میں نے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ ﴿سبل الھدیٰ ۲:۵۹۴﴾ بنوحنیفہ کے ایک فرد عامر بن مسلمہ کا بیان ہے کہ میں نے لگاتار تین سال تک حضور سرور کونین ﷺ کو عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ کے بازاروں اور

تجارتی مرکزوں میں تشریف لاتے دیکھا، آپ ہر بار ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے اور اپنے دفاع کیلئے فرماتے لیکن ہم ہر بار انتہائی درشتی اور بداخلاقی سے پیش آتے تھے، پھر بھی آپ ﷺ کے حلم اور اخلاق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، صحیح بخاری شریف میں آپ کے اس اخلاق کے بارے میں ایک روایت ہے، تورات میں لکھا ہوا ہے کہ نبی آخرالزمان ﷺ نہ سخت دل ہوں گے اور نہ سخت زبان ہوں گے، آپ ہر برائی کا بدلہ اچھائی کی صورت میں عطا کریں گے یہاں تک کہ ٹیڑی قومیں سدھر جائیں گی اور لا الہ الا اللہ کے نغمے سے سرشار ہو جائیں گی، آپ کے وسیلے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور تاریک دلوں کو روشنی نصیب ہوگی۔

تری صورت تری سیرت زمانے سے نرالی ہے
تری ہر ہر ادا پیارے دلیل بے مثالی ہے

ماہ کا کلیجہ چر گیا:

کتنی جان گسل گھڑیاں گزر چکی تھیں، کتنے صبر آزما لمحات ڈھل چکے تھے، مہینوں کا سفر سالوں میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا مگر ایک یہ پیکر جمال تھا کہ تاریک راتوں کو صبح ہدایت کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے تلا ہوا تھا، آزمائشیں تو پہلے بھی بہت ہوئی تھیں لیکن اب ایک اور معرکہ سر پر تیار تھا...... عظیم معرکہ...... عظیم واقعہ...... جسے چشم عالم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

⊙...... **اقتربت الساعة وانشق القمر** ...... قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے اور ہر کام قرار پا چکا ہے۔

﴿سورۃ القمر: ۱ تا ۳﴾

رحمت دو عالم، فخر بنی آدم، حضور نبی محتشم ﷺ ایک چاندنی رات کو وادی منیٰ میں رونق افروز تھے کہ مشرکین مکہ نے آپ سے کوئی محیر العقول نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا اور یہ عہد بھی کیا کہ اگر آپ نے کوئی انوکھی نشانی دکھا دی تو ہم اسلام قبول کر لیں گے، پروردگار عالم نے اپنے حبیب اقدس ﷺ کی صداقت آشکار کرنے کیلئے ایک ایسا عظیم معجزہ ظاہر

فرمایا جسے دیکھ کر لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی، اللہ تعالیٰ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جنھیں وہاں موجود ہر آدمی نے دیکھا لیکن اس جلیل القدر نشانی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی ازلی بد بخت لوگوں نے تسلیم نہ کیا اور کہنے لگے، محمد مصطفےٰ ﷺ کے جادو نے آسمان پر بھی اثر کر دکھایا ہے، بعض نے اس طرح ردعمل ظاہر کیا کہ اگر یہ جادو کا کرشمہ ہے تو آپ سارے جہان پر تو جادو نہیں کر سکتے، اس لئے دوسرے ملکوں سے آنے والے لوگوں کا انتظار کیا جائے کہ وہ اس واقعہ کے متعلق کیا کہتے ہیں ﴿جامع ترمذی ۲: ۱۶۱، تاریخ مکہ ۱: ۲۵۸﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے آپ سے کہا، اپنی نبوت کی کوئی نشانی دکھائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے یہاں تک کہ انہوں نے دونوں ٹکروں کے درمیان جبل حرا کو حائل دیکھا، ﴿صحیح بخاری ۱: ۵۴۶﴾ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام ابو نعیم کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اور نضر بن حارث وغیرہ مشرکین مکہ نے جمع ہو کر آپ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ نبوت میں سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکرے کر کے دکھا دیں، ﴿فتح الباری ۷: ۱۴۴﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿ہم منیٰ میں تھے﴾ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، جسے سب لوگوں نے صاف صاف دیکھا، ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر چلا گیا، آپ ﷺ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا، لوگو دیکھو اور گواہ ہو جاؤ، ﴿صحیح بخاری ۲: ۷۲۱﴾ بخاری شریف کی روایت میں منیٰ کا ذکر نہیں البتہ ترمذی شریف کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ یہ واقعہ منیٰ میں ہوا تھا، ﴿جامع ترمذی ۲: ۱۶۱﴾ حضرت امام قرطبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا: اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور گواہ ہو جاؤ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کفار نے کہا "**ھذا من سحر ابن ابی کبشہ**" یہ ابو کبشہ کے بیٹے کا ایک اور جادو ہے، ابو کبشہ آپ ﷺ کے اجداد میں سے کسی جد کریم کی کنیت ہے جو لوگوں کو اصنام پرستی سے روکا کرتے تھے، اس لئے لوگ آپ کو ابن ابی کبشہ کے نام سے بھی یاد کرتے تھے، علامہ آلوسی اور علامہ سبکی نے صراحت کی ہے کہ معجزہ شق القمر کی احادیث صحیح اور متواتر ہیں، بعض لوگ اسطرح واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

چاند آپ کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا تو اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے، بعض روایات میں جبل ابوقبیس کا ذکر بھی آتا ہے لیکن علامہ طاہر کردی نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ اس زمانے میں قریش کا اس پہاڑ پر رہائش پذیر ہونا ثابت نہیں ﴿تاریخ القویم ١:٦٧١﴾ چاند کا معجزانہ طور پر دو ٹکڑے ہو کر پھر مل جانے کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا تھا جس کی وجہ سے بعض جگہ تو لوگوں نے دیکھا اور بعض ممالک کے لوگوں نے یہ منظر نہ دیکھا جس کی وجہ سے بعض ملحدین اس شہرہ آفاق معجزے کا انکار کرتے ہیں، مولانا بدر عالم میرٹھی کے رشحات قلم ملاحظہ ہوں:

اس معجزہ کا اظہار جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہے منیٰ میں ہوا اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی چشم دید شہادت بھی پیش فرماتے ہیں، علاوہ ازیں یہ واقعہ ہجرت سے پہلے رونما ہوا کیونکہ ہجرت کے بعد چھٹے سال نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار فرمایا مگر حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے روک لیا تھا اور آپ مکہ شریف میں داخل نہ ہو سکے تھے، اس کے بعد فتح مکہ کے وقت آپ کا ورود مسعود مکہ مشرفہ میں ضرور ہوا لیکن اس سے پہلے مشرکین کے سرغنہ بدر ہی میں واصل جہنم ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے دن کسی مشرک کو لب کشائی کی جسارت ہی نہیں ہو سکی تھی، اس سفر میں آپ کا منیٰ میں جانا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے، بالفرض آپ منیٰ میں گئے بھی ہوں تو اس وقت کس کی مجال تھی کہ ایسے معجزے کا مطالبہ کرتا، ہجرت کے نویں سال آپ کا مکہ میں آنا نہیں ہوا، پھر دسویں سال حجۃ الوداع کیلئے آپ تشریف لائے، اس سال آپ نے منیٰ میں ضرور قیام فرمایا مگر اب تو معاشرہ پاک وصاف ہو چکا تھا، مشرکین کی حج پر آنے کی ممانعت کا اعلان ہو چکا تھا، ان حقائق کی روشنی میں اس واقعہ کا ظہور ہجرت سے قبل ہی ثابت ہوتا ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا، قد مضی ذاک قبل الھجرۃ، یہ معجزہ ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا، مشرکین نے دوسرے ممالک سے آنے والے قافلوں سے بھی اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بھی اپنا مشاہدہ بیان کر

کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی جس قدر یہ معجزہ عظیم الشان ہے قدرت نے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مضبوط فراہم کر دیا اور وہ ایسے زمانہ اور ماحول میں جہاں ان امور کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی، یعنی اس امر کی شہادت موافق، مخالف، حاضر اور غائب سب کی زبان سے ثابت ہو چکی ہے۔ ﴿ترجمان السنہ،۴:۱۶۳﴾

مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ تاریخ فرشتہ کے مولف نے ہندوستان کے راجہ ملیبار کا ذکر کیا ہے کہ اس محیر العقول واقعہ کو راجہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسے اپنے روز نامچے میں لکھوایا تھا اور یہی واقعہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ ﴿معارف القرآن ۸:۲۲۷﴾ علامہ سلیمان ندوی نے بھی خطبات مدراس میں اسکی تصریح کی ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجے نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا، بعض حضرات اس کا انکار کرتے ہیں کہ یہ معجزہ قیامت کے قریب نمودار ہوگا، اگر یہ واقعہ رونما ہوتا تو ساری دنیا میں دہائی مچ جاتی، مورخ اپنی کتابوں میں اسکا بڑھ چڑھ کر ذکر کرتے، نجومی اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے، جواباً عرض ہے کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کی موجودگی میں ایسے غلط خیالات کی کوئی گنجائش نہیں، یہ معجزہ سر شام رونما ہوا، عرب کے مغرب میں جتنے ممالک تھے وہاں ابھی دن چمک رہا تھا لہذا ان کا دیکھنا تو ممکن ہی نہیں، یہ واقعہ اچانک ہوا جس کیلئے ساری دنیا کے لوگ تیار نہیں تھے، اس لئے وہ اس منظر کو نہ دیکھ سکے، بہر حال اتنے احتمالات کی بجائے ان تصدیقات کو تسلیم کرنا چاہئے جو متواتر احادیث میں موجود ہیں جن کو حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس بن مالک، حضرت حذیفہ، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ بیان کر رہے ہیں اور امت مسلمہ کے تقریباً ہر محدث اور مفسر نے اسکو اعتماد کی نگاہ سے دیکھا ہے، یہ بھی منقول ہے کہ یہ معجزہ ہجرت کے پانچ سال پہلے وقوع پذیر ہوا، اگر ایسا ہے تو پھر اس کا سال ۸ ھ نبوی بنتا ہے جب حضور اکرم ﷺ شعب ابی طالب میں محصور تھے، اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے اور اس کا رسول اس کے فضل سے بہتر جانتا ہے۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے منکر دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

وفود جنات کی آمد:

امام ابونعیم اصفہانی نے لکھا ہے کہ ربیع الاول ۱۱ھ نبوی کو مقام حجون پر جنات کے وفود حضور اقدس ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، حجون مکہ مکرمہ کے مشرقی علاقہ میں پہاڑ تھے بلکہ اس سارے علاقے کو حجون کہتے ہیں، حضرت عمران بن ابی انس نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ جنوں کا وفد حضور اقدس ﷺ سے ملاقات کرنے کیلئے آیا اور مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں قیام پذیر ہوا، آپ نے فرمایا میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ جائے جس کے دل میں کسی بھی دوسرے شخص کیلئے رائی برابر کھوٹ ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور کھجوروں کے شربت والا برتن اٹھا کر آپ کے ساتھ ہو لئے، حجون پہنچ کر آپ نے حضرت عبداللہ کے گرد دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا، میرے آنے تک اس کے اندر کھڑے رہنا اور کچھ خوف نہ رکھنا، یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے ہیں، حضرت عبداللہ کہتے ہیں' میں دیکھ رہا تھا کہ جنوں کے بڑے بڑے قبیلے گروہ در گروہ آ رہے ہیں اور آپ ﷺ مجھ سے غائب ہو گئے ہیں، آپ وقت سحر واپس آئے تو میں تا ہنوز کھڑا تھا، بیٹھا نہیں تھا، آپ نے پوچھا، تم ساری رات ہی کھڑے رہے، میں نے کہا، آپ نے مجھے یہی حکم دیا تھا کہ میرے واپس آنے تک یہاں کھڑے رہو تو میں آپ کی واپسی تک کیسے بیٹھ سکتا تھا، آپ نے فرمایا، تم نے کچھ دیکھا، میں نے کہا، میں نے کچھ سیاہ وجود اور رسیاں سی دیکھی ہیں اور سخت شور سنتا رہا ہوں، آپ نے فرمایا، یہ نصیبین کے جن تھے، میرے پاس ایک جھگڑا لے کر آئے تھے جو ان میں چل رہا تھا، پھر آپ نے وضو کیا تو پھر دو جن آ گئے اور کہنے لگے، ہم نے چاہا کہ ہم میں سے کچھ ایسے نمازی بھی ہوں جنھوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہو، چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی اور انہوں نے ساتھ پڑھی، آپ نے نماز فجر میں سورۃ الملک اور سورۃ الجن کی تلاوت فرمائی (دلائل النبوۃ ص ۳۲۸) پھر جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو وہاں قوم زط کو دیکھا اور فرمایا، انسانوں میں یہ قوم ان جنوں کے مشابہ ہے جو حجون پر نبی اکرم ﷺ

کے پاس آئے تھے۔

ھامہ بن اہیم کا واقعہ:

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم مکہ مکرمہ کے کسی پہاڑ پر حضور اقدس ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، اتنے میں ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں عصا لے کر نمودار ہوا، اس نے سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا، تمہارا لہجہ جناتی معلوم ہوتا ہے، تم کون ہو، وہ کہنے لگا، میں ھامہ بن اہیم بن لاقیس بن ابلیس ہوں، آپ نے فرمایا، گویا تمہارے اور ابلیس کے درمیان صرف دو باپ ہیں، اس نے کہا، ہاں، آپ نے پوچھا، تم پر کتنے زمانے گزر چکے ہیں، اس نے کہا، میں نے کچھ عرصہ چھوڑ کر باقی سارا زمانہ ﴿انسانیت﴾ دیکھا ہے، آپ نے فرمایا، اسکی کوئی علامت، اس نے کہا، جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو میں اس وقت چند سالوں کا لڑکا تھا، ہر بات کو سمجھتا تھا، ویران ٹیلوں پر آتا جاتا تھا، لوگوں کے کھانے پینے کی چیزیں خراب کر دیا کرتا تھا اور ان کے دلوں میں قطع رحمی کے جذبات پیدا کرتا تھا، آپ نے فرمایا، یہ بہت برا کام ہے، بخدا یہ تو کسی زینت پرست بوڑھے اور قابل سرزنش نوجوان کا فعل ہی قرار دیا جا سکتا ہے، ھامہ بن اہیم نے کہا، آپ میرے بارے میں یہ گمان نہ کریں، میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنے افعال بد سے توبہ کرنے والا ہوں، میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ رہا جب وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی مسجد میں رہتے تھے، میں ان سے اس بات پر جھگڑتا رہتا تھا کہ وہ اپنی قوم کو دعوت حق کیوں دیتے ہیں تا آنکہ وہ ان کی سرکشی پر مارے غم کے رو پڑے اور مجھے بھی رلا دیا، پھر انہوں نے کہا، یقیناً میں اس پر نادم ہوں اور اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہل بنوں، میں نے عرض کیا، اے نوح! اس سعادت مند شہید ہابیل بن آدم کے قتل میں خود میں بھی شریک تھا تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے، انہوں نے فرمایا، اے ھامہ! دائمی حسرت وندامت سے پہلے بڑھ چڑھ کر عمل خیر کرو، اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ جو بندہ بھی توبہ کیلئے آتا ہے، اس کے گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں، اللہ اسکی توبہ کو قبول کرتا ہے، تم اٹھ کر وضو کرو اور دو سجدے کرو، جب میں نے حکم کی تعمیل کی تو آپ نے مجھے آواز دی، سجدے سے سر اٹھا لو، آسمان سے تمہاری توبہ کا پروانہ آ گیا ہے، میں نے ادائیگی شکر کیلئے

دوسرا سجدہ کیا اور ایک سال تک سجدے میں گرا رہا، پھر میں حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ ان کی مسجد میں رہا کرتا تھا، میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھی بکثرت حاضر ہوتا، حضرت یوسف علیہ السلام کے نزدیک بھی میرا بڑا مقام تھا، میں حضرت الیاس علیہ السلام کیساتھ بھی وادیوں میں ملتا رہا اور اب بھی ان سے ملتا ہوں، میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی، آپ نے مجھے تورات کا کچھ حصہ سکھایا، فرمایا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تمہاری ملاقات ہو تو انہیں میرا اسلام پہنچا دینا، پھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے فرمایا: اگر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے تمہاری ملاقات ہو تو انہیں میرا اسلام پہنچا دیا، یہ سن کر حضور اکرم ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تا قیامت میرا اسلام ہو، اور اے ہامہ اس ادائے امانت کی وجہ سے تم پر بھی میرا اسلام ہو، اس نے کہا، یارسول اللہ! آپ بھی مجھ پر احسان فرمائیں تو آپ نے اسے سورۃ واقعہ، مرسلات، نباء، تکویر، اخلاص اور معوذتین کی تعلیم دی، پھر فرمایا، تمہاری کوئی حاجت ہو تو پیش کرو اور پھر بھی ہم سے ملتے رہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ دنیا سے تشریف لے گئے اور اس کے بارے میں کچھ نشاندہی نہ فرمائی، اب مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے، ﴿دلائل النبوۃ ص ۳۴۴، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ۳: ۵۹۴﴾ حدیث پاک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ھامہ بن اھیم جنت میں ہے، ﴿الاصابہ ۳: ۵۹۵﴾

سوید بن صامت کا قبولِ اسلام:

انہی ایام میں آپ کی ملاقات سوید بن صامت کے ساتھ ہوئی، وہ یثرب میں کامل کے لقب سے سرفراز تھا اور اپنے شرف ونجابت، شعر وحکمت اور شجاعت وشہامت کیلئے کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا، ایک مرتبہ جب وہ زیارت کعبہ کیلئے مکہ مکرمہ آیا تو حضور اقدس ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، سوید نے عرض کیا، شاید آپ کے پاس بھی وہی چیز ہے جو میرے پاس ہے، آپ نے فرمایا، تمہارے پاس کیا ہے، اس نے کہا، میرے پاس صحیفہ لقمان ہے، آپ نے اس میں سے کچھ سن کر فرمایا، یہ اچھی باتیں ہیں، لیکن میرے پاس اس سے بہتر کلام ہے، جسے خدائے بزرگ وبرتر نے بنی نوع انسان کی

ہدایت اور فوز وفلاح کیلئے نازل کیا ہے، پھر آپ نے چند آیات تلاوت فرمائیں، اس نے اس کلام بلاغت نظام کو سنا تو عرض کیا کہ فی الواقع یہ ایک اچھا کلام ہے، حضرت سوید قرآن پاک کی ان آیات کو دل میں چھپائے یثرب چلے گئے، وہ بے تامل اسلام لے آئے تھے، جب یثرب پہنچے تو قوم خزرج نے انہیں قتل کر دیا۔ ﴿تاریخ طبری﴾ علامہ بلاذری کا خیال ہے کہ سوید کا قتل ہی اوس اور خزرج کے درمیان جنگ بعاث کا سبب بنا تھا جس نے دونوں گروہوں کی کمر ہمت توڑ دی، ان کے بہترین لوگوں کو نگل لیا اور ان کی معیشت کو تباہ کر دیا۔ اس کے بہترین اشعار میں سے ایک یہ ہے ؎

فرشنی بخیر طالما قد بریتنی

فخیر الموالی من یریش ولا یبری

تو نے میری مخالفت کی، کیا تو میری اعانت نہیں کر سکتا، دوستوں میں بہترین شخص وہ ہے جو اصلاح پر آمادہ ہوتا ہے اور دوسروں کے نقائص گنوانے پر مصر نہیں ہوتا۔ ﴿سیرت ابن ہشام ۲:۴۲۶﴾

ایاس بن معاذ کی تصدیق:

ایام حج میں ایک اور واقعہ رونما ہوا، وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے پھرتے پھراتے مکہ مکرمہ کے قریب مقام عقبہ کے پاس پہنچے تو آپ سے کچھ لوگوں کی ملاقات ہوئی، یہ یثربی قبیلے اوس کی شاخ بنی عبد الاشہل کا ایک وفد تھا، جو خزرج کے مقابلے میں قریش مکہ کو اپنا حلیف بنانے کیلئے آیا تھا، اس وفد کی قیادت انس بن رافع کر رہا تھا، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا، کیا تم اس چیز سے بہتر چیز پسند کرو گے جس کیلئے تم یہاں آئے ہو، انس بن رافع نے پوچھا، وہ کیا ہے، آپ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوا ہوں اور یہ دعوت دینے آیا ہوں کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور نہ اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، میرے پاس ایک کتاب ہے جو سراسر ہدایت اور نور ہے، ﴿سیرت ابن ہشام ۲:۴۲۷﴾ پھر آپ نے ان کے سامنے قرآن حکیم کی چند آیات تلاوت کیں، ان میں ایک بہت عقلمند انسان ایاس بن معاذ بھی موجود تھا، وہ بول اٹھا، لوگو! یہ چیز یقیناً اس چیز سے بہتر ہے جس کیلئے تم یہاں

آئے ہو، انس بن رافع نے اس کو ڈانٹ دیا اور کنکریوں کی مٹھی بھر کر اس کے منہ پر ماری اور کہا، کیا تم لوگ اپنا مقصد بھول گئے ہو، ہم یہاں خزرج کے مقابلے میں قریش مکہ کو اپنا حلیف بنانے کیلئے آئے ہیں، اب تم چاہتے ہو کہ ہم قریش مکہ کو اپنا دشمن بنالیں، یہ وفد ویسے ہی لوٹ گیا، انہیں نہ دولت اسلام ملی اور نہ حمایت قریش نصیب ہوئی مگر ایاس بن معاذ اس محبوب حجازی کے جمال جہان آرا پر دولت دل قربان کر بیٹھا، اس نے صمیم قلب سے اسلام کی حقانیت کو قبول کرلیا تھا، جب اس کا آخری وقت قریب آیا تو اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی تہلیل و تسبیح جاری تھی، ﴿سیرت ابن ہشام ۲: ۴۲۷﴾

رافع اور معاذ بن عفرا کا قبول اسلام:

امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ دیار یثرب کے ایک آدمی رافع کا واقعہ لکھا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے خالہ زاد بھائی معاذ بن عفرا کے ہمراہ مکہ مکرمہ پہنچے، انہوں نے ایک درخت کے سائے میں ایک شخص دیکھا اور سوچا کہ اپنے اونٹ اسکی سپرد کر کے خود کعبہ مشرفہ کا طواف کرتے ہیں، انہوں نے قریب جا کر سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا، وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا، پہلے سواریوں سے تو نیچے اترو، لہذا ہم سواریوں سے اتر آئے، ہم نے سن رکھا تھا کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، ہم نے پوچھا وہ مدعی نبوت کہاں ہے جو طرح طرح کی باتیں سناتا ہے، اس نے کہا، وہ میں ہی ہوں، ہم نے کہا، آپ ہمارے سامنے اپنا دین بیان کریں، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنی رسالت کا حکم دیا، پھر رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو اور لوگوں پر ظلم اور زیادتی نہ کرو، ہم نے کہا، اگر آپ کا دعویٰ درست نہ بھی ہو تو پھر بھی آپ کی تعلیمات کا شمار مکارم اخلاق میں ہوگا، فی الحال آپ ہمارے اونٹ سنبھالیں تاکہ ہم طواف کعبہ سے مشرف ہو جائیں، میرا خالہ زاد بھائی معاذ بن عفرا آپ کے پاس رہا اور میں حرم کعبہ کو چل دیا، رافع کہتے ہیں کہ میں نے طواف کیا اور سات پھیرے لے کر دعا کی، اے اللہ! اگر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سچے ہیں تو ساتوں مرتبہ ان کے نام کا تیر نکال دے، میں نے سات بار فال نکالی تو ہر بار آپ کے نام کا تیر نکلا، میں نے بے اختیار ہو کر نعرہ لگایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا

کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، میرے اردگرد لوگ اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے یہ مرد مجنون ہے، اپنے سے بیگانہ ہو گیا ہے، میں نے کہا میں مرد مومن ہوں، پھر میں حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا تو معاذ بن عفرا نے دیکھتے ہی کہا، اے رافع! تم جو چیز لے کر گئے تھے اس کے ساتھ واپس نہیں آئے، چنانچہ ہم دونوں نے اسلام قبول کر لیا، حضور اکرم ﷺ نے ہمیں سورۃ یوسف اور سورۃ اقرا کی تعلیم دی لہذا ہم قرآن اور ایمان کی دولت حاصل کر کے دیار یثرب میں آ گئے، ﴿سبل الہدیٰ ۳۔۲۶۴﴾ ان حسین واقعات سے قدرت خداوندی ہجرت مدینہ کے راستے ہموار کر رہی تھی، ان لوگوں کے ذریعے اسلام اور پیغمبر اسلام کا تعارف دیار یثرب میں بھی عام ہو رہا تھا، چنانچہ بعد میں اسی سعادت منداور فیروز بخت علاقے کے عظیم لوگوں نے انصار کے لقب سے شہرت دوام حاصل کی۔

......⊙......

باب ہشتم

اسرار معراج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کیلئے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کاشف سر مکنون، خازن علم مخزون، عالم ما کان وما یکون، مدلول حروف مقطعات، منشائے فضائل وکمالات، پیکر عالی صفات، باعث تخلیق کائنات، امام جماعت انبیا، مقتدائے زمرۂ اتقیا، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبےٰ ﷺ کو بیشمار معجزے عطا کر کے مبعوث فرمایا، بلکہ سراپا معجزہ بنا کر بھیجا، معراج بھی آپ کے عظیم الشان معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جس نے عقل پرستوں کو ورطہ حیرت میں گم کر دیا ہے، قرآن پاک میں ہے **وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس**، اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو، ﴿سورۂ بنی اسرائیل:۶۰﴾

معراج کا مفہوم:

معراج کا لغوی معنیٰ اور مفہوم یہ ہے کہ معراج سیڑھی یا سیڑھی کی مشابہ چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ارواح اوپر کو چڑھتی ہیں، معرج فرشتوں کے چڑھنے والے راستے کا نام ہے جس کی جمع معارج ہے، ﴿تاج العروس۲:۲۰۷﴾ معراج کا اصطلاحی معنیٰ اور مفہوم کیا ہے، علامہ تفتازانی لکھتے ہیں ''رسول اللہ ﷺ حالت بیداری میں اپنے جسم اطہر کے

ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، آپ بلند و بالا ہوئے، یہ معراج ہے اور مشہور احادیث سے ثابت ہے، یہ معجزہ برحق ہے، اس کا منکر بدعتی ہے، یہ کہہ کر معراج کا انکار کرنا کہ آسمانوں میں شگاف ممکن نہیں تو یہ بات پرانے فلسفیوں کے اصول پر مبنی ہے، تمام جسموں کی حقیقت واحد ہے اور جب ایک جسم میں شگاف ممکن ہے تو تمام جسموں میں ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے، معراج بیداری میں ہوئی، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ نیند کا واقعہ ہے جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ''خوبصورت خواب'' قرار دیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی فرمایا کہ معراج کی رات حضور اقدس ﷺ کا جسم غائب نہیں ہوا، قرآن پاک میں بھی ہے، وجعلنا الرویا التی ارینٰک اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا، یہاں رویا سے مراد خوبصورت خواب نہیں، بلکہ رویا کا مطلب آنکھ سے مشاہدہ کرنا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کا مطلب ہے آپ کا جسم غائب نہیں ہوا یعنی آپ کا جسم بھی روح کے ساتھ تھا کیونکہ یہ جسمانی معراج تھی، اگر صرف خواب میں معراج ہوتی تو اتنی شدت کے ساتھ اسکا انکار نہ ہوتا'' ﴿شرح عقائد نسفی ص ۱۰۴، احکام القرآن لابن العربی: ۱۱۹۵﴾

معراجِ رسول کی تاریخ:

معراج کی تاریخ کے بارے میں خاصا اختلاف ہے، علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کثیر علما اور محدثین نے یہ کہا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا، حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ متقدمین اور جمہور محدثین کا اتفاق ہے کہ واقعہ معراج بعثت کے سولہ ماہ بعد ہوا، امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ واقعہ معراج مکہ مکرمہ میں ہوا، مختار وہ ہے جو ہمارے شیخ ابو محمد دمیاطی نے فرمایا کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے واقع ہوئی، حضرت امام سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ معراج رسول رجب المرجب کی ستائیس تاریخ کو واقع ہوئی جیسا کہ حرمین شریفین میں اس پر عمل ہوتا ہے، ایک قول ہے کہ ربیع الآخر میں واقع ہوئی، ایک قول ہے کہ رمضان المبارک میں واقع ہوئی اور ایک قول ہے کہ شوال المکرم میں واقع ہوئی، اس کے علاوہ بھی بہت سے اقوال موجود ہیں، ﴿شرح الشفا ۲: ۲۴۴﴾ امام نووی سے یہ بھی منقول ہے کہ معراج اعلان بعثت

کے دس سال بعد واقع ہوئی، ملا امین عمری نے لکھا ہے بارہ سال بعد ہوئی، علامہ ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، امام نووی نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ربیع الاول کو شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ربیع الآخر کو اور روضہ میں وثوق سے لکھا ہے کہ رجب المرجب کو واقع ہوئی، ﴿روح المعانی ۱۵: ۷﴾ امام عبدالبر، امام رافعی، محدث عبدالغنی مقدسی نے رجب المرجب کی ۲۷ تاریخ پر یقین ظاہر کیا ہے، امام زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو، ﴿سیرت النبی از سلیمان ندوی ۳: ۳۶۰﴾ محدث ابن جوزی نے بھی ۲۷ رجب کو درست مانا ہے، ﴿الوفا ص ۲۶۸﴾ امام زرقانی علیہ الرحمہ بھی لکھتے ہیں کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہی سب سے زیادہ قوی ہے۔ ﴿زرقانی علی المواہب ۱: ۳۵۵﴾ معراجِ رسول کے سال کے بارے میں امام برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، سفر معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا، ابن حزم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، بعض کے نزدیک ہجرت سے دو سال قبل اور بعض کے نزدیک ہجرت سے تین سال قبل واقع ہوا، ﴿انسان العیون ۱: ۳۴۸﴾ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ نبوت کے بارہویں سال یعنی ہجرت کے ایک سال پہلے قصہ معراج پیش آیا۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲: ۸۴﴾ امام واقدی نے بھی لکھا ہے کہ سفر معراج نبوت کے بارہویں سال واقع ہوا۔ ﴿الوفا ص ۲۶۸﴾ علامہ نبھانی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بعثت کے پانچویں سال پیش آیا، ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ ستائیس تاریخ کو ہوا، حافظ عبدالغنی مقدسی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ ﴿انوار محمدیہ ص ۷۶﴾ علامہ نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں، نبوت کے بارہویں سال سید عالم ﷺ معراج سے نوازے گئے، مہینہ میں اختلاف ہے مگر اشہر یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کو معراج ہوئی۔ ﴿خزائن العرفان: ۳۳۹﴾ قاضی سلمان منصور پوری نے لکھا ہے، ۲۷ رجب ۱۰ھ نبوی کو معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی، ﴿رحمۃ للعالمین ۱: ۶۵﴾ بہرحال کثیر علما کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سفر طائف کے بعد سے لے کر سفر ہجرت تک

کے درمیانی عرصے میں رونما ہوا، رجب المرجب ستائیس تاریخ پر متعدد علما کا اتفاق ہے اور اسی پر امت مسلمہ کا تعامل ہے۔ ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾

معراج میں جسم بھی ساتھ تھا:

جمہور علمائے امت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو روحانی اور جسمانی طور پر اور حالت بیداری میں معراج سے مشرف فرمایا، ''اوادنیٰ'' کے مقام ناز تک جہاں آپ کی روح نے پرواز کی وہاں ساتھ جسم بھی موجود تھا، اس کے متعلق علما کرام کی آرا پیش خدمت ہیں:

⊙...... قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: سلف صالحین اور امت محمدیہ کی غالب ترین اکثریت نے یہی کہا ہے کہ سیر معراج جسم مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں واقع ہوئی، یہی قول برحق ہے، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر، حضرت انس بن مالک، حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابی حبہ بدری، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام اور حضرت ضحاک، حضرت سعید بن جبیر، حضرت قتادہ، حضرت سعید ابن مسیب، حضرت ابن شہاب،، حضرت ابن زید، حضرت حسن، حضرت ابراہیم، حضرت مفروق، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہم جیسے تابعین عظام اور حضرت امام طبری، حضرت امام احمد بن حنبل جیسے ائمہ کرام اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا یہی قول ہے، نیز علمائے متاخرین، فقہا اور محدثین، مفسرین اور متکلمین کی اکثریت کا یہی قول ہے۔ ﴿کتاب الشفا ۱: ۲۴۶﴾

⊙...... حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، مذہب صحیح یہی ہے کہ وجود اسریٰ و معراج سب کچھ بحالت بیداری اور جسم کے ساتھ تھا، صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر علما اور ان کے بعد محدثین، فقہا اور متکلمین کا مذہب اس پر ہے، اس پر احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ متواتر ہیں، بعض اس پر ہیں کہ معراج خواب میں روح سے تھی، اس کی جمع و تطبیق اس طرح کی ہے کہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ ہوا، ایک مرتبہ بیداری میں اور دیگر اوقات خواب میں روح سے، کچھ مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور کچھ مرتبہ مدینہ منورہ میں، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۲۸۷﴾

⊙...... علامہ احمد جیون استاد عالمگیر لکھتے ہیں: سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ معراج

بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ ہوئی ، یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ ﴿تفسیرات احمدیہ ص ۴۰۸﴾

⊙...... علامہ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں: صحیح مذہب کے مطابق آپ کو عالم بیداری میں جسدِ عنصری سمیت مسجد حرام سے بیت المقدس لے جایا گیا، آپ براق پر سوار ہو کر جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ گئے اور وہاں اتر کر انبیا کرام کو امامت کرائی اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقہ کے ساتھ باندھا، پھر اس رات آپ کو معراج ہوا، ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۵۵﴾

⊙...... حضرت علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ کی روح اور جسم کو بیداری کی حالت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے ، پھر مسجد اقصیٰ سے آپ کو سات آسمانوں سے اوپر لے گئے ۔ ﴿انوار محمدیہ ۷۲﴾

⊙...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام طلب دیدار کے بعد لن ترانی کا جواب پا کر بے ہوش ہو گئے اور اس طلب سے توبہ کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو رب العالمین کے محبوب اور سب موجودات اولین و آخرین سے بہتر ہیں، جسمانی معراج سے مشرف ہوئے بلکہ عرش و کرسی سے گزر کر زمان و مکان کی سرحد عبور کر گئے ۔ ﴿مکتوب ۲۷۲ دفتر اول﴾

⊙...... حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، علما کرام نے معراج کو جسدی فرمایا ہے کہ فرمایا گیا، ''اسریٰ بعبدہٖ'' عبد روح مع الجسد کا نام ہے، اگر معراج روحی ہوتی تو ''بروح عبدہٖ'' فرمایا جاتا، ﴿ملفوظات ۱:۲۹۹﴾

⊙...... امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عبد کا اطلاق جسم اور روح دونوں پر ہوتا ہے، لہذا یقیناً یہ سیر دونوں کے مجموعہ کو حاصل ہے، ﴿تفسیر کبیر ۲۵: ۲۹۵﴾ مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں، معراج شریف بحالت بیداری جسم و روح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی، ﴿خزائن العرفان ص ۳۴۹﴾

⊙...... علامہ قاضی سلمان منصور پوری لکھتے ہیں، واضح ہو کہ عروجِ جسد کا انکار آج کل کے فلسفہ خشک کی بنیاد پر فضول ہے کیونکہ جس قادر مطلق نے اجرام ساویہ کے بھاری بھر کم اجسام کو خلا میں مقام رکھا ہے وہ جسم انسانی کے صغیر جرم کو خلا میں لے جانے کی بھی قدرت رکھتا ہے،

آج کل نائٹروجن کی طاقت سے ہوائی جہاز اور جہازوں کے زور پر آدمی اڑ رہے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کریم ﷺ کو بسواری براق ﴿جو برق سے مشتق اور الکڑسٹی کی طاقت مخفیہ کی جانب اشارہ کن ہے﴾ ملکوت السموات کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں، میرا اعتقاد یہ ہے کہ معراج جسم کے ساتھ اور بحالت بیداری تھی۔ ﴿رحمۃ اللعالمین ص ا:۶۵﴾

⊙...... علامہ ابن قیم لکھتے ہیں، حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ اور امام حسن بصری سے مروی ہے کہ اسریٰ روح مبارک کو ہوا تھا اور جسم مبارک اپنی جگہ سے مفقود نہیں ہوا تھا، اسراء روحی اور خواب میں بہت تفاوت ہے، اسراء روحی سے مراد تو یہ ہے کہ روح مبارک کو ان جملہ مقامات کی سیر کرائی گئی اور خواب میں یہ بات نہیں ہوتی، یہ درجہ اتم واکمل، اشرف واعلیٰ ہے، علمائے جمہور کا قول ہے کہ اسراء بدن وروح کے ساتھ تھا۔ ﴿زاد المعاد ص ۳۰۰، بحوالہ رحمۃ للعالمین ص ۶۵﴾

چابک قدم بسیط افلاک — والا گہر محیط لولاک
خاکی وبر اوج عرش منزل — امی وکتاب خانہ در دل

معراجِ رسول کے اسباب:

حضور اکرم ﷺ کو معراج جیسا عظیم الشان معجزہ کیوں عطا ہوا، اس کے کچھ اسباب ہیں، کچھ وجوہ ہیں، انہیں اسباب و وجوہ سے فلسفہ معراج نکھر کر سامنے آتا ہے ' صد جلوہ روبہ رو ہے کہ مژگاں اٹھایئے:

⊙...... قرآن پاک نے معراج مصطفےٰ ﷺ کا مقصد وحید بیان کیا ہے، لنریہ من ایٰتنا' تاکہ اس سیر کرنے والے عبد خاص کو اپنی نشانیاں دکھائیں، یہ آیت بتا رہی ہے کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب کریم ﷺ کی چشم ناز کے سامنے غیب وشہادت کے دروازے کھول دیئے اور آپ نے ازل وابد کے جملہ مرحلوں کو مشاہدہ فرمایا، ذرا دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین ○ اور یونہی ہم نے دکھائیں ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہیاں تاکہ وہ حق الیقین والوں میں ہو جائے۔ ﴿سورۃ الانعام:۷۵﴾ یہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے مشاہدے کا کمال ہے کہ وہ زمین پر کھڑے ہو کر عرشِ اعلیٰ تک سب ملکوت کو دیکھ رہے ہیں ذرا حضرت حبیب اللہ علیہ السلام کے

مشاہدے کا تصور کیجئے جو عرش اعلیٰ پر کھڑے ہیں کہاں تک دیکھ رہے ہوں گے، حضور اقدس ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں، میں نے پہلوں اور پچھلوں کا علم جان لیا اور ادھر رب کائنات اعلان فرما رہا ہے: اے محبوب! ہم نے آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور واقعی آپ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے۔

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے وہ نہیں جو تجھ پہ عیاں نہیں

⊙...... حضور اکرم ﷺ زمینوں اور آسمانوں کے رسول ہیں، فرمایا: ارسلت الی الخلق کافة، ﴿صحیح مسلم﴾ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، لہٰذا جس طرح آپ نے زمین کو مشرف فرمایا، اس طرح آسمانوں کو بھی مشرف فرمایا، جس طرح کوئی بادشاہ اپنے جس علاقے کا دورہ کرنا چاہے کر سکتا ہے، حضور ارض و سما کے بادشاہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ساری خدائی کا مختار بنایا ہے، آپ کے دو وزیر آسمان پر ہیں اور دو وزیر زمین پر ہیں، جہاں وزارت ہوتی ہے وہاں سلطنت بھی ہوتی ہے، اس لئے معراج کا مقصد اور سبب یہ تھا کہ آپ آسمانی سلطنت کا دورہ فرمائیں اور وہاں کے ماحول کو بھی اپنے رخ والضحیٰ کی تجلیات سے مالا مال فرمائیں، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عرض گزار ہیں۔

انت الذی من نورک البدر اکتسیٰ
والشمس مشرقة بنور بهاک

ترجمہ: یا رسول اللہ! یہ چاند بھی آپ سے اکتسابِ نور کر رہا ہے اور سورج بھی آپ کے نور سے منور اور روشن ہے۔

⊙...... حضور پر نور ﷺ کا زمانہ قیامت تک پھیلا ہوا ہے، اس زمانے میں ہزاروں ایجادات و اکتشافات منظر پر آئے، آواز کی رفتار سے زیادہ تیز چلنے والے طیارے اور راکٹ تیار ہونے لگے، اللہ کریم نے اپنے محبوب کی نبوت کو قیامت تک غالب رکھنا تھا اس لئے پہلے ہی اتنی تیز رفتار سواری پر بٹھا کر اتنی بلندی پر پہنچا دیا کہ یہ تیز رفتار طیارے اور راکٹ ان کی گرد راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے، گویا معراج کے سفر نے بتا دیا ہے کہ نبی کل بھی غالب تھا، نبی آج بھی غالب ہے اور نبی قیامت تک غالب رہے گا، سائنس اور ٹیکنالوجی

اپنی تمام تر قوت کے باوجود آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہ تو اس عالم دنیا کی وسعتوں اور پنہائیوں کے سامنے دم بخود ہے اور اعلان کر رہی ہے کہ اگر روشنی کی سپیڈ سے حرکت کرنے والا طیارہ ساری دنیا کا چکر لگانے کیلئے ایک ارب سال تک محو پرواز رہے تو بھی اس کا دائرہ مکمل نہیں کر سکتا، یہ تو حضور محبوب کریم ﷺ کی شان ہے کہ آپ زمان و مکان سے بالاتر ہو گئے اور عرش و کرسی کی سرحدوں کو پھلانگ گئے ۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

⊙...... اللہ کریم نے مسلمانوں، ایمان والوں سے سودا فرمایا ہے کہ وہ جانوں اور مالوں کے بدلے ان کو جنت عطا فرمائے گا، سودا جنس کو دیکھ کر ہوتا ہے، اللہ کریم نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جنت کی سیر کرائی اور عالم بالا کی معراج سے سرفراز فرمایا تا کہ آپ سب کچھ دیکھ کر اپنے غلاموں کو بتا دیں کہ جان اور مال اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو، اس نے تمہارے لئے بڑی بڑی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، اس سے نبوت کی ضرورت و اہمیت اجاگر ہو گئی کہ امت کے ایمان کا دارومدار ہی نبوت کی زبان پر اعتماد کرنا ہے، اگر اس پر اعتماد نہیں تو ایمان کی حرارت نہیں ۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

⊙...... حضور پر نور ﷺ کو راہ اسلام میں بہت زیادہ مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، وادی طائف اور سفر قبائل کے ہولناک مناظر آپ کے سامنے ہیں، ابوجہل اور ابولہب جیسے کینہ توز دشمنوں کی ایذا رسانیاں اپنی جگہ انتہائی وحشت آسا واقع ہوئی تھیں، کونسا حربہ ہے جو آپ پر نہ آزمایا گیا تھا، ان مصائب و آلام کا انعام یہی ہونا چاہیے کہ جس محبوب حقیقی کیلئے یہ سب کچھ برداشت کیا گیا، اس کا حسن ازل نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو جائے، حضرت یوسف علیہ السلام کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ کر زنانِ مصر کو تمام تکلیف فراموش ہو گئی تو جس محبوب اکرم ﷺ نے فیاضِ ازل کے جلوؤں کو دیکھا، اسے زمانے کے مصائب و آلام کی کیا پرواہو سکتی ہے، اس بزمِ دنیا کے محدود ماحول میں خدا تعالیٰ کا دیدار نا ممکن ہے،

آپ کو جنت اور آخرت کے ماحول میں بلا کر اس نعمتِ بیمثال سے نوازا گیا، راقم نے عرض کیا ہے۔

نگار قصر دنا سے گزرے، نشانِ قوسین سے بھی نکلے
میں کیا بتاؤں کہاں تھی منزل، کہاں پہ خیمہ سرا ہوئے تھے
حجابِ عظمت بھی بٹ رہے تھے نقابِ رحمت بھی چھٹ رہے تھے
نگاہِ مازاغ یوں اٹھی تو عیاں جمالِ خدا ہوئے تھے
وہ ہیں تو ممکن ہی لیکن امکاں کی ساری حدوں سے پار گزرے
وجود کی انتہائی قربت کی لذتوں میں فنا ہوئے تھے

⊙...... واقعہ معراج اس لئے بھی رونما ہوا کہ حضرت کلیم اور حضرت حبیب کے فرق و امتیاز کو واشگاف کر دیا جائے اور حضرت کلیم کی دعا ''رب ارنی'' کو شرف قبولیت عطا کیا جائے، وہ اس طرح کہ معراج کی رات حضور محمد مصطفٰے ﷺ جلوۂ خدا کو دیکھتے رہے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جلوۂ مصطفٰے کو دیکھتے رہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے **لعلی ارھم او اریٰ من راٰھم،** کاش میں اپنے محبوب اور اس کے قبیلے کے حسین لوگوں کو دیکھ لیتا، اگر یہ ممکن نہیں تو ان لوگوں کو دیکھنا پسند کروں گا جنھوں نے محبوب کے رخ تاباں کو دیکھا ہے، یعنی حضرت کلیم علیہ السلام میں بلا واسطہ جلوۂ کبریا کو دیکھنے کی تاب و استعداد نہیں تھی، وہ دیکھنا چاہتے ہیں تو رخِ مصطفٰے کے آئینے میں جلوۂ کبریا کی جھلک دیکھ سکتے ہیں، زبان محبوب کا یہ بھی ارشاد ہے، **من راٰنی فقد راء الحق** جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا اور فرمایا میں جمالِ حق کا آئینہ ہوں۔

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

⊙...... معراج مصطفٰے کی ایک حکمت اور سبب یہ بھی تھا کہ تمام بزرگانِ عالم اور ارکانِ ممالک پر آپ کا تقدم متحقق ہو جائے، پہلے آپ کو بیت المقدس میں تمام انبیا کرام کا امام بنایا تا کہ آپ کی افضلیت سب پر ظاہر ہو جائے، اس کے بعد بیت المعمور میں تمام فرشتوں کی امامت کرائی تا کہ ان پر بھی افضلیت ثابت ہو جائے اور زمین میں مشرق و

مغرب تک تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ تمام جن وانس پر حاکم اور بادشاہ ہونا روشن ہو جائے، معراج مصطفےٰ ﷺ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آقا ومولیٰ حضور سید عالم ﷺ کی افضلیت تمام موجودات پر مسلم ہے، معراج سے عقل کم نظر کی زبان بھی بند ہو جانی چاہئے جو صرف آپ کو کھاتے ہوئے، پیتے ہوئے، چلتے ہوئے، بیٹھتے ہوئے، دندان شہید کراتے ہوئے اور نکاح فرماتے ہوئے دیکھ کر عام سا بشر ہی قیاس کرتی ہے، معراج میں نورانی تاج پہن کر، ملائکہ کی بارات لے کر، براق پر سوار ہو کر، ہفت اقلیم سے گزر کر، عرش اعظم پر جلوہ فرما ہو کر دکھانا آپ کے بشرِ بیمثال اور نورِ باکمال ہونے کی دلیل ہے، راقم نے عرض کیا ہے ؎

وہ نور ایسے کہ نوریوں میں مثال ان کی محال دیکھی
بشر بھی ایسے کہ بزمِ امکاں میں کوئی ان سا بشر نہیں ہے

⊙ ...... حضور اکرم ﷺ حبیب خدا ہیں اور حبیب کو تمام موجودات کی اطلاع ہونی چاہئے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ شاہانِ مجازی جب کسی انسان کو اپنی محبت کیلئے مخصوص کرتے ہیں تو اپنے خزانے اور دفینے اسے دکھاتے ہیں اور اسی کے قبضہ تصرف میں دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت کے خزائے دکھائے اور اپنے اسرار کے دفینے عطا کئے، آپ کو آسمانوں پر لیجایا گیا اور جنت اور دوزخ کی کنجی آپ کی عزت وجلال کی جیب میں رکھی گئی، تا کہ جو شخص آپ کی دولتِ شفاعت سے مشرف ہو وہ بخت کی فیروز مندی کا مظاہرہ کرے اور جو شخص اس سعادمندی سے محروم رہے ہرگز فلاح بہتری کا منہ نہ دیکھے، حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں کیونکہ شریک سے لڑائی ہوتی ہے، اپ تو اللہ تعالیٰ کے حبیب اور محبوب ہیں، حبیب اور محبوب کیلئے مکان ولامکان کا ہر راز کھول دیا گیا ہے، جب اپنا آپ نہیں چھپایا تو اور کونسی چیز ہے جو ذات خدا سے اہم ہو کر پوشیدہ رہ گئی یہاں پر میرا اور تیرا ختم ہے، جہاں اس کی کبریائی ہے وہاں ان کی مصطفائی ہے، یہ حسین منظر معراج کی رات کچھ اس طرح سے اجاگر ہوا کہ ساری تاریخِ نبوت میں مثال نہیں ملتی، راقم نے عرض کیا ہے ؎

وصالِ جاناں کی رات آئی، کمالِ عرفاں کی بات آئی
تبارک اللہ! یہ رسائی، رسل بھی حیرت زدا ہوئے تھے

بشر بشر کہنے والے حیراں ، نبی نبی کہنے والے شاداں
نسیم رحمت نے راز کھولے جو عقل سے ماورا ہوئے تھے

⊙..... اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کیلئے شاہد اور شہید کے نام مبارک استعمال فرمائے ہیں، ان دونوں ناموں کا مطلب ہے گواہ، گواہ وہی کامل اور مکمل ہوگا جو اپنے سر کی آنکھوں سے منظر کو ملاحظہ کرے، آپ خدا کے بھی شاہد ہیں اور خدائی کے بھی شاہد ہیں، اسلئے ضروری تھا کہ آپ کو سرحد عین الیقین اور زیور حق الیقین سے آراستہ کیا جائے، جلالی اور جمالی صفات کے تواتر اور تسلسل سے مزین اس مقام بلند سے سرفراز کیا جائے جہاں نہ کوئی ملکِ مقرب جاسکا ہے اور نہ کوئی نبیِ مرسل پہنچ سکا ہے، آپ کی معراج کی یہ بھی حکمت ہے کہ آپ ذات الٰہی کے وصال کے آبِ شیریں سے تشنہ لبوں کو شاد کام کریں اور عالم ملکوت کے عبادت گزاروں کی خدمت وعبادت کو دیکھ کر اپنے متوالوں اور پروانوں کو بھی صراط عبادت پر گامزن کریں، آپ کو اس قید خانہ دنیا سے نکال کر اس بلند مرتبہ مکان پر اس لئے لے جایا جائے کہ آخرت کے لطائف ملاحظہ کریں اور دنیا سے مکمل طور پر دامن سمیٹنے کی تعلیم عام کریں اور فنا ہونے والی چیز پر علیٰ وجہ البصیرت عالم باقی کو ترجیح دینے کی گواہی فراہم کریں، آپ کو بلا واسطہ وحی سے نوازا گیا، قرآن پاک میں ہے: رب تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی سو فرمائی، اس وحیِ خاص سے ذات مصطفےٰ کریم ﷺ کے علاوہ اور کون آگاہ ہے، یہ تو طالب ومطلوب کی وہ رمزیں ہیں جن سے کراماً کاتبین بھی بے خبر ہیں، کوئی اور جانے تو کیا جانے، کوئی اور سمجھے تو کیا سمجھے، پھر حضور اقدس ﷺ کی باطنی استعداد کا تصور کیجئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صفت کا جلوہ دیکھا تو بے ہوش ہو گئے آپ نے عینِ ذات کا جلوہ دیکھا اور مسکراتے رہے، الغرض معراج رسول ﷺ بے شمار حکمتوں سے لبریز اس سفرِ محبت کا نام ہے جس کو بیان کرنا فکرِ محدود کے بس کی بات نہیں۔

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

مکان و امکاں کے جھوٹے نقطوتم اول آخر پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

معراج ـــــ قرآنِ پاک کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضور سیاح افلاک، تاجدارِ لولاک ﷺ کی معراج کا ذکر بڑے اہتمام کے ساتھ فرمایا، ارشادِ ربانی ہے:

⊙......**سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی برکنا حولہ لنریہ من ایٰتنا انہ ھو السمیع البصیر** ○ پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ ﴿سورۃ بنی اسرائیل:۱﴾

اِشارات

⊙...... رات کے قلیل ترین حصے میں اتنا عجیب اور عظیم سفر کرنا عادتاً محال دکھائی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس داستان معراج کا آغاز لفظ سبحان سے فرمایا کہ مخلوق کیلئے تو محال ہوسکتا ہے، خالق کیلئے نہیں کیونکہ وہ سبحان ہے، اس عجیب اور عظیم سفر پر قادر نہ ہونا، معذور ہونے کی نشانی ہے اور معذور ہونا عیب ہے، چونکہ خالق سبحان ہے اس لئے ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، امام حاکم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سبحان کا معنیٰ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ہر عیب سے پاک ہونا، ﴿المستدرک﴾

⊙...... سفر معراج کو اپنی عقل نارسا کے پیمانوں پر تولنا فضول ہے، کیا اس پر ایمان لانے کیلئے اتنا ہی کافی نہیں کہ معراج کرانے والا سبحان ہے اور معراج کرنے والا محبوب ذیشان ہے، محرک کی طاقت بھی بے انتہا ہے اور متحرک کی استعداد بھی بیمثال ہے، پھر یہ سفر کیوں واقع نہیں ہوسکتا۔

⊙...... الذی اسم موصول ہے، اسم موصول کے بعد کا جملہ اس کے ماقبل کی پہچان کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سبحان وہ ہے جس نے اپنے عبد خاص کو سیر و معراج سے مشرف فرمایا تو گویا عبد خاص کو سیر و معراج سے مشرف فرمانا، اس کی سبحانیت

کی دلیل بن گیا، اللہ تعالیٰ تو ازلی اور ابدی طور پر سبحان ہے لیکن اس کی سبحانیت کا ظہور اتم اس وقت اجاگر ہوا جب وہ عبد خاص کو اس مختصر عرصے میں فرش سے عرش تک لے گیا اور اسی سرعت سے واپس لے آیا، معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات وصفات کے بغیر کوئی سبحان کی معرفت حاصل کرنا چاہے تو ناممکن ہے، حضور اقدس ﷺ برھانِ ذات بھی ہیں اور دلیلِ صفات بھی ہیں۔

⊙...... داستان معراج کا آغاز لفظ سبحان سے ہوا اور انجام جملہ ھوالسمیع البصیر، سے ہوا، گویا اس سفر کا آغاز اور انجام ذکر خدا سے مزین ہے، اس میں برکتوں اور رحمتوں کا کیا عالم ہوگا، عظمتوں اور رفعتوں کی کیا کیفیت ہوگی۔

⊙...... حضور اقدس ﷺ کے لئے ''بعبدہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا، برسولہ نہیں فرمایا، اس کی حکمت یہ ہے کہ رسول وہ ہے جو خدا سے خدائی کی طرف آئے اور عبد وہ ہے جو خدائی کی طرف سے خدا کے پاس جائے، چونکہ یہ خدا کے پاس جانے کا وقت تھا اس لئے ''بعبدہ'' کا لفظ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، پھر اتنے بڑے کمال کو دیکھ کر کوئی آپ کو خدا یا ابنِ خدا نہ مانے اس لئے فرمایا کہ آپ تمام تر کمال کے باوجود عبدیت کے مقام پر فائز ہیں، خدا یا ابنِ خدا نہیں، حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ کسی مومن کیلئے عبدیت سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ وصف نہیں، ﴿رسالہ قشیریہ ص ۱۰۰﴾

⊙...... حضور اقدس ﷺ ''عبدہٗ'' ہیں، عبد اور عبدہ میں بہت فرق ہے، اقبال کہتے ہیں ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار اُو منتظر

⊙...... حضور اقدس ﷺ کیلئے ''عبدہ'' اور بھی بہت سے مقامات پر استعمال ہوا ہے، یعنی عبد تو دنیا میں لاکھوں ہوں گے، عبد کامل وہ ہے جس کو خود مالک حقیقی کہے کہ یہ میرا بندہ ہے، ذرا قرآن پاک کی ان آیات پر غور کیجئے:

⊙...... **الحمد لله الذی انزل علیٰ عبده الکتاب**، سب تعریف اللہ کیلئے جس نے اپنے عبد پر کتاب نازل فرمائی، ﴿سورۃ الکھف:۱﴾

⊙......الیس اللہ بکاف عبدہٗ کیا اللہ تعالیٰ اپنے عبد کیلئے کافی نہیں ﴿سورۃ الزمر:۳۶﴾

⊙......فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ، اللہ نے اپنے عبد کی طرف وحی کی سو کی، ﴿سورۃ النجم:۱۰﴾

⊙......وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان، جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل فرمایا، ﴿سورۃ الانفال:۴۱﴾

ان آیات میں حضور اقدس ﷺ کی عبدیت خاصہ کا کس قدر ظہور ہے، گویا اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے، اے محبوب تو میرا عبد خاص ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں، فلا و ربک تیرے رب کی قسم، ﴿سورۃ النساء﴾ واذکر ربک کثیرا، اپنے رب کا ذکر کثرت سے کیجئے، ﴿سورۃ آل عمران:۴۱﴾ و اذ قال ربک للملائکۃ، جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا، ﴿سورۃ البقرہ:۳۰﴾ کوئی دنیا کی طاقت ہے جو اتنی گہری نسبت اور رابطے اور تعلق کو توڑ سکے، لفظ "عبد" آپ کا بہت پسندیدہ ہے، عرض کی مولا مجھے اپنا بندہ بنالے، ﴿تفسیر کبیر ۲۰:۲۹۲﴾

⊙......"عبد" روح مع الجسد کو کہا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ معراج کا حسین سفر روح اور جسم دونوں کو نصیب ہوا ہے، اسی پر علما کی اکثریت کا اتفاق ہے۔

⊙...... آیت میں لفظ اسریٰ استعمال ہوا جس کا مطلب ہے کسی شخص کو بیداری کی حالت میں رات کے وقت لے جانا، حالت خواب میں لے جانے کیلئے کہیں بھی اسریٰ کا لفظ نہیں بولا گیا، حضرت علامہ قرطبی فرماتے ہیں، اگر یہ واقعہ خواب میں رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: "بروح عبدہ، .... پھر جو واقعہ نیند میں رونما ہو، اس کیلئے اسریٰ نہیں کہا جاتا، ﴿الجامع لاحکام القرآن ۱۰:۲۰۹﴾ پھر اس سفر کو سیر و سیاحت سے تعبیر کیا گیا، کیونکہ سیر و سیاحت خوشی اور انبساط کے عالم میں ہوتی ہے، پھر سفر میں ہر چیز کو دیکھنا ضروری نہیں ہوتا جبکہ سیر و سیاحت میں وہ ہر پھول، ہر کلی، ہر روش کی طرف جی بھر کر دیکھتا ہے، پھر سیر و سیاحت کرنے اور کرانے میں بڑا فرق ہے، سیر کرنے والا ہوسکتا ہے کسی چیز کی طرف دھیان نہ دے جبکہ جب اسے سیر کرائی جائے تو ہر خاص و عام چیز کا تعارف کرایا جائے گا تاکہ کوئی

چیز پوشیدہ نہ رہے، جب سیر کرانے والا خدا ہو تو پھر کائنات کا کونسا گوشہ نگاہ مصطفیٰ سے پوشیدہ رہا ہوگا۔

⊙...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا: ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا، اور جب موسیٰ ہمارے میقات پر آئے، ﴿سورۃ الاعراف:۱۴۳﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے فرمایا: قال انی ذاھب الی ربی' انہوں نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں، ﴿سورۃ صفت:۹۹﴾ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خود بارگاہ خدا میں حاضر ہوئے، حضور تاجدار انبیا کو اس فیاضِ ازل نے خود طلب فرمایا، ان دونوں صورتوں میں بہت بڑا امتیاز ہے ؎

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

⊙...... حضور اقدس ﷺ کی سیر و سیاحت کا ذکر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک نص قرآنی سے ثابت ہے لہذا اس کا منکر کافر ہے، آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث صحیحہ، معتمدہ، مشہورہ، سے ثابت ہے جو حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں، اس کا منکر گمراہ ہے، ﴿خزائن العرفان ص ۳۲۹﴾

⊙...... مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکتیں ہیں، یہ برکتیں دینی بھی ہیں اور دنیوی بھی ہیں، وہاں انبیا کرام کے مزارات ہیں، وہ سرزمین وحی کی جائے نزول ہے، انبیا کرام کی عبادت گاہ ہے اور جائے قیام ہے اور قبلہ عبادت ہے، انہار اور اشجار کی کثرت سے سرسبز و شاداب ہے، میوں اور پھلوں کی بہتات سے عیش و راحت کا مقام ہے، حدیث پاک ہے وہاں کی نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، ﴿فضائل بیت المقدس:۱۰۹﴾

⊙ انہ ھو السمیع البصیر، سے مراد ذات خدا بھی ہے اور مجازی طور پر ذات مصطفیٰ بھی ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے دکھانے اور سنانے سے آپ نے اس کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا بھی اور سنا بھی، لہذا کوئی مسلمان آپ کی بے مثل سماعت و بصارت کا انکار نہیں کرسکتا۔

⊙...... آیت کریمہ میں لفظ "لیلا" استعمال ہوا، تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ لیلا نکرہ ذکر کر کے صراحت کردی گئی ہے کہ یہ سیر و معراج نہایت ہی مختصر سے وقت میں رونما ہوئی تھی، اگر

لیلۃ کا لفظ ہوتا تو مراد تمام رات ہوتی، یہ نکتہ امام نجم الدین غیطی نے لکھا ہے۔ ﴿المعراج الکبیر: ۹﴾

⊙...... معراج رات کو ہوئی اور وہ بھی زیادہ تر علما کرام کے نزدیک ستائیسویں رات کو ہوئی، نہ سورج چمک رہا تھا اور نہ چاند کی چاندنی جلوہ ریز تھی، خدا تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میرا محبوب سیر و سیاحت کیلئے مہر و ماہ کے اجالوں کا محتاج نہیں، حضرت امام ابن منیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رات میں معراج کی متعدد حکمتیں موجود ہیں، مثلاً، رات تنہائی کا وقت ہے، رات کو دن پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ اس میں قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، رات پہلے آتی ہے، قرآن کے نزول کی ابتدا بھی رات کو ہوئی، پھر رات کو اس لئے معراج ہوئی کہ ایمان والوں کے ایمان بالغیب میں اضافہ ہو اور کفر والوں کیلئے شدید آزمائش ہو۔

⊙...... حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیا کرام کی حیات مبارکہ میں رات کو بہت زیادہ دخل ہے، آپ رات کو سفر کیا کرتے تھے، فرمایا، **فان الارض تطوی باللیل**، رات کو زمین سکڑ جاتی ہے، معجزہ شق القمر رات کو واقع ہوا، سفر ہجرت رات کو شروع ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام جیسے پیغمبروں نے رات کو سفر فرمائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رات کو چاند اور ستاروں کے خدا ہونے کا بطلان پیش کیا۔

⊙...... علما کرام کا فیصلہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے حق میں معراج کی رات، قدر والی رات سے بھی افضل ہے کیونکہ آپ کو سب سے بڑی نعمت دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہوا اور وصل محبوب حقیقی کی بیمثال لذتیں نصیب ہوئیں، حضرت ابو امامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

لیلۃ الاسراء افضل من لیلۃ القدر فی حق النبی ﷺ ﴿وھو بالافق الاعلیٰ ص ۲۷﴾

حضرت امام صالحی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ﴿جواہر البحار ۳: ۴۳۸﴾

سورۃ بنی اسرائیل کے علاوہ سورۃ النجم کی ابتدائی اٹھارہ آیات مبارکہ میں بھی حضور اکرم، رسول معظم، پیغمبر اعظم، باعث تخلیق عالم ﷺ کی معراج کا عالیشان ذکر موجود ہے، خدا تعالیٰ کتنی محبت و رحمت کے ساتھ ارشاد فرما رہا ہے:

⊙ **والنجم اذا ھویٰ.......... من آیت ربہ الکبریٰ** ○ اس پیارے چمکتے تارے محمد ﷺ کی قسم جب یہ معراج سے اترے، تمہارے صاحب نہ بھکے نہ بے راہ چلے، اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو

نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے، انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے، پھر اس جلوہ نے قصد کیا، اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھا، پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا، تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو کمانوں کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم، اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی، دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا، تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو، اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس جنت الماویٰ ہے، جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی، بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں O ﴿سورۃ النجم: ۱ تا ۱۸﴾

اشارات

⊙...... ان آیات میں معراج آسمانی کا پر کیف بیان ہے۔

⊙...... والنجم سے مراد حضور پر نور ﷺ کی ذات مبارک ہے، یہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ﴿معالم التنزیل ۴: ۲۴۴﴾ یہاں معراج سے واپسی کا ذکر روانگی سے پہلے کیوں فرمایا گیا، صوفیہ فرماتے ہیں: لوگ حیران ہیں کہ حضور گئے کس طرح، جبکہ ہم حیران ہیں کہ حضور آئے کس طرح، وصل محبوب حقیقی کی لذتوں سے ہمکنار ہو کر ہم درماندہ انسانوں کے پاس آنا بھی آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

⊙...... حضرت امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والنجم سے مراد ذات مصطفیٰ ﷺ ہے تو اسمیں روایت اور درایت کے اعتبار سے کوئی غرابت نہیں کیونکہ تشبیہ کی وجہ بالکل ظاہر ہے، ﴿نسیم الریاض ۱: ۳۲۳، روح المعانی ۲۷: ۲۵﴾

⊙...... بعض علما کرام کے نزدیک والنجم سے مراد قرآن پاک ہے اور بعض کے نزدیک وہ ستارے مراد ہیں جو حفاظت وحی کے وقت شیطانوں کو مارے جاتے ہیں۔

⊙...... صاحبکم سے مراد حضور اکرم ﷺ ہیں، یہاں آپ کا نام مبارک نہیں لیا گیا کیونکہ لوگ آپ کی ذات اور صفات، اقوال اور اعمال سے بہت زیادہ آشنا تھے، انہوں نے کبھی آپ سے کذب بیانی، غلط اندازی اور گمراہی کا صدور نہیں دیکھا تھا، وہ اس طرح کی کوئی

مثال نہیں پیش کر سکتے تھے۔ ﴿المعراج الکبیر ص ۲۲﴾

⊙ ...... حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ ﷺ تو شروع ہی سے گمراہ نہیں تھے، اب آپ گمراہی سے بچانے والے اور سیدھے راستے پر چلانے والے مرشد برحق اور ہادی اعظم ہیں ﴿تفسیر کبیر ۲۷: ۲۳۴﴾ حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب حضور اکرم ﷺ بلوغت اور اعلان نبوت سے پہلے بھی گمراہ نہیں ہو سکے اور نہ ہی اپنی خواہش سے بولتے تھے تو اعلان نبوت کے بعد ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ ﴿روح المعانی ۲۸: ۶۷﴾

⊙ ...... **ان هو الا وحی یوحی**، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے، یہاں علما کرام کی دو آراہیں، اولاً، ھوا کا مرجع قرآن ہے، ثانیاً، ھو کا مرجع نطقِ مصطفےٰ ہے، دوسری رائے قرآن وحدیث دونوں کو شامل ہے، حدیث پاک ہے کہ **ما یخرج منی الا حقاً**، مجھ سے حق کے سوا کچھ بھی صادر نہیں ہوتا۔ ﴿سنن ابی داؤد﴾

⊙ ...... **شدید القوی**، سخت قوتوں والا، بہت سے مفسرین کرام نے جبریل امین علیہ السلام کو مراد لیا ہے، لیکن حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ذات خداوندی ہے۔ ﴿روح المعانی ۲۷: ۴۷﴾

⊙ ...... مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں: وہ قوت شدیدہ کا مالک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے، رازق ہے، صاحب قوت متین ہے، اس پر **علمک مالم تکن تعلم** اور **الرحمن علم القرآن** بھی شاہد ہے ﴿تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ص ۳۴۵﴾ ذو مرۃ سے مراد بھی ذات خداوندی ہے۔

⊙ ...... **ثم دنیٰ فتدلیٰ**، پھر وہ جلوہ قریب ہوا پھر خوب اتر آیا، بعض مفسرین کے نزدیک یہ ضمیریں حضرت جبریل امین علیہ السلام کی طرف راجح ہیں، بعض کے نزدیک رسول اللہ علیہ السلام کی طرف راجح ہیں اور بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف راجح ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ (کا جلوہ) اپنے محبوب ﷺ کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا، یہی قول زیادہ بہتر ہے، کیونکہ حدیثِ صحیح سے اس کی صراحت معلوم ہوتی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حتیٰ جاء سدرة المنتھیٰ ودنا الجبار رب العزة فتدلیٰ حتیٰ کان منه قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الله الیه فیما یوحی الله، یہاں

تک کہ رسول اللہ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور رب العزت جبار (اپنی شان کے مطابق) آپ کے قریب ہوا پھر اور قریب ہوا، یہاں تک کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا، اس سے بھی زیادہ قریب، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی جو وہ وحی فرماتا ہے۔ ﴿صحیح بخاری ۲:۱۱۲۰﴾

⊙...... حضرت امام مکی اور حضرت امام ملوردی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، هو الرب دنا من محمد فتدلی الیه، وہ رب العزت حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے قریب ہوا اور آپ پر اپنا حکم نازل فرمایا، حضرت نقاش نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، رب العزت آپ کے قریب ہوا اور قریب ہوا اور آپ کو اپنی قدرت اور عظمت سے جو چاہا دکھا دیا، ﴿کتاب الشفا ۱:۱۲۶﴾

⊙...... حضرت امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو حضور اکرم ﷺ کے قریب ہوا تو اس کا معنیٰ ہے اس نے آپ کی بہت اچھی ثنا کی، بہت زیادہ انس کا اظہار کیا، وہ آپ، سے بہت زیادہ خوش ہوا اور آپ پر بہت زیادہ احسان، اکرام اور انعام فرمایا، اس آیت میں اسی طرح تاویل کی جائے گی جیسا کہ صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اللہ تعالیٰ رات کو آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے، اسکی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ہر رات اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان نازل ہوتا ہے، علامہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جس نے یہ وہم کیا کہ اللہ تعالیٰ بنفسہ نزدیک ہوا، اس نے اللہ تعالیٰ کیلئے مسافت اور مکان کو تسلیم کیا، مسافت اور مکان کے اعتبار سے اس کیلئے قرب ہے نہ بعد، امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے مراد حسی قرب ہے، جیسا کہ ذات باری کیلئے جہت جاننے والوں کا وہم ہے، اس سے مراد عظمت، منزلت، تشریف مرتبہ، انوار معرفت کا حصول، غیب وقدرت کے اسرار کا مشاہدہ اور من و اکرام کی کثرت ہے۔ ﴿المعراج الکبیر ص ۲۹﴾

⊙...... حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، دنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ، یعنی اللہ تعالیٰ (کا جلوہ) قریب ہوا، ﴿الجامع لاحکام القرآن﴾ یہی حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ﴿جامع البیان ۶۲/۲۷﴾

⊙ ...... فکان قاب قوسین او ادنیٰ تو اس جلوے اور محبوب کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم، سیر معراج کی شان کے لائق یہی بیان ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اقدس ﷺ کا قرب مراد لیا جائے، حضرت جبریل امین علیہ السلام کا قرب اور وصل تو آپ کو حاصل ہوتا رہتا تھا، اسمیں آپ کا کیا کمال ظاہر ہوگا، حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت جبریل امین علیہ السلام کا دو کمانوں سے بڑھ کر قریب ہونا حضور اقدس ﷺ کیلئے باعث کمال نہیں کیونکہ آپ ان سے افضل اور اعلیٰ ہیں، آپ نے فرمایا میرے دو وزیر آسمان پر ہیں اور وہ جبریل اور میکائیل ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری ۱۰۶:۲۷﴾

⊙ ...... حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مقام قاب قوسین او ادنیٰ میں سر عظیم یہ ہے کہ جب انسان کامل سیر الی اللہ کے تمام ہونے کے بعد سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے تو اخلاق اللہ سے متخلق ہو جاتا ہے اور جب مجمل طور پر اس سیر کو بھی تمام کر لیتا ہے تو اس امر کے لائق ہو جاتا ہے کہ محبوب ظلیت کی آمیزش اور حالیت و محلیت کے وہم کے بغیر اصالت کے طور پر اس میں ظہور فرمائے، چونکہ محبوب کے صفات ذاتیہ اسکی ذات سے الگ نہیں ہیں اس لئے عاشق کی نظروں میں ذات کے ظہور کے ساتھ صفات کا ظہور بھی ہوگا اور دو قوسین یعنی قوس ذات اور قوس صفات حاصل ہو جائیگی، یہ مقام اعلیٰ قاب قوسین ہے جو ظہور اصل کے متعلق ہے جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے عاشق صادق کا تعلق گرفتاری معشوق کی ذات کے ساتھ یہاں تک ہو جائے کہ اسم صفت سے گزر جائے تو اس وقت اسم و صفت بالکل اس کی نظر سے دور ہو جاتے ہیں اور ذات کے سوا اس کو کچھ ملحوظ و مشہود نہیں ہوتا، اگرچہ صفات موجود ہوں، لیکن اس کو مشہود نہیں ہوتے، تب او ادنیٰ کا سر ظاہر ہوتا ہے، اور قوسین کا کچھ اثر نہیں رہتا، اس مقام اعلیٰ سے جب ہبوط واقع ہو تو قدم اول عالم خلق میں بلکہ عنصر خاک میں آپڑتا ہے جو باوجود دوری اور مہجوری کے تمام موجودات کی نسبت عالم قدس سے زیادہ قریب ہے عجب معاملہ ہے کہ اگر عروج و صعود کا اعتبار کریں تو عالم امر کو بلکہ عالم امر کے اخفیٰ کو تمام موجودات کی نسبت عالم قدس سے زیادہ قریب معلوم کرتے ہیں اور جب نزول و ہبوط کی طرف نظر کرتے ہیں تو قریب کی دولت عالم خلق بلکہ عنصر خاک کے نصیب

عبدہ مرتین، حضرت محمد مصطفےٰ کریم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔

⊙ ...... عند سدرۃ المنتھی، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، یہ دوسری دفعہ دیکھنے کا ذکر ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا، یہ مقام کہاں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے ساتوں آسمانوں سے اوپر لے جایا گیا، اور پھر سدرۃ المنتہیٰ پر جا پہنچے، حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت شیخ خلیل کا قول ہے، سدرہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور اس نے تمام آسمانوں اور جنت پر اپنا سایہ دراز کر رکھا ہے۔ ﴿شرح مسلم ۱:۹۷﴾

⊙ ...... عند ھا جنۃ الماویٰ، اس کے پاس جنت ماویٰ ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ شہیدوں کی ارواح کا ٹھکانہ ہے۔

⊙ ...... جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، یہاں ان تجلیات کی طرف اشارہ ہے جو سدرہ پر جلوہ انداز ہیں، درمنثور میں ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ ہم تیرے محبوب ﷺ کا دیدار کرنا چاہتے ہیں، انہیں اجازت مل گئی تو وہ سدرہ پر اکٹھے ہو گئے تاکہ دیدار محبوب سے شادکام ہو جائیں، سدرہ پر فرشتوں کا اتنا ہجوم ہے کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کی مدحت سرائی میں مصروف ہے، اس نورانی مخلوق کے اژدحام کی وجہ سے وہاں اتنی نورانیت ہے کہ کسی میں دیکھنے کی تاب نہیں، یہ تو بصارتِ مصطفےٰ کا کمال ہے جو غیب و شہود کے ایسے مناظر کو بھی ملاحظہ فرما لیتی ہے۔

⊙ ...... مازاغ البصر وما طغیٰ، آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی، تفسیر مظہری میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی چشم نازنین ادھر اور ادھر نہ پھری کہ دیکھنے میں کمی رہ جائے، آپ نے اس کو برقرار رکھا، پھر اس نے محبوب کے علاوہ کسی اور طرف تجاوز نہ کیا، یہاں آپ کے مکمل استغراق اور کامل مشاہدے کی طرف کنایہ ہے اور ماسوی اللہ سے مکمل استغنا کی جانب اشارہ ہے۔

⊙ ...... بے شک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے آیات کو دیکھا، ذات کو نہیں، حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ کے دیکھنے سے ذات ہی مقصود ہے کیونکہ آیات، ذات کیلئے آئینہ ہوتی ہیں، جب

آپ نے آیات کو دیکھا تو آپ کی نگاہ بلند ہمت ان سے گزر کر ذات تک جا پہنچی اور جب ذات کا مشاہدہ کیا تو پھر نگاہ نے کسی اور کو دیکھنا گوارا نہ کیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

⊙..... علامہ سلیمان ندوی لکھتے ہیں، پھر شاہد مستور ازل نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ﴿سیرت النبی جلد ۳﴾

معراج ــــــ حدیثِ پاک کی روشنی میں:

معراج مصطفیٰ کا عظیم الشان واقعہ تیس سے زیادہ صحابہ کرام سے مروی ہے، لیکن کسی ایک روایت میں بھی اسے مفصل طور پر بیان نہیں کیا گیا، کسی روایت میں مسجد اقصیٰ میں جانے کا ذکر نہیں، کسی میں شق صدر کا ذکر نہیں، کسی میں براق کا ذکر نہیں، کسی میں قبر کلیم کا ذکر نہیں، کسی میں برزخ کے حالات کا ذکر نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے متعدد صحابہ کرام کے سامنے ان کی استعداد کے مطابق واقعہ بیان کیا یعنی جس کو مناسب سمجھا، اس کے سامنے اتنا حصہ بیان کر دیا، ذیل میں جملہ روایات کی روشنی میں واقعہ معراج کو مربوط کر کے بیان کیا جاتا ہے تاکہ اس نورانی سفر کا ایک ایک پہلو نکھر کر سامنے آ جائے۔

.......﴿1﴾.......

معراج کہاں سے شروع ہوئی، اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، حضرت امام بخاری، حضرت امام مسلم، حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نیند اور بیداری کے عالم میں حطیم کعبہ میں جلوہ افروز تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ کا سینہ اقدس گلے سے لے کر ناف تک چاک کیا جبکہ حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، حضور اقدس ﷺ نماز عشا کے بعد ان کے گھر محو استراحت تھے تو آپ کو معراج کرائی گئی، ان روایات میں اسطرح سے ارتباط قائم ہو سکتا ہے کہ آپ پہلے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر موجود تھے اور بعد میں اٹھ کر حطیم کعبہ میں تشریف لے گئے، اس لئے روایات میں دونوں مقامات کا ذکر آ گیا ہے، بعض روایات میں ہے کہ آپ اپنے گھر سے معراج پر رخصت ہوئے تو اس کا معنیٰ یہ بنتا ہے کہ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا آپ کی چچازاد بہن تھیں، لہذا آپ نے ان کے گھر کو اپنا ہی گھر قرار دیا ،امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ان تمام روایات میں تطبیق اسطرح ہے کہ حضرت ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب میں تھا، آپ نے تعلق خاطر کی بنا پر اس گھر کو اپنا قرار دیا اور وہاں آرام فرما ہو گئے ،اس گھر کی چھت چاک کی گئی اور فرشتہ اتر گیا اور پھر آپ کو وہاں سے مسجد حرام میں لے گیا، وہاں آپ ﷺ لیٹ گئے اور آپ کو اونگھ آ گئی، (یعنی نیند اور بیداری کی کیفیت میں چلے گئے اور پھر آپ کو براق پر سوار کرایا، اس روایت سے بھی اس تطبیق کی تائید ہوتی ہے۔ ﴿فتح الباری، ۷: ۲۰۴﴾ فرشتے نے گھر کی چھت کیوں چاک کی، اس میں یہ حکمت ہے کہ فرشتہ اپنے وجود کو سمیٹ کر اور اپنی ہستی کو مٹا کر اس محبوب اقدس ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کرے، یہ بھی روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اندر اتر کر آپ کے قدم مقدس کو بوسہ دیا جس کی کافوری ٹھنڈک سے حضور اقدس ﷺ کی چشم نازنین کھل گئی، آپ نے اس انداز سے آنے کا مدعا پوچھا تو عرض کیا، بے شک اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔

﴿2﴾

حضرت امام بخاری نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، معراج کی رات میں حطیم کعبہ میں لیٹا ہوا تھا، ایک فرشتے نے آکر میرا سینہ چاک کیا، پھر میرے دل کو نکال کر سونے کے طشت میں رکھا جو ایمان سے لبریز تھا، پھر میرے دل کو آب زم زم سے غسل دیا گیا، پھر اس کو ایمان اور حکمت سے سرشار کیا گیا اور اسکی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ ﴿صحیح بخاری ۱: ۴۵۵﴾ حضرت قاضی عیاض مالکی نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے قلب مبارک کو غسل دے کر کہا، یہ قلب سدید ہے اس کی دو آنکھیں ہیں جو ﴿ساری کائنات کو﴾ دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو ﴿ساری کائنات کی آوازوں کو﴾ سنتے ہیں، ﴿فتح الباری ۱۳: ۴۸، بحوالہ کتاب الشفاء﴾ معراج کے آغاز پر شق صدر کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ آپ میں معراج کے حیرت ناک واقعات، برزخ کے عجائبات اور اللہ تعالیٰ کی روشن آیات دیکھنے کی استعداد پیدا ہو جائے، بعض علما کرام نے لکھا ہے کہ پہلی بار آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کے دل میں علم الیقین

کی استعداد حاصل ہو اور دوسری بار اس لئے شق صدر ہوا تا کہ آپ کے دل میں عین الیقین کی استعداد حاصل ہو اور تیسری بار اسلئے شق صدر ہوا تا کہ آپ کے دل میں حق الیقین کی استعداد حاصل ہو۔ ﴿شرح صحیح مسلم ۱:۷۰۴﴾ آپ کے قلب منیر کو آب زم زم سے اس لئے غسل دیا گیا کہ اس پانی کو آپ کے وجود مقدس سے بھی نسبت حاصل ہو جائے، پھر ظاہری مسجد کی حاضری ہو تو ظاہر بدن کو غسل دیا جاتا ہے، باطنی مسجد اور بارگاہ ربوبیت میں حاضری کیلئے آپ ﷺ کے باطنی بدن کو غسل دیا گیا، امام ابن ابی جمرہ لکھتے ہیں کہ قلب انور پہلے ہی مقدس و مطہر تھا یہ سارا کچھ نور علیٰ نور کی خاطر تھا، جیسے وضو والا نماز کیلئے تازہ وضو کر لیتا ہے کہ میں نے بارگاہ خداوندی میں حاضری دینی ہے۔ ﴿بحوالہ معراج حبیب خدا:۱۱۱﴾ آپ کا قلب باہر نکالا گیا تو آپ پھر بھی زندہ رہے، یہاں کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی حیات قلب کی دھڑکنوں کی محتاج نہیں ہے بلکہ آکسیجن کی بھی محتاج نہیں کیونکہ سائنس کے مطابق ہوا زمین سے اوپر صرف دو سو میل تک ہے آپ تو لاکھوں میل اوپر چلے گئے، یہ چاند، یہ سورج، یہ سیارے، یہ لوح، یہ قلم، یہ کرسی، یہ عرش غرضیکہ ساری کائنات نیچے رہ گئی، آپ نے وصال کے روزے رکھے تو گویا آپ کھانے پینے کے محتاج نہیں، لامکان کی رسائی حاصل کی تو گویا آپ مکان کے محتاج نہیں، گردش لیل و نہار سے گزرے تو گویا آپ وقت کے محتاج نہیں، ہر چیز اپنے وجود میں آپ کے وسیلے کی محتاج ہے، آپ صرف رب تعالیٰ کے فضل و احسان کے محتاج ہیں۔

﴿3﴾

حضرت امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے معراج کی رات حضور انور ﷺ کے پاس براق لایا گیا، اس کو لگام ڈالی ہوئی تھی اور اس پر زین کسی ہوئی تھی، اس نے آپ کے سامنے ﴿اپنی قسمت پر نازاں ہو کر﴾ شوخی کا اظہار کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا، تم حضرت محمد مصطفےٰ کریم ﷺ کے ساتھ اس طرح کر رہے ہو، ان سے زیادہ عزت والا سوار تمہارے اوپر سوار نہیں ہوا، یہ سن کر براق ٹھہر گیا اور ﴿ہیبت مصطفےٰ سے﴾ اس کا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا، ﴿جامع ترمذی:۸۴۴﴾ حضرت امام بخاری نے انہی سے روایت کی ہے کہ براق خچر سے چھوٹا اور دراز گوش سے بڑا تھا، اس کا

رنگ سفید تھا۔ ﴿صحیح بخاری ۱: ۵۴۹﴾ حضرت امام بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ خچر کے مشابہ تھا اور اس کے کان اوپر کو اٹھے ہوئے تھے، یہ براق تھا، پہلے انبیا بھی ایسے جانور پر سوار ہوا کرتے تھے، اس کی نظر کی انتہا پر اس کا قدم پڑتا تھا۔

﴿4﴾

حضرت امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں معراج کی رات کثیب احمر کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزار پر سے گزرا تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ﴿صحیح مسلم ۲: ۲۶۸﴾ اس روایت سے معلوم ہوا کہ انبیا اپنے مزارات میں زندہ ہوتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی وسعت نگاہ کا علم حاصل ہوا کہ آپ زمین کی تہوں سے بھی باخبر ہیں، اس قدر سرعت رفتار کے باوجود اتنی گہرائی سے چیزوں کا مطالعہ کرنا آپ کا معجزہ ہے، حضرت امام بیہقی نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں براق پر سواری کر رہا تھا کہ دائیں طرف سے کسی نے آواز دی، اے محمد! میں آپ سے سوال کرتا ہوں، مجھے دیکھو، پھر آواز آئی، میں آپ سے سوال کرتا ہوں، مجھے دیکھو مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا، پھر یہ آواز بائیں طرف سے آئی تو میں نے پھر بھی جواب نہ دیا، اس سیر کے دوران ایک خوبصورت عورت دیکھی جو بازو کھول کر کھڑی تھی، اس نے بھی یہی کہا، اے محمد! میں آپ سے سوال کرتی ہوں، مجھے دیکھو، میں نے اس کی طرف بھی نہ دیکھا اور نہ وہاں ٹھہرا، ﴿ایک روایت میں ہے کہ راستے میں ایک مخلوق سے ملاقات ہوئی جس نے عرض کیا، السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا حاشر﴾ یہاں تک کہ ہم بیت المقدس پہنچ گئے اور اس حلقے کے ساتھ اپنی سواری باندھ دی جہاں انبیا کرام اپنی سواریاں باندھتے تھے، حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لے کر آئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ، میں نے دودھ پی لیا اور شراب کو چھوڑ دیا، انہوں نے کہا، آپ نے فطرت کو حاصل کر لیا، میں نے کہا، اللہ اکبر، اللہ اکبر، پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ نے راستے میں کیا دیکھا تھا، میں نے اس شخص اور عورت کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا کہ

دائیں جانب سے بلانے والا شخص یہودی تھا، اگر آپ اس کی آواز پر جواب دیتے اور ٹھہر جاتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی، بائیں جانب سے بلانے والا شخص نصرانی تھا، اگر آپ اسکی آواز پر جواب دیتے اور ٹھہر جاتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی، خوبصورت عورت دراصل دنیا تھی، اگر آپ اس کی آواز پر جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگتی۔ ﴿دلائل النبوۃ ۲:۳۹۰﴾ اور سلام کرنے والے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔

﴿5﴾

حضرت امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم چلتے ہوئے ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو ایک دن فصل بوتی تھی اور دوسرے دن کاٹ لیتی تھی، جس قدر وہ فصل کاٹتی تھی، اتنی فصل اور بڑھ جاتی تھی، میں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کونسی قوم ہے، انہوں نے کہا، یہ راہ خدا میں ہجرت کرنے والے لوگ ہیں، ان کی نیکیوں کو سات سو گنا زیادہ کر دیا گیا ہے، پھر ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا، سر دوبارہ درست ہو جاتے تو ان کو مہلت بھی نہ ملتی کہ ان کو پھر کچل دیا جاتا تھا، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کونسی قوم ہے، انہوں نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر نماز کے وقت وزنی ہو جاتے تھے، پھر ہم ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے، جن کے آگے اور پیچھے کپڑوں کے ٹکڑے تھے اور وہ کانٹے دار درخت زقوم کو جانوروں کی طرح کھا رہے تھے، نیز دوزخ کے پتھر اور انگارے نگل رہے تھے، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کونسی قوم ہے، انہوں نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال و اسباب سے زکوٰۃ نہیں نکالتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کیا اور نہ ہی وہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے، پھر ہم ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو پاکیزہ گوشت کو چھوڑ کر خبیث گوشت کو کھا رہے تھے، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کونسی قوم ہے، انہوں نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی حلال اور پاکیزہ بیوی کو چھوڑ کر بدکار عورت کے پاس رات گزارتے تھے، پھر ہم نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے جو ہر کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے اور ہر چیز کو زخمی کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم ہر راستے پر نہ بیٹھو کہ لوگوں کو

ڈراؤ، میں نے پوچھا، یہ کیا چیز ہے، انہوں نے کہا، یہ آپ کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے جو لوگوں کا راستہ روکتے ہیں، پھر وہ ایک ایسے آدمی کے پاس پہنچے جس نے لکڑیوں کا ایک گھٹا جمع کیا ہوا ہے، وہ اسے تو اٹھا نہیں سکتا مگر اس میں مزید لکڑیوں کو ڈالنا چاہتا ہے، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون شخص ہے، انہوں نے کہا، یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جو لوگوں کی امانتیں اکٹھی کر کے ادا نہیں کرتا تھا مگر مزید جمع کر لیتا تھا، پھر ہم ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کے انگاروں سے کاٹے جا رہے تھے، وہ پھر پہلے کی طرح ہو جاتے تو ابھی مہلت نہ ملتی تھی کہ پھر کاٹ دیئے جاتے تھے، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کونسی قوم ہے، انہوں نے کہا، یہ آپ کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں، پھر ہم ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس پہنچے جس کے سوراخ سے ایک بڑا سا بیل نکل رہا تھا، وہ بیل دوبارہ اسی سوراخ میں داخل ہونا چاہتا تو داخل نہ ہو سکتا تھا، میں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کیسا منظر ہے، انہوں نے کہا، یہ اس آدمی کی مثال ہے جو بڑا بول بولتا ہے مگر بعد میں نادم ہو کر اسے واپس نہیں لے سکتا، پھر ہمارا گزر ایسی وادی سے ہوا، جہاں سے بہت ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا آ رہی تھی اور آواز سنائی دے رہی تھی، میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا، یہ جنت کی آواز ہے جو پکار رہی ہے، اے اللہ! مجھ سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا فرما اور مجھے میرے حقدار عطا فرما، میری خوشبو، ریشم، سندس، استبرق، موتی، مرجان، مونگے، سونا، چاندی، کوزے کٹورے، شہد، دودھ اور شراب جیسی نعمتیں بہت ہی زیادہ ہو چکی ہیں، لہذا تو اپنا وعدہ پورا فرما اور مجھے میرے حقدار عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تیرے لئے ہر مسلمان مرد اور عورت ہے، ہر مومن مرد اور عورت ہے جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور میرے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرائے، جو مجھ سے ڈر گئے تو میں ان کو پناہ دوں گا، جو مجھ سے سوال کریں گے تو میں ان کو عطا کروں گا، جو مجھ کو قرض دیں گے تو میں ان کو جزا دوں گا، جو مجھ پر توکل کریں گے تو میں ان کیلئے کافی ہوں گا، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں وعدے کے خلاف نہیں کرتا، اس پر جنت نے کہا، میں راضی ہو گئی، پھر ہم ایک ایسی وادی کے پاس پہنچے جہاں سے بہت بری اور خوفناک آواز آ رہی تھی، میں نے پوچھا، یہ کیسی

آواز ہے، انہوں نے کہا، یہ دوزخ کی آواز ہے جو پکار رہی ہے، اے اللہ! مجھے میرے حقدار عطا فرما جن کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، میرے طوق، زنجیریں، شعلے، گرمی، تھور، لہو، پیپ اور دیگر عذاب کے اسباب بہت ہی زیادہ ہو چکے ہیں، میری گہرائی بہت ہی زیادہ ہے اور آگ بہت ہی تیز ہے لہذا مجھے میرے حقدار عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تیرے لئے ہر کافر، مشرک اور خبیث مرد اور عورت ہے، اس پر دوزخ نے کہا کہ میں راضی ہوگئی، پھر ہم بیت المقدس پر آئے، ایک پتھر کے ساتھ سواری باندھی، پھر اندر داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی، انہوں نے پوچھا، اے جبریل! یہ کون ہیں، انہوں نے کہا، یہ محمد رسول اللہ ہیں اور آخری نبی ہیں، انہوں نے پوچھا، کیا انہیں بلایا گیا ہے، انہوں نے کہا، ہاں، پھر انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی اور خلیفہ کو سلامت رکھے، وہ کیا ہی اچھے بھائی اور خلیفہ ہیں، ان کو خوش آمدید ہو، پھر انبیا کرام کی ارواح سے ملاقات ہوئی، ﴿اکثر روایات میں صرف انبیا کرام کے الفاظ وارد ہیں، یعنی وہ جسمانی اور وحانی طور پر حاضر ہوئے﴾ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

⊙...... تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی امت بنایا، میری اطاعت کی جاتی ہے اور مجھے آگ سے بچایا اور اسکو میرے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا، پھر حضرت داوٗد علیہ السلام نے فرمایا، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے ملک عطا فرمایا اور مجھ پر زبور نازل فرمائی اور میرے لئے لوہے کو نرم کر دیا اور میرے لئے پرندوں اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا اور مجھے حکمت بخشی اور فیصلے کی قوت عطا کی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے میرے لئے ہواؤں، جنوں، انسانوں اور شیطانوں کو مسخر کیا، جو عمارتیں اور مجسمے تیار کرتے تھے اور مجھے پرندوں کی زبان سکھائی اور ہر چیز کا علم عطا کیا، میرے لئے تانبے کا چشمہ پیدا کیا اور مجھے بہت ہی بڑا ملک عطا فرمایا جو میرے بعد کسی اور کے مقدر میں نہیں ہوگا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے تورات اور انجیل کا علم دیا، مجھے

اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دینے والا بنایا، میں اس کے حکم سے مردوں کو زندہ کیا کرتا ہوں، مجھے آسمان پر اٹھایا اور مجھے کافروں سے نجات بخشی، مجھے اور میری والدہ کو شیطان مردود سے محفوظ رکھا کہ شیطان کا ان پر کوئی داؤ نہیں چل سکتا، پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنایا، مجھ پر قرآن پاک نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے، میری امت کو تمام امتوں کا سردار بنایا اور اسے امت وسط قرار دیا اور اسے اول اور آخر بنایا اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھ سے بوجھ اتار دیا اور میرا ذکر بلند کیا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا، اے گروہ انبیا! ان تمام فضائل کی وجہ سے حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ کو تم تمام پر بزرگی عنایت کی گئی ہے، ﴿دلائل النبوۃ ۲:۳۹۷﴾

حضرت امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس میں میرے لئے تمام انبیا کرام کو اکٹھا کیا گیا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ان کی امامت کیلئے آگے کیا اور میں نے تمام انبیا کرام کو نماز پڑھائی، ﴿سنن نسائی ۱:۴۷﴾ اس طویل ترین روایت میں بہت سے نکات موجود ہیں، مثلاً:

- ...... حضور اکرم ﷺ تمام انبیا کرام کے سردار ہیں اور تمام مرسلین کے تاجدار ہیں۔
- ...... حضور اکرم ﷺ کے ذکر معراج کی محفل سجانا انبیا اور ملائکہ کی سنت ہے۔
- ...... حضور اکرم ﷺ نے جہان غیب کے واقعات کو ملاحظہ فرمایا۔
- ...... حضور اکرم ﷺ تمام انبیا کرام سے زیادہ حسین، اور عالم ہیں اور خوش لباس ہیں اور بلند مرتبہ ہیں اور اعلیٰ نسب ہیں، اسی لئے مصلیٰ امامت کے حقدار ہوئے۔
- ...... حضور اکرم ﷺ کا بار بار سوال کرنا عدم علم کی دلیل نہیں، بہت سے معاملات میں خود خدا تعالیٰ نے بھی سوال فرمایا۔

مثلاً اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے یا اے حبیب! ملا اعلیٰ کے فرشتے کیوں بحث کر رہے ہیں، اسکی بہت سی مثالیں ہیں، یہاں حضرت جبریل علیہ السلام کو شرف گفتگو

سے نوازا جا رہا تھا اور سفر معراج کو خوشگوار بنایا جا رہا تھا۔

⊙...... کن اعمال کی وجہ سے پکڑ ہوگی، ان کی تفصیل موجود ہے لہذا ہر مسلمان کو ان سے اجتناب کرنا چاہئے اور ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اعظم ﷺ کی رضا کو تلاش کرنا چاہئے۔

⊙...... ایک روایت میں ہے کہ بیت المقدس میں صخرہ کے قریب کچھ خواتین نے آپ کی زیارت کی، انہوں نے بتایا کہ وہ حوران بہشت ہیں، پاکباز لوگوں کی بیویاں ہیں، جو استقامت والے ہیں، وہ ہمیشہ رہیں گے اور انہیں کبھی موت نہیں آئے گی، ﴿رواہ ابن ابی حاتم﴾

...... ﴿6﴾ ......

حضرت امام بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیت المقدس میں سیڑھی لائی گئی، جس سے اولاد آدم کی روحیں اوپر جاتی ہیں، تمام مخلوق نے اس سے زیادہ خوبصورت سیڑھی نہیں دیکھی ہوگی، میں اور حضرت جبریل علیہ السلام اوپر چڑھے تو اسماعیل فرشتہ ملا جو کہ آسمان دنیا کا انچارج ہے، اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ہمراہ ایک لاکھ فرشتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت امام بخاری نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم ﴿بیت المقدس سے﴾ چلے تو آسمان دنیا پر پہنچے، حضرت جبریل نے آسمان کا دروازہ کھلوایا، آگے سے آواز آئی، کون ہے، انہوں نے جواب دیا، جبریل، پھر پوچھا گیا، آپ کے ساتھ کون ہے، انہوں نے جواب دیا محمد مصطفیٰ کریم ﷺ، پھر پوچھا گیا، کیا وہ بلائے گئے ہیں، انہوں نے جواب دیا، ہاں، پھر کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید ہو، ان کا تشریف لانا تو بہت مبارک ہے، پھر دروازہ کھول دیا گیا، وہاں مجھ سے حضرت آدم علیہ السلام ملے، جبریل نے کہا، یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا، خوش آمدید ہو نیک بیٹے اور صالح نبی کو، پھر ہم اوپر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچ گئے، ﴿وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے﴾ وہاں مجھے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کا موقع

ملا، وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، جبریل نے کہا، یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں، آپ ان دونوں کو سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا، خوش آمدید ہو نیک بھائی اور صالح نبی کو، پھر جبریل مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے ﴿وہاں بھی سوال و جواب ہوئے﴾ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے کہا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں سلام کا جواب دے کر کہا، خوش آمدید ہو نیک بھائی اور صالح نبی کو، پھر وہ مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے، ﴿وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے﴾ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے کہا، یہ حضرت ادریس ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا، خوش آمدید ہو نیک بھائی اور صالح نبی کو، پھر وہ مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے، ﴿وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے﴾ وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے کہا، یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے، میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا خوش آمدید ہو، نیک بھائی اور صالح نبی کو، پھر وہ مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے ﴿وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے﴾ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے، جبریل نے کہا، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا، خوش آمدید ہو نیک بھائی اور صالح نبی کو، پھر میں جب آگے بڑھا تو وہ رونے لگے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رونے لگے ہیں، انہوں نے کہا، میرے بعد ایک مقدس نوجوان مبعوث کیا گیا جس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے، پھر وہ مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے، ﴿وہاں بھی وہی سوال و جواب ہوئے﴾ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبریل نے کہا، یہ آپ کے باپ ابراہیم ہیں، آپ انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا، خوش آمدید ہو نیک بیٹے اور صالح نبی کو، ﴿صحیح بخاری ۱: ۵۴۸﴾

حضرت امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، بیت المعمور وہ مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن پھر کبھی انہیں یہ سعادت

نصیب نہیں ہوتی۔ ﴿صحیح مسلم ۱:۹۱﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی امت کو سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر جیسے مبارک کلمات پڑھنے کی تلقین بھی فرمائی، یہ ان کی امت محمدیہ پر کمال درجے کی شفقت اور رحمت ہے، امام ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ساتویں آسمان کی چھت پر چلے تو ایک خوبصورت نہر آ گئی جس پر یاقوت اور زبرجد کے برتن اور سبز رنگ کے حسین پرندے تھے، میں نے پوچھا، یہ پرندے بہت خوبصورت ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا، ان کا تناول کرنا اس سے کہیں لذیذ ہے، پھر انہوں نے بتایا کہ یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھی ہے، اس کے برتن سونے اور چاندی کے ﴿بھی﴾ تھے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، میں نے پانی پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار معلوم ہوا، حضرت نبی کریم ﷺ نے انبیا کرام کے شمائل بھی بیان کئے ہیں، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد قبیلہ شنوہ کے لوگوں کی طرح لمبا تھا، رنگ گندم گوں تھا اور بال پیچدار تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قد متوسط اور بال سیدھے تھے، رنگ سرخ وسفید تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نبی کریم ﷺ کے ہم شکل تھے، حضرت جبریل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کے مشابہ تھے۔ ﴿صحیح مسلم﴾

﴿7﴾

حضرت امام بخاری نے حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھایا گیا، اس شجر سدرہ کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح ہیں، اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند ہیں، حضرت جبریل نے کہا، یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، وہاں سے چار نہریں خارج ہوتی ہیں، دو پوشیدہ اور دو ہویدہ ہیں، میں نے پوچھا، اے جبریل ان نہروں کا تعارف کیا ہے، انہوں نے کہا، دو پوشیدہ نہریں تو جنت میں جاری ہیں اور دو ہویدہ نہریں نیل اور فرات ہیں، پھر بیت المعمور میرے سامنے ظاہر کیا گیا، اس کے بعد ایک برتن شراب کا، ایک برتن دودھ کا، اور ایک برتن شہد کا پیش کیا گیا، میں نے دودھ کو پسند کر لیا تو انہوں نے کہا، یہی فطرت ہے، آپ بھی اور آپ کی امت بھی اسی پر قائم رہے گی۔ ﴿صحیح بخاری: ۵۴۹﴾ حضرت امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ

سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ڈھانپ لیا سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا، ﴿ایک روایت میں ہے، یعنی سونے کے پروانوں نے۔ ﴿مسلم شریف﴾ تو وہ اتنا خوبصورت دکھائی دیا کہ مخلوق میں کوئی بھی اس کی خوبصورتی کو بیان نہیں کر سکتا، ﴿صحیح مسلم ۱:۹۱﴾ حضرت امام بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سدرہ کا ہر ورق امت کو ڈھانپنے والا ہے، وہاں سلسبیل نامی چشمہ جاری تھا، جس سے دو نہریں نکلتی ہیں، ایک نہر کوثر ہے اور دوسری نہر رحمت ہے، میں نے وہاں غسل کیا تو میرے اگلے پچھلے تمام معاملات پہلے سے بہتر ہو گئے، پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا، وہاں ایک خاتون ملی، پوچھا، یہ کون ہے تو بتایا گیا کہ یہ زید بن حارثہ کی خادمہ ہے، وہاں پانی کی نہریں تھیں، کچھ دودھ کی جن کا ذائقہ بدل نہیں سکتا، کچھ شراب کی نہریں تھیں جو پینے والوں کو لذت بخشتی ہیں، کچھ شہد کی نہریں تھیں، جو نہایت مصفیٰ تھا، وہاں کے انار ڈھول کی طرح تھے اور پرندے طویل گردن والے تھے، فرمایا یہ سامان اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح بندوں کیلئے تیار کر رکھا ہے جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور کسی کان نے نہ سنا اور اس کا خیال بھی کسی دل میں نہیں سمایا، پھر دوزخ کو میرے سامنے لایا گیا، وہاں اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضگی کا ظہور تھا، اس میں پتھر اور لوہا ڈالا جا رہا تھا تو وہ سب کو ہڑپ کر رہی تھی، پھر اس کا دروازہ بند کر دیا گیا پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا، ﴿دلائل النبوۃ﴾

……﴿8﴾……

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے، حضرت امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، **ھو مقام جبرائیل**، وہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مقام ہے، جب حضور سیاح لامکان ﷺ نے عرش اعظم کی طرف عروج فرمایا تو حضرت جبریل علیہ السلام وہاں ٹھہر گئے اور آگے نہ جانے کی وجہ یہ بیان کی ''**لو دنوت انملة لا حترقت**، اگر میں ایک پور کے برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا، ﴿روح البیان ۹:۲۲۴﴾ حضرت امام نظام الدین نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جس سے آگے ﴿نچلے﴾ فرشتوں کا گزر نہیں اور نہ کسی کو ﴿کما حقہ﴾ معلوم ہے کہ اس کے ماورا کیا ہے، شہدا کی روحیں بھی یہاں تک جاتی ہیں، بے شک حضرت جبریل علیہ السلام یہاں پہنچ

کر پیچھے رہ گئے اور کہا، اگر میں ایک پور کے برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا، ﴿تفسیر نیشا پوری ۲۷: ۳۰﴾ حضرت امام علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے، ﴿شرح الشفا ۴: ۳۱۰﴾

بقول سعدیؔ ؎

بگفتا فراتر مجالم نماند | بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم | فروغ تجلی بسوزد پرم

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل نے مجھے رفرف پر سوار کرایا اور مجھے چھوڑ دیا، ﴿الشفا ۱: ۱۲۶﴾ حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اولاد آدم کے اعمال سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتے ہیں، یہ روحوں کی جائے قرار ہے، یہ اوپر سے آنے والی چیزوں اور نیچے سے اوپر جانے والی چیزوں کے درمیان انتہا ہے[1] یہاں حضرت جبریل علیہ السلام کا قیام ہے اور یہاں حضور اکرم ﷺ براق سے اتر گئے اور آپ کیلئے ﴿سبز رنگ کا﴾ رفرف لایا گیا، رفرف کے ساتھ اور فرشتہ تھا، ﴿جس کا تعلق سدرہ سے اگلے جہان کے ساتھ تھا﴾ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس فرشتے کے سپرد کیا تو آپ نے انہیں بھی چلنے کیلئے فرمایا تا کہ ان کی وجہ سے انسیت برقرار رہے، انہوں نے کہا، میں اس پر قادر نہیں، اگر میں نے ایک قدم بھی اٹھایا تو جل جاؤں گا، ہم فرشتوں کی ایک مخصوص قرار گاہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نشانیاں دکھانے کیلئے معراج سے مشرف فرمایا ہے، لہذا آپ اپنے اس مقصد سے غافل نہ ہوں، پھر انہوں نے آپ کو الوداع کہا اور آپ اس فرشتے کے ساتھ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مقام استوا پر پہنچے، اس مقام بلند پر اقلام قدرت کے چلنے کی آواز سماعت فرمائی، وہ اقلام اللہ تعالیٰ کے احکام کو لکھ رہی تھیں جو وہ اپنی مخلوق کے متعلق جاری فرماتا ہے، صحیح مسلم شریف میں اتنی تفصیل موجود نہیں ہے، وہاں صرف اتنا رقم ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **عرج بی حتیٰ ظهرت لمستوی اسمع فیه صریف الا قلام**، مجھے معراج کرائی گئی یہاں تک کہ میں نے قلموں کی آواز سنی، شارح مسلم امام محمد ابی مالکی وشتانی مقام استوا

---

[1] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ کو سدرہ پر لے جایا گیا جو چھٹے آسمان پر ہے ﴿یعنی اسکی جڑ چھٹے آسمان پر ہے﴾ زمین سے اوپر جانے والی چیزیں اور اوپر سے نیچے آنے والی چیزیں وہاں آکر رک جاتی ہیں، پھر انہیں وصول کیا جاتا ہے، ﴿مسلم کتاب الایمان﴾

کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں تک کسی کی رسائی نہیں، ﴿اکمال ۱: ۵۲۱﴾ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، پھر حضور اکرم ﷺ نور میں تیزی کے ساتھ دوڑنے لگے کہ فرشتہ آپ سے پیچھے رہ گیا، آپ نے اپنے ساتھ کسی کو نہ دیکھا تو پریشان ہوئے، نہ فرشتہ تھا اور نہ رفرف، آپ کے ہر طرف نور ہی نور تھا، آپ نے کیف میں جھومتے ہوئے دیدار خدا کی اجازت طلب کی تاکہ حضور قدس میں داخل ہوں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کی طرح آواز سنائی دی، **قف یا محمد فان ربک یصلی**، اے محمد! ٹھہریئے، آپ کا پروردگار صلوٰۃ پڑھ رہا ہے، آپ حیران ہوئے کہ کیا میرا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے، آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز سے مانوس ہوئے تو آپ پر یہ آیت پڑھی گئی، **ھو الذی یصلی علیکم وملائکته**، وہ تم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اور فرشتے بھی تم پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں، پھر آپ کے ذہن میں آیا کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد درود ہے، پھر آپ حضور ناز میں داخل ہوئے اور آپ پر وحی کی گئی جو کی گئی اور آپ نے وہ جلوہ دیکھا جو کوئی اور نہیں دیکھ سکتا۔ ﴿الیواقیت والجواہر ۲: ۳۸﴾ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں، حضوری کا وقت آیا اور آپ آخر تک پہنچ گئے اور انقطاعِ تام ہو گیا، ہنوز ستر نورانی حجاب ایسے تھے کہ ایک حجاب دوسرے حجاب کے ہم مثل نہ تھا، ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کی راہ تھی، جیسا کہ روایت میں آیا ہے، ابھی ان کا طے کرنا باقی تھا، چنانچہ آپ نے ان سب کو حق تعالیٰ کی امداد سے قطع کیا، اس وقت خاص قسم کی حیرت اور دہشت پیش آئی، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں ندا دی گئی، اے محمد ٹھہریئے، آپ اس وحشت سے نکلے تو ندا آئی، **ادن یا خیر البریة، ادن یا احمد، ادن یا محمد**، اے ساری مخلوق سے افضل قریب آیئے، اے احمد قریب آیئے، اے محمد قریب آیئے، پھر آپ ﷺ اتنا قریب ہوئے، **فکان قاب قوسین او ادنیٰ** ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۳۰۵﴾

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، معراج کے فوائد میں سے ہے کہ ایک جسم ایک آن میں دو مقامات پر موجود ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے آسمان پر اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کی نیک اولاد میں دیکھا، پھر آپ نے حضرت آدم، حضرت موسیٰ اور دیگر انبیا کرام علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھا حالانکہ وہ زمین پر اپنی

قبروں میں موجود تھے، کیونکہ مطلقاً فرمایا، میں نے آدم کو دیکھا، میں نے موسیٰ کو دیکھا، میں نے ابراہیم کو دیکھا، یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ میں نے آدم کی روح کو دیکھا یا میں نے موسیٰ کی روح کو دیکھا، جب آپ آسمان میں لوٹ کر حضرت موسیٰ کے پاس آئے تو اس وقت وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے، جو شخص اسکا قائل نہیں کہ ایک جسم ایک آن میں دو مقامات پر موجود ہو سکتا ہے، وہ اس حدیث پر ایمان کیسے لائے گا، سو اگر تم ایماندار ہو تو اس کو تسلیم کر لو، پھر تمہارے لئے یہ تاویل کرنا بھی جائز نہیں کہ قبر میں اور تھے اور آسمانوں میں ان کے غیر تھے، آپ نے واضح فرمایا ہے کہ میں نے موسیٰ کو دیکھا ہے اور باقی انبیا کرام کے متعلق بھی ایسے ہی فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا اگر آپ نے ان کے غیر کو دیکھا تھا تو یہ فرمان غلط ثابت ہوگا ﴿معاذ اللہ﴾ ﴿الیواقیت والجواہر ۲: ۴۰﴾ یہی امام بیہقی لکھتے ہیں کہ ان کا مختلف وقتوں میں مختلف مقامات پر پایا جانا جائز ہے جیسا کہ حضور مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔ ﴿دلائل النبوۃ ۲: ۳۸۸﴾

﴿9﴾

حضرت امام بخاری نے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور جبار رب العزت ﴿کا جلوہ﴾ قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا، یہاں تک کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب، ﴿صحیح بخاری ۲: ۱۱۲۰﴾ اس روایت میں انتہائی اختصار ہے، مثلاً ایک شخص لاہور سے کراچی تک سفر کرتا ہے تو وہ جب اختصار کے ساتھ بیان کرے گا تو یہی کہے گا کہ میں لاہور سے چلا یہاں تک کہ کراچی پہنچ گیا، اس مختصر بیان کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے لاہور اور کراچی کے درمیان آنے والے جملہ مقامات کا انکار کر دیا ہے، جب وہ کبھی اپنے سفر کی تفصیلی روئداد بیان کرے گا تو ان مقامات کا بھی ذکر کرے گا، کسی شے کا ذکر نہ کرنا اسکے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتا، باقی روایات یا علما اور محدثین کی تصریحات میں آپ کے سفر معراج کی روئداد بیان کی گئی ہے اس میں رفرف کا ذکر ہے، حجاباتِ عظمت کا ذکر ہے، عرش معلیٰ پر ورودِ اجلال کا ذکر ہے، دیدار خداوندی کے بے کیف نظاروں کا ذکر ہے، لہٰذا ان حقائق کا انکار ہرگز مناسب نہیں، حضرت امام عبدالوہاب شعرانی کے بیان حق ترجمان میں بھی جو

سدرۃ المنتہیٰ کے آگے ایک نورانی جہان کا ذکر ہے اور دیدار خداوندی کا ذکر ہے تو اس میں بھی اختصار ہے، اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آپ عرش معلیٰ پر جلوہ فرما نہیں ہوئے، عرش معلیٰ پر جانے کی نشاندہی ان روایات و بیانات سے ہوتی ہے:

⊙...... حضرت امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوالمخارق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، معراج کی رات میرا گزر ایسے شخص پر ہوا جو عرش کے نور میں ڈوبا ہوا تھا، میں نے پوچھا، کیا یہ فرشتہ ہے یا کوئی نبی ہے، جواب آیا نہیں، یہ وہ شخص ہے جس کی زبان ذکر خدا سے سرشار رہتی اور دل مسجد میں کھویا رہتا، اس نے اپنے والدین کو بھی کوئی دکھ نہیں پہنچایا۔ ﴿درمنثور ۱:۳۶۲﴾

اگر کوئی شخص کہے کہ یہ روایت مرسل ہے تو جواباً عرض ہے کہ ائمہ فقہ کے نزدیک روایت مرسل مقبول ہے اور پھر یہ فضائل میں مروی ہے لہذا اس میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے، پھر یہ بھی اعتراض ہوسکتا ہے کہ عرش معلیٰ تک کسی کی رسائی ممکن نہیں تو یہ بلند مقام انسان کون تھا اور وہاں تک کیسے پہنچ گیا، جواباً عرض ہے کہ حضور سیاح لامکان ﷺ گردش لیل ونہار اور کشاکشِ زمان ومکان سے ماورا چلے گئے تو ہوسکتا ہے وہاں آخرت کے احوال میں سے کوئی حال دکھایا گیا ہو، کیونکہ صحیح بخاری شریف میں حدیث ہے کہ قیامت کے دن سات آدمیوں کو عرشِ اعظم کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سے ایک وہ ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، پھر آپ کے علاوہ وہاں جسمانی طور پر کوئی نہیں جاسکتا تو ہوسکتا ہے یہ نور عرش میں ڈوبا ہوا کوئی انسان اپنی روحانی یا مثالی شکل میں موجود ہو۔

⊙...... قرآن اور حدیث صحیح میں جو **دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ** کا ذکر ہوا ہے، وہ جلوہ قریب ہوا، پس اور قریب ہوا تو دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اور زیادہ قریب، اس مقام کے بارے میں حضرت امام علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، بعض نے کہا کہ معراج جنت تک ہوئی، بعض نے کہا کہ عرش تک ہوئی اور بعض نے کہا کہ عرش کے اوپر تک ہوئی اور یہی **دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ** کا مقام ہے۔ ﴿منح الروض الازھر ص ۳۲۳﴾ حضرت امام ابواسحاق محمد ابراہیم شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ معراج عرش کے اوپر تک اور بعض نے کہا ہے کہ طرفِ عالم تک ہوئی، ﴿السراج الوہاج ص

﴿۲۸۰﴾ حضرت امام تفتازانی نے بھی بعض علما کے حوالے سے لکھا ہے کہ معراج عرش یا عرش کے اوپر یا طرفِ عالم تک ہوئی۔ ﴿شرح عقائد نسفی: ۱۵﴾ حضرت امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، احادیثِ معراج میں یہ بھی ہے کہ سدرہ پر حضرت جبریل نے رفرف کی سواری پیش کی تو آپ اس پر سوار ہوئے، پھر وہ آپ کو عرش اعظم تک لے گئی۔ ﴿نسیم الریاض ۲: ۳۱۰﴾ حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ معراج کی رات حضور اکرم ﷺ کیلئے رفرف حاضر ہوا، آپ اس پر بیٹھے یہاں تک رب العزت کا قرب خاص نصیب ہوا، ﴿ظاہر ہے جو فوق العرش تک جانے کی دلیل ہے﴾ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، **فارقني جبريل وانقطعت عني الاصوات وسمعت كلام ربي**، حضرت جبریل تو جدا ہو گئے تھے اور مجھ سے تمام آوازیں منقطع ہو چکی تھیں ﴿یعنی سکوت ہی سکوت تھا﴾ اور میں نے اپنے پروردگار کا کلام سنا، ﴿الجامع لاحکام القرآن ۱۷: ۸۸﴾ یہ حدیث حضرت امام عیاض مالکی نے الشفا میں اور حضرت امام ابی دشتانی نے اکمال شرح مسلم میں بیان فرمائی ہے، حضرت امام نووی نے بھی المنہاج میں اسے بیان کیا ہے، حضرت امام برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، سدرہ کے بعد آپ ﷺ کو نور نے ڈھانپ لیا تو اس نور میں مستویٰ کا مقام آیا جس پر آپ نے اقلامِ قدرت کی آواز سنی اور پھر عرش اعظم پر تشریف فرما ہوئے۔ ﴿انسان العیون ۱: ۴۰۳﴾ حضرت امام ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منتقیٰ فی شرف المصطفیٰ میں صراحت سے لکھا ہے کہ معراج کا دسواں مرحلہ عرش اعظم پر قیام ہے، حضرت امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے کہ، **دنا ربه فتدلیٰ** آپ کا پروردگار قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا، ﴿جامع البیان ۲۷: ۶۰﴾ حضرت امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح تفسیر نقل کی ہے، **هو محمد ﷺ دنا فتدلى الى ربه عزوجل** یعنی حضور اکرم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے قریب ہوئے اور زیادہ قریب ہوئے۔ ﴿درمنثور ۷: ۶۴۵﴾ حضرت امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے، **اقترب من ربه فكان قاب قوسين او ادنیٰ**، حضور اکرم ﷺ اپنے رب تعالیٰ کے اسقدر قریب ہوئے کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے کم۔ ﴿درمنثور ۷: ۶۴۶﴾ حضرت امام ابن جریر

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی روایت نقل کی ہے، ﴿جامع البیان ۳/۶۲﴾ علامہ ابن قیم الجوزیہ نے بھی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب جیسا کہ حدیث شریک میں وارد ہے وہ زمین پر نہیں عرش کے اوپر نصیب ہوا۔ ﴿مدارج السالکین ۳:۳۳۶﴾ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے یہاں تک کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم تو آپ پر وحی فرمائی گئی جو فرمائی گئی۔ ﴿زاد المعاد ۲:۴۷﴾ شیخ عبد اللہ بن محمد نجدی نے بھی یہی لکھا ہے، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۴۵﴾ حضرت امام زرقانی تدلیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں، حدیثِ شریک میں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذکر ہے تو یہ قرب فوق العرش نصیب ہوا۔ ﴿زرقانی علی المواہب ۸:۲۰۸﴾ حضرت امام علی القاری نے بھی فرمایا ہے، دنا فتدلّٰی کا مقام فوق العرش ہے، ﴿منح الروض الازہر ص ۳۲۳﴾ حضرت شیخ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض احادیث کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے عرش معلیٰ پر جانے کا ذکر فرمایا، یہاں تک کہ فرمایا، رب العزت ﴿کا جلوہ﴾ قریب ہوا، یہ صحیح بخاری میں ہے۔ ﴿فتاویٰ عزیزی ۲:۵۸﴾ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، آپ کی معراج کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ساتوں آسمانوں کو عبور کیا اور قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر پہنچے جہاں نہ کوئی نبی مرسل جا سکا ہے اور نہ کوئی ملکِ مقرب پہنچ سکا ہے۔ ﴿خصائص کبریٰ ۲:۳۱۵﴾ حضرت امام یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں، آپ وہاں تک گئے جہاں نہ کوئی نبی مرسل پہنچا ہے اور نہ کوئی ملک مقرب جا سکا ہے، ﴿سبل الہدیٰ﴾ حضرت امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ سدرہ سے گزر کر عرش پر پہنچے اور پھر وہاں سے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تشریف لے گئے، ﴿شرح بدالامالی: ۲۷۱﴾ حضرت امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، آپ سدرہ سے گزر کر مقام قرب پر پہنچے جو تمام اولین اور آخرین سے آگے ہے، ﴿مواہب لدنیہ﴾ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ عرش و کرسی اور زمان و مکان سے آگے نکل گئے، ﴿مکتوبات﴾ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ وہاں تک چلے گئے جہاں کوئی جگہ ہی نہیں، ﴿اشعۃ اللمعات ۴:۵۳۸﴾ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ امت کے کثیر علما کا یہی عقیدہ ہے کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نکل گئے، پھر مقام مستویٰ سے گزر

کر دنا فتدلیٰ کے مقام پر پہنچ گئے، جو عرش اعظم کے اوپر ہے، حضرت امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے کہ آپ نے جنت، عرش، حجاب، لوح اور قلم وغیرہ کا مشاہدہ نہیں کیا وہ معتزلی ہے۔

دیدارِ خدا کا اِنعام:

امت کی غالب اکثریت کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے معراج کے دوران اپنے خدا تعالیٰ کا دیدار فرمایا، چند احادیث مبارکہ اور علما کرام کی تصریحات ملاحظہ فرمایئے:

⊙...... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے، آپ نے فرمایا: رایت نوراً میں نے نور ہی نور دیکھا۔ ﴿صحیح مسلم ۲:۹۹﴾

⊙...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، **راہ بقلبہ** حضور اقدس ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ ﴿صحیح مسلم ۲:۹۹ جامع ترمذی ص ۴۷۲﴾

⊙...... انہی سے روایت ہے، **راہ بفوادہ مرتین**، آپ ﷺ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ ﴿ایضاً﴾

⊙...... حضرت عکرمہ نے ان سے پوچھا کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، ﴿یہ قرآن کی آیت ہے﴾ انہوں نے فرمایا، **ویحک اذا تجلی بنورہ الذی ہو نورہ وقدرای محمد ربہ مرتین**، تجھ پر افسوس یہ اس وقت ہے جب وہ اپنے نورِ خاص سے تجلی فرمائے اور بیشک حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا ہے، یہ حدیث حسن غریب ہے، ﴿جامع ترمذی ص ۴۷۱﴾

⊙...... آیت کریمہ ہے، بے شک اس نے اس کو دوسری بار دیکھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے تحت مروی ہے، **قد راہ النبی** ﷺ، بے شک حضور نبی کریم ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے، یہ حدیث حسن ہے، ﴿ایضاً ص ۴۷۲﴾

⊙...... حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو

حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم فرما دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو بار کلام کیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اُس کو دو بار دیکھا۔﴿جامع ترمذی ص ۱۷۴﴾

⊙...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ رایت ربی تبارک و تعالیٰ، میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے،
﴿مسند احمد ۱: ۲۸۵﴾

⊙...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، کیا تم تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے خلت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے کلام ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ کیلئے دیدار ہے، یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے اگرچہ انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔﴿المستدرک ۱: ۶۵﴾

⊙...... انہی سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ رایت ربی عزوجل، میں نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے، اس کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کے تمام رجال صحیح ہیں۔﴿مجمع الزوائد ۱: ۷۸﴾

⊙...... انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دو بار دیدار کیا، ایک بار آنکھ سے اور ایک بار دل سے، اسے امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس کے تمام رجال صحیح ہیں سوائے جھور بن منصور کوفی کے اور اسے بھی امام ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔﴿ایضاً ۱: ۷۹﴾

حضورِ اقدس ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں دیکھا، اس بارے میں اختلاف ہے، لیکن زیادہ تر صحابہ اور علما کا قول ہے کہ رب تعالیٰ کو دیکھا ہے، حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، آیا حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے، انہوں نے کہا، ہاں، علامہ نووی نے کہا یہ اکثر علما کا قول ہے، امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے، حضرت امام نسائی اور حضرت امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، کیا تم تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خلت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے کلام اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کیلئے دیدار ہو، حضرت امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ انہی سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو ایک بار آنکھ سے اور ایک بار دل سے دیکھا، جن احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے دل سے دیکھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دل سے اللہ تعالیٰ کو جانا، آپ کو علم تو پہلے بھی تھا، اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رویت کو اس طرح پیدا کر دیا جس طرح وہ آنکھ میں پیدا کرتا ہے، عقلاً رویت آنکھ کیلئے خاص نہیں بلکہ وہ اس پر قادر ہے کہ جس عضو میں چاہے رویت کو پیدا کر دے، اگرچہ آنکھ میں رویت کو پیدا کرنا اسکی عادتِ جاری ہے، حضرت امام ابن خزیمہ نے قوی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے، خلال نے کتاب السنہ میں امام مروزی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، ان کے اس انکار کا کیا جواب ہے، انہوں نے فرمایا، ان کا جواب حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، آپ کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بڑا ہے، نقاش نے ان سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس کی اس حدیث کا قائل ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بار بار کہتے رہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے، یہاں تک کہ آپ کا سانس پھول گیا۔ ﴿زرقانی علی المواہب ۶:۱۱۶﴾ حضرت امام ابن کثیر نے کچھ مزید روایات کا ذکر کیا ہے، محمد بن کعب سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا' یارسول اللہ! کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے اپنے دل سے دوبار دیکھا ہے، امام ابن جریر نے بعض صحابہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے اپنے رب تعالیٰ کو دل سے دوبار دیکھا ہے، پھر یہ آیت پڑھی، **ثم دنیٰ فتدلی**، ﴿تفسیر ابن کثیر ۶:۴۴۷﴾ ابنِ کثیر دل سے دیکھنے کے قائل ہیں لیکن جمہور علما کا مذہب ہے کہ سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہ یہ ہے

کہ وہ رویت علی وجہ الاحاطہ کی نفی کرتی ہیں، ﴿شرح مسلم سعیدی ۱:۷۰۷﴾ حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس کا اختلاف ہے، وہ ان سے زیادہ عالم نہیں ہیں، پھر حضرت ابن عباس کی روایات رویت باری کا اثبات کرتی ہیں اور حضرت عائشہ کی روایات نفی کرتی ہیں، جب مثبت اور منفی روایات میں تعارض ہو تو مثبت روایات کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے، حاصلِ بحث یہ کہ اکثر علما کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شبِ معراج رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے، ﴿شرح مسلم نووی ۱:۹۷﴾ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اکثر علما کے نزدیک راجح ہے کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور اس چیز کا اثبات حضور اکرم ﷺ سے سماع کے بغیر نہیں ہوسکتا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو نفی فرمائی تو انہوں نے کسی حدیث کی وجہ سے نہیں فرمائی، ان کا استدلال قرآن پاک کی آیات سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک میں احاطے کی نفی ہے تو اس سے بغیر احاطے کے رویت کی نفی کب لازم آتی ہے، ﴿الدیباج ۱:۲۴۷﴾ حضرت امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دیدار کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اثبات کرتے ہیں تو موافقت کیسے ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رویت بصری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رویت قلبی کو ثابت کرتے ہیں، ﴿گویا رویت قلبی کے دونوں قائل ہوئے﴾ امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں دیدار باری کو ثابت کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا، ایک بار آنکھوں سے اور ایک بار دل کی آنکھوں سے، ﴿عمدۃ القاری ۱۹:۱۹۹﴾ حضرت امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ مشہور روایت یہی مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا، یہ روایت متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے اور یہ اس روایت کے منافی نہیں جس میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دل سے دیکھا ہے، قرآن پاک میں بھی ہے، **ما کذب الفواد ما رای**...... **مازاغ البصر وما طغیٰ**، آپ کی آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کی

تکذیب نہیں کی، آپ کی نظر ایک طرف نہ ہٹی اور نہ حد سے بڑھی، امام حاکم، امام نسائی، اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیدار کے ساتھ خاص کیا تو یہاں مراد رویت بصری ہے نا کہ رویت قلبی، کیونکہ رویت قلبی تو ہر نبی کو حاصل ہے، ﴿نسیم الریاض ۲: ۲۸۷﴾ امام اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، ﴿روح البیان ۹: ۲۲۲﴾ شیخ عبداللہ بن محمد نجدی لکھتے ہیں، چونکہ ابن عباس کے قول میں اثبات ہے اس لئے اکثر اہل سنت اسکو ترجیح دیتے ہیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۳۵۸﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور سید البشر ﷺ جب معراج کی رات رویت باری سے مشرف ہوئے جو ظلال کے پردوں سے دور بلکہ بہت ہی دور تھی اور ظلیت کے شائبہ اور آمیزش سے پاک تھی تو ان کے حق میں غیب رویت سے کامل کب رہ گیا، غیب پر اکتفا تو صرف ظلیت کو رفع کرنے کیلئے تھا اور جب ظلیت رفع ہوگئی اور عین حضوری میسر آگئی تو غیب کی کیا ضرورت رہ گئی، یہ وہ متاع عزیز ہے جو صرف سید الکونین ﷺ کیلئے مخصوص ہے اور آپ کے کامل اطاعت گزاروں کو وراثت کے طور پر کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ ﴿مکتوب ۸ دفتر سوم﴾ معراج کی رات آپ ﷺ کے جسم اور روح دونوں کو معراج ہوئی لہذا دیدار الٰہی بھی بصارت اور بصیرت دونوں کو نصیب ہوا، جنت اور مافوق العرش کا معاملہ عالم آخرت سے تعلق رکھتا ہے لہذا وہاں رویت باری کا نصیب ہونا کسی اشکال کو جنم نہیں دیتا، علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم دولت سے سرفراز کیا، پس آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، دیکھا، جس طرح امام احمد نے فرمایا، یہ دیدار ایسے تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کو دیکھتا ہے، نہ وہ آنکھیں بند کرتا ہے اور نہ ٹک ٹکی باندھ کر دیکھنے کی طاقت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان، **مازاغ البصر وما طغیٰ** کا یہی مفہوم ہے، ﴿فیض الباری شرح البخاری﴾ یہاں ایک اور استحالہ جنم لیتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، حضور اقدس ﷺ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کو دیکھا تھا کیونکہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ **ولقد راہ بالافق المبین** اور **ولقد راہ نزلۃ اخریٰ** سے کون مراد ہے تو آپ نے فرمایا، وہ حضرت

جبریل علیہ السلام تھے، یہ روایت صحیح مسلم میں موجود ہے، جواباً عرض ہے کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بالکل درست ہے اور حضور اقدس ﷺ کا فرمان بالکل برحق ہے، آپ ﷺ نے افق مبین میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ہی دیکھا تھا، لیکن معراج کی رات وھو بالا فق الا علیٰ کی بات ہو رہی ہے، افق مبین اور افق اعلیٰ میں فرق ہے، افق مبین کا ذکر سورۃ التکویر میں ہے جہاں حضرت جبریل علیہ السلام کا تذکرہ ہے، جبکہ افق اعلیٰ کا ذکر سورۃ النجم میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے قرب خاص کی داستان ہے، پھر آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین کہا جا سکتا ہے لیکن افق اعلیٰ وہی ہوگا جو تمام آفاق اور افلاک سے بلند تر ہوگا، حضور اکرم ﷺ کو وہاں تک رسائی نصیب ہوئی اور آپ نے اپنے رب تعالیٰ کے جلوۂ لاریب کو مشاہدہ فرمایا، یہی امت کی غالب ترین اکثریت کا نظریہ ہے۔

میان طالب و مطلوب رمزیست:

حریمِ ناز میں محبوبِ ذیشان ﷺ حاضر ہوئے تو طالب اور مطلوب کے درمیان کیا گفتگو جاری ہوئی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محبوب! مانگیئے، آپ نے عرض کیا، اے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ان کو عظیم سلطنت عطا فرمائی، تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام عطا کیا، تو نے حضرت داؤد علیہ السلام کو عظیم مملکت عطا فرمائی اور ان کیلئے لوہے کو نرم کیا اور پہاڑوں کو مسخر کیا، تو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم سے نوازا اور ان کیلئے جنوں، انسانوں، پہاڑوں، شیطانوں اور ہواؤں کو مسخر فرمایا، ایسی عظیم مملکت ان کے بعد کسی کو میسر نہیں، تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تورات اور انجیل کا علم دیا، انہیں مادرزاد اندھوں اور برص کے بیماروں کو شفا دینے والا اور مردوں کو زندہ کرنے والا بنایا، تو نے ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان سے محفوظ رکھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محبوب! میں نے تمہیں اپنا حبیب بنایا جیسا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ وہ میرا حبیب ہوگا اور تمہیں تمام انسانوں کیلئے بشیر اور نذیر بنایا، تمہارا سینہ کشادہ کیا اور تم سے بوجھ اتار دیا اور تمہارا ذکر بلند کر دیا، تو جہاں بھی میرا ذکر ہوتا ہے وہاں تمہارا ذکر بھی ہوتا ہے، تمہاری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا اور اسے امت وسط قرار دیا اور اسکو اول اور آخر بنایا، تمہاری امت کے بعض لوگوں کے دل کتاب

حکمت سے معمور کیے گئے، ان کا کوئی خطبہ درست نہیں ہوگا جب تک وہ تمہارے عبد خاص اور رسول خاص ہونے کی گواہی نہ دیں گے، میں نے تمہیں خلقت میں افضل، تمام انبیا میں اول اور بعثت میں آخر بنایا اور تمہیں سبع مثانی اور سورۃ البقرہ کی آیات عرش کے خزانے سے عنایت فرمائیں، جو تم سے پہلے کسی پیغمبر کو حاصل نہیں ہوئی تھیں، پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میرے پروردگار نے مجھے فضیلت عطا کی اور تمام جہانوں کیلئے رحمت بنایا، تمام انسانوں کیلئے بشیر اور نذیر بنایا، میرے دشمنوں کے دل میں ایک مہینے کی مسافت سے میرا رعب ڈال دیا، میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کیلئے حلال نہیں تھا، تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور تیمم کا ذریعہ بنا دیا، مجھے کلام کے ابتدائیے، خاتمے اور جوامع عطا کئے، مجھ پر تمام امت کو پیش کیا کہ امت کا کوئی فرد مجھ سے پوشیدہ نہیں خواہ وہ تابع ہو یا متبوع ہو، ﴿دلائل النبوۃ ۲:۴۰۲، مجمع الزوائد ۲:۴۰۳﴾

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا حضور خاص میں میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے کچھ دریافت کیا تو مجھ میں اتنی تاب نہیں تھی کہ میں جواب دے سکتا، اس وقت اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف وحد بڑھایا تو میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہ گنجینہ میں محسوس کیا، اس وقت مجھے اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا اور طرح طرح کے علوم تعلیم فرمائے جن میں ایک علم ایسا ہے جس کے ظاہر نہ کرنے کا عہد مجھ سے لیا گیا، ہر کوئی اس کے برداشت کی طاقت بھی نہیں رکھتا، بجز میرے ایک علم ایسا ہے جس کے ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا گیا اور ایک علم ایسا ہے جس کو اپنی امت کے ہر خاص و عام میں تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا، میں نے پوچھا، اے باری تعالیٰ! میں نے ابوبکر صدیق کی آواز سنی تھی، وہ کہاں سے آئے، تیری نماز کا کیا مفہوم ہے، فرمایا، میں نماز گزارنے سے بے نیاز ہوں، میں تو یہ فرماتا ہوں، سبحانی سبقت رحمتی علیٰ غضبی، مجھے پاکی ہے، میری رحمت، میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے، پھر اس آیت کو تلاوت کیجئے، ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہٗ .... خدا وہ ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لائے، تو میری صلوٰۃ تم پر اور تمہاری امت پر ہے، اب

رہا تمہارے رفیق ابو بکر صدیق کی آواز سنوانا تو یہ انسیت کیلئے ہے تا کہ تم انس گیر ہو کر اس پر ہیبت مقام میں اپنے حال پر آ سکو، اے محمد! جب ہم نے چاہا کہ ہم تمہارے بھائی موسیٰ سے ہمکلام ہوں تو ان پر ایک عظیم ہیبت طاری ہو گئی تھی، اس وقت ہم نے ان سے پوچھا، **وما تلک بیمینک یاموسیٰ**، اے موسیٰ وہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے، موسیٰ کو عصا کے ذکر سے انسیت ہوئی اور وہ اپنے حال پر آ گئے، اس لئے تمہارے لئے تمہارے رفیق ابو بکر صدیق کی آواز پیدا فرمائی کیونکہ تم اور ابو بکر ایک ہی طینت پر پیدا کئے گئے ہو، وہ تمہارا دنیا اور آخرت میں انیس ہے، لہٰذا میں نے ایک فرشتے کو ان کی صورت پر پیدا کیا کہ وہ ان کی مشابہ آواز میں ندا کرے تا کہ تم سے وحشت جاتی رہے، اس کے بعد حق تعالیٰ نے دریافت فرمایا، جبریل کی وہ حاجت جس کے بارے میں اس نے تم سے عرض کیا تھا' وہ کیا ہے، میں نے عرض کیا، خداوند! تو اسے خوب جانتا ہے، فرمان باری ہوا، میں نے اس حاجت کو قبول فرمایا لیکن ان لوگوں کے حق میں جو تمہیں چاہتے ہیں، تمہیں دوست رکھتے ہیں اور تمہاری صحبت میں رہتے ہیں، پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میرے لئے سبز رنگ کا رفرف بچھایا گیا جس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا، اس سے میری آنکھوں کا نور چمکنے لگا، مجھے اس رفرف[1] پر بٹھایا گیا تو وہ روانہ ہوا، یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا، اس کے بعد ایک ایسا امر عظیم دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں، پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور میری زبان پر گرا، میں نے اسکو چکھا تو اس سے زیادہ شیریں کسی چکھنے والے نہ چکھا ہوگا اور مجھے اولین اور آخرین کی خبریں حاصل ہو گئیں اور میرا دل روشن ہو گیا اور عرش کے نور سے میری آنکھ کو ڈھانپ لیا گیا، اس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دل سے دیکھا اور اپنے پس پشت بھی ایسا ہی دیکھنے لگا جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں، ﴿مدارج النبوۃ ۱:۳۰۶﴾ باخبر رہنا چاہئے کہ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ اس محل رفیع میں حجابات تھے تو یہ حجابات مخلوق کے حق میں ہیں نہ کہ خالق عز و جل کے حق میں، حق تعالیٰ پاک ہے کہ وہ محجوب ہو اور کوئی چیز اسے چھپا سکے، اس لئے کہ حجاب بمقدار محسوس محیط ہوتا ہے اور خلق خدا، حق تعالیٰ سے اسما و صفات اور ان افعال کے معانی

---

[1]: رفرف بچھونے کو کہتے ہیں جو نرم ہو اور دیبا وغیرہ سے بنایا گیا ہو، ﴿مدارج النبوۃ ۱:۳۰۶﴾

سے محجوب ہے اور ساری مخلوق میں سے انوار و ظلمات میں سے ہر ایک کیلئے حجاب کا ایک جانا پہچانا مقام ہے اور ادراک و معرفت کا مقررہ حصہ ہے اور وہ ملائکہ مقربین جو عرش کے گرداگرد ہیں اور وہ کروبیان جو مقربان بارگاہ قدس ہیں، یہ سب حضرت حق کی کبریائی، جلالت، عظمت اور ہیبت کے نور سے محجوب ہیں، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۳۰۷﴾ روایت ہے کہ جب حضور انور ﷺ قاب قوسین پر فائز ہوئے تو آپ نے امت کے احوال پیش کئے، عرض کیا، اے پروردگار! تو نے بہت سی امتوں پر عذاب فرمایا، کسی کو پتھروں سے، کسی کو خسف سے یعنی زمین میں دھنسا کر اور کسی کو مسخ سے، حق تعالیٰ نے فرمایا، میں ان پر رحمت نازل کروں گا اور ان کی بدیوں کو نیکیوں سے بدل ڈالوں گا، جو کوئی مجھ سے دعا کرے گا میں لبیک کہوں گا، دنیا میں ان کے گناہوں کو چھپاؤں گا اور آخرت میں تمہیں ان کا شفیع بناؤں گا۔ ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۳۰۹﴾

معراجِ ذیشان سے مراجعت:

جب حضور نبی کریم ﷺ نے اس عالم سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو بارگاہ قدس میں عرض کیا، اے رب تعالیٰ! ہر مسافر کیلئے واپسی کا تحفہ ہوتا ہے، میری امت کیلئے اس سفر کا کیا تحفہ ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا، انکی زندگی بھر میں ان کا ہوں، ان کے مرنے کے بعد بھی میں ان کا ہوں، ان کی قبروں میں بھی میں ان کا ہوں اور حشر میں بھی میں ان کا ہوں، غرضیکہ ہر حال میں ان کا مددگار ہوں، **فطوبی لکم یا امة محمد و بشری لکم**، اے امت محمد! تمہیں مبارک اور بشارت ہو، ﴿مدارج النبوۃ ۱: ۳۱۰﴾ آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا، ﴿دلائل النبوۃ ۲: ۴۰۲﴾ حضرت امام بخاری نے روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نیچے اترے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے، انہوں نے آپ کو روک لیا اور کہا، اے محمد مصطفےٰ! آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو کیا حکم دیا، آپ نے فرمایا، اس نے مجھے دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم دیا ہے، انہوں نے کہا، آپ کی امت اسکی طاقت نہیں رکھتی، آپ واپس جایئے تا کہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کی امت سے تخفیف کر دے، پھر آپ ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے گویا ان سے مشورہ مانگ رہے تھے، انہوں نے کہا، بالکل ٹھیک ہے، پھر آپ ﷺ بارگاہ خدا میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے رب تعالیٰ، ہمارے لئے تخفیف فرما دے کیونکہ

میری امت اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی، تب اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں، پھر آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے پھر روک لیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کو بار بار رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بھیجتے رہے یہاں تک پانچ نمازیں رہ گئیں، ﴿بعض روایات میں پانچ پانچ کر کے تخفیف کرنے کا ذکر ہے﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر آپ کو روک لیا اور کہا، اے محمد مصطفےٰ! خدا تعالیٰ کی قسم میں اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کر چکا ہوں وہ پانچ سے کم نمازیں بھی ادا نہ کر سکے تھے اور ان کو چھوڑتے رہے، آپ کی امت جسموں، بدنوں، آنکھوں، قلبوں، کانوں کے اعتبار سے ان سے زیادہ کمزور ہے لہذا آپ ایک مرتبہ پھر جایئے اور اپنے رب تعالیٰ سے تخفیف کروا لیجئے، آپ ﷺ ہر بار حضرت جبریل کی طرف مشورہ کیلئے متوجہ ہوتے تھے، انہوں نے اس کو ناپسند نہیں کیا چنانچہ آپ ﷺ پھر گئے اور عرض کیا، اے رب تعالیٰ! میری امت جسم، دل، کان اور بدن کے اعتبار سے کمزور ہے لہذا ہم سے مزید تخفیف فرما دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محمد! میں نے لوح محفوظ میں جو لکھ دیا ہے اس میں تبدیلی نہیں آئے گی، اب ہر نیکی کا دس گنا اجر ہے، پس یہ لوح محفوظ میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں فرض ہیں ﴿گویا پانچوں کے بدلے پچاس کا ثواب ملے گا﴾ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور فرمایا، ہمارے رب تعالیٰ نے تخفیف فرما دی ہے اور ہمارے لئے ہر نیکی کا دس گنا اجر کر دیا ہے، انہوں نے پھر جانے کا مشورہ دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں تجربہ بیان کیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا، اے موسیٰ! خدا کی قسم! اب مجھے اپنے رب تعالیٰ سے حیا آتی ہے، پھر اسی رات آپ واپس مسجد حرام میں محو استراحت ہو گئے اور صبح کو بیدار ہوئے۔

﴿صحیح بخاری ۲: ۱۱۲۰﴾

قریش کا شدید رد عمل:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معراج کی صبح آپ نے قریش مکہ کو رات کے عجائبات کی خبر دی اور فرمایا میں گزشتہ رات کو بیت المقدس گیا تھا اور مجھے آسمان کی معراج نصیب ہوئی تھی اور میں نے فلاں فلاں چیز کا مشاہدہ کیا تھا، اس پر ابو جہل بن ہشام نے کہا، لوگو! کیا تمہیں ان کی باتوں پر حیرت نہیں ہوتی، یہ ایک ماہ کی

مسافت پر موجود بیت المقدس سے راتو رات ہو کر آ گئے، پھر آپ نے ان کو قریش کے قافلے کی خبر دی اور فرمایا، میں نے اس کو جاتے وقت فلاں جگہ دیکھا اور آتے وقت فلاں جگہ دیکھا تھا، پھر آپ نے قافلے کے ہر شخص کے اونٹ کی خبر دی کہ وہ اس طرح کا تھا اور اس پر فلاں سامان لدا ہوا تھا، ایک مشرک نے کہا کہ مجھے بیت المقدس کی عمارت اور اس کی کیفیت کے بارے میں مکمل علم ہے، اگر یہ سچے ہیں تو ابھی پتا چل جائے گا، پھر اس نے سوالات کرنے شروع کر دیئے، تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس اٹھا کر آپ کے سامنے کر دیا، جس طرح ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں، آپ اسی طرح دیکھ کر بیت المقدس کے متعلق بتاتے رہے، آپ نے بتایا کہ اس کی عمارت اس طرح کی ہے، اس کی ہیت اور کیفیت اس طرح کی ہے اور وہ پہاڑ کے اس طرح قریب ہے، اس مشرک نے کہا، آپ نے سچ فرمایا ہے، اس نے اپنے ساتھیوں سے بھی کہا کہ محمد مصطفیٰ کریم ﷺ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ ﴿دلائل النبوۃ ۲: ۳۹۵، تفسیر ابن کثیر ۴: ۲۵۴﴾ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قریش مکہ نے میرے دعویٰ معراج کی تکذیب کی تو میں کعبہ مشرفہ کے میزاب کے نیچے کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا تو میں اس کو دیکھ کر علامات بیان کرتا رہا۔ ﴿صحیح بخاری ۲: ۵۴۸﴾ حضرت امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ معراج کی رات حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں آرام فرما تھے، پھر میں نے اس رات آپ کو وہاں موجود نہ پایا، ﴿یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ معراج جسمانی ہوئی تھی﴾ پھر آپ نے معراج کا پورا واقعہ بیان کیا اور فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کروں، میں نے آپ کا دامن کرم پکڑ کر عرض کیا، اگر آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ کا انکار کریں گے اور آپ کو جھٹلائیں گے، آپ دامن چھڑا کر اپنی قوم کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان فرمایا، جبیر بن مطعم نے کہا، اگر آپ گئے ہوں تو اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتے، ایک مشرک نے کہا، کیا آپ نے فلاں فلاں جگہ ہمارے اونٹوں کو دیکھا تھا، آپ نے فرمایا، خدا تعالیٰ کی قسم! دیکھا تھا، قافلے والے اپنے ایک گم شدہ اونٹ کو تلاش کر رہے تھے، اس مشرک نے کہا، کیا آپ بنو فلاں کے اونٹوں کے پاس سے

گزرے تھے، آپ نے فرمایا، ہاں، میں نے انکو فلاں جگہ پر دیکھا تھا انکی سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، اس کے پاس پیالے میں پانی تھا جسے میں نے پی لیا تھا، اس نے کہا، یہ بتایئے کہ ان کے پاس اونٹنیاں کتنی تھیں اور ان کے چرواہے کون تھے، آپ نے فرمایا، میں نے ان کی گنتی نہیں کی تھی، پھر اسی وقت وہ جانور اور چرواہے آپ کے سامنے حاضر کر دیئے گئے تو آپ نے ان کو شمار کر لیا اور ان کے چرواہوں کو جان لیا، آپ نے فرمایا، سنو! وہ جانور اتنے ہیں اور چرواہے فلاں ہیں، ان میں ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چرواہے بھی تھے، وہ صبح وادی ثنیہ میں پہنچ جائیں گے، قریش مکہ آزمائش کی خاطر وادی ثنیہ میں پہنچ گئے تو انہوں نے اونٹوں اور چرواہوں کو دیکھ دیا، پھر انہوں نے پوچھا، کیا تمہارا اونٹ گم ہو گیا تھا، اہل قافلہ نے کہا، ہاں، پھر دوسرے لوگوں سے پوچھا، کیا سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، وہ بھی بولے، ہاں، پھر انہوں نے پوچھا، کیا تمہارے پاس پانی کا پیالہ تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کر دی، بخدا میں نے پیالہ رکھا تھا، اس سے کسی نے پانی پیا تھا اور نہ کسی نے زمین پر گرایا تھا ﴿لیکن وہ خود بخود ختم ہو گیا تھا﴾ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس تصدیق پر آپ کو صدیق کہا جانے لگا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر ۴: ۲۷۶﴾ یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پوچھے بغیر پانی کیوں پی لیا، اس کا جواب یہ ہے کہ روایت کے آخری الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ پیالہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا اور حضور پر نور ﷺ کمال محبت کے ساتھ ان کے مال واسباب کو اپنا مال واسباب سمجھتے تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صبح معراج کو جب مشرکین مکہ نے یہ واقعہ سنا تو وہ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا، تمہارے پیغمبر نے یہ واقعہ بیان کیا ہے، اب تمہارا کیا فیصلہ ہے، انہوں نے فرمایا، اگر حضور نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں تو اس سے بھی بعید چیزوں کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ جب آسمانی خبریں بیان کرتے ہیں، اسی دن سے حضرت ابو بکر صدیق کا نام صدیق پڑ گیا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر ۴: ۲۴۸﴾ اتنی عظیم شہادتوں کے باوجود کفار مکہ نے آپ کی تصدیق نہ کی بلکہ مزید ایذا رسانیوں اور ستم رانیوں پر اتر آئے، ابو جہل وغیرہ نے تالیاں بجائیں اور آپ کا مذاق اڑایا، مطعم بن

عدی نے کہا، تمہاری سابقہ باتیں تو ٹھیک تھیں مگر اس واقعہ کے متعلق میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، ﴿معاذ اللہ﴾ لات اور عزیٰ کی قسم میں تمہیں سچا نہیں مانتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے، اے مطعم! تو نے برا کہا ہے، برا کہا ہے، تم نے اپنے بھتیجے کی تحقیر اور تکذیب کی ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ سچ فرماتے ہیں، پھر سوال و جواب ہوتے رہے، تجارتی قافلوں کے بارے میں پوچھا جانے لگا، آپ کی ہر بات درست ثابت ہوئی مگر ظالم پھر بھی کمالات رسول کو ماننے کی بجائے جادو کی کرشمہ سازی سمجھتے رہے اور کہنے لگے، ولید نے سچ ہی کہا تھا، کیا عقلِ نارسا ہے، سب سے بڑے جھوٹے کی تصدیق کر رہے تھے اور سب سے بڑے سچے کی تکذیب کر رہے تھے، اس طرح اس واقعہ نے ان کو پہلے سے بھی زیادہ ہلاکت میں دھکیل دیا۔

بطریقِ روم کی تصدیق:

حضرت محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصر روم کے دربار میں بھیجا تو وہاں ابوسفیان بھی موجود تھا، قیصر روم نے اس سے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق سوالات کیے، اس وقت ابوسفیان نے کہا، میں اس نبی کی ایک بات بتاتا ہوں جس سے اس کی تکذیب لازم آتی ہے، وہ یہ کہ اس نے کہا، میں نے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کیا اور اس رات صبح ہونے سے پہلے مسجد حرام واپس آ گیا، مسجد اقصیٰ کا بطریق قیصر روم کے پاس کھڑا تھا، اس نے کہا، مجھے اس رات کا بخوبی علم ہے، پھر قیصر روم کے استفسار پر اس نے بتایا کہ میں ہر رات کو مسجد کے دروازے بند کر کے سوتا ہوں، اس رات بھی میں نے تمام دروازے بند کر دیئے مگر ایک دروازہ بند نہ کر سکا، میں نے کاریگروں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس کی چوکھٹ بیٹھ گئی ہے، اسے اس وقت ٹھیک نہیں کیا جا سکتا، میں اس رات اس دروازے کو کھلا چھوڑ گیا، صبح کو آیا تو دیکھا کہ مسجد کے قریب ایک پتھر میں سوراخ تھا اور وہاں سواری کو باندھنے کا نشان تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گذشتہ رات یہ دروازہ صرف نبی کیلئے کھلا رکھا گیا تھا اور اس رات کو ہماری مسجد میں نماز ادا کی گئی تھی۔ ﴿دلائل النبوۃ ۲: ۴۰۴﴾

نماز کے اوقات:

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے کہ بیشک مومنوں پر نماز وقت مقرر کے مطابق فرض کی گئی ہے، معراج کی رات نمازیں تو پانچ حاصل ہو گئیں، اب ان کے اوقات کا مسئلہ باقی تھا، چنانچہ اسی روز زوال کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ارسال کیا کہ حضور اقدس ﷺ کو نماز کے اوقات اور کیفیات کے بارے میں آگاہ کیا جائے، حضرت جبریل علیہ السلام دو روز تک ہر نماز کے وقت آپ کی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے رہے اور آپ کی امامت کراتے رہے، صحابہ کرام کی عظیم جماعت حضور اقدس ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کرتی رہی، اوقات نماز کے متعلق ایک انتہائی جامع حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا:

حضرت جبریل علیہ السلام نے میری امامت کرائی، پہلے دن انہوں نے ظہر کی نماز پڑھائی، جب سورج ڈھلا اور سایہ ایک تسمے کے برابر تھا، مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ اسکی ایک مثل ہو چکا تھا، مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جب روزہ دار اپنا روزہ افطار کرتا ہے، مجھے عشا کی نماز پڑھائی جب شفق غائب ہو جاتی ہے اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، دوسرے دن بھی حضرت جبریل آئے اور انہوں نے مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ اس کی مثل ہو چکا تھا، مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب ہر شے کا سایہ اسکی دو مثل ہو چکا تھا، مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جب روزہ دار اپنا روزہ افطار کرتا ہے، مجھے عشا کی نماز پڑھائی جب رات کا پہلا تیسرا حصہ گزر چکا تھا اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب روشنی پھیل چکی تھی، پھر حضرت جبریل نے میری طرف التفات کیا اور کہا، آپ سے پہلے انبیا کرام کی نمازوں کا یہی وقت تھا، اور ہر نماز کا وقت ان وقتوں کے درمیان ہے، ﴿جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، مشکوٰۃ ۱:۱۳۰، سبل الھدیٰ ۳:۲۴۳﴾

نمازوں کی رکعات کے متعلق حضرت علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں، ہجرت سے پہلے مسلمان دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں شام کو پڑھا کرتے تھے، معراج کی رات جب پانچ

نمازیں فرض ہوئیں تو ظہر، عصر اور عشا کی دو رکعتوں سے بڑھا کر چار رکعتیں کر دی گئیں، مغرب کی دو کی بجائے تین رکعتیں اور صبح کی دو رکعتیں رہنے دی گئیں، بعد میں مسافروں کیلئے چار رکعتوں والی نماز میں تخفیف کر دی گئی، ﴿سیرت ابن کثیر ۱: ۱۱۳﴾ کچھ روایات کے مطابق رکعات میں اضافہ ہجرت مدینہ کے بعد واقع ہوا، یہاں فرض رکعتوں کی تفصیل درج ذیل ہے، سنن موکدہ، غیر موکدہ، وتر اور نوافل کے متعلق تفصیل دیگر روایات میں پائی جاتی ہے، نماز معراج کا حسین تحفہ ہے، باقی ارکان اسلام زمین پر فرض کئے گئے جبکہ نماز عرش بریں پر فرض کی گئی، اسی اہتمام سے اس کی افضلیت اور منزلت نکھر کر سامنے آجاتی ہے، چونکہ یہ معراج کی رات میں فرض ہوئی اس لئے اس کو مومنین کی معراج قرار دیا گیا ہے، نماز انسان کے ظاہر اور باطن کو پاک کر دیتی ہے، نماز سے اتفاق اور اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے، نماز حسب و نسب کے دائرے سے نکال کر ایک رب ذوالجلال کے سامنے جھکاتی ہے اور یکجان بناتی ہے، نماز سے مساوات، یگانگت اور اخوت جیسے عظیم معاشرتی اخلاق جنم لیتے ہیں، دردِ دل کو فروغ ملتا ہے، روح انسانی کو بالیدگی اور تابندگی کی دولت نصیب ہوتی ہے، اسلئے حضور پیغمبر نور ﷺ نے فرمایا: نماز بہترین اندازِ عبادت ہے۔

......⊙......

باب نہم:

انصار کا قبولِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیعتِ عقبہ کے دلکش نظارے

﴿1﴾

حضرت امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، جب اللہ سبحانہ نے اپنے دین کو ظاہر کرنے اپنے نبی کو غلبہ دینے اور ان کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ ﷺ معمول کے مطابق موسم حج میں عرب کے مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے اور اپنے آپ کو ان پر پیش کرتے ہوئے عقبہ کے پاس بنوخزرج کی ایک جماعت سے ملے جس کو اللہ تعالیٰ نے سعادت دارین کیلئے منتخب فرمایا تھا، عاصم بن عمر بن قتادہ اپنی قوم کے بزرگوں سے بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے تو ان سے پوچھا، تم کون ہو، انہوں نے کہا، ہم قبیلہ خزرج کی ایک جماعت ہیں، آپ نے پوچھا، وہ خزرج جو یہود کے دوست ہیں، بولے ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تھوڑی دیر یہاں بیٹھتے نہیں، میں تم لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، بولے کیوں نہیں، ہم بیٹھ جاتے ہیں، چنانچہ وہ بیٹھ گئے، آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن حکیم کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا، اسلام کی بہتری کیلئے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ یہود ان کے ساتھ ایک شہر میں رہتے تھے، وہ اہل کتاب اور اہل علم تھے اور یہ بتوں کی پوجا کرنے والے مشرک تھے، بنوخزرج کو شہر میں غلبہ حاصل تھا، جب یہود کو کسی موقعہ پر ان سے کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ کہتے، کوئی بات نہیں، جو کچھ کرنا ہے کرلو، ایک نبی کے مبعوث

ہونے کا زمانہ نزدیک آ گیا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں تمہاری شرارتوں کا مزہ چکھائیں گے اور تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے گفتگو فرمائی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے، اے قوم! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی یہود تمہیں دھمکیاں دیتے ہیں، اب اس پر ایمان لانے میں انہیں تم پر سبقت نہیں کرنی چاہئے، چنانچہ انہوں نے اسی جگہ آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، انہوں نے کہا، ہمارے پیچھے ہماری ایک ایسی قوم ہے، جتنی باہمی عداوت اور جتنا بایک دگر خون خرابہ ان میں ہے، دنیا کی کسی قوم میں نہیں، ممکن ہے آپ کی کوششوں سے ان میں اتفاق ہو جائے، ہم وطن جا کر ان کو دعوت دیں گے اور جو دین ہم نے قبول کیا ہے، ان پر بھی پیش کریں گے، اگر آپ پر ایمان لانے میں سب کا اتفاق ہو گیا تو آپ سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہوگا، پھر وہ لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر وطن واپس چلے گئے، امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بنو خزرج کے وہ سعادت مند درج ذیل چھ آدمی تھے:

1: بنو نجار سے ابو امامہ اسعد بن زرارہ۔

2: عوف بن حارث بن رفاعہ جو ابن عفرا کے نام سے مشہور تھے۔

3: بنو عامر بن زریق بن جشم بن خزرج سے رافع بن مالک بن عجلان۔

4: بنو سلمہ سے قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔

5: بنو حرام بن کعب سے عقبہ بن عامر۔

6: بنو عبید بن عدی بن غنم سے جابر بن عبد اللہ بن رئاب بن نعمان رضی اللہ عنہم۔

یاد رہے کہ یہ جابر بن عبد اللہ مشہور صحابی جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام نہیں ہیں، بعض مورخین نے جابر بن عبد اللہ بن رئاب کی جگہ عبادہ بن صامت کا ذکر کیا ہے، پھر ان چھ سعادت مند آدمیوں نے جاتے وقت عرض کیا، امید غالب ہے کہ سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے، اگر ایسا ہوا اور سب آدمیوں نے آپ کی اتباع کر لی تو آپ سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہوگا، اگلے سال حج کے موسم میں ہم آپ سے ملیں گے، پھر وہ

خدا حافظ کہہ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۶۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۲۶۲﴾

یاد رہے کہ مقام عقبہ وادی منیٰ میں ایک مقام ہے یہاں انصار مدینہ کی موسم حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین مرتبہ بالترتیب سال گیارہ، بارہ، تیرہ نبوی میں ملاقات ہوئی، پہلی مرتبہ ملاقات میں چھ آدمی تو مسلمان ہوئے مگر بیعت کا کوئی ذکر نہیں، صرف اتنا ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی جو انہوں نے قبول کر لی اور اپنی قوم کو بھی اس طرف مائل کرنے کا وعدہ کیا، پھر جب یہ چھ آدمی اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے آپ کے متعلق آگاہ کیا اور اسلام کا پیغام گھر گھر میں پہنچایا، چنانچہ انصار مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں آپ کا تذکرہ نہ ہوتا ہو، جب اگلا سال آیا تو بارہ آدمی موسم حج کے موقعہ پر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، چھ آدمی تو وہی تھے اور چھ آدمی مزید ساتھ لائے تھے، یہ ملاقات بھی مقام عقبہ پر ہوئی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جسے تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ﴿سیرت ابن ہشام ۱:۴۸۱﴾ امام ابن سعد نے بھی طبقات کبریٰ میں اس کو بیعت عقبہ اولیٰ قرار دیا ہے، ان لوگوں نے توحید و رسالت کو تسلیم کرنے اور شرک، چوری، زنا، قتل اولاد، بہتان اور ہر قسم کی معصیت سے اجتناب کرنے پر بیعت کی تھی، انہی باتوں پر بعد میں عورتوں سے بیعت لی گئی، جیسا کہ قرآن پاک میں وارد ہے:

⊙......یاایھاالنبی اذاجاء ک المومنٰت......غفور رحیم ○ اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں حاضر ہو کر ان شرطوں پر بیعت ہونا چاہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان تراشی کریں گی جو ان کے ہاتھوں اور قدموں کے درمیان ہے اور نہ نیکی سے روگردانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت فرمالیں اور اللہ سے ان کی مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ﴿سورۃ الممتحنہ: ۱۲﴾

یہ لڑائی فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، امام ابن اسحاق نے جابر بن عبداللہ بن رئاب کے سوا پہلے چھ آدمیوں کے نام گنوائے ہیں، جابر اس سال حج میں حاضر نہیں ہو سکے

تھے، بارہ میں سے باقی سات سعادت مند افراد درج ذیل ہیں:

1: معاذ بن حارث بن رفاعہ، یہ بھی ابن عفرا کے نام سے مشہور ہیں اور پہلے عوف کے بھائی ہیں۔

2: ذکوان بن قیس زرقی، کہتے ہیں یہ مکہ مکرمہ جا کر رسول اللہ کے ساتھ رہنے لگے تھے، اس لئے یہ انصاری مہاجر ہیں اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔

3: عبادہ بن صامت بن قیس۔

4: ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ بلوی۔

5: عباس بن عبادہ، یہ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ پانچوں حضرات قبیلہ خزرج سے ہیں۔

6: ابوالہیثم بن تیہان اشہلی۔

7: عویم بن ساعدہ، یہ دونوں قبیلہ اوس کے فرد ہیں، رضی اللہ عنہم

یہ بارہ آدمی اسلام لائے اور عورتوں جیسی بیعت کی یعنی بعد میں فتح مکہ کے موقع پر جن باتوں کے بارے میں عورتوں سے بیعت لینے کا حکم نازل ہوا، اسی کے مطابق انہوں نے بیعت کی، حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے، میں ان نقیبوں میں سے ہوں، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسطرح بیعت کی، ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، زنا نہیں کریں، جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کریں گے، لوٹ نہیں ڈالیں گے، نافرمانی نہیں کریں گے، اگر ہم اس کے مطابق عمل کریں گے تو جنت کے مستحق ہوں گے اور اس میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کریں گے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا اور ایک اور روایت میں ہے، جس نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا اور اس کی سزا اسکو دنیا میں مل گئی تو اس کا وہ گناہ معاف ہو جائے گا اور وہ اسکی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جائے گا اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا، چاہے اسے عذاب دے اور چاہے معاف کر دے، جب یہ لوگ جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی رضی اللہ عنہ کو روانہ

فرمادیا، انہیں حکم دیا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور احکام اسلام کی تعلیم دیں اور دین کے مسائل سے آگاہ کریں، چنانچہ مدینہ طیبہ میں حضرت مصعب کو "مقری" یعنی قرآن پڑھانے والا کہا جانے لگا، ان کی رہائش ابو امامہ اسعد بن زرارہ برادر بنی نجار کے مکان میں تھی۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۶۴﴾ ایک روایت ہے کہ انصار مدینہ نے بعد میں مکتوب لکھا تھا جس میں ایک ایسے آدمی کو بھیجنے کی استدعا کی گئی تھی جوان کو قرآن پاک کی تعلیم دیتا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس خدمتِ دین کیلئے حضرت مصعب بن عمیر اور عمرو بن ام مکتوم نابینا کو ان کی طرف بھیجا، ان کی کوششوں سے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر جیسے سردار مسلمان ہوئے۔

﴿2﴾

بیعت عقبہ ثانیہ کا مکمل واقعہ کچھ اسطرح ہے، حضرت ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نبی اکرم ﷺ دس سال تک لوگوں کے گھروں میں حج کے موسم میں، عکاظ اور مجنہ کی منڈیوں میں اور منیٰ کی اقامت گاہوں میں منادی کرتے رہے کہ کوئی مجھے اپنے ہاں رہنے کی جگہ دے اور میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام اسکی مخلوق تک پہنچاؤں، اس کو جنت ملے گی مگر کوئی آپ کی مدد نہیں کرتا تھا، حالت یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی مصر سے یا یمن سے اپنے رشتہ داروں کے ہاں جاتا تو اس کی قوم اس کو تاکید کرتی کہ خبردار! اس قریشی نوجوان سے ہوشیار رہنا، کہیں تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کردے، آپ دین خدا کی دعوت دینے کیلئے نکلتے تو لوگ انگلی سے آپ کی طرف اشارے کرتے یہاں تک کہ انصار کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ سے مکہ بھیجا، ان میں سے کوئی آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتا تو آپ اسے احکام الٰہی سکھاتے اور قرآن پڑھاتے، وہ واپس مدینہ منورہ آکر تبلیغ کرتا تو اسکے سارے گھر والے مسلمان ہو جاتے، اس طرح انصار کا کوئی خاندان ایسا نہیں تھا جس میں اسلام کا برملا اظہار کرنے والی ایک جماعت موجود نہ ہو، ایک وقت ایسا آیا کہ ہم سب اہل مدینہ نے مشورہ کیا اور طے پایا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کب تک مکہ کے پہاڑوں میں پھریں گے اور اہل مکہ سے چھپ کر زندگی گزاریں گے، ہمیں آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ بٹانا چاہئے اور اس مصیبت کی زندگی سے آپ کو نجات دلانا چاہئے، چنانچہ

ہم نے موسم حج میں آپ سے ملاقات کی اور عقبہ کی گھاٹی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا وعدہ کیا، آپ کے چچا عباس کو پتہ چلا تو کہنے لگے، بھتیجے! معلوم نہیں آپ کے پاس یہ کون لوگ آتے ہیں، اہل یثرب سے میں بھی واقف ہوں، پھر جب مقررہ جگہ میں ایک ایک دو دو آدمی مل کر آپ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور عباس نے ہمیں دیکھا تو کہا، ان لوگوں کو تو میں نہیں جانتا، یہ تو نوعمر ہیں، ہم نے کہا، یارسول اللہ! ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں، آپ نے فرمایا، خوشی اور ناخوشی پر، بات سننے اور اس کے مطابق عمل کرنے پر، تنگی اور خوشحالی میں خرچ کرنے پر اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے اور جب میں تمہارے پاس آؤں تو میری مدد کرو گے، مجھے اس چیز سے بچاؤ گے جس سے اپنی جانوں اور بیوی بچوں کو بچاتے ہو، اس کے بدلے میں تمہیں جنت ملے گی، ہم لوگ بیعت کرنے کیلئے اٹھے تو اسعد بن زرارہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا، یہ وہاں جمع ہونے والے ستر آدمیوں میں سب سے چھوٹے تھے، انہوں نے کہا، اے اہل یثرب! ذرا صبر سے کام لو اور دیکھو ہم نے آپ کی طرف سفر اس لئے کیا ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں مگر آپ کو ساتھ لے جانے میں سارے عرب کی دشمنی مول لینا ہے، ایک ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ تم پر تلواریں چلیں گی، تمہارے بہتر لوگ قتل ہوں گے اگر یہ سب کچھ برداشت کرنے کیلئے تیار ہو تو آپ کو اپنے ساتھ لے چلو، اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے پاؤ گے اور اگر تم ڈرتے ہو کہ یہ بوجھ نہیں اٹھا سکو گے تو آپ کو یہاں رہنے دو، تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ گے، یہ تقریر سن کر سب بولے، اسعد! اپنا ہاتھ پیچھے ہٹاؤ، خدا کی قسم ہم اس بیعت سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اور نہ اس کو واپس کریں گے، چنانچہ ایک ایک آدمی آتا رہا اور آپ سے بیعت کرتا رہا اور آپ اسے جنت کی بشارت دیتے رہے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۲:۲۷، سیرت ابن کثیر۲:۱۹۵، سبل الھدیٰ ۳:۲۷۷﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کتنے خوبصورت ہیں، **یاخذ علینا شرطه و یعطینا علیٰ ذالک الجنة**، حضور اقدس ﷺ اپنی شرط پر ہم سے بیعت لیتے رہے اور ہمیں جنت عطا فرماتے رہے، یہ روایت امام احمد اور امام بیہقی نے بھی بیان کی ہے، امام حاکم اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے، امام ابن اسحاق کے نزدیک بیعت عقبہ ثانیہ میں

شریک افراد کی تعداد تہتر تھی جن میں دو خواتین بھی تھیں، ایک کا نام ام عمارہ نسیبہ بنت کعب جو قبیلہ مازن بنی نجار سے تعلق رکھتی تھیں، دوسری خاتون کا نام اسما بنت عمرو بن عدی تھا جو بنوسلمہ سے تعلق رکھتی تھیں، علامہ ابن کثیر کے نزدیک گیارہ افراد قبیلہ اوس سے جبکہ باسٹھ افراد قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، انصار کے قافلے کی قیادت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے، اس قافلے میں یثرب کے مشرک بھی تھے، حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت معصب کی کامیاب سرگرمیوں کو سن کر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا۔ ﴿سیرت حلبیہ ا:۴۰۸﴾ یثرب کے مشرکین میں سے ایک سردار عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی تھا، انصار نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو، ہمیں گوارا نہیں کہ تم ہمیشہ کیلئے دوزخ میں چلے جاؤ، چنانچہ وہ بھی ان کی تبلیغ پر مسلمان ہو گیا اور بیعت عقبہ میں شرکت کی، اس تاریخی بیعت میں انصار نے کمال جانثاری کا مظاہرہ کیا، ایک روایت ہے کہ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی طرف رخ کر کے عرض پرداز ہوئے، یارسول اللہ! ہم اگر آپ کی پیروی میں لوگوں سے جنگ کریں اور تمام تر رشتہ داریاں پس پشت ڈال دیں تو آپ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنے شہر تو نہیں چلے آئیں گے، آپ ان کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا، الدم الدم والھدم والھدم، تمہاری جنگ کے ساتھ میری جنگ ہوگی اور تمہاری صلح کے ساتھ میری صلح ہوگی، سیرت ابن ہشام کی روایت میں ہے، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں، جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا، پھر سب انصار نے ان الفاظ کے ساتھ بیعت فرمائی تھی:

⊙...... ابوالہیثم نے کہا، یارسول اللہ! میں آپ کی اس طرح بیعت کر رہا ہوں جس طرح بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں نے بیعت کی تھی۔

⊙...... عبداللہ بن رواحہ نے کہا، یارسول اللہ! میں اس امر پر آپ کی بیعت کر رہا ہوں کہ جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔

⊙...... اسعد بن زرارہ نے کہا، یارسول اللہ! ﷺ میں اس بات پر بیعت کر رہا ہوں کہ وفا میرے عہد کی تصدیق کرے گی اور عمل میرے قول کی تائید کرے گا۔

⊙...... نعمان ابن حارثہ نے کہا، یارسول اللہ! میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

کی راہ میں کوئی قریب اور بعید کا رشتہ خاطر میں نہیں لاؤں گا، اگر آپ کا حکم ہو تو ہم ابھی تلواریں لے کر اہل منیٰ پر پل پڑیں، آپ نے فرمایا! ابھی مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔

⊙...... عبادہ بن صامت نے کہا، یا رسول اللہ! میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاؤں گا۔

⊙...... سعد بن ربیع نے کہا، یا رسول اللہ! میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ کبھی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کروں گا اور نہ کبھی ان سے نقض عہد کروں گا۔

روایات میں آتا ہے کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ راستے کی نگرانی کر رہے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دھانے پر متعین تھے، جب تمام لوگ سکون کے ساتھ بیٹھ گئے تو حضرت عباس نے کہا، اے خزرج کے لوگو! ہماری نگاہوں میں جو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا مقام ہے اس سے تم بخوبی آگاہ ہو، ہم نے قریش مکہ کے ہم عقیدہ ہو کر بھی ان کا خوب دفاع کیا ہے، اگر تم نے اپنے معاہدے پر قائم رہنا ہے تو خوب ورنہ کل کسی مرحلے میں ان کو بے یار و مددگار چھوڑنے سے بہتر ہے کہ آج ہی دستبردار ہو جاؤ، کیونکہ یہ اپنے اہل قوم میں معزز بھی ہیں اور محفوظ بھی، انصار نے جواب دیا، اے عباس! ہم نے آپ کی گفتگو سن لی، یا رسول اللہ! اب آپ ارشاد فرمایئے، رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی چند آیات کی تلاوت فرمائی، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا اور اسلام کی بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی، پھر فرمایا، میں اپنے رب تعالیٰ کے بارے میں یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم میرا ایسے ہی دفاع کرو گے جس طرح اپنی عورتوں، بیٹیوں اور جانوروں کا دفاع کرتے ہو، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اگر ہم ان شرطوں کو مان لیں تو کیا انعام ملے گا، آپ نے فرمایا، تمہیں جنت ملے گی، انہوں نے عرض کیا، یہ سودا تو بڑا ہی فائدہ مند ہے، یہ معاہدہ نہ ہم توڑیں گے اور نہ کسی کو توڑنے دیں گے، ﴿سیرت حلبیہ ۱:۴۱۰﴾ حضور اکرم ﷺ نے انصار کے بارہ نقیب مقرر فرمائے، جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

1: حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ .... یہ بنی نجار کے نقیب مقرر ہوئے۔

2: حضرت رافع بن مالک .... یہ بنی زریق کے نقیب مقرر ہوئے۔

3: حضرت سعد بن ربیع .... یہ بنی حارث کے نقیب مقرر ہوئے۔
4: حضرت عبداللہ بن رواحہ۔
5: حضرت سعد بن عبادہ .... یہ بنی ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔
6: حضرت منذر بن عمرو۔
7: حضرت براء بن معرور۔
8: حضرت عبداللہ بن عمرو۔
9: حضرت عبادہ بن صامت۔
10: حضرت اسید .... یہ بنی عبدالاشہل کے نقیب مقرر ہوئے۔
11: حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر۔
12: حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہم (سبل الہدی ۳:۲۸۱)

ان مبارک نقیبوں میں نو کا تعلق بنوخزرج سے اور آخری تین کا تعلق بنواوس کے ساتھ تھا۔

شیطان کا اظہار غم:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے بیعت کرنے سے فارغ ہو گئے تو شیطان نے گھاٹی کی بلندی سے چلا کر کہا، اے منٰی کے خیموں میں اترنے والو! کیا تمہیں مذمم اور اسکے بے دین ساتھیوں کے منصوبوں کی کچھ خبر ہے ﴿معاذ اللہ﴾ یہ تم سے لڑنے کیلئے اکٹھے ہو رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، گھاٹی پر متعین شیطان ہے، اس کا نام ازب بن ازیب ہے، پھر آپ نے فرمایا، اللہ کے دشمن! کان کھول کر سن لے، اللہ کی قسم! میں عنقریب تیرے لئے فارغ ہو جاؤں گا، پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا، اپنے اپنے ڈیروں پر چلے جاؤ، لیکن حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ نے کہا، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو وحی کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ اجازت دیں تو ہم تلواریں لے کر اہل منٰی پر پل پڑتے ہیں اور انہیں نیند ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہمیں اس کی اجازت نہیں، آپ سب حضرات اپنے ڈیروں پر چلے جائیں، چنانچہ ہم آکر اپنے بستروں پر لیٹ گئے اور صبح تک سوتے رہے، صبح ہوئی تو قریش کے سردار اور رئیس ہمارے ڈیروں پر آئے اور پوچھنے لگے، اے گروہ خزرج! ہمیں خبر ملی

ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی کے پاس آئے ہو اور اسکو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو اور ہمارے ساتھ لڑنے کیلئے اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو، بخدا عرب کا کوئی ایسا قبیلہ نہیں کہ اس کے ساتھ لڑنا ہمیں تمہارے ساتھ لڑنے سے زیادہ ناپسند ہو، ہماری قوم کے مشرک جو وہاں موجود تھے، اٹھے اور خدا کی قسم اٹھا کر کہنے لگے ایسا ہرگز نہیں ہوا، ہمیں اس کا قطعاً علم نہیں، وہ سچ ہی کہتے تھے، انہیں واقعی اس کا کوئی علم نہیں تھا، اس موقعہ پر عبداللہ بن ابی مشہور منافق نے بھی کہا، یہ خبر باطل ہے، ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا، میری قوم اس قسم کے اہم معاملے کا فیصلہ میرے بغیر نہیں کرتی، قریش مکہ یہ سن کر مطمئن ہو کر چلے گئے لیکن بعد میں انہیں معلوم ہو گیا کہ اس قسم کا واقعہ ضرور ہوا ہے اس لئے وہ مدنی مسلمانوں کی تلاش میں نکلے مگر سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کے سوا کوئی ہاتھ نہ آیا، منذر بن عمرو بھی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے مگر سعد بن عبادہ گرفتار ہو گئے، انہوں نے ان کے ہاتھ پالان کی رسی سے ان کی گردن کے ساتھ باندھ دیئے اور مکہ مکرمہ لا کر بہت مارا پیٹا اور ان کے سر کے بال کھینچ کر عذاب دیا، ابھی وہ ظلم وستم کر رہے تھے کہ جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب نے درمیان میں آ کر چھڑایا کیونکہ جب وہ اپنی تجارت لے کر مدینہ سے گزرتے اور اہل مدینہ سے کوئی ان پر ظلم وستم کرنا چاہتا تو سعد بن عبادہ ان کو بچایا کرتے تھے، ادھر جب انصار نے دیکھا کہ سعد تو کفار مکہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں، انہوں نے جوابی حملے کیلئے تیاری کی مگر ان کو آتے دیکھ کر رک گئے اور پھر وہ سب رسول اللہ ﷺ کی عقیدت ومسرت کے ساتھ مدینہ کو کوچ کر گئے، اس موقعہ پر ضرار بن خطاب بن مرداس نے کہا ۔

تدارکت سعداً عنوۃ فاسرتہ وکان شفائی لو تدارکت منذراً

ولو نلتہ طلت و ماجراحہ وکان حقیقاً ان یھان و یھدراً

ترجمہ: میں نے سعد کو بزور بازو پکڑ لیا اور گرفتار کر لیا مگر میرا سینہ تو تب ٹھنڈا ہوتا اگر میں منذر کو بھی پکڑ لیتا اور اگر میں اس کو پکڑ لیتا تو اس کے زخموں کا خون باطل نہ ہوتا اور وہ مستحق بھی تھا کہ اس کی بے عزتی کی جائے اور اس کا خون بہایا جائے۔

حضرت امام ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان دو شعروں کا جواب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

نے درج ذیل اشعار میں دیا ؎

لست الی سعد ولا المرء منذر	اذا مامطایا القوم اصبحن ضمرا
فلو لا ابو وهب لمرت قصائد	الی شرف البرقاء یهوین حسرا
اتفخر بالکتان لما لبسته	و قد یلبس الانباط ریطاً مقصرا
فلا تک کالوسنان یحلم انه	بقریة کسریٰ او بقریة قیصرا
ولاتک کالثکلی وکانت بمغرل	عن الشکل لو کان الفواد تفکرا
ولاتک کالشاة التی کان حتفها	بحفر ذراعیها فلم ترض محضرا
ولا تک کالعادی و اقبل نحره	ولم یخشه سهم من النبل مضمرا
فانا ومن یهدی القصائد نحونا	کمستبضع تمراً الیٰ اهل خیبرا

ترجمہ: تو سعد اور منذر تک نہیں پہنچ سکتا جب تک تضمیر شدہ سواریاں ان کی سواری کیلئے موجود ہیں، اگر ابو وہب کا لحاظ نہ ہوتا تو میرے ہجو یہ قصیدے کھلم کھلا شرف البرقا تک پہنچ جاتے، کیا تو کتان کے عمدہ کپڑے پہن کر فخر کرتا ہے، حالانکہ کبھی کسان بھی ڈھلی ہوئی باریک چادریں پہن لیتے ہیں، اس اونگھنے والے کی طرح نہ بن جو خواب دیکھتا ہے کہ کبھی وہ کسریٰ اور کبھی قیصر کے شہر میں پہنچ گیا ہے اور اس مرے ہوئے بچے والی عورت کی طرح نہ ہو جو بچہ مرنے کے غم سے دور ہے، اگر اس کے دل میں سوچنے کا مادہ ہو، اور نہ اس بکری کی طرح ہو جس کی موت اس کے کھروں سے زمین کھودنے کے باعث ہوئی اور وہ اس کھدائی سے راضی نہ ہوئی، اور نہ اس چیخنے والی کی طرح ہو جس کا سینہ سامنے ہے اور ابھی اس میں باریک اور تیز تیر پیوست نہیں ہوا، ہماری طرف ہجو یہ قصیدے بھیجنے والا ایسا ہے جیسے کوئی تاجر کھجوریں بیچنے کیلئے خیبر کا قصد کرے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول ص ۲۷۶، ۲۷۷﴾

دیار یثرب کے چند واقعات:

نبوت کے بارھویں اور تیرھویں سال کے دوران دیار یثرب میں کچھ ایمان افروز واقعات کا ظہور ہوا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت اور صاحب علم

شخصیت کے حامل تھے، آپ کی زبان میں فیضان نبوت کی برکت سے ازحد تاثیر تھی، حضور نبی کریم ﷺ نے جب ان کو دیار یثرب کے لئے بھیجا تو انہوں نے جاتے ہی اپنے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ شمائل سے لوگوں کے دل جیت لئے، اس ضمن میں چند واقعات پیش خدمت ہیں تا کہ مبلغین اسلام کیلئے راہنمائی کا ذریعہ حاصل ہو جائے۔

﴿1﴾

ایک روز حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عبد الاشہل اور بنو ظفر کے علاقے میں آئے اور ایک باغیچے میں ''بئر مرق'' نامی کنویں کے پاس بیٹھ گئے، اردگرد کے علاقے سے مسلمانوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی وہاں اکٹھے ہو گئے، ان دنوں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اپنی قوم بنو عبد الاشہل کے سردار تھے، وہ دونوں ابھی مشرک اور بت پرست تھے، سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا، تمہارا باپ مرے، تم ان دونوں کے پاس جاؤ اور ان کی سرزنش کرو کہ ہمارے لوگوں کو بیوقوف نہ بنائیں، اگر مجھے اپنے خالہ زاد اسعد بن زرارہ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں خود وہاں چلا جاتا، اسید بن حضیر نے نیزہ سنبھالا اور بنو ظفر کے باغیچے کی طرف چل پڑا، اسے دیکھ کر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا، وہ ہمارا سردار آرہا ہے، اسے اس طریقے سے تبلیغ کرو کہ وہ بھی دین خدا کی تصدیق کرنے لگے، اتنے میں اسید بن حضیر قریب آ گیا، اس نے غصے کے عالم میں کہا، تم کیا ہمارے لوگوں کو بیوقوف بنانے کیلئے یہاں آ گئے ہو، اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ ذرا سی دیر ہمارے پاس بیٹھیے، ہماری گفتگو سنیے، اگر پسند آ گئی تو قبول کیجئے اور اگر آپ کو پسند نہ آئی تو ہم خاموش ہو جائیں گے، اسید بن حضیر نے کہا، تم نے انصاف کی بات کی ہے، لہذا اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر وہاں بیٹھ گیا، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کا بیان شروع کیا اور قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائیں، لوگوں نے خاموش بیٹھے ہوئے اسید بن حضیر کے چہرے پر ایمان کا جھلملاتا ہوا نور مشاہدہ کر لیا تھا، اس نے بے اختیار ہو کر کہا، آپ نے کتنی عمدہ تعلیمات کا درس دیا ہے، اگر کوئی شخص آپ کے دین میں داخل ہونا چاہے تو اسے کیا کرنا پڑے گا، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پہلے غسل کرے پھر پاکیزہ لباس

پہن کر کلمہ پڑھے اور دو رکعت نماز نفل ادا کرے، یہ ہدایت سن کر اسید بن حضیر اٹھا اور پہلے جا کر غسل کیا، پھر پاکیزہ کپڑے پہنے اور کلمہ طیبہ پڑھ کر دو رکعت نماز نفل ادا کی، پھر اس نے کہا، میرے پیچھے ایک شخص ہے، اگر وہ آپ کا پیروکار بن گیا تو ساری قوم دین خدا کو قبول کر لے گی، میں اس کو بھی آپکے پاس بھیجتا ہوں، اب حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے نیزہ پکڑا اور سعد بن معاذ کے پاس آئے، سعد بن معاذ اپنی قوم کے ہمراہ ان کا انتظار کر رہا تھا، جب اس نے حضرت اسید بن حضیر کو آتے دیکھا تو پکار اٹھا، میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں، اسید کا چہرہ بدلہ ہوا ہے، جس چہرے کے ساتھ وہ گیا تھا، اس کے ساتھ واپس نہیں آیا۔

﴿سبل الهدی ۳: ۲۷۳﴾

﴿2﴾

جب حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ پہنچے تو سعد بن معاذ نے پوچھا، معاملہ کیسا رہا، انہوں نے کہا، مجھے تو ان لوگوں کی گفتگو میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی، ہاں مجھے کسی نے بتایا ہے کہ بنو حارثہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ تمہارے خالہ زاد ہیں، یہ سنتے ہی سعد بن معاذ کو جوش آ گیا، وہ نیزہ لے کر اس طرف چل پڑا، اس نے دیکھا کہ وہ دونوں تو نہایت اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، پھر وہ سمجھ گیا کہ اسید بن حضیر نے اسے صرف اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ بھی ان کی گفتگو سن لے، اس نے اسعد سے مخاطب ہو کر کہا، اللہ کی قسم! اے ابو امامہ، اگر میرے اور تمہارے درمیان رشتہ نہ ہوتا تو تم کبھی ہمارے علاقے میں آ کر یہ کام کرنے کی جسارت نہ کرتے، ادھر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے کہا، ہمارے پاس اپنی قوم کا سردار آ گیا ہے، اگر اس نے آپ کی تابع فرمانی قبول کر لی تو پھر کوئی فرد پیچھے نہیں رہے گا، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے سعد بن معاذ! کیا آپ بیٹھ کر میری گفتگو نہیں سن سکتے، اگر آپ کو میری گفتگو پسند آ گئی تو قبول کر لینا ورنہ ہم آپ کے ناپسندیدہ کام سے دستبردار ہو جائیں گے، یہ صاف ستھری گفتگو سن کر سعد بن معاذ نے کہا، تم نے بڑے انصاف کی بات کی ہے، پھر وہ اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گیا تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پاک کی چند آیات کی تلاوت فرمائی، حضرت موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے سورۃ

الزخرف کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائی تھی، قرآن پاک نے سعد بن معاذ کے دل کی دنیا کو تبدیل کر کے رکھ دیا، اس کے چہرے پر ایمان کی روشنی ہویدا ہونے لگی، اس نے بھی پوچھا کہ اگر کوئی شخص تمہارے دین میں داخل ہونا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہئے، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، غسل کر کے پاکیزہ لباس پہننا چاہئے، پھر اسے کلمہ پڑھ کر دو رکعت نماز نفل ادا کرنی چاہئے، سعد بن معاذ نے بھی یہ کام کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں آئے تو لوگوں نے کہا، اللہ کی قسم! اس کا چہرہ بھی بدلہ ہوا ہے، انہوں نے اپنی قوم سے کہا، اے عبد الاشہل کے لوگو! تم میرے متعلق کیا رائے رکھتے ہو، سب نے بیک زبان ہو کر کہا، آپ ہمارے سردار ہیں، آپ کی رائے افضل ہے اور آپ کی ذات مبارک ہے انہوں نے کہا، تمہارے مردوں اور عورتوں کے ساتھ میرا اس وقت تک گفتگو کرنا حرام ہو گا جب تک تم لوگ ایمان قبول نہ کر لو گے، شام ہونے تک بنو عبد الاشہل کا کوئی فرد بھی ایسا نہ رہا جس نے دامنِ اسلام سے وابستگی اختیار نہ کر لی، پھر حضرت سعد اور حضرت مصعب کی کوششوں سے انصار کے خاندان مسلمان ہو گئے، صرف چند خاندان اپنے قومی شاعر ابو قیس کی وجہ سے کفر پر قائم رہے، غزوہ خندق کے موقعہ پر انہوں نے بھی اِسلام قبول کر لیا۔

﴿3﴾

ابو قیس بہت بڑا شاعر تھا اور اپنی قوم کا دانشور تھا، بت پرستی سے دل برداشتہ تھا، راہبانہ طور طریقے کو پسند کرتا تھا، اس کے حجرے میں کوئی حائضہ عورت داخل نہ ہو سکتی تھی، اس نے اپنے ساتھ عہد کر رکھا تھا کہ وہ ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی عبادت کرے گا، جب سرکار مدینہ ﷺ وہاں تشریف فرما ہوئے تو ابو قیس نے بڑھاپے کے عالم میں اسلام قبول کر لیا اور بقیہ زندگی آپ کی اطاعت اور محبت میں بسر کی، روایت میں ہے کہ وہ بڑا حق گو انسان تھا، اس نے زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی از حد تعظیم کی اور اسکی عظمت و بزرگی میں بڑے اچھے اشعار قلمبند کئے۔ ﴿سبل الہدیٰ ۳: ۲۷۵﴾

ایک اور شخص اصیرم بن عمرو کے نام سے مشہور تھا، اس نے بھی اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول نہ کیا، جب میدان احد میں اہل اسلام اور اہل کفر نبرد آزما ہوئے تو وہ اسلام کی

صداقت سے متاثر ہو کر میدان میں کود پڑا یہاں تک کہ شدید زخمی ہو گیا، بنو عبد الاشہل اپنے زخمیوں کی تلاش میں نکلے تو انہیں اصیرم بن عمرو بھی مل گیا، اس پر حالت نزع طاری تھی ،انہوں نے پوچھا، تم کیسے آئے، اس نے کہا، میں صرف اسلام کی خاطر یہاں آیا ہوں، میں نے اسلام قبول کر لیا اور اس کیلئے جنگ کرتے ہوئے میری یہ حالت ہوئی جسکا تم مشاہدہ کر رہے ہو، پھر اسکی جان قفس عنصری سے نکل گئی، انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا، انه لمن اهل الجنة، بے شک وہ اہل جنت میں شمار ہوگا، حضرت اصیرم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ وہ جنتی ہیں جنھوں نے ایک بھی نماز ادا نہیں کی، کیونکہ انہوں نے اسلام قبول کیا، تلوار پکڑی، زخمی ہوئے اور شہید ہو گئے۔ ﴿اسد الغابہ ۴:۹۱﴾ حضرت اقبال کہتے ہیں ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

﴿4﴾

حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں کتنی دیر قیام کیا، وہ کہنے لگیں، کیا تم نے ابوصرمہ قیس بن ابی انیس کے اشعار نہیں پڑھے، پھر انہوں نے وہ اشعار سنائے ؎

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة   یذکر لو لاقی صدیقاً مواتیاً
ویعرض فیها فی المواسم نفسه   فلم یر من یووی ولم یر داعیا
فلما اتانا واطمانت به النویٰ   واصبح مسروراً بطیبة راضیاً

ترجمہ: پھر آپ قریش میں دس اور کچھ سال اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے رہے کہ شاید کسی تصدیق کرنے اور اطاعت کرنے والے سے ملاقات ہو جائے اور موسم حج پر لوگوں کو اپنی رسالت کی دعوت پیش کرتے رہے مگر آپ نے کوئی پناہ دہندہ اور داعیِ حق نہ پایا، پھر جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو اسلام کا

گھر مطمئن ہو گیا اور آپ قلب وجگر سے مسرور اور راضی ہو گئے۔ ﴿دلائل النبوۃ ص ۲۶۵، مستدرک ۲: ۶۲۷﴾

﴿5﴾

دیار یثرب میں بنو سلمہ کے ایک سردار کا نام عمرو بن جموح تھا، وہ بڑی سختی کے ساتھ کفر و شرک پر ڈٹا ہوا تھا، لیکن اس کا فرزند معاذ بن عمرو دولت اسلام سے مشرف ہو چکا تھا، اس نے بھی عقبہ میں حضور اقدس ﷺ کے دست مقدس پر بیعت کی تھی، عمرو بن جموح نے اپنے گھر میں لکڑی کا بت بنوا کر رکھا ہوا تھا، بت کا نام "لات" تھا، وہ ہر وقت اس معبود باطل کی عبادت میں لگا رہتا تھا، بنو سلمہ کے مسلمان نوجوانوں نے عمرو بن جموح کو کفر و شرک سے ہٹانے کیلئے ایک منصوبہ بنایا، وہ یہ کہ رات کے وقت وہ اسکے بت کو اٹھاتے اور باہر بنو سلمہ کے کسی ایسے گڑھے میں پھینک آتے جو کوڑے کرکٹ سے بھرا ہوتا، عمرو بن جموح صبح سویرے اٹھ کر معبود باطل کو تلاش کرتا اور کہتا، تمہاری خرابی، آج رات کس نے ہمارے معبود پر ظلم کیا، پھر وہ کسی گڑھے میں اسے مل جاتا تو اسے اٹھا کر لے آتا، اسے غسل دیتا، خوشبو لگاتا اور پھر سجا بنا کر پوجنا شروع کر دیتا، ساتھ ساتھ کہتا، کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ کس آدمی نے تیرے ساتھ یہ ظلم کیا ہے تاکہ میں اس کی خوب خبر لوں، یہ ہر روز کا معمول بن گیا تو ایک دن اس نے تنگ آ کر تلوار بت کے گلے میں لٹکا دی اور کہا، اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ وہ ظالم کون ہے، اگر تجھ میں کوئی خیر ہے تو خود اس تلوار کے ساتھ اپنا دفاع کر لے، جب رات آئی تو نوجوانوں نے مرے ہوئے کتے کو اس کے ساتھ باندھا اور غلاظتوں کے ڈھیر پر پھینک دیا، ادھر عمرو بن جموح مطمئن تھا کہ آج رات اسکا معبود ضرور مقابلہ کرے گا مگر صبح ہوتے ہی اسکی مردانگی کی قلعی کھل گئی، اس نے دیکھا کہ اس کا معبود بے بسی کی تصویر بنا مردہ کتے کے ساتھ غلاظتوں کے ڈھیر پر پڑا ہوا تھا، اب اس کی آنکھوں سے جہالت کے پردے اٹھ گئے، اسے شعور حاصل ہو گیا کہ جو معبود خود اپنی تذلیل کا بدلہ نہیں لے سکتا، وہ اس کیلئے کیونکر خیر کا باعث ہو سکتا ہے، اس نے کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنے جذبات کا اظہار اس طرح سے کیا ؎

واللہ لو کنت الٰھا لم تکن   انت وکلب وسط بئر فی قرن

اف لملقاک الھا مستدن ۔۔۔ الان فتشناک عن سو الغبن

ھو الذی انقذنی من قبل ان ۔۔۔ اکون فی ظلمۃ قبر مرتھن

الحمد للہ العلیٰ ذی المنن ۔۔۔ الواھب الرزاق دیان الدین

ترجمہ: اللہ کی قسم! اگر تو خدا ہوتا تو دامن کوہ میں گڑھے کے اندر تو اور کتا اکٹھے نہ پڑے ہوتے، افسوس ہے تیرے یوں مرنے پر، کیا تو ایسا ذلیل خدا تھا، اب ہم نے تحقیق کی تو تجھے نہایت حماقت کا مرکز پایا، وہ تو اللہ ہی ہے جس نے مجھے بچالیا، اس سے پہلے کہ میں اندھیری قبر میں رکھ دیا جاتا، اللہ تعالیٰ کیلئے تمام تعریف ہے جو والی نعمت ہے، جو سچا رازق ہے اور جزا و سزا کا مالک ہے۔ ﴿دلائل النبوۃ﴾

حضرت ابراہیم بن سلمہ نے محمد بن اسحاق سے اپنی روایات میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب عمرو بن جموح نے خدا تعالیٰ کو پہچان لیا اور بت پرستی سے کنارہ کشی کر لی تو ضلالت و سفاہت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خوشی میں یہ اشعار کہے

اتوب الی اللہ مما مضیٰ ۔۔۔ واستنقذ اللہ من نارہٖ

والنی علیہ بنعمائہٖ ۔۔۔ الٰہ العرام واستارہ

فسبحانہ عدد الخاطئن ۔۔۔ وقطر السماء و مدارہ

ھدانی و قد کنت فی ظلمۃ ۔۔۔ حلیف مناۃ و احجارہ

وانقذنی بعد سیب القذا ۔۔۔ لمن شین ذاک و من عارہٖ

فقد کدت اھلکت فی ظلمۃٍ ۔۔۔ تدارک ذاک بمقدارہٖ

فحمداً وشکراً لہ مابقیت ۔۔۔ الٰہ الانام و جبارہٖ

ترجمہ: میں گزشتہ گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں اور اسکی دوزخ سے اسکی پناہ مانگتا ہوں، اس کی نعمتوں پر اس کی ثنا کہتا ہوں جو حرم اور اس کے پردوں کا خدا ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے حمد و ثنا ہے گناہ کرنے والوں کی تعداد کے برابر اور آسمان اور اس کی موسلا دھار برسنے والی بارش کے قطروں کی تعداد کے برابر، اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا کر دی جبکہ میں تاریکی میں تھا، منات اور اسکے پتھروں کا حامی اور دوست تھا، سر سفید ہونے کے بعد مجھے اس کی نحوست

اور عار سے نجات عطا فرمائی، میں تو تاریکی میں ہلاکت کے قریب ہو چکا تھا مگر جس قدر تاریکی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسی قدر مجھے نور ہدایت دے دیا، اسی کی حمد اور اسی کا شکر یہ ادا کروں گا جو تمام انسانوں کا خدا اور جبار ہے، ﴿ایضاً ص۲۷۶﴾

﴿6﴾

حضرت امام بیہقی نے حضرت عیسیٰ بن ابی عیسیٰ بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ایک رات قریش مکہ نے جبل ابی قبیس سے کسی شخص کو پڑھتے ہوئے سنا ؎

فان یسلم السعدان یصبح محمد

بمکة لا یخشیٰ خلاف المخالف

یعنی ار گرد سعد اسلام قبول کر لیں تو پھر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں کسی مخالف کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں رہے گی، جب صبح نمودار ہوئی تو ابوسفیان نے پوچھا، یہ دو سعد کون ہیں، سعد بن بکر اور سعد بن ہدیم ہیں یا کوئی اور ہے، سارا دن قریش یہی سوچتے رہے، مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے، دوسری رات پھر کسی شخص نے بلند آواز سے یہ اشعار پڑھے ؎

ایا سعد سعد الاوس کن انت ناصرا　　ویاسعد سعد الخزرجین الغطارف

اجیبا الی داعی الھدیٰ و تمنیا　　علیٰ اللہ فی الفردوس منیة عارف

فان ثواب اللہ للطالب الھدیٰ　　جنان من الفردوس ذات رفارف

ترجمہ: اے اوس اور خزرج کے سعد! تم دونوں مددگار بن جاؤ، تم داعی ہدایت کی دعوت کو قبول کر لو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آرزومند رہو کہ وہ تمہیں فردوس میں جگہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ کا ثواب ہدایت کے طلبگار کیلئے ہے اور وہ ہے جنت الفردوس جو بہت سرسبز و شاداب ہے، جب صبح نمودار ہوئی تو ابوسفیان نے کہا، اللہ کی قسم! وہ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ ہیں،

مقامِ انصار ______ قرآنِ پاک کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور پیغمبر نور ﷺ کی امداد کرنے والے عظیم افراد کی خوب شان بیان فرمائی ہے، تبرک کیلئے چند آیات کی تلاوت نہایت ایمان افروز ہوگی:

⊙ ......اور جنھوں نے ﴿ان مہاجرین کو﴾ پناہ دی اور ان کی امداد کی، وہی لوگ پکے

ایماندار ہیں، انہی کیلئے مغفرت ہے اور باعزت روزی ہے۔ ﴿سورۃ الانفال:۷۴﴾

⊙...... اور اس مال میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو پہلے ہجرت گاہ میں مقیم ہیں اور ایمان میں راسخ ہیں، وہ اپنے پاس آنے والے ہر مہاجر سے محبت کرتے ہیں، وہ اپنے سینوں میں اس چیز کے متعلق کوئی حاجت نہیں پاتے جو مہاجروں کو عطا کردی جائے، بلکہ وہ ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو اس چیز کی شدید ضرورت کیوں نہ ہو، اور جس کو نفس کی حرص سے بچالیا گیا ہو تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ﴿سورۃ الحشر:۹﴾

⊙...... اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ انُ پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی اور ان کیلئے تیار کرر کھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔ ﴿سورۃ التوبہ:۱۰۰﴾

⊙...... بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں اس نبی اکرم اور مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں، پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان رحم ولا ہے۔ ﴿سورۃ التوبہ:۱۱۷﴾

مقامِ انصار ______ حدیثِ پاک کی روشنی میں:

حضور پیغمبر نور ﷺ نے بھی جا بجا اپنے انصار مدینہ کی محبتوں اور عقیدتوں کا ذکر فرمایا ہے، چند احادیثِ نبویہ سے دیدہ ودل کو تابناک کیجئے:

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سلطنت قریش میں ہے اور قضا انصار میں ہے اور اذان حبشہ میں ہے اور امانت از دیعنی یمن میں ہے، ایک روایت میں یہ حدیث موقوف ہے، ترمذی نے فرمایا کہ یہ بہت صحیح ہے۔ ﴿مشکوٰۃ ۳:۳۲۰﴾

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش اور انصار جھینہ اور مزینہ، اسلم اور غفار اور اشجع میرے دوست ہیں، ان کا اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی دوست ومددگار نہیں۔ ﴿بخاری ومسلم، مشکوٰۃ ۳:۳۱۷﴾

⊙...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ایة لا ایمان حب الانصار وایة النفاق بغض الانصار**، ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے

اور منافقت کی نشانی انصار سے بغض ہے۔ ﴿بخاری و مسلم﴾

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ ایک جنگل میں چلیں اور انصار دوسرے جنگل یا دوسری گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کے جنگل یا گھاٹی میں چلوں گا، انصار اندرونی لباس ہیں جبکہ باقی لوگ بیرونی لباس ہیں، تم میرے بعد ترجیح دیکھو گے تو صبر سے کام لینا حتیٰ کہ مجھ سے حوض پر آملو۔ ﴿بخاری، مشکوٰۃ ۳:۳۷۷﴾

⊙...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللھم انتم من احب الناس الی .... یعنی الانصار، اے اللہ تو گواہ ہے، اے انصار تم مجھے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو۔ ﴿بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ۳:۳۷۸﴾

⊙...... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! انصار کو، ان کی اولاد کو اور ان کی اولاد کو بخشش عطا فرمادے۔ ﴿مسلم، مشکوٰۃ ۳:۳۷۸﴾

⊙...... حضرت ابی اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، انصار کے گھروں میں بہتر گھرانہ بنونجار ہیں، پھر بنی عبدالاشہل ہیں، پھر بنی حارث بن خزرج ہیں، پھر بنی ساعدہ ہیں اور انصار کے تمام گھروں میں خیر ہے۔ ﴿بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ۳:۳۷۹﴾

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے انصار! میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہوں، میں نے اللہ تعالیٰ کی اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، اب میری زندگی تمہاری زندگی میں ہے اور میری وفات تمہاری وفات میں ہے، ﴿مسلم، مشکوٰۃ ۳:۳۷۷﴾

⊙...... حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ہم قبائل عرب میں سے کوئی ایسا قبیلہ نہیں جانتے جو انصار سے زیادہ شہیدوں والا ہوا اور قیامت کے دن زیادہ عزت والا ہو، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، انصار میں سے احد کے دن ستر آدمی شہید کیے گئے، بئر معونہ میں ستر اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمامہ کے دن ستر آدمی شہید کیے گئے۔ ﴿بخاری، مشکوٰۃ ۳:۳۸۸﴾

⊙...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میں

تم سب لوگوں کو انصار کے متعلق وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ میرے خاص مشیر ہیں اور میرے قریبی ہیں، یہ لوگ اپنا حق ادا کر چکے ہیں، اور ان کا حق باقی ہے، تم ان کے نیکوں سے قبول کرو اور خطا کاروں سے درگزر کرو۔ ﴿بخاری، مشکوۃ ۳:۳۷۸﴾

⊙...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصار میری وہ زنبیل ہیں کہ جن کی طرف میں نے پناہ حاصل کی ہے، ﴿مسند احمد ۳:۱۶۱﴾ انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انصاری میرے فیض کے قسیم ہیں اور میرے ساز و سامان ہیں، لوگ زیادہ ہو جائیں گے جبکہ انصار کم ہو جائیں گے۔ ﴿صحیح بخاری ۱:۵۳۶﴾

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، میرے انصار سے بغض و عناد نہیں رکھ سکتا۔ ﴿صحیح مسلم، کتاب الایمان﴾

جمعۃ المبارک کا آغاز:

انصار مدینہ کا ایک اور بہت بڑا شرف یہ ہے کہ انہیں جمعۃ المبارک کے آغاز کی اجازت عطا فرمائی گئی، ابھی رسول اللہ ﷺ نے ہجرت نہیں فرمائی تھی کہ یثرب میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں کو اکٹھا کر کے نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے، حضرت عبد بن حمید، حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اہل یثرب نے حضور اقدس ﷺ کے آنے اور جمعہ کی فرضیت اترنے سے پہلے جمعہ پڑھنا شروع کر دیا تھا اور انہوں نے ہی اس دن کا نام جمعہ رکھا تھا، یہودی سات دنوں میں ایک دن جمع ہوتے تھے اور اس طرح عیسائیوں نے بھی ایک دن مقرر کر رکھا تھا، چنانچہ انصار نے کہا ہم مسلمانوں کو بھی ایک دن مقرر کرنا چاہئے جس میں ہم جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، نماز پڑھیں اور اس کا شکر بجا لائیں، یہودیوں نے اپنے اجتماع کیلئے ہفتہ اور عیسائیوں نے اتوار کا دن مقرر کر رکھا ہے لہذا آؤ ہم اپنے اجتماع کے لئے 'عروبہ' کا دن مقرر کر لیں۔ جاہلیت میں جمعہ کے دن کو 'عروبہ' کہتے تھے۔ (لسان العرب ۸:۵۸) اس دن کو جمعہ کہنے کی اور بھی روایات ہیں مگر اکثر علما کے نزدیک اس کو زمانہ اسلام میں جمعہ کہا گیا، پھر سب اہل اسلام حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے جمعہ کی دو رکعت نماز پڑھائی اور ایک بکری ذبح کی، مسلمانوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہی بکری صبح و شام کے کھانے کے لئے کافی ہوگئی، بعد

میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی فرضیت کا یہ حکم نازل فرمایا:

⊙......اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ، جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو۔ ﴿سورۃ الجمعہ:۹﴾

حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ساتھ یہ مستعبد ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا اہم دینی کام رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر شروع کر دیا ہو، دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے انصار کو جمعہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کفار کے مظالم کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھا سکتے تھے، چنانچہ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ یثرب میں مسلمانوں کو جمعہ پڑھایا کریں، جب جمعہ پڑھانے کا حکم ہوا تو اس وقت انصار کی تعداد چالیس تھی، بعد میں حضرت سعد بن معاذ، حضرت اسید بن حضیر اور دیگر بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تو ان کی بدولت آسانیوں اور رونقوں میں اضافہ ہو گیا، ذیل میں جمعۃ المبارک کے فضائل میں چند احادیث نبویہ کا مطالعہ حلاوتِ ایمانی کا باعث ہوگا:

⊙...... علامہ ابن قیم نے امام حاکم اور امام ابن حبان کے حوالے سے حدیث رقم کی ہے، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل دن جمعہ ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن وہ فوت ہوئے، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن قیامت ہوگی، اس دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ فوت ہو چکے ہوں گے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیا کرام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ ﴿زاد المعاد۔۲:۹۷﴾

⊙...... حضرت امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس دن کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا، آپ نے فرمایا: اس دن تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا گیا، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن حشر برپا ہوگا، اسی دن حساب لیا جائے گا، اس دن کے آخر میں تین ساعات ہیں جن میں سے ایک ساعت وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے تو وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ ﴿زاد المعاد۔۲:۹۸﴾

⊙...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے بارہ گھنٹے ہیں، اس میں ایک ایسی مبارک گھڑی ہے کہ مسلمان بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے جو دعا مانگے گا وہ ضرور عطا کرے گا، اس گھڑی کو دن کے آخری حصے میں عصر کے بعد تلاش کرو۔ ﴿سنن ابی داود، سنن نسائی﴾

⊙...... حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، قبولیت کی گھڑی جمعہ کے دن امام کے خطبہ شروع کرنے سے نماز مکمل ہونے کے درمیان میں ہے۔ ﴿صحیح مسلم﴾

⊙...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن اچھی طرح غسل کیا، پھر جمعہ کے لئے گیا، اس نے گویا راہ خدا میں اونٹ ذبح کیا اور جو دوسری گھڑی میں جمعہ کے لئے گیا، اس نے گویا گائے ذبح کی، جو اس کے بعد جمعہ کے لئے جائے اس نے گویا سینگ والا دنبہ ذبح کیا اور جو اس کے بعد جائے اس نے گویا مرغی صدقہ کی اور جو بالکل تاخیر سے آخری وقت جمعہ کے لئے جائے، اس نے گویا ایک انڈا راہ خدا میں صدقہ کیا، جب خطیب جمعہ کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے حاضر ہو کر خطبہ سنتے ہیں۔ ﴿بخاری ومسلم﴾

جمعۃ المبارک کے احکام:

حضرت امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نماز جمعہ پڑھنا فرض قطعی ہے، اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو، سنن ابی داود میں حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ سوا چار شخصوں کے، غلام، عورت، بچہ اور مریض۔ سنن بیہقی میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بچہ، غلام اور مسافر کے سوا ہر شخص پر نماز جمعہ واجب ہے، حضرت امام احمد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تین بار جمعہ کی نماز بغیر عذر شرعی کے ترک کی، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے، حضرت علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نماز جمعہ کے وجوب کی شرائط یہ ہیں، آزاد ہونا، مرد ہونا، مقیم ہونا، تندرست ہونا، آنکھوں اور ٹانگوں کا سلامت ہونا، شہر، جماعت، خطبہ، سلطان (عالم دین سلطان کا قائم مقام ہے) جمعہ کا وقت اور اذن عام، ﴿فتح القدیر۔۲:۲۱﴾

باب دہم

داستان سفر ہجرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام روز بروز ترقی وعروج کی منزلیں طے کرتا جارہا تھا، آفتاب نبوت کی پر نور کرنیں مطلع فاران سے نکل کر دیار یثرب کے نخلستانوں کو چمکا رہی تھیں تو دوسری طرف قبائل عرب کے مختلف افراد کے تاریک سینوں کو روشن کر رہی تھیں، قریش مکہ نے دنیا جہان کے ہتھکنڈے استعمال کر لئے، مظالم کے حربے آزما لئے مگر ایمان کی فطری دعوت قبول دوام حاصل کرتی رہی، بھلا کانٹوں کی چیرہ دستیوں سے برگ وگل کا وقار کم ہوسکتا ہے، کیا باد سموم کے خونین جھکڑوں کو دیکھ کر نسیم سحر کے مدہوش جھونکے فراموش ہو سکتے ہیں ؎

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

حضور پیغمبر نور ﷺ اور آپ کے اصحاب با کمال پر ایک اور امتحان آنے والا تھا، ایک زمزمہ زبور میں مرقوم ہے، ''صادق پر مصیبتیں بہت ہیں'' ﴿زبور ۳۴۔۱۹﴾ تورات کی ایک آیت میں بھی مذکور ہے، ''چاندی کیلئے گھریا ہے اور سونے کیلئے بھٹی، پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے''۔ ﴿امثال: ۱۷۔۳﴾ ادھر قرآن پاک بھی اعلان فرما رہا ہے:

⊙ ......ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلو امن قبلکم مستھم الباسآء والضرا وزلزلوا حتیٰ یقول الرسول والذین امنوا معه متیٰ نصر الله ط الا ان نصر الله قریب ○ کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں آئے، جو تم

سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں، انہیں بہت تنگی اور سختی پیش آئی اور وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک رسول اور اس کے ساتھی ایمان والے پکار اٹھے، اللہ کی امداد کب آئے گی، خبردار اللہ کی امداد قریب ہی ہے۔ ﴿سورۃ البقرہ:۲۱۴﴾

اسلام کا اوس وخزرج کی جنگجو قوموں کو متاثر کرنا قریش مکہ کیلئے سوہان روح تھا کیونکہ یہ قومیں ان کی تجارتی گزرگاہ پر واقع تھیں، اگر انہوں نے تجارتی قافلوں کو روکنا شروع کر دیا تو ملک شام کی منافع بخش تجارت کا سفینہ ڈوب سکتا تھا اور مکہ میں غربت وافلاس کے عفریت جنم لے سکتے تھے، اس صورت حال نے مکہ کے متول گھرانوں کی پرسکون نیندیں حرام کر رکھی تھیں، لاکھ دبانے کے باوجود اسلام تو ان کے بے رحم ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا، انہوں نے اس سارے مسئلے کا ایک ہی حل سوچا کہ پیغمبر اسلام کو شہید کر دیا جائے، یہ چراغ ہدایت گل ہو جائے گا تو عرب کی تمام تاریکیاں دوبارہ لوٹ آئیں گی، حضرت اقبال نے جاوید نامہ میں ابوجہل بن ہشام کی ''صدائے احتجاج'' کچھ اس طرح سے بیان کی ہے جو لفظاً تو ہجو ہے مگر معناً نعت کا حسین گلدستہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس کے اندرونی خیالات کی عکاسی کرتی ہے کہ وہ اسلام کی دعوتِ انقلاب سے کس طرح خوفزدہ تھا۔

سینہ ماز محمد داغ داغ — از دم او کعبہ را گل شد چراغ
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود — نوجواناں راز دست ماربود
ساحر و اندر کلامش ساحری ست — ایں دو حرف لاالہ خود کافری ست
تابساط دین آباء درنورد — با خدا وندان ماکرد آنچہ کرد
پاش پاش از ضربتش لات ومنات — انتقام از وے بگیر اے کائنات
خم شدن پیش خدائے بے جہات — بندہ را ذوقے نہ بخشد ایں صلات
مذہب او قاطع ملک و نسب — از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست — با غلام خویش بریک خواں نشت
قدر احرار عرب نشنا ختہ — باکلفتانِ حبش درساختہ
ایں مساوات ایں مواخات اعجمی است — خوب میدانم کہ مسلم مزدکی است
اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر — خانہ خود راز بے کیشاں بگیر

اے منات اے لات ازیں منزل مرو گر زمنزل می روی از دل مرو

یعنی حضرت محمد مصطفٰے کریم ﷺ سے ہمارا سینہ زخمی ہے، اسکی پھونک نے کعبے کا چراغ بجا دیا ہے، وہ خود بھی جادوگر ہے اور اسکے کلام میں جادو ہے، ہمارے آباؤ اجداد کے دین کی بساط الٹ کر رکھ دی ہے اور اسکی ضرب قہاری نے لات و منات کو پاش پاش کر دیا ہے، اس کے مذہب نے ملک و نسب اور فضل عرب کو ختم کر دیا ہے، اس کی نگاہ میں ہر بالا اور پست آپس میں برابر ہیں، احرار کی اس قدر بے عزتی اور حبشہ کے کالے غلاموں کا یہ وقار، یہ مواخات و مساوات ہمارے ہاں کہاں تھی، اے ہبل، اے لات و منات، ہم سے روٹھ نہ جانا اور ہمارے دل کو اپنی یاد سے ویران نہ کر دینا، ابوجہل اور اسکے حواریوں کے یہ خیالات ان کو کسی کروٹ چین نہ لینے دے رہے تھے، آخر انہوں نے حضور پیغمبر نور ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مزید تنگ کرنا شروع کر دیا، اب ان کیلئے یہی راستہ تھا کہ وہ کفار کیساتھ برسرپیکار ہو جاتے یا پھر مکہ مکرمہ جیسا عظیم وطن چھوڑ کر کسی اور جگہ ہدایت و محبت کے چراغ روشن کرتے۔

اہل اسلام اور ہجرت مدینہ:

حضور اقدس ﷺ بھی کفار مکہ کی سازشوں سے بخوبی آگاہ تھے، حضرت امام ابن اسحاق لکھتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو لڑائی کی اجازت دے دی اور انصار نے اسلام پر آپ کے تابعداروں کی امداد پر بیعت کر لی اور مسلمانوں کو ان کے ہاں رہنے کا موقع مل گیا تو آپ ﷺ نے اپنی قوم کے مہاجروں اور آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہنے والے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے جائیں اور اپنے بھائیوں سے جا ملیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے بھائی بنا دیئے ہیں اور ایسا گھر مہیا کر دیا ہے جس میں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو، چنانچہ مختلف جماعتوں کی صورت میں مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور خود رسول اللہ ﷺ ہجرت کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی اجازت کا انتظار فرمانے لگے، قریشی صحابہ میں سب سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ تھے، ان کا نام عبداللہ ہے، یہ بیعت عقبہ سے ایک سال پہلے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے، جب یہ حبشہ سے واپس آئے اور قریش نے انہیں انتہائی اذیت پہنچائی اور انہوں نے انصار کے اسلام لانے کی خبر سنی تو یہ

ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے، مگر ان کی بیوی ام سلمہ کو ان کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا، پھر ابو سلمہ کے بعد عامر بن ربیعہ بنو عدی کے حلیف اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی خیثمہ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے، اس کے بعد عبداللہ بن جحش، بنو امیہ بن عبد شمس کے حلیف نے ہجرت کی، یہ اپنی بیوی اور اپنے بھائی عبیداللہ بن جحش کو اپنے ساتھ لے گئے، عبیداللہ کی کنیت ابو احمد ہے، یہ نابینا تھے اور مکہ مکرمہ کے بالائی اور نشیبی حصوں میں بغیر کسی قائد کے بلا تکلف آ جا سکتے تھے، یہ شاعر تھے اور ان کے نکاح میں فارعہ بنت ابو سفیان بن حرب تھی، ان کی والدہ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں، جحش کی اولاد کی ہجرت کے بعد ان کا گھر مقفل ہو گیا، ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبدالمطلب اور ابو جہل بن ہشام کا مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں گزر ہوا تو عتبہ بن ربیعہ نے ان کے بے آباد گھر کے جس میں کوئی متنفس سکونت پذیر نہیں تھا، دروازے کھٹکھٹاتے دیکھ کر لمبی سانس لی اور کہا ؂

وکل دار وان طالت سلامتھا یوماً ستدر کھا النکباء والحوب

کل امرئ بلقاء الموت مرتھن کانہ غرض للموت منصوب

ترجمہ: اور ہر گھر خواہ وہ کتنا عرصہ سلامت رہے، ایک دن اس پر چوپائی ہوائیں چلیں گی اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گی، ہر آدمی موت کے ہاتھ میں گرفتار ہے گویا کہ وہ ہدف ہے جو موت کیلئے نصب کیا گیا ہے۔

بنو غنم بن دودان کا سارا خاندان مسلمان ہو گیا تھا اور پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آباد ہوا، اس خاندان کے افراد یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن جحش، ابو احمد، عکاشہ بن محصن، شجاع، عقبہ بن وہب، اربد بن جحیرہ، منقذ بن نباتہ، سعید بن قیس، محرز بن نضلہ، یزید بن رقیش، قیس بن جابر، عمرو بن محصن، مالک بن عمرو، صفوان بن عمرو، ام المومنین زینب بنت جحش، ام حبیبہ بنت جحش، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھیں، حمنہ بنت جحش، یہ حضرت مصعب بن عمیر کی زوجہ تھیں، جذامہ بنت جندل، ام قیس بنت محصن، ام حبیب بنت ثمامہ، آمنہ بنت ثمامہ، ان کے بارے میں ابو احمد جحش نے یہ اشعار کہے تھے ؂

لو حلفت بین الصفا ام احمد ومروتها باللہ برت یمینھا

لنحن الالیٰ کنا بھا ثم لم نزل بمکۃ حتیٰ عاد غثا سمینھا

بھا خیمت غنم بن دودان و ابتنت وما ان غدت غنم و خف قطینھا

الی اللہ تغدو بین مثنیٰ و واحد ودین رسول اللہ بالحق دینھا

ترجمہ: اگر ام احمد صفا اور مروہ کے درمیان اللہ کی قسم کھائے تو اسکی قسم ضرور پوری ہوگی، ہم ہی وہاں کے آباد کار تھے اور ہمیشہ مکہ مکرمہ میں رہے یہاں تک کہ وہاں کی موٹی تازی چیز لاغر اور کمزور ہوگئی، اس میں ہی غنم بن دودان نے خیمے لگائے اور مکان تعمیر کئے، پھر وہ اللہ کی طرف چل پڑے اور ان کے آباد کاروں پر سفر آسان ہوگیا، وہ ایک ایک اور دو دو کر کے اللہ کی طرف چل پڑے اور اللہ کے رسول کا سچا دین ہی ان کا دین ہے۔ ﴿سیرۃ الرسول:۲۸۱﴾

ہجرت کرنا مسلمانوں کا بہت بڑا امتحان تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے کامیاب ہوئے، ذیل میں چند ایمان افروز واقعات بیان کئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسلام اور ایمان کا اولین تقاضا ہی یہ ہے کہ اس کے لئے ہر متاعِ گراں کو قربان کر دیا جائے۔

﴿1﴾

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں، میرے شوہر ابو سلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو مجھے اونٹ پر چڑھایا، میری گود میں مرا بچہ سلمہ تھا، جب ہم چل پڑے تو بنو مغیرہ نے آکر ابو سلمہ کو گھیر لیا اور کہا، تو جا سکتا ہے مگر ہماری لڑکی نہیں لے جا سکتا، بنو عبد الاسد بھی آگئے، انہوں نے ابو سلمہ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھا دیا، بنو عبد الاسد تو گود کے بچہ کو ماں سے چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ ام سلمہ کو لے گئے، ابو سلمہ جو دین کیلئے ہجرت کو فرض سمجھتا تھا زن و بچہ کے بغیر روانہ ہوگیا، ام سلمہ روز شام کو اسی جگہ جہاں وہ بچے اور شوہر سے الگ کی گئی تھی پہنچ جاتی اور گھنٹوں رو دھو کر واپس آجاتی، ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا، آخر ان کے ایک چچیرے بھائی کو رحم آگیا، اس نے ہر دو قبائل کو کہہ کر ام سلمہ کو اجازت دلا دی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے، بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا، پھر ام سلمہ ایک اونٹ پر سوار ہو

کر تن تنہا مدینہ منورہ کو چل دیں۔ ﴿رحمۃ للعالمین ۱:۷۷﴾ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ تنعیم کے مقام پر ان سے بنی عبدالدار کے عثمان بن طلحہ کی ملاقات ہوئی اور اس نے حضرت ام سلمہ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا، وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرب کا کوئی آدمی اس سے زیادہ شریف نہ دیکھا، جب وہ منزل پر پہنچتا تو اونٹ کو بٹھا کر الگ ہو جاتا، میں نیچے اترتی تو اونٹ سے کاٹھی اتارتا اور اسکو درخت کے ساتھ باندھ دیتا، پھر مجھ سے دور ہٹ کر کسی درخت کے نیچے سو جاتا، جب چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو کس کر تیار کرتا، پھر ہٹ جاتا اور مجھے کہتا سوار ہو جاؤ، میں صحیح ہو کر بیٹھ جاتی تو آ کر اونٹ کی مہار پکڑتا اور اسے ہانکتا، وہ اسی طرح کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے مدینہ پہنچا دیا، جب اس نے قبا میں عمرو بن عوف کے گاؤں کو دیکھا تو کہا کہ تمہارا شوہر اس گاؤں میں ہے، ابو سلمہ وہاں ہی قیام پذیر تھے، پھر اس نے کہا، تم اس میں خدا کی برکت سے داخل ہو جاؤ اور وہ خود مکہ مکرمہ کی طرف چلا گیا، انساب الاشراف میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ اسلام میں کسی گھر والوں پر اتنی مصیبت نہیں پہنچی جو ابو سلمہ کے گھر والوں کو پہنچی اور نہ ہی میں نے کبھی عثمان بن طلحہ سے زیادہ نیک دل کوئی ساتھی دیکھا ہے۔

﴿2﴾

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار نے انہیں آ گھیرا اور کہا، صہیب! جب تو مکہ مکرمہ میں آیا تھا تو مفلس وقلاش تھا، یہاں ٹھہر کر تو نے ہزاروں کمائے تو کیا تُو آج یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب مال وزر ساتھ لے کر چلا جائے، یہ تو کبھی نہیں ہوگا، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے کہا، اچھا اگر میں اپنا سارا مال ومتاع تمہیں دے دوں تو تم مجھے جانے دو گے، قریش بولے، ہاں، آپ نے سارا مال انہیں دے دیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے، حضور نبی کریم ﷺ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا: اس سودے میں صہیب رومی نے نفع کمایا ہے۔ ﴿سیرت ابن ہشام﴾

﴿3﴾

اکثر صحابہ کرام نے پوشیدہ طور پر ہجرت کی تھی مگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی، چنانچہ تلوار حمائل کر کے کمان ہاتھ میں لیکر اور نیزہ تھام کر کعبہ معظمہ میں

داخل ہوئے حالانکہ قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طواف کیا اور مقام ابراہیم میں دوگانہ پڑھا، باطمینان وسکون ارکان نماز ادا کئے اور فرمایا: زمانے کے وہ لوگ ناخوش رہیں جو پتھر کے ٹکڑوں کو اپنا معبود جانتے ہیں، جو چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو یتیم بنائے اور بیوی کو بیوہ کرے، وہ میرے تعاقب میں آئے، اس پر کسی کو جنبش کرنے کی طاقت نہ ہوئی اور کوئی شخص ان کے تعاقب میں نہ نکلا۔ ﴿مدارج النبوۃ ۹۱:۲﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ زید بن خطاب، عیاش بن ابی ربیعہ، مزید بیس صحابہ کرام، حضرت حمزہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، زید بن حارثہ، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود اور بلال رضی اللہ عنہم سب نے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ کی سرزمین پر رونق افروز ہوئے،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے کہ میں نے عیاش بن ابی ربیعہ اور ھشام بن العاص کے ساتھ ہجرت کا پروگرام بنایا، ہمارے درمیان یہ طے پایا گیا کہ ہم تینوں بنی غفار کے تالاب ''تناضب'' کے مقام پر جمع ہوں گے، اگر کوئی ایک پیچھے رہ گیا تو باقی دو سفر ہجرت پر گامزن ہو جائیں گے، عیاش تو چھپ کر پہنچ گیا مگر ہشام نہ پہنچ سکا، چنانچہ ہم دونوں نے قبا میں عمرو بن عوف کے ہاں قیام کیا، ابوجہل اور حارث کو معلوم ہوا تو وہ دونوں عیاش کے تعاقب میں یثرب پہنچ گئے کیونکہ وہ ان دونوں کا چچازاد تھا، ان دونوں نے عیاش سے کہا کہ تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک عیاش سے ملاقات نہ ہوگی وہ بالوں میں کنگھی نہ کرے گی اور نہ سائے میں بیٹھے گی، اپنی ماں کی حالت زار کا واقعہ سن کر عیاش ان دونوں کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گیا، میں نے اسے بہت سمجھایا کہ اے عیاش! یہ تیرے رشتہ دار تجھے دھوکہ دے رہے ہیں، اللہ کی قسم! جب تمہاری ماں کو جوئیں تنگ کریں گی تو وہ ضرور کنگھی کرلے گی اور جب چلچلاتی دھوپ ستائے گی تو سائے میں ضرور بیٹھ جائے گی، پھر میں نے اسے اپنے آدھے مال کی پیش کش بھی کی مگر وہ نہ مانا اور ان کے ساتھ چلا گیا، میں نے اسے اپنی تیز رفتار اونٹنی دے دی تا کہ خطرے کے وقت وہ ان سے دور نکل جائے، راستے میں ابوجہل نے چقمہ دے کر عیاش کو مضبوط رسی کے ساتھ باندھ دیا اور اسے لیکر دن کی روشنی میں مکہ میں داخل ہوئے، ابوجہل اور حارث لوگوں سے کہتے جارہے تھے، اے اہل مکہ! تم بھی اپنے بیوقوفوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسا ہم نے کیا

ہے، دونوں نے مل کر عیاش کے سو سو کوڑے لگائے اور اسے دھوپ میں ڈال دیا، اس کی ماں نے بھی قسم اٹھائی کہ جب تک عیاش دوبارہ کفر اختیار نہیں کرتا اسے دھوپ میں رکھا جائے گا، کفارِ مکہ انہیں مسلسل سزائیں دیتے رہے یہاں تک کہ جب حضور پیغمبر نور ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے تو آپ نے چالیس دن ہر صبح کی نماز میں عیاش، ولید بن ولید، ہشام بن العاص اور دیگر کمزور مسلمانوں کیلئے آزادی کی دعا فرمائی، بعض روایات کے مطابق تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیاش اور ہشام نے دوبارہ کفر اختیار کر لیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آخری دم تک اسلام پر کاربند رہے اور کفار مکہ کے مظالم برداشت کرتے رہے، انہوں نے غزوہ بدر کے بعد حضرت ولید بن ولید کی حمایت سے ہجرت کی، ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گئے مگر علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ کفار مکہ پھر ان کو مکر وفریب کے ساتھ مکہ مکرمہ لے گئے تھے۔ ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۲۲۲﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ ان سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور ان سے پہلے جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کیا، آپ فرمایا کرتے تھے، ان دونیکیوں میں میرا بھائی مجھ پر سبقت لے گیا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب قبا پہنچے تو ان کے خاندان کے دیگر افراد بھی پہنچ گئے، ان میں سراقہ بن معمر کے فرزند عمرو اور عبداللہ، آپ کے داماد خنیس بن حذافہ، آپ کے بہنوئی سعید بن زید اور واقد بن عبداللہ تیمی ﴿آپ کے حلیف﴾ خولی ابن خولی اور مالک بن ابی خولی رضی اللہ عنہم مشہور ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبیدہ اللہ بھی مہاجرین سابقین میں شامل ہیں، حضرت زبیر بن عوام اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبا میں عصبہ کے مقام پر منذر بن محمد بن عقبہ کے ہاں قیام فرما ہوئے، حضرت طلحہ اور حضرت صہیب مدینہ منورہ کی اضافی بستی سخ میں خبیب بن اساف کے گھر ٹھہرے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت کے بھائی حضرت اوس بن ثابت کے گھر قیام کیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت حسان کو حضرت عثمان غنی سے بڑی محبت تھی، وہ ان کے قتل پر روئے اور ان کے فراق میں دلدوز مرثیے کہے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۱۸۲﴾ جو مہاجر بغیر اہل وعیال کے نکلے تھے انہوں نے حضرت سعد بن خیثمہ کے پاس قیام کیا کیونکہ وہ خود بھی اہل وعیال سے آزاد تھے۔ ﴿سیرت ابن ہشام ۲: ۹۲﴾ حضرت ابو

حذیفہ بن عتبہ، ان کے آزاد کردہ غلام سالم[1] اور عتبہ بن غزوان حضرت عباد بن بشر اشہلی کے گھر اترے، حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب، ان کے دونوں بھائی طفیل اور حصین، حضرت مسطح بن اثاثہ، سویبط بن سعد عبدری، طلیب بن عمیر، خباب مولیٰ عتبہ بن غزوان، بنی عجلان کے گھر قبا میں فروکش ہوئے، حضرت حمزہ، زید بن حارثہ، ابو مرثد کناز بن حصین غنوی، ان کے بیٹے مرثد غنوی، انسہ مولیٰ رسول اللہ، ابو کبشہ مولیٰ رسول اللہ، حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر جلوہ افروز ہوئے، انصار مدینہ نے ان مہاجر بھائیوں کے راستے میں اپنی عقیدت واخوت کی پلکیں بچھا دیں اور اپنے تاریخ ساز کردار سے ان کے زخموں کو مندمل کر دیا، اب ان سب کو اپنے قلب ونگاہ کے سرور حضور پیغمبر نور ﷺ کی آمد کا انتظار تھا۔

دارالندوہ کا اجلاس:

جب قریش مکہ نے دیکھا کہ حضور پیغمبر نور ﷺ کے صحابہ کرام نہ صرف خود ہجرت کر کے جارہے ہیں بلکہ اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کو بھی اوس وخزرج کی طرف منتقل کر رہے ہیں، انہوں نے معلوم کیا کہ مسلمانوں کو محفوظ جگہ مل گئی ہے اور انہیں پناہ دینے والے لوگ جنگ آزمودہ، مسلح اور صاحب ہمت ہیں، اب انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ بھی ان سے جاملیں گے، اس لئے وہ ان کے بارے میں آخری فیصلہ کرنے کیلئے دارالندوہ میں جمع ہو گئے، انہوں نے تاکید کر دی کہ کوئی عقلمند اور سمجھدار آدمی جو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتا ہو پیچھے نہ رہے، اجلاس میں خصوصیت کے ساتھ ان افراد نے شرکت کی، بنو عبد شمس سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، بنو نوفل سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حرث بن عامر، بنو عبدالدار سے نضر بن حارث، بنو اسد سے ابوالبختری، زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام، بنو مخزوم سے ابوجہل بن ہشام، بنو سہم سے نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج، بنو جمح سے امیہ بن خلف، ان کے علاوہ بھی کچھ افراد شریک

---

[1]: یہ سالم دراصل ثبیتہ بنت یعار کے غلام تھے، اس نے ان کو آزاد کر دیا تو انہوں نے ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہنا شروع کر دیا، نیز ابوحذیفہ نے ان کو متبنی بنالیا تو یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے نام سے پکارے جانے لگے، بعض کہتے ہیں کہ ثبیتہ بنت یعار حضرت ابوحذیفہ کی بیوی تھی۔

ہوئے ، ﴿سیرت ابن ہشام ۲: ۹۳﴾ چونکہ اس دن کثیر تعداد میں قریش کا اجتماع ہوا اس لئے اس کا نام یوم الزحمہ مشہور ہو گیا، حضرت ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب وہ جمع ہوئے تو شیطان بھی ایک بارعب اور تجربہ کار بزرگ کی شکل میں قیمتی لباس زیب تن کئے ہوئے دروازے پر آ کھڑا ہوا، انہوں نے کہا یہ کون بزرگ ہے، اس نے کہا، میں نجد کا رہنے والا ہوں، میں بھی آپ کے اس اجلاس کی کارروائی سننا چاہتا ہوں، ممکن ہے میں آپ کو کوئی صحیح مشورہ دے سکوں، ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۲۲۷﴾ سب بولے بالکل ٹھیک ہے، آپ بھی تشریف لے آیئے، چنانچہ وہ اندر داخل ہو کر شریک اجلاس ہو گیا، اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو قریش کے سربرآوردہ سردار ایک دوسرے سے کہنے لگے، حضرت محمد مصطفے ﷺ نے جو کیا ہے، وہ آپ لوگوں کے سامنے ہے، خدا کی قسم! ان کا ارادہ اغیار کے تعاون سے ہم پر حملہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، اب پانی سر سے گزر چکا ہے، ان کے متعلق حتمی اور آخری فیصلہ کئے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا، اس لئے تمام لوگ اپنی اپنی تجاویز پیش کریں کہ آخر ان کا حل کیا ہے، ایک آواز آئی کہ ان کو ہتھکڑی پہنا کر اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کال کھوٹھری میں قید کرو، جس طرح دوسرے زہیر اور نابغہ جیسے شاعر مر گئے تھے، ان کی موت کا بھی انتظار کرو، شیخ نجدی نے کہا، واللہ! یہ کوئی معقول تجویز نہیں، ان کے ساتھیوں کو پتہ چل گیا تو عین ممکن ہے کہ وہ تم پر حملہ کر کے ان کو چھین لے جائیں، کوئی اور تجویز پیش کرو، دوسرا سردار بولا، ان کو جلاوطن کر دو، جب ہم ان کو ملک بدر کر دیں گے تو ہماری بلا سے جہاں چاہیں جائیں، ہم روز روز کی مصیبت سے نجات پالیں گے اور باہمی اختلاف دور کر کے پہلی سی پر امن زندگی بسر کرنے لگیں گے، شیخ نجدی بولا، اللہ کی قسم! یہ تجویز بھی نامعقول ہے، ان کی فصاحت و بلاغت کو تو تم جانتے ہو، وہ باتوں ہی باتوں میں دوسروں کا دل موہ لیتے ہیں، وہ جہاں بھی جائیں گے، لوگوں کو اکٹھا کر کے تم سے اقتدار چھین لیں گے اور جو چاہیں گے تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے، کوئی اور تدبیر سوچو، ابوجہل کہنے لگا، میرے دماغ میں ایک تجویز آئی ہے جو ابھی تک تمہارے دماغوں میں نہیں آئی، سب نے چونکے ہو کر پوچھا، ابوالحکم! وہ کیا تجویز ہے؟ اس نے کہا، میری رائے ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک ایک بدن کا مضبوط، ارادے کا پکا اور تلوار کا دھنی نوجوان لیں، پھر

ہر ایک کو قاطع تلوار دے کر حکم دیں کہ وہ یکبارگی حملہ کر کے ان کو شہید کر دیں، اس طرح ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور بنو عبد مناف اپنی ساری قوم سے لڑ نہیں سکیں گے، زیادہ سے زیادہ دیت کا مطالبہ کریں گے، جو ہم آسانی سے ادا کر دیں گے۔ یہ تجویز سن کر شیخ نجدی چلا اٹھا، بس یہی معقول تجویز ہے، اس کے علاوہ تمہاری مصیبت کا اور کوئی حل نہیں، چنانچہ یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوگئی، جلسہ برخاست ہوا اور سب نے اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اپنے اپنے گھر کی راہ لی، اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، آپ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں، پھر انہوں نے کفار مکہ کے منصوبے سے آگاہ کیا، عشا کے وقت طے شدہ پروگرام کے مطابق تمام قبائل کے نوجوان مسلح ہو کر آپ کے دروازے پر جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ سو جائیں تو آپ پر ٹوٹ پڑیں، بعض مورخین نے ان کے یہ نام درج کئے ہیں، ابو جہل، حکم بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، طعیمہ بن عدی، ابولہب ابی بن خلف، امیہ بن خلف، ربیعہ بن اسود، نضر بن حارث، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، ابن ابی حاتم، جب آپ نے دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، آج رات تم میرے بستر پر دراز ہو جاؤ اور میری سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور بے فکر رہو، تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا، ﴿سیرت دحلان ۱:۳۰۴﴾ آپ سوتے وقت یہی چادر اوڑھ کر سوتے تھے، ابن اسحاق نے حضرت محمد بن کعب قرظی کی روایت نقل کی ہے کہ قریش کے سب نوجوان ابو جہل کی قیادت میں اکٹھے تھے، ابو جہل ان سے کہہ رہا تھا، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کہتے ہیں، اگر تم ان کا دین قبول کر لو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، پھر مرنے کے بعد اٹھو گے تو تمہیں اردن کے باغوں جیسے باغات ملیں گے اور اگر یہ نہ کرو گے تو ذبح ہو جاؤ گے، پھر مرنے کے بعد اُٹھو گے تو آگ میں گرو گے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہو گے، اس نے ابھی اتنی بات کہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور مٹی کی مٹھی لے کر کہا، ہاں میں یہ کہتا ہوں اور تو ان میں سے ایک ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں اور آپ ان کے سروں میں مٹی ڈالتے اور سورہ یٰسین کی ان آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے:

⊙ .....یٰسین ○ والقرآن الحکیم ○ انک لمن المرسلین ○ .... فھم لا یبصرون ○ یٰسین، حکمت والے قرآن کی قسم، بے شک تم رسولوں میں

سے ہو، تم سیدھی راہ پر ہو، عزت والے مہربان کا اتارا ہوا تا کہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں، بے شک ان میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے، ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے، اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار ہے، اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا ہے تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔ ﴿سورۃ یٰسین: ا تا ۹﴾

کاشانہ صداقت کی طرف:

قرآن پاک نے اس نازک موقع پر فرمایا: علیٰ صراط مستقیم، آپ سیدھی راہ پر گامزن ہیں، وہ راہ کونسی تھی، یقیناً وہ راہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کاشانہ صداقت سے گزر کر دیار یثرب کی طرف جاتی تھی، حضور اقدس ﷺ نے اہل مکہ کی تمام امانتیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں کہ انہیں صبح ہوتے ہی ان کے حقداروں تک پہنچا دینا اور خود دیار یثرب کی طرف نکل آنا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر نبوت پر لیٹنے کا شرف عطا فرمایا، وہ فرماتے ہیں: مجھے بہت سکون کی نیند نصیب ہوئی، اس واقعہ کے متعلق آپ کے ایمان افروز اشعار بھی موجود ہیں۔

وقیت بنفسی خیر من وطی الثریٰ
ومن طاف با لبیت العتیق و بالحجر
رسول الہٖ خاف ان یمکروا بہ
فنجاہ ذوالطول الا لہ من المکر

یہ ان کی منفرد شان ہے لیکن اس عظیم شخصیت کی شان بھی تسلیم کرنی چاہیئے جسے اپنے سفر ہجرت کا رفیق بنایا اور دنیا سے جاتے وقت اپنے مصلیٰ نبوت پر کھڑا کیا، گویا دنیا کی امانتیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے ہوئیں اور رب تعالیٰ کی امانتِ عظمیٰ یعنی ذاتِ مصطفےٰ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے ہوئی، جب سرکار مدینہ عازم سفر ہوئے تو انہیں کوئی کافر نہ دیکھ سکا، حالانکہ آپ ان کے درمیان سے ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے گزر رہے تھے، معلوم ہوا کہ حضور پیغمبر نور ﷺ موجود بھی

ہوتے ہیں تو انہیں دیکھنے کیلئے کسی یارِ غار اور حیدر کرار کی آنکھ چاہئے، ابو جہل اور ابولہب کو محبوب نہیں دکھائے جاتے ے

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس رات جس کافر کو بھی کنکر لگا تھا وہ بحالتِ کفر جنگ بدر میں قتل ہو گیا، اس کو حضرت امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ حضرت امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کی نیت سے جو لوگ جمع ہوئے تھے، ان کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں!

⊙......اذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک، محبوب! اس وقت کو یاد کریں جب کفار تمہارے بارے میں تدبیریں کرر ہے تھے کہ تمہیں گرفتار کرلیں یا تمہیں قتل کردیں یا تمہیں ملک سے باہر نکال دیں۔ ﴿سورۃ الانفال:۳۰﴾

⊙......ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون، بلکہ وہ کہتے ہیں، یہ شاعر ہے، ہم اس کی موت کا انتظار کرتے ہیں۔ ﴿سورۃ الطور:۳۰﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک، صاحب لولاک ﷺ کو اس آیت میں ہجرت مدینہ کی اجازت عطا فرمائی، اے محبوب! تم کہو، اے میرے رب مجھے داخل ہونے کی سچی جگہ میں داخل فرما اور مجھے نکالنے کی سچی جگہ سے نکال اور مجھے اپنی طرف سے کامیاب حکومت عطا فرما۔ ﴿سورۃ الاسراء:۸۰﴾ یہ روایت حضرت امام ترمذی نے بیان کی اور اسکو صحیح قرار دیا، حضرت امام حسن اور قتادہ سے منقول ہے کہ "مدخل صدق" سے مراد مدینہ منورہ ہے اور "مخرج صدق" سے مراد مکہ مکرمہ ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو معلوم تھا کہ آپ دین اسلام کو سوائے مضبوط حکومت کے آگے نہیں بڑھا سکتے، اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پھیلانے، حدود کو جاری کرنے، فرائض بجالانے اور دین اسلام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے مستحکم حکومت کا سوال کیا، کیونکہ حکومت الٰہیہ بندوں کے درمیان رحمت ہے، اگر حکومت نہ

ہوتو لوگ قتل وغارت کا بازار گرم کردیں اور طاقتور کمزور انسانوں کو کھا جائیں، ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۸۶﴾ حضور اقدس ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی نے ان کفار سے پوچھا، تم یہاں کس کا انتظار کررہے ہو، وہ بولے، حضرت محمد ﷺ کا، اس نے کہا، اللہ تعالیٰ تمہیں ناکام کرے، وہ تو تمہارے ہر آدمی کے سر پر مٹی ڈال کر نکل گئے ہیں، کیا تم اپنے سر پر مٹی نہیں دیکھتے، پھر ہر آدمی نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر محسوس کیا کہ واقعی اس کے سر پر مٹی پڑی ہوئی ہے، پھر انہوں نے اندر دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چادر اوڑھ کر آرام فرما تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ اندر ہی موجود ہیں، وہ صبح کا انتظار کرنے لگے، جب صبح کے وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو سب کہنے لگے، خدا کی قسم! اس کہنے والے نے سچ کہا تھا، ادھر حضور نبی کریم ﷺ کا شانہ صداقت میں آئے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تیاری شروع کی تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! آپ ذرا صبر کیجئے، مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے گی، ایک روایت کے الفاظ ہیں، اے ابوبکر، جلدی نہ کریں، شاید اللہ تعالیٰ آپ کو میرا رفیق سفر بنا دے، چنانچہ آپ رسول اللہ ﷺ کی سنگت میں سفر ہجرت کا شرف حاصل کرنے کیلئے رک گئے اور اس مقصد عظیم کیلئے اپنی دو اونٹنیوں کو درختوں کے پتے کھلا کر خوب پروان چڑھاتے رہے، ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ دوپہر کے وقت ہم سب اہل خانہ موجود تھے، کسی نے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ سرانور کو چادر سے ڈھانپے ہوئے آرہے ہیں، حالانکہ آپ اس وقت کبھی تشریف نہیں لائے تھے، آپ نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا، آپ نے فوراً فرمایا: گھر کے افراد کو باہر بھیج دیجئے، انہوں نے کہا، میرے ماں باپ قربان ہوں، یہ آپ کی بیوی عائشہ ہی ہمارے قریب موجود ہے، آپ نے فرمایا: مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، انہوں نے پوچھا، کیا آپ مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں، انہوں نے کہا، ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ قبول کرلیں، آپ نے فرمایا: ہاں! میں ایک اونٹنی قیمتاً قبول کرتا ہوں، ایک روایت میں ہے کہ یہ اونٹنی غار ثور سے چلتے وقت پیش کی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے، اللہ کی قسم! مجھے آج سے پہلے معلوم

نہیں تھا کہ کوئی مسرت کے موقع پر بھی آنسو بہاتا ہے، میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معیت رسول کی خوشخبری پر خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے دیکھا۔ ﴿سیرت ابن ہشام ۲:۹۷﴾ پھر ہم نے سامان ہجرت تیار کیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا دوپٹہ چیر کر اس کا ایک حصہ پانی کے مشکیزے پر لپیٹا اور دوسرا حصہ کھانا باندھنے کیلئے استعمال کیا، اسی وجہ سے ان کا نام "ذات النطاقین" پڑ گیا، رسول اللہ ﷺ رات تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر رہے، پھر رات کی تاریکی میں غار ثور میں چلے گئے، ایک روایت میں ہے کہ وہ دونوں رات کی تاریکی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی پچھلی کھڑکی سے نکلے اور غار ثور میں جا چھپے۔ ﴿تاریخ ابن خلدون ۲:۳۸۷، مختصر سیرۃ الرسول: ۲۸۷﴾ مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت آپ نے نہایت رقت بھرے لفظوں سے دعا کی، تمام تعریف اللہ کی جس نے مجھے پیدا کیا، جب میں کوئی شے نہ تھا، اے اللہ! دنیا کی ہولناکیوں میں اور زمانے کی بربادیوں میں اور شب و روز کی مصیبتوں میں میری امداد فرما، اے اللہ! تو میرے سفر کا ساتھی ہے، میرے اہل و عیال کا تو ہی نگہبان ہے، میرے رزق میں برکت عطا فرما، عجز و نیاز کی توفیق دے، اچھے اخلاق پر تربیت فرما، مجھے اپنا محبوب بنا، مجھے لوگوں کے سپرد نہ کرنا، اے کمزوروں کے پروردگار، تو ہی میرا پروردگار ہے، میں تیری ذات کے طفیل جس سے زمین و آسمان چمک اٹھے ہیں، تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو اور تیری عافیت مجھ سے روٹھ جائے، تیری رضا میرے نزدیک سب سے بہتر ہے، میرے پاس تیری قوت کے سوا اور کوئی قوت نہیں، ﴿سیرت ابن کثیر ۲:۲۳۵﴾ آپ نے مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر اپنے شہر مقدس کا نظارہ کیا اور نہایت درد بھرے لہجے میں فرمایا: اللہ کی قسم! اے مکہ کی سرزمین، تو مجھے تمام زمینوں سے زیادہ محبوب ہے، تو اللہ تعالیٰ کی پیاری ہے، اگر تیرے باشندے مجھے نہ نکالتے تو میں کبھی تجھ سے جدا نہ ہوتا۔ غار ثور کے پر خار راستے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جان سپاری قابل دید تھی، وہ نہایت استقامت کے ساتھ دشوار گزار مرحلوں سے گزرتے رہے، یہ استقامت بھی دراصل رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تھی، حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے جس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جذبوں کی عکاسی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اپنے ساتھ وحی الٰہی کے مطابق

لیا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، اے ابو بکر، کیا تم میرے ساتھ خوش ہو، جس طرح میری تلاش ہو گی اس طرح تمہاری تلاش ہو گی، کیا تم اس پر راضی ہو کہ میری وجہ سے تمہیں مصائب کا سامنا کرنا پڑے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اگر میں تمام دنیا کی عمر کے برابر زندہ رہوں، اس طویل ترین زندگی میں مجھ پر عذاب نازل کئے جائیں، نہ مجھے موت آئے اور نہ مصائب سے چھٹکارا ملے تو مجھے یہ سب مصائب اس راحت سے زیادہ محبوب ہیں جو آپ کی مخالفت کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ کہ میں آپ کی مخالفت میں تمام ملکوں کا بادشاہ بن جاؤں اور میرے اہل و عیال آپ پر قربان ہوں، گویا حضور اکرم ﷺ کی محبت کی خاطر آنے والے عذاب مجھے دنیا کی راحت و مسرت اور تمام ملکوں کی بادشاہت سے زیادہ پیارے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے اپنے عاشق صادق کے جذبوں کا حسین منظر دیکھا تو فرمایا: اے ابو بکر! بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دل پر آگاہ ہے، تمہارا کلام، تمہارے دل کے عین مطابق ہے، اس نے تمہیں میرے کان اور آنکھ کی صورت بنا دیا ہے، تمہارا میرے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ اور روح کا بدن کے ساتھ ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر حسن عسکری ۱: ۲۱۲﴾ دوران سفر کبھی یہ منظر بھی رونما ہوا کہ وہ عاشق زار اپنے محبوب پاک ﷺ کے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں پروانہ وار گامزن ہوتا رہا، محبوب پاک ﷺ نے پوچھا: اے ابو بکر! اس اضطرابی کیفیت کا کیا سبب ہے، عرض کیا، حضور! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ پر اچانک حملہ نہ ہو جائے، اگر کسی طرف سے بھی حملہ ہو تو میں آپ کی پہلی ڈھال بن جاؤں اور آپ پر قربان ہو جاؤں، ﴿دلائل النبوۃ بیہقی ۲: ۴۷۷﴾ جہاں کوئی مشکل اور دشوار گزار مقام آتا تو آپ حضور تاجدار نبوت، شہریار رسالت ﷺ کو اپنے شانوں پر اٹھا لیتے، رات کی وحشت ناک ظلمات نے ساری زمین کو اپنی آغوش میں دبا رکھا تھا، پہاڑوں اور وادیوں سے ٹکرانے والے ہوا کے فراٹے عجیب قسم کی ڈراؤنی آوازیں پیدا کر رہے تھے، راہ ہجرت کے یہ دونوں مسافر چلتے جا رہے تھے، چلتے جا رہے تھے، اللہ اکبر! سفر معراج کا ساتھی ملائکہ عظام کا سردار تھا تو سفر ہجرت کا ساتھی صحابہ کرام کا تاجدار تھا، اس کی رفاقت سدرہ تک قائم رہی مگر اس کی رفاقت اتنی دائمی ہے کہ غار کیا مزار تک قائم ہے۔

ہمت او کشت ملت را چوں ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

آخر غار ثور کا مرحلہ بھی آ گیا، غار ثور مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جنوب کی جانب واقع تھی، اب شہر مقدس کی حدود وہاں سے بھی تجاوز کر گئی ہیں، غار ثور کے دھانے پر پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اس خدا تعالیٰ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آپ غار ثور میں داخل نہ ہوں جب تک پہلے میں داخل نہ ہو جاؤں، اگر وہاں کوئی موذی چیز ہوئی تو آپ سے پہلے مجھے نقصان پہنچائے، آپ غار ثور کے تاریک ماحول میں اتر گئے، آپ نے اس کو اچھی طرح صاف کیا، جہاں کوئی سوراخ معلوم ہوا اسے اپنی چادر کے ٹکڑوں سے بند کیا، چادر ختم ہو گئی مگر دو سوراخ باقی رہ گئے تو وہاں اپنی ایڑیاں رکھ دیں اور ہر طرح سے پر سکون ہو کر مسافرِ عرش علا کو آواز دی، حضور! تشریف لے آیئے، میں نے ساری جگہ کو درست کر دیا ہے، حضور اقدس ﷺ غار ثور میں داخل ہوئے اور اپنا سر انور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زانوئے مقدس پر رکھ کر آرام فرمانے لگے، کونین کی دولت آغوش صداقت میں سما گئی، کیا روح افروز منظر تھا، ہاں، چہرہ والضحیٰ کی تجلیات نے غار ثور کو نور کا گہوارہ بنا دیا اور چشم صدیق ان نظاروں سے شاد کام ہونے لگی، کائنات ان کے حسن مقدر پر جھوم رہی تھی، ہم کہہ سکتے ہیں کہ حسنِ ازل کے بے حجاب جلوؤں کو لامکاں کی تنہائی میں صرف چشم مصطفیٰ نے دیکھا ہے تو حسنِ سرکار کے بے حجاب جلوؤں کو غار ثور کی تنہائی میں صرف نگاہِ صدیق نے مشاہدہ کیا ہے، وہ انبیا کے تاجدار کی معراج تھی اور یہ صحابہ کے شہریار کی معراج ہے، آپ ہمہ وقت یہ آرزو کیا کرتے تھے، النظر الی وجه رسول الله، میری نگاہ محبت ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس کا دیدار کرتی رہے، غار ثور میں اس آرزو کو شرف قبول نصیب ہو رہا تھا، یہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ کائنات کی سب سے عظیم دولت دیدار محبوب ہے کیونکہ غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج نہیں کیا...... عمرہ نہیں کیا ...... روزے نہیں رکھے...... جہاد نہیں کیا...... طواف و اعتکاف کے عمل سر انجام نہیں دیئے، وہاں صرف دیدار محبوب سے اپنی نگاہوں کی پیاس بجھائی ہے، آپ کی زندگی کی تمام تر سرفروشیوں، قربانیوں اور تمناؤں کا کتنا حسین اجر موصول ہوا تھا جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ساری

عمر کی نیکیاں بھی نچھاور ہونے کیلئے بیقرار دکھائی دیتی ہیں، محبت امتحان مانگتی ہے، عشق حساب لیتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھلی آنکھوں سے والیل کے خمدار گیسوؤں میں والفجر کا چمکتا ہوا چہرہ دیکھنے میں مصروف تھے، وقت کی رفتار گویا تھم چکی تھی، غار ثور میں کوئی زہریلا ناگ رہتا تھا، اس نے تمام سوراخ بند دیکھے تو اس سوراخ سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا جہاں آپ کی ایڑی مبارک موجود تھی، **فلدغ فی رجله من الحجر ولم یتحرک لئلا یوقظ المصطفیٰ** ﷺ، ناگ نے آخرکار آپ کی ایڑی مبارک کو ڈس لیا مگر آپ نے ذرا بھی حرکت نہ کی کہ کہیں حضور احمد مجتبےٰ ﷺ کے آرام میں خلل نہ پیدا ہوجائے، پھر اس نے بار بار ڈسا، آپ کے جسم اطہر میں زہر دوڑنے لگا، رنگ زرد ہونے لگا، نقاہت طاری ہونے لگی، شدتِ درد سے آنسوؤں کے بندھن ٹوٹنے لگے لیکن پاؤں کو کوئی جنبش نہ ہونے دی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، **فسقطت دموعه علی وجه رسول الله فقال مالک یا ابا بکر قال لدغت فداک ابی وامی فتفل رسول الله** ﷺ **فذهب مایجده ثم انتقض علیه وکان سبب موته**، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آنسو حضور نبی کریم ﷺ کے چہرہ اقدس پر گرے تو آپ نے بیدار ہو کر فرمایا: اے ابوبکر! کیا ہوا، انہوں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں تو ڈس لیا گیا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگایا تو ساری تکلیف جاتی رہی، پھر وہ زہر لوٹ آیا اور ان کی وفات کا سبب بنا، ﴿مشکوٰۃ ۳:۳۲۹﴾ یہ بھی منقول ہے کہ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ابوبکر! کپڑا کہاں ہے، آپ نے ساری تفصیل بیان کی تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، مولا! ابوبکر کو میرے درجہ میں میرے ساتھ جنت میں داخل فرما، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے قبولیت دعا کی بشارت سنائی۔

ثانی اثنین اذھما فی الغار:

مکہ مکرمہ میں سپیدہ سحر نمودار ہوا تو کفار مکہ نے حضور پیغمبر نور ﷺ کو بستر نبوت پر نہ پاکر بڑے غیظ وغضب کا اظہار کیا، کفار مکہ کی ٹولیاں آپ کی تلاش میں سرگرم ہوگیں، ان کا گمان غالب یہی تھا کہ آپ ضرور دیار یثرب کی طرف روانہ ہوئے ہیں کیونکہ وہاں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت آپ پر جان و دل قربان کرنے کیلئے بیقرار تھی، اس

گمان غالب سے مجبور ہو کر دیار یثرب کے راستے پر وہ بہت دور تک گئے مگر آپ کا کہیں بھی سراغ نہ ملا، کفار مکہ نے آپ کو ہر حال میں گرفتار کرنے والے جانباز کیلئے سو اونٹوں کا انعام بھی مقرر کر دیا، اس انعام کے لالچ نے ساری قوم میں بجلیاں دوڑا دیں، اب تمام لوگ اپنے برق رفتار گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر دشت و جبل میں پھیل گئے، اس دوران قریش مکہ کے سرداروں کا ایک گروہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچ گیا اور بڑے وحشت بھرے انداز سے دروازہ کھلوایا، حضرت اسما رضی اللہ عنہا باہر تشریف لائیں تو ان سے ابو جہل بن ہشام نے پوچھا، اے ابو بکر کی بیٹی! تیرا والد کہاں ہے، انہوں نے جواب دیا، مجھے کیا خبر؟ اس نے شدید غصے سے ان کے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا جس سے رخسار سرخ ہو گئے اور کان کا آویزہ ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا، پھر وہ سب نامراد ہو کر واپس چلے گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھی ایک کشمکش جاری تھی، آپ کا باپ ابو قحافہ نابینا اور ہنوز غیر مسلم تھا، اسے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سرمایہ ساتھ لے کر ہجرت کر گئے ہیں اور ان کے اہل و عیال کفار مکہ کے نرغے میں بے آسرا ہیں تو وہ بہت زیادہ پریشان ہو گیا اور کہنے لگا، اے اہل خانہ! تمہارے باپ ابو بکر نے تمہیں بے آسرا چھوڑ کر زیادہ اذیت پہنچائی ہے، وہ تمہیں غربت کے سپرد کر گیا ہے، حضرت اسما نے کہا، اے دادا جان! ہمارے باپ نے ہمارے لئے خیر کثیر چھوڑی ہے، آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں، روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تھے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، وہ ساری رقم اشاعت اسلام کیلئے خرچ کر دی اور اب سفر ہجرت کے موقعہ پر گھر میں صرف چار یا پانچ ہزار درہم موجود تھے، وہ بھی آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو بھیج کر منگوا لئے اور عبد اللہ نے وہ نقدی غار ثور میں پہنچا دی۔ ﴿انساب الاشراف ۱:۲۶۱﴾ آپ کے باپ ابو قحافہ کی اس پریشانی کو دیکھ کر حضرت اسما نے کمال ذہانت کا ثبوت دیا، انہوں نے نقدی والی جگہ پر چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ دیئے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا، پھر اپنے نابینے دادا کا ہاتھ ان پتھروں پر پھرایا اور کہا، آپ تو خوامخواہ پریشان ہوتے ہیں، یہ ٹٹول کر دیکھ لیجئے، ہمارے باپ نے ہمارے لئے کتنا مال چھوڑ رکھا ہے، ابو قحافہ نے کہا، بس ٹھیک ہے، اگر اس نے اتنا مال چھوڑا ہے تو بہت اچھا کیا ہے، حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ تو میں

نے اپنے دادا کو مطمئن کیا تھا، ورنہ میرے باپ نے واقعی ایک درہم بھی گھر میں نہیں چھوڑا تھا، ﴿سیرت ابن ہشام ۲:۱۰۲﴾ یہ کیسا عظیم خاندان تھا جس کے بڑے تو بڑے چھوٹے بچے بھی رسول اللہ ﷺ کی خاطر ہر قربانی دینے کیلئے کمر بستہ رہتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے رگ وریشہ میں محبت رسول کا خزانہ بھر دیا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا سمجھتے تھے، حضرت عبداللہ بن ابی بکر سارا دن مکہ مکرمہ میں رہتے اور قریش مکہ کے جملہ منصوبوں کے بارے میں معلومات حاصل کر کے رات غار ثور میں پہنچاتے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خادم خاص عامر بن فہیرہ سارا دن بکریاں چراتے اور شام کے وقت ان کو ہانک کر غار ثور کے قریب لاتے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ان کا دودھ دوہتے اور گرم کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے، حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے نہایت بہادری اور جفاکشی سے دشوار گزار راستے پر چل کر کھانا پہنچایا، گویا سارا خاندان ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سرگرم عمل تھا ۔

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

کفار مکہ نے ہر طرف سے مایوس ہو کر مکہ مکرمہ کے جنوب میں واقع اس غار کا سراغ لگا لیا، ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ حضور پرنور ﷺ اس طرف کو گئے ہوں گے کیونکہ یہ غار یمن کو جانے والی شاہراہ کے قریب تھے، یہ تو بس مایوسی کے عالم میں اٹھایا ہوا اندھا اقدام تھا جس نے انہیں حیرت میں مبتلا کر دیا، جب وہ غار ثور کے قریب پہنچے تو ان کے ماہر کھوجی نے ایک نقش قدم کو دیکھ کر کہا، یہ ابوبکر کے پاؤں کا نشان ہے، اس کے ساتھ دوسرا نقش قدم بھی ہے جو مقام ابراہیم کے نقش قدم سے بہت مشابہت رکھتا ہے، کفار مکہ اس کی تشویش کو دیکھ کر چونک اٹھے اور ارد گرد کا علاقہ چھاننے لگے، خدا تعالیٰ کی قدرت کہ وہ تلاش بسیار میں غار کے دروازے تک تو پہنچ جاتے مگر نہ اندر جھانکتے اور نہ اندر اترنے کی ہمت کرتے، سیرت نگاروں نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ غار کے دروازے پر ''ام غیلان'' کا درخت اگا ہوا تھا، اس کی شاخیں بہت خاردار تھیں، دروازے پر مکڑی نے جالا بھی تان رکھا تھا، قریب ہی جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے گھونسلے میں

انڈے دیئے ہوئے تھے اور ایک کبوتری ان انڈوں کو سی رہی تھی [1]، یہ تمام انتظام قادر مطلق کی قدرتوں سے معرض وجود میں آیا تھا، اس ماحول کو دیکھ کر وہ سوچنے لگتے کہ اس خاردار درخت اور مکڑی کے جالے کی موجودگی میں کسی آدمی کا غار کے اندر داخل ہونا ناممکن ہے، اگر وہ اندر داخل ہوتے تو ضرور یہ درخت نہ ہوتا، جالا نہ رہتا اور کبوتری بے خوف وخطر انڈے نہ سیتی، چنانچہ امیہ بن خلف نے نہایت وثوق سے کہا، غار کے اندر جانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے دروازے پر مکڑی کا جالا تو حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ کے میلاد سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے، یہاں عقل نارسا کی طرف سے اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مکڑی کے جالوں اور کبوتری کے انڈوں والی روایت ضعیف ہے، جواباً عرض ہے کہ یہ واقعہ متعدد روایات میں مروی ہے جو کثرت طرق کی بنا پر درجہ حسن پر فائز ہے، ایک روایت کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جس میں انہوں نے ایک آیت قرآنی، **واذ یمکربک الذین کفروا** ...... کی تفسیر بیان کی ہے، اس روایت میں کوئی ایسا راوی نہیں جس پر کسی قسم کی جرح موجود ہو، حضرت امام ابن کثیر نے اس روایت کے بارے میں واضح پر طور پر لکھا ہے:

> ''یہ روایت حسن ہے اور مکڑی کے جالے کے متعلق جملہ روایات میں زیادہ مضبوط ہے، دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی حمایت ہے جو اس نے اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمائی۔ ﴿سیرت ابن کثیر ۲:۲۳۹﴾

حضرت امام ابوزہرہ نے لکھا ہے کہ یہ مکڑی کا جالا اور کبوتروں کا گھونسلہ دراصل وہ معجزات ہیں جو حواس سے محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ ﴿خاتم النبیین ،۱:۵۱۸﴾ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے لکھا ہے:

> ''مسند بزار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم دیا، اس نے غار ثور کے منہ پر جالا تن دیا اور دو جنگلی کبوتروں کو بھیج دیا کہ وہ غار کے دروازے پر جا بیٹھے، یہ دیکھ کر کفار غار کے اندر جانے سے رک گئے، جب وہاں پہنچے تو کبوتروں کو اڑتے اور غار کے منہ پر جالا تنا ہوا دیکھ کر کہنے لگے، اگر کوئی اس کے اندر داخل ہوتا تو یہ

[1]: امام زرقانی فرماتے ہیں، حرم مکہ میں کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے انعام میں اس جوڑے کی نسل کو صدیوں بعد بھی برقرار رکھا ہے، ﴿زرقانی علی المواہب، سبل الہدیٰ ۳:۳۴۰﴾

انڈے گر جاتے اور جالا ٹوٹ جاتا، چنانچہ یہ کہہ کر وہ وہاں سے واپس چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخفی تدبیر سے ان کو نامراد واپس لیا" ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۲۸۹﴾

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے سر کے اوپر کفار کے قدموں کو دیکھ کر کہا، یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے پیروں کی طرف دیکھ لیا تو ہمیں دیکھ لے گا، آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! آپ کا ان کے دو آدمیوں متعلق کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے، غم نہ کیجئے، اللہ ہمارے ساتھ ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھوجیوں کو دیکھا تو ان کو رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے سخت غم ہوا اور آپ سے کہا، اگر میں قتل ہوا تو میری موت ایک آدمی کی موت ہے اور اگر خدانخواستہ آپ شہید ہو گئے تو ایک پوری قوم ہلاک ہو جائے گی، آپ نے ارشاد فرمایا، گھبرایئے نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، یعنی اس کی مدد و نصرت ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اپنی سکینت اتاری اور یہ وہ امن ہے جس سے دل سکون اور اطمینان محسوس کرتے ہیں، کیونکہ وہ ہی زیادہ پریشان تھے، فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسے لشکروں سے تائید فرمائی جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اور وہ فرشتے تھے جو نماز میں آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کو دیکھنے کی بجائے دشمن کی نظریں اور ان کے چہرے دوسری طرف پھیر دیتے تھے، اس میں فوجوں کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرنے سے زیادہ واضح معجزہ ہے، اللہ سبحانہٗ ہر چیز پر قادر ہے، اسکی تدبیریں مخفی ہیں، وہ چاہے تو ساری دنیا کو مکڑی کی ایک تار کے ساتھ جکڑ سکتا ہے اور اگر چاہے تو دوسرے اسباب اختیار کرے، آپ غار میں تین دن ٹھہرے حتیٰ کہ تلاش کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول:۲۸۹﴾ قرآنِ پاک نے بھی حضور پیغمبر نور ﷺ کا سفر ہجرت بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان فرمایا ہے:

⊙ ..... اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا پڑا، صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اسکی مدد کی جو تم نے

نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈالی، اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے، ﴿سورۃ التوبہ ۴۰﴾

اس آیت مبارکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے ''ثانی اثنین'' اور ''صاحبہٗ'' کے القاب مستعمل ہیں جو آپ کو تمام صحابہ کرام سے ممتاز کر رہے ہیں اس لئے مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ چونکہ آپ کی صحابیت قرآن پاک کی نص قطعی سے ثابت ہے لہذا اس کا انکار کرنا کفر ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق از خود حضور اقدس ﷺ کے ہمراہ چل پڑے تھے اور حضور اقدس ﷺ نے بھی ان کو ہمراہ لے لیا تھا کہ کہیں بعد میں کفار مکہ کو اطلاع نہ کر دیں، حیرت ہے اس سوچ پر، انہوں نے مقام صداقت مآب کو کیا سمجھ لیا ہے، کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بے لوث خدمات کا یہ انعام ہے کہ ان کے بارے میں ایسے گھناؤنے خیالات کو پروان چڑھایا جائے، تمام روایات میں واضح طور پر موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر انتہائی اعتماد کا اظہار کر کے خود اپنی اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اپنا رفیق ہجرت بنایا تھا، علامہ فتح اللہ کاشانی نے بھی لکھا ہے:

''پس پیغمبر ﷺ شب پنج شنبہ در شہر مکہ امیر المومنین را بر جائے خود میخوابانید و خود از خانہ ابو بکر در رفاقت او بیرون آمدہ بداں غار توجہ نمود'' ﴿تفسیر منہج الصادقین﴾

پھر یہاں یہ بھی خیال رہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کوئی کمزور دل انسان نہیں تھے، اگر ایسے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ اتنے کٹھن سفر میں آپ کو ساتھ نہ لے جاتے، آپ کا غمناک ہونا صرف اور صرف محبت رسول کی وجہ سے تھا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کی یہ امانتِ عظمیٰ مجھ سے چھن نہ جائے، اس اندیشے کا آپ نے بار بار اظہار بھی فرمایا، کمزور دل تو وہ ہوتا ہے جسے ہر وقت اپنی جان کا خدشہ لاحق ہو، آپ تو اپنی جان اپنے محبوب پر قربان کرنے کیلئے بیقرار رہتے تھے، ساری سیرت النبی اس حقیقت کی گواہی فراہم کر رہی ہے، حضور اقدس ﷺ نے لاتحزن فرما کر اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب اطہر پر سکینہ اتار کر اس فکر سے بھی بے نیاز کر دیا، یہ ان کا بہت بڑا اعزاز ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، پھر یہ آیت مبارکہ بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو معیت خاص رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے اس سے کمال اتباع کی بدولت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

بھی حظ وافر نصیب ہو رہا ہے، ایک روز حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم نے ہمارے یار غار کی شان میں بھی کچھ بیان کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: سناؤ کیا بیان کیا ہے، پھر انہوں نے یہ اشعار بیان کیے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی ۔

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد

طاف العدو به اذ صعد الجبلا

وكان حب رسول الله قد علموا

من البرية لم يعدل به الرجلا

ترجمہ: وہ دو میں سے دوسرے تھے اس برکت والی غار میں، دشمن اس کے اردگرد طواف کر رہا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب ہیں اور لوگوں کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ ان کو اہمیت دیتے ہیں، ﴿ابن عساکر﴾ اس طرح کے اور اشعار بھی ان کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔

﴿المستدرک ۳: ۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۷: ۱۴، فضائل الصحابہ ۱۳۳، مجمع الزوائد ۹: ۴۳، الاستیعاب ۳: ۹۶۴، طبرانی فی الکبیر ۱۲: ۸۹، سنن بیہقی ۶: ۳۶۹﴾

غار ثور سے روانگی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پروگرام کے مطابق عبداللہ بن اریقط تیسری رات کے آخری حصہ میں صبح کے وقت اونٹنیاں لے کر آ گیا، حضور پیغمبر نور ﷺ سفر پر روانہ ہو گئے اور عامر بن فہیرہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تا کہ وہ آپ کی خدمت پر کمر بستہ رہے، عبداللہ بن اریقط راستے سے واقف تھا اس لئے اس کی خدمات حاصل کی گئیں، اس نے سفر ہجرت کیلئے سمندر کا ساحلی راستہ اختیار کیا، وہ آگے آگے چلتا تھا، اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت ان دونوں ساتھیوں کی حفاظت فرما رہی تھی اور اسکی تائید ان کا ساتھ دے رہی تھی، سعادت ازلی ان کو منزل پر اتار رہی تھی اور رخصت کر رہی تھی، مشرک مایوس ہو گئے، واقعی اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر میں سب پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، یہ بھی روایت ہے کہ اگر کوئی شخص راستے میں آپ کے متعلق کوئی سوال کرتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے:

یہ میرے راہبر ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب ہم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو ساری رات اور دن چلتے رہے، جب دوپہر کا وقت ہوا تو میں نے سایہ کیلئے چاروں طرف نظر دوڑائی تاکہ تھوڑی دیر ستالیں، دور ایک پہاڑ نظر آیا، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اس کا کچھ سایہ ہے، میں نے جگہ صاف کر کے اس پر پوستین بچھایا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! تشریف لائیے اور اس پر لیٹ جائیے، آپ لیٹ گئے تو میں ہٹ کر دیکھنے لگا کہ کہیں کوئی تلاش کرنے والا تو نہیں آرہا، میں نے گڈریئے کو دیکھا کہ وہ بکریاں ہانک کر لا رہا تھا اور ہماری طرح پہاڑ کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا، میں نے پوچھا، اے نوجوان تم کس کے غلام ہو، اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا، میں نے پوچھا کیا تمہاری بکریاں دودھ دیتی ہیں، بولا ہاں، میں نے کہا تم ہمیں کچھ دودھ پیش کرو گے، کہنے لگا ہاں، میرے کہنے پر اس نے ایک بکری پکڑی تو میں نے کہا، پہلے اس کے تھن غبار وغیرہ سے جھاڑ لو اور اپنے ہاتھ بھی صاف کرلو، پھر اس نے ہاتھ صاف کر کے تھوڑا سا دودھ دوہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کیلئے پانی ٹھنڈا کرنے کی خاطر مشکیزے پر ایک گیلا کپڑا لپیٹا ہوا تھا، میں نے اس سے دودھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا، اس سے برتن کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہوگیا، میں آپ کے پاس لایا تو دیکھا کہ آپ نیند سے بیدار ہو چکے ہیں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ﴿دودھ والا﴾ ٹھنڈا پانی نوش فرمایئے، آپ نے سیر ہو کر پانی پیا جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی، پھر میں نے کہا، چلنے کا وقت ہوگیا ہے، چنانچہ ہم اپنے سفر پر روانہ ہوئے، لوگ ہماری تلاش میں سرگرداں تھے لیکن سراقہ بن مالک مدلجی کے سوا ہم تک کوئی نہ پہنچ سکا، وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑائے آرہا تھا، میں نے کہا، یارسول اللہ! یہ تلاش کرنے والا پہنچ گیا ہے، آپ نے فرمایا، غم نہ کیجیے، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، آپ نے اس کے حق میں دعائے ضرر فرمائی اور اس کا گھوڑا زمین میں پیٹ تک دھنس گیا، وہ بولا میں سمجھتا ہوں کہ تم دونوں نے مجھ پر بددعا کی ہے، میرے حق میں دعا کرو تو میں اللہ تعالیٰ کو ضمانت دے کر عہد کرتا ہوں کہ تلاش کرنے والوں کو واپس لے جاؤں گا، چنانچہ آپ نے اس کے حق میں دعا کی تو اس نے نجات پائی، پھر اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، وہ جس کسی کو

دیکھتا تو کہتا، میں ادھر دیکھ بھال کر آ رہا ہوں، ادھر کوئی نہیں ہے، پھر اس کو واپس کر دیتا، ابن شہاب زہری کی حدیث میں ہے کہ مجھے عبدالرحمٰن بن مالک بن جعشم نے اپنے باپ سے خبر دی کہ اس نے سراقہ بن مالک سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قریش کے قاصد آئے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شہید کرے گا یا انہیں زندہ پکڑ کر لائے گا تو اسے ہر ایک کی دیت بطور انعام دی جائے گی، میں اس وقت قوم بنو مدلج میں بیٹھا ہوا تھا، ایک آدمی نے بتایا کہ سراقہ! میں نے ساحل پر کچھ آدمی جاتے ہوئے دیکھے ہیں، میرے خیال میں وہ حضرت محمد اور ان کے ساتھی ہیں، سراقہ کہتے تھے کہ میں نے معلوم کیا کہ وہی ہیں لیکن میں نے کہا، وہ نہیں، تم نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے جو ابھی ہمارے پاس سے گئے ہیں، پھر میں تھوڑی دیر مجلس میں بیٹھا رہا، بعد ازاں گھر آیا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا باہر ٹیلے کے پیچھے لے جائے، پھر میں گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے سرپٹ دوڑایا، جب ان کے قریب پہنچا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر پڑا، پھر میں نے ترکش سے قسمت آزمائی کے تیر نکالے اور ان سے قسمت معلوم کی کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں، پس وہ تیر نکلا جس کو میں ناپسند کرتا تھا، میں گھوڑے پر سوار ہوا اور تیروں کی پرواہ نہ کی، گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا اور میں اتنی نزدیک پہنچ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قرأت سن سکتا تھا، آپ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور ابوبکر بکثرت اِدھر اُدھر دیکھتے تھے، پھر ناگہاں میرے گھوڑے کی دونوں اگلی ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں، میں پھر زمین پر گر پڑا، میں نے اس کو ڈانٹا تو وہ اٹھا اور بڑی مشکل سے اپنے پیر زمین سے نکالے، اس جگہ سے اتنا غبار نکلا جیسے دھواں اڑ کر آسمان پر جا رہا ہے، میں نے قسمت آزمائی کے تیر نکال کر دیکھے تو وہ تیر نکلا جس کو میں مکروہ سمجھتا تھا، میں نے امن کا عہد دیتے ہوئے ان کو آواز دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ، میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آیا اور میں نے دیکھا کہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو میرے دل میں بات بیٹھ گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، آپ کی قوم نے آپ کو قتل کرنے والے کیلئے دیت دینے کا اعلان کیا ہے اور لوگ اس کے لالچ میں ان تھک کوشش کر رہے ہیں، میں نے ان پر زادِ راہ اور دوسرا سامان پیش کیا مگر انھوں نے کوئی

چیز قبول نہیں کی اور مجھ سے صرف یہی خواہش کی کہ میں آپ کے راستے کی کسی کو خبر نہ دوں اور تلاش کرنے والوں کو ادھر نہ آنے دوں، میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے امن کی تحریر لکھ دیں، آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر مجھے یہ تحریر لکھ دی، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پروانہ لکھنے کا حکم دیا، ﴿سیرت ابن ہشام﴾ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے، کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن تک یہ تحریر سراقہ کے پاس تھی اور اس نے حضور اقدس ﷺ کے سامنے پیش کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے اپنا وعدہ پورا کیا اور وہ دن وفاداری اور نیک سلوک کا دن تھا، حضرت سراقہ بن مالک فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور انہوں نے پوچھا، اگر کوئی گم گشتہ اونٹ میرے حوض پر آ جائے تو میں اسے پانی پلا دوں تو کیا مجھے ثواب ملے گا، آپ نے فرمایا: **نعم فی کل ذات کبد حریٰ اجر**، ہر پیاسے جگر والی جاندار چیز کو پانی پلانے میں اجر و ثواب ہے، ﴿بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد﴾ پھر وہ اپنی قوم میں آئے اور انہوں نے اپنی زکوٰۃ کے جانور بارگاہ نبوت میں روانہ کیے۔ یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: سراقہ! وہ کیسا وقت ہو گا جب تجھے کسریٰ کے طلائی کنگن پہنائے جائیں گے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح مدائن کے بعد ایران کا شاہی خزانہ مدینہ منورہ لایا گیا تو انہوں نے خود حضرت سراقہ بن مالک کو طلائی کنگن پہنائے، اس طرح امیر المومنین نے رسول غیب دان ﷺ کے وعدے کو پورا کر دیا، امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اگر چہ سراقہ ایک دیہاتی تھا جسے پیشاب کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ برکت اسلام سے مسلمانوں کو عزت عطا فرماتا ہے اور ان پر اپنے فضل و نعمت کی برسات نازل کرتا ہے، ﴿الروض الانف ۲:۲۳۳، سیرت دحلان ۱:۳۱۹﴾

ابوجہل کی بدحواسی اور بدگوئی:

ابوجہل بن ہشام کو جب سراقہ بن مالک سے پیش آنے والا واقعہ معلوم ہوا اور اسے پتا چلا کہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا تھا تو اسے خوف لاحق ہوا کہ وہ کہیں اس معجزے کو دیکھ کر ایمان نہ لے آئے، چنانچہ وہ کہنے لگا۔

بنی مدلج انی اخاف سفیھکم   سراقة مستغو لنصر محمد

علیکم بہ لا یفر قن جموعکم — فتصبح شتیٰ بعد عز و سودد
یظن سفیہ الحی ان جا شبھۃ — علیٰ واضح من سنۃ الحق مھتد
فانی یکون لہ الحق ما قال اذا غداً — ولم یأت با لحق لامبین المسدد
ولکنہ ولّی غریباً بسخطۃ — الیٰ یثرب منا فیا بعد مولد
ولوانہٗ لم یات یثرب ھادیا — لا شجاہ وقع المشرقی المھند

ترجمہ: اے بنی مدلج! مجھے ڈر ہے کہ تمہاری قوم کا بے وقوف آدمی سراقہ بن مالک حضرت محمد ﷺ کی مدد کیلئے گمراہی پسند نہ بن جائے، اسے سنبھالو! کہیں یہ تمہاری قومی وحدت کو پارہ پارہ نہ کردے ورنہ تم عزت وسیادت کھوکرانتشار کا شکار ہو جاؤ گے، قبیلے کا بے وقوف شخص سمجھتا ہے کہ وہ حق و ہدایت کی راہ روشن پر گامزن ہے حالانکہ اسکی اپنی حیثیت مشتبہ ہے، تو اس نے صبح ہوتے ہی جو کچھ کہا وہ کب حق ہے بلکہ وہ روشن اور نا قابل انکار حق لایا ہی کب ہے، بلکہ وہ تو سختی روزگار کے ہاتھوں بے وطن ہو کر یثرب کو چل دیا تو وطن سے دوری کتنی افسوس ناک ہے اور اگر وہ یثرب میں بھاگ کر نہ چلا آیا ہوتا تو مشرقی تلواروں کی ضرب اپنا حق ادا کر چکی ہوتی، ﴿دلائل النبوۃ:۲۹۴، سیرت ابن کثیر۲:۲۱۹﴾

پھر سراقہ بن مالک نے ابو جہل کے ان ہذیان آلود اشعار کے جواب میں کھل کر کہا ؎

ابا حکم واللہ لو کنت شاھداً — لا مر جوادی اذ تسیخ قوائمہٗ
عجبت ولم تشک بان محمداً — نبی و برھان فمن زا یکاتمہٗ
علیک بکف القوم عنہ فاننی — اریٰ ان یوما ما ستبلوا معالمہٗ
با مر یود النصر فیہ بالبھا — لو ان جمیع الناس طرا یسالمہٗ

ترجمہ: اے ابوالحکم ﴿ابوجہل﴾ اللہ کی قسم! اگر تم وہاں موجود ہوتے، جب میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں اتر گئے تھے تو تم ورطہ حیرت میں ڈوب جاتے اور تمہیں اس میں کوئی شک باقی نہ رہتا کہ حضرت مصطفےٰ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی اور برھان ہیں، اس برھان خداوندی کو کون چھپا سکتا ہے، اے ابوجہل! تجھے لازم ہے کہ قوم قریش کو آپ کی مخالفت سے باز رکھے کیونکہ

میں چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ کسی دن ان کا راستہ اہل نظر پر واضح ہو جائے گا اور اس دن سب انصار مدینہ طلب خیر میں یہی تمنا کریں گے کہ اے کاش سب لوگ ان سے دوستی کر لیں، ﴿دلائل النبوۃ:۲۹۴﴾

ام معبد کی قیام گاہ:

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے سرفروش ساتھی بنوخزاعہ کی عورت ام معبد عاتکہ بنت خالد کی قیام گاہ پر پہنچے جو شاہراہ کے کنارے پر دو خیموں میں رہائش پذیر تھی، وہ بہت مضبوط اور فاضل خاتون تھی، وہ عموماً اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھی رہتی تھی، راہگیروں کو کھانا کھلاتی اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں، راہ طیبہ کے ان مسافروں نے اس سے پوچھا کہ اس کے پاس کوئی چیز ہے، جسے وہ خرید کر اپنی ضرورت پوری کر لیں، وہ بولی، اللہ کی قسم! اگر کوئی چیز ہوتی تو بغیر مانگے مہمانی میں پیش کر دیتی، بکریاں باہر چرنے کیلئے گئی ہیں اور ویسے بھی یہ سال انتہائی قحط زدہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی، آپ نے فرمایا، اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے، وہ بولی یہ انتہائی لاغر اور کمزور بکری ہے جو دوسری بکریوں کے ساتھ نہیں جاسکی، آپ نے پوچھا، یہ کچھ دودھ دیتی ہے، وہ کہنے لگی، یہ تو بہت کمزور ہے دودھ کا ایک بھی قطرہ نہیں دے سکتی، آپ نے فرمایا: اگر تم اجازت دو تو اس سے دودھ حاصل کر لیں، اس نے کہا، میرے والدین آپ پر قربان! اگر آپ اس میں کچھ دودھ دیکھتے ہیں تو شوق سے حاصل کریں، رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا مانگی، اے اللہ! اس بکری میں برکت عطا فرما، اتنا کہنا تھا کہ بکری نے ٹانگیں کھولیں، تھنوں میں دودھ بھر لائی اور جگالی کرنے لگی، آپ نے اتنی بڑی دیگچی منگوائی جو ایک جماعت کیلئے کافی تھی اور اس میں دودھ دوہا کہ خوب جھاگ تیرنے لگا، پہلے آپ نے ام معبد کو دودھ عطا فرمایا جو اس نے شکم سیر ہو کر پیا، پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا، انہوں نے بھی خوب نوش جاں کیا، پھر آپ ﷺ نے پیا، پھر سب نے دوبارہ پیا، آپ نے دوسری مرتبہ بھی اتنا دودھ دوہا کہ برتن لبالب بھر گیا جس کو آپ ام معبد کے پاس چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ابو معبد اکتم بن الحون نے گھر آ کر دودھ ہی دودھ دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا، یہ کہاں سے آیا ہے، ام معبد نے کہا، اللہ کی قسم! راستے سے

ایک بابرکت انسان گزرا ہے جس نے ایسا کمال کر دکھایا ہے، ابو معبد کہنے لگا، بخدا میرا خیال ہے کہ وہ قریش کا آدمی ہے جس کو وہ تلاش کرتے پھر رہے ہیں، اے ام معبد! ذرا مجھے اس کا حلیہ تو بتاؤ، ام معبد نے کچھ اس انداز سے حلیہ بیان کیا کہ حسن و جمال کی دنیا مسکرانے لگی، اس نے کہا:

رایت رجلاً ظاهر الوضاء ة حسن الخلق مليح الوجه لم تعبه ثجلة ولم تزربه صعلة قسيم وسيم فی عينيه دعج وفی اشغاره وطف وفی صوته صهل احول اكحل ازج اقرن فی عنقه سطع و فی لحيته كثافة اذا صمت فعليه الوقار واذا تكلم سما وعلاه البهاء حلو المنطق فصل لا نزر ولا هزر كان منطقه خزرات نظم يتحدرن ابهى الناس واجملهم من بعيدٍ و احلا هم واحسنهم من قريب ربعة لا تشنوه عين من طول لا تقتحمه عين من قصر غصن بين غصنين فهو انضر الثلاثة منظرا وا حسنهم قداً له رفقاء يحفون به و ان قال استمعوا لقولهٖ وان امر تبادروا الیٰ امره محفود محشود لا عابس ولا مفند

میں نے ایک ایسا مرد کامل دیکھا جس کا حسن و جمال خوب ظاہر تھا، جو حسین تخلیق والا اور ملیح چہرے والا تھا، رنگت کی سفیدی معیوب نہیں تھی، گردن اور سر پتلا نہیں تھا کہ عیب دار نظر آئے، وہ بہت حسین اور خوبصورت تھا، اسکی آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لمبی تھیں، آواز گونج دار تھی، وہ سیاہ چشم اور سرگیں تھا، دونوں ابرو باریک اور پیوست تھے، گردن چمکدار تھی، داڑھی گھنی تھی، خاموش ہوتا تو پروقار ہوتا، محو کلام ہوتا تو رخ اقدس پر نور اور پر رونق نظر آتا، وہ بہت شیریں مقال تھا، اس کی گفتگو نہایت واضح تھی، جس میں بے فائدہ اور بے ہودہ عنصر کا نشان تک نہیں تھا، گویا موتیوں کی لڑی تھی جس سے جواہر گرتے ہیں، دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور خوبصورت دکھائی دیتا، قریب سے دیکھنے پر سب سے زیادہ خوش مزاج اور حسن مآب نظر آتا، قد مبارک

درمیانہ تھا، نہ طویل کہ برا لگے اور نہ چھوٹا کہ حقیر دکھائی دے، وہ دو شاخوں کے درمیان سب سے سرسبز شاخ کی مانند تھا، اس کے ہمسفر اس کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے جو اس کے حکم کی فوراً تعمیل کرتے، وہ سب کا مخدوم اور قابل احترام تھا، وہ ترش رو نہیں تھا اور نہ اس کے حکم کی مخالفت کی جاتی تھی، ﴿سیرت ابن کثیر ۲:۲۶۱، خاتم النبیین ۱:۲۶۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم﴾ حضرت ام معبد کا ہی شعر ہے۔

و ضاء الحبين متلا لا بالنور

من غير استكبار و لاا ستعلاء

ترجمہ: گویا محبوب کی پیشانی روشن تھی اور چہرے سے نور ہویدا تھا، وہ مغرور بھی نہیں اور نخوت پسند بھی نہیں تھا۔

یہ حلیہ مبارکہ سن کر ابو معبد نے کہا، بخدا وہ قریش کا آدمی تھا جس کا ذکر ہم مکہ مکرمہ میں بھی سن چکے ہیں، میں اس کی صحبت حاصل کرنا چاہتا ہوں، اگر میں اس کا راستہ حاصل کر پایا تو ضروری کروں گا، ﴿دلائل النبوۃ: ۲۹۷﴾ اس سارے واقعہ میں حضور پیغمبر نور ﷺ کی شان اعجاز نظر آتی ہے، کیونکہ یہ قانون قدرت ہے کہ جب تک کوئی جانور بچہ پیدا نہ کرے اس سے دودھ حاصل نہیں کرسکتا مگر دست نبوت نے یہ کمال ظاہر کر کے تمام تر کمالات انسانی کو عاجز کر دیا، اسی کا نام معجزہ ہے جو پیغمبر برحق کو عام انسانوں سے ممتاز کرتا ہے، طبقات ابن سعد اور حجۃ اللہ علی العالمین اور دیگر بہت سی کتابوں میں مرقوم ہے کہ دست رسالت سے مبارک ہونے والی بکری عرصہ دراز تک زندہ رہی' یہاں تک کہ دور فاروقی میں شدید قحط پڑا، جانوروں کے لئے گھاس وغیرہ کا کوئی تنکا بھی نظر نہیں آتا تھا مگر وہ بھوکی اور پیاسی رہ کر بھی صبح وشام مسلسل دودھ دیتی رہی، یہ روایت شیخ عبداللہ بن عبدالوہاب نجدی نے بھی مختصر سیرۃ الرسول میں رقم کی ہے، ہشام بن حبیش کا بیان ہے کہ میں نے اس بکری کو دیکھا ہے، ام معبد کے ساتھ تمام لوگ اس کے دودھ سے کھانا تناول کرتے تھے، ﴿سبل الھدیٰ ۳:۲۴۷﴾ بعد میں ابو معبد اور ام معبد نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی اور نور ایمانی سے اپنا سینہ منور کیا، ﴿سیرت ابن کثیر ۲:۲۶۲﴾ روایت ہے کہ ام معبد اور اس کے اہل نے آپ کا نام ''المبارک'' رکھا ہوا تھا، آپ کی یادوں کی بدولت اس ریوڑ میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تو وہ اسے لے کر

مدینہ منورہ آئی، اس کے بیٹے نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا کہ امی جان! یہ وہ آدمی ہے جو اس مبارک کے ساتھ ہمیں ملا تھا، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تو آپ نے اسے انعام سے نوازا۔ ﴿سبل الهدیٰ ۳: ۲۵۰﴾ اسی سفر کے دوران مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ شام سے واپس آتے ہوئے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کو اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زیب تن کرنے کیلئے سفید کپڑے پیش کئے۔

مکہ میں ہاتف غیبی کی صدا:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ تین دن تک ہمیں کچھ خبر نہیں ملی کہ رسول اللہ ﷺ کہاں گئے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی نچلی طرف سے آدمی آیا، وہ یہ شعر پڑھتا تھا، لوگوں کو اسکی آواز سنائی دیتی تھی لیکن وہ خود نظر نہیں آتا تھا:

ترجمہ: لوگوں کو پالنے والا اللہ، دونوں ساتھیوں کو جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمے میں اترے، وہ دونوں جنگل میں اترے اور تھوڑی دیر کے بعد سفر پر روانہ ہو گئے، حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ کا رفیق سفر کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے، اے قصیٰ کی اولاد! تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسا عمدہ کردار اور کیسی عمدہ سرداری تم سے ہٹالی ہے، جس کا جواب نہیں، آج تک کسی اونٹنی نے اپنی پشت پر حضرت محمد مصطفیٰ کریم ﷺ سے زیادہ نیک اور اپنے عہد کا زیادہ پکا آدمی نہیں اٹھایا، جو اس سے زیادہ نیا لباس لوگوں کو پہنانے والا ہو اور تیز رفتار، کم مو گھوڑے بخشنے والا ہو، بنو کعب کیلئے اپنی نوجوان اور شریف عورت کا مسلمانوں کے راستے میں بیٹھنا مبارک ہو، اپنی بہن سے اس کی بکری اور اس کے برتن کے متعلق پوچھو اور اگر تم بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی، اس محبوب نے ایک بے دودھ بکری کو بلایا تو اس کے تھنوں سے خالص اور جھاگ پیدا کرنے والا دودھ بہنے لگا، وہ اس کو ایسی حالت میں چھوڑ گیا کہ جاتے اور آتے وقت دودھ کا ایک برتن بھر دیتی تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب ہم نے یہ اشعار سنے تو معلوم کر لیا کہ رسول

اللہ ﷺ کہاں گئے ہیں، یہ واقعہ ابن اسحاق، طبرانی اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے، جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنے تو انہوں نے ان اشعار میں اسکا جواب دیا:

ترجمہ: وہ قوم خائب وخاسر ہے جس کا نبی اسے چھوڑ کر چلا گیا اور وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں جن کے پاس وہ دن رات سفر کر کے پہنچا، وہ جس قوم کو چھوڑ گیا اس کی عقل زائل ہوگئی اور جس کے پاس گیا اس کو روشنی مل گئی، اس کے ذریعے گمراہی کے بعد رب تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور سیدھی راہ دکھائی جو حق کی پیروی کرتا ہے اس کو راستہ مل جاتا ہے، اس کی سیدھی راہ پانے والی سواریاں اہل یثرب کے پاس آ کر رک گئیں جو بڑا اسعادتمند اور بابرکت سوار لائیں، کیا کسی قوم کے گمراہ لوگ جنھوں نے اندھے پن سے حماقت کا ثبوت دیا اور دوسرے لوگ ہادی کے ذریعے ہدایت پانے والے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں، وہ ہادی نبی ہے جو وہ چیز دیکھتا ہے جس کو آس پاس کے لوگ نہیں دیکھتے اور جو مسجدوں اور عبادت گاہوں میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے اور اگر وہ کوئی پوشیدہ بات کرتا ہے تو اس کی تصدیق دوپہر کو یا دوسرے دن ظاہر ہو جاتی ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کی رفاقت کی سعادت مبارک ہو اور سعادتمند وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ سعادت عطا فرمائے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول: ۲۹۴﴾

بریدہ اسلمی کا قبول اسلام:

قریش مکہ کے انعام کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا، بریدہ بن حصیب اسلمی بھی ستر سواروں کے ساتھ مل کر آپ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے کیلئے نکلا، اتفاق سے اس کی ملاقات بھی آپ کے ساتھ ہوگئی، آپ نے پوچھا، تم کون ہو، اس نے عرض کیا، بریدہ، آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا، آگ ٹھنڈی ہوئی اور حالات صحیح ہوگئے، پھر پوچھا تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو، اس نے کہا، قبیلہ اسلم سے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم محفوظ ہوگئے، آپ نے فرمایا قبیلہ اسلم کی کونسی شاخ ہے، اس نے عرض کیا، بنو سھم، آپ نے فرمایا، اے ابو بکر صدیق! تیرا تیر نکل چکا ہے، پھر اس نے سوال کیا، آپ کون ہیں، آپ نے فرمایا، میں محمد بن عبد اللہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، پھر کیا تھا،

بریدہ اسلمی کی نگاہوں سے کفر کے حجابات اتر گئے اور اسے وہ چہرہ اقدس ساری کائنات سے محبوب نظر آنے لگا، اس نے نہایت ادب احترام کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اسکے ساتھی بھی مسلمان ہو گئے، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا، اللہ کی تعریف ہے جس کے فضل سے بنوسہم کے لوگ نہایت خوشی سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، انہیں کوئی مجبوری نہیں، اسی طرح رات کا سماں بیت گیا، صبح ہوئی تو حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، حضور! آپ مدینہ منورہ میں پرچم لہراتے ہوئے داخل ہوں، پھر انہوں نے اپنا عمامہ کھول کر پرچم بنایا اور اسے نیزے کی نوک پر چڑھا کر لہراتے ہوئے آگے آگے چلنے لگے، اس شان کمال کے ساتھ یہ قافلہ ہدایت مدینہ منورہ کی طرف گامزن ہو گیا، اسے امام بیہقی نے بیان کیا ہے۔ ﴿محمد رسول اللہ ۲: ۵۴۷﴾ ایک روایت ہے کہ قبیلہ بنو اسلم میں دو نامی گرامی چور رہتے تھے، انہوں نے آپ کے راستے میں آ کر کہا، یہ یمانی ہیں، آپ نے ان کو قریب بلا کر اسلام کی دعوت دی تو ان کی قسمت جگمگا اٹھی، وہ بھی فوراً مسلمان ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا، تمہارے نام کیا ہیں، وہ بولے، ''مہانان'' لوگ ان کو مہانان یعنی دو ذلیل انسان کہا کرتے تھے، آپ نے فرمایا ''بل انتما مکرمان'' نہیں اب تم دو معزز انسان ہو، پھر آپ ﷺ نے ان کو قافلے کے آگے چلنے کا حکم دیا تاکہ وہ مدینہ منورہ تک چھوڑ آئیں۔ ﴿سیرت ابن کثیر ۲: ۲۶۵﴾ ایک روایت میں ایک چرواہے کے قبول ایمان کا واقعہ مرقوم ہے، دونوں حضرات نے اس سے دودھ طلب کیا، اس نے کہا ایک بھیڑ ہے جو سال کی ابتدا میں باردار ہوئی تھی۔ اب اس کے تھنوں میں دودھ نہیں ہے، آپ نے اس کی کھیری پر دستِ مبارک پھیرا تو دودھ سے لبریز ہو گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، پھر چرواہے نے اور پھر خود رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا تو چرواہا حیران ہو کر پوچھنے لگا، آپ کون ہیں، آپ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، چرواہے نے آپ کی شان کمال سے متاثر ہو کر گواہی دی کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آپ کا دین برحق ہے، جو کچھ آپ نے کیا ہے، پیغمبر برحق کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، میں بھی آپ کا اطاعت گزار ہوں، آپ نے فرمایا، جب مجھے غلبہ حاصل ہو گا، تم اس وقت میرے پاس چلے آنا، پھر آپ روانہ ہو گئے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

ہجرت کی تاریخ اور منازل:

حضرت امام حاکم علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بیعت عقبہ کے تقریباً تین یا پورے تین ماہ بعد سفر ہجرت پر روانہ ہوئے، ابن اسحاق کے مطابق دو مہینوں اور کچھ راتوں کے بعد نکلے، نیز منقول ہے کہ آپ یکم ربیع الاول بروز پیر نکلے اور بارہ تاریخ کو مدینہ منورہ پہنچے، حضرت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ متواتر احادیث میں آیا ہے کہ آپ پیر کے دن نکلے اور پیر کے دن ہی پہنچے، امام محمد بن موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ سے جمعرات کو نکلے اور غار ثور سے پیر کی رات سفر پر روانہ ہوئے، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی رات وہاں قیام فرمارہے، حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کا مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونا بارہ یا تیرہ ربیع الاول کو ہوا تھا، یہ اختلاف رویت ہلال کی وجہ سے ہے، امام نووی نے بارہ ربیع الاول پر جزم کیا ہے اور بھی چند اقوال ہیں جو صحت سے بعید ہیں، آپ مکہ مکرمہ سے ستائیس صفر کو نکلے اور غار ثور سے پہلی ربیع الاول کو نکلے، اس پر کلی اتفاق ہے کہ آپ پیروار کو مدینہ منورہ پہنچے، پیروار کے فضائل میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت، بعثت، ہجرت اور رحلت اسی دن واقع ہوئی۔ ﴿مدارج النبوۃ﴾ شیخ عبداللہ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول سوموار کا ہے۔ ﴿مختصر سیرۃ الرسول﴾ اب یہ حساب اس طرح درست ہوتا ہے کہ ۲۷ صفر کو سوموار تھا، آپ اسی رات غار ثور میں پہنچ گئے، منگل اور بدھ کی رات بھی وہیں قیام فرمایا، جمعرات یکم ربیع الاول کو غار ثور سے نکلے اور مسلسل بارہ دن محو سفر رہے اور ۱۲ ربیع الاول سوموار کو قبا میں پہنچ گئے اس طرح متواتر احادیث کی بات درست ہو گئی کہ آپ سوموار کو چلے اور سوموار کو پہنچے، واللہ ورسولہ اعلم بالصواب، صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے خواب میں تمہاری ہجرت گاہ دکھائی گئی ہے، وہاں کھجور بکثرت پیدا ہوتی ہے، اس شہر کے دونوں جانب سنگلاخ میدان ہیں اور سیاہ رنگ کے پتھر بکھرے ہوئے ہیں، ایک روایت میں واضح طور پر موجود ہے، مجھے بتایا گیا کہ تمہاری ہجرت گاہ یثرب ہے لہذا تم میں سے

جو بھی ہجرت کا ارادہ رکھے وہ یثرب کو چلا جائے، صحابہ کرام کو یقین کامل ہو گیا کہ یثرب کی طرف ہی ہجرت کرنی ہے اس لئے انہوں نے ہجرت شروع کر دی، جو لوگ پہلے ہجرت کر کے حبشہ جا چکے تھے وہ بھی مدینہ منورہ میں منتقل ہو گئے، امام ابن اسحاق نے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی منازل کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کو راستہ بتانے والا عبداللہ بن اریقط مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقے سے لے کر چلا اور سمندر کے کنارے کنارے عسفان کے نیچے لے گیا، پھر امج اور قدید سے گزرتا ہوا خرار میں لے آیا اور ثنیۃ المرۃ سے ہوتے ہوئے لقف کو لے گیا، ابن ہشام نے لفت کا لفظ استعمال کیا ہے، ابن اسحاق سے منقول ہے کہ پھر وہ لقف کے وحشی جانوروں کے جنگل سے گزرا اور دشت مجاج کے درمیان سے اور مقام مرج، ذی کشد، جداجد، الاجرد سے نکلتے ہوئے بطن اعداء کے مقام ذی سلم میں لے گیا جو تعہن کے جنگلی جانوروں کا مسکن تھا، پھر عبابید یا عابیب سے ہوتے ہوئے الفاجہ یا القاحہ کی منزل پر پہنچا، پھر العرج کی طرف اترا، آپ کے ساتھ کی سواریوں میں سے کسی نے دیر لگا دی تو رسول اللہ ﷺ نے بنو اسلم کے ایک شخص اوس بن حجر کو اپنے ایک اونٹ پر سوار کرا لیا اور اسے مدینہ منورہ تک لے گئے، پھر وہ راستہ بتانے والا العرج سے نکل کر عائر نامی پہاڑی پر لے گیا، بعض کے نزدیک غائر کا لفظ ہے جو رکوبہ نامی پہاڑی کے سیدھی جانب ہے یہاں تک کہ اس نے آپ کو بطن رئم میں اتارا اور بنو عمرو بن عوف کے پاس قبا میں لے آیا، ماہ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں، پیر کا روز مبارک تھا، دن کی گرمی بہت بڑھ گئی تھی اور سورج نصف النہار کے قریب تھا۔ ﴿طبقات کبریٰ، سیرت ابن ہشام﴾

کتنی عجیب رُت ہے ترے انتظار کی:

دیار یثرب کے مسلمانوں، شمع نبوت کے پروانوں کو اطلاع مل چکی تھی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ بارہ دنوں میں طے ہو جاتا تھا، یہ مدت انہوں نے انتہائی بیقراری کے ساتھ گزاری، موسم گرم تھا، سورج کی تپش نا قابل برداشت تھی، چونکہ اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ دن کی شدید حرارت سے بچنے کیلئے راتوں کو سفر کیا کرتے تھے اور چاشت کے وقت تک محو سفر رہتے تھے، باقی دن کسی درخت یا چٹان کے سائے میں آرام کرتے اور پھر رات کے قریب سفر پر گامزن ہو جاتے، انصار

مدینہ نے اپنا معمول بنالیا کہ وہ صبح کا اجالا پھوٹتے ہی مکہ مکرمہ سے آنے والے راستے پر جمع ہو جاتے اور چاشت تک انتظار کرتے رہتے، آپ کی تشریف آوری کا وقت گزر جاتا تو نہایت بے قراری کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹ جاتے پھر باقی دن اور رات محبوب خدا، حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے تصورات میں گم ہو کر گزار دیتے، اگلے دن پھر امیدوں کے چراغ جلاتے اور راستہ دیکھنے بیٹھ جاتے، راقم نے عرض کیا ہے ؎

عہد خزاں کا غم ہے نہ چاہت بہار کی
کتنی عجیب رت ہے ترے انتظار کی

اس طرح ایک دن انتظار کرتے کرتے واپس آ گئے، ابھی گھر آ کر کچھ دیر آرام بھی نہیں کرنے پائے تھے کہ ایک یہودی جو اپنے مکان کی چھت پر یا بلند ٹیلے پر چڑھا ہوا تھا، نے حضور پیغمبر نور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو سفید لباس میں ملبوس آتے دیکھ لیا اور بلند آواز سے پکارا تھا، **یابنی قیلة هذا جدکم قدجاء**، اے وادی قیلہ کے فرزندو! یہ تمہارا بلند بخت راہنما تمہارے قریب آ گیا ہے، ﴿طبقات کبریٰ ۱:۲۳۳﴾ یہ سننا تھا کہ مسلمان جلدی جلدی ہتھیار پہن کر آپ کے استقبال کیلئے باہر نکل آئے اور میدان حرہ میں آپ کا استقبال کیا، ان کا ہر بچہ، ہر جوان، ہر عورت اور ہر مرد کہنے لگا، **جاء رسول اللہ وجاء نبی اللہ**، اللہ کے رسول اور نبی تشریف لے آئے اور اپنی عادت کے مطابق مسرت وانبساط سے اچھلنے لگے، حضور اکرم ﷺ ان کو لے کر دائیں جانب پھر گئے اور بستی قبا میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں فروکش ہوئے، رسول اللہ ﷺ خاموش بیٹھے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آنے والوں کے سلام کا جواب دے رہے تھے، انصار کے جن لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا تھا، وہ انہی کو رسول اللہ سمجھ کر سلام کرتے تھے، جب یہ سایہ ہٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ پر دھوپ پڑنے لگی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر کا سایہ آپ پر تان دیا، اس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا، رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خوشی میں مسلمانوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر لگایا کہ بنو عمرو بن عوف کی بستی گونج اٹھی، یہ آواز سن کر باقی تمام مسلمان بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تحیت نبوت عرض کیا، آپ بڑے سکون سے تشریف فرما تھے، آپ پر وحی اتر رہی تھی، آپ کو اللہ تعالیٰ، جبرائیل،

اہل اسلام اور ملائکہ کی مدد حاصل تھی ، آپ قبا میں کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر اترے ، بعض کہتے ہیں ، خارجہ بن زید کے مہمان ہوئے ، بعض کے نزدیک سعد بن خثیمہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے ، لیکن پہلا قول صحیح ہے ، جب لوگوں کا ہجوم زیادہ ہو جاتا تو حضرت سعد بن خثیمہ کی حویلی میں تشریف لے آتے ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب بن اساف کے گھر قیام فرمایا، ان کی رہائش قبا کی نواحی بستی سخ میں تھی ۔ ﴿سیرت ابن کثیر ۲:۲۷﴾ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس زمانے میں آٹھ یا نو سال کا تھا، آپ کی آمد سے درو دیوار ایسے منور ہو گئے جس طرح آفتاب طلوع ہوتا ہے، اسی طرح جس دن آفتاب نبوت نے اس جہان سے روپوشی اختیار فرمائی تو سب جگہ تیرہ و تاریک ہو گئی ، بعینہ اس طرح جیسے سورج غروب ہو جاتا ہے ، ﴿مدارج النبوۃ ۲:۱۰۶﴾ قریش کی امانتیں واپس کر کے تین روز بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ بھی پیدل چلتے ہوئے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے تو آپ کی شادمانیوں میں اور اضافہ ہو گیا ، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں چھالے پڑ گئے تھے ، آپ نے ان چھالوں پر دست اقدس پھیرا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے ۔ ﴿مدارج النبوۃ ۲:۱۰۷﴾ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے پھر کبھی ان کے قدموں کو کوئی تکلیف نہ ہوئی ، انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حضرتِ کلثوم کے گھر قیام فرمایا' ﴿تاریخ ابن خلدون ۲:۳۹۷﴾

مسجد قبا کی تعمیر دلپذیر:

قبا کے مبارک قیام کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنے تقدس مآب صحابہ کو ساتھ ملا کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا ، حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ، میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خود پتھر اٹھاتے تو اس سے گرنے والی گرد آپ کے چمکتے ہوئے شکم مبارک پر گرتی ، کوئی فداکار صحابی حاضر خدمت ہو کر عرض کرتا کہ یا رسول اللہ! میرے والدین آپ پر قربان ، یہ پتھر آپ مجھے عطا فرما دیجئے ، میں آپ کی جگہ کام سرانجام دیتا ہوں ، آپ ارشاد فرماتے ، بھئی تم اس جیسا کوئی اور پتھر اٹھا لو ، یہاں تک کہ مسجد مکمل ہو گئی ، مسجد قبا کیلئے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ نے قطعہ زمین وقف کیا

تھا۔﴿سبل الھدیٰ ۳:۳۸۰﴾ ہجرت کے بعد یہ پہلی مسجد تھی جسے محبوب خدا ﷺ کی قیادت میں تعمیر کیا گیا، قرآن پاک نے اسی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

⊙ ......**لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ**......... وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہے، وہ پہلے دن ہی سے زیادہ حقدار ہے کہ تم اس میں قیام کرو، اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اور اللہ طہارت والوں کو پسند کرتا ہے،﴿سورۃ التوبہ:۱۰۸﴾

حضور پیغمبر نور ﷺ کے فرمودات میں مسجد قبا کی بہت شان ومنزلت بیان کی گئی ہے، آپ کا یہ معمول مبارک تھا کہ آپ ہر ہفتہ کے روز پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نہایت اچھے طریقے سے وضو کر کے مسجد قبا میں آ کر نماز پڑھتا ہے، تو اسکو عمرہ کرنے کا ثواب عطا کیا جاتا ہے، حضرت امام ترمذی اور حضرت امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہر سوموار اور جمعرات کو مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے، آج تک امت محمدیہ کے نزدیک اس مسجد کا مقام بہت بلند ہے۔

قبا میں عرصۂ قیام:

حضرت امام ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبا میں چار روز قیام فرمایا، حضرت امام ابن عقبہ سے روایت ہے کہ بائیس روز قیام فرمایا، صحیح مسلم شریف کی روایت ہے کہ **اقام اربعۃ عشر یوماً**، چودہ دن قیام فرمایا اور صحیح بخاری شریف کی روایت ہے کہ **اقام فیھم بضع عشرۃ لیلۃ**، دس راتوں سے کچھ اوپر قیام فرمایا، قرائن کے مطابق صحیح بخاری شریف کی روایت درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبا میں سوموار کے روز جلوہ آرا ہوئے اور جمعۃ المبارک کے روز مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے، چار دن قیام والی روایت اس لئے درست نہیں کہ قبا میں مسجد قبا کی تعمیر اور تکمیل وغیرہ کا کام، طویل سفر کے بعد آرام اور دیگر بہت سی مصروفیات کیلئے اتنا تھوڑا قیام قرین قیاس نہیں، چودہ دن کی روایت اس لئے درست نہیں ہے کہ سوموار کے چودہ دن بعد

سوموار آتا ہے، جمعۃ المبارک نہیں آتا، البتہ دس راتوں سے کچھ اوپر کی مدت درست ہے کیونکہ سوموار کے گیارہ دن بعد جمعۃ المبارک کا واقعہ ہونا ثابت ہوتا ہے، یہ مدت قیام عقل اور نقل دونوں سے ظاہر ہوتی ہے، واللہ اعلم و رسولہٗ.

حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام:

حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے قیام قبا کے دوران ایک بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا، وہ حضرت سلمان فارسی کے حاضر ہونے کا واقعہ ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود اپنی زبان سے اس طرح بیان فرمایا، میں ملک فارس میں قریہ جبی کا رہنے والا تھا، میرا باپ شہر کا باا ثر آدمی تھا اور سب سے زیادہ مجھے محبوب رکھتا تھا، وہ کنواری لڑکیوں کی طرح میری حفاظت کیا کرتا تھا اور مجھے گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتا تھا، ہم مذہباً مجوسی تھے، میرے باپ نے مجھے آتشکدہ کا محافظ بنا رکھا تھا کہ کسی وقت بھی آگ نہ بجھنے پائے، ایک دفعہ میرا باپ تعمیر کے کام میں مصروف تھا اس لئے اس نے مجبوری سے مجھے کسی زمین اور کھیت کی خبر گیری کیلئے بھیجا اور یہ تاکید کی کہ دیر نہ کرنا، راستے میں ایک گرجا تھا، اندر سے آواز آئی تو میں دیکھنے کیلئے اندر داخل ہو گیا، وہاں نصاریٰ کی ایک جماعت نماز میں مشغول نظر آئی، مجھے ان کی عبادت بہت پسند آئی اور دل میں کہا یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے، میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے، انہوں نے کہا، ملک شام میں، اسی میں آفتاب غروب ہو گیا، باپ نے انتظار کر کے تلاش کیلئے قاصد دوڑائے، جب میں واپس آیا تو باپ نے دریافت کیا کہ تم کہاں تھے، میں نے تمام واقعہ بیان کیا، اس نے کہا، اس دین میں کوئی خیر نہیں، تمہارے باپ دادا کا دین ہی بہتر ہے، میں نے کہا، ہرگز نہیں، خدا کی قسم نصاریٰ کا دین ہی بہتر دین ہے، میرے باپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا، جیسے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، لئن اتخذت الٰھاغیری لا جعلنک من المسجونین میں نے پوشیدہ طور پر نصاریٰ سے کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھے اطلاع کرنا، چنانچہ انہوں نے مجھے ایک موقعہ پر اطلاع کر دی، میں نے موقعہ پا کر بیڑیاں نکال دیں اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیا، ملک شام پہنچ کر

معلوم کیا کہ نصاریٰ کا سب سے بڑا عالم کون ہے، لوگوں نے ایک پادری کا نام بتایا، میں نے اس کے پاس جا کر سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر آپکا دین سیکھنا چاہتا ہوں اور نماز پڑھنا چاہتا ہوں، پادری نے کہا، ٹھیک ہے، وہاں رہنے پر چند دنوں کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وہ اچھا آدمی نہیں تھا، بڑا حریص لالچی اور طالع تھا، دوسروں کو صدقات و خیرات کا حکم دیتا اور جب وہ روپیہ لے کر آتے تھے تو خود جمع کر کے فقرا اور مساکین کو کچھ نہ دیا کرتا تھا، اسی طرح اس نے اشرفیوں کے سات مٹکے بھر رکھے تھے، جب وہ مر گیا تو لوگ حسن عقیدت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کیلئے جمع ہوئے میں نے لوگوں کو اس کا حال بتایا اور مٹکے دکھائے، لوگوں نے کہا، خدا کی قسم! ہم ایسے بدفطرت انسان کو ہرگز دفن نہیں کریں گے، آخر کار اس کو سولی پر چڑھا کر سنگسار کر دیا گیا اور اس کی جگہ اور عالم بٹھایا، میں نے اس نئے مسند نشین عالم سے بڑھ کر عالم، عابد، زاہد اور دنیا سے بے تعلق کسی کو نہیں دیکھا، مجھے اس کے ساتھ از حد عقیدت ہو گئی اور میں اس کی خدمت میں کمر بستہ رہا، جب وہ قریب الموت ہوا تو میں نے کہا، مجھے وصیت کیجئے، میں کس کی خدمت میں رہوں، اس نے کہا، موصل میں ایک پادری ہے، تم اس کی خدمت میں چلے جانا، میں اس کے پاس چلا گیا، پھر اسکی وصیت کے مطابق نصیبین کے ایک عالم کے پاس چلا گیا، پھر اس کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ کے ایک عالم کے پاس چلا گیا، جب وہ بھی کوچ کرنے لگے تو میں نے پوچھا، اب میں کس کی خدمت سرانجام دوں، اس نے کہا، اس وقت دنیا میں کوئی عالم ربانی نہیں، البتہ پیغمبر برحق کے ظہور نور کا زمانہ بہت قریب ہے، وہ نبی دین ابراہیمؑ پر ہو گا، عرب میں جلوہ گر ہو گا، ایک نخلستانی سرزمین کی طرف ہجرت کرے گا، اگر تم وہاں پہنچ سکو تو ضرور پہنچو، اس پیغمبر برحق کی یہ نشانی ہو گی کہ وہ صدقہ کا مال نہیں کھائیں گے اور ہدیہ قبول کر لیں گے، ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی، جب تم دیکھو گے تو پہچان لو گے، حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دوران میرے پاس کچھ بکریاں اور گائیں جمع تھیں، اتفاقاً ایک قافلہ عرب کو جانے والا مل گیا، میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ، میں یہ بکریاں اور گائیں تمہیں دے دوں گا، قافلہ والوں نے رضا مندی کا اظہار کر دیا اور مجھے اپنے ساتھ لے لیا، جب وادی قریٰ میں پہنچے تو قافلہ والوں

نے بدسلوکی اور بے وفائی کا ارتکاب کرتے ہوئے مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا، جب میں یہودی کے ساتھ آیا تو کھجور کے درخت دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید یہی وہ سرزمین ہو، لیکن ابھی پورا اطمینان نہیں ہوا تھا کہ بنی قریظہ سے ایک یہودی اس کے پاس آیا اور مجھے خرید کر مدینہ منورہ لے گیا، جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو خدا کی قسم، اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی شہر میری منزل مراد ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اس طرح دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں، میں مدینہ منورہ میں اس یہودی کے پاس رہا اور بنی قریظہ کے درختوں کا کام کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے حضور پیغمبر نور ﷺ کو مکہ مکرمہ میں مبعوث فرمایا مگر غلامی اور خدمت گزاری کی وجہ سے مطلقاً علم نہ ہو سکا، جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور قبا میں قیام فرمایا تو میں اس وقت کھجور کے درخت پر چڑھ کر کام کر رہا تھا، میرا آقا یہودی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آکر خبر دی، خدا تعالیٰ بنو قیلہ یعنی انصار کو ہلاک کرے، وہ قبا میں ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ مکرمہ سے آیا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر برحق ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم! یہ سنتے ہی میں لرزہ براندام ہو گیا، مجھے لگتا تھا کہ میں ابھی اپنے یہودی آقا پر گر جاؤں گا، ان دونوں یہودیوں نے میری حالت زار دیکھی تو متعجب ہوئے، میں درخت سے اترا تو اس خبر دینے والے یہودی سے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے، وہ خبر مجھے بھی سناؤ، اس پر میرے یہودی آقا کو غصہ آیا اور مجھے زور سے تمانچہ مار دیا، پھر کہا تمہیں اس سے کیا مطلب، تم جا کر اپنا کام کرو، جب شام ہوئی تو میں نے اپنا کل اثاثہ جمع کیا اور قبا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا، میں نے کہا، مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ساتھیوں کے پاس کچھ نہیں، لہٰذا میں آپ کو صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں، آپ نے اپنی ذات مقدس کیلئے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، نیز فرمایا میرے لئے صدقہ جائز نہیں اور صحابہ کرام سے فرمایا، تم قبول کر لو، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ان علامات میں سے پہلی علامت تھی، میں واپس چلا گیا اور کچھ مال جمع کرنے لگا، جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا، میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں کچھ ہدیہ پیش کروں، آپ صدقہ

قبول نہیں فرماتے تو ہدیہ ہی قبول فرمالیں، آپ نے ہدیہ قبول فرمالیا، خود بھی کھایا اور صحابہ کرام کو بھی کھلایا، میں نے دل میں کہا، یہ دوسری علامت بھی درست ہے، میں واپس چلا گیا، کچھ دن گزر گئے تو پھر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ اس وقت جنت البقیع میں ایک جنازے کے ہمراہ تشریف لائے ہوئے تھے، صحابہ کرام کی جماعت آپ کے ہمراہ تھی، میں نے سلام عرض کیا اور آپ کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا کہ کہیں مہر نبوت کی زیارت کرلوں، حضور اقدس ﷺ میری نیت کو سمجھ گئے اور آپ نے خود بخود پشت مبارک سے چادر کو اٹھا دیا، میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی وہ پیغمبر آخر الزمان ہے، میں نے آپ کی مہر نبوت کو بوسہ دیا اور دل کھول کر رونے لگا، آپ نے فرمایا، سامنے آؤ، پھر میں نے سامنے آ کر آپ کے سامنے اپنی زندگی کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔

دل کا ہر بوجھ ہوگیا ہلکا
جب انہیں حال دل سنا بیٹھے

پھر وہ خوش نصیب لمحہ بھی آ گیا جب میں نے حضور اکرم، شفیع دو عالم ﷺ کے دست رحمت پر اسلام قبول کر لیا۔ ﴿طبقات کبریٰ ۴: ۵۳، سیرت ابن ہشام ۱: ۲۳۷، شواہد النبوۃ ص ۶۰﴾

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کی عمر بہت زیادہ ہوئی، کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا، بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور وصی کا زمانہ پایا تھا، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جس قدر بھی اقوال ہیں، سب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی عمر ڈھائی سو سال سے متجاوز تھی۔

مسجد قبا کی تعمیر دلپذیر کے بعد حضور تاجدار ختم نبوت، شہر یار ملک رسالت، مخزن انوار وحدت ﷺ دیار یثرب کو ہمیشہ کیلئے بقعہ نور اور سرچشمہ سرور بنانے کیلئے روانہ ہوئے، آپ نے اس بیماریوں کے گھر کو شفاؤں کا نگر بنا دیا کہ فردوس بریں کے لاکھوں نظارے اس پر قربان ہیں، وہ قبلہ قلوب عاشقاں ہے اور قریہ سکونِ دلبراں ہے۔

مہاجرین کے فضائل:

جن عظیم القدر لوگوں نے اپنا خاندان، برادری، علاقہ اور اہل و عیال چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول والا ﷺ کی رضامندی اور خوشنودی کیلئے ہجرت کی،

قرآن پاک نے ان کے فضائل و مناقب کی ایک حسین داستان بیان کی ہے، رسول اللہ ﷺ کے فرمودات میں بھی ان کا جابجا ذکر خیر دکھائی دیتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

⊙......**ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم**○ بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا، وہی تو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے، ﴿سورۃ البقرہ:۲۱۸﴾

⊙......**فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم و اوذوافی سبیلی وقتلوا وقتلوا لا کفرن عنھم سیاتھم ولادخلنھم جنت تجری من تحتھا الانھار ثوابامن عنداللہ واللہ عندہ حسن الثواب،** پس جن لوگوں نے اپنا وطن چھوڑا اور جو لوگ اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، اور جنھیں میرے راستے میں تکلیف دی گئی اور جو ﴿میری رضا کیلئے﴾ لڑے اور شہید ہو گئے میں ضرور ان سے ان کے گناہوں کو مٹادوں گا اور انہیں ضرور جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، یہ اللہ کے ہاں اجر ہے اور اللہ ہی کے ہاں بہترین اجر ہے، ﴿سورۃ آل عمران: ۱۹۵﴾

⊙......**ثم ان ربک للذین ھاجروامن بعد ما فتنوا ثم جاھدوا وصبروا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم**○ پھر تمہارا رب ان لوگوں کیلئے جنھوں نے آزمائشوں کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر اپنایا، بے شک تمہارا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے، ﴿سورۃ النحل:۱۱۰﴾

⊙...... **والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا النبونھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون**○**الذین صبروا وعلیٰ ربھم یتوکلون** ○اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر بہت سے ظلم ڈھائے گئے، ہم ضرور ان کو دنیا میں بہت اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو سب سے بڑا ہے اگر وہ اس کو جانتے، جن لوگوں نے

صبر کا مظاہرہ کیا اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں، ﴿سورۃ النحل: ۴۱، ۴۲﴾

⊙...... جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی جو اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، اللہ کے ہاں ان کا درجہ بہت بلند ہے اور وہی کامیاب ہیں، ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضوان کی اور ان جنتوں کی جن میں دائمی نعمتیں ہیں، بشارت سناتا ہے، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ ہی کے پاس بہت بڑا اجر ہے، ﴿سورۃ التوبہ: ۲۰ تا ۲۲﴾

⊙...... اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر وہ مارے گئے یا طبعی موت کا شکار ہوئے اللہ ان کو ضرور ضرور بہت اچھا رزق عطا کرے گا اور بے شک اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے، انہیں ضرور ضرور اعلیٰ درجے والی جنت میں داخل کرے گا اور بے شک اللہ بہت علم والا، حلم والا ہے، ﴿سورۃ الحج: ۵۸، ۵۹﴾

قرآن پاک کی ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہجرت اسلام کا ایک بنیادی فلسفہ ہے، ہجرت ایمان کی حفاظت اور صیانت کا عظیم ذریعہ ہے، ہجرت سے حق اور باطل، نیکی اور برائی، ایمان اور منافقت میں امتیاز پیدا ہوتا ہے، ہجرت سے مسلمان ایک عالمگیر معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے اور اپنے ایثار سے ظاہر کرتا ہے کہ وہ زمین کا فرزند نہیں، ایک آفاقی تہذیب کا رکن ہے، وہ نیل سے لیکر تابخاک کاشغر ایک ملت اسلامیہ کا فرد ہے جس کی عزت و ناموس کیلئے وطن جیسی دولت کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا، ہجرت دراصل جہاد کا پیش خیمہ ہے اور کفر کے ساتھ ٹکرانے کی ایک عملی کوشش ہے، ہجرت اشاعت توحید اور اقامت دین کا اولین زینہ ہے، ہجرت گناہوں کا کفارہ ہے، ہجرت دنیا اور آخرت میں اجر عظیم کا وسیلہ ہے، ہجرت اعلیٰ درجات والی جنتوں کا دروازہ ہے، انعامات خداوندی کا سرچشمہ ہے، ہجرت اللہ پر توکل کرنے کا راستہ ہے، ہجرت بذات خود اچھا عمل ہے اور اچھے اعمال کا ذریعہ ہے، ہجرت ایک مسلمان کو تنگ و تاریک ماحول سے نکال کر اسلام کی کھلی فضاؤں میں سانس لینے کا انداز سکھاتی ہے اور رنگ و نسل کی گھٹیا سوچوں سے جان چھڑا کر انقلابی فکر سے آشنا کرتی ہے، آیئے! اب دیکھئے کہ مہاجرین کے فضائل اور ہجرت کے مناقب میں حضور پیغمبر نور ﷺ کے ارشادات کیا اعلان فرما رہے ہیں:

⊙ ...... رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ افضل ہجرت کونسی ہے، فرمایا، اسکی ہجرت جس نے اللہ کے حرام کردہ ہر کام کو چھوڑ دیا، ﴿سنن نسائی، کتاب الزکاۃ﴾

⊙ ...... تم ہجرت کو لازم پکڑلو، اس کی کوئی مثال نہیں، ﴿ایضاً، کتاب البیع﴾

یاد رہے کہ بعض احادیث میں وارد ہے، **لاھجرۃ بعد الفتح**، فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں، اس کا مطلب ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت فرض نہیں رہی مگر اس کا مستحب ہونا قیامت تک باقی ہے، جیسا کہ ان روایات سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لاتنقطع الھجرۃ ما قوتل الکفار**، جب تک کفار کے ساتھ جنگ جاری رہے گی ہجرت منقطع نہیں ہوگی، ﴿سنن نسائی کتاب البیعہ﴾ اور فرمایا، جب تک جہاد برقرار ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی، اس روایت کے تمام راوی صحیح ہیں، ﴿مجمع الزوائد ۵:۲۵۱﴾ اور فرمایا، تم اللہ اور اسکے رسول کی طرف ہجرت کرو، جب تک توبہ قبول کی جائے گی، ہجرت منقطع نہیں ہوگی اور توبہ قبول ہوتی رہے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا اور جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو ہر دل پر مہر لگ جائے گی، ﴿مسند احمد ۲:۱۹۲﴾ حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا:

> **لاھجرۃ بعد الفتح**، یعنی فتح کے بعد ہجرت نہیں، کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مطلقاً فتح کے بعد ہجرت نہیں، خواہ مکہ فتح ہو یا کوئی دوسرا شہر، لہٰذا مسلمان کسی شہر کو فتح کرلیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں رہتی لیکن اگر مسلمانوں نے کسی شہر کو فتح نہیں کیا تو ان کے متعلق تین قول ہیں، اولاً، جو مسلمان دارالکفر میں اظہار دین کی قدرت نہیں رکھتا اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر دارالکفر سے نکل جانے کی استطاعت رکھتا ہو تو اس پر ہجرت کرنا واجب ہوتا ہے، ثانیاً، مسلمان دارالکفر میں فرائض و واجبات کو ادا کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہوں اور وہاں کے نکل جانے کی استطاعت بھی رکھتے ہوں تو ان پر ہجرت مستحب ہے تا کہ وہ دارالاسلام میں داخل ہو کر مسلمانوں کی کثرت وجمعیت کا باعث بنیں اور ضرورت کے وقت جہاد میں حصہ لیں اور دارالکفر کے کافروں کے فتنوں سے محفوظ ہو جائیں، ثالثاً، جو مسلمان قید یا بیماری یا کسی

اور عذر کی بنا پر ہجرت کی طاقت نہیں رکھتا اس کیلئے دار الکفر میں قیام کرنا جائز ہے، اس کے باوجود اگر وہ محنت کر کے ہجرت کرے تو اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرے گا، ﴿فتح الباری، شرح البخاری، ۶: ۳۸﴾

یہاں پر بہتر محسوس ہوتا ہے کہ ہجرت کی اقسام بھی لکھ دی جائیں تا کہ مزید معلومات حاصل ہو جائیں، حضرت امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں:

⊙...... دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت کرنا جیسا کہ مکہ مکرمہ کے مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

⊙...... دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا جیسا کہ مکہ مکرمہ کے مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

⊙...... قرب قیامت میں فتنوں سے بچنے کیلئے مسلمانوں کا ملک شام کی طرف ہجرت کرنا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے، عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی، روئے زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ﴿شام﴾ کی طرف چلے جائیں گے، باقی رہنے والے بدترین ہوں گے۔

⊙...... گناہوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت کرنا۔ ﴿عمدۃ القاری ۱: ۳۵﴾

⊙...... ایک اور بھی قسم ہے، ماسوا اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف ہجرت کرنا، بخاری شریف میں ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت ان کی طرف ہی ہے۔ اللہ کی طرف ہجرت کا یہ مطلب ہے کہ انسان کے اعضاو جوارح کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کیلئے ہو، اس کا چلنا پھرنا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اسی کے حکم کے تابع ہو، وہ اپنی مرضی اور خوشنودی کو اس کی مرضی اور خوشنودی پر قربان کر دے۔

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین مدینہ منورہ کے فضائل و مناقب میں ارشاد فرمایا:

⊙...... بیشک سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ فقرا مہاجرین کا گروہ ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت کو بلائے گا تو وہ اپنی زینتوں اور رونقوں کے ساتھ حاضر ہو

جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے میری راہ میں قتال کرنے والے، قتل ہونے والے، تکلیف اٹھانے والے اور جہاد کرنے والے بندو! جنت میں بغیر حساب اور بغیر عذاب کے داخل ہو جاؤ۔ ﴿مسند احمد ۲:۱۶۸﴾

⦿...... جنتی لوگوں میں اکثر فقرائے مہاجرین تھے اور مسلمانوں کی اولاد تھی، میں نے کسی کو بھی امیر لوگوں اور عورتوں سے کم نہیں دیکھا، ﴿ایضاً ۲:۲۵۱﴾

⦿...... فقرا مہاجرین دولتمند مہاجرین سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، ﴿جامع ترمذی، کتاب الزھد، سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، مسند احمد ۳:۹۶﴾

⦿...... میرے پاس حوض کوثر پر سب سے پہلے فقرائے مہاجرین حاضر ہوں گے، وہ لوگ جن کے کپڑے میلے اور سروں کے بال پراگندہ رہتے ہیں۔ جو نہ مالدار عورتوں سے شادی کرتے ہیں اور ان کے لئے روکاوٹیں کھلتی ہیں، ﴿سنن ابن ماجہ کتاب الزھد﴾

ہجرت محبوب کی حکمت بالغہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیا کرام کو دیار کفر سے ہجرت کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، قرآن پاک میں حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت موسیٰ، حضرت یوسف، جیسے پیغمبران برحق کی ہجرتوں اور مسافرتوں کا بڑے اہتمام کے ساتھ ذکر موجود ہے، حضور پیغمبر نور ﷺ نے بھی ہجرت فرمائی تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ کے دل میں کفار مکہ کا خوف جاگزین تھا، اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو اس کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا، پھر حضور اکرم ﷺ کو یہ عہد ربانی تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے گا، کفار اپنی تمام ترچالوں اور آزمائشوں کے باوجود آپ پر غالب نہیں آسکیں گے، بعد میں جتنے غزوات رونما ہوئے، مشکل سے مشکل ترین حالات سامنے آئے مگر آپ نے ہمیشہ باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، غزوہ احد اور غزوہ حنین کے معرکے آپ کی بے خوفی اور بلند ہمتی پر شہادت فراہم کر رہے ہیں، حضرت اقبال نے ہجرت محبوب کی حکمت بالغہ پر کمال درجے کی روشنی ڈالی ہے، ذرا اس کا نظارہ کیجئے اور ان کے ذہن رسا کو داد دیجئے۔

عقدہ قومیت مسلم کشود ‏ ‏ از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک ملت گیتی نورد ‏ ‏ بر اساس کلمہ تعمیر کرد

تاز بخشش ہائے آں سلطان دین | مسجد ما شد ہما روئے زمین
آنکہ درقرآں خدا اور استود | آنکہ حفظ جان اوموعود بود
دشمناں بے دست و پا از ہیبتس | لرزہ برتن از شکوہ فطرتش
پس چرا ازمسکن آبا گریخت | تو گماں داری کہ از اعدا گریخت
قصہ گویاں حق زما پوشیدہ اند | معنی ہجرت غلط فہمیدہ اند

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ہجرت فرما کر اسلامی قومیت کا عقدہ کھول دیا اور آپ ﷺ نے کلمہ توحید کی بنیاد پر ایک عالمگیر ملت کو تعمیر فرمایا، یہاں تک کہ اس سلطان دین کی نگاہ کرم سے تمام روئے زمین ہماری سجدہ گاہ بنا دی گئی، حضور اکرم ﷺ کی شان تو قرآن میں بیان فرمائی اور آپ ﷺ کی جان کے تحفظ کا وعدہ فرمایا، آپ کی ہیبت سے دشمن بے دست و پا ہو گئے اور آپ کے شکوہ فطرت سے ہمیشہ لرزہ براندام رہے، اس شان کامل کے باوجود آپ نے اپنا وطن کیوں چھوڑا، کیا تیرا یہ خیال ہے کہ دشمنوں کے خوف کی وجہ سے چھوڑا، ایسا ہر گز نہیں، افسوس قصہ گو انسانوں نے ہم سے صداقت کو چھپا لیا ہے اور ہجرت کا غلط معنی سمجھا دیا ہے، ﴿رموز بے خودی﴾

حضور اکرم ﷺ کی تیرہ سال پر مشتمل مکی زندگی کی تبلیغ دین آپ کے عزم مسلسل کی زندہ تصویر تھی، آپ ﷺ نے بے شمار مصائب و آلام کے باوجود انتہائی استقامت اور شجاعت کی انمٹ مثالیں قائم فرمائی تھیں، آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کی جدوجہد کے معترف تھے، آپ نے محسوس کیا کہ ایسے تاریک ماحول میں توحید اور ایمان کا شجر پروان نہیں چڑھ سکتا، اس لئے مدینہ منورہ کے کھلے صحرائی ماحول میں اس لالہ صحرائی کے نظارے قابل دید ہوں گے، اس کے ساتھ رنگ و نسل کا امتیاز ختم ہوگا، وطن کی محبت پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت و اطاعت کا رنگ غالب ہو گا تو مسلمان صفات خداوندی سے متصف ہو جائیں گے جس کو قرآن پاک نے فرمایا ہے:

صبغة الله ومن احسن من الله صبغة ونحن له عابدون، اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم اسکی عبادت کرنے والے ہیں'

، ﴿سورۃ البقرہ:۱۳۸﴾

یہ اسی بیمثال رنگ کا کمال تھا کہ ایک دوسرے کے خلاف خون آشام تلواروں کے ساتھ نکلنے والے عرب ایک دوسرے کی عزت وعصمت اور قدر ومنزلت کے پاسبان گئے، اپنی ذات پر دوسرے کی ذات کو ترجیح دینے لگے، اخوت ومساوات کے مینارِ نور بن گئے، انہوں نے مٹی اور پتھر کے بتوں کو بھی پاش پاش کردیا، انا پرستی، خود پسندی، تکبر مزاجی اور کفر شعاری کے اندرونی اصنام کو بھی پاش پاش کردیا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، علامہ اقبال نے تشکیل جدید الہیات میں لکھا ہے کہ اسلام بہ حیثیت ایک نظام سیاست کے اصول توحید کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریق ہے، اس کا مطالبہ وفاداری خدا تعالیٰ کیلئے ہے نہ کہ تخت وتاج کیلئے چونکہ ذات باری تعالیٰ تمام زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے، اس لئے اس کی اطاعت کیشی کا درحقیقت مطلب یہ ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت کی اطاعت اختیار کرتا ہے، یاد رہے کہ اس معیاری فطرت کی بالیدگی کیلئے ایک مخصوص ماحول کی ضرورت درپیش تھی جو مکہ کے آتش وآہن والی فضاؤں میں ہنوز ناممکن تھا، اس بالیدگی کیلئے مدینہ منورہ کی زرخیز زمین کو منتخب کیا گیا جس کے ساتھ ہر فرد مسلمان وابستہ ہوکر امر ہوگیا ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

ہجرتِ مدینہ اور کتب سابقہ:

سابقہ انبیا کرام کی کتابوں میں حضور اقدس ﷺ کے مولد مکہ مکرمہ اور شہر ہجرت مدینہ منورہ کا ذکر بھی موجود ہے، مجموعہ بائبل میں جس قدر کتابیں ہیں ان میں مکہ کا نام فاران ہے کیونکہ اس جگہ پر فاران بن عوف بن حمیر نے اپنا قبضہ جمایا تھا، تورات کی کتاب پیدائش باب ۲۱ میں ہے کہ اسمٰعیل فاران کے بیابان میں رہا، فاران کا ذکر تورات کی کتاب اعداد اور کتاب استثنا میں بھی آیا ہے، اس طرح مدینہ منورہ کا نام ''سلع'' ہے، کتاب یسعیاہ باب ۴۲ میں ہے، ''سلع'' کے باشندے ایک گیت گائیں گے، مورخ طبری نے لکھا ہے کہ جب جنگ خندق میں مسلمانوں نے خندق کھودی تھی تو وہاں ایک پہاڑ کا ٹیلہ

تھا جس کو اہل مدینہ سلع کہا کرتے تھے، پھر سفر ہجرت میں حضور اکرم ﷺ نے ثنیۃ البول، ثنیۃ الجابر اور ثنیۃ مردان سے عبور فرمایا تھا، ثنیۃ الوداع مدینہ منورہ کے قریب ایک ٹیلہ ہے، اہل مدینہ اپنے دوستوں کو یہاں آکر رخصت کیا کرتے تھے، ان تمام ثنیات کا ذکر بھی کتاب یسعیاہ باب ۴۲ میں موجود ہے، سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے، انہی چھوٹے بڑے ٹیلوں پر کھڑے ہو کر انصار مدینہ نے حضور اقدس ﷺ کا راستہ دیکھا تھا اور انہی کے متعلق بنونجار کی کم سن لڑکیوں نے مسرت کے ترانے آلاپے تھے، کتاب یسعیاہ باب ۲۱ میں ہجرت محبوب کا ذکر ہے، مثلاً ان آیات پر غور کیا جائے:

⊙ ..... عرب کی بابت الہامی کتاب، عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے؟

⊙ ..... اے دوانیوں کے قافلو پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ، اے تیما کی سرزمین کے باشندو، روٹی لے کر بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو۔

⊙ ..... کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔

⊙ ..... کیونکہ اللہ نے مجھ کو فرمایا، ہنوز ایک برس، ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیراندازوں کی جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ رب اسرائیل نے یوں فرمایا۔

پہلی آیت میں ان مہاجرین کا ذکر ہے جو ظالم قریش کے سامنے سے جان اور ایمان بچا کر نکلے تھے، پھر دوسری آیت میں تیما والوں کو حکم ہے کہ ان کا استقبال کریں اور روٹی اور پانی سے ان کی تواضع کریں، واضح رہے کہ دوان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے کا نام ہے، یہ سبا کا بھائی تھا سبا اور دوان دونوں کی اولاد یمن میں آباد ہوئی تھی، سیل ارم کی وجہ سے یہ قبائل منتشر ہو گئے تھے، اوس خزرج کے قبائل انہی میں سے تھے، اسی لئے ان کو ''اے دوانیوں کے قافلو'' کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے، تیما حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آٹھویں فرزند کا نام ہے، جس کی اولاد مدینہ کے عقب میں آباد ہوئی، اس لئے ان کو ''تیما کی سرزمین کے فرزندو'' کہہ کر پکارا گیا ہے، ایک آیت میں یہ پیشگوئی ہے کہ مہاجرین کی ہجرت قریش کی تلواروں اور کمانوں کی وجہ سے ہوگی، ایک آیت میں قریش کے عبرتناک انجام کی خبر

ہے، یعنی کہا گیا ہے کہ قیدار کی حشمت وشوکت ایک سال میں گھٹ جائے گی، چنانچہ ہجرت کے بعد غزوہ بدر رونما ہوا جس میں بڑے بڑے سرداروں کے سر ہوا میں اڑتے نظر آئے، اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں ہجرت محبوب کی اہمیت کو اس انداز سے اجاگر کردیا کہ کوئی چشم بینا اس کا انکار نہیں کرسکتی اور کوئی قلب سلیم اس سے روگردانی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا.

بارگاہِ ربوبیت میں دعا:

اے رب العالمین! تو قادرو مالک ہے، تو نے حرف کن سے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے، ہر طرف تیری ہی حکمرانی کے پرچم لہرا رہے ہیں، ہر نیکی تیری ہی توفیق سے جنم لیتی ہے اور ہر بدی تیری ہی عطا کردہ ہمت سے ٹلتی ہے، تو ہی اپنوں کو عزتوں کے تاج بخشتا ہے اور تو ہی دشموں کو ذلتوں سے ہمکنار کرتا ہے، کون ہے جو تیرے مقابلے میں آئے، تو نے دشمنوں کو لمبی عمریں دیں کہ تجھے ان کی عداوت سے کوئی خطرہ نہیں، تو نے دوستوں کو جام وصل پلایا کہ تجھے ان کی عبادت کی کوئی احتیاج نہیں، تو ایسا بے نیاز ہے، تو ایسا بے پرواہ ہے سب مل کر تیری خدائی میں اضافہ نہیں کرسکتے اور نہ تیری خدائی میں کوئی کمی لاسکتے ہیں، تو زندہ ہے، قیوم ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، دانا ہے، کردگار ہے، تیری رحمت بے پایاں سے تیرے اس ناتواں بندے نے تیرے محبوب کریم ﷺ کی سیرت وصورت کی داستان چھیڑی، وہ محبوب جو تیری مخلوقات کا سردار ہے، جو تیری موجودات کا حاصل ہے، جو تیری کائنات کی منزل ہے، یہ ناتواں بندہ اسی محبوب کے وسیلے سے خواستگار ہے کہ اس کے الفاظ کو شان پذیرائی بخش دے، سیرت النبی کی اس جلد اول کو شرف قبولیت اور شہرت دوام سے سرفراز فرمادے، اس داستان محبوب کو میرے لئے توشۂ آخرت بنادے، قبر اور حشر کی منزلوں میں میرے نامۂ اعمال کو میرے لئے مسرتوں اور بشارتوں کا سرچشمہ کردے، میرے علم اور فکر میں اضافہ فرما اور مجھے حسنِ عمل کی دولت سے مالامال فرما، ہر وہ چیز عطا فرما جو اس جہان اور اس جہان میں عزت وعظمت کا پروانہ ہو، اے اللہ! تو ہی دعاؤں کو سننے والا ہے، میرے والدین، اولاد، عزیز واقارب اور تمام اہل ایمان پر خصوصی رحمت نازل فرما، امین، امین، تمام ملت اسلامیہ کو ترقی وعروج عطا فرما۔

والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین الی یوم الدین

مورخہ 18 اکتوبر بروز اتوار 2006 بمطابق ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ بوقت بعد نماز ظہر

مراجع

⊙...... قرآن حکیم

⊙...... تورات، زبور، انجیل

⊙...... صحیح بخاری، امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ

⊙...... صحیح مسلم، امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ

⊙...... جامع ترمذی، امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ

⊙...... سنن ابی داؤد، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ

⊙...... سنن نسائی، امام ابوعبدالرحمٰن بن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ

⊙...... سنن ابن ماجہ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ

⊙...... مصنف عبدالرزاق، امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ

⊙...... مصنف ابن ابی شیبہ، امام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ

⊙...... مسند احمد، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

⊙...... صحیح ابن خزیمہ، امام محمد بن اسحاق ابن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ

⊙...... مسند دارمی، امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ

⊙...... سنن دارقطنی، امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ

⊙...... سنن کبریٰ، امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ

⊙...... مجمع الزوائد، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ

⊙...... المستدرک، امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ

⊙...... مشکوٰۃ، امام ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ

⊙...... کنزالعمال، امام علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ

- فردوس الاخبار، امام شیرویہ بن شہردار دیلمی متوفی ۵۰۹ھ
- تفسیر کبیر، امام فخر الدین محمد رازی متوفی ۶۰۶ھ
- الجامع لاحکام القرآن، امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ
- تفسیر خازن، امام علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ
- روح البیان، امام اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ
- روح المعانی، امام ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ
- جامع البیان، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ
- تفسیر ابن کثیر، امام ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ
- خزائن العرفان، علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ
- تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ
- ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی
- نور العرفان، مفتی احمد یار خان بدایونی متوفی ۱۳۹۱ھ
- الاتقان، امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ
- تحقیق الکواکب شرح البخاری، امام محمد کرمانی متوفی ۸۷۶ھ
- عمدۃ القاری، امام بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ
- فتح الباری، امام شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
- ارشاد الساری، امام احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ
- فیض الباری، علامہ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ
- شرح مسلم، امام یحییٰ بن شرف النووی متوفی ۶۷۶ھ
- شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ
- اکمال المعلم، امام ابو عبد اللہ بن خلفہ دشتانی متوفی ۸۲۸ھ

⊙...... مرقات، امام علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ

⊙...... اشعۃ اللمعات، علامہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ

⊙...... تہذیب التہذیب، امام شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

⊙...... لسان المیزان، امام شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

⊙...... میزان الاعتدال، امام شمس الدین ذہبی متوفی ۷۵۴ھ

⊙...... المفردات، امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ

⊙...... تہذیب الاسماء، امام یحییٰ بن شرف النووی متوفی ۶۷۶ھ

⊙...... لسان العرب، امام جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ

⊙...... کتاب الشفاء، قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ

⊙...... نسیم الریاض، امام احمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ

⊙...... سیرۃ النبی، امام محمد اسحاق بن یسار مطلبی متوفی ۱۸۵ھ

⊙...... سیرۃ النبی، امام ابو محمد عبدالملک بن ہشام المعافیری متوفی ۲۱۸ھ

⊙...... مکتوبات امام ربانی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ

⊙...... مدارج النبوۃ، علامہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ

⊙...... الوفا باحوال المصطفٰے، امام عبدالرحمٰن ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ

⊙...... مواہب لدنیہ، امام احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ

⊙...... شرح المواہب زرقانی، امام محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ

⊙...... البدایہ والنہایہ، حافظ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ

⊙...... انسان العیون (سیرت حلبی)، امام [illegible]

⊙...... حجۃ اللہ علی العالمین، امام یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ

⊙...... دلائل النبوۃ، امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ

- السیرۃ النبویہ، امام اسماعیل ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ
- طبقات کبریٰ، امام محمد ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ
- استیعاب، حافظ ابو عمر یوسف متوفی ۴۶۳ھ
- اسد الغابہ، حافظ ابوالحسن ابن اثیر الشیبانی متوفی ۶۳۰ھ
- الروض الانف، امام ابوالقاسم عبدالرحمان سہیلی متوفی ۵۸۱ھ
- مختصر سیرۃ الرسول، شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی متوفی ۱۱۴۲ھ
- سیرۃ الرسول، علامہ محمد حسین ہیکل
- تاریخ الامم طبری، امام جعفر محمد طبری متوفی ۳۱۰ھ
- تاریخ ابن خلدون، امام عبدالرحمٰن ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ
- وفاء الوفاء، امام نورالدین علی سمہودی متوفی ۹۱۱ھ
- جواہر البحار، امام یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ
- رحمۃ العالمین، علامہ محمد سلیمان سلمان منصور پوری
- سیرت رسول عربی، علامہ نور بخش توکلی نقشبندی
- سبل الھدیٰ، امام محمد بن یوسف صالحی ۹۴۲ھ
- مطالع المسرات، امام محمد مہدی بن احمد فاسی
- سیرت المصطفیٰ، علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی
- جذب القلوب، شیخ عبدالحق محدث دہلوی
- محمد رسول اللہ ﷺ، شیخ ابراہیم عرجون

☆

میں اور لب پہ ہے ان کا نام ، اللہ اللہ
خوشا کیا ملا ہے مقام ، اللہ اللہ
نگاہوں میں دلکش مدینے کے جلوے
لبوں پر درود و سلام ، اللہ اللہ
گدا جا رہے ہیں،عطا پا رہے ہیں
یہ رستہ ، یہ در ، یہ پیام ، اللہ اللہ
ہوئی ہر طرف ابر رحمت کی بارش
وہ آیا جہاں کا امام ، اللہ اللہ
جھکے جس کے آگے فصیحانِ عالم
بیان اللہ اللہ ، کلام ، اللہ اللہ
فقیروں کو دی جس نے دنیا کی شاہی
فقط وہ ہے ان کا نظام ، اللہ اللہ
مری ایک ٹھوکر پہ دنیا کی دولت
میں ہوں مصطفےٰ کا غلام ، اللہ اللہ

﴿ غلام مصطفےٰ مجددی ﴾

☆

اللہ ! کھل رہی ہے زباں کس حساب میں
حمدِ خدا میں ، نعت رسالت مآب میں

اللہ ! ان کا حسن تکلم تو دیکھنا
جھڑتے ہیں جیسے پھول ، بہار شباب میں

اللہ! ان کا صحنِ چمن میں خرامِ ناز
مہتاب چل رہا ہے ، شبِ ماہتاب میں

اللہ! ان کی چشمِ خدا مست کا خمار
مینا میں وہ اثر ہے نہ جامِ شراب میں

اللہ! ان کے سامنے کس کی مثال دوں
نورِ ازل چھپا ہے بشر کے حجاب میں

اللہ !ان کی راہ میں جاں سے مجھے گزار
یہ شرطِ اولیں ہے وفا کے نصاب میں

اللہ! ان کے نام پہ ہر شے فدا کروں
لکھ دے غلامِ زار کی قسمت کے باب میں

﴿ غلام مصطفےٰ مجددی ﴾